

کھلاڑی

ایم اے راحت

غلطی سرخ رنگ کے بڑے بندر کی تھی۔ کتھرے کی چھت بھی بھلا کوئی سونے کی جگہ ہوتی ہے مگر اس کی حرکتیں ایسی ہی ہوتی تھیں۔ شدید مشقت کے بعد تھکے ہوئے تمام بندر کتھرے میں اپنے اپنے ٹھکانوں میں دراز ہو گئے تھے مگر وہ سرخا وسیع و عریض کتھرے کی چھت کی سلاخوں سے جا چٹا تھا اور وہیں اس نے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔ دوسرے بندروں نے ناگواری سے اسے دیکھا تھا اور منہ ٹیڑھے کر کے اپنے جگہوں پر دراز ہو گئے تھے۔ سرخا بدستور سلاخوں سے چٹا رہا اسے نیچے سوتے ہوئے بندروں کی بے چینی سے لطف آ رہا تھا۔ بہت دیر تک وہ ان سے حرے لیتا رہا پھر وہ سب بے خبر سو گئے تو سرخے کی آنکھوں میں بھی غنودگی رہ گئی تھی اور پھر جیسے ہی اسے نیند کا جھوٹا آ یا سلاخوں میں لپٹے ہوئے ہاتھ پاؤں بے جان ہو گئے اور وہ بھد سے نیچے آ رہا۔ تین بندروں کو چونٹیں لگی تھیں اور وہ بری طرح چیخ پڑے تھے۔ ان کی چیخوں سے دوسرے بھی جاگ گئے۔ چوٹ کھائے ہوئے بندر مرنے مارنے پر آمادہ ہو گئے۔ ان میں سے ایک نے سرخے کی دم دانتوں میں دھانی دو اچھل کر اس کی پشت پر چڑھ گئے اور اسے کاٹنے لگے۔ سرخے نے اپنے قوی ہیکل بدن کو زوردار جھٹکے دے کر ان کی گرفت سے تو آزادی حاصل کر لی لیکن سب ہی کو اپنا مخالف پا کر وہ ایک کونے میں جا دھکا۔ تمام بندر شدید احتجاج کر رہے تھے اور متحدہ طور پر سرخے کو سزا دینے پر قائل ہو گئے تھے۔ ان کی کڑخت آوازیں سن کر قریب کے کتھرے سے شیر دھاڑا اور جواب میں سوتا بھتی تین بار چنگھاڑی اور اچھا خاصا ہنگامہ برپا ہو گیا۔ کسی خیمے میں سوتے ہوئے جانوروں کے محافظ جاگ کر ناک چلیں اور ہٹنے لگے۔ شیر اور ہاتھی تو غصے کا اظہار کر کے خاموش ہو گئے تھے مگر بندروں کے کتھرے میں مسلسل ہنگامہ برپا تھا۔ دو محافظ ان کے پاس پہنچ گئے۔ چند سمجھدار بندر تو تارچوں کی روشنی دیکھ کر ہی اپنی جگہ لڑھک گئے تھے اور انہوں نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ لیکن جو زیادہ پر جوش ہو گئے تھے انہیں محافظوں کی لکڑیاں کھانی پڑیں۔ سرخ بندر سیانا نکلا وہ فوراً ایک گوشے میں سوتا بن گیا۔ احتجاج کرنے والے پٹ پٹا کر خاموش ہو گئے تھے اور ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔

مگر ایک خیمے میں سوتے ہوئے غلام شاہ کی نیند اچٹ گئی تھی۔ اس کی آنکھ اس ہنگامے سے کھلی تھی اور وہ فوراً ہی اس پر غور کرنے لگا تھا۔ بندروں کی چیخیں سن کر وہ صورتحال کا اندازہ لگا تا رہا۔ پھر شیر اور بھتی کی احتجاجی آوازیں بھی اس نے سنیں۔ سرکس کے تمام ارکان کو یقین تھا کہ غلام شاہ تمام جانوروں کی بولی سمجھتا ہے۔ بارہا اس کا تجربہ ہو چکا تھا اس سے یہ سوال بھی کیا گیا تھا تو اس نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔

”کا ہے ناہیں۔ ہمارا کتبہ ہے سروردا۔ کتبے دارن کی بولیاں ناہیں سمجھیں گے تو کہہ کیسے چلے گا۔“

غلام شاہ گہری گہری سانسیں لیتا رہا۔ خیمے میں کاربانڈ لیسپ کے نیلے شیشے سے مدہم روشنی چمک رہی تھی۔ تمام جزیرہ نماں بچے بند کر دیئے جاتے تھے اور ضروری جگہوں پر کاربانڈ لیسپ روشن کر دیئے جاتے تھے تاکہ بجلی کی بچت ہو اور پھر جزیرہ نماں کی آوازیں بھی نیند میں مداخلت کرتی تھیں۔ خود

غلام شاہ کو بدہم روشنی میں سونے کی عادت تھی۔ اس لئے ایک لیپ اس کے خیمے میں روشن رہتا تھا۔

ہندروں کی آوازیں ختم ہو گئیں تو غلام شاہ نے گردن جھٹکی اور آہستہ سے بڑبڑایا۔ ”صبح کو کھمبہ لیویں گے۔“ پھر اس نے دونوں ہاتھوں کے سہارے سے کروٹ بدلی وہ سونے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کا جسم ناقابل تھا پس سر سے لے کر گھٹنوں تک، اس کے بعد کچھ نہ تھا۔ دونوں پاؤں گھٹنوں کے پاس سے غائب تھے۔

کروٹ لے کر وہ آنکھیں بند کرنے والا تھا کہ دفعۃً اس کی آنکھیں پوری کھل گئیں۔ وہ ایک دم اکڑ گیا قوی بریکل بدن میں پھڑکن ہونے لگی۔ سانس رک گیا اور ساعت کام کرنے لگی۔ سر سراپٹ تلکے سے کچھ فاصلے پر تھی اور وہ سر سراپٹ کسی چھوٹی سی چیز کی نہ تھی۔ کوئی لمبی، چمکی چمکی والی شے تھی۔ سر کے بالکل قریب، اس کی تیز چمکدار آنکھیں حلقوں میں گردش کرنے لگیں۔ زبان خشک ہونٹوں کو تر کرنے لگی۔ پھر اس کے ہونٹوں سے ایک غیر انسانی آواز خارج ہوئی۔ ”ٹل، ٹل، ٹل“ اور سر سراپٹ ایک دم رک گئی ساتھ ہی ایک ہولناک پھنکار سنائی دی۔ پھنکار کی جگہ کا اندازہ غلام شاہ کو ہو گیا اور اس نے ایک بار پھر ہونٹوں سے وہی آواز نکالی اور اس کا ہاتھ پیچھے رک گیا۔ ٹانگوں پر پڑے ہوئے کھپس کو اس نے انگلیوں کی گرفت میں لیا اور اسے اوپر سرکانے لگا۔ اس کی دوسری آواز کے جواب میں پھنکار پھر سنائی تھی اور غلام شاہ نے ہونٹ بھینچ لئے۔ اس کے چہرے اور آنکھوں میں اب نیند کا شائبہ بھی نہ تھا۔ کھپس تھوڑا سا اور اوپر سرکا اور اس کے بعد بجلی سی چمک مچی۔ کھپس اوپر کو لپکا اور غلام شاہ کا بدن اچھل کر دھپ سے نیچے فرش پر آگرا۔ لیکن سیاہ کوڑیالہ سانپ کھپس کی گرفت میں نہیں آیا تھا بلکہ اس کی ضرب سے وہ بھی غلام شاہ سے چند فٹ کے فاصلے پر ہی گرا تھا۔ نیچے گرتے ہی سانپ نے خود کو سنبھالا اور بدن کو لہر اڑے کر غلام شاہ پر لپکا۔ غلام شاہ نے ایک پٹلی کھائی اور سانپ کے نشانے کی زد سے نکل گیا لیکن اب وہ سی میٹھک کی طرح کئے ہوئے پاؤں اور دونوں ہاتھ زمین پر ٹکائے سانپ کو دیکھ رہا تھا۔ سانپ نے بدن سمیٹا اور پھن اٹھا لیا چند لمحات سنبھلی سنبھلی آنکھوں سے غلام شاہ کو دیکھتا رہا اور پھر اٹانک دوبارہ اس پر جھپٹا سانپ نے پھن مارا لیکن اس کا پھن خالی زمین پر لگا۔ غلام شاہ نے وہ جگہ خالی کر دی اور ایک سمت ہو گیا۔ سانپ نے دوسرا حملہ کیا تو وہ دوسری طرف سرک گیا۔ وہ سانپ سے زیادہ پھر تیز ثابت ہو رہا تھا۔ سانپ نے بھی جیتنا بڑا ہلا اور اس بار پورے بدن کو اوپر اٹھا کر لہرایا تاکہ وہ مقابل اگر جگہ خالی کر لے تب بھی اس کی زد میں آجائے لیکن اس کا اندازہ غلط ثابت ہوا۔ غلام شاہ میٹھک کی طرح اپنی جگہ سے اچھلا اور نیچے آیا تو سانپ کا پھن اس کے چھوڑے نیچے کے ٹکے میں تھا دوسرے لمحے اس نے سانپ کے پھن کو دانتوں میں دبایا اور آن کی آن میں پھن باقی بدن سے جدا ہو گیا۔ اس نے پھن کو زور سے خیمے کے بانس پر دے مارا۔ سانپ کا باقی بدن بری طرح لہریں لے رہا تھا۔ دفعۃً ایک اور آہٹ ہوئی اور غلام شاہ نے قلابازی کھا کر اپنی جگہ خالی کر دی۔ ایک جگہ اٹھے ہوئے خیمے کے پاس اسے دو جوتے نظر

آئے جو دوسرے لمحے غائب ہو گئے تھے۔ یہ جگہ غلام شاہ کے بستر کے سرہانے کے پاس تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ کوئی وہاں موجود تھا۔ غلام شاہ نے اس بار جو قلابازی کھائی تھی اس سے اس کا بدن ان دو نیزوں سے ٹکرایا جن پر ایک بڑی ڈھال لگی ہوئی تھی اور دونوں نیزے کر اس کی شکل میں رکھے ہوئے تھے۔ تاجپے کی ڈھال کے گرنے سے زوردار آواز پیدا ہوئی تھی اور اس آواز سے برابر کے خیمے میں سویا ہوا اکبر شاہ جاگ گیا تھا۔ دوسرے لمحے اکبر شاہ غلام شاہ کے خیمے کا پردہ ہٹا کر اندر داخل ہو گیا۔ اندر کا منظر دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں وہ تیزی سے آگے بڑھا تو اچانک اس کو بے سر کا سانپ نظر آیا جو اذیت کے عالم میں بدن رگڑ رہا تھا۔ اکبر شاہ ٹھٹھک کر رک گیا۔ غلام شاہ نے ایک گہری سانس لے کر بدن کو ڈھیلا چھوڑ دیا تھا۔

”کیا ہوا شیخا یہ کیا ہوا یہ۔“ یہ اکبر شاہ کے منہ سے آواز نکلی اور غلام شاہ مسکرا دیا۔

”ارے کچھ تاجپے ہوا۔ یہ اندر گھس آئے رہے۔ مارنا پڑا مسرہ اگو۔“

”مگر اس کا پھن؟“

”او!“ غلام شاہ نے سانپ کے پھن کی طرف اشارہ کیا۔

”مگر یہ آ کہاں سے گیا۔“

”ارے تو کہاں سے آئے رہن، جہاں سے تو آیا وہاں سے اسے بھی آئے رہن۔ بڑا چا سو جا۔ اسے ڈھال گر کے تھوکا بھی چگائے رہن، چا سو جا بڑا جا پوت۔۔۔۔۔“

”آؤ شیخا، بستر پر چلو۔“ اکبر شاہ نے آگے بڑھ کر غلام شاہ کو سہارا دیا۔ وہ خود بھی شاعر اور رزمی جسم کا مالک تھا۔ مگر غلام شاہ کو بستر پر پہنچاتے ہوئے اس کی موٹی گردن کی رگیں پھول گئی تھیں۔

”تھوڑی دیر تمہارے پاس رکنا چاہتا ہوں شیخا۔“

”ارے حیرتی کھوپڑیا کھرا ب ہوئی گئی کارے۔ کاباست ہے بول؟“ غلام شاہ نے کہا۔

”آخر یہ سانپ کہاں سے آیا؟“

”بھری ناک سے نکلتے رہے راجہ ہنسی رہن ہم۔“ غلام شاہ ہنس پڑا۔

”دیکھو شیخا میں اب بھی یہی کہوں گا کہ تھوڑے کی رسی کمزور نہیں تھی اسے کاٹا گیا تھا اور تم بال بال بچے تھے ورنہ دو من وزنی جھولا تمہارے سر پر گرا ہوتا

سب گول رسی کو دیکھ کر ہی کہہ رہے تھے کہ اسے کاٹا گیا تھا وہ کمزور نہیں تھی اور اب یہ سانپ۔“

”ارے ادا اکبر! تو کس پر الجام لگانا چاہوے ہے اے وہ سب ہماری اولاد رہن، بچے باپ کو ماریں گے، بات کرت ہے۔ ارے جا پوت سونو دے ہکا۔“ غلام شاہ نے بگڑے ہوئے لہجے میں کہا۔

اکبر شاہ تھوڑی دیر تک یونہی کھڑا اسے دیکھتا رہا پھر پاؤں چمتا ہوا باہر نکل گیا۔ غلام شاہ نے آنکھیں بند کر لی تھیں پھر جب اسے اکبر شاہ کے چلے جانے کا اندازہ ہو گیا تو اس نے آنکھیں کھول کر خیمے کے دروازے کی طرف دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ آہستہ سے بولا ”اکڑ گئے رام بھر دے لعل۔“ پھر آہستہ آہستہ اس کی یہ مسکراہٹ لوٹ گئی۔ اس نے تشویش بھری نظروں سے سانپ کے بے جان بدن کو دیکھا اور اس کی آنکھوں میں دو جوتے محوم گئے جو اٹھے ہوئے خیمے کے پاس نظر آئے تھے۔ وہ ان جوتوں کے بارے میں سوچتا رہا پھر اس کے منہ سے آہستہ سے نکلا۔ ”ارے کیون ہے بھائی تو، کا گلتی ہو گئی ہم سے پوت، تم سب کا اولاد کی طرح پانے رہیں بتائے تو دے بھیا کھواہ کھواہ ہمار جان کالا گو ہونے رہے۔ ہم تو سے ناہیں مرے رہیں گے ہوا وہ کھت تک جب تک ہمار آ رہو پوری نا ہوے جیتا ہے ہمیں ہونا ناہیں تو وہاں جا کر سرمندگی ہو گئی بڑے کے سامنے۔“ غلام شاہ کی آنکھوں کی کوریں بھیگ گئیں۔

کلیم شاہ یاد آ گیا تھا جو اس سے صرف پانچ سال بڑا تھا باپ بچپن میں مر گیا تھا ایک دوسرے کی گردن میں یا نہیں ڈالے جوان ہوئے تھے ان کا تعلق ”نٹوں“ کے ایک قبیلے سے تھا خانہ بدوش تھے۔ نگری نگری یا زنگری کے کمالات اور شجہ دے دکھا کر پیٹ پالتے تھے۔ باپ نے بلندی سے چھلانگ لگائی اور سر کے بل آگرا۔ بھیجا نکل پڑا تھا مگر اس وقت غلام شاہ ایک سال کا تھا اور کلیم شاہ چھ سال کا۔ باپ کے کرب کوئی نہ سکھ سکا تھا۔ بس کلیم شاہ ”تا شے“ پر ضربیں لگاتا تھا انٹی سیدھی، الہت قبیلے والوں نے پورا پورا ساتھ دیا تھا اور بچوں کو باپ کی کمی نہ محسوس ہونے دی تھی۔ سردار ابراہیم نے پانس کا کام سکھایا تھا۔ خلیفہ درویش نے باکڑی میں ماہر کر دیا تھا۔ سب کے بچے تھے اس لئے جسے جو کچھ آتا تھا اس نے ان بچوں پر بٹھا کر دیا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قبیلے کے سب سے زیادہ ہنرمند بن گئے۔ شان ہی دوسری ہو گئی یہاں تک کہ جوانی آ گئی۔ ماں نے بڑے کی شادی کر دی اور گھر میں بھو جانی آ گئی مگر ساس نے بہت جلد بیو کے لئے اپنی جگہ خالی کر دی اور دنیا سے چلی گئی۔ دونوں بھائی اچھی کمائی کر رہے تھے اور زندگی عیش سے گزر رہی تھی۔ کلیم شاہ کے ہاں پہلے اکبر شاہ اور اس کے بعد سونیا پیدا ہوئے۔ کلیم شاہ سے زیادہ غلام شاہ خوش تھا اور گوشت کے ان لوتھڑوں کو سینے میں چھپائے بھرتا تھا۔ ایک دن بھو جانی نے کہا ”ارے گلامو رے تو کا سادی ناہیں کرنی رے۔ ایسے ہی ناٹ گھوڑا بھرتا رہے گا۔ لوگ کہیں گے بھو جانی دیور کی کمائی کھائے جات ہے۔“

”کیون سر جہاں کھولے گا بھو جائی جہاں نکال کر تھیلی پاندہ نکائی دے رہن۔ ہاں۔“ غلام شاہ نے کہا۔

”پھر بھی بھڑا سادی تو کرنی ہے نا؟“

”ارے گا کریں گے سادی کر کے بھیانے کرنی بہوت ہے۔“

”ارے سادی کرے گا بچے ہو گئے کنبہ بڑھے گا؟“

”ہے رہے بھو جائی۔ اپنے دو بچے ہی بہوت رہن۔ ہو رہی سوئی ارے ادا کبر آ جائیو آ جا رہے۔“ یہ کہہ کر غلام شاہ دونوں بچوں کو سینے سے لگا لیتا اور بھادج مسکرا مسکرا کر اسے دیکھتی رہتی۔ مست زندگی تھی۔ میٹھے میٹھے ہوتے تو کمائی بڑھ جاتی۔ میٹھے نہ ہوتے تو گاؤں دیہاتوں میں نکل جاتے اور تن اور پیٹ کا کام چل جاتا کوئی پریشانی نہیں تھی۔ پھر ایک بڑے شہر میں نمائش لگی اور قبیلہ قالی کی فصل میں چل پڑا۔ میٹھلی سے ڈبرے کی اجازت مل گئی اور قبیلے والے مصروف ہو گئے۔ عورتوں نے ڈم ڈم گاڑیوں، ڈگڈگیوں، سارنگیوں اور گجریوں کے چھابڑے اٹھائے۔ مرد و عورتاں، ہانسیں بکرے اور بندر، کتے سنبھال کر چل پڑے۔ نمائش کے اندر تو جگہ نہیں ملتی تھی وہاں بڑے بڑے سرکس اور دوسرے کھیل تماشاؤں کے تنبوں لگے ہوئے تھے۔ باہر آزادی تھی اور اچھے خاصے مجمع مل جاتے تھے۔ اس ہار نمائش میں انگلش سرکس کی بڑی دھوم تھی۔ سرکس کا مالک کوئی پارسی تھا مگر اس کے ساتھ کئی انگریز بازنڈر اور عورتیں بھی تھیں۔ عورتیں فیم عریاں لباس پہن کر پنڈال میں تھرکتیں تو بچے بڑوں کو ہتاتے کہ سفید میم معمولی سے کپڑے پہن کر سفید گھوڑے پر کرب دکھاتی ہے تو بڑے بڑے بھی ”سفید گھوڑا“ دیکھنے نکل پڑتے۔ یہ کھیل تماشا عموماً شام اور رات کو ہوتے تھے۔ اس لئے تنوں کی کمائی دن میں خوب ہو جاتی تھی۔ ایسی ہی ایک شام کلیم شاہ اور غلام شاہ مجمع لگائے کرب دکھا رہے تھے کہ انگلش سرکس کا پارسی مالک اپنے سفید قام رنگ ماسٹر کے ساتھ ادھر نکل آیا۔ اس کے مطلب کی بات تھی اس لئے وہ بھی مجمع میں شامل ہو گیا۔ غلام شاہ پندرہ فٹ کے تین ہانسون کو کچ سے باندھ کر انہیں ایک بلند درخت کی سب سے اونچی شاخ پر لگائے کسی چٹلس کے بغیر ان پر دوڑ لگا رہا تھا۔ پلک جھپکتے اوپر پلک جھپکتے چمچے۔ پارسی سیٹھ کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

غلام شاہ نے دوسرا کرب دکھایا۔ وہ ایک لمبے ہانسون کو لے کر دوڑا اور پھر ہانسون کے سرے پر اوپر اٹھ گیا۔ اب ہانسون کا ایک سراز من پر تھا اور غلام شاہ اس کی نوک پر طرح طرح کے کرب دکھا رہا تھا۔ چٹلس کا یہ کمال نا قابل یقین تھا۔

”مائی گاؤ۔ تم نے دیکھا مسٹر پیڈرو۔ یہ آدمی چادوگر ہے ہمارے ہاں کوئی یہ کام دکھا سکتا ہے۔“

”یہ کون ہے مسٹر مانجی۔“

”ایسٹرن لوگ ہے، سڑکوں پر تماشے دکھانے والا ہے یہ سچ ہے، مسٹر پیڈرو کہ ایشیا بہترین صلاحیتوں سے مالا مال ہے۔ مگر بد قسمتی یہ ہے کہ یہاں فن کا قدر نہیں ہوتا ان لوگوں کو پیٹ بھر کر روٹی مل جائے تو یہ یورپ کا بہتر گول کر سکتا ہے۔ دیکھو، دیکھو او مائی گاڈ، دیکھو۔“ پارسی سیٹھ منظر بانہ انداز میں بولا۔ غلام شاہ بانس کی ٹوک پر کود رہا تھا اور لوگ تالیاں بجا رہے تھے۔

”اگر یہ آدمی میرے سرکس کو مل جائے تو میں اسے تربیت دے کر دھوم مچا سکتا ہوں۔“ پارسی سیٹھ بولا۔
 ”اوہ! یہ جاہل لوگ ہے،“ پیڈرو نفرت سے بولا۔

”اس کی پاڈی دیکھو؟ اگر اسے شاندار لباس پہنا دو تو تم اس کا بلٹر لگے گا مسٹر پیڈرو۔“ مانچی نے یہ بات ازراہ مذاق کہی تھی مگر پیڈرو کے دل کو لگ گئی۔ غلام شاہ کے فن کے بارے میں کچھ نہ کہہ سکتا تھا کیونکہ جو کچھ دیکھ رہا تھا اسے دیکھ کر اپنی آنکھوں کو بھی یقین نہیں آ رہا تھا لیکن وہ دل میں جھلس کر رہ گیا تھا۔ تماشا ختم ہو گیا اور لوگ اٹھنی اور چونی اور روپیہ کلیم شاہ کو دینے لگے جو ایک پیالہ لے کر چکا لگا رہا تھا۔ جب وہ مانچی کے سامنے پہنچا تو ماننے نے پیالے میں بہت سارے نوٹ بھروئے۔ کلیم شاہ کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔
 ”مالک! حیات اے صاب، ہال بچے حیات رہیں۔“ وہ کانپتا ہوا بولا۔

”کیا نام ہے تمہارا۔“

”کلیم سا، مالک۔“

”اور وہ کون ہے؟“

”گلامو مائی باپ، گلامو سا ہے ہمارا چھوٹا بھین۔“

”تم نے یہ کام کہاں سیکھا؟“

”پستوں کا ترکہ ہے مالک۔ باپ دادا کی سکھ ہے۔“

”تم نے کبھی انگلش سرکس دیکھی ہے۔“

”ناہیں مالک۔“

”رات کو آؤ۔ لوہے پر چنی رکھ لو گیٹ کپڑے کو دکھا دینا وہ چمپیں اندر آنے دے گا۔ آؤ گے۔“

”چروہ مالک۔“

”اپنا بھائی کو بھی لاتا۔“

”خیر درلاوت اس مالک۔ مولائے جنائے رکھے۔“ کلیم شاہ نے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا اور مانجھی وہاں سے چل پڑا۔

”اس آدمی کو ہر قیمت پر ہمارے ہاتھ لگنا چاہئے پیڑرو۔ میں اسے پارس بنادوں گا۔“ اس نے کہا۔

”ضرور مسٹر مانجھی۔“ پیڑرو نے سرد لہجے میں کہا اور کلیم شاہ کا عہتا ہوا غلام شاہ کے پاس پہنچ گیا۔

”اے دیکھ گلامو۔ اے دیکھ تو سہی بھین۔ اے کھد رکھل مئی اے گلامو۔ پوری نماں میں اسنے پیسے نہیں مل سکت تھے۔ پر مولائے سن لی اے بھین سارے دلدردور ہو جات رہے۔“

”ہم دیکھ رہے بڑے۔ سب ری مشکل دور ہوئی تھی۔ اے اب تو بھو جاکے کے لئے نئی کپڑے کھریدیں گے ہم۔ بھری سوئی اور اکبر چنوا کے گڈے بن جائی رہیں۔ اے واہرے مولائے۔ غلام شاہ کی خوشی کا بھی کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔“

”جانت رہیں اوکون تھا۔“

”ناہیں بڑی۔“

”انگلش سرکس والا۔ ہمیں سرکس میں بلائی رہے۔“

”کیا۔“ غلام شاہ سانس روک کر بولا۔

”آج ہی رات۔“

”ہکا بھی لے جائی ہے بڑے۔“

جب وہ دونوں سرکس پہنچے تو انگلش سرکس گیٹ کبیر نے ان دونوں کو سب سے آگے لے جا کر بٹھایا تھا اور وہ سحرزدہ سے بیٹھ گئے تھے۔ سرکس شروع ہو گیا دونوں بڑی دلچسپی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ ساتھ ہی تبصرے جاری تھے۔ غلام شاہ کہہ رہا تھا۔

”دہست حیرے کی۔ ای سب تو ہم کرتی ہے۔ ای کا مشکل رہے۔“

”ہاں رے۔ یہی کام بڑے رہیں۔“ وہ نہیں جانتے تھے کہ مانجھی بیٹھا ان کے بالکل پیچھے بیٹھا ان کی باتیں سن رہا ہے۔ سرکس ختم ہوا تو اس کے عقب سے ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

”تمہارا خیال ہے تم جھولوں پر اور دوسری چیزوں پر یہ کام دکھا سکتے ہو۔“

”ارے مالک تم ہاں مائی باپ۔ یہ سر بچے اپنی اے مائو کوئی مشکل کام نا ہیں رہے۔“

”اس طرح کھیل تما شے دکھا کر تم کتنے پیسے کما لیتے ہو۔“

”بس مالک مولانا کا کرم رہے۔ پیٹ بھرجات ہے۔“

”میں اس سرکس کا مالک ہوں۔ اگر تم چاہو تو میرے پاس کام کر سکتے ہو، تمہیں اور تمہارے سارے گھروالوں کو دنیا کی ہر چیز دوں گا۔ ایک ایک ہزار روپے تنخواہ ہوگی۔ تمہارا کھانا، کپڑا اور ضرورت کی ہر چیز تمہارے گھروالوں کو مفت ملے گی۔ پھر ہم لوگ دنیا کے ہر ملک میں جائے ہیں تم اور تمہارے بچے عیش کریں گے یو لو منظور ہے۔“

”بڑا۔ بڑا بولے گا مالک۔“ غلام شاہ بانپتا کا ہنپتا ہوا بولا۔

”تو ہی بول بڑا۔“ کلیم شاہ نے کہا۔

”نا بڑے۔ میری طبیعت تو کھراپ ہوئی رہے۔“

”اور کا چاہئے مالک، ہم قمرے گلام۔ مالک، ہم قمرے کھادام۔“ کلیم شاہ نے اپنے منہ پر مستقبل کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”کل گیا رہ بچے آ جاؤ۔ میں تمہارا انتظار کروں گا۔“

”آ جائیں گے مالک۔ جرور آ جائیں گے۔“ واپس میں ان کے ہاتھ پاؤں پھولے ہوئے تھے۔

”اوسر نے دارو تو نا ہیں پی رکھی تھی کا۔“

”نارے گلامو، مکدت چیت رہیں۔ مولانا نے چھپر پھاڑ دین ہے۔“ کلیم شاہ سرور لہجے میں بولا۔

رات کو دونوں بھائی ایک دوسرے کو پکارت رہے۔

”ارے اوکی گلامو، سوئی رہے رہے۔“

”نا بڑے۔ چانگ رہنا۔“

”ارے ای مرگا سرکا مرگئی رہے۔ بولت ہی نا ہیں۔ پوری رات گھر گئی رہے۔“

”نا ہیں بڑے۔ آج رات۔ جرابھی رہے۔“

دوسرے دن صبح سے وہ بولکھلائے بولکھلائے پھرتے رہے۔ صبح نو بجے ہی وہ انگلش سرکس کے آس پاس چکر لگانے لگے تھے۔ پھر ایک گھڑی والے ہابیو سے وقت پوچھ کر دونوں سرکس میں داخل ہو گئے۔ سرکس کے فنکار مشق کر رہے تھے اور مانچی ان کے درمیان پیڑ روکے ساتھ کھڑا یہ مشق دیکھ رہا تھا۔ اس کی نگاہ ان دونوں پر پڑ گئی اور اس نے ان کی طرف متوجہ ہو کر کہا: ”آسمیا تم لوگ۔ آؤ، آؤ۔“ وہ پیڑ روک کو چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔ ”یہ مشق دیکھو اور بتاؤ تم اس میں سے کون سا کرہب آسانی سے کر سکتے ہو۔“ دونوں خاموشی سے ان لوگوں کی مشق دیکھتے رہے۔ پیڑ روکی آنکھوں میں آگ لگ رہی تھی۔ کچھ دیر گزر گئی جب مانچی نے پوچھا۔

”ہاں بھئی کیا لگا یہ سب تم لوگ کو۔“

”برانا ماننا مالک۔ اسی سب کھیل تمنا سا تو بچے کر لیتے ہیں۔ او تمرا جھولا تائیں رہے۔ ہم ادکا پر سے دس چھلانگ لگا سکت ہیں کہو تو کر کے دکھائی رہے۔“ کلیم شاہ نے کہا۔

”ضرور کر کے دکھاؤ۔“

”حکم مالک۔ ارے جھولے پڑھ لئی۔ بسم اللہ۔“

کلیم شاہ نے کہا اور مانچی کے اشارے پر لوگ جھولے سے اتر گئے۔ غلام شاہ اور کلیم شاہ مختلف سمتوں سے جھولے پر چڑھ گئے تھے۔ پچاس فٹ کی بلندی پر ٹپکے ہوئے جھولوں پر دونوں جا کھڑے ہوئے۔ نیچے جال تار ہوا تھا۔ مانچی گردن اٹھانے اوپر دیکھ رہا تھا۔ سرکس میں۔ ”ٹریسٹر“ کا ماہر ایک ہی شخص تھا اور اس کا تعلق یورپ سے تھا۔ یہ شخص جھولے سے غلام میں تین تلابازیاں کھا کر دوسرے جھولے پر جاتا تھا اور یہ کھیل سرکس کا سب سے خطرناک کھیل سمجھا جاتا تھا۔ اس کی وجہ سے ”کاسٹر“ کی بہت عزت کی جاتی تھی۔ مانچی نے دوسرے کئی لوگوں کو ٹرائی کیا تھا لیکن صرف ایک لڑکا اور چھلانگیں لگا سکا تھا اور بعد میں گر گیا تھا جال کے باوجود اس کا بازو ٹوٹ گیا تھا پیڑ روکا سٹر کے پاس جا کھڑا ہوا۔

”انہیں کا تذکرہ کیا تھا میں نے تم سے۔“

”میں سمجھ گیا۔ لیکن یہ دونوں ہیں کیا چیز۔“

”دیکھو۔ دیکھو اوہ مائی گاڈ۔“ پیڑ رو نے کاسٹر کا بازو پکڑ لیا۔ کلیم شاہ نے پہلے ہی مرحلے پر ان لوگوں کو ششدر کر دیا تھا۔ اس نے پہلے جھولے کو زور سے دور پھینکا اور پھر اسٹینڈ سے چھلانگ لگا کر اسے پکڑا اور دوسری طرف پہنچ گیا۔ ادھر غلام شاہ نے بھی یہی کیا تھا۔ پھر دونوں نے دوبارہ اپنی جگہ چھوڑ دی اور بچے تلے انداز میں جھولے لگے۔ پھر غلام شاہ نے جھولا پھینکا اور کلیم شاہ نے جھولے کے قریب پہنچنے سے پہلے اسٹینڈ کو چھوڑ دیا۔ اس نے

چھ چلا باریاں کھائیں اور جموے کو پکڑ کر دوسری طرف بھاگ گیا۔ اس نے بھی اسٹینڈ پر قدم نہیں رکھے تھے کہ غلام شاہ نے اپنی جگہ چھوڑ کر آٹھ فٹا بڑیاں کھائیں اور پھر کلیم شاہ کے پیچھے ہوئے چھوٹے کو پکڑا۔ مانجی ہی نہیں دوسرے لوگوں کے حلق سے بھی آوازیں نکل رہی تھیں۔ وہ دونوں بندروں سے زیادہ پھرتی کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ دروہاں موجود لوگ سانس لینا بھوں گئے تھے۔ ان کا انداز اس قدر مکمل تھا جیسے انہوں نے انہیں جمووں پر زندگی گزار رہی ہو۔ وہ غلام شاہ میں اڑنا جانتے ہوں۔ پردہ ہی نہیں ہوتی تھی کہ بھولا کتنے فاصلے پر ہے اور کوئی چوک بھی ہو سکتی ہے۔

پھر مانجی سے تائیاں بچائیں اور انہیں پیچھے اترنے کے لئے کہا۔

”تم دونوں کو ملازم رکھ لیا گیا۔“ مانجی نے کہا۔

”رے بھی سے، لک۔ ابھی ہم کثرت کا ہے۔ تم دیکھو تو، لک بہت سے کہیں آتے ہیں ہم کا۔“

”یہی تھا کافی ہے۔۔۔ سنو۔“ مانجی ان لوگوں کو آئندہ کے بارے میں بتانے لگا۔

”اس کا نتیجہ جانتے ہو کاسٹر۔“ پیڑرو نے آہستہ سے کہا۔

”امدادہ لگا رہا ہوں۔“ کاسٹر نے کہا۔

”لیکن میں امدادہ لگا چکا ہوں۔“ پیڑرو بولا۔

”کیا کر سکتے ہیں ہم۔“

”اپنی ہی نہیں دوسروں کی بھی نوکریاں بچاؤ۔“

”مگر کیسے۔“

”میں بتا سکتا ہوں۔“ پیڑروں نے کہا اور کاسٹر کو آہستہ آہستہ سمجھانے لگا۔

دوہر کلیم شاہ اور غلام شاہ کے سامنے چھوٹے ہوئے تھے۔ مانجی نے انہیں ایک ایک ماہ کی تھوڑا ایڈوانس میں دے دی اور دوسرے دن اپنے خاندان کے ساتھ سرکس میں آ جانے کے لئے کہا تھا۔ دونوں دیوانوں کی طرح ایک دوسرے کے گلے میں ہاتھ ڈالنے باہر نکلے تھے۔ غلام شاہ تو راستے سے ہی بھاگ گیا تھا اور کلیم شاہ گھر پہنچ گیا تھا۔ نماز میں دوکانیں دیر سے کھلتی تھیں اور غلام شاہ ان دکانوں کے گرد پھراتا رہا تھا۔ پھر وہ نہ جانے کیا فریہ کر گھر پہنچا تھا۔ شام کو شاہ مدار کی نیار بھی دلوئی گئی تھی اور رات کو نہ جانے کب تک دونوں بے نیکی باتیں کرتے رہے تھے۔ آدھی رات کا وقت تھا جب چائیک ان کا خیمہ مشعل بن گیا کسی کی آنکھ نہیں کھلی تھی سوائے غلام شاہ کے اس کو پچاس اس طرح چکر تاکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا جیسے نہ جائے کئی دارو

پائی ہو۔ پھر بھی اس آگ کو محسوس کر کے بری طرح چیخا اور اس نے اٹھنے کی کوشش کی۔ مابا انہیں کسی خواب آور گیس سے بے ہوش کیا گیا تھا۔ وہ ٹھٹھا تو اچانک ایک تیز و جارحانہ رگڑی اس کے پیروں پر پڑی اور اس کا ایک پاؤں گھٹنے کے پاس سے الگ ہو گیا۔ ایک دلخراش چیخ کے ساتھ وہ پلٹا ہی تھا کہ دوسرا وار ہوا اور اس نے وار کرنے والے کو دیکھ لیا تھا یہ وہی تھا جسے سرکس کے مالک نے پیڑ روک کر مخاطب کیا تھا۔

”اری۔ اری۔ وائے بھا۔ بھا۔“ اس کے منہ سے اتنا ہی کھل سکا تھا اور وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔

پھر نہ جانے کیا کیا ہو، تھا اسے اسپتار میں ہوش آیا تھا یا اس کی دماغی حالت بہتر ہوئی تھی ایک نرس کو دیکھ کر اس نے کہا۔

”رے اور کی بہنیا ای کون سی جگہ ہے رہے۔“

”خاموش لیجئے رہو ورنہ ڈاکٹر صاحب انجکشن لگا دیں گے۔“ نرس نے ڈنٹ کر کہا۔

”رے کا ہے لگا دیں گے۔ انجن من۔“ وہ جھڑک کر ایک طرف ٹھٹھا گیا تب اس نے اپنے پیروں کو دیکھا۔ گھٹنوں کے بعد کچھ نہیں تھا۔ اس کے حلق سے دلخراش چیخ نکل گئی وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا۔ ”اے کا ہو گئے رے بہنیا۔ ارے کا ہوئے گئے رہے۔“ روتے روتے اسے کلیم شاہ کا خیال آیا اور وہ خاموش ہو گیا۔

”بڑا۔ ہمارا بڑا اکبر ہے۔“

بعد میں اسے سب کچھ معلوم ہو گیا کلیم شاہ مر گیا تھا وہ اسپتال میں تھا نمائش ختم ہو گئی تھی ڈیرے والے ابھی نہیں آباد تھے۔ بھوجائی بھی جل گئی تھی مگر وہ ٹھیک ہو گئی۔ بچے محفوظ تھے۔

”اوہ سر پڑا۔ تائیں پڑو۔ اوسر سب کو چھ کرن۔ اوسر ارے نا چھوڑے کوئے“ بھیں کی کسم نا چھوڑے رے تو کا۔“ بھادج کا چہرہ جل گیا تھا۔ اس کا دل جل گیا تھا اور اس دل جلے کے ساتھ وہ زیادہ دن تک نہ جی سکی۔ سو یا اور اکبر شاہ اس کی ذمہ داری بن بن گئے تھے۔ ڈیرے والوں نے مشورے دیے۔

”یہ تو بیک مالک یا گلام شاہ۔“ غلام شاہ کی آنکھیں کیوتر کے خون کی طرح سرخ ہو گئیں۔ مگر مشورہ دینے والے کو گھورنے کے علاوہ اس نے اور کچھ نہ کہا تھا۔ پھر ڈیرے والوں نے اسے عجیب عجیب حرکتیں کرتے ہوئے دیکھا وہ جہاں بھی جاتے غلام شاہ کوئی دیر نہ تلاش کر لیتا۔ سوئی اور اکبر اس کے ساتھ ہوتے اور وہ کرتوں کی مشق کرتا رہتا۔ وہ اس قسم کے کرتوں پر روڑے رہا تھا جن پر پاؤں کا استعمال نہ ہوا اور یہ ایک نئی چیز تھی ہاتھوں اور کئے ہوئے پیروں کو مینڈک کی طرح زمین پر لٹا کر وہ تکی لمبی چھٹنگ لگاتا کہ دیکھنے والوں کو یقین کرنا مشکل ہوتا۔ اس کا بدن فولا ہو گیا تھا لوہے

کے بڑے بڑے حلقے خض میں اچھا سٹے جاتے اور وہ مختلف سمتوں سے پھینکتے ہوئے حلقوں سے گزر جاتا۔

ریاست ٹوئیک کے نواب صاحب نے اس کے کہانات دیکھے اور ششدر رہ گئے۔ انسانی عزم کی یہ تہ دیکھ کر وہ بہت متاثر ہوئے تھے انہوں نے غلام شاہ سے کہا۔

”میں تمہارے لئے وہ سب کچھ کرنا چاہتا ہوں جو تمہاری آرزو ہے۔“

”کر دو گے مالک؟“

”وعدہ کرتا ہوں۔“

”ہم کا ایک تنبو بوائے دو۔“

نواب صاحب نے وعدہ پورا کیا نہ صرف تنبوں بلکہ جو کچھ غلام شاہ نے مانگا نواب صاحب نے اسے دیا اور غلام شاہ نہال ہو گیا۔ ڈیرے کے جن لوگوں نے اس سے وعدہ کرنا چاہا اس نے انہیں اپنے ساتھ شامل کر لیا اور غلام شاہ جاندہ بدوشوں کے قبیلے سے الگ ہو گیا۔ اس کا الگ قبیلہ بن گیا تھا اور اب وہ شہر شہر تنبو لگا کر خن شے دکھاتا تھا۔ تنبو بڑے ہوتے گئے پھیلنے لگے کارکنوں کے بچے بڑے ہونے ایک سے ایک شہر تہا وقت کی جدتیں اپنا لگئیں اور سب کچھ مل گیا۔ شیر، چیتے، ہاتھی، گھوڑے ایک بہترین سرکس بن چکا تھا۔ غلام شاہ اب اس کا مالک تھا۔

سرکس اس کا کلبہ تھا۔ دولت کی ریل پیل تھی کسی شے کی کی نہیں تھی۔ تمام کے تمام وہ نوگ تھے جو وہیں پل بڑھ کر جوان ہوئے تھے۔ ہر ایک کو ضرورت کے مطابق تربیت دی گئی تھی۔ اکبر شاہ رنگ ماسٹر تھا۔ سونیا جھولے کی، ہر تھی۔ حسن و جوانی کی دولت سے، لالہ۔ جسمانی طور پر اس قدر دلکش کہ سرکس میں زیادہ رش اس کی وجہ سے ہوتا تھا۔ بے شمار لڑکیاں لڑکے۔

غلام شاہ نے گہری سانس لی اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔ اکبر شاہ کو اس نے ڈانٹ کر بھاگ دیا تھا مگر خود اس کے چہرے پر سونے کے آثار تھے۔

”خون ہے وہ۔ کیوں“ ایک بار پھر وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔

”ہم تو تم سب کو اولاد چانتے ہیں۔ کاکلی ہو گئی۔“ اسے اکبر شاہ کی بات پر بھی یقین تھا۔ جھوٹے کی رسی کاٹی گئی تھی اور وہ اس وقت اس جھوٹے کے نیچے دھکیل چیز پر بیٹھا ہوا تھا۔ بال بال بچا تھا مگر اس نے جان بوجھ کر بات ٹال دی تھی اور اب وہ سانپ۔؟ سرکس اس وقت ایک چھوٹے سے قہجے میں لگا ہوا تھا۔

دوسری صبح ناٹھنے سے لا رہی ہو تھی کہ اکبر شاہ بھاؤ کے ساتھ اندر آ گئے۔ بھاؤ سرکس میں سانپوں کے ککبات دکھاتا تھا۔ اس کے پاس سولہ سانپ تھے جنہیں وہ بدن پر لپیٹ لیتا تھا۔ اس کا چہرہ نقش ہو رہا تھا۔

”کس کو شیخا۔ سب گن لو پورے سولہ کے سولہ ہیں۔ ایک بھی کم نہیں ہوا اور شیخا کوئی سوچنے کی بات ہے۔ باپ ہوتے ۱۲ رہے۔ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا نہیں گئے۔ ام“ بھاؤ رو پڑا۔

”ارے ارے ارے۔ کاہوئی گو، بڑا۔ ارے ادا کبرا۔“

”چند چلنا ضروری ہے شیخا کہ سانپ کہاں سے آیا۔“ اکبر شاہ نے کہا۔

”ارے یہ سانپ کہاں سے چڑھ گیا تو ہار کھو چڑا۔ منع کر دیا تھا رات میں تو کا۔ تو چاہا لو ای سر تو۔ ارے تو ہماری بات ٹانا نہیں ارے اکبرا۔“

”چند چلائے بغیر ناٹھیں مانوں گا شیخا۔ یہ نظر بند کرنے کی بات ہے؟ معاف کرنا شیخا تمہاری یہ بات میں نہیں مانوں گا۔“ اکبر شاہ بھاری قدموں سے باہر نکل گیا۔

”جھلو بڑا۔ اس سرکس کی بات کا برانا میں ماننا پسند ہے یہ تو۔ چاہو چاہو کام کر پنا۔“ بھاؤ باہر نکل گیا تھا۔

دن کے بارہ بجے تھے۔ غلام شاہ رنگ میں دنیل چیز پر بیٹھ مشفق دیکھ رہا تھا۔ سوئی جھولے پر بہترین ککبات دکھا رہی تھی۔ وہ غلام شاہ کی آنکھوں میں فخر کے آثار تھے کہ اکبر شاہ آنا نظر آیا۔ اس کے پیچھے دو سپرے تھے جو جھولوں دکھائے ہوئے تھے۔ سرکس کے چار جوان ان کے پیچھے تھے اور سپرے پر نشان تھے مشق کرنے والے رک کر اس لوگوں کو دیکھنے لگے۔ غلام شاہ کی تیریاں چڑھ گئی تھیں۔

”شیخا۔ سانپ ان لوگوں سے خرید گیا تھا۔ پانچ سو روپے دیئے گئے تھے انہیں۔ سانپ زہر سے بھرا ہوا تھا۔ یہ ان دونوں نے اعتراف کیا ہے۔“

”کون کھرید ارے۔؟ غلام شاہ نے پوچھا۔

”یہ اسے شکل سے پہچانیں گے۔ تم اجازت دو شیخا ایک ایک کو ان کے سامنے لایا جائے گا۔ میں شناخت کرنے اظہار نہ رہوں گا۔“ اکبر شاہ کرحش لہجے میں بولا۔

”اکبرا۔“ غلام شاہ مسرور لہجے میں بولا۔ ”رات سے اب تک ہم کتنی باتوں کا منع کر رہے؟“

”مگر شیخا۔“

”تو کام نہ رہے کچھ۔ جو بات ہم منع کر رہے اور تو کرت ہے ہمارا بات کا کوئی وجہ نہ رہے گا۔“

”شیخا میری بات سنو۔ ہمیں پتہ تو چلن چاہئے۔“

”ارے چرا جوتی تو لاؤ رے۔ بہت جیاب تھائے رہے ہم ای کا۔ ارے او بھی گواہی دے۔ ارے جات ہو کر تائیں۔“ غلام شاہ نے پیروں سے کہا اور وہ موقع غیبت جات کر ایسے دوڑے کہے پلٹ کر نہیں دیکھا۔

”جو رہے اپنا کام کرو۔ اکبر تو کا ہم دیکھ لئی۔“

غلام شاہ ہمارا رخ ہوتا رہا، اکبر شاہ پاؤں پٹتا دہاں سے چل گیا۔ غلام شاہ پھر مشقیں دیکھے میں مصروف ہو گیا اور دوسرے لوگ اپنا کام کرنے لگے۔ دوپہر کے کھانے کے بعد سو نیا ایک خوبصورت لباس پہنے غلام شاہ کے خیمے میں داخل ہوئی۔ دودھ جیسے رنگ کے پیرے پر سرخ سمندر رواں دواں تھا۔ حسین ترینیش کے بالوں کے چمچے جھول رہے تھے۔ بڑی بڑی پرکشش آنکھوں پر پلکوں کی جھالریں تھیں۔ وہ روپ لگا تھا اس نے کر دیکھے والے دل پکڑ کر رہ جاتے تھے۔

”ہیو نکل“ وہ مسکراتی ہوئی آگے بڑھ آئی اور غلام شاہ چونک پڑا۔ اس نے گھور کر سو نیا کو دیکھا اور غصے لہجے میں بولا۔

”آؤ آؤ اکل کی کھٹکتھکتی۔ ادیم صاب جی کسو انگریج باہو کی لمے پالک بن جائی ریو ادکا سا تھ کھٹاؤ۔ ارے تم دونوں بھی کی کا ہمارا دماغ کھرا ب کر کے ہاتھ رہے۔“

”چا چا جائی۔“ سو نیا نے غلام شاہ کی گردن میں ہاتھیں ڈال دیں۔

”نہ جہاں دیکھے ہے چا چا کہتے ہوئے۔ کہو کیسے تا جمل ہوئیں؟“

”یہ اکبر بھیا کا منہ کیوں بھولا ہوا ہے؟“

”گلگلے رکھ چھوڑے ہوں گے سر نے کالا میں۔ ہمکا کا معلوم؟“

”وہ کہتا ہے تھہرے اوپر دو جیسے ہوئے ور تم انہیں سیر نہیں دے رہے۔ اگر ایسا ہے چا چا جی۔“

”اور ہم سر جیسے چندگی بھر تائیں بھا کر اور کو لمبے ستا کر روئی کتا رہن کو نو آسانی سے ہمیں مار جاتا میں۔“

”مگر چا چا جی۔“

”دیکھ ری سوئی۔ اس سر کس ماں جتے سرے ہیں سب ہمارے اپنے ہیں۔ ایک ایک کو جانت رہیں ہم۔ سب کے حاجی جمع ہیں سب کے بھینٹے کھود کریں ہیں اندھے تائیں ہم۔ کوئی بھکر نہ کرے ہا ہر کی بات ہوتی تو منع نہ کرتے۔ پر تو کھود سوچ۔ ماری نا۔ کچھ نا ہوگا ہمکا سب آرام کرو۔“

”ہوں؟ ٹھیک ہے چا چا۔ میں اکبر کو سمجھا دوں گی۔“

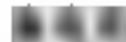
”تو کا ہے سمجھانے کی ری۔ پھر وہی بکرے کی تیں ناگ۔ تو کون ہوت اوکا سمجھانے واری۔“

”چا چا میں نے ایک نیا، آٹھم تیار کیا ہے۔ کل تمہیں اس کی مشکل دکھاؤں گی۔“

”ایٹم بم تیار کرنا تو ہمارا کھوپڑیہ وار دھت سر کو۔ کچھ کھ کر رکھ دیا ہے سسرانے۔“ غلام شاہ نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ سوہی دیر تک ڈاڈا کرتی ہی اور غلام شاہ سے برا بھلا سنتی رہی پھر وہ ہنسی ہوئی چلی گئی۔



شام کو تیاریاں شروع ہو گئیں۔ لکڑیوں کے اسٹال سج گئے۔ بھان پر جو کر پینچ گئے۔ اناؤں نے پنا کام شروع کر دیا۔ اکبر شاہ رنگ کا چاندہ رے رہا تھا۔ جھونپ کی چینگ ہو گئی تھی۔ چانوروں کا مزاج دیکھا جا رہا تھا۔ ڈریسنگ روم میں ڈریس تیار کئے جا رہے تھے۔ وقت پر لگا کر ڈرگیا۔ چنڈال کھپا کچھ بھر گیا اور غلام شاہ ایک مخصوص جگہ سے ایک ایک چیز کا چاندہ لیتا رہا۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ سرس شروع ہو گیا۔ تمام فنکار اپنے اپنے وقت پر اپنی پروگرام پیش کرنے لگے۔ پھر چنگو منگو نے اپنا آٹھم پیش کیا۔ دونوں بونے تھے اور جڑواں بھائی تھے۔ دونوں کا قد ملا کر ساڑھے پانچ فٹ بنتا تھا۔ منگو نے چنگو کو کندھے پر بٹھایا ہوا تھا۔ ورا ایک خاص لباس پہنا ہوا تھا۔ دیکھے والوں کو صرف چنگو نظر آیا جو خوفزدہ ہو کر بھاگ رہا تھا۔ باسٹریا ز تو خون ک شکل بنائے ہوئے ہاتھ میں تکی گوارے دوڑتا نظر آیا اور چنگو نے اس کے اور روکنے کے لئے قلاباڑیاں کھانا شروع کر دیں۔ کمان کا آٹھم تھا۔ دیکھے والے سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ وہ دو بھوں گے۔ ایک جگہ تلوار کا دارکاری ہوا اور چنگو دو کلوے ہو گیا۔ مصدقی خون بہا اور دیکھے والوں کی چٹخیں نکل گئیں۔ دونوں کلوے الگ الگ پڑے ہوئے تھے اور ایاز ان کے درمیان فتح کا تاج تاج رہا تھا۔ پھر چنگو دونوں کلوے ٹھکڑے ہوئے اور بھوت ہان کر باسٹریا ز پر حملے کرنے لگے۔ ایسے ایسے مناظر پیش کئے گئے کہ دیکھے والے دنگ رہ گئے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آدھے انسان کیسے بھاگ رہے ہیں۔ غلام شاہ بھی مسکرا رہا تھا۔ مگر پھر اچانک اس کی مسکراہٹ سڑکائی وہ کسی سوچ میں گم ہو گیا تھا۔



دوسرے دن صبح معمول کے مطابق تھی۔ غلام شاہ نے اپنا زکوہ پادور باسٹریا ز مود پنا انداز میں اس کے سامنے آ گیا۔ جی شینا۔“

”رے کا ہے رہے ایاز۔ تو اسکارا کا سوکر کھتم ہوئی مٹی رہے؟ تاجی بھل کھائے بڑی دن ہوئے گئے۔“

”جی شینا۔ بس فرصت کہاں ملتی ہے۔“

”آرے بنو ایک شہر ہے یہاں۔ چلیں گا۔“

”کوئی خرچ تو نہیں ہو گا شہنشاہ۔“

”مارے اہم دشمن ہی چلی ہے۔ دو پہر تک واپس آ جاتی ہے۔ پر کسی کو بتانا نہیں۔ کھاموسی سے نکل چلی ہے۔ تو پناہ سامان کھاموسی سے جیب میں رکھ لیتا۔“

”جو حکم شہنشاہ“ ماشرایاز نے کہا اور چلا گیا۔ غلام شاہ خود بھی تیار ہو گیا جاتے ہوئے اس نے کہا کہ ایک ضروری کام سے جا رہا ہے۔ اس سے زیادہ اس نے کسی کو کچھ نہیں بتایا تھا۔ ماشرایاز نے پھل پکڑنے کا تمام سامان جیب میں رکھ دیا تھا۔ وہ خود بھی اسٹینزنگ پر تھا اور غلام شاہ اسے راستہ بتاتا جا رہا تھا۔ سرکس کی جگہ سے کوئی چھ میل دور ایک پر فضا علاقے میں واقعی شہر نظر آ رہی تھی۔ غلام شاہ کے اشارے پر یار نے جیب روک دی اور پھر غلام شاہ کو سہارا دے کر نیچے اتار دیا۔

”تا جی پھل کی بات ہی کچھ اور رہنمائی ہے۔ لاڈ اور ڈور بنی تو گھوم پھرے گرجی جات تو“ اور ہاں بن گاڑی ادھر سے ہٹا کر کھڑی کر دیں۔“

”ہی؟“ ایاز نے جواب دیا اور ڈور بنی اور دوسری چیزیں غلام شاہ کو دے دیں۔ غلام شاہ اطمینان سے کاسٹے میں چارہ لگا رہا تھا۔ جیب اشارت ہو کر وہاں سے آگے بڑھ گئی۔ غلام شاہ دھڑکھڑکھٹ کو بیٹھ گیا تھا۔ کافی دیر گزر گئی پھر ایک پھل پھنسی گئی اور غلام شاہ نے اسے جہارت سے نکال لیا۔ یار کچھ غائب سے غلام شاہ کو دیکھ رہا تھا۔

”ہورے پیاج آ جا آگئی سرریا۔“ اور ایاز نے آگے بڑھ کر پھل تولی میں لے لی۔

”بہت بڑی پھل ماری ہے شہنشاہ۔“ ایاز نے کہا۔

”ارے ناہیں بنو۔ ہم اس سے بھی بڑی پھل کو سکار کرنے ادھر آتے رہیں بنو۔“ غلام شاہ نے سختی خیز جھجھک میں کہا۔

”یہ یہ پھل بھی کافی بڑی ہے شہنشاہ۔“ ایاز کسی قدر گھبرا گیا اور غلام شاہ پھٹ پڑا۔

پھوس مٹی سانس رے۔ ارے اور کتنا احمکٹ دیویر تھے اے سرور۔ جیب تیرے حوالے کر دیں کہ ہمیں ڈھیل دے کہیں۔ اکید چھوڑ دیں تھے کہ جو ہتھیار چات ساتھ ہے نہیں۔ لگ بھیج دیت تو کا کہ دور سے حملہ کرنا چاہے تو پریشانی نہ ہو۔ گروں جھٹا کر بیٹھ گئے کہ دکھا دینا چاہے تو نہیں میں ڈھکیل دیوے۔ ارے اور کا کریں کا کھودی گروں کاٹ کے رکھ دیں تیری سامنے۔“ غلام شاہ پھٹ پڑا اور پھر اس نے اچھل کر میزنگ جیسی پوریشن اختیار کر لی اور اے گھورتا ہوا بولا۔ ”مار نہیں نا تو تو رائیو چہا کہ ادھر ہی شہر میں پھینک جا، میں گے۔ ہاں۔ چل حملہ کر سامنے سے بے سرم مردوں کی طرح

ناہیں تو وہاں نہ جاوے گا دوبارہ سرکس میں۔“

ایاز کے پورے بدن میں تھر تھری پڑ گئی تھی۔ خوف ہے اس کی آنکھیں چڑھے گی تھیں۔ وہ بمشکل تمام خود کو یکجا کر گرنے سے بچ رہا تھا اور غلام شاہ کوئی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”جھوٹے کی سی کاٹ ہے تو۔ سپیرا سے سہپ کھرید کر پھینک رہے ہم پر۔ کاہے رہے۔ کاجرورت آگئی تو ہمارے مرنے کی سسرہ۔ بھی بڑا کام کرنا ہے ہمیں۔ بڑے کا بد نہ لینا ہے ہمارا ہی پڑا رواست۔ نا تو مر جاتے تیری کھوی کے لئے تیرے ہاتھوں۔ اسے سن جھوٹ نا ہیں نہیں گے کھدا کسم جان سے مار ڈی ہے تو کا۔ مار سکت ہے تو مارا، اکیلے میں کسو کو پتہ بھی نا ہیں چلے گا۔ اپا جی ہی تو کا مشکل نہ ہوگی۔ نا مار سکت ہے تو یوں کا مشکل پڑی ہے تجھے۔ جہاں کھول دے ورنہ مر جات ہمارے ہاتھوں۔ جلدی کر۔ جلدی کر۔“ غلام شاہ کی آواز میں درندگی پیدا ہوتی جا رہی تھی اور ماسٹر ایاز کے پیروں کی جان ٹپکتی جا رہی تھی۔

غلام شاہ کا چہرہ خون میں ڈوبا محسوس ہوتا تھا۔ اس کی آنکھوں کا رنگ بھی گہرا سرخ ہو گیا تھا۔ دفعۃً غلام شاہ مینڈک کی طرح چھدا اور ماسٹر ایاز پر جا پڑا۔ اس نے ایاز کو بری طرح دیوچ یا اور ماسٹر ایاز کے حلق سے ایک دلخراش چیخ نکل گئی۔

”کچھ کھائی جائی ہے تو ہار۔ کھوں پی جائی ہے تو ہار۔ بول دے۔ بچ بول دے۔ کاہے کرت۔ یہ۔ بول دے آکھری ہار۔ کہتا ہوں رہے۔ بچ بول دے۔“

”چھوڑ دے شیخا۔ بتانا ہوں چھوڑ دے۔“ ایاز کے حلق سے بمشکل آواز نکل رہی تھی۔

”بول بتا۔“

”سانولی۔ سانولی۔ میں اسے پیار کرتا ہوں شیخا، میں اس کے بغیر جینا نہیں چاہتا۔“

”اس ا“ غلام شاہ کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔

”ہاں شیخا۔ تو فیصلہ کر کے یہاں سے چائے گا۔ میں نے تجھے دوبارہ مارنے کی کوشش کی ہے۔ نا کام رہا، پوری بات تجھے بتا دوں گا اس کے بعد شیخا تو مجھے مار دینا۔ دیکھ شیخا قسم کھاتا ہوں اپنی مہ کی۔ تو نے مجھے زندہ چھوڑ دیا تو تیسری بار میں تجھے ضرور مار دوں گا۔ شیخا اس بار میں تجھے ضرور مار دوں گا۔“

”رے کا بکنا ہے سسرے، تو پیار سانولی سے کرے ہے اور جان ہماری لینا چاہتا ہے۔ رے تو نے ہمارے کھوپڑیاں بچائے دی رے۔ جرا اور کچھ بتا۔“

”کل کر بات کر رہے۔“

”شیخا میں اسے بہت پیار کرتا ہوں۔“

”رے سرے اس میں ہمارا کسور کا ہے ہوئی۔“

غلام شاہ اب اسے چھوڑ کر پیچھے ہٹ گیا تھا۔

”تو نے شیخا۔ تم نے شیخا پابندی لگا دی ہے تمہارا حکم ہے کہ سرکس کا کوئی لڑکا کسی لڑکی کو آکھ اٹھ کر نہ دیکھے۔ تم نے سزا بھی بنا دی ہے شیخا۔ اس لئے ہم دونوں شادی بھی نہیں کر سکتے۔“

”دونوں۔“ غلام شاہ بے وقوفوں کی طرح بولا۔

”ہاں شیخا۔ ہم دونوں شادی کرنا چاہتے ہیں۔“

”رے حرام کھو تو اس واسطے ہمارے پیچھے لگ گیا رہے۔“

”ہاں شیخا۔ یہی بات تھی۔ صرف اسی واسطے۔“

”رے اب کاکھیں تو کا۔ چر کئے لے سارا کہہ ہی ٹھنڈا کر دیا۔ ہنسی آ رہی ہے ہمکا۔ پیر کرت ہے خود اور ہارے ہم پانچ کو ہے رہے۔ ارے ہوئی ڈر گئے تو سے ہم ہاں کسم ڈر گئے تو سے۔ ایک بات تو بتا ہیرا۔“

”پوچھو شیخا۔“

”دونوں چاہتے ہو ایک دوسرے کو۔“

”ہاں شیخا۔“

”ارے شیخا کی دیں تمہیں۔ رے۔ او۔ او۔ او۔ او۔ او۔ او۔“ غلام شاہ قہقہے لگانے لگا۔ دیر تک ہنستا رہا پھر خمیہ ہو گیا۔ کچھ دیر ایسا کوٹھورتا رہا۔ پھر بولا۔

”اور بڑا تو نے جھوٹے کی رسی کاٹی تھی رے؟“

”ہاں۔ میں نے کاٹی تھی۔“ او ر نے حتراف جرم کیا۔

”پہلے سے سناپ کھرید کر ہم پر لا رہے؟ مارنا چاہتے ہیں۔ ہیں رے ہم مر رہے تو؟“

یہ رکھتے ہوئے کہ اس کی آنکھوں میں نمی آنے لگی تھی۔

”ارے ہم مر جاتے تو سرے پڑا کو کون ہارتا رہے۔ ارے اس بے ہمارے بھائی کو ہارتا تھا۔ ہمارا بھوجا کی کو چلائے ہارتا رہے۔ ہمارا نکلیں کٹوا دی تھیں تو اسے مار سکتا ہے رہے۔ تو رہے ہاتھوں۔ اٹ کر ہیں تو اپنے ہاں کی ولادتا رہیں۔ ارے تو نے ہماری ساری زندگی کی کو کس پر مارا تھا۔ مارا۔ تو نے سرے تو نے یہ مارا تھا۔“

”میں پگل ہو چلاؤں گا شیخا۔ میں پگل ہو چلاؤں گا۔“ ہاشم ایاہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

’دارے گیدڑ۔ روئے ہے سرا دھت تیرے کی۔ لپیڈ پونے دی تو نے۔ ارے چپ کر چکے ایک بڑے دوں گا کہ چیز اٹوٹ چکی رہے ہے۔ اے چپ۔‘ ”نگام شاہ گر جا اور ایار کی آواز رک تھی اس نے ہچکیاں بیتے ہوئے کہا۔

”مجھے معاف کر دو شیوا۔ مجھے معاف کر دو۔“

”مجھے معاف کر دو شیخا۔ مجھے معاف کر دو۔“

”کبھی کا کروڑے پنگے۔ جان ہوتی سب سے ہاری۔ آادھر بیٹھ گیا۔“ غلام شاہ نے محبت بھرے انداز میں کہا۔ اب اس کے چہرے پر نرمی نظر آ رہی تھی۔ ایسا تو اس کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ ”سنو ریا بھی تو سے محبت کرے ہے رے۔“

“ہاں شیخا۔“

”سادی کرو گے تم دونوں۔“

“بالفحش”

”تو کر لو ہاڈا لو، ہم تو بے سسر کا۔ کب روکت رہیں۔ ہم نے تو بڑا بڑی باتن کو منع کیا ہے۔ عیسیٰ اور بد معاشی کو منع کیا ہے۔ سرکس میں جوڑ کیا اس ہایاس ہیں رے۔ سب ہی ہمارے بیٹوں ہیں۔ باپ کی جہنگی میں بیٹیں کو کوئی بڑی آنکھ سے دیکھے تو باپ برداشت کر سکتا رہے۔ اس کو منع کرت رہیں ہم۔ جہنگی ایک کر لو اللہ رسول کے نام ساتھ ہم کب منع کرت رہیں مادی کرو ہاڈا بچے ہوں۔ ہماری آبادی بڑھے ارے کون سسر روکت ہے رہے تھے۔“

”شیخنا۔“ اپنا خوشی سے اچھل پڑا۔ اس نے غلام شاہ کے کئے ہوئے عیروں پر سر رکھ دیا۔

”مکاری کمرٹ سے پریشان ہیں بھولنا کہ تو نے ہمیں مارنے کی کوسس کی تھی؟“

”میں باگل ہو گیا تھا شیخ۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ میں نے سنا توئی سے کہا کہ ہم دونوں سر کس سے بھاگ چلیں وہ تار بند ہوئی کوئی اور راستہ

”تھ۔“

”چل اب دیر ہو رہے۔ اے سسریا کو بھی پانی میں پھینک دے۔ ہو گیا سکار۔ چل جلدی کر۔“ غلام شاہ نے مچھلی کی طرف اشارہ کر کے کہا اور ایاز نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ پھر وہ جیب لینے چل پڑا۔ تھوڑی دیر کے بعد جیب واپس چل پڑی۔ ایاز خاموش تھا۔ پھر کچھ دیر کے بعد اس نے آہستہ سے کہا۔

”تم شیخا۔ تم سونوی کے باپ سے بات کرو گے۔“

”کا تو کھود کرے گا۔ باپ ہے ہم سب کا۔ حد سے جیادہ بڑھ رہا ہے رے تو۔“

”نہیں شیخا تو نے مجھے معاف کر دیا مگر میں شاید خود کو کبھی معاف نہ کر سکوں۔ شیخا ایک بات بتاؤ گے۔“

”پوچھ لے پوتہ، ایک ایک کر کے سب رتی بتیاں پوچھ لے۔“

”جہیں کیسے معلوم ہوا شیخا کہ یہ جملے میں ے تم پر کہے ہیں۔“

”جو تو کمال ہے ہے سسر و! آئندہ جب تو ہم پر حملہ کرے تو سسر نیگے پاؤں کرنا۔ تو بار جو تے پہچان لئے تھے رے ہم نے۔“

”وہ!“ ایاز نے آہستہ سے کہا۔

سرکس کے معمولات جاری تھے۔ مثل ہو رہی تھی۔ جتنی چنگھ ڈر رہی تھی۔ بندر اچھل رہے تھے۔ رنگ میں گھوڑے دوڑ رہے تھے۔ زندگی رواں دواں تھی۔ سو نیا غلام شاہ کے پاس آگئی۔
 ”بیو شیخا۔“

”اور ری سوئی۔ ہم کا کتنی ہارتو سے کہا کہ اگر جتنی بننے کی کوسس نا کر ہمارے سامنے۔ پرتو نہت نا ہیں رہے۔“
 ”میں نے یہ نیا آکلم تیار کیا ہے۔ بتانا چاہتی ہوں۔“
 ”جا جا کر اکبر کو بتا۔ ہماری کھوپڑی ٹھیک نا ہیں رہے۔ اس دکھت۔“
 ”کبھی سنتے ہی نہیں ہو میری بات۔“
 ”رہے سب سرود کی لگ لگ سنت ہیں ہم ہاں۔ اور سوئی اہر آ۔“

”ہاں شیخا۔“ سوئی ان کے قریب آگئی۔ غلام شاہ سے گھورنے لگا دیر تک گھورتا رہا پھر ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔
 ”جا بھاگ جا۔“ سوئی نے شانے جھٹکے پھر آگے بڑھ گئی۔ غلام شاہ آہستہ سے بڑبڑایا کوٹو جانے سرکون کس سے پیار کرت رہے اور سامت آئے
 بے چارے غلام شاہ کی۔ پہلے اس سرکی کھوپڑیاں توڑ دو پھر سادی کر کے بچے کرو۔ تو بڑی ہوئی نا بھائی رہے۔ سادی کر کھوں رہو ہم کا۔“



رات کے شوکی تیاری مکمل ہو گئی۔ کلٹ فروخت ہوئے۔ پڑا دل بھر گیا۔ غلام شاہ اپنی جگہ آ بیٹھا۔ ان لوگوں کے کمالات دیکھ کر اس کی آنکھوں میں غر کے آثار ابھر آئے تھے۔ وہ خود دیکھتا رہا اس سرکس کو دیکھ کے جدید ترین سرکسوں میں شمار کیا جاسکتا تھا حالانکہ سرکس کی عام روایات سے ہٹ کر یہ صرف ایک قبیلہ تھا۔ جس کے اجداد بازگیر تھے۔ نواب صاحب آف ٹونک نے انہیں سہارا دیا تھا اور غلام شاہ کے عزم نے اسے کچھ سے کچھ بنادیا تھا۔ لیکن جدید زمانے کے سارے انداز اختیار کرنے لگے تھے۔ بہت سے لوگوں کو ضرورت کے تحت ہگری ری ربان بھی سکھائی گئی تھی اور اس سے بڑا فائدہ حاصل ہو تھا۔ نئے نئے آکلم بنائے جاتے تھے اور اس سلسلے میں سوئی کا دماغ بہت تیز تھا وہ خود اپنے لئے شاندار آکلم بناتی تھی اور خاص طور سے جو کروں کے لئے وہ نئے نئے کھیل تیار کرتی تھی۔ چکو منکو اس کے ماتحت تھے۔ مسٹر یاز اور اب دونوں بونوں کا پروگرام اس نے ہی تیار کیا تھا۔ آج بھی جو آکلم اس نے غلام شاہ کو بتانا چاہا نہایت شاندار تھا۔ غلام شاہ نے دو انسانی گیندیں بڑھکتی ہوئی دیکھیں اور بے اختیار ہنس پڑا۔ سبے خیالی میں وہ زور سے چیخا۔

”وے رومی کا ہوئی گواہن سرور کو۔ ارے ہو بھردی ہے کا انا میں۔“ وہ رانی پیٹ پیٹ کر کہے لگا۔

چنگو منکوا اچھتے رہے۔ پھر چار جوان بد منو شوہر کا لباس پہن کر آئے اور ان دونوں کو منکوا کریں گائے لگے۔ غلام شاہ ہنٹے ہنٹے رگ گیا۔ بھردہ آہستہ سے بڑا یا۔

”ارمی مرعی نہ جائیں سرے۔ یہ کا کرو ہو بھائی۔“ چنگو منکوا بہت بڑی فٹ ہاں کی شکل میں اچھتے رہے۔ دیکھنے والے قہقہے لگا رہے تھے۔ پھر چانگ ایک ایک آوار کے ساتھ چنگو پھٹ گیا اور مردہ کی شکل میں زمین پر گر پڑا۔ بعد میں منکوا کا بھی یہی مشر ہوا۔ بھردہ دونوں نے اٹھ کر پبلک کو سلام کیا۔ غلام شاہ آہستہ سے بڑا یا۔ ”کمال ہے بھئی۔ اسی سوئی تو کاں کانت رقی سب سرور کے۔“



دوسرے دن صبح اس نے خصوصی طور پر سوئی کو بلایا تھا۔

”رات کو تو نے کمال کر دیا بیٹا۔ ان دنوں میں ہوا ہی بھردی۔ پر ان کو اگر کچھ ہو جاتا تو کا موت رتی۔“

”تمہیں کیا شینا۔ میرے آنکھ سننے ہو تم؟“

”جو درت ہی کا ہے ہمیں۔ تم پر بھروسہ نا ہیں کا۔ پر یہ کیسے یا تو نے؟“

”ریز کا منبھوٹ لہاں پہنا یا تھا نہیں۔“

”اوئی ہوئی۔ مسک کب کرئی تھی؟“

”وہ بہت ڈین ہیں۔ ضرورت ہی نہیں پیش آئی۔“

”تیرے دونوں بھائی بڑھیا ہیں۔ کسی بڑے سہر میں دکھائیں گے۔ تیریاں کرے۔“

”یہاں کب تک رو کو گئے شینا؟“

”میں تین دن اور چھ تھے دن سامان باندھئی ہے۔“

”کیر شاہ پریشان ہے شینا۔“

”کا ہے؟“ غلام شاہ چونک کر بولا۔

”تمہیں پتہ ہی نہیں راتوں کو جاگ کر تمہاری حفاظت کرتا رہتا ہے۔“

”رے، رے، اورے۔ اور سر کا ہے پاگل ہو جاتا ہے رے۔ اورے پلا! کا ہم اسے اصل بات بتائے دیں۔“

”اصل بات کیا ہے شیخا؟“

”تو بتاؤ۔“ غلام شاہ پریشان ہو کر بولا۔ اور سو یا چلی گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد دونوں بہن بھائی ندر آ گئے تھے۔

”ہاں رے میرے دلبر ہمارے حفا جت کرے ہے راتوں کو جاگ کر۔ اورے بڑا تیرے جیسے میرے ہوتے ہوئے کون سہرا یہ جرات کر سکے ہے ہکا ٹیزھی

نجر سے دیکھ لے رے۔ ہمارے نا اور پھر یہ سرکس نا ہے بولا۔ یہ تو قہید ہے ہمارا کہہ ہے غلام ساد کا۔ کون گہر ہے یہاں۔ ہیں؟“

”میں آج بھی یہی کہتا ہوں شیخا، رسی ٹوٹی نہیں کاٹی گئی تھی اور سانپ خرید کر تم پر پھینکا گیا تھا۔“

”ہم کب منع کریں اس بات سے رے۔“

”جب تک یہ پتہ نہ مل جائے شیخا میں کیسے سکون سے بیٹھ سکتا ہوں۔ یہ پتہ چلنا ضروری ہے کہ وہ کون ہے؟“

”ہم بتا سکتے ہیں تم کو رے۔“

”ایں؟“ اکبر شاہ اچھل پڑا۔

”ہاں ہم بتا سکتے ہیں رے۔“

”کون ہے وہ؟“

”غلام ساد!“ غلام شاہ نے جواب دیا اکبر شاہ کے ساتھ سو یا بھی اچھل پڑی تھی۔ اکبر شاہ حیران نظروں سے غلام شاہ کو دیکھنے لگا۔ وہ محبت بھرے انداز میں مسکرا رہا تھا۔

”لڑاق کر رہے ہو شیخا کوئی سمجھ میں آنے والی بات ہے یہ؟“

”دیکھ رے بڑا۔ ہر بندے کی ایک کجوری ہوت ہے۔ میری بھی ایک کجوری ہے رے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میں اپنے محبت کرنے والوں کا حساب کروں۔ اسی لئے رسی ہم نے کاٹی بھولا گرا اور ہم نے دیکھا کہ سب پریشان ہو گئے، پاگل ہو گئے، ہمارا جندگی کے لئے۔ سانپ ہم نے منگو دیا اور ہمارا اکبر راتوں کی نیند کھو بیٹھا۔ چھاتی پھوس گئی ہماری کھوس ہے۔ جندگی بڑھ گئی۔ یہ سوچ کے کہ تم لوگ کتنا چاہت ہو ہمیں۔ ہم تمہارے لئے مصیبت ناسی بنے ہو بڑے کھوس ہیں ہم اور سنو ہم یہ چاہت ہیں۔ تم سب بھی بھلا بھولو۔ وہ جندگی گھا۔ دجیسے ہمارے بڑے گھارتے آتے ہیں۔ ہکا بناؤ کہ کون کس سے سادی کرے گا۔ سادی کرو قہید بڑھا د سرکس کے لئے بچے بھی تو جروری ہیں۔ ائی قہید بڑھتا رہے گا تو غلام ساد کا نام بھی جندہ رہے

کا۔ ہم نشہ ہیں بنوا۔ گل گل خناتے دکھاتے تھے۔ اب اس سرکس مانجے ہو گئے ہیں۔ ہم چاہت ہیں تم سب اس سرکس کے بچے کھوس رہو۔ ہماری جھڑکی کا تو ایک ہی مقصد ہے۔ اس بڑے رو کی موت تاکہ اوپر جا کر بڑے کے سامنے کہیں کہ حکیم سادہ پورے لیے یہ ہم نے توہارا۔ بس بنو ای چاہت ہیں ہم۔“

”شیخا!۔“ دونوں بہنیں بھی غلام شاہ سے لپٹ گئیں۔

”اور کا بنو اور کا ہے ہمارا جھڑکی نا۔“ غلام شاہ کی آواز بھرا گئی۔

”شیخا اس کی تلاش کے لئے تم نے آدمی زندگی صرف کر دی۔ کہاں تلاش کرو گے۔ اب تم اسے۔ کب تک تلاش کرو گے۔ کون چاہے وہ زندہ ہے یا مر گیا۔ کون جانے شیخا؟“ سو نیا نے کہا۔

”نا ہی رہے۔ وہ سرور احمد ہے۔ ایک بات بتاؤ تم لوگ۔ ہم تمہیں چندہ نذر آویں ہیں۔“

”خدا تمہیں ہمیشہ ہمارے سروں پر قائم رکھے شیخا۔“ اکبر شاہ نے کہا۔

”اوسرو ابھی چندہ ہے ہم چندہ ہیں تو دیکھی چندہ ہے کاسمجھے۔“

اس یقین کی وجہ بتاؤ گے شیخا۔“ اکبر شاہ بولا۔

”بڑے بحث کرتے ہو تم۔ چھ ایک دہندہ کرو تم لوگ۔“

”کیا؟“ سو نیا نے پوچھا۔

”ہم اگر یقین دلادیں کہ پڑو احمد ہے تو تم دوبارہ اس کے بارے میں نا ہی پوچھو گے۔“

”یقین کس طرح دلاؤ گے شیخا۔“ اکبر شاہ نے کہا اور غلام شاہ نے دھکیل چیر آگے بڑھا دی۔ وہ کیڑوں کی اماری کی طرف بڑھ گیا۔ الماری کی زپ کھول کر اس نے ٹین کی ایک پرانی صندوقچی نکالی جس میں چھوٹا سا تانہ پڑا ہوا تھا اس نے ایک ٹھکی کی چابی سے وہ تالا کھولا اس صندوقچی میں گیندے کا ایک تازہ پھول رکھا ہوا تھا۔ دونوں بہنیں بھی حیران نظروں سے یہ کارروائی دیکھ رہے تھے۔ غلام شاہ نے پھول ان کے سامنے کر دیا۔

”سو گھو اسے کس بڑے ہے؟“

”ہاں شیخا؟“

”کتنا پرانا ہو گا رہے یہ پھول؟“

”تازہ ہے شیخا۔“

”بھئی تو ہم کہتے ہیں بنوا۔ یہ بتا جاوے تو اس درجہ ہے۔ یہ ہمارا ایمان ہے بنوا۔ یہ پھول مسرا اکئیس ساں پرانا ہے۔ اکئیس سال سے اسی پٹاری میں بند ہے مگر بتا جاوے۔ یہ پھول ہم نے ایک بزرگ کے بچہ سے تو زارے۔ بڑی سات دانے بزرگ رہیں تو۔ ہم نے بن سے کہا ہم اور کچھ بتا چاہیں مس اس پڑ روا کو اس دھکت تک چند رہنے کی دعا کرو وہ جب تک وہ ہمارے سامنے نہ آ جائے ہم یہ نہ کہتے کہ ہمیں اس پر پھتخ دلا دو سامنے ہو جائے بس۔ اس کے بعد بھی بندہ نہ لک کرے گا اور بنوا ہمیں یہ بات مل گئی ہمارا کہا گیا کہ اس گیندے کے پھول کو منجھ کر رکھیں جب تک یہ بتا جاوے گا پڑ روا چند رہے گا اور تم دیکھو یہ بتا جاوے۔“

”یہ اکیس سال پرانا ہے؟“ کبر شاہ حیرت سے بولا۔

”پڑے کی سکیم۔ ہم مجھوٹ ناپی بوست رہیں۔“

”وہ“ دونوں ہونے لگیں حیران رہ گئے۔ غلام شاہ نے پھول بڑی احتیاط سے واپس اس کی جگہ پر رکھ دیا تھا۔ اسی وقت عظیم خان نیچے میں داخل ہوا۔

”دو آدھی آپ سے ملنے آئے ہیں شیخ“

”کون ہیں برے بچے؟“

”معلوم نہیں تھا“

”بدلاؤ جاؤ تم دونوں جاؤ۔“ غلام شاہ نے کہا اور اکبر شاہ اور سونی باہر نکل گئے۔ آنے والے دنوں افراتفر و خروش پوش اور مسمول معطوم ہوتے تھے۔ ان کے لباس قیمتی تھے اور شاہ نادر بھی۔ غلام شاہ نے گھری نگاہوں سے نہیں دیکھا، ورنہ اس کا کر بونا۔“

”اے آؤ بابو۔ انگریز کے طے تو نامی ہو تم کھیلنا ہے تمہیں تو ہم کسی گٹ پے کو بلائی لیں ہمارے جہان میں بات کرو تو پھر ہم ہی ٹھیک ہیں۔“

دونوں نے تھرت سے ایک دوسرے کو دیکھا پھر اس میں سے ایک نے کہا۔ ”ہم اس سرکس کے مالک سے ملنا چاہتے ہیں۔“

”ساری چمک تائی مل سکے گا۔“

“*Yes, yes*”

”ما لک ہوئی گا سسرا تو طے مجھے نا اس سرکس میں سب کا، لکھ لکھ ہے اب یونہی۔“ غلام شاہ نے ہنس کر کہا۔

”علاء شاہ صاحب سے ملنا چاہتے ہیں ہم۔“

”غلام سادہ تو ہم ہیں صاحب کوئی نہیں ہے رے یاں۔“

”اودہ آپ غلام شاہ ہیں۔“

”ہاں بھئی تو تو تمہاری مہربانی ہے بھو۔“

”آپ بہت دلچسپ انسان ہیں آپ سے مل کر حیرت بھی ہوئی اور خوشی بھی۔“

”سرکس ہمارا کنبہ ہے سسرال کنبے میں۔ بزرگ تو ہویں ہیں۔ مالک ناہویں ہاں یہ سرکس ہم نے ہی بنا دیا ہے رے۔“

”غلام شاہ صاحب جیسے کئی دنوں سے ہم آپ کے سرکس کے شوقیہ رہے ہیں اور اسے جاننے کا اثر ہیں ان سے کہہ دیاں نہیں کر سکتے۔ آپ کے فنکاروں نے

کے کسی ملک کے فنکاروں سے کم نہیں بلکہ ان سے کہیں زیادہ شاندار ہیں۔ ہمارا تعلق بلیٹی کی دنیا سے ہے اور ہم آپ کا تعریف کرنا چاہتے ہیں۔“

”رے بھئی رے، اگر بچی میں کوئی کام کر دو تو تمہارا گلہ کبھی تیار نہ ہوگا رے۔ یہی جوان میں کچھ کہو تو ہوتا ہے۔“

”یوں کچھ بچتے ہم آپ کے بارے میں کچھ لکھنا چاہتے ہیں۔“

”پہلے کدہ...؟“ غلام شاہ نے کہا۔

”آپ کے سرکس کو شہرت ملے گی۔“

”کھیا روا لے ہو۔“

”تذریا۔“

”ہوں تو لکھ دو اپنے اکھبر میں جو چاہو۔“

”بھئی جانتا لینا چاہتے ہیں۔ ہم ایک باقاعدہ کام کریں گے آپ کے سرکس کے فنکاروں سے ملیں گے ان کے ساتھ کچھ وقت گزاریں گے ان کی

تصاویر بنائیں گے اور پھر ان پر بہترین تبصرے چھپیں گے۔“

”اودہ بھئی رے، غلام سادہ جاہل آدمی ہے، گاڑھی گاڑھی باتیں نہ سمجھتا ہے جو کچھ تو لوگ کرنا چاہتے ہو کر ڈاؤن نہیں لیکن ہمارا کوئی کھانا نہ ہو، اکبر

کو بلائے ہیں ہم وہ تمہاری ساری باتیں سمجھ لے گا۔“

”کبر اکون ہے؟“

”رے ہمارا بھتیجا ہے۔ وہ لڑکے ہمارے سب کچھ رے وہ۔ ابھی ملا ہے ادا کا۔“

”ضرور بلائیے غلام شاہ صاحب مگر کچھ سوال آپ سے بھی کرنا چاہتے ہیں ہم لوگ۔“

”ایک کا بھی جواب ٹھیک نہ رہے گا۔ اکبر کو بد تاہوں تہا رنی سمجھنا ساری بات آجائے گی۔“ غلام شاہ نے پھر چونک کر یوں۔ ”ارے بھئی ارے ایک بات تو بتاؤ۔“

”ضرور شاہ صاحب۔“

”ارے تو ہار نام کیا ہے۔“

”میرا نام راجن مل ہے اور یہ سبیل احمد ہیں۔“

”تم دوگ پہلے کوئی سرکس دیکھ چکے ہو۔“

”جے ٹار ؟“

”ایک انگلش سرکس ہوتا تھا کسی جہانے میں۔ نام سنا ہے تم نے اس کا۔“

”انگلش سرکس نام تو کانوں کو سنا ہوا محسوس ہوتا ہے۔“

”وہ سسرانہ کدھر ہے پتہ ہے ہی نہیں پتلا اس کا رے چندگی جگر تھی؟“

”مگر جوں کا تھا؟“

”نارے مالک تو کوئی پارسی تھا پر۔“ غلام شاہ خاموش ہو گیا۔

”آپ اسے تلاش کرنا چاہتے ہیں؟“

”ہاں بھئی معلوم کر سکتے ہو اس کے بارے میں۔“

”ہاں کیوں نہیں یہ کون سا مشکل کام ہے۔“ ان دونوں نے غلام شاہ کے لہجے کے اشتیاق کو بھانپ لیا تھا۔

”ارے بھئی یہ کہہ تو بڑا احسان ہو گا ہمارا پر۔ جو کچھ گے مانیں گے تو ہمارا ہمت۔ پاؤں دھوئی کر بیٹیں گے تو ہمارا ہیرا۔“

”ٹھیک ہے شاہ صاحب آپ فکر نہ کریں۔ یہ ہماری ذمہ داری ہے آپ سے مل کر جس قدر خوشی ہوئی ہے یہاں نہیں کر سکتے۔“

”رے، وئی اکبر ارے کدھر ہے رے کھا کر کرد نہیں کی ارے کہاں مر گئے سب رے۔“ جواب میں دو تیس آدمی اندر ٹھس آئے۔ ”اکبر! کو بلاؤ۔“

جلدی۔ ”غلام شاہ نے کہا اور چند بھات کے بعد کبر شاہ اندر آ گیا۔“ یہ دونوں دوست ہیں ہمارے بھین ہیں بڑا اکھا بار لکھیں ہیں کھوب کھا کر وان کی

جو چڑھیں بنائے دیجے۔ جو کہیں کر دھار حکم ہے اکبر!۔“

”لھیک ہے شیخ، آئیے جناب!“ اکبر شاہ نے کہا، دریاں دونوں کو لے کر باہر نکل گیا۔

سکیل اور راجن نے گہری نظروں سے اکبر شاہ کا جائزہ لیا انہیں یہ نوجوان بے حد ذہین اور ریچک محسوس ہو تھا۔ اکبر شاہ انہیں لے لئے ہوئے پنڈل کے ایک گوشے میں آ گیا۔ سرکس کے وہ تمام معصوم تہ جادری تھے جو روزانہ کی کارروائیوں میں شہر ہوتے تھے۔ دونوں گہری نگاہوں سے ان تمام لوگوں کا جائزہ لے رہے تھے۔ اکبر شاہ ایک گوشے میں پڑی ہوئی کرسی پر چائیں اور ان دونوں کو بھی بیٹھے کا اشارہ کیا پھر وہ مہذب لہجے میں بولا۔

”آپ اخبار نویس ہیں؟“

”نہیں کسی، خبر سے ہمارا تعلق نہیں ہے لیکن ہم اپنے طور پر کچھ ایسے کام کرتے ہیں خاص طور سے ان لوگوں کے لئے جو بہترین ویکار ہوتے ہیں لیکن انہیں ان کے شایان شان پہنٹی نہیں ملتی ہم ایسے لوگوں پر آرٹیکل لکھتے ہیں بڑے بڑے رسالے میں چھپتے ہیں اور انہیں دنیا سے روشناس کرواتے ہیں۔ آپ کا سرکس ہم نے دیکھا اور یہ محسوس کیا کہ یہاں جو آئٹم پیش کئے جاتے ہیں وہ دنیا کے بڑے بڑے سرکسوں میں بھی پیش نہیں کئے جاتے۔ ثقافتی طائفے دوسرے ملک میں جاتے اپنا فن پیش کرتے ہیں اور انہیں آسمان پر چڑھا دیا جاتا ہے لیکن اپنے وطن کے یہ فنکار جو اپنے چھوٹے سے پنڈل میں دنیا کے حیرت انگیز کارنامے لکھتے ہیں دنیا سے الگ تھلک رہتے ہیں اور صرف اپنی دنیا کا کاتے ہیں۔ ہماری خوشامی ہے کہ ہم آپ لوگوں کے بارے میں بڑے بڑے مغل میں لکھیں اور یہ بتائیں کہ یہاں بھی کتنے بڑے بڑے فنکار موجود ہیں۔“ اکبر شاہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی وہ غصوں بھرے لہجے میں بولا۔

”اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہمارے سرکس کے ویکار بے مثال ہیں لیکن ہم نے کبھی اس کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی کہ اپنی ضرورتیں پوری کرنے کے علاوہ کہیں اور بھی اپنے بارے میں کچھ لکھیں یا بتائیں۔“

”یہ کام آپ کا ہے بھی نہیں۔ اکبر شاہ صاحب معاف کیجئے آپ کا نام سنے کر پکارا گیا تھا اس لئے ہم بھی آپ کو اسی نام سے مخاطب کر رہے ہیں۔“

”کیوں نہیں! کیوں نہیں! اس میں حرج ہی کیا ہے۔“

”خیر اکبر صاحب ہم اپنے طور پر آپ کی خدمت کر کے خوشی محسوس کریں گے اور آپ سے ایک سلسلے میں بہت سے سوالات بھی کرنے ہیں۔“

”ضرور میں آپ سے تعارف کروں گا۔“ اکبر شاہ نے کہا اور پھر ان لوگوں کے لئے چائے لانے کی ہدایت کر دی۔ سکیل اور راجن بڑے پر غصوں

”ہماری خواہش ہے اکبر شاہ صاحب کہ آپ ان فنکاروں سے ہمارا تعارف کرائیں۔“

”بہتر ہے شیخائے مجھے علم دیا ہے اس لئے میں اس کی تعمیل کروں گا۔“

”صرف علم کی تعمیل نہیں ہم آپ کی دوستی بھی چاہتے ہیں۔ ہم آپ کے فن میں عقیدت مند ہیں قدروان ہیں اور قدردان سے بڑا دوست اور کوئی نہیں ہوتا ہم آپ کی دوستی چاہتے ہیں۔“

اکبر شاہ مسکرا پڑا۔ ”میری آپ سے دشمنی نہیں ہے۔“

”تو پھر دوستی ہے۔“

”یہی سمجھ لیجئے۔“

”ہمیں ایک ایسے حیرت ناک انسان کی دوستی پر فخر ہے جو لاکھوں لگا ہوں کا مرکز ہوتا ہے۔“

حقی دیر میں چائے آگئی اور اکبر شاہ نے نہیں غلوں سے چائے پیش کی۔ سونیا بھی اس طرف آگئی تھی اکبر شاہ اسے ان لوگوں کے بارے میں قاتلے لگا پھر اس نے کہا۔

”سو نیاتم لوگوں کو رنگ میں بلاؤ تا کہ ان سے تعارف ہو جائے۔“

”میں بلاتی ہوں۔“ سونیا نے کہا اور وہاں سے چلی گئی چائے سے فراغت حاصل کر کے اکبر شاہ نہیں بے کر رنگ میں آگیا۔ پھر ہلکے پھلکے کرتب دکھائے گئے اور ایک ایک کا تعارف ہوا۔

یہ بلال چاہا ہے گھوڑے کو بچپن ڈرتا ہے۔ یہ سائلوٹی ہے کھسے تاروں پر اس طرح دوڑتی ہے جیسے کرنٹ۔ یہ رؤف ہاشم ہے ہاتھیوں کا کام دکھانے والا۔ یہ ایاز ہے بے شمار کرتب دکھانے والا وقت پر کوئی آرٹسٹ دستیاب نہ ہو تو اسے وہ کام سونپ دیا جاتا ہے۔“

”گوئیال راؤ ٹرے۔“ راجن نے پوچھا۔

”ہاں! یہ چنگو شکو ہیں ننھے منوں کے، مالک لیکن بجلی سے ریادہ تیز رفتار!“ اکبر شاہ ایک ایک کا تعارف کراتا رہا۔

”آپ کے دوسرے امور کوں منبھالتا ہے۔ میرا مطلب ہے قانونی معاملات۔“

”عموماً میں یہ کام کرتا ہوں لیکن دوسرے بھی ہیں۔“

”معاف کیجئے گا آپ کے ہاں تعلیم حاصل کرنے کا ذریعہ کیا ہے؟“

”ہر شخص کی ضرورت کے مطابق بتانے کے لئے ہمیں باہر کے لوگوں سے رابطہ کرنا پڑتا ہے لیکن بس وہ معاوضے پر حاصل کئے جاتے ہیں۔“

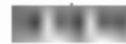
”یہاں کتنے دن قیام ہے آپ کا؟“

”صرف دو دن اور کریں گے۔“

”اس کے بعد کہاں جائیں گے؟“

”آگے کے شہر۔ شیخا کا یہی فیصلہ ہے۔“

سکیل اور راجن موالات کرتے رہے دھپ بھرے بھی کرتے جا رہے تھے۔ کیر شاہ ان سے بے تکلف ہو چکا تھا۔ پھر انہوں نے جازت طلب کر لی اور دوسری ملاقات کا وعدہ کر کے چلے گئے۔



رات کے قریب بج رہے تھے۔ سانولی نے بے چہن نظروں سے سائے میں گھورا اور پھر انگلیاں جھٹکانے لگی۔ وہ پریشان تھی۔ ایار کو وہ ولی کی گہرائیوں سے چاہتی تھی۔ یہ محبت نہ جانے کب سے پروان چڑھ رہی تھی۔ بہت سے آنکھیں وہ ساتھ پیش کرتے تھے لیکن یہ چاہت تو شاید انہیں ہی سے دونوں کے دلوں میں تھی۔ ایار کے ماں باپ بچپن میں مر چکے تھے مگر غلام شاہ نے قبیلے کے بہت سے لوگوں کی طرح یا زکہ بھی وہی شفقت دی تھی جو ایک باپ کی شفقت کہلاتی تھی۔ البتہ اس کے اصول بہت سخت و صاف بولنے کا عادی تھا۔ اس نے کہا تھا۔

”بچے ہو تم سب ہمارے کبھی اس سے انکار نہ کریں گے پر ہمیں باپ ہی سمجھنا۔ جو کہیں وہ ماننا، ہمارا قبیلہ ہے اس کی تہذیب ہے۔ اس کی روایات ہیں۔ جس طرح ہم خانہ بدوش پھرتے تھے اور اپنی روایتوں کا پاس کرتے تھے۔ اسی طرح اس سرکس میں بھی ان روایات کی پابندی جاری رہنی چاہئے۔ یہاں کسی بھی گندگی کی مزا صرف موت ہوگی صرف موت۔“ اور وہ غلام شاہ کا لہجہ سمجھتے تھے۔ جانتے تھے کہ اس کے علاوہ وہ کچھ نہ ہوگا چنانچہ دونوں کے دل مرجھ گئے تھے ان کی سمجھ میں نہ آیا تھا کہ کیا کریں۔ ایاز نے ایک دن کہا۔

”سانولی کیا ہم ہمیشہ ہی کے دو کناروں کی مانند رہیں گے۔ ایک دوسرے کے سامنے مگر ایک دوسرے سے الگ۔“

”میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا ایاز۔“

”سانولی چلو یہاں سے نکل جائیں۔ یہ سب کچھ چھوڑ دیں۔ کہیں دور اپنی دنیا بسائیں زندگی بدل دیں اپنی۔“

”میں نے بھی یہ سوچا تھا ایاز لیکن میں کمزور ہوں ایسا نہیں کر سکتی اپنے ماں باپ کو نہیں چھوڑ سکتی۔ اگر میں نے یہ کر لیا تو خوش نہ رہ سکوں گی تم

”ہاں!“

”سوچ لو!“

”دعوتِ خدائی نہیں کروں گا۔“ ایڑے نے کہا اور سالولی سنبھل گئی۔ لیکن اس کے باوجود وہ تنہا کی خطرناک اقدامات کرتی رہی تھی اور پبلک خوفزدہ انداز میں چلتی ورتا پیاں بجاتی رہی تھی۔ ایڑکا دم نکل رہا تھا اور غلام شاہ مسکرا رہا تھا پھر جب وہ جھوٹے سے اتری تو پبلک کئی منٹ تک تالیاں بجاتی رہی تھی۔

سالولی کٹھنرے کے پاس ایڑکا انتظار کر رہی تھی پھر اسے ایڑ نظر آیا۔

”دیر ہوگئی مجھے؟“

”نہیں بہت جلدی آگئے ہو۔“

”واقعی دیر تو نہیں ہوئی۔“

”کیا ہو ہے تمہیں۔ اندازہ ہے میں کس قدر پریشان ہوں۔“

”سالولی مجھ سے ایک گناہ ہو گیا ہے۔ بہت بڑا گناہ ہو گیا ہے سالولی سمجھ میں نہیں آتا اس کا کفارہ کیسے ادا کروں۔“

”مجھے پریشان کر کے کفارہ ادا کر رہے ہو؟“

”یہ بات نہیں پریشان ہوں میں سالولی۔“

”بتاؤ کیا بات ہے؟“

”تم سالولی مجھ سے نفرت تو نہیں کرو گے؟“

”نفرت، میں تم سے؟“

”میرا گناہ اتنا ہی گھناؤنا ہے سالولی۔“

”ہو کیا آخر؟“

”سالولی میں دو بار، دو بار میں نے شیقا کو ہلاک کرنے کی کوشش کی ہے سالولی اس نے ”ایار نے ہری تفصیل سالولی کو بتا دی اور سالولی سہکتے رہ گئی۔“ اب سالولی میں سوچتا ہوں کہ شیقا کیا سوچ رہا ہوگا مگر اس نے ہماری شادی بھی کر دی تو۔۔۔ تو سالولی کیا یہ بات اس کے دس سے نکل جائے گی؟“

”بہت برائی تم نے ایاز۔ بہت برائی۔ لیکن یا تو۔ یہ سب تم نے میرے لئے کیا ہے، گناہ تو میرا بھی ہے۔ گناہ ہماری محبت کا ہے۔ ہم ساری عمر شفا کی خدمت کر کے اپنے گناہ کو وجود میں آگے اور کیا کیا جا سکتا ہے۔“

”میں شفا سے آگے نہیں جاسکتا۔“

”شفا عظیم ہے ایاز۔ وہ ہمارا باپ ہے۔ باپ بچوں کو معاف کر دیتے ہیں۔ پریشان نہ ہو مگر شفا یہ نہ کرتا تو ہمیں بھی مرنا پڑتا۔ اس گناہ کا کفارہ اسی طرح دیا گیا جاسکتا ہے کہ ہم سبجا ہو کر شفا کے مقصد کے لئے زندگی کی یاری لگا دیں۔“ یا ر مہر کی گہری سانسیں لینے لگا۔ دفعتاً اس کے حلق سے ایک آہ نکل گئی کسی نے اس کے سر پر زوردار چیت لگا کی تھی۔ یا ز بھی سمجھا کہ شفا اس کے پیچھے موجود ہے اور اس نے ان کی باتیں سنی ہیں لیکن سافولی کو ہنسنے دیکھ کر وہ پلٹا ایک شریر بندہ نے کتھرے کی سلاخوں سے ہاتھ نکال کر اس کے سر پر دھپ رسید کی تھی جیسے کہ رہا ہو چند کہیں گا۔



راجن اور سہیل سرکس سے باہر نکل آئے ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ دیر تک وہ خاموشی سے چلتے رہے پھر ایک چھوٹے سے مکان میں داخل ہو گئے۔ اندر ایک شخص اور موجود تھا جس نے دروازہ کھولا تھا لیکن وہ دونوں اسے نظر انداز کر کے آگے بڑھے اور ایک کمرے میں داخل ہو گئے۔ یہاں دونوں نے پاس وغیرہ تہہ پل کئے اور پھر لکڑی کی بھڑکی کرسیوں پر دراز ہو گئے۔

”کیا خیال ہے سہیل۔“ راجن نے پوچھا۔

”کامیابی؟“

”ہاں ایک حد تک۔ تم نے کیا فیصلہ کیا؟“

”تمہاری رائے سننا چاہتا ہوں۔“

”پانچ آدمی خطرناک ہے۔ نچلے درجے سے تعلق رکھتا ہے لیکن لالچ میں نہیں آئے گا۔“

”میں تم سے حلق ہوں۔“

”لیکن وہ دونوں۔ میرا مطلب ہے سافولی اور ایاز ہمارے کام کے وہی دونوں ہیں۔“

”وسطی۔ لوگوں کی رائے ہے کہ ہم دونوں ہمیشہ ایک ہی بات سوچتے ہیں میں نے بھی انہی کا انتخاب کیا ہے۔“

”شرط یہ ہے کہ وہ دونوں تیار ہو جائیں۔“

”کام آسام نہیں ہے کافی محنت کرنی پڑے گی۔ لنگڑے نے بڑا خطرناک لٹھم قائم کیا ہے۔“

”ہاں ہمیں اس کی امید نہیں تھی ماسٹر کا خیال تھا کہ وہ لوگ کام کے لئے فوراً تیار ہو جائیں گے لیکن یہاں صورتیں مختلف نظر آتی ہے۔“

”مشورہ کر لیا جائے۔“

”ضروری ہے دیسے بھی ماسٹر نے حکم دیا تھا کہ کام شروع کرنے کے بعد اسے رپورٹ دی جائے۔“

”رپورٹ دے دو!“ راجن نے کہا۔ ”سکیل نے گردن بند دی۔ پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور ایک چھوٹی سی اماری کی طرف بڑھ گیا۔ اماری کھول کر اس نے ایک ٹرانسمیٹر نکال لیا اور اس کا امپلیفائر لگا کر کچھ بجس دہانے لگا۔ وہ کس کا شور ابھر پھر ایک آواز سنائی دی۔ ”ہاں کون ہے؟“

”سکیل۔ ماسٹر سے بات کرنا چاہتا ہے۔“ دوسری طرف سے انتظار کرنے کے لئے کہا گیا اور چند لمحات کے بعد دوسری طرف سے ایک غیر ملکی لہجہ ابھرا۔

”بس ماسٹر سکیل!“

”ماسٹر ہم نے کام کا آغاز کر دیا ہے سرکس کا مالک ایک خطرناک آدمی ہے وہ لالچ میں نہیں آئے گا مگر جو لوگ ہمارے لئے کام آ رہے ہیں ہم نے ان کا انتخاب کر لیا ہے اور ہمیں امید ہے کہ وہ ہمارے قابو میں آ جائیں گے اب اس میں کچھ دقت لگ جائے گا۔“

”بھی ہمارے پاس کافی وقت ہے اس کی فکر مت کرو۔ سرکس وہاں سے کب روانہ ہو رہا ہے۔“

”دو دن کے بعد ممکن ہے ایک آدھ دن اور لگ جائے۔“

”رخ اسی طرف ہے نا؟“

”مونیصدی ہم معلوم کر چکے ہیں۔“

”مجھے پہلے سے علم تھا۔ بہر حال ہم اس کے استقبال کے لئے تیار ہیں تم بے فکر ہو کر اپنا کام جاری رکھو!“ دوسری طرف سے آواز بند ہو گئی۔



سرکس کا آخری شو ہو رہا تھا، تمام فنکار۔ شائقین پر پھولیں پھیر کر رہے تھے اور اپنا اپنا فن دکھا رہے تھے۔ راجن اور سکیل کمروں سے تصاویر بنا رہے تھے۔ جس کی اجازت وہ اکبر شاہ کے دربار سے حاصل کر چکے تھے۔ اکبر شاہ کے علاوہ دوسرے لوگوں سے بھی اس کی دعوت ہو گئی تھی۔ بہت مختصر وقت میں انہوں نے لوگوں کو جال میں پھنس لیا تھا۔ خاص طور سے اکبر شاہ تو ان کا کچھ ریا دہ بنی گردیدہ ہو گیا تھا۔ دونوں جال میں کوئی نہیں غولی ضرور تھی جس کے ذریعے وہ آسانی سے دوست بنا لیتے تھے، آج کے آخری شو میں انہوں نے تمام فنکاروں کی تصاویر بنانے کی اجازت طلب

کی تھی اور اس وقت اپنے کام میں مصروف تھے۔ ویسے تو کئی بار ان لوگوں کی تصاویر اجہارست والے چھاپ چکے تھے لیکن وہ مھل ایک کاروباری انداز تھا۔ جب کہ یہاں کچھ دوستی کا سامان تھا۔ چنانچہ بہت سے فنکاروں نے اپنے اپنے آئینہ کی خصوصی تصاویر ہوئی تھیں اور سہیل اور راجن دو قیمتی کیمروں سے ان کی فرمائش پوری کر رہے تھے۔ شوکا سیانی سے جاری رہا۔ ہر فنکار نے شائقین کو خراج عقیدت پیش کیا۔ اس شو کی خوبی یہی تھی کہ آخری شو ہونے کی وجہ سے فنکار مقامی میزبانوں کا شکریہ ادا کر رہے تھے پھر شو کا وقت ختم ہو گیا۔ شائقین پنڈال سے باہر نکلے گئے راجن اور سہیل بھی تک نہیں موجود تھے۔ سو نیا لے ہنستے ہوئے سہیل سے کہا۔

”مسٹر سہیل آپ ضرورت سے زیادہ سادہ لوح اور دوست نواز ہیں ہم تو خیر پیشہ ورانہ طور پر اس وقت تک مصروف رہے ہیں لیکس آپ لوگوں کی مصروفیات ہمارے علم سے باہر ہیں۔“

”نہیں مس سو نیا عقیدت ہی تو ایک دینا چاہیہ ہے جو انسان کو ہر طرح سے مجبور کر دیتا ہے آپ لوگوں کا فن دیکھ کر ہم جیسا کہ پہلے بھی کہہ چکے ہیں کہ پتی حیرتوں اور اس کے بعد تاثر پر کاؤ نہیں پائے اور پھر آپ لوگ ایک بالکل اجنبی پٹے سے متعلق ہونے کے باوجود اسے خوش اخلاق و رشتہ دار لگے کے چند ہی دور میں یہ خیال بھی نہ رہا کہ ہماری بے تکلفی پہلے سے نہیں ہے باقی رہا آپ کے اس سوال کا جواب کہ ہم بلاوجہ یہ سب کچھ کر رہے ہیں تو یہ حقیقت نہیں ہے جیسا کہ ہم اپنا تعارف کرا چکے ہیں کہ ہم بہت سے شو بزنس کے شعبوں کو کور کرتے ہیں آپ کی ان تصاویر سے بھی ہم بڑا بہی فائدہ حاصل کریں گے، وراطین ن، رکھئے آپ کو اس مشن پر یثانی ہوگی نہ کسی قسم کی ذہنی کوفت۔“

”فہ! مجھے مختصر سوال کا اتنا طویل جواب تو نہیں مانگنا تھا میں نے۔“

”بھئی اب تم لوگ یہ بتاؤ کہ تم سے منکات کب ہوگی؟ اکبر شاہ نے درمیان میں دخل دے کر کہا۔

”اکبر شاہ تم لوگوں تک پہنچنا بھلا کون سا مشکل کام ہے۔ اگر ہم واقعی تم سے محبت کرتے ہیں تو ہمارے درمیان زیادہ فاصلے نہیں رہیں گے تم اس کی بالکل فکر مت کرو۔“ اکبر شاہ کو غلام شاہ نے کسی کام سے طلب کر لیا تھا اس لئے وہ چلا گیا۔ سو نیا اور دوسرے چند فنکاراں لوگوں سے تھوڑی دیر گفتگو کرتے رہے اور پھر انہوں نے بھی اپنا دست طلب کر لی۔ سہیل اور راجن باہر آ گئے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنی اسی رہائش گاہ میں داخل ہو گئے جہاں اس کا قیام تھا دونوں کے چہروں پر مسکراہٹ تھی سہیل نے ہنستے ہوئے راجن سے کہا۔

”سرس کے فنکار اس بات پر حیران ہیں کہ ہم دونوں بے فکرے ان لوگوں کے پیچھے کیوں لگے ہوئے ہیں لیکن انہیں کیا معلوم کہ وہ ہمارے لئے کیا حیثیت رکھتے ہیں۔“

”ہاں اس میں کوئی شک نہیں ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پروگرام کیا ہے؟“

”پروگرام وہی ہے جو پہلے سے طے کر چکے ہیں۔ صبح ہوتے ہی تم روانہ ہو جاؤ۔ یہ تصاویر لے جاؤ اور اس سلسلے میں جو کام تمہارے سپرد کیا گیا ہے اس کی تکمیل کر ڈالو تمہاری ذہانت بس یہی ہے کہ اس میں زیادہ وقت صرف نہ کرو۔“

”اور تم؟“ راجن نے سکیل سے پوچھا۔

”میں سرکس کا بیچھا کرتا ہوں ابائی روڈ، ہاں تک پہنچوں گا۔“

”تمہاری ہوشیاری سے کام کرنا ہوگا۔“ راجن نے تشویش سے ہونٹ سکڑتے ہوئے کہا۔

”مطمئن رہو اور اپنا کام خوش اسلوبی سے انجام دو۔“ اس نے گہری سانس لے کر کہا۔



سرکس کھل گیا۔ دن رات کا کام تھا اور سب اس کے باہر بڑے بڑے تخیلات کی آن میں پیٹ ویسے گئے۔ بازاروں سے خریداری کر لی گئی۔ ٹرکوں کی ٹنگیاں چارول سے بھردائی گئیں۔ ویسے بھی بہت طویل فاصلہ طے نہیں کرنا تھا اس لئے کوئی بڑی خریداری ضروری نہ سمجھی گئی لیکن ان تمام کارروائیوں کو دیکھ کر حیرت ہوتی تھی کیونکہ یہ سب کچھ ایک معذور انسان کا کام تھا جو چائل اوراں پڑھ تھا۔ قہقہے کے نوگوں نے بھارت مجبوری سے مشورہ دیا تھا کہ بھیک کا پیارہ ٹھالے لیکن غلام شاہ کے دل کی آگ نے کوئی اور ہی شکل اختیار کر لی۔ اس کی غیور فطرت بھیک لینا نہیں بھیک دینا جانتی تھی اور آج درحقیقت وہ اس قابل تھا کہ لوگوں کی تقدیریں بنادے۔ ایک بڑے اور چہرہ سرکس کے لئے جو کچھ ضروری ہو سکتا تھا اس کے پاس موجود تھا دیکھنے والے تو یہی سوچ سکتے تھے کہ اس پھیلاوے کو سینے کے لئے کئی دن درکار ہوتے ہوں گے لیکن دیکھنے والوں نے ہی یہ دیکھ کر علی الصبح یہ کام شروع ہو اور دوپہر سے پہلے ختم ہو گیا۔ کرین نے چارو روں کے کنبہ پر رک پرانے اور یہ آخری کام تھا۔ دوپہر کے کھانے کے بعد ٹرک اور جیپیں اسٹارٹ ہو کر چل پڑیں دوسرے شہر کے لئے۔ اس کام پر ہامور دو افراد پہلے ہی بھیج دیئے گئے تھے جنہیں جگہ حاصل کرنا تھی اور ان کی طرف سے اطلاع مل گئی تھی کہ کام ہو گیا ہے۔

غلام شاہ ایک جیپ میں سونیا وراکیر کے ساتھ موجود تھا اور حسبِ حادث خوش نظر آ رہا تھا۔ جس شہر میں وہ جا رہے تھے وہاں کئی ہار سرکس لگا چکے تھے۔ کافی بڑے شہر تھا۔ تعداد سرکاری دفاتر تھے بے شمار صنعتیں لگی ہوئی تھیں۔ شہر کے لوگ رندہ دس تھے درہنڈل کچا کچھ بھر جاتا تھا۔

”وہاں کتنے دن رکو گے شیخا۔“ اکبر شاہ نے پوچھا۔

”جانت تو اپنے مہینہ کی ہے کچھ دن اور بڑھائیں گے۔ بعد میں سیدھے نیا نگر چلی ہے یہاں میں۔“ غلام شاہ نے کہا۔

”نیا نگر“ اکبر شاہ چونک کر بولا۔

”ہاں رے کا ہوئی ہے۔“

”نیا نگر تو تم بھی نہیں جانتے شیخا۔ اور ہمدرد تو بہت دور ہے۔“

”ارے تو کا ہوا رے، لہذا سکر کر لئی ہے۔“

”مگر نیا نگر کی کہانیاں۔“

”اوہو دیکھ لیں گے رے ادھر جا کے۔ شاہ کروں کا علاقہ ہے رے، بڑے نام سے ہیں ان شاہ کروں کے جراثیم بھی تو دیکھیں، ہیں کا اور۔“

”سنا ہے بہت خوبصورت علاقہ ہے۔“

”اور بہت کچھ سنا ہے میرا۔ بڑی بڑی شخصیات ہیں ان لوگوں کی بڑی سان وارے ہیں۔“

”ہم سرور وہاں چلیں گے شیخا یہ اکبر بھی تو بس ڈرتے ہیں ہر جگہ سے۔“ سونیا نے کہا اور اکبر مسکرا پڑا۔

”ہاں ڈرتا ہوں سونیا، اپنے بے نہیں تیرے لئے۔ شیخاے ہمارے ہاتھ باندھ دیئے ہیں۔ ہمیں علم ہے کہ کسی انسان کو ہمارے ہاتھوں نقصان نہ پہنچے

ورنہ۔ ہم کسی سے نہیں ڈرتے۔“

”ارے تو گفٹ کہی ہے ہم۔ کل دگارت گری کر گئے تم۔ اللہ کے بندوں کو مارو گے۔ دیکھو بھو، برائی کرن وارے تو برائی ہی کری ہے۔ اس کے

جہاں میں تم لوگ برائی کرو گے تو پھر کرائی ہے۔ برائی کو بھلائی سے روکو بات بن جاتی ہے۔“

”اور شیخا اگر بات نہ بنے تو۔“ اکبر شاہ نے کہا۔

”تو ہمارے کھڑیا میں ڈنڈا دے مار دھائی رے۔ سب کی باتیں مٹی جتنی ہیں۔“ غلام شاہ جھلا کر بولا، اور سونیا ہنس پڑی۔ اکبر شاہ سوچ میں ڈوب گیا۔

دوپہر کے بعد سفر شروع کیا گیا تھا بہت زیادہ دور نہ گئے تھے کہ شام ہو گئی۔ سورج پوری طرح اٹھنے بھی نہ پایا تھا کہ غلام شاہ نے قافلے کو روک دیا۔

بہت خوبصورت سبز علاقہ تھا۔ کچھ فاصلے پر ایک ندی نظر آ رہی تھی۔ قافلہ رک گیا لوگوں کا خیال تھا کہ شاید یہ بھی کم از کم دو گھنٹے سفر اور جاری رہے گا

لیکن شاہد علاقے کی خوبصورتی کے پیش نگاہ غلام شاہ نے یہ فیصلہ کیا تھا۔ تمام ٹرک ایک دائرے کی شکل میں کھڑے کر لئے گئے ان کے درمیان وسیع

جگہ چھوڑ دی گئی تھی۔ کھہرے وغیرہ بھی ٹرکوں کے اس احاطے کے درمیان ہی تھے کسی غیر آوار جگہ قیام کی بجائے قریب ہوتی تھی۔ قیام کے فوراً بعد

ضروریات رہ گئی کا آغاز ہو گیا۔ غلام شاہ کو وہیں چیمبر پر منتقل کر دیا گیا تھا اور وہ اس وسیع و عریض احاطے میں وہی چیز چلا رہا تھا۔ پھر اس کی یہ کرسی کریم شاہ کے پاس رکی جو رسیاں پیٹ کر کچھ بٹا رہا تھا۔

”ہے رے کریم کا کرت ہے بھائی رے؟“

”کچھ ناہیں سیکھا اس یہ رسیاں چپک کرت رہے۔“ کریم شاہ نے جواب دیا۔

”اوجھتا رہے بھائی۔ تو کا بھی۔“ ”چک“ کرن آئی گواہ انگریزی ماں کی کرن، گانٹیں بھی۔ وہ رے انگریزوں کے لوٹنے۔“ کریم شاہ ہنسنے لگا تھا۔

”کا کریں سیکھیں ان جوان چھو کروں نے ہمارا جہاں کھراب کر ڈالی رے۔“

”آ رے بھائی چک کرن والی تو ور بھی بہت سی رسیاں ہیں تو دکھانا ہیں چپک کر رہے۔“

”کون سی رسیاں سیکھا۔“

”آ رے تو ہمارے والد کی بات کروں ہوں رے۔ سسرالاد بھی تو رسیوں کی طرح پنڈے سے پٹی رہے ہے۔ چھو کرے سسرے تو جیادو پر چہاں

نا کریں پن ریاں آنکھیں لڑت ہیں سو یا کو دیکھو سسری بھارنی چات ہے ور بھی جوان چھو کریاں ہیں سب کے بارے میں سوچتا ہے رے حیری

چھوڑی سنو ریا ہے تو اد کے بارے ما بھوٹا سوچے۔“

”جی کیوں سیکھا تو رہے ہمارے یوں لاگے ہے جیسے ہم نے سب کچھ تو ہمارے پر لا دیکھا رے۔ ہم جانت ہیں حیری آنکھ چاروں طرف دیکھے ہے تو

جو ہے سب کے بارے ماں سوچن وارا۔“

”حسبت ہے تم لوگوں کی، لنگڑو کو ہوسا ہنادیا، مہر مانی رے بھائی حیری سن کر یہ تو رہی بیٹا کے لئے ہم لڑکا دیکھ رہے ہیں۔ تو ہاں کر دے۔“

”ہاں سیکھا، مہری طریقہ سے ہاں۔“

”ارے بارے یہ تو بچہ لے ہے کون۔“ غلام شاہ سرور لٹھے میں ہنس کر بولا۔

”نی سیکھا، رے پوچھ کر تو بات ہی کا۔ حیری سان، نا لگا نہیں کیا۔ نا سیکھا جب تو ان کی سادی کرے گا تب ہم لوٹا دیکھیں گے۔“ کریم شاہ نے

کہا۔

”نہ تو کا کھوس رکھے بھائی۔ ہم نے باج کے بارے میں سوچا رہے بہت چھ لڑکارے اور سن رے کریم کل ہم ان دونوں کی سادی کر دیں گے

کل۔ آگے نا ہیں بڑھیں گے سمجھا۔“

”جو تیری مرگی سیکھا۔ جو تیرے مرگی ہم کچھ بولی کا۔“ کریم بخش حوشی سے کپکپاتا ہوا بولا۔

”چھ چھو کر اتیار کر لے منہ نہ میرے سکا کر لے نکل جا دین۔ پر پائی پکائی ہے ہاں بڑھیا ودری۔“

”ٹھیک ہے سیکھا اور۔“

کس رے اور کچھ ناچیں، رت جگائی ہوئی ہے کلکل پکت رہے ہاں۔“ غلام شاہ جلدی جلدی کرسی دھکیلتا آگے بڑھ گیا اور پھر اچاٹے کے کے پیچ آ کر بولا۔ ”ارے اوسرو اسرکس واروسب آئی چاڈرے ہمار پاس۔ آؤ رے ڈھوس ڈپہن کی تمہاری کرورے یاد کرو گے سیکھا کو۔“

کام کرنے والوں نے گردنیں گھما گھما کر غلام شاہ کو دیکھا۔ پھر سب اس کے گرد جمع ہونے لگے۔ جب ایک ایک شخص اس کے سامنے پہنچ گیا تو غلام شاہ نے کہا۔ ”جانت ہو بیٹا ہم اس جنگل ہاں منگل مٹان واسطے سرکس اوھر روک دین۔ ہمارے یار کریم ساہ اور ہم نے ملے کیا رے کہ سنو ریا اور یاج کی سادی کرائی دیں۔ سارے چھو کروا، لڑکے وارے اور ساری چھو کریاں لڑکی وارن رچیں۔ کل جہاں کے بعد ان دولوں کا لکاج پڑھا کی جانے ہے باکی جو تمہاری مرگی آئے کرو۔ ہماری طرف سے جا جت ہے رے۔“

مجمع میں ساقی اور یار بھی موجود تھے، دونوں دنگ رہ گئے پھر اچانک لڑکیوں نے ساقی کے گرد گھیر ڈال دیا اور فوجی ان یاں شاہ سے فٹ پال کھینچنے لگے۔ غلام شاہ ان سب کے پیچ پیچھے لگا رہا تھا۔

آن کی آن میں منقری ہر گیا چاروں طرف سے قہقہے بھرے گئے۔ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ لوگ ایک چھوٹے زانے کے قاتل تھانوں کو پورا کرنے والے سرکس سے تعلق رکھتے ہیں۔ بس خاندان بدوشوں کا ایک قبیہ معصوم ہوتا تھا جو اپنی روایتوں میں گم تھا۔ سونو کے لئے قاتل لگا دی گئیں۔ لڑکوں کو بیچے ہٹا کر احاطہ وسیع کر لیا گیا۔ لاؤ بھل گئے۔ کڑھاؤ چڑھ گئے۔ آٹا گندھنے لگا، گڑ کے شیرے میں سونف ملا کر آٹے میں شامل کی گئی اور خمیر تیار کیا جانے لگا۔ کریم شاہ نے پنا کام شروع کر دیا تھا۔ چھ شکاری لڑکے تیار کیے گئے جنہیں تازہ گوشت مہیا کرنا تھا۔ مرجع مصالحے نکال لئے گئے، حوٹ کی آوازیں بجا گھر جانے کے مدحریٹ ایک دوسرے سے غصوں، دیکوں کی صفائی لکھیروں کی لہنا ٹھن، یوں صبح ہوئی، شکاریوں نے کہاں کر دکھایا تھا۔ ہرنوں کی پوری ڈار شکار کر ڈالی تھی۔ دو پہر کو بچنے ہوئے ہرن، شام کو بریانی اور کھجور کا زردہ تیار ہوا۔ رات کے بعد بارہا تیار ہوئی۔ قاضی کے فرائض مودوی افضل نے سرانجام دیے۔ غلام شاہ بدلا۔

”اے بھائی مولیٰ صاحب، جراجبوج نکاح پڑھانا رے یہ آج کل کے چھوکرے چھوکریاں ناک پر کسہ رکھیں ہیں، آج سادی کل جھگڑا پر سو۔“

”ہر نکاح مضبوط ہوتا ہے غلام شاہ۔ میر پڑھایا ہوا کوئی نکاح ٹوٹتا ہے آج تک۔ ریادہ مضبوطی چاہتے ہو تو خود پڑھا لو۔“ مولیٰ افضل تک چڑھے آدی تھے، غلام شاہ نے قہقہہ لگایا۔

”رے وہ رے ہری مرجع۔ بڑی جی ہے بھئی۔ ہٹا تو بس اتنا ہی نکاح آئے رہے کہ ”گا جری پیندی گل کبیرے کا چول، کہہ بھائی رے چھوکر و تیں چھوکریاں کہوں پڑھاؤ بھائی پڑھاؤ ہم چپ رہی ہے۔“

مودوی افضل نے نکاح پڑھایا اور س فریجے کی تکمیل ہوتے ہی ایاز غلام شاہ کے قدموں میں آگرا، اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔ اسے وہ سب کچھ یاد آ رہا تھا جو اس نے غلام شاہ کے ساتھ کیا تھا۔

”ناہیں بٹ ناہیں۔ تو کار کھست کر کے ناہیں لے جات۔ ارے کیسے چھوکر کی طرح روتا ہے رے۔ بری بات بٹا بری بات چپ ہو جاوے۔“

سسرے۔ سب ہنسیں رے۔ ”بہشکل تمام ایاز کو غلام شاہ سے لگ گیا۔ غلام شاہ نے آہستہ سے کہا۔ ”ماں باپ یاد آئے رہے ہوں گے بے چارے کو پہ جانے والوں کو کون روک سکتا ہے۔“

رات گزر گئی دوسرے دن ڈیرے، شہا دیئے گئے اور سفر جاری ہو گیا۔ دس عہر سفر کیا گیا تھا اور شام کو پانچ بجے وہ شہر میں داخل ہو گئے۔



شہر ایک ایک شاندار ہوٹل میں راجن اور سہیل ایک کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ راجن نے ابھی تھوڑی دیر قبل ماسٹر سے ٹرانسمیٹر پر رابطہ کر کے سرکس

کے آجانے کی اطلاع دی تھی اور ماسٹر نے اطمینان کا اظہار کر کے کہا تھا کہ دوسرے کام بھی اطمینان بخش طور پر انجام پا رہے ہیں۔ وہ چنا کام جاری رکھیں۔ اس کام سے فارغ ہو کر سہیل راجن کو تنصیلات بتانے لگا۔

”نہ لوگوں کے مشن کو میں ابھی تک نہیں سمجھ سکا۔ پوری رات تاج گانا ہوتا رہا دوسرے دن خوب ہنگامے تھے۔ ویسے راجن یہ الگ زندگی ہے۔ آزاد ایڈیوٹر سے بھرپور۔“

”تم سنے لڑکی کو دیکھا ہے جس کا نام سونیا ہے؟“

”پاگل کر دینے والا حسن ہے مگر ساتھ ہی، اور بھی بہت کچھ دیکھا ہے۔“

”کیا؟“

”وہ خطرناک حن سٹر ہے اور سرکس میں خطرناک شیر و رہا تھو غیر وہ بھی ہیں۔“ سہیل نے کہا اور راجن ہنسنے لگا۔ ”تم نے تصویریں تیار کر لیں۔“

”ہاں!“

”دکھاؤ۔“ اس نے کہا اور راجن نے اساری سے ایک بیگ نکال کر کھول لیا اس میں سے دو البم نکالے اور ایک اس کے سامنے رکھ دیا۔ سرکس کے بہترین مناظر تھے، وراجنہ کی معیاری فوٹو گرافی کی گئی تھی۔ بہت دیر تک تصویریں دیکھتا رہا پھر سہیل نے کہا۔

”ماسٹر کو البم پہنچا دیا۔“

”ابھی کہاں، اطلاع دے رہی ہے اس نے کہا ہے کہ وہ خود منگوا لے گا یہ دوسرا البم اس کے لئے ہے۔“

”مارنگ کر دی ہے؟“ سہیل نے پوچھا۔

”ہاں تم دیکھ لو۔“ راجن بولا اور اس نے دوسرا البم دکھایا۔ پہلے البم ولی تھا دیر ہی تھیں لیکن اس میں سوانوی اور ایڈ کے تمام آنٹم خصوصی طور پر پیش کئے گئے تھے اور ان پر سرخ نشان لگائے گئے تھے۔ ایک ایک مغل کو نہایت خوبی سے اجاگر کیا گیا تھا۔ پھر البم دیکھنے کے بعد اس نے گردن ہلائی اور بولا۔ ”میرے خیال میں اطمینان بخش ہے۔“

زیادہ رات نہ ہوئی تھی کہ کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی راجن نے دروازہ کھول دیا۔ ایک دبلا پتلا نوجوان سامنے کھڑا تھا۔

”جی فرمائیے۔“ راجن نے پوچھا۔

”مارنگ، اک صحت کے لئے بہتر ہوتی ہے۔“ نوجوان نے کہا۔

”معدر آ جاؤ۔“ راجن بولا اور لوجواں مسکراتا ہوا معدر آ گیا۔ راجن نے اہم اسے دیتے ہوئے کہا۔ ”اب اس کی حفاظت تمہاری ذمہ داری ہے۔“

”بے فکر ہو۔“ لوجواں بولا۔

”اور کوئی ہدایت۔“

”دیکھیں! چلتا ہوں۔“ لوجواں نے اہم کو اپنے باز میں محفوظ کر لیا اور ہر نکل گیا۔ راجن دروازہ بند کر کے اس کے پاس آ بیٹھا تھا دوسرے دن صبح سے دونوں تیار کیا کرتے تھے اور پھر ہوٹل سے باہر نکل آئے۔ ابھی زیادہ دور نہیں پہنچے تھے کہ انہوں نے سرکس کی ایک جھپ دکھی جو بڑے بڑے یورڈوں کے ٹکڑے کر رہی تھی اس پر دو مسٹرے اچھل رہے تھے اور سرکس کے بارے میں اعلان ہو رہا تھا۔ آج رات پہلا شو پیش کیا جا رہا تھا۔

”کیا خیال ہے۔“ راجن نے پوچھا۔

”کوئی حرج نہیں ہے۔“

”تو پھر آؤ چلیں۔“ راجن بولا اور انہوں نے ایک ٹیکسی روک لی تھوڑی دیر کے بعد دونوں اس علاقے میں پہنچ گئے جہاں سرکس کے تہوتن گئے تھے۔ زمین پر ایک بڑا شہر آباد ہو گیا تھا اور سرکس کے لوگ مصروف تھے۔ شہروں کی آوازیں ابھر رہی تھیں بہت سے لوگ اس پاس موجود تھے۔ انہیں سرکس سے دور رکھنے کے لئے ناکہ بندی کر دی گئی تھی اور چند لوگ نگرانی کر رہے تھے۔ معدر چاہے کے لئے راستہ رکھا گیا تھا۔ ان دونوں کو شاید دور سے ہی دیکھ لیا گیا۔ روڈ پر ٹانے ان کا استقبال کیا تھا۔

”آپ لوگ یہاں کب آئے؟“

”بس آپ ہماری محبت دیکھیں غائب صاحب۔ جہاں آپ وہاں ہم۔“

”شیخا کہاں ہیں۔“ اسمیل نے پوچھا۔

”جھولے کسوار ہے ہیں۔ آجے معدر آئے۔“ روڈ پر ٹانے نے کہا اور سرکس کے صدر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ دوسری طرف سے شیر کے گرے کی آواز آ رہی تھی۔ معدر چند لوگ نظر آ رہے تھے جو مختلف کاموں میں لگے ہوئے تھے۔

”شیخا کہاں ہے ابھی تو یہاں تھا۔ جانو شیخا کہاں ہے۔“ روڈ پر ٹانے ایک آدمی سے پوچھا۔

”جگا بکر گیا ہے شیخا اسے دیکھ گیا ہے۔“

”آجے۔“ روڈ پر ٹانے نے کہا اور ایک سست چل پڑا اسمیل نے جلدی سے پوچھا۔

”یہ جگا کون ہے؟“

”بھیر شیر ہے پتہ نہیں کیا بات ہے۔ جگا تو بہت شریف ہے آجے دیکھیں۔“

”اور اس وقت مصروفیت ہے ہم بعد میں آجائیں گے۔“ سیمل نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

”ہاں پھر سہی۔“ راجن بھی جلدی سے بولا اور ردف پاشا نس پڑا وہ ان دونوں کی گھبراہٹ تازہ کیا تھا۔

”نہیں صاحب۔ سرکس کے بارے میں لکھ رہے ہیں تو یہ منظر بھی دیکھئے بلکہ تصویر بنائیے۔“

”لگ کیرہ، اس وقت تو کیرہ بھی نہیں ہے ہمارے پاس۔“ سیمل نے کہا۔

”ارے آجے شیر کٹہرے میں بند ہے ور کٹہرہ بہت مضبوط ہے فکر نہ کریں۔“ ردف پاشا نے آگے بڑھتے ہوئے کہا اور دونوں بادل نخواستہ اس کے

ساتھ چل پڑے لیکن ان کے چہروں پر گھبراہٹ نمایاں ہو گئی تھی۔ ردف پاشا دوسرے طرف نکل آیا۔ وسیع و عریض کٹہرہ سامنے ہی نکھر آ رہا تھا۔

کیرشہ کٹہرے کی چھت پر چڑھا ہوا تھا اور شیر کٹہرے میں بری طرح جھل رہا تھا۔ وہ چھلائیں مار کر چھت تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا جہاں اکبر شاہ

موجود تھا۔ ایک طرف ڈبیل چیز پر غلام شاہ بھی موجود تھا جو گھبری ٹکڑوں سے بھر شیر کو دیکھ رہا تھا جو ہر ممکن کوشش کر رہا تھا کہ کٹہرہ توڑ کر باہر نکل

آئے۔ پھر غلام شاہ کی آواز ابھری۔

”چپے آ جا اکبر۔ اترا ہوا۔ امی سر جیادہ ہی گرم ہونے رہے۔“ آچپے آ جا بیکار رہے رہے۔“ اس نے تیز آواز سے بڑھائی اور کٹہرے کی طرف بڑھ گیا۔

کیرشہ چپے اتر آیا۔

”اسے انکیشن لگانا ضروری ہے شیخا۔“ اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔ غلام شاہ نے کوئی جواب نہ دیا وہ سلاخوں کو جھنجھوڑنے لگا۔

”کا ہوئی گوارے حرام کھور تو کا۔ مارے کھانے کا ہمارا تھوں سے ارے گلا مو ہیں ہم۔“

”بیچے مٹ جا شیخا۔ یہ پاگل ہو گیا ہے۔“ اکبر شاہ مصر ہاندا اندر میں بولا۔

”اور ہم پاگل ہوئی گوارے تو لٹکانے لگ جی ہے امی حرام کھور سی آدو نکڑے۔“

”شیخا! اکبر شاہ نے احتجاج کیا۔

”رے ری لئی آ۔ سنت ناپیں گا۔“ غلام شاہ کا پھرے بگڑ گیا اور اسے ری کے دھنکڑے فراہم کر دیئے گئے۔ غلام شاہ نے دھرا دھرا دیکھا پھر کہا۔ آؤ

جرا! پر چڑھائی دو ہکا۔ چپے کا دروجہ کھونا ٹھیک ناپیں رہے گا۔“

”تم کتھرے میں اتر دے شجاع یہ ٹھیک نہیں ہوگا۔“ اکبر شاہ نے کہا۔ اور دوسرے سے غلام شاہ و جیل چیئر سے کود گیا اس کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں۔ چپے اتر کر وہ کتھے ہوئے بیروں اور ہاتھوں کی مدد سے پیچھے ہٹا اور دوسرے مجھے اسمبل اور راجن کے طلق سے آوازیں نکل گئیں۔ شجاع نے دونوں ہاتھ زمین پر دبا کر ایک چھدنگ لگائی اور دوسرے لمبے وہ کتھرے کی پھت پر تھا۔ اکبر شاہ اور دوسرے لوگ مضطربانہ انداز میں ہاتھ ملتے رہ گئے۔ غلام شاہ نے چھت کا دروازہ کھولا اور نیچے کود گیا۔ شیر نے پٹ کر اس پر حملہ کیا، اور ہر موجود کو دم ہوگ چھ پڑے۔ اکبر شاہ نے اپنے لباس سے پستول نکال لیا۔ راجن اور اسمبل قہر قہر کانپ رہے تھے۔ شیر غلام شاہ پر چھٹا اور غلام شاہ نے دونوں ہاتھ زمین پر ٹکا کر پناہ دینا دلتی کے انداز میں گھمایا۔ حجبہ نا قابل یقین تھا۔ شیر اس ضرب سے بری طرح اچھڑا اور کتھرے کی سلاخوں سے ٹکرا کر زمین پر گر گیا اس نے جلی کھائی ہو۔ پھر غلام شاہ پا لپکا یہ دوسری بات ہے کہ جب وہ غلام شاہ تک پہنچا تو غلام شاہ برق رفتاری سے اچھل کر پنی جگہ چھوڑ چکا تھا۔ نہ صرف جگہ چھوڑ چکا تھا بلکہ ایک جگہ بدن ٹکا کر وہ دوبارہ اچھڑا تھا اور خود شیر پر آگرا تھا۔ اب وہ شیر کی پشت پر تھا اور اس نے اپنی راتوں میں شیر کی کردہائی تھی پھر اس نے دونوں ہاتھ شیر کی بظلوں سے نکل کر اس کی گردن پر آئے۔ شیر پوری قوت صرف کر کے غلام شاہ کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا اس کے پیچھے چھ چپے کتھرے کے فرش پر پھسل رہے تھے مگر اسے اٹھنے میں ناکامی ہو رہی تھی غلام شاہ کا چہرہ نگارے کی طرح سرخ ہو رہا تھا مگر گردن کی رگیں پھوہیں ہوئی تھیں۔ پھر اس نے ٹھوڑی شیر کی گردی سے لگائی اور اس کی تھو تھتی چپے رگڑنے لگا شیر آفت میں گرفتار ہو گیا تھا۔ غلام شاہ نے اسے مفلوج کر کے رکھ دیا تھا۔ راجن اور اسمبل بت بے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ تارن کی فرضی کہانیاں سنی تھیں انہوں نے ظلموں میں اسے شیروں سے لڑتے ہوئے دیکھا تھا۔ شیر انگن کی تردید نہ ہو سکتی تھی لیکن یہ والہ آکھوں دیکھا تھا تو اسے مرتے دم تک فراموش نہ کیا جاسکتا تھا۔ وہ شیر کے، خدا میں ڈھیلا پٹ محسوس کر رہے تھے۔ غلام شاہ اسے دیو سپے سینا رہا۔ شیر اپنی تمام کوششوں میں ناکام ہو چکا تھا کانی دیر اسی طرح گزر گئی۔ غلام شاہ پر اب غنودگی کی طاری ہو گئی تھی پھر اچانک اس نے اپنے دونوں ہاتھ شیر کی بظلوں سے نکال لئے اور اسے بیروں کی مدد سے پٹ دیا۔ پھر اس نے شیر کے دونوں ہاتھ رسیوں کے پھندوں میں پھنسائے اور انہیں ایک خاص انداز میں بری طرح جکڑ دیا۔ رسی کے دوسری ٹکڑے سے اس نے شیر کے پاؤں کس دیئے تھے۔ شیر کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں لیکن وہ جنبش نہیں کر رہا تھا۔ غلام شاہ نے ایک ہاتھ اس کے منہ پر مارا اور کچھ بڑبڑایا پھر وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ دُکف پاشانے جلدی سے دروازہ کھول دیا تھا۔

اکبر شاہ غلام شاہ کو ہار دینے کے لئے آگے بڑھا تو وہ فرا کر بولا۔ ”پیچھے ہٹ جی ہو سرور، تا تو ایک نالت دئی ہے تو بار منہ پر حرام کھور بات ہی نا مانع رہیں۔ تم سب سرور کو پال پوس کر جواں کر دیا ہے اور اب تم ہکا بے دُکف سمجھ لئی ہے اورے ام جو کہتا ہیں، وکا کوئی مطلب ہوے رہے۔

تکلیف لگائی دیجے سر کو دو میٹھ کے لئے بیمار ڈال دو۔ تمرا کا جانتا ہے۔۔ بھی کی جناور ہے کوئی جانتا ہو دی گئے مری کے کھانا کھا کر گیا تو مار دو مسرور کو۔ ارے بچا ہے کو مار دو بھی کچھ سے برا کر رہی ہے ہم ادا کا بھی۔ وہ رے تھہری محبت۔ ارے ہو سائنے سے۔“ غلام شاہ پا بھوس کی طرح کھسکتا ہوا ڈنیل چیئر پر آ گیا اور خود ہی اسے چلاتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ تمام لوگ ساکت تھے پھر اکبر شاہ نے دونوں کو دیکھا اور مسکرا دیا۔

”معاف کیجئے گا کبر شاہ صاحب ہمیں یقین ہے کہ کچھ دن کے بعد ہم لوگ آپ کے سرکس ہی کے رکن ہوں گے۔ آپ لوگ اچھے پرکشش ہیں کہ آپ سے دور رہنے کو جی نہیں چاہتا۔“

”بیکاروں نہ لگائیں مسٹر سہیل۔ اس کے لئے آپ کو ٹنوں کے قیدی ہی میں پیدا ہونا چاہئے تھا۔ شیٹا نے جانور بھی پانے ہیں تو مصوم بچوں کی شکل میں۔ وہ خود ہی نہیں جو ان کرتا ہے خود ان پر ناراض ہوتا ہے خود انہیں پتا کرتا ہے۔ آپ لوگوں نے دیکھا یا۔“

”ایک سوال کروں اکبر شاہ؟“ راجن نے پوچھا۔

”جی فرمائیے۔“

”یہ شیٹا خود کتنے ہارس پاور کے ہیں۔“

”نظر نہ لگائیے بس اتنا کہہ سکتا ہوں کہ ہاتھی بھی بگڑ جائے تو شیٹا اس کا بھی حشر کر سکتا ہے۔“

”ہائی گاڈ!“ راجن ہونٹ سکوز کر خاموش ہو گیا۔

”آئیے آپ سے بیٹھ کر باتیں کی جائیں شیٹا ناراض ہو گیا ہے اب اسے پھینرنا خطرناک ہوگا۔ یہ بتائیے آپ لوگ یہاں کب آئے۔“

”پچھلی رات!“

”اچانک ہی آمد ہوگئی؟“

”ہمارا کام ہی ایسا ہے۔ کچھ ضروری امور تھے جو مٹانے تھے یہاں آپ کے سرکس کی پہلی جیب دیکھی باز نہ رہ سکے۔“

”چائے پکائیے گے آپ لوگ؟“

”ان حالات میں اگر ممکن ہو تو؟“

”وہیں یہاں ایسے حالات کثرت رہتے ہیں۔ اوہ سوٹیا آؤ دیکھو ہمارے مہمان آئے ہیں۔“

”یہو مسٹر راجن، یہو مسٹر سہیل۔“

”ہیلو سونیا یہ لم آپ کو پیش کرنا تھا۔“ اس نے کہا اور اہم نکاں کر سونیا کے حوالے کر دیا۔ اکبر شاہ نے چائے کے لئے کہہ دیا تھا سو بیا لم کی تصاویر دیکھ کر اچھل پڑی۔

”کبر بھی دیکھو تو کتنی خوبصورت فوٹو گرافی کی ہے اور اتنے اچھے فوٹو گراف میں نے کبھی نہیں دیکھے۔ ایک ایک مہر بڑی مہارت سے بنایا گیا ہے۔“ یہ صرف کاروبار نہیں ہے مگر سونیا بلکہ آپ سے ایک عقیدت اور محبت ہے۔“ اس نے کہا۔

”سبہ حد شکر یہ۔ کیا میں یہ لم رکھ سکتی ہوں؟“

”آپ ہی کے لئے ہے۔“

”لاؤ سونیا مجھے بھی دکھا دو۔“ اکبر شاہ نے کہا اور سونیا سے لم لے کر دیکھنے لگا۔ اس نے بھی تصویروں کی بہت تعریف کی تھی پھر اس نے کہا۔ ”اس میں کوئی شک نہیں مسٹر سبیل کہ یہ لم ہمارے لئے بے حد کارآمد ہے۔ اس کی بعض تصاویر بے حد خوبصورت ہیں اور ہم اس کے بورڈنگ بنوا سکتے ہیں۔ بچے چائے پیجئے۔ ارے ہاں آپ کو سائلونی ورڈز کے بارے میں معلوم ہے؟“

”سائلونی اور یار۔؟“

”ہاں یہ دونوں کی تصویریں ہیں آپ بے چارے خوبصورت پور بنائے ہیں ان کے۔“

”وہ ہاں یہ دونوں مگر یہ خیریت سے تو ہیں؟“

”بہت زیادہ خیریت سے ہیں ان کی شادی ہو گئی ہے۔“

”ارے کب کیسے؟“ کہاں؟“ دونوں اچانک چونک کر بولے اور انہیں مختصر تفصیل بتانی گئی۔

”دیرنی گزشتہ ان کی شادی کا تہہ ہم پر بھی واجب ہو گیا۔ انہیں تجھے کے ساتھ ہی مبارکباد دیں گے۔“

”ہمارے سرکس پر آپ کی کتاب کب تک کھل ہو جائے گی مسٹر راجن؟“

”بہت جلد۔ بس اس کی تکمیل تک ہم آپ کو رحمت دیتے رہیں گے۔“

”آپ کی آمد سے ہمیں خوشی ہوتی ہے۔“ چائے پینے کے بعد دونوں وہاں سے چل پڑے تھے لیکن رات کے شو میں وہ شائقین کے ساتھ موجود تھے

اور انہوں نے خصوصی طور پر سائلونی دریا زہر نگاہ رکھی تھی کچھ نئے اور خاص آئٹم ان دونوں نے پیش کئے تھے۔

دوسرے دن وہ پھر سرکس میں موجود تھے۔ سبیل نے ایک خوبصورت سونے کا لاکٹ سائلونی کو اور راجن نے ایک نہایت قیمتی گھڑی یا زکوٰۃ دی کے

”خفی کے طور پر پیش کی تھی۔ قلام شاہ سے ان کی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔

”شیر کا کیا ہوا؟“ سسکیل نے پوچھا۔

”سے دودھ بھوک پیاس کی سزا دی گئی ہے۔“

”اس کے بعد کیا ہوگا؟“

”معاف کر دیا جاوے گا شیخا خردا سے کھولے گا۔“

”بھوکے شیر کے پارے میں سنا ہے کہ وہ اور خطرناک ہو جاتا ہے۔ ایسی حالت میں اس کے پاس جانا خطرناک نہ ہوگا؟“

”شیخا سب کو درست کرنا چاہتا ہے۔“ کبر شاہ نے ہنس کر کہا وہ بھی پرسکھل نے راجن سے کہا۔

”یہ قلام شاہ ایک پراسرار انسان نہیں ہے؟“

”مجھے تو وہ انسان معلوم ہی نہیں ہوتا۔ یقین کرو میں اس سے خوفزدہ ہوں۔“

”یہ کام ہو جائے تو بہت بڑی بات ہوگی اب کیا ارادہ ہے؟“

”میرے خیاب میں اب کام شروع کر دیا جائے۔“

”نئے شادی شدہ جوڑے کو دعوت دی جائے مگر دوسرے دو گوں کو نظر انداز کرنا بھی مناسب نہ ہوگا۔“

”وہ دعوت قبول بھی نہ کریں گے۔ مشکل نظر آتا ہے۔“

”تو پھر ان سے تہائی میں ملاقات کا کیا ذریعہ ہو؟“

”میرے خیال میں اب دو تین دن ان کی گھرائی کی جائے ہو سکتا ہے وہ دونوں تنہا نکلیں۔“ راجن نے تجویز پیش کی اور پھر خیاب احمد از میں گردن

ہلانے لگا۔

شیخا کا غصہ ٹھنڈ ہو گیا تھا۔ دوسری صبح شیر کو کھوں دیا گیا وہ بالکل سیدھا ہو گیا تھا۔ شیخا معمول سے مطابق سارے کاموں میں دلچسپی لینے لگا تھا۔ سو نیا

نے موقع غنیمت دیکھ کر ابم شیخا کو دکھایا اور شیخا بغور اہم کو دیکھنے لگا۔

”کیسی تصویریں ہیں شیخا؟“ سو نیا نے لاف سے پوچھا۔

”بہت بڑھیا کہاں سے آئیں۔“

”راجن اور سکیل نے بتائی تھیں نا۔۔۔“

”ہاں وہ دونوں۔ شیٹا خاموش ہو گیا۔ کچھ دیر خاموش رہا اور پھر بولا۔ ”وہ دونوں کاروبار آت ہیں رے۔“

”ہاں شیٹا۔ بہت اچھے لوگ ہیں۔ انہوں نے سالوٹی اور ایڈر کو قیمتی تحفے بھی دیے ہیں سو نے گا، کٹ اور گھڑی۔“

”سو نے کالکٹ اور گھڑی؟“ غلام شاہ پر خیال انداز میں بولا۔

”سالوٹی اور ایڈر۔ دونوں چیزیں میرے حوالے کر دی ہیں اور کہا ہے کہ شیٹا کی اجازت کے بغیر وہ ان چیزوں کو نہیں لے سکتے۔ منع اس لئے نہیں

کیا تھا کہ تم ناراض نہ ہو جاؤ جس وقت ہمارے خسر شخصہ ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔“

”رہو آت ہیں۔ اس سہرا بھی آت ہیں۔“ شیٹا پر خیال انداز میں بولا پھر اس نے کہا۔ ”اکبر کو ہمارا پاس بھیج دیں ہے، اور گھڑی اور کالکٹ ابھی۔“

”میں بھی آؤں شیٹا؟“

”آتی ہے۔“ غلام شاہ نے کہا اور چٹی جینر دکھایا ہوا اپنے پیچھے کی طرف چل پڑا۔ تھوڑی دیر کے بعد اکبر شاہ ورسوٹا اس کے پیچھے پہنچ گئے لاکٹ

اور گھڑی غلام شاہ کے سامنے رکھ دیئے تھے، وروہ انہیں بھور دیکھتا رہا پھر اس نے کہا ”اکبر۔ ان سہرے کے بارے میں کچھ سوچتی ہے؟“

”کیا شیٹا؟“

”دیکھو، اس سہرے کو ہم بھی طرح جانت ہیں۔ رے کوئی حرام کھور مطلق بنا دھڑی نادیت کسی کو۔ اور ای دیت ہیں سوٹا کالکٹ اور گھڑی، کا ہے

رے۔ ساتھ ساتھ لگن آئے رے ہمارے، کھس بیٹھ رہے ہمارے دل ٹانے ہے رے۔“

”تمہارا کیا خیال ہے شیٹا؟“

”ارے کا کہت سکت ہو ہکا کچھ گڑبڑ، لوم دیے ہے رے۔“

”انہیں آسانی سے نا، جا سکتا ہے شیٹا ہم منع کر دیں گے تو بھلا وہ کیسے سکیں گے۔“ اکبر شاہ نے کہا۔

”آرے نا نا، ایہ نا کرنا کی کھس کی نا ہوئی ہے پھر ہکا، لوم کیسے ہوئی ہے رے اور سہرے چاہت کا ہیں رے۔ ایہ کرو۔“

”کیا شیٹا؟“

”آ جاد چھوڑ دو۔ اس کا۔ کھوب دوستی کرو جو کہیں کرو بس ہو سہرا ہو۔ نجر رکھو۔ ایک منٹ کا قتل نہ ہو نا سے جو بات چھپی ہوئی ہے رے پھر سامنے

آئے گی۔“

”ٹھیک ہے شیخا۔ اطمینان رکھو ایسا ہی ہوگا۔“

”سنو ریا سے کہو لکھنا اپن لے ایجن سے کہو گھرے بہن کے تم لوگ بھی کھوب ہے تکلف ہو جاؤ۔ سرے کھل جائیں گے دو چار دن ۱۔“ غلام شاد نے کہا اور سو بیا اور کبر شاہ گردن ہلانے لگے۔

”جس اور سہیل دو دن تک نہ آئے لیکن تیسرے دن دو پھر آ گئے۔ آج وہ ساروئی اور ایار کی علیحدہ تصویروں کا الم لائے تھے۔ دونوں اپنی یہ تصویریں دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ سہیل نے کہا۔“

”ہمیں اس بات پر حیرت ہے کہ یہ نیا جوڑا شادی ہونے کے بعد بھی اسی طرح کام کرتا ہے بھئی کچھ تو تبدیلی ہونی چاہئے ہا مرضی ہی کیوں نہ ہو۔“

”شیخا کی طرف سے کوئی پابندی نہیں ہوتی یہ سب کچھ اس کی مرضی پر منحصر ہے۔“ اکبر شاہ نے جلدی سے کہا۔

”تعب پھر اس جوڑے کو ایک ڈنر دینا چاہئے ہیں کیا یہ ممکن ہے؟“

”کیوں نہیں۔ اتنی دوستی کے بعد انکار کیسے کیا جاسکتا ہے۔“

”ڈنر کا مطلب ہے رات کو ہمیں جانا ہو گا یہ کیسے ممکن ہے اکبر شاہ۔“ ایار نے کہا۔

”تمہارے آئٹم دوسرے لوگ سنبھال لیں گے فکر مت کرو۔“ اکبر شاہ بولا۔

”مگر صرف ہم دونوں؟“

”اور شادی تمہاری ہوئی ہے۔ ٹھیک ہے مسٹر سہیل آپ جب چاہیں نہیں مدعو کر سکتے ہیں۔“

”آپ لوگ نہیں ہوں گے کیوں نہ بچ کا پردہ گرام کر لیا جائے۔“

”اب تو آپ سے دوستی ہوگئی ہے بچ پر ہم کسی دن بلا نہیں گے آپ کو۔“ اکبر شاہ نے کہا۔

”جب پھر تھے جوڑے کو رنج ہی ڈر کی دعوت ہے۔“ راجن سرور بچے میں بولا۔ ”آپ جب چاہیں انہیں ساتھ لے لیں۔“ اکبر شاہ نے کہا آج راجن اور سہیل کی کافی پٹ پٹی ہوئی تھی جب دو چلے گئے تو ایار نے کہا۔

”کبر بھیا۔ یہ سب کئی بات ہے اور پھر شیخا کی اجازت کے بغیر۔“

”شیخا کی اجازت سے ہی میں نے جسہیں اجازت دی ہے۔“

”کیا مطلب؟“

”سنو، جو کچھ کہہ رہا ہوں اسے فوراً سنو اور ذہن میں محفوظ رکھو، اکبر شاہ، سانولی اور ایا رکوا ہستہ آہستہ کچھ سمجھانے لگا۔ دونوں کے چہرے سرخ ہو گئے تھے سانولی خود وہ لہجے میں بدلتی۔

”اور اگر کوئی ایسی ویسی بات ہو گئی تو۔“

”شیخا ہر آنکھوں سے جانتا ہے تم لوگوں کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے مگر جو کچھ تمہیں بتایا گیا ہے اس میں کمی نہ ہونے پائے۔“

”ٹھیک ہے کام شیخا نے دیا ہے ہمیں پھر کمی کا کیا سوال ہے۔“ ایا نے کہا ”اور اکبر شاہ نے گردن ہلا دی۔ راجن اور سکیل بڑے اہتمام سے انہیں لیے آئے تھے لیکن یہ بات ان کے فرشتے بھی نہیں جانتے تھے کہ جب وہ انہیں نے کرچکی میں بیٹھے تو دو موٹر سائیکلیں اور اسٹارٹ ہوئیں اور چکی کے پیچھے چل پڑیں ان پر دو چست دھلاک جو بن سوار تھے۔

سانولی نے ایک خوبصورت لباس پہنا تھا اور دیا ز بھی دولہا ہی نظر آ رہا تھا۔ راجن اور سکیل نے کھانے کا ہتھم ہوٹل کے کمرے میں ہی کیا تھا وہاں پہنچ کر انہوں نے پہلے ان لوگوں کو پھول اور پھر کچھ اور قیمتی تحائف دیئے اور ایا ز شرمندہ ہونے لگا۔

”آپ لوگ! اتنے احسانات کر رہے ہیں ہم پر کہ ہماری کچھ میں نہیں آ رہا کہ جواب میں ہم کیا کر سکتے ہیں۔“

”ہم آپ سے کس قدر متاثر ہیں مسٹر یازدہا نہیں سکتے۔ آپ دونوں ہمارے آئینہ ہیں۔ سرکس میں جن لوگوں نے ہمیں سب سے زیادہ متاثر کیا وہ آپ دونوں تھے۔ یہ دوسری بات ہے کہ دوسروں کی وجہ سے ہم اس کا گھبراہٹ نہیں کر سکتے۔“

”بے حد شکریہ۔“ ایا نے کہا۔ کھانا کھایا گیا جس کے دوران غلام شاہ دوسروں کے بارے میں باتیں ہوتی رہیں۔ سکیل اور راجن ان سے کافی بے تکلف ہو گئے تھے اور پھر راجن نے کہا۔

”آپ لوگوں نے ایک نئی زندگی کا آغاز کیا ہے آنے والے وقت میں آپ سے کچھ اور زندگیاں ٹوٹ ہوں گی کیا آپ ساری عمر اس سرکس میں گزار دیں گے۔ آپ کے بچوں کا اس کے علاوہ کوئی مستقبل نہ ہوگا۔“

”ہمارے بچوں کا بھی یہی مستقبل ہوگا مسٹر راجن جو ہمارا ہے۔“

”کیا یہ دانشمندی ہے۔ سرکس کو کوئی حادثہ پیش آ سکتا ہے معاف کیجئے گا غلام شاہ کے بعد ممکن ہے آپ کو وہ آسانیاں حاصل نہ رہیں جو آج حاصل ہیں۔ مستقبل کے بارے میں سوچنا ضروری ہے۔“

”ہم نے ہوش سنبھالنے کے بعد یہی سب کچھ کیا ہے کوئی دور امت بھی تو نہیں ہے ہمارے لئے۔“

”دوست حاصل کرنے کے خواہش مند ہیں آپ؟“

”کون نہیں ہوتا۔“

”دوستوں پر بھروسہ کرتے ہیں۔۔۔۔؟“

”کیوں نہیں۔“

”ہمیں دوست سمجھتے تھے؟“

”مجھے آپ پر بھروسہ ہے۔“ ایاز نے کہا۔

”تو پھر یوں سمجھئے مسٹر ایاز ہم ایک معمولی سے کام کے عوض آپ کو ایک لاکھ روپے دوا سکتے ہیں۔“

ایاز کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ سالونی کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ دونوں سمجھتے تھے کہ عام میں راجس کو دیکھے لگے۔ سنبھل پور۔

”وہ کام بھی دو آپ آسانی سے کر سکتے ہیں بس تھوڑی محنت اور ایک لاکھ روپے نقد بلکہ پیشگی۔“

”کام کیا ہوگا؟“

”وہ بعد میں بتا دیا جائے گا یہ بتائیے سر کس قسم ہونے کے بعد آپ کیا کرتے ہیں؟“

”آرام۔“

”رات گئے سر کس سے باہر آئے ہیں آپ کو کوئی دقت تو نہ ہوگی؟“

”بالکل نہیں۔“

”دیر ہی گزرتی ہے کل دن میں آپ کو ایک لاکھ روپے ادا کر دیئے جائیں گے ورکل رات کو آپ کو کام بتا دیا جائے گا اس کے باوجود کام آپ کو مشکل

محسوس ہو تو آپ انکار کر سکتے ہیں ہمیں اعتراض نہ ہوگا۔“

”ہم دونوں کو آج رات نیند نہیں آئے گی۔“

”ایک دوسرے کو دلا سہا دیتے۔ ایک لاکھ روپے کے معارف کے بارے میں منصوبے بنائیے وقت آرام سے گزار جائے گا۔“ سنبھل فیس کر بولا۔

”آپ نے اتنا عمدہ کہا تھا کھانا کرایا ایک سی بات کہہ دی کہ پیٹ ضرور خراب ہو جائے گا بہر حال ہم ہر قیمت پر یہ رقم کما چاہتے ہیں اور اس کے لئے

یہ خطرناک کام کر سکتے ہیں فیصد صرف آپ کو کرنا ہے کہ آپ نے جو کچھ کہا ہے وہ ایک دلچسپ طرز ہے یا حقیقت؟“

”یہ فیصلہ کل دن میں ہو جائے گا!“ سکیل بولا اور پھر وہ عکس ٹیکسی میں نہیں چھوڑنے آئے تھے۔ شو چاری تھا لیکن وہ اپنے غیصے میں آگے تھے اور واقعی آدھی رات تک چاہتے رہے تھے۔

پھر دوسرے دن دوپہر کو سکیل نے ایک لاکھ روپے کے نئے نوٹ خاموشی سے ایار کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ ”رات ساڑھے تین بجے مسٹر ایار۔ سرکس کے سامنے بیچل کے درخت کے پاس آپ دونوں کا نظارہ کروں گا۔ بوشیاری سے آجائے گا۔ بوشیاری اور احتیاط شرط ہے۔“



سکیل اور راجن آج کے شو میں بھی موجود تھے اور ان کے انداز سے کسی حامی بات کا پتہ نہیں چلتا تھا۔ غلام شاہ خوش نصیب تھا کہ اس کا سرکس بیٹھ ہی شاندار چلتا تھا۔ ہر چھوٹے بڑے شہر میں اس کی پڑائی ہوئی تھی اور پنڈال ہمیشہ ہی کچھ کھج بھر چاتا تھا۔ اسی لحاظ سے آمدنی بھی شاندار تھی اور جو لوگ سرکس میں کام کرتے تھے، ان کے دہنوں میں کبھی کسی کی کا احساس نہیں جا کا تھا بلکہ وہ سب خوشحال تھے۔ انہیں اعلیٰ درجے کی کھانا بھی ملتی تھی اور اخراجات کچھ نہ تھے۔ تمام ذمے داریاں غلام شاہ کے سر تھیں اور اس نے ہر شعبہ اتنا مضبوط کر دیا تھا کہ کہیں کسی قسم کی کمی نہ تھی۔

اس وقت بھی بندروں کی فوج مارچ کر رہی تھی اور بندر ہی بیڑا بھا رہے تھے۔ بچوں کا ہنسنے ہنسنے براہ حال تھا۔ بڑے بھی شریک تھے۔ پھر اچانک جنگ چھڑی گئی۔ وہ گرد بن گئے۔ بندہ قیس سیدھی ہو گئیں اور فوجی پوزیشن لے کر لیٹ گئے۔ بیڑا درمیوں میں پھنس گیا تھا اور میوزیشن اپنی جگہ پر رہنے کے لئے طرح طرح کی حرکتیں کر رہے تھے۔ پنڈال میں ہر شخص مگ پھڑ پھڑ کر رہا تھا۔ دیر تک یہ جنگ جاری رہی۔ پہلے بندہ قیس چلے پھر وہی کھینچی گئیں۔ آخر بیٹی بچی اور دونوں فوجیں میدان چھوڑ کر بھاگ گئیں۔ تالیوں کے شور سے کام پڑی آواز سنائی نہ دے رہی تھی اور پھر تالیوں کی گونج ہی میں ہاتھی اندر داخل ہوا۔ وہ سوٹ اٹھانے کی تیاری چلتا ہوا اندر آیا تھا۔ اندازاً یہ تھا جیسے جنگ کرنے والے بندروں کو تلاش کر رہا ہو۔ رنگ کا پتھر لگا کر اس نے ایک جگہ سوٹ ڈالی اور ایک چھپے ہوئے بندر کو تلاش کر لیا۔ اسے سوٹ میں دبا کر وہ آگے بڑھا تو ایک اور بندر مل گیا لیکن درحقیقت وہ چٹو اور منکو تھے جو بندروں کا روپ دھارے ہوئے تھے۔ دوسرے بندر کو پکڑنے کے لئے ہاتھی نے پہلے بندر یعنی منکو کو گردن پر بٹھایا۔ دوسرے بندر کو اٹھانے کے لئے سوٹ آگے بڑھا تو منکو اس کی گرفت سے الجھ کر ایک جھوٹے پرچہ لے گیا۔ ہاتھی نے چٹو کو چھوڑ کر جھوٹے سے لٹکے ہوئے منکو کو دوبارہ پکڑ لیا تو چٹو الجھ کر ہاتھی کی پشت پر چڑھ گیا۔ ایک بار پھر قہقہے بھرنے لگے۔ وہ دونوں بندروں کی شکل میں ہاتھی کے جسم پر دوڑتے پھر رہے تھے اور ہاتھی انہیں پکڑنے کے چکر میں پریشان ہو گیا تھا۔ وہ کبھی اس کی دم میں لٹک جاتے کبھی کان میں اور ہاتھی کی ہر کوشش ناکام ہو رہی تھی بالآخر تھک کر بیٹھ گیا۔

اس آئینہ کی پیش کار سونپنا تھی جس نے اندر آ کر دنگو اور منگو کا تعارف کر یا تھا بھی ٹھہ کھڑا ہوا تھا۔ چمک سے خراج وصول کر کے یہ سب اندر چلے گئے اور ہلالِ جان ایک نیا پروگرام لے کر اندر آ گیا۔

علامہ شاہ نپی جگہ موجود تھا اور ایک اجنبی سے باتیں کرتا جا رہا تھا۔ یہ اجنبی ایک درِ رکامت شخص تھا جس کے چوڑے جڑے اس کی سخت گیر طبیعت کا پتہ دیتے تھے۔ ویسے علامہ شاہ سے وہ کچھ مرغوب نظر آتا تھا۔

”آپ نے یہ سب کچھ کیسے کر لیا شاہ صاحب۔“

”رے بھری کہاں مجال جو تھاکھڑوا کر لی ہے جو ہون ہوئے ہے پھر کھود ہوئی جاتی ہے پاں۔“

”میں آپ سے بہت متاثر ہوا ہوں۔“

”تو پھر ہم کا کری ہے بھین بول جواب دے۔“

”نہیں میرا مطلب ہے۔“ وہ گڑبڑا کر بولا۔

”یہاں پہلے بات کر لیا۔ بس، لک کی مہربانی رہے ارے اک بات تو بتا پوت۔“

”جی شاہ صاحب۔“

”تے نے کبھو انگش سرکس کا نام سنا ہے۔“

”انگلش سرکس انہیں شاہ صاحب میں نے نہیں سنا۔ مگر یک بات جانتا ہوں۔“

”کارے؟“

”آپ کے سرکس سے اچھا نہ ہوگا وہ۔“

علامہ شاہ نے عجیب نظروں سے اسے دیکھا پھر یک خنڈی سانس بھر کر خاموش ہو گیا۔

”آپ نے اس کے بارے میں کسی خاص وجہ سے پوچھا تھا شاہ صاحب۔“

”ہاں پوت ایک بات کہیں تو ہے۔ تو ہار کام ہوئی جاتی ہے بھائی، مگر تے نے کوئی پچاندہ ہوئے رے تو ہم کا لی ہے۔“

”بھی کیا کہا جا سکتا ہے شاہ صاحب ویسے آپ حکم کریں میں کیا خدمت کر سکتا ہوں آپ کی؟“

”تو کا کوئی پچاندہ پیچھے ہماری جات سے ہوا تو ہمارے لئے انگلش سرکس جو در تلاش کری ہے۔ اوکے بارے میں کچھ معلوم ہوئی جاتی ہے تو ہرکا

حاجاں کر کے ہمیں اس کے بارے میں جلد بتائی ہے۔۔۔ تیرا یہ "حسان" ہوئی ہے بھائی۔"

"آپ کو انگلش سرکس کی تلاش ہے۔"

"ہاں رہے۔" غلام شاہ کے حلق سے سسکی سی نکل گئی اور اس کا آخری آکٹم بھی ختم ہو گیا اور سوگ کھڑے ہو گئے۔ غلام شاہ نے بھی اپنی جگہ چھوڑ دی تھی اور اس کا ساتھی بھی کھڑا ہو گیا تھا۔

"اچھا شاہ صاحب اجارت۔"

"ہاں بھائی کا نام رہے تو ہمارے بھول گئے ہم۔"

"حاجاں درشاد جان۔" اس نے غلام شاہ سے ہاتھ دلاتے ہوئے کہا اور پھر وہ آگے بڑھ گیا۔

پنڈاں حالی ہو گیا راجن اور سکیل بھی عام لوگوں کے ساتھ چلے گئے تھے۔ تمام دنیا بھی پھرتی سے اپنے اپنے کام ختم کر کے بالآخر آرام کرنے اپنے خیموں میں جا گئے جزیرہ بند ہو گئے کار ہائڈ اور کیر، سین، لیپ رڈن ہو گئے۔ اپنے علیحدہ خیمے میں ایڑا اور سانولی جاگ رہے تھے۔ ایڑا نے کلائی پر بندھی گھڑی میں دقت دیکھتے ہوئے کہا۔

"بھی دیر ہے۔"

"ہاں! کچھ دیر آرام کر لیں۔"

"لیٹ گئے تو نیند آ جائے گی۔"

"ہائیں کرتے رہیں گے۔"

"تم لیٹ جاؤ سو گئیں تو جگا دوں گا۔"

"تم کیسے جاگو گے۔"

"جاگ لوں گا۔" ایڑا مسکرا کر بولا۔

"تمہیں ایڑا۔ ہم دونوں، کیسے بہت جاگ چکے ہیں۔ اب یہ نہیں ہوگا۔ سانولی نے کہا اور ایڑا مسکراتے لگا۔ سانولی بولی۔" میں چائے کا بندوبست کرتی ہوں۔"

سانولی خیمے سے باہر نکل گئی اور ایڑا انتظار کرتا رہا۔ نہ جانے کن سوچوں میں گم ہو گیا تھا۔ جب سانولی واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں چائے کے گلاس

تھے۔ ایاز اسے دیکھ کر مسکرا دیا۔ پھر اس نے چائے کا گھونٹ سے کر کہا۔

ظلم میں لٹکتے ہوئے جھولوں پر ناقابل یقین کا رٹا مے دکھانے والی انہوں کے سانس روک دیتے والی آراؤناختہ، چوٹی بن رکیکی کیسی الجھنوں میں پھنس گئی۔ کیا لگتا ہے سالولی۔“

”بچ، ماما میری بات۔“

”ہمیشہ ہمیشہ۔“ ایاز نے محبت سے کہا۔

”وہ سب کچھ تو صبح کی روشنی اور شام کی دھندلاہٹوں کا معمول ہے، زندگی تو تمہارے پہلو میں جاگتی ہے یا اسی وقت محسوس ہوتا ہے کہ دنیا میں کچھ اپنا بھی ہے۔“

”ہاں سالولی سچ کہتی ہو۔“

وقت گزرتا رہا پھر ایاز نے گھڑی دیکھ کر کہا تیار ہو جاؤ۔“

دونوں نے ہاس تبدیلی کئے اور پھر خیمے سے باہر نکل آئے۔ ننھا سا شہر سو رہا تھا چاروںوں کے کنبہوں میں بھی خاموشی تھی۔ وہ پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہوئے سرکس کے احاطے سے باہر نکل آئے اور پھر ہینل کے اس درخت کی چابھل پڑے جو اندھیرے میں لپٹا کھڑا تھا۔ آس پاس کی خاموشی طاری تھی اور کوئی نظر نہیں آ رہا تھا دونوں بچوں کے سامنے میں جا کھڑے ہوئے۔

”یہاں تو کوئی نہیں ہے۔“

”ہو نا تو چاہئے۔“ ایاز پر تشویش لہجے میں بولی۔ سالولی چاروںوں طرف دیکھتی رہی ایک ایک محسوس خیر گزر رہا تھا۔ پھر چابھل ہلکی ہلکی دو آواز میں ہوئیں اور دونوں اچھل پڑے۔ ہینل کے درخت سے دو سامنے نیچے کودے تھے۔

”ہیو۔“ راجن کی آواز ابھری۔

”اوہ، تم لوگ۔ خوب سرکس واس سے دوستی تو کل کسی جھولے میں لٹے لٹے نظر آئے گے۔“

سکیل ہنسے لگا پھر یوں۔ ”ہاں اس میں کوئی شک نہیں ہے اب تو یہی تی چاہتا ہے کہ ہم بھی تمہاری طرح جھولوں پر قہر کتے پھریں۔“

”درخت کے اوپر کیا کر رہے تھے؟“

”وہی ہو جس کا حدیث تھا، انتظار کرنے کے لئے اس سے بہتر جگہ اور کوئی نہیں ملی۔“

”یقیناً کرومائی ڈیزسٹر ایڈراپ تو ہمیں جی چاہتا ہے کہ تمہارا ساتھ نہ چھوڑا جائے۔ آؤ چلتے ہیں۔ دیر ہو رہی ہے۔“ سہیل نے کہا۔

سانوئی اور ایوان کے ساتھ آگے بڑھ گئے ٹکڑوں سٹائے میں چاروں تھوڑی دیر تک چلے اور اس کے بعد ایک مکان کی آڑ میں پہنچ گئے جہاں ایک کار کھڑی ہوئی تھی۔ سہیل نے کار کا دروازہ کھولا اور پھر کچھلے نشستوں کا دروازہ کھول کر ان دونوں سے اندر بیٹھنے کے لئے کہا۔ راجس گھوم کر سہیل کے پاس آ بیٹھا تھا۔ سہیل نے کار اسٹارٹ کر کے آگے برہادی فاصلہ طے ہوتا رہا۔ سانوئی اور ایوان خاموشی سے کھڑکی کے شیشوں سے باہر دیکھتے ہوئے ٹکڑوں سٹائے کو دیکھتے رہے۔ سہیل نے ان کی ڈائری روک کر طرف ہٹا دی تھی۔ تقریباً تین ساڑھے تین میل کا یہ فاصلہ طے ہوا۔ اور اس کے بعد وہ ایک ایسے علاقے میں پہنچ گئے جہاں چوڑی اور عظیم الشان سڑک کے دونوں سمت عمارتیں بنی ہوئی تھیں۔ یہ دفاتر کا علاقہ تھا۔ اور کئی کئی منزلیں خاموش کھڑکی تھیں۔ ایک خاص عمارت کے سامنے لٹ پاتھ کے پاس سہیل نے کار روک دی اور ان دونوں کو بیچے ترے کا اشارہ کر کے خود بھی نیچے تر آیا۔

علی رست کے صدر گیٹ سے داخلہ نہ ہوا لطف بدھتی نہیں بیڑھیوں کے ذریعے تیسری منزل تک جانا پڑا یہاں پہنچ کر سہیل نے ایک کمرے کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ سانوئی اور ایوان بھی اس کے ساتھ تھے اندر پہنچنے کے بعد سہیل نے ایک بدمعاش بلب جلا دیا اور انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ سانوئی اور ایوان خاموشی سے بیٹھ گئے تھے۔ سہیل مسکرتی نگاہوں سے انہیں دیکھتا رہا پھر بولا۔ ”تم دونوں کے دس کی دھڑکتیں تو جیز ہوں گی سوچ رہے ہو گے کہ تمہارے کس عذاب میں پھنس گئے ہیں؟“

”اب اس موضوع پر گفتگو کرنا بالکل بے کار ہے۔ مائی ڈیزسٹر سہیل۔ آپ ہمیں بتائیے کہ ہمیں کل کیا کرنا ہے ہم چنا کام انجام دینے کے لئے یہ ہیں۔“

”دوست اس دور میں پیسہ نہ مانو گا سب سے مشکل کام ہے۔ اس سے زیادہ مشکل کام ابھی وجود ہی میں نہیں آیا۔ تاہم میں تمہارا زیادہ وقت ضائع نہیں کروں گا آؤ میرے ساتھ۔“

راجس اور سہیل اٹھ کر کمرے کے سامنے والے حصے میں پہنچ گئے جہاں ایک وسیع دھڑکی ہالکونی نظر آ رہی تھی۔ انہوں نے سامنے نظر آنے والی ایک سات منزلہ عمارت کی جانب اشارہ کیا۔

”مگر تم سے کہا جائے مسٹر ایوان کہ تمہیں اس عمارت سے ساتویں منزل کی اس عمارت میں پہنچنا ہے تو کیا تمہارے لئے ممکن ہو گا؟“

”بالکل ہو سکتا ہے بشرطیکہ تم ہمیں پرواز کا کوئی طریقہ بتا دو۔“ یارس کر بولا۔

”تمہاری پرواز تو ہم دونوں دیکھ چکے ہیں آؤ تمہیں یہ بتا دیں کہ تم کس طریقے سے یہاں سے وہاں پہنچو گے۔“

سکیل نے راجن کو اشارہ کیا اور راجن کمرے میں داخل ہو کر دایس آیا تو اس کے پاس ایک عجیب و غریب بکس تھا جو کافی درنی معلوم ہوتا تھا اور راجن اسے بمشکل تمام اٹھا کر یہاں تک لایا تھا۔ بکس میں کچھ جن لگے ہوئے تھے۔ اس کی پچھلی سمت کھل گئی تھی۔ جو نو لادی اور مضبوط تھے۔ سکیل نے بکس ایک میڈر پر رکھا اور پھر اس کے کپ آگے کھینچے۔ نہیں کھینچے کے بعد اس نے بالکلونی میں جے ہوئے ایک ستون میں پھنسا دیا اور کپ کے کپ آپس میں جڑ گئے۔ سانونی اور ایڈا لچپ لگا ہوں سے ان کی یہ کارروائی دیکھ رہے تھے۔ بکس کو ایک خاص پوزیشن میں لے آیا گیا تھا اور اس سلسلے میں تمام تر عمل مشینی تھا بکس کے سامنے والے حصے میں ایک عجیب و غریب قسم کا آئینہ لگا ہوا تھا۔ جس پر اسپرنگ نظر آ رہے تھے۔ ایڈا لچپسی سے اسے دیکھتا رہا اور سکیل نے اسے بتایا۔

”یہ کب مضبوط ترین اسٹیل کے بنے ہوئے ہیں اور یہ انکر نہ چیز اس سے بھی زیادہ مضبوط ہے۔ اس میں خونی ہے کہ یہ جس چیز میں بچ سمت ہو جائے اسی سمت سے عمل کے بغیر اس کا کھونا ممکن نہیں۔ اب تم ذرا غور سے اس سامنے والی عمارت کے اس ستون کی جانب دیکھو جو ہمیں نظر آ رہا ہے۔ اگر اس طرح ممکن نہ ہو تو لاپرواہ دور بین سنبھال لو۔“

سکیل نے اپنے لباس سے ایک دور بین نکال کر ایڈا کو دے دی اور ایڈا اسے سامنے والی عمارت کے اس ستون کی جانب سیٹ کرنے لگا جس کی طرف سکیل نے اشارہ کیا تھا۔ راجن اور سکیل اپنے کام میں مصروف تھے۔ سانونی کو سامنے سے ہٹا دیا گیا اور جگہ خالی چھوڑ دی گئی۔ اس کے بعد سکیل نے ایک سرخ جن دیا اور دروازے کی ہلکی سی آواز کے ساتھ وہ انکر نہ کب برق رفتاری سے آگے بڑھا۔ بالکل یوں لگا تھا جیسے کسی رتھ سے گولی فائر کی گئی ہو۔ کپ کے ساتھ ساتھ ایک لہا چکا اور مضبوط تار کے پورے ہاتھ دیکھتے ہی دیکھتے کپ سامنے والے ستون تک پہنچا اور اس میں پھنس گیا۔ سانونی اور ایڈا کی آنکھیں حیرت زدہ انداز میں کھلی ہوئی تھیں۔ یہ انوکھی چیز ان کے لئے باعث حیرت تھی کپ اس جگہ پھنس گیا اور سکیل نے چور کور بکس میں مزید کچھ کارروائی کی اور تار اس طرح تن گیا کہ اس میں ذرا براہ چلک نہ رہی اب یہاں سے سڑک کے پاس اس عمارت تک اس تار کا راستہ بن گیا تھا۔

”یہ کام بے شک اچھا ہے لیکن آپ لوگوں کو دیکھتے ہوئے ہم نے یہ جرحٹ کر ڈالی ہے۔ اب آپ بتائیے کہ آپ دونوں میں سے کون اس تار پر چل کر وہاں تک جانا پسند کرے گا۔“ ایڈا نے گہری نگاہوں سے سکیل کو دیکھا اور پھر سانونی فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔

”یہ تو کوئی مشکل کام نہیں ہے میں پہلے آسانی اس عمارت تک جاسکتی ہوں۔“

ایڈا کے چہرے پر خطر اب کے آثار پھیل گئے اس نے کہا۔ ”فہم سانونی یہ کام تم سے زیادہ آسانی سے میں کر سکتا ہوں۔“

”جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں یا زخم جانتے ہو کہ میرے لئے بالکل مشکل نہیں ہے۔“

راجن نے ان دونوں کی گفتگو میں مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ ”اور اگر میرے رائے پر چھی جائے تو میں بھی یہ کہوں گا کہ محترمہ سانولی اس سلسلے میں زیادہ کارآمد ہیں۔ شیر سے زیادہ شیرنی غر اور تھوڑی ہے۔ چنانچہ محترمہ سانولی آپ ہی ہمیں یہ جادوئی کارنامہ دکھائیں۔“ سانولی نے گردن خم کی۔ ایار کی منگیوں بھیج گئی تھیں۔ لیکن بہر طور اس نے کچھ نہ کہا۔ سانولی نے جوتے تارے اور تار پر چل کر اس عمارت تک جانے کے لئے تیار ہو گئی۔ ایار نے تار کی لچک کا چاڑھ لیا اور خود اس پر کافی دور تک جا کر واپس آ گیا۔ پھر اس نے واپس آنے کے بعد پوچھا۔

”لیکن مسٹر سہیل وہاں تک جا کر سانولی کو کتنا کیا ہے؟“

”وہاں تک جا کر واپس آ جاتا ہے بس۔“

”اس سے فائدہ۔“

”یہ بعد میں بتا دیا جائے گا۔“

”گر آپ ایسی بات ہم سے پہلے کہہ دیجئے تو ہم اپنے مخصوص قسم کے جوتے لے کر آتے جو اس تار پر چلنے میں معاون ثابت ہوتے۔“

”اس کے لئے مجھے افسوس ہے۔ تاہم اگر یہ ممکن نہ ہو تو میں اصرار نہیں کروں گا۔ یہ کام کل بھی کیا جاسکتا ہے۔“

”خمس جوتوں کی ضرورت نہیں ہے میں سمجھتی ہوں۔“ سانولی نے کہا اور اس کے بعد وہ تار پر چڑھ گئی۔ چند قدم چل کر اس نے اپنے آپ کو تلاش کیا اور اس کے بعد جس برقی رفتار سے وہ اس جگہ سے سامنے وان کر رست تک پہنچی سے دیکھ کر سہیل اور راجن کے سانس رک گئے۔ سانولی وہاں پہنچی اور وہاں بالکونی میں اتر کر اس نے ہاتھ بٹایا۔ پھر واپس کے لئے تیار ہوا کر سنے لگی اور پلک جھپکنے میں وہ ان لوگوں کے پاس واپس پہنچ گئی، راجن اور سہیل نے سرور انداز میں تالیاں بجاتی تھیں۔ کس دوران راجن کچھ نادر دوائی کر تار ہاتھ لیکن اس کی جانب نہ سہیل متوجہ تھا نہ ایار۔ یہ کارروائی کیا تھی اس بارے میں ان دونوں کو بھی کچھ نہیں معلوم ہوسکتا تھا۔ سانولی واپس آئی تو سہیل اور راجن نے اسے پر غلوص مبارک باد دی اور پھر راجن کہہ لگا۔

”مسٹر زیادہ بات یہیں تک محدود نہیں ہے۔ ابھی پچاس ہزار روپے کی گنجائش اور ہے آپ لوگوں کے لئے اور جو کام ہم آپ کے سپرد کرنا چاہتے ہیں اس کی تکمیل ہوتے ہی پچاس ہزار روپے آپ کو مزید دیا کر دیے جائیں گے۔ بلکہ ادائیگی کا تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ آپ چاہیں تو کل دن میں وہ پچاس ہزار روپے ہم سے لے سکتے ہیں۔“

”معتصب یہ ہے کہ کام، بھیجی جاتی ہے؟“ لیا نے کہا۔

”یہ تو صرف مشق تھی بالکل اسی طرح جیسے آپ دن کی روشنی میں اپنے پنڈال میں مشق کرتے ہیں۔“
”اصل کام کیا ہوگا؟“

”کل رات آخری رات ہے اور اس کے بعد ہمارا یہ کام ختم ہو جائے گا۔ اس عمارت میں داخل ہو کر ہمیں یہاں سے ایک چیز حاصل کرنی ہے اور اس کی تعینات آپ کو کل ہی بتائی جائیں گی۔ لیکن یوں سمجھ لیجئے کہ یہ کام داخل ہو جائے گا اور اس کے بعد ہمارے اور آپ کے درمیان صرف دوستی کا رشتہ رہے گا۔ آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہے۔“

”اس قسم کے کاموں پر ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوتا لیکن جو چیز آپ کو وہاں سے لانی ہے وہ کیا ہے؟“

”یہی کوئی چیز نہیں ہے جس سے آپ کو یہ احساس ہو کہ ہم نے وہاں ڈاکہ زنی کی ہے۔ نہ وہاں ہیرے ہیں نہ دولت یک بہت ہی معمولی شے ہے جو ہمیں اس عمارت کے ایک کمرے سے حاصل کرنی ہے اور مسٹر ایڈاس عمارت تک پہنچنے کا کوئی اور ذریعہ نہیں ہے۔ اس کے داخلی دروازے سے داخل ہوتے ہی اندر ادا رم بجے لگیں گے اور اچھے مشکل مراحل سے گزرنا پڑے گا کہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا لیکن یہ طریقہ کار نہایت مناسب ہے اور اس میں کوئی وقت نہیں ہوگی۔“

”آپ کو اپنے بکس پر کھل بھروسہ ہے؟“

آپ نے خود دیکھ لیا کہ اس کا طریقہ کار کیا ہے اب ہم اسے داخل لاتے ہیں۔ براہ کرم تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر ہٹ جائیے تاکہ کی چلک اور ادھر بھی ہو سکتی ہے۔ حالانکہ اس کے امکانات نہیں ہیں۔“ سبیل نے کہا اور اس کے بعد وہ اس چوکر بکس پر عمل کرنے لگا۔ دوسری عمارت پر بندھے ہوئے ایک کھلے اور پھر اس زمانے سے تاریک اندر آیا کہ یہ لوگ حیران رہ گئے۔ انٹر فونک بکس سے آگاہ اور کس کے اگلے حصے پر پڑ کے ٹپ لگے ہونے کی وجہ سے کوئی دروازہ آدرا بھی نہیں ہوئی تھی۔“

”آپ کا یہ آراء انتہائی خطرناک ہے۔“

”بعد میں آپ کو یہ بطور تھہ بھی پیش کیا جاسکتا ہے۔“ سبیل نے کہا اور ایذا سے دیکھتا رہ گیا۔ یہ چیز واقعی اسے بے حد پسند آئی تھی اور اس کے حصول کی تمنا اس کے دل میں چلکیوں کی طرح تھی مگر اس نے مہری سانس لے کر کہا۔

جاری ہے

”ٹھیک ہے مسٹر سبیل ہم آپ کا یہ کام کرنے کے لئے تیار ہیں۔“

”کل دن کی روشنی میں آپ کو پچاس ہزار روپے مزید مل جائیں گے۔“

”بہت بہت شکریہ یہ بڑا بڑا کھڑا کھڑا روپے ہمارے مستقبل کے لئے بہترین معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔“

”اور آپ پر ہمارا اعتماد بھی کمزور نہیں ہے دوستی کے لئے یہ ضروری ہے کہ زبان بند رکھی جائے۔“

”ہاں ہاں یہ الفاظ کہہ کر آپ ہمیں شرمندہ کر رہے ہیں میرے خیال میں ہمارے اور آپ کے درمیان کسی بد اعتمادی کی گھپائش نہیں ہے۔“ ایاز نے کہا۔

”قطعی نہیں بالکل نہیں تو اب آپ آئیے ہم آپ کو وہیں چھوڑ دیتے ہیں۔“ دونوں تیار ہو گئے تو ڈی ڈیر کے بعد وہی کار انہیں لے کر واپس چل پڑی اور ہینریل کے اسی درخت کے پاس انہیں چھوڑ دیا گیا۔ سکیل اور راجن نے یاز سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

”کل تک کے لئے خدا حافظ۔“

”خدا حافظ!“ ایاز نے کہا اور دونوں کار میں بیٹھ کر واپس چل پڑے۔ سائلوئی اور ایاز انہیں دیکھتے رہے پھر جب ان کی کار کی سرخ روشنی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تو ایاز نے گہری سانس لے کر کہا۔

”آؤ سائلوئی۔“ دونوں سرکس کے قطبی حصے کی طرف بڑھ گئے۔



پٹا اٹل میں بھارت بھارت کے ترشے ہو رہے تھے۔ آٹھ گھوڑے دائرے کی شکل میں دوڑ رہے تھے اور رؤف پاشا ان پر قلابا باریاں کھا رہا تھا۔ کبھی وہ ایک گھوڑے پر بیٹھتا کبھی دوسرے گھوڑے پر۔ کسی کی پشت پر سر کے بل کھڑا ہوتا تو کبھی پیچھے کھسک کر اس کے پیٹ سے چپک جاتا۔ عبدال شاہ کلزی کی دس گلیاں چمال رہا تھا۔ تقریباً دو دوٹ کے کلزی کے اس کھڑے بھائی میں رانا نے بھر رہے تھے۔ ورنہایت برقی رفتار سے عبدال شاہ کے ہاتھوں سے نکل رہے تھے۔ غلام شاہ وہیل چیر پر بیٹھا چاروں طرف نظریں دوڑا رہا تھا اور ایاز کرسی کے پیچھے کھڑا اس تمام مشقوں کو دیکھ رہا تھا۔ عبدال کے ہاتھ سے ایک گلی نکلے اور اس سے اسے دوسرے ہاتھ میں اپنی گلی کی لوک پر سیدھا روک دیا۔ ایک ہاتھ سے اس نے گلی روک لی تھی اور دوسرا ہاتھ باقی آٹھ گلیوں کو مسلسل متحرک رکھے ہوئے تھا۔ ایک اور گلی چلی اور عبدال کے ساکت ہاتھ پر آ کر، پھر چٹکی، پانچویں اور چھٹی گلی بھی رک گئی۔ غلام شاہ ادھر متوجہ ہو گیا۔

”یا ہے۔“ اس نے آہستہ سے پکارا۔

”ہاں شیخا۔“

”ی سر عبدل کو دیکھ بڑھیا بھی بڑھیا ہاپ بھی گلی کا کھیل بڑھیا جانت رہا تھا۔ لمبے ہانس کی ٹوک پر جا کر کھڑا ہوئی تھا۔ بڑوں نے بچا کہا۔“ ہاپ پر پوت پتا پر گھوڑا۔ بہت ناچیں تو تھوڑا تھوڑا۔“ بڑھیا سب ری گلیوں کھڑی ہوتی تھیں رے۔ واہ بھی کی واہ انعام لٹی گئے ای تو۔ ارے ی دیکھ۔“ چکو، دیک۔ بڑی گیند کھیلنا ہوا آیا اور عبدل نے وہ گیند خالی ہاتھ سے سنبھال لی۔ بیس فٹ کی بلندی تک لکڑی کے ٹکڑے ایک دوسرے کی ٹوک پر سیدھے کھڑے تھے اور عبدل گیند کو گدے دے رہا تھا۔ گیند زیادہ سے زیادہ بلند ہوتی جا رہی تھی۔ عبدل اسے روکنا اور یہ وہ قوت سے ہاتھ مار کر اس کی بلندی زیادہ کر دیتا پھر اس نے گیند پر پوری قوت سے ہاتھ مارا اور اس کے ساتھ ہی جھک کر اسے گلی کی آٹری ٹوک پر سنبھال لیا۔ غلام شاہ نے بے اختیار تائیاں بچائیں اور چیخ کر بولا۔

”ورے عبدل۔ ادھر آ پوت۔“ اور عبدل کی ساری گلیاں گر پڑیں۔ چپے چکو بری طرح اچھل اور چیخ ہاتھ۔ کیونکہ گلیاں اسی پر گر رہی تھیں۔ عبدل شیخا کے پاس پہنچا تو اس نے جیب سے ایک اٹھنی نکال کر عبدل کی طرف بڑھادی۔

”بہت بڑھیا ہوئی گوا تو ہار گلی کا کھیل ہوا۔ ہاپ سے دوٹی ہاتھ آگے بڑھ گیا۔“

عبدل کے ہاتھ میں ٹھنی تھی اور اس کی آنکھیں بھیکتی جا رہی تھیں پھر اس نے سر جھکا دیا شیخا نے اس کے سر کو دونوں ہاتھوں میں لے کر اس کی پیشانی چوم لی۔ عبدل کی سسکیاں چارٹی ہوئی تھیں۔ اس نے اٹھنی کو ہتھیلی پر رکھ کر چومنا اور پھر تیزی سے رنگ سے باہر نکل کر پردے کے پیچھے چلا گیا۔ بہت سے لوگ اس طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

”سے کیا ہوا شیخا۔“ ایاز حیرت سے بولا۔

”کسے رے۔“

”اسی عبدل کو۔ انعام سے کہہ دو کیوں پڑا۔“ ایاز نے کہا۔

”ی نا پوچھت رے تو کہ ہم، ی کا اٹھنی انعام کا ہے دوٹی رے۔“

”ہاں شیخا تمہارا انعام تو ہزار سے کم نہیں ہوتا۔“

”تو نا جانت ہوا۔ ای اٹھنی اوکے لئے رکھ سے کم ناری ہا۔ مرحوم گلو جب اسی کے کسی کام سے کھوس ہوتا تو ای کا اٹھنی انعام ہاں دیتا رہتا تھا۔ ہم

کو بھی ادنیٰ یاد آتے رہن اور عہد کو بھی ادنیٰ یاد آتے۔ ریت دو ہرائی دئی ہم نے اور روئی پڑا۔“ غلام شاہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

گلوا عہد کا باپ تھا اور مرچکا تھا۔ دفعۃً غلام شاہ نے چوٹک کر کہا۔ ”آئی رہے حرام کھور۔“

ٹینٹ کے دروازے سے راجس اور سہیل اندر آئے تھے۔ غلام شاہ نے خود ٹینل چیئر کا رخ موڑ دیا اور بدس شاہ کی طرف بڑھ گیا جو بندروں کو سنبھال کر لارہا تھا۔ سوہیادس شاہ سے باتیں کرنے لگی اور غلام شاہ بھی ان کے پاس پہنچ گیا۔

”سہے رکی بندروں کی کھاڑ۔ کابور ہارے۔“

میں اور بدس شاہ ایک نئی آئینہ تیار کر رہے ہیں ٹینٹا۔“ سوہیاد نے کہا۔

”کرو بھائی کرو ہمکا ٹیکین رہے ایک، ان تم ہوگاں آئینہ تم تیار کر کے ضرور منظر واپس بار دئی ہو۔“ قدم شاہ ہنس کر پڑا۔

”ٹینٹا وہ خان اور شاہ خان آیا ہے۔“

”کا ہے بھائی؟“

”آپ سے ملنا چاہتا ہے۔“

”کی سسرارے ضرورت سے جیوہی ملن چاہت رہن ارے بھین پنا کام کرو، ہکا کا ہے پر بیان کرتے ہو۔ آگے بھی کھان پیچھے بھی کھان بیچ مارا بھنست رہن ارے سسر ڈھکیل بھائی اے سسر ڈھکیل۔“ غلام شاہ بڑبڑاتا ہوا بدلا اکبر شاہ کری ڈھکیل کر ٹیپے تک لے جانے لگا۔

راجس اور سہیل روڈ ف پاٹا کی سواری دیکھ رہے تھے۔ پھر وہ بدلا شاہ کے پاس آ گئے۔ سانوں جھولے پر چڑھی ہوئی تھی۔ یازنہلکا ہوا ان کے پاس آ گیا۔

”پیورا جس، پیلو سہیل۔“

”پیلو ایازن کیا ہو رہا ہے؟“

”ہس دیکھ لو۔ آؤ میرے ساتھ۔“ ایازن نے کہا اور رنگ سے باہر جانے والے راستے پر ہل پڑا۔

”کسی کو ہماری دوستی پر شہ تو نہیں ہو؟“

”سرکس کے مفادات کے لئے ہم سب ایک ہیں ذاتیات پر کوئی پابندی نہیں۔ کوئی بھی کسی سے دوستی کر سکتا ہے۔“ ایازن نے کہا اور ان لوگوں کو ٹیپے میں لے آیا۔

”ہمارے خیال میں یہ جگہ خطرناک ہے۔ کھلی جگہ ہر حال میں اچھی ہوتی ہے جبکہ دیواروں کے دوسری طرف خطرات رہتے ہیں۔ اجازت دو تو خیمے کے گرد ایک چکر لگاؤں۔“ سہیل نے کہا۔

”ضرور لگاؤ۔ لیکن ایسی کوئی بات نہیں یہاں کوئی کسی کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔“ یاز نے جواب دیا لیکن سہیل خیمے کے چاروں طرف گھوم کر دیکھ آیا پھر اس نے جیب سے نوٹوں کا بٹل نکالا اور یاز کو دیتا ہوا بولا۔

”پورے پچاس ہزار ہیں مگن لو۔“

”اس کی گنجائش کہاں ہے۔“ یاز نے نوٹ سنبھال کر جیب میں رکھ لئے تھے۔

”تم نے اس عجیب و غریب کام کے بارے میں سوچا تو ضرور ہوگا۔“

”ہاں خطرناک کام ہے مگر تم نے یہ کہہ کر ہمیں مطمئن کر دیا ہے کہ یہ دولت لوٹنے کا کوئی پلاں نہیں۔ براست، مانتا سہیل، مگر ایسا کرنا ہو تو ہم خود بھی یہ کام کر سکتے تھے۔“ یاز بولا۔

”معاف کرنا میرے دوست۔ ایسا کوئی کام ہم اپنے دوستوں سے لئے بھی نہیں سکتے۔“

”مگر وہ ہے کیا شے؟“

”وقت سے پہلے نہ چھو۔ تمہاری مہربانی ہوگی۔“

”قول تو تمہاری دوستی اور محبت دوسرے یہ ڈیڑھ لاکھ روپے جو درحقیقت ہم ساری عمر اکٹھے نہیں کر سکتے تھے۔ مانو تو ضروری تھی مگر ہم دونوں اپنے سہارے مستقبل کی تعمیر چاہتے ہیں۔“

”یہی ذہانت ہے۔“ راجن نے کہا۔ پھر بولا۔ ”رات کو اسی وقت پہلے کے ورخت کے نیچے۔“

”ہم دونوں موجود ہوں گے۔“ یاز خلوص سے بولا۔

”تو پھر ہم جلتے ہیں آج زیادہ دیر تو نہ کریں گے۔“

”شیخا سے نہیں ملو گے۔“

”آج نہیں!“ دونوں ٹھہ گئے پھر وہ دوبارہ پنڈاب میں داخل ہوئے۔ دو چار منٹ وہاں گزارے اور پھر نکل گئے۔ یاز نوٹوں کا بٹل

تجسباتے ہوئے کچھ سوچ رہا تھا۔



دستیج و عرضی عمارت کی اس رہائشی عمارت کے ایک فلیٹ کے دروازے پر راجن نے بیل بجائی اور چند لمحات کے بعد دروازہ کھل گیا۔ ایک درباری عورت نے دروازہ کھولا تھا جو کسی سلیڈ نسل سے تعلق رکھتی تھی۔ ان دونوں کو دیکھ کر اس نے راستہ چھوڑ دیا۔ ”ماسٹر تمہارا انتظار کر رہا ہے تم لوگ کچھ لیٹ ہو گئے۔“

”ہاں میڈم اس کے لئے معذرت خواہ ہیں۔“ راجن نے کہا۔ عورت انہیں ایک کمرے میں لے گئی جہاں ایک بھاری بدن اور کرخت چہرے والا غیر ملکی موجود تھا۔

”سوری ماسٹر ہمیں کچھ دیر ہو گئی تھی تیار ہونے میں کچھ وقت لگ گیا تھا۔“ سہیل نے کہا کرخت چہرے والے نے کوئی جواب نہ دیا اور خاموش نظر دوسرے انہیں دیکھتا رہا۔ سہیل عورت سے بولا، میڈم آپ سے قلم دکھانے کا بندوبست کر رہا ہے؟“

”ہاں وہ پوچھ رہا ہے۔“ عورت نے ایک سمت اشارہ کر کے کہا۔

”تم نے اطراف پر نگاہ رکھی ہے؟“ ماسٹر نے پہلا سوال کیا۔

”جہاں تک ممکن ہو سکا ہے، ماسٹر، آپ نے یہ ذمہ داری کچھ اور لوگوں کو بھی سونپی ہے۔“

”ان لوگوں کی رپورٹ کچھ مشکوک ہے۔“ ماسٹر نے کہا اور راجن اور سہیل چونک پڑے۔ وہ سوائید نظروں سے ماسٹر کو دیکھ رہے تھے۔ ”تاہم تصدیق نہ ہو سکی ہے کہ کچھ اجنبی چہرے سرکس کے آس پاس دیکھے گئے ہیں اس کے علاوہ سرکس کے کچھ لوگ تمہارے پیچھے بھی دیکھے گئے ہیں لیکن صرف دن کی روشنی میں اسی لئے انہیں نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اگر یہ تو قب رات میں بھی ہوتا تو“ ماسٹر خاموش ہو گیا۔

”بظاہر، ماسٹر اس کا خطرہ نہیں ہے وہ لوگ ایک پس منظر خانہ بدوش قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں اور روایتی جسم کے لوگ ہیں۔ بے شک وہ اپنے فن کے ماہر ہیں لیکن ان کے ہاں مجرمانہ ذہانت نہیں پائی جاتی۔ جہاں تک اجنبی چہروں کا تعلق ہے تو بے شمار ثائقین سرکس کے پاس منڈلاتے رہتے ہیں وہ دن کی روشنی میں اپنے پس منظر خانہ بدوش کو دیکھنا چاہتے ہیں۔“

”شاید۔ پھر بھی آخری وقت تک ہمیں ہوشیار رہنا ہوگا۔“

”یقیناً ماسٹر۔“

”باقی رقم، اگر دی گئی ہے؟“

”جی، سٹر۔“

”کیا رد عمل ہے؟“

”وہ معمولی قسم کے میاں بھوی ہیں، سٹر۔ کیونکہ باہر کے لوگ نہیں ہیں بلکہ ان کی پرورش ہی غلام شاہ نے کی ہے اور وہ اس سے آگے نہیں سوچ سکتے اس لئے اس دولت نے ان کی آنکھوں میں مستقبل کی روشنی پیدا کر دی ہے۔ میرا دعویٰ ہے ماسٹر کہ وہ کسی غلامی کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے۔“

”فلم دکھاؤ۔“ ماسٹر نے مطمئن ہو کر کہا اور سہیل ایک فلم سپول لے کر پروجیکٹر کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے پروجیکٹر پر اسپر جڑے ہدایا اور کمرے میں اندھیرا کر دیا گیا۔ فلم میں سانولی کو اس تار پر چل کر دوسری عمارت تک جاتے ہوئے دکھایا گیا تھا اور یہ فلم راجن نے اس وقت خاموشی سے بنائی تھی جب یاز اور سہیل سانولی کی طرف متوجہ تھے۔

فلم دو تین بار دیکھی گئی اور ماسٹر نے مطمئن انداز میں گردن ہلا کر کہا۔ ”لڑکی پر قیامت ہے کام مکمل کر لو۔“

”درو کوئی خاص حکم ماسٹر۔“

”خفیہ بس محتاط رہو۔“ ماسٹر نے کہا، عورت اس دوران بالکل خاموش رہی۔

تھوڑی دیر کے بعد ہی وہ وہاں سے نکل آئے اور ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر اپنے ہوٹل پہنچ گئے۔ یہاں آ کر اسپر نے باس جنرل کے لئے اور سٹروں پر دراز ہو گئے۔ کچھ دیر کے بعد سہیل نے کہا۔

”میں سخت عصبی کشیدگی محسوس کر رہا ہوں راجن۔ ماسٹر کے شے کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟“

”غلط ہے۔ سواں ہی نہیں پیدا ہوتا۔ وہاں اتنا ذہن کون ہے اور پھر کسی کے روپے سے کوئی اندازہ تو ہوتا۔“

”ہوں۔ یہ ٹھیک ہے سب سے مشکل مرحلہ بھی موجود ہے۔“

”کیا؟“

”سانولی اور یاز ہمارے مقصد کی تکمیل کے لئے تیار ہو چائیں گے؟“

”ہونا پڑے گا۔ کوئی پہلو کمزور چھوڑا ہے ہم نے۔ وہ عمارت ان کے علم میں نہیں ہے جو اصل ہے۔ ڈیڑھ لاکھ روپے وہ لوگ وصول کر چکے ہیں اس

کے ہا جو اگر وقت پر کوئی گڑبڑ ہوئی تو پھر انگلیاں میڑھی کرتی پڑیں گی۔ ایار کی کٹھنی پر ہتھول رکھ کر سانوں کو مجبور کیا جائے گا۔“ سہیل یکہ گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا۔

وقت گزرتا رہا۔ پھر جن نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھا اور بستر سے اتر آیا۔ ”اٹھو سہیل اب تو آخری مراحل رہ گئے ہیں کام کی سہیل کے بعد پر قیاس کا تصور کرو۔ ہم دس لاکھ روپے کے مالک ہوں گے اور ہمارے اس تمام خوابوں کی تکمیل ہو جائے گی جو ہم بہت عرصہ سے دیکھ رہے ہیں۔ سہیل پھیکے انداز میں مسکرایا تھا۔ غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر انہوں نے لباس پہنے اور پھر تیار ہو کر سرکس کی طرف چل پڑے۔ سرکس کے سامنے جم خفیہ لگا ہوا تھا۔ ٹکٹ فروخت ہو چکے تھے اور بے شمار بوگ، مایوس کھڑے تھے۔ لاؤڈ اسپیکر پر ان سے معذرت کی جارہی تھی اور کل دن میں نشستیں محفوظ کرنے کی دعوت دی جارہی تھی۔ سامنے بچان پر قیاس کرنے والے مسخرے اندر چلے گئے تھے۔ اندر سے آرکسٹر کی آوازیں آ رہی تھیں۔ دونوں اپنا مخصوص کارڈ دکھا کر اندر داخل ہو گئے اور انہوں نے اپنی نشستیں سنبھال لیں، شو شروع ہو گیا۔ مخصوص گیلری میں انہوں نے غلام شاہ کو دیکھا، جو جو نظر آیا اسے دیکھتے رہے۔ کوئی ایسی بات نہیں تھی جو باعث تشویش ہوتی۔ کافی اطمینان ہو گیا تھا شو جاری تھا۔ سافولی اور ایاز بھی پرسکون تھے۔ انہوں نے بہترین آئٹم پیش کیا اور داد و تحسین وصول کر کے چلے گئے تھے۔ بالآخر شو ختم ہو گیا اور یہ دونوں بھی دوسروں کے ساتھ باہر نکل آئے۔

رات اپنا سفر طے کرتی رہی۔ سہیل اور راجن اب ان دونوں کا نظارہ کر رہے تھے۔ پھر انہوں نے سافولی اور ایاز کو آتے ہوئے دیکھا اور ان کے دل دھڑک اٹھے۔ ان کی نظریں دور دور تک جھک رہی تھیں۔

”ماسٹر کا خیال سو فیصدی غلط ہے۔“ راجن نے پرجوش لہجے میں کہا سہیل کچھ نہ بولا۔ پوری طرح مطمئن ہو کر وہ ان دونوں کے پاس پہنچ گئے۔ رگی گنگو کے بعد وہ انہیں کار میں لے کر چل پڑے تھے۔

”تم لوگ خوف زدہ تو نہیں ہو۔“ راجن نے پوچھا۔

”اب کوئی کام ہم نے اس سے پہلے نہیں کیا مسٹر راجن۔ خوف تو ہے لیکن ہم چاہتے ہیں کہ آج یہ سلسلہ ختم ہو جائے۔ کسی بھی وقت ہماری گمشدگی کا رد کھل سکتا ہے چونکہ یہ سرکس کے اصول کے خلاف ہے اس لئے جو اب اسی مشکل ہو جائے گی۔“ ایاز نے کہا۔

”یقیناً آپ لوگوں کے تعادلات اور صحت سے یہ کام آج رات ختم ہو جائے گا۔“ راجن نے پراعتقاد لہجے میں کہا۔ ان لوگوں کا رخ اسی عمارت کی طرف تھا جس پر سہیل رات ان دونوں کو لے جایا گیا تھا۔

عمرت کے اسی مخصوص کمرے میں داخل ہوتے ہی سہیل نے کہا: ”آپ کو یقین ہے یا زکیر کہ سرکس کا کوئی شخص آپ کی طرف مشکوک نہیں ہوا ہے۔“

”اس کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ آپ کو یہ خیال کیسے آیا۔“ یازے چونک کر پوچھا۔

”میں بس ایسے ہی پوچھ رہا تھا۔“ ٹھٹھے: ”اس نے کہا اور ان دونوں کے ٹھٹھے کے بعد وہ خود بھی ان کے سامنے بیٹھ گئے۔“

”سانولی جی آپ اپنے کام کے لئے تیار ہیں۔“

”پوری طرح تیار ہوں۔ لیکن آپ دہرہ کر چکے ہیں کہ آج یہ کام ختم ہو جائے گا۔“

”سو فیصدی۔ اب آپ کو جو کچھ بتا رہا ہوں اسے غور سے سن میں۔ وراہی کے مطابق عمل کریں۔“ راجن نے کہا۔ اس کے بعد وہ اٹھا اور اس نے کمرے کے تمام پردے وغیرہ درست کر کے وہاں تیر روشنی کر دی۔ پھر ایک اماری سے اس نے ایک بڑا سا بکٹ نکالا اور ان کے نزدیک آ کر بیٹھا۔ سب کے چہرے سرخ ہو رہے تھے۔ راجن نے آہستہ سے کہا۔

”بکلی بات تو یہ ہے مسٹر ایاز اور میڈم سانولی کہ ہماری مطلوبہ عمارت سامنے وادی عمرت نہیں بلکہ یہاں سے کچھ فاصلے پر ایک دوسری عمرت ہے۔ وہ عمارت چنانچہ منزل ہے اہل جو خصوصیات آپ کو بتائی گئی ہیں وہ اس عمارت میں ہیں۔ اس کے داخلی گیٹ سے کوئی اندر داخل نہیں ہو سکتا۔ وہاں سکیورٹی ہوتی ہے اور الارم لگے ہوئے ہیں۔ آپ کو اس عمارت کی چوتھی منزل پر جانا ہوگا۔“

”وہ لیکن آپ نے مسٹر۔ جنرل ایاز نے کہا۔“

”ہماری کچھ مجبور یوں کو مدد نگاہ رکھیں پلیز۔ اس عمارت میں داخلہ اس عمارت سے زیادہ آسان ہے۔ یہ ذمہ داری ہماری ہے۔ یہ اس عمرت کی تصویر ہے۔ راجن نے ایک بڑی تصویر بکٹ سے نکال کر میز پر بچھا دی۔ پھر وہ ایک پنسل سے پوری تفصیل بتانے لگا۔ ”آپ کو اس عمارت کی چوتھی منزل سے کام شروع کرنا ہوگا۔ یہ محفوظ جگہ ہے اور کسی مداخلت کا خطرہ نہیں۔ اس عمرت کی بالکنی میں اتر کر آپ بالکل سامنے والے دروازہ کھولیں گی۔ دروازہ ہلاک ہوگا۔ یہ ماسٹر چابی ہے جسے استعمال کرنے میں آپ کو کوئی دقت نہ ہوگا۔ آپ اس دروازے سے اندر داخل ہو جائیں گی۔ اس کے دوسری طرف آپ کو ایک بڑا کمرہ نظر آئے گا۔ اس کمرے میں بہت سی لماریاں ہوں گی جن پر نمبر چڑے ہوئے ہیں۔ اس مدغم چارچ کی روشنی میں آپ بالکنی نمبر لماری تلاش کریں گی۔ یہ لماریاں عام ساخت کی ہیں۔ اس تصویر پر دیکھیں۔“ راجن نے سانولی کو پھر وہ شعاع والی چارچ کی اور پھر تصویر دکھانے لگا سانولی اور ایاز اماری دیکھنے لگے۔

”لماری کے سامنے کے حصے میں یہ چابی نظر آئی ہے۔ آپ اس چابی کو اس کمرے کاٹ دیں گی۔ راست صاف ہو جائے گا۔ پھر آپ کو جس نمبر

سیٹ کرنے ہوں گے۔" راجن سانو کو بڑی تفصیل سے سمجھا تا رہا پھر یوں لگا۔ "اس الماری سے آپ کو صرف ایک فائل اٹھانا ہے باقی کوئی چیز ہماری ضرورت کی نہیں ہے۔ فائل کی نقل یہ ہے۔ آپ اسے ذہن نشین کر لیں راجن نے سفید رنگ کی ایک فائل سانو کے سامنے کر دی جس پر تین جج کے نشان بیٹے ہوئے تھے۔ فائل لے کر آپ وہیں آ جائیں اور آپ کا کام ختم۔"

پاز اور سانو گھرے گھرے سانس لیتے رہے راجن نے سانو کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "کہئے میڈم آپ سمجھ گئیں۔ کوئی اور سول۔"

"نہیں۔" سانو نے کھینے کھینے لہجے میں بولی۔

"آپ شاید خوف زدہ ہیں لیکن آپ کو یہ گارنٹی دی جاتی ہے کہ آپ کو کوئی خطرہ نہیں پیش آئے گا۔ بس اپنی سرکس کی مہارت کی وجہ سے آپ یہ کام کر سکتی ہیں۔ اگر ہم میں سے کوئی اس انداز سے وہاں جا سکتا تو شاید آپ کے ہارے میں سوچا بھی نہ جاتا۔"

"نہیں میں تیار ہوں۔" سانو نے کہا۔

"یہ کام اگر میں سرانجام دوں تو۔" ایار نے کہا۔

"نہیں مسٹر ایار۔ اب یہ ممکن نہیں ہے۔ براہ کرم اس پروگرام میں کوئی رخصت اندازی نہ کریں۔ یہ سب کچھ اتنا مشکل نہیں ہے جتنا آپ سمجھ رہے ہیں ہم نے اس پر پوری رہبری کی ہے۔ بس اتنی مشکل ضرور ہے کہ اس عمارت میں کسی باقاعدہ راستے سے داخل ہونا ناممکن ہے مگر یہ راستہ بالکل محفوظ ہے۔"

"تم اس بارے میں فکر نہ کرو ایاز۔ مسٹر سٹیل اب یہاں وقت ضائع کرنا مناسب نہیں ہے۔ رات بہت کم باقی رہ گئی ہے۔" سانو نے کہا۔

"بس آپ لوگوں کو یہ تفصیلات سے آگاہ کرنا ضروری تھا۔ آئیے ہم تیار ہیں۔" ایک بار پھر وہ دونوں شطراں لیں لے کر چل پڑے۔ راستہ زیادہ طویل نہ تھا۔ وہ مطلوبہ جگہ پر پہنچ گئے اور پھر راجن نے اسی عمارت کی طرف اشارہ کیا۔ خصوصی تیار کو ایک الیکٹریک پول سے مضبوطی سے باندھ دیا گیا۔ اس سیٹے میں یہ لوگ پہلے سے ہر کام کا تھین کر چکے تھے۔ کاری چھت پر کیوبیز لگا ہوا تھا جہاں چڑھ کر پول کے اس مخصوص حصے تک پہنچا گیا جہاں سے اس سفر کا آغاز کرنا تھا۔ یہاں سے مطمئن ہو کر سٹیل نے وہ جیب چو کو ریٹس سنبھال لیا جہاں سے انٹرکام کب فائر کرنا تھا۔ دور بین پر ہنگل سیٹ کیا گیا اور بالآخر کب فائر کر دیا گیا۔ اس کام میں یہ لوگ مہارت حاصل کر چکے تھے چنانچہ کب بالکونی کے ستون میں جا چھو، دور پھر پورے اعتماد کے ساتھ اس کی مضبوطی کا جائزہ لے لیا گیا۔ اس کے دوران سانو تیار کی کچل تھی۔ تار کی مضبوطی کا تھین کرنے کے بعد سانو نے ضرورت کی چیزیں سنبھال کر رہس میں محفوظ کیں اور تار پر چڑھ کر پینٹس سنبھالنے لگی۔ پھر اس نے آگے کا سفر شروع کیا۔ ایاز دل کی دھڑکنوں کو سنبھالنے لے اسے

آگے بڑھتا دیکھ رہا تھا۔ سالوئی نے حیرت انگیز پھرتی سے قاصد ملے کیا تھا اور پلک جھپکتے وہ پالنگی میں اترتی نظر آتی تھی۔ جب وہ لگا ہوں سے اوجھل ہو گئی تو ایاز نے گہری سانس لے کر کہا۔

”آفراس فائل میں کیا ہے۔“ سکیل یا راجن جو اب بھی نہ دے پائے تھے کہ دفعۃً انہوں نے ایک کار کے انجن کی آواز سنی۔ سیو رنگ کی لمبی کار سی طرف آ رہی تھی۔ سب کے چہرے دھواں ہو گئے۔ اچانک راجن نے پستول نکال کر ایاز کی کھٹی پر رکھ دیا اور اس کی سر آواز ابھری۔

”صرف ایک جنٹلمن کی پکٹی میں سوراخ کر سکتی ہے۔ مسٹر یا ز۔ کوئی حرکت کئے بغیر تیار اس کار میں کون ہے۔ اسے سنبھالنا تمہارا کام ہے ورنہ دھرم رندگی کھو بیٹھو گے اور ادھر سالوئی۔ خیر دار کوئی چالاکی تمہیں موت کے سوا کچھ نہ دے گی۔ جلدی ہو کون ہے اس کار میں !!

ایاز کا منہ کھلا اور بند ہو گیا راجن کے پستول کی نالی اس کی کھٹی سے لگی ہوئی تھی اور سیاہ رنگ کی لمبی کار قریب آتی جا رہی تھی۔ اس کی ہیڈ لائٹس بجھی ہوئی تھیں پھر اچانک سکیل کے منہ سے آواز نکلی۔ ”اوو، راجن وہ ماٹر ہے۔“

”ایس ؟“ راجن نے حیران لہجے میں کہا اور اس کے پستول والا ہاتھ ڈھیلا پڑ گیا۔ سیو رنگ کی کار ان کے قریب آ کر رک گئی تھی، ماٹر کی آواز سنائی دی۔

”کتنی دیر باقی رہ گئی ہے ؟“

”وہ۔۔۔ وہ ماٹر عمارت میں داخل ہو چکی ہے۔“ راجن نے نکلتے ردہ بچے میں کہا۔ ماٹر اس عمارت کی طرف دیکھنے لگا جس میں سالوئی گئی ہوئی تھی۔ راجن نے ایاز کی طرف دیکھا اور سرگوٹی کے انداز میں بولا۔

”معاف کرنا دوست کچھ غلطی ہو گئی تھی۔ بد قسمتی سے ان کاموں میں بدگئی ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ اوو دیکھو سالوئی واپس آ رہی ہے۔“ بالکوئی میں سالوئی نظر آئی تھی اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ تار پر چڑھ گئی۔ پھر اس نے بیلس سنبھالا اور تار پر آگے بڑھے گی۔ ماٹر کار سے نیچے تر آیا اور منہ کھولے

سالوئی کو واپس آتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ سالوئی تار کا سفر طے کر کے نیچے آ گئی اور ماٹر بے صبری سے آگے بڑھا آیا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر کہا۔

”رُو فائل مجھے دے دو۔“ ایاز نے سہارا دے کر سالوئی کو نیچے اتارا اور ماٹر فائل کو دیکھنے لگا۔ پھر اس نے مسرور لہجے میں کہا۔ ”ویری گڈ۔ تم نے اپنا کام خوش اسلوبی سے انجام دیا ہے ٹری۔“ ابھی لفاظ اس کے منہ سے اور ابھی نہیں ہوئے تھے کہ دفعۃً وہ تیز روشنیوں میں نہا گئے۔

روشنیاں سرچ، سٹوں کی قھیں اور آس پاس کی کچھ عمارتوں سے ان پر ڈالی گئی تھیں۔ ماٹر بری طرح اچھا تھا۔ راجن اور سکیل بھی سششہ رو رہے تھے۔ پھر چند ثانیہ ہوئے اور گولیوں ان کے آس پاس زمین سے ٹکرائیں۔ دوسرے لمبے ایاز نے راجن پر پھلانگ لگائی اور اس کی دونوں ٹانگیں پکڑ

کر بھیج دیں۔ ماسٹر نے کار کے کھلے دروازے میں چھدنگ لگا دی تھی۔ میکانی فون پر آواز بھری۔

”تم لوگ پولیس کے رہنے میں ہو، کوئی بھی حرکت تمہیں گولیوں سے چھلنی کر سکتی ہے۔“ لیکن ماسٹر نے چاکم کار، دس دس کر کے پوری قوت سے کچل چھوڑ دیا۔ طاقتور انجن والی کار نے غرا کر چھدنگ لگائی اور سکیل اس کی لپیٹ میں آیا اور کار برقی رفتار سے آگے بڑھ گئی۔ کچھ آوازیں ابھریں اور اس کے ساتھ ہی ایک پولیس کار سڑک کھول کر کالی کار کے پیچھے دوڑ پڑی لیکن اس کار میں صرف دو پولیس والے تھے۔ باقی پولیس والے سڑکوں میں جگہ جگہ چھپے ہوئے تھے اور اب برقی رفتار سے تراتر کر دوسری کار کی طرف بھاگ رہے تھے۔ وہ شروع ہی سے افراتفری کا شکار تھے۔ اپنے علیٰ فرسور اس مشن کے کمانڈر خان اور شاہد خان کی ہدایت پر انہوں نے اصل مورچہ بندی اس غارت کے اطراف کی تھی جہاں پیسے دن ساروں اور لیا کر کو لے جایا گیا تھا۔ سارے کام بھاریت رار داری سے ہو تھا۔ راجن اور سکیل کی طرف سے غلام شاہ اس دن مشکوک ہو تھا جب انہوں نے ساروں اور لیا کر کو قیدی تھا نف پیش کئے تھے۔ غلام شاہ و دنیا شناس تھا اسے شبہ ہو گیا۔ اور اس کی ہدایت پر اکبر شاہ دان دونوں کی تاک میں لگ گیا۔ پھر ساروں اور لیا کر نے ایک لاکھ روپے غلام شاہ کے قدموں میں رکھ کر کہا۔

”وہ لوگ ہم سے کوئی کام لینا چاہتے ہیں شیخ اور یہ ایک لاکھ روپے انہوں نے پیشگی ادا کئے ہیں۔“

”کام کا ہے رے۔۔۔“ غلام شاہ نے پوچھا۔

”یہ راست کو بتائیں گے۔“ لیا کر بولا اور غلام شاہ مسکرتا ہوا۔

”ایک لاکھ بیس ہوتا ہے۔ ای تم ہمارا کام آئی ہے۔“

”تمہاری جوتیوں کی خاک ان سے، انہوں نے جیتی ہے ہمارے لئے شیخ۔“ لیا کر نے کہا۔

”ارے اوسر ہمارا پاک اڑائی ہے۔ آدمی جندگی کج کرتی ہمارا جوتی پہنے کج۔ جیتے رہو، ہوا۔ پیسے اوسر نہیں کرتے رہو۔ ہمارا مت کری ہے۔ ہم

جانتے ہیں۔ محنت کر کے روٹی کھاتے ہیں۔ ہم ہمارا اگر اڑائے ہوتے تو کھدا کسم ہم سے بڑاڑ کو کوٹو ہوتا۔ بے ہمارا ہوئی کران کی ہاں

میں ہاں ملا رہو۔ سب ٹھیک ہوئی جاتی ہے۔“

اس کے بعد غلام شاہ کے مخصوص لوگوں نے پولیس سے رابطہ قائم کیا تھا اور مقامی پولیس کے ایک افسر علی خان اور شاہد خان کو اس آپریشن کا چارج دیا گیا تھا۔ ساروں اور لیا کر مکمل رپورٹ دیتے رہتے تھے اور پولیس ان کے انکشافات کی روشنی میں اپنے طور پر عمل کر رہی تھی حالانکہ غلام شاہ نے اپنے مخصوص اعمال میں کہا تھا۔

”رے بھائی اور سادھے ایسے کا ہے تا کر بھائی کہ ان دونوں سر کا پکڑائی۔ اٹھڑی ماکس لئی۔ پھر مار مار کر لڑ مہ نال کر دی سر کھو جہاں کھوں دین گے کہ کا پکڑ چلائی رہت۔“

”نہیں شاہ صاحب پاپس حقیقت کی تہہ تک پہنچنا چاہتی ہے۔ ان دو کوں کورنگے ہاتھوں پکڑنا چاہتی ہے۔“

”رے بھائی کہیں تے ہا۔ بچوں کو تہہ ہاتھوں گھسہر دی ہو۔“

”آپ مطمئن رہیں شاہ صاحب پولیس ان کی ہزار گھوں سے نگرانی کر رہی ہے۔“

اور یہ سچ بھی تھا۔ ایاز اور سانوی نے مزید پچاس ہزار روپے اور عمارت کی تفصیل غلام شاہ کو بتادی تھی۔ نتیجے میں پولیس نے اس عمارت کے گرد انتظامات کئے تھے جس کی نشاندہی کی گئی تھی مگر عین وقت پر عمارت بدل گئی تھی اور یہ نئی عمارت جس کا انتخاب غیر متوقع طور پر کیا گیا پولیس کے لئے نہایت سسٹمی خیر نوعیت کی حامل تھی۔ اس کا تعلق محکمہ داخلہ سے تھا اور وہ منزل جہاں سانوی کو بھیجا گیا تھا اس عمارت کا سٹرنگ روم تھا۔ جہاں سرکاری راز پوشیدہ رہتے تھے۔ پولیس چونکہ مسلسل ایاز اور سانوی کا پیچھا کر رہی تھی اس لئے نئی جگہ کا انکشاف ہو گیا اور برقی ریلواری سے ہنگامی طور پر صرف پولیس کی دو گاڑیاں یہاں آسکیں۔ پولیس والوں نے دفتر تفری میں انتظامات کئے انہیں زیادہ وقت نہ مل سکا تھا۔ تاہم وائریس پردہ سہری گاڑیوں کو ہدایت جاری کی جارہی تھیں۔ خود غلام شاہ اور اکبر شاہ بھی جاں ارشاد خان کے ساتھ ایک پولیس وین میں موجود تھے۔ غلام شاہ ان کی نگاہوں کے سامنے ہوا تھا چونکہ وہ روشنی میں تھے اس لئے ماسٹر کو بھگتے ہوئے دیکھ لیا گیا تھا۔ صرف ایک پولیس وین ماسٹر کی کار کے پیچھے بھاگی تھی جس میں پولیس کے صرف دو جون تھے۔ ”اری اوسر واکل گئی۔ ارے، ارے۔“ غلام شاہ کے منہ سے نکلا۔ اسی وقت ایک پولیس سارجنٹ اچھے موٹر سائیکل پر وہاں پہنچا بھی اس نے موٹر سائیکل کا فٹن بھی بند نہیں کیا تھا کہ دفعہ اکبر شاہ دین سے کو پڑا۔ اس نے سارجنٹ کو گھسیٹ کر پیچھے اتارا اور موٹر سائیکل پر بیٹھ کر اسے ہوا کر دیا۔ وہ پولیس وین اور کار کے پیچھے چل پڑا تھا۔ غلام شاہ منہ پھنک کر رہ گیا۔ اسی دوران ایک اور پولیس وین وہاں پہنچی اور ارشاد خان نے سے بھی ان کے پیچھے دوڑا دیا وہ سخت مضطرب تھا اور پولیس پر پٹرول گاڑیوں کو ہدایت دے رہا تھا۔ عمارتوں میں چھپے پولیس واسے باہر نکل آئے اور انہوں نے اس جگہ ٹھہرا ڈال دیا جہاں سے یہ کارروائی ہوئی تھی۔ راجس کے ہاتھوں میں اٹھکڑیاں ڈال دی گئیں جب کہ سہیل نے موقع پر ہی دم توڑ دیا تھا۔

یہاں کے بارے میں ہدایت دے کر خان ارشاد خان اپنی وین میں بیٹھا اور اس نے وین طوفانی انداز میں آگے بڑھا دی۔ غلام شاہ اس کے ساتھ تھا۔ ارشاد خان مسلسل وائریس پر پچہیشن معطوم کر رہا تھا۔

”سید کا رومبل روڈ پر اڑی جا رہی ہے۔ ہم اس کی رفتار کا مقابلہ نہیں کر پا رہے ہیں۔ بہت ایک سارجنٹ اپنی ہائیک اس کے پیچھے لگائے ہوئے ہے۔“ وائزلیس سے آواز ابھری۔

”موہاگل آٹھ سو سات سے سرورڈ شیخ بات کر رہا ہے۔ سیاہ گاڑی اسپورٹس اسٹیلیم کی طرف جا رہی ہے ہم اس کے پیچھے ہیں۔ ایک پولیس سارجنٹ اس کے قریب ہے اور سیاہ گاڑی پر فائرنگ کر رہی ہے۔“

”او ہمارا اکبر انو ہے نا بھائی اور سادے؟“

”ہاں۔“ ارشد خان نے کھٹے کھٹے ہجے میں کہا۔

”ارے ہم تو کاتبائی دے اور ہمارے بھتیجے اور ہے ہاں۔ سیر کا بھتیجے اکون ہووے گا بول بتائی تو برا؟“

”شیر کا بھتیجے۔“ ارشد خان پریشانی سے بولا۔

”تو ورکا۔ اسے تائیں جانے رہے تو۔ اور تو کمری کرئی ہو پولیس ماں۔ ارے ہیرا سیر کا بھتیجے اسیر ہووے ہے بلکہ وہ ڈبل سیر ہووے ہے ہاں۔ اونا ہیں چھوڑے گا اور سردا کو کا بھتیجے۔“ ہاں بتائی دے ہیں تو کا۔۔۔“

خان ارشد خان موہاگل ویس کو برقی رفتار سے دوڑاتا رہا۔ آگے اس نے دو اور پولیس گاڑیاں دیکھیں جو تیز رفتاری کے ریکارڈ قائم کر رہی تھیں۔ پھر اسے فائرنگ کی آوازیں بھی سنائی دینے لگیں۔ اسٹیلیم قریب آتا جا رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے سیاہ رنگ کی کار اسٹیلیم کے بڑے گیٹ کو توڑتی ہوئی اندر داخل ہو گئی۔ پولیس گاڑیاں ابھی پیچھے تھیں لیکن سارجنٹ کی موٹر سائیکل نے سیاہ گاڑی کا پیچھا نہیں چھوڑا تھا جس پر اکبر شاہ سوار تھا۔ اسٹیلیم کے عین درمیان رات کی تاریکی میں ایک ہیلی کاپٹر کا بیڑہ نظر آ رہا تھا۔ جس کے نزدیک ایک انسانی وجود بھی تھا۔ سیاہ رنگ کی کار اسی کے قریب جا رہی تھی۔ زمین پر ٹپکتے ہوئے انسانی وجود نے جلدی سے ہیلی کاپٹر کا دروازہ کھولا اور پائلٹ سیٹ پر جا بیٹھا۔ اس نے کمپس کانوں پر بچے ہوئے تھے۔ یہ وہی دروازہ قامت عورت تھی جو ہاسٹر کی کلاحت گاہ پر رجن وغیرہ کوٹی تھی۔ ہیلی کاپٹر کے قریب پہنچ کر ہاسٹر نے پورے ایک لگائے اور کارٹوں کی طرح گھوم گئی۔ ہاسٹر نے سبھی ہوئی نظروں سے موٹر سائیکل کو دیکھ کر جو تیزی کی طرح اس کی سیدھ میں آ رہی تھی اور پھر اندھا دھند ہاتھوں میں پکڑے ہوئے ہسپتال سے کئی فائر چھوٹکے دیے۔ موٹر سائیکل پھر اسی طرح ہوائی جس طرح وہ پہلے ہیرا کر ہاسٹر کی گولیوں سے اپنے سوار کو پھینک رہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ ہاسٹر کے سر پر پہنچ گئی اور اس کی زد سے بچنے کے لئے ہاسٹر کو کافی لمبی چھٹنگ لگانی پڑی وہ زمین پر گر گیا۔ موٹر سائیکل چونکہ کار کی سیدھ میں تھی اس لئے سوار کو کار کی ٹکر سے بچنے کے لئے سے اچھا لٹا پڑا تھا۔ انتہائی تیز سپیڈ کی وجہ سے وہ کافی دور نکل گیا تھا۔

اس طرح، ستر کو اٹھ کر بیل کا پٹر کے پاس آنے کا موقع مل گیا۔ البتہ اس دوران پولیس کی گاڑیاں اسٹینڈیم میں داخل ہو گئی تھیں اور تیزی سے حصار قائم کرتی ہوئی بیل کا پٹر کے قریب آتی جا رہی تھیں۔ ستر بیل کا پٹر میں داخل ہو گیا اور اس کی ساتھی عورت نے دشمن اشارت کر دی۔ بیل کا پٹر کے پرکھو منے لگے اور ستر چپکا۔

”جلدی۔ جلدی۔“ پردوں کے گھومنے کی رفتار جھڑپ ہو گئی لیکن اکبر شاہ سنبھل کر پلٹ پڑا تھا۔ بیل کا پٹر بس فضا میں بلند ہونے والا تھا اور اکبر شاہ کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ اب اسے کس طرح روکے پھر اچانک ہی اس نے ایک جھوٹی فیصلہ کیا اور دوسرے سے اس کا بدن ایک مخصوص راویہ سے تس گیا۔ موٹر سائیکل نے ایک لمبی خوفناک چھلانگ اور سیدھی بیل کا پٹر کے گھومتے ہوئے پردوں میں جا گھسی۔ البتہ اکبر شاہ زادیہ درست کرتے ہی لگا چھلانگ لگا کر کود گیا تھا اور اس نے زمین پر کئی قلابازیاں کھائی تھیں۔ ترخانہ جہز زوردار تھا۔ بیل کا پٹر کے پردوں کی چرخی ٹوٹ گئی اور موٹر سائیکل دو ٹکڑے ہو کر زمیں پر گر پڑی۔ اس کے پٹرول ٹینک کے پھٹنے سے ایک اور زوردار دھماکہ ہوا تھا۔ پولیس موہا ٹکڑے پر یک لگائے تھے اور چاریس کے جوان بدحواسی میں گاڑیاں سے نیچے کود پڑے تھے۔

بیل کا پٹر کی مشین بند ہو گئی تھی اور چند محنت کے بعد چاریس گاڑیاں اس کے قریب پہنچ گئیں۔ ستر اور اس کی ساتھی عورت پھرائی ہوئی آنکھوں سے انہیں دیکھ رہے تھے۔

”رہے ادنیٰ اکبر! تو تے ٹھیک ہے ہارے۔ کہہ رہی پات، ادنیٰ اکبر!۔“ غلام شاہ نے بے چینی سے آواز دی۔

”میں ٹھیک ہوں شیخا۔“ اکبر شاہ کی آواز بھری اور غلام شاہ کا گھس گرج دار قہقہہ گونج اٹھا۔

”ارے ہم پہلے ہی کہتے رہیں اس کھان سے۔ ارے کیوں ارے پھرو۔ پلٹ رہے تو کا ہمارا بھتیجا کون رہے کون رہے رہے او۔“

”ڈبل شیر۔“ ارشاہ خان نے کہا اور غلام شاہ پھر فٹ پڑا۔

”جی کھوس کر دیں رہے بھیج تے نے۔“ پولیس کے جہازوں نے، ستر اور اس کی ساتھی عورت کو کھینچ کر بیل کا پٹر سے نیچے تار لیا تھا۔

دوسری صبح محکمہ پولیس اور دوسرے انتظامی حکموں کے لئے کچھ بھی رہی ہو لیکن سرکس کے معمولات جوں کے توں تھے۔ تمام کام معمول کے مطابق شروع ہو گئے تھے۔ جھولے درست کیے جا رہے تھے جانوروں کو خوراک دے دی گئی تھی۔ قیاض سونا تھنی کو رابت کے گولے بنا کر دے رہا تھا۔ غلام شاہ وہیل چیمپر پر بندروں کے کتھر وں کے سامنے تھا اور دن کے بارے میں ہدایات دے رہا تھا۔ بندر خوشی رہے تھے۔ قریب ہی سونا کھڑی کسی سے ہاتھیں کر رہی تھی۔ اچانک غلام شاہ نے اسے آواز دی۔

”ہے رے سوئی۔۔۔۔۔ ری سوئی بیاری۔“

”کیا ہے چاچا۔ کیا بات ہے۔۔۔؟“

”واہ ری ملجھم۔ بڑا انجام ہے حیرا بھائی رے سر سارے کے سارے تیری چال کو روں رہے ن کی شکایت ٹاٹنے تو۔۔۔ اے تو اتنا بچی ہے بھائی۔“

”سب ٹھیک ہے شیخا۔ کیا شکایت ہے ن کو؟“

”دھت حیرے کی، بھری بیجا نور پل لینا مشکل کام ن رہے ن کی کھیر گیری اصل کام ہووے ہے۔ دیکھ جڑ اس ساٹھ کو دیکھ سر دیکھا سر چھ بٹا بیٹھا رے۔ اونگ کرے ہے ان سب کا۔ رکات کریں ہیں رے سب رے تو ایسا کر اس سر کے کو اس بڑے جگے سے نکال کر دوسرے چھوٹے جگے سے ڈالوئی دے۔“

”مگر شیخا؟“

”ارے جو کھوت رجن تو کا اوئی کر۔ اے جیادہ جون ہوئی رہے سر کو دوئی دن بھوٹا، ریں تو ٹھیک ہوئی حتی ہے ہا۔“ غلام شاہ سرخ بندر کو گھورتا ہوا ہلا۔

”کمال ہے۔ ٹھیک ہے شیخا میں ابھی چھوٹا جگہ منگوئے لیتی ہوں۔“

”اور تو سر ٹھیک کرنے کا اپنے آپ کو ناہیں تو ہمارا کھوڑا گھوم گئی تو جیوگی بھر کے لئے ٹھیک ہوئی جاتی ہے ہاں۔“ سونیا نے سرخ بندر کے چہرے پر عجیب سے تاثرات دیکھے تھے وہ یقیناً غلام شاہ سے نظریں چرا رہا تھا۔ غلام شاہ نے ذہیل جیڑا آگے بڑھا دی۔

سرکس کے پنڈاں میں معمول کے مطابق مشتقیں شروع ہو گئیں۔ سارے فنکار اپنے اپنے پوش کئے جانے والے فنون کی مشق کرنے لگے کہ باہر پولیس کا سائرن گونجا اور غلام شاہ کے کان کھڑے ہو گئے۔ اکبر شاہ بڑا ہر نقل گیا تھا۔ پھر وہ شاندار درو دیوں میں بیوس کئی پولیس افسروں کے ساتھ بندر آیا۔ ان میں ارشاد خان بھی تھا۔۔۔!

”اے ادا۔ وہ ان سرانے جاں چھوڑی تو اب اے دد کی کہاں چھوڑا گئے۔ جھکتو بھائی نہیں بھی۔“

”بیٹو شاہ صاحب۔“ خان ارشاد خان مسکراتا ہوا آگے بڑھا۔

”جلاؤ بھائی تمہو ہلاؤ۔ ارے تمکا ہلان جہان کا تناسو ک کا ہے رہے بھائی۔ ہلائے گھیر کوئی بات نا کر سکت رہو۔“

”میں نہیں سمجھا شاہ صاحب۔“

”سمجھ ہوئی تو سمجھو نا۔“

”یہ پولیس کے بڑے بڑے افسر ہیں شاہ صاحب آپ کا شکریہ ادا کرنے آئے ہیں۔ آپ کے بھتیجے، کبیر شاہ نے جو کارنامہ سرانجام دیا ہے اس کے لئے حکومت انہیں انعام دینا چاہتی ہے۔ حکومت کی ایک بڑی شخصیت آپ سے مناجا رہتی ہے آپ کو وقت نکالنا ہو گا۔“

”اوسے بھائی اوسا دکھان۔ آؤ ہمارا ساتھ آؤ۔ غلام شاہ نے ڈبل جیئر دھکیلتے ہوئے کہا، درمیان لوگوں کو لے کر اپنے خیمے میں داخل ہو گیا۔ کبیر شاہ ساتھ تھا جس نے سب کے لئے بیٹھنے کا انتظام کیا۔ جب سب بیٹھ گئے تو غلام شاہ بولا۔ ”دیکھ بھائی رے ہم خیرے جاہل متوار۔ اسی سر پنڈل سنبھالے رہیں تو بہت رہے تو بار کام ہوئی گئے۔ ہٹا کھوئی رہے اوسر دو کی ہمار بچوں سے گلٹ کام کرائی رہے۔ ہم نے اپنا ہرج بھج کر پولیس کو اطلاع کرا دی ہے۔ ہم کسی بڑی سکھیت سے نا ملیں گے۔ سب سے بڑی سکھیت تو مالک کی رہے اور ہاں ایک بات اور یہ۔“

کبیر اور رے دئی، کبیر۔“

”جی شیتا۔“

”دئی نکال سر کا سچ کے کٹڑے۔“ غلام شاہ نے کہا، ”اور کبیر شاہ ایک طرف بڑھ گیا۔ پھر اس نے ڈیڑھ لاکھ روپے نکال کر غلام شاہ کو دے دیے۔“

”ی رکن لوگوں نے سنوریاں اور پانچ کو دئی رہے تو ہار مانت رہے بھائی مالک ہمارا محنت مجوری سے جو کچھ دئی رہے اوہا رے لے گا بھی ہے۔ اسی تو سنبھال بھائی جو خیرتی مری ہو کر ہم اس جہیں پر رہت رہیں۔ اس کام پر بہت کرج ہے جو ورہا سکے گا کریں گے بھائی بس۔“

”آپ بہت بڑے انسان ہیں غلام شاہ صاحب جانتے ہیں وہ شخص کون تھا جو ہمارے ملک کا ایک اہم راز لے کر فرار ہو رہا تھا۔ وہ ایک غیر ملکی جاسوس تھا علیٰ خطا نہیں جانتے تھے کہ یہ معاملہ اتنا بڑا ہے اگر آپ وطن دوستی کا ثبوت نہ دیتے تو ہمیں بہت بڑے نقصان سے دوچار ہونا پڑتا۔ اس رقم سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے یہ آپ رکھیں اور میری رائے ہے کہ آپ اس بڑی شخصیت کی دعوت قبول کریں۔ بڑے فائدے ہوں گے آپ کو۔“

”دیکھ رے بھائی اوسا دے، تو ہار باتیں سن کر ہمار پیٹ سر کھراب ہوئی جانت رہے، اور اہم تو مالک کا کہنا رہن بات کھتم ہوئی مٹی ہمارا جان چھوڑ۔“

دو کی چار چھ کا حساب ہمارا آت۔ تے نے جو کہ ہم کرت رہیں۔ اسی پیسہ ہمار لئے حرام رہے تو اسے لے جا اور پھر بس ہمیں ہمار کام کرنا دے تیری مہربانی ہوگی بھائی۔“

”لیکن غلام شاہ صاحب آپ۔“ خان ارشاد نے کچھ کہنا چاہا لیکن دوسرے افسر نے اسے روک دیا اور خود بولا۔

”جیسے آپ کی مرضی شاہ صاحب، آپ نے حکومت کی مدد کی ہے ہمیں بھی کوئی کام بتائیے۔“

”نئے کچھو کا مکے کا آوی معلوم ہوئی رہے تو ہمیں جبرور بتائی رہے یا کی تو ہاں مہربانی رہے۔“

”حکومت تمہارے لئے ایک سرٹیفکیٹ جاری کرے گی جس کے تحت پورے ملک میں تمہیں کوئی وقت پیش آئے گی تو حکومت تمہاری مدد کرے گی۔“

”عمری مہربانی بھائی۔“ غلام شاہ پیراری سے بولا، بمشکل تمام افسردہ ہیں مجھے تھے۔

”ارے بھائی اکبر! کوئی سرٹیفکیٹ بھیجیل لے کر بھیج دے میرا سسر ہمارے کچھو پڑا گھمائی گئے رہے بھائی۔ بہت ہاتھ کر رہے ہیں۔ مے کچھو پڑا پچک جاتی رہے۔“ غلام شاہ نے گہری گہری سانس پیتے ہوئے کہا۔

سرکس کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ ہر شو پیک جا رہا تھا۔ سارے کام معمول کے مطابق ہو رہے تھے۔ زیادہ تر ایڈوائس بنگلہ ہو جاتی تھی۔ چھوٹے ٹکٹ بھی ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو جاتے تھے۔ اس دن بھی ایسا ہی ہو تھا۔ خوبصورت خدو خال داے چھریرے بدن کے نوجوان نے کہا۔

”کوئی بھی ٹکٹ، اسی شو کا۔“

”ممکن نہیں صاحب۔“

”ہشت، وہی کا کوئی بھی کام ناممکن نہیں ہوتا۔ مجھے یہ شواہد کھتا ہے۔“ نوجوان برا ساتھ ہٹا کر بولا۔

”کیسے دیکھیں گے صاحب؟“

”معلوم کرنا چاہتے ہو اٹھو آؤ میرے ساتھ بس ایک منٹ کے لئے دیکھو یہ پنڈال میں جانے کا راستہ ہے۔ اگر گیت پر کھڑا ہوا شخص مجھے خبر دے گا۔“

”سے روکے کا تو میں یوں کروں گا۔ مسٹر ان سے پوچھو یہ کیا کہتے ہیں۔“ اس نے گیت کپڑے کو ٹاٹا کپڑے پر قدم آگے بڑھ کر بنگلہ کلرک کے پاس آگیا۔ نوجوان خاموشی سے مدد رہ گیا تھا۔

”کیا بات ہے۔“ گیت کپڑے نے ساتھی بنگلہ کلرک سے پوچھا۔

”تم نے اپنی جگہ کیوں چھوڑ دی۔ وہ چار سو ہیں ہے۔ ہاں نکالا اسے۔“ بنگلہ کلرک نے کہا، اور گیت کپڑے مدد پکا۔ تیس لوگ ابھی اپنی اپنی سیٹیں تلاش کر رہے تھے۔ پنڈال میں افراد فری تھی کسی ایک آدمی کو تلاش کرنا ممکن نہیں تھا۔ گیت کپڑے پریشانی سے گردن اٹھا کھانڈ دیکھنے لگا۔ نوجوان کا پیٹا جیسے ہر لکھل سا منہ کے جیسے میں لوگوں سے ٹکٹ لے کر انہیں دن کی سیٹوں پر بٹھا رہا تھا۔

”یہ آپ کا نمبر نہیں ہے آپ ادھر آئیے۔“ دوسرے آدمی کو لے کر وہ تیسری جگہ پہنچا اور یہاں بھی اس نے اپنی حرکت دہرائی اس طرح اس نے کئی

سینوں کی رد و بدل کی اور آخری آدمی سے کلٹ لے کر آگے بڑھ گیا۔ جس شخص کو اس نے راستے میں روک کر اس سے کلٹ، لٹا تھا وہ اپنی سیٹ کی تلاش میں نظریں دوڑانے لگا۔ پھر پتا تو نوجوان عائب تھا۔ وہ پریشانی سے ادھر ادھر دیکھنے لگا جب کہ نوجوان نے اپنے پاس موجود نمبر کی سیٹ تلاش کی اور اطمینان سے اس پر جا کر بیٹھ گیا۔ اس شخص کا کلٹ عائب ہو تھا اس سے چارے کو اپنی سیٹ کا نمبر بھی نہیں معلوم تھا۔ ختمین کو بتاتا پھر رہا تھا کہ انہی میں سے ایک نے اس کا کلٹ لیا تھا۔ در پھر نہ جانے کہاں عائب ہو گیا۔ در تک افراتفری رہی پھر نہ جانے اس شخص کا کیا ہوا نوجوان شخص اطمینان سے ایک عمدہ جگہ بیٹھا سامنے دیکھ رہا تھا۔

شو کا آغاز ہو گیا اور پنڈال میں خاموشی چھ گئی۔ نوجوان کے قریب ایک ادھیر عمر شخص بیٹھا ہوا تھا۔ نوجوان نے جھک کر اس سے کہا۔
 ”اس سے پہلے آپ نے یہ سرکس دیکھا ہے؟“
 ”نہیں۔“

”میں نے بھی نہیں دیکھا کوئی بات نہیں۔“ وہ پھر سامنے متوجہ ہو گیا۔ ادھیر عمر شخص نے عجب سے نظروں سے نوجوان کو دیکھا تھا۔ سرکس میں گھوڑوں کے کرتب پیش کئے جا رہے تھے۔ نوجوان غنڈی سائس لے کر بولا۔ ”انسان ظالم ہے آپ کا کیا حیا ہے اس بارے میں۔“ مخاطب اپنی ادھیر عمر شخص تھا۔

”جی“ اس نے عجیبی نظروں سے نوجوان کو دیکھا۔
 ”ندوئی کو شارق زماں کہتے ہیں۔“ نوجوان مسکرا کر بولا۔
 ”بہتر ہے میرے دکن کوئی خدمت۔“ ادھیر عمر شخص طنز یہ بولا۔
 ”عرض کر رہا تھا کہ انسان ظالم ہے۔“
 ”کیوں؟“

”یہ جانور، جس کی سرشت کچھ اور ہے انسان کے ظلم کا شکار ہو کر اپنی فطرت کے خلاف عمل کر رہے ہیں۔ پچھلے میدانوں میں پر خاں راستوں پر زقندیں بھرنے والے یہ سرکش جانور انسان کی گرفت میں آ کر کس طرح بے بس ہو گئے ہیں اور اس کے عوض انہیں کیا ملتا ہے۔ صرف خوراک، جو ہر دی روح کا ارنی مسئلہ ہے۔“

”جی ہاں درست ہے!“ ادھیر عمر شخص جے کئے لہجے میں بولا۔ اور پہلو بدل کر اپنے ساتھ بیٹھی عورت کو دیکھنے لگا۔

”اس فطرت کا آثار کہاں سے ہوا؟“ تو جو ن پھر بولا۔

”آپ فلاسٹر ہیں۔“ ادھیز عمر شخص نے پوچھا۔

”جی نہیں۔ کنڈیکٹر ہوں۔“

”کیا مطلب؟“ ادھیز عمر شخص بولا۔

”پیشے کے اعتبار سے کنڈیکٹر ہوں۔ کوئی اعتراض ہے آپ کو۔“

”جی نہیں۔“ ادھیز عمر شخص جھٹکے دار آواز میں بولا۔ تو جو ن خاموش ہو کر سامنے دیکھنے لگا۔ گھوڑوں کے بعد گلیاں، چھالنے کا کمال پیش کیا گیا اور کافی

دیر پر سکون گزر گئی۔ پھر شیریں کورنگ میں لایا گیا اور نو جوان غزوہ لکچے میں بولا۔

”کسی زمانے میں یہ شیر ہوں گے۔“

”اب کیا لگ رہے ہیں آپ کو۔“

”بے بس، حتم رسید۔“

”وہ اس کے بارے میں کیا خیال ہے جو ان کے دانتوں میں اپنی گردن پھسا رہا ہے۔“

”وہ اپنی برتری کا اعتراف کر رہا ہے۔“ تو جو ن نے جواب دیا اور ادھیز عمر شخص برا سا مدہ بنا کر خاموش ہو گیا۔ ایک کے بعد دوسرا آٹم پیش کیا گیا

اور نو جوان خاموش بیٹھا رہا۔ پھر ادھیز عمر شخص کی بھی شامت آئی اور اس نے خود نو جوان کو مخاطب کیا۔

”آپ بالکل خاموش ہو گئے جناب۔ اب لوگوں کے بارے میں کیا خیال ہے جو ان کمالات کو پیش کرتے ہوئے زندگی کی ہاڑی لگا رہے ہیں۔ اس کا

مسئلہ کیا ہے۔ لباس اور روٹی یا کچھ اور؟“

”اس لڑکی کے بارے میں کیا خیال ہے۔“ تو جو ن نے سرسرااتے ہوئے سچے میں کہا۔ سو نیا اس وقت جھوٹے پر پناہ لے کر رہی تھی۔

”خود دیکھو۔ وہ عورت ہے لیکن کس قدر نظر کس قدر دلیر۔“

”وہ کس قدر حسین۔ آپ نے انور کی کیا کاس دیکھی ہے؟“

”نہیں۔“

”یونان کی ساجیکی۔“

”وہ بھی نہیں!“

”وہ پتھروں کے نقوش میں اہل کرحس کی دیویاں بنی ہیں کسی سنگتراش کے قتل نے نہیں صن بنشا ہے لیکن یہ۔“ فوجوں بچہ کھو یا کھویا تھا۔
”عاشق ہو گئے اس پر۔“ ادھیز عمر شخص نے کہا۔

”ہاں!“

”تو پھر خود بھی سرکس میں شامل ہو جاؤ۔“ ادھیز عمر شخص نے ہنس کر کہا اور فوجوں چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے بڑی عقیدت سے ادھیز عمر شخص کا ایک ہاتھ پکڑا اور چوم کر آنکھوں سے لگایا اور ادھیز عمر شخص نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ ٹھسٹ لیا۔ ”بہت زیادہ بے تکلف ہوئے کی کوشش کر رہے ہو۔“
”آپ نے ایک اہم ترین مسئلے کا حل اتنی آسانی سے پیش کر دیا کہ آپ سے عقیدت ہو گئی۔ آہ کاش یہ ممکن ہو جائے۔“ فوجوں حسرت بھرے لہجے میں بولا اور پھر اس نے ادھیز عمر شخص کے قریب پہنچی ہوئی عورت کو دیکھتے ہوئے راز رازی سے پوچھا۔ ”مسز ہیں؟“
”جی ہاں اور آپ سے عاجز ہیں۔“

”مسز آپ کی ہیں اور عاجز مجھ سے ہیں۔“ فوجوں حیرت سے بولا۔

”ہاں کئی بار کہہ چکی ہیں کہ یہ کون ہے جو مسلسل کال کرائے جا رہا ہے۔“ ادھیز عمر شخص نے کہا۔

”مگر وہ تو سکون سے سرکس دیکھ رہی ہیں۔ ویسے محترم آپ کی کو میرج ہے؟“

”کیا یہ سواں بدتمیزی کی حد میں نہیں داخل ہو جاتا؟“

”میری مجبوری سمجھ کر نظر انداز کر دیں۔ آپ کو علم ہے کہ اچانک مجھے عشق ہو گیا ہے۔ ایسے حالات میں کسی تجربہ کار شخص کی رہنمائی مشعل راہ ہوتی ہے جو

مجھے آپ سے مطمئن ہو جائے ویسے معاف کیجئے گا آپ کے کوٹ کے فالر میں یہ خوبصورت گلاب کا پھول آپ کی مسز نے ہی لگایا ہوگا۔“

”بھائی میں سے ٹکٹ کی رقم خرچ کی ہے مجھے شوق کینے دو۔“ ادھیز عمر شخص نے کہا۔

”کسی کے کام آنا ثواب ہوتا ہے پس چند ضروری سوالات کروں گا اس کے بعد خاموش ہو جاؤں گا۔“

”جی فرمائیے؟“

”آپ نے لومہرج کی ہے؟“

”جی نہیں والدہ یں بے لڑکی پسند کی اور ہم نے سر جھکا دیا۔ ہمارے دور کے نوجوان ان تقویات سے دور ہوتے تھے۔“
”کیا مطلب۔“

”مجھوں انہیں سونوے میں پیدا ہوئے تھے۔ فریاد کی کہانی شاید ایسے موٹھکھری ہے، مسٹر۔ فوج، محترم بیوں، آنجنابی رویہ کون سے س کی کہانی سناتے ہیں۔“

”یہ سب افسانے ہیں۔“ ادھیز عمر شخص نے کہا۔

”اور افسانہ تو میں اس دور کے لوگ ہیں۔“

”اور کوئی سوال باقی رہ گیا ہے؟“ ادھیز عمر شخص نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

”جی ہاں!“

”وہ بھی کرو۔“

”اس عشق کو آگے بڑھانے کے سلسلے میں مجھے کیا کرنا چاہئے؟ اور کیا میں اس تکمیل کے اختتام پر اسے ایک پھول بیٹس کر دوں؟“

”ضرور کر دو اور خدا کے سنے میری جان بخشی کر دو۔“ ادھیز عمر شخص نے کہا اور نوجوان ایک غصہ کی سانس سے کر خاموش ہو گیا۔ سونیا جھولے پر بہترین کمالات پیش کر رہی تھی اور لوگ بے اختیار تالیاں بجا رہے تھے۔ پھر وہ جھولے سے اتر آئی اور میز پر رک کے جھم کے ہونے لگے۔ سونیا داد وصول کر کے سرخم کر رہی تھی کہ نوجوان بیٹوں کے بچے سے گزرتا اس کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے گلاب کا ایک خوبصورت پھول سونیا کو پیش کر دے ہوئے کہا۔

”حسن اور وہ بھی اس کمال کا، اگر دوسرے انوکھے کمالات کا بھی حامل ہو تو اسے کیا کہیں گے۔“

”جی!“ سونیا نے حیرت سے کہا۔

”گلاب کے پھول سے زیادہ خوبصورت پھول کو پھول بیٹس کرنا کچھ عجیب ہے لیکن اسے ایک غریب کی عقیدت سمجھ کر قبول کر لیں۔“

”فکریہ“ سونیا نے پھول لے لیا۔

”دوسری ملاقات اس سرکس سے ہر کرنا چاہتا ہوں۔ جگہ بتائیے۔“ نوجوان بولا اور سونیا پریشان ہو گئی اسی وقت رؤف جان آگے بڑھ آیا۔

”کیا بات ہے؟“

”عقیدت کا پھول بیٹ کر رہا تھا۔ آپ کا سر کس بہت عمدہ ہے میں خود جگہ بھی تلاش کر لوں گا۔“ آخری الفاظ اس نے سونی سے کہے تھے اور پھر وہ پیسٹ کر اپنی سیٹ کی طرف آیا۔ ادھیز عمر آدمی کرخت لگا ہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ نوجوان اسے دیکھ کر ہنسرت ہلچے میں بولا۔

”آغا زعمہ ہوا ہے۔ اس نے پھول قبول کر لیا آپ کا کیا خیال ہے۔“

”تم مجھے چار سو میں معلوم ہوتے ہو، میں کہتا ہوں کہ تم نے میرے کوٹ سے پھول کیوں نکالا۔“ ادھیز عمر شخص نے آنکھیں نکالتے ہوئے کہا۔

”آپ کے خیال میں یہاں گلز رکھا ہوا ہے کہ میں کہیں سے بھی پھول توڑ لیں۔ عجیب کجیوں انسان ہیں آپ، ایک پھول کے لئے اس قدر ناراض ہو رہے ہیں۔ اس کے عوض میں آپ کو آپ کے گھر تک چھوڑ دوں گا فکر نہ کریں۔“ نوجوان نے کہا۔ اس کے لفظ شاید ادھیز عمر شخص کے لئے باعث طہ نیت تھے اس نے خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔

شو چاری رہا اور پھر اس کا آخری آنکھ پٹی کر کے کھانہ کا اعلان کر دیا گیا۔ لوگ سیٹوں سے اٹھ گئے۔ ادھیز عمر شخص نوجوان کے ساتھ ہی باہر نکلا۔

نوجوان کی اس پیشکش کے بعد اس کے انداز میں نرمی اور توازن پیدا ہو گیا تھا۔ دونوں میاں بیوی بھینڑ سے گزر رہے ہوئے باہر نکل آئے ادھیز عمر شخص نے نوجوان سے کہا۔

”آپ نے جناب عاشق صاحب آپ نے ہمیں گھر تک چھوڑنے کا وعدہ کیا تھا۔ آپ نے راستے میں آپ کو عشق کے کچھ کر سمجھا دیئے چاہیں دیکھیں سر کس میں کام کرنے والے کوئی حینہ مشکل ہی سے آپ کے عشق کا جواب دے سکتی ہے۔“

”کیوں؟“

”وہ چونکہ بچپن ہی سے سخت اور بے خوف مشقت کر کے نازک احساسات سے دور رہی ہے اس لئے اس کے دس میں محبت کا گداز چاہنا مشکل ہے۔“

”مجھے اس سے اختلاف ہے۔“ نوجوان بولا۔

”کیوں؟“

”کہا جاتا ہے چہرے دل کا آئینہ ہوتے ہیں وہ دل گداز اور احساسات سے دور ہوتی تو اس کے چہرے پر کڑنگی ہوتی جب کہ آپ نے اس کا چہرہ دیکھا ہے؟“

”ہاں دیکھ تو تھا۔“

”اس خوبصورت چہرے کی مناسبت سے اس کا دل بھی مدغم ہوگا مجھے یقین ہے۔“

”اے کس چکر میں پڑ گئے تم۔ اس عمر میں ایسی باتیں کرتے ہوئے شرم نہیں آ رہی۔“ ادھیڑ عمر شخص کے ساتھ چلنے والی خاتون کو محترم کی یہ دلچسپی نامکوار گزر رہی تھی۔

”مجھنے کی کوشش کرو۔ وہ پورے شو کے دوران میرے کانا کھا تا رہا ہے نئی نسل کا در بھینک نو جوان ہے۔ اب وہ اپنی گاڑی میں ہمیں ہمارے گھر چھوڑے گا پیسوں کی بھی بچت ہوگی۔ اور وقت کی بھی۔ اس وقت سواری والے بھی منہ کھول کر پیسے مانگیں گے۔“ صاحب نے سرگوشی میں نیکم صلحہ سے کہا اور وہ خاموش ہو گئیں۔

”ہاں میاں صاحبزادے، کہاں ہے تمہاری گاڑی، عائنہ اس طرف کھڑی ہوئی ہے۔“

”گاڑی؟“ نو جوان منہ چڑ کر بولا۔

”دور ہے کیا؟“

”ٹھیک بہت دور، بہت ہی دور، مجھ تک کب پہنچے گی مجھے معلوم نہیں۔“

”کب کیا مطلب؟“

”میں نے ابھی خریدی ہی نہیں۔“ نو جوان بولا اور ادھیڑ عمر شخص رک گیا۔

”تو پھر تم ہمیں گھر کیسے چھوڑ دے گے؟“

”خراہاں، خراہاں، گفتگو کرتے ہوئے۔“ نو جوان نے جواب دیا۔

اور بزرگ آپے سے باہر ہو گئے۔

”اب شرم نہیں آتی لہنگے کہیں کے، انھوں نے چاہیرے سامنے سے ورنہ، اچھا نہ ہوگا۔ بچوں تیرے باپ کا تھا کیا۔ محبوبہ کو تھکائش کر دیا۔ چلا جاسم انڈر کی ورنہ ورنہ پولیس کو بلا لوں گا۔!“

”بہتر ہے آپ جانے پر اصرار کر رہے ہیں تو خدا حافظ، اچھا چچی جان خدا حافظ نہ جانے آپ نے اتنی زندگی ایسے خود غرض اور کنجوس شخص کے ساتھ کیسے گزار دی۔“ نو جوان نے کہا۔ ورنہ بزرگ کو کوٹ کے جن کھولتے دیکھ کر جلدی سے کھٹک کر بھیل میں گم ہو گیا۔

سرکس کی دنیا زندگی سے بھرپور تھی۔ منت مانتے ہنگامے منت بنایا، حوالہ یاد دہانی یاد دہانے ہر لمحہ موت سے بچ گئی، ہر شام موت کے ساتھ سفر، کبھی زندگی کو یکسانیت کا شکار نہ ہونے دیتا تھا۔ صبح ہوتی مشقیں شروع ہو جاتیں تھے نئے آکٹم بنائے جاتے۔ پہلے کانڈی کارروائی ہوتی اسکرپٹ لکھے جاتے پھر دیکاروں کا سلیکشن، صبح دوکوں کا انتخاب اس کے بعد مشق اور آکٹم کی کامیابی کی کوشش اور کامیابی کے بعد خوشی، کسی تبدیلی کی ضرورت ہی نہیں محسوس ہوتی تھی۔ سودو چھپن سے اسی حوالہ کو دیکھ رہی تھی یہ سب کچھ اس کے ضمیر میں رچا ہوا تھا۔ غلام شاہ نے حقیقتاً اس سرکس کو ایک الگ دنیا کا حوالہ دے دیا تھا۔ یہاں شادیوں بھی ہوتی تھیں بچے بھی ہوتے تھے۔ موقع بھی ہوتی تھیں، خوشی اور غم کا ہر احساس یہاں موجود تھا اس کے ساتھ غلام شاہ کی محبت تھی، غمگین رہی تھی، سرکس کے کتے سے بھی اسے پیار تھا، در سب غلام شاہ کی ان حمایتوں کو جانتے تھے۔ سب اس بزرگ سے پیار کرتے تھے جو منارہ محبت تھا۔

وہ جگہ جگہ جاتے تھے، نئے نئے شہر مانتے نئے لوگ، بعض جگہ نہیں خطرناک حادثات کا سامنا بھی کرنا پڑا تھا۔ کچھ لوگ دشمن بھی بنے تھے مگر غلام شاہ کی فراست نے ہر مرحلے سے خواہ کو گزاردیا تھا۔ ایک شہر میں سرکس کے دو افراد نے ایک خوفناک ڈاکے کو ناکام بنایا تھا۔ ڈاکو نوٹ مار کر بچے تھے لیکن سرکس والوں نے انہیں لوٹے ہوئے ماں کے ساتھ فرار نہ ہونے دیا تھا۔ اور اس طرح کرجوں سے گھیر تھا کہ ڈاکو پاگل ہو گئے تھے۔ ڈاکوؤں کے سرخسہ پھرانے کہا تھا۔

”آج تو نے میرا راستہ رد کا ہے غلام شاہ، یاد رکھنا بطیر، کی دشمنی تھی بہت مہنگی پڑے گی۔ میری سزا ضرور ختم ہو جائے گی، اور جیل سے نکل کر میرا پہلا قدم حیرتی موت ہو گا۔ میں تجھے تلاش کروں گا غلام شاہ، میں تجھے ضرور تلاش کروں گا۔“

”ارے تو ہمیں تے کون سا نیک کام کرت رہا ہے ہمارے دشمنی کا ہے میرا ہم نے تو ایک نیک کام کرنے کے لئے تو کا بکڑا ہے ہا کی تیری مرضی۔“ پرانی بات تھی سب بھول گئے تھے مگر سوہ کو بطیر کی بھیا نیک صورت یاد تھی۔ بہت واقعات یاد تھے اور اکثر وہ ان سوچوں میں گم ہو جاتی تھی۔ ایک بار ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا تھا۔ ایک چھوٹے سے قصبے کے ایک ریجنس ڈاڑھے کو سوہ پند آگئی تھی اور انہوں نے سوہ کو اغوا کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ مگر سرکس کے کتوں نے یہ منصوبہ ناکام بنا دیا اور جو لوگ سوہ کو اغوا کرنے آئے تھے وہ صرف کپڑے چھینڑوں کی شکل میں ملے گئے تھے بلکہ چودہ چودہ انجکشنوں کی پیاری بھی ساتھ لے گئے تھے۔ بعد میں غلام شاہ نے ریجنس ڈاڑھے کے باپ سے کہا تھا۔

”رے بھائی نواب صاحب سسرالہ پیدا کر بیٹائی کام نہ رہے انہیں چھی تربیت بھی جردری رہے۔ اکی سر توہار نام کھوب روہن کرے ارے ای کا ہسپتال سے لا کر کچھ سکھائی پڑھائی بھی دو۔“ نواب شریف آدمی تھے شرمندہ ہوئے اور معافی بھی مانگی۔

ہاتھ آئی گئی ہو گئی، خود سونپا کے دل میں بھی کوئی احساس نہ جاگا تھا اس کی نگاہیں اب تک کسی پر نہ تکی تھیں۔ لیکن آج کچھ عجیب ہو گیا تھا۔ سرکس میں پہننے والے ہاس سنبھا لیتے ہوئے ایک لباس سے ایک سرخ گلاب کا پھول گر پڑا اور وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ سرخ گلاب میں ایک گلابی چہرہ لٹکا ہوا تھا وہ شریہ آنکھوں نے اس پھول سے باہر جھانکا تھا اور وہ ان آنکھوں کو دیکھتی رہ گئی تھی۔ تب گلاب کی پتلا لہر رہنے لگیں۔

”حسن اور اس کماں کا، اگر دوسرے انوکھے کمالات کا بھی حامل ہوتا اسے کیا کہیں گے۔ سونپا کو وہ چہرہ صاف نظر آ رہا تھا۔ سرخ و سفید رنگ چمکے نقوش، شرارت سے مسکراتا ہوا یہ پہلا چہرہ تھا جو اسے یاد رہا تھا اور نہ

اس کے کمالات کے بے شمار معترف اسے داد دے چکے تھے۔ وہ ان کا شکر یہ ادا کرتی اور انہیں بھول جاتی لیکن یہ چہرہ۔۔۔ ابھر اس نے اپنی زندگی میں پہلا خواب دیکھا۔ اس سے پہلے اس نے کبھی خوب نہ دیکھا تھا۔ اس خوب میں اس نے اسے دیکھا۔

”گلاب کے پھول سے زیادہ خوبصورت پھول کو پھول پیش کرنا عجیب لگتا ہے لیکن اسے ایک غریب کی عقیدت سمجھ کر قبول کریں۔“

”تم کون ہے؟“ اس نے پوچھا۔

”پجاری؟“

”ہندو ہو؟“

”نہیں؟“

”پھر پجاری کیسے ہو گئے؟“

”پتھر کی مورچیاں نہیں پڑ جاتا ایک پتھر جس کا پرستار بن گیا ہوں کیا کروں مجبوری ہے۔“

”کیا مجبوری ہے۔“

”دوسری ملاقات سرکس سے باہر کرنا چاہتا ہوں۔ جگہ بتائیے۔“ اس وقت عقب سے سونا آتشی نے سونڈ آگے بڑھائی اور اسے کمرے کچڑ کراٹھا دیا۔

”نا نا سونا نا چھوڑ دے اسے۔“ وہ جلدی سے بولی اور اپنی آواز سے ہی اس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ حیران رہ گئی خواب؟ نہ جانے کب دوبارہ بینڈ آئی تھی۔

مگر وہ سری صبح معمول کے مطابق تھی۔ اب اسے کچھ یاد نہ تھا۔ سرکس کے وسیع و عریض ٹیٹ کے نیچے زندگی کا آغاز معمول کے مطابق ہوا تھا شاہ وکیل جیسے پر موجود تھا۔ پھر سونپا غلام شاہ سے ہاتھ کر رہی تھی کہ وزیر خان اور نواز علی آ گئے۔ غلام شاہ انہیں دیکھ کر چونک پڑا تھا۔

”رے آؤ آؤ، بڑی جلدی آگئے تم۔۔۔؟“

”نکسل معصومات حاصل ہوئی نہیں شینا۔“

”بہوت بڑھیا، بہوت بڑھیا کہو کا کہانی رہے تیا نگر کی؟“

”ٹھا کروں کی جتنی میں حکومت کا اخل نہیں ہے۔ بیادنی پرے ان کا رنج ہے بیادنی تیز رفتاری رہی ہے جس پر پل نہیں ہے کچھ گھاٹ اتار دیں اور دوسری طرف رہنے والے ہی ان کے ہار سے مل جاتے ہیں۔ یہ ندی سرحد کا کام دیتی ہے اور اس طرف رہنے والے اس ٹھا کروں کی اجازت کے بغیر عبور نہیں کرتے۔“

”بڑھیا بہوت بڑھیا سر مکھی ٹھیک ہی کہتی رہی ارے ادا کبرا کا رائے ہے تیری۔“

”چلیں گے شینا تیرے نگر بھی ضرور دیکھیں گے۔“

”ور کا معلوم ہوئی رہے وجیر کھان۔“

”بیادنی پرے تین ٹھا کر مشہور ہیں ٹھا کر راون سنگھ، ٹھا کر پتل سنگھ اور ٹھا کر جگت سنگھ۔ راون اور پتل سو تیرے بیانی ہیں اور دونوں میں چلتی ہے۔ جگت سنگھ کا بچا ہے۔ اس کی چھانگا ہیں الگ اور دو سچ ہیں۔ آبا دیوں بڑی ہیں اور میلے ٹھیکے ہوتے رہتے ہیں مگر اجازت کے ساتھ۔“

”سر مکھی رائے ہی کہتی رہے ٹھیک ہے ارے مائی تو بتائی دے ہے بیانی کہ تم لوگ انے بیادنی پار کرت رہی کا۔“

”نا شینا ارنی طرف سے ہی سب معلوم ہو گیا۔“

”چلو ٹھیک رہے کام تو ہوئی گوا؟ جاؤ مستانے لیو۔“ غلام شاہ نے کہا اور دونوں چلے گئے غلام شاہ پھر اپنے کاموں میں مصروف ہو گیا تھا اکبر شاہ نے سونپا سے کہا۔

”تیا نگر میں ملے تو پہلے ہوئے ہیں سوئی مگر شینا نے ادھر کا رخ بھی نہیں کیا۔ اس بار سے کیا سوچھی ہے۔“

”تم نہیں جانتے اکبر بھیا۔“

”کوئی حاص بات ہے۔۔۔؟“ اکبر شاہ نے چوبک کر پوچھا۔

”میرا بچی خیال ہے۔ پچھلے لوں جب ہم جوں پر میں تھے تو اخباروں میں ایک خبر چھپی تھی۔“

”کیا؟“

”ڈاکو بھر اچھل سے چھوٹ گیا ہے اسے تیا عمر میں دیکھا ہے کیونکہ وہ بھی تھا کر ہے۔“

”اوہ تو۔۔۔ لیکن شیخا دھر کیوں جا رہا ہے۔“

”شیخا کو نہیں جانتے تھ۔۔۔ وہ بہت ٹھنڈے حراج کا ہے مگر پھر اسے اسے پہنچ کیا تھا اس کے بعد سے آج تک اس نے پھر اکا نام نہیں یا مگر وہ اس کے دس میں ضرور ہوگا۔ یہ شیخا کی فطرت ہے۔“

”تم عجیب کہہ رہی ہو۔ اس کا مطلب ہے نیا مگر کی طرف ہمارا رخ بہت خطرناک ہوگا۔ مگر شیخا، اسے باز نہیں رکھا جاسکتا۔“ اکبر شاہ کسی سوچ میں گم ہو گیا تھا۔۔۔!



سویا نے بادل ناخواست پھول اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ وہ اپنا آنکھ میں کر کے تھ شایوں سے خراج قمیص وصول کر رہی تھی کہ وہ چا تک کودتا پھلا نکلا۔ تنگ میں داخل ہو گیا اور اس نے ایک سرخ گلاب اسے پیش کر دیا۔

”یہ گلاب اپنے حس پر ناراض ہوتے ہیں، میں انہیں تمہارے ہاتھ میں دے کر بے حقیقت کر دیتا ہوں اور بتاتا ہوں کہ دیکھو حسن کیا ہوتا ہے ان کے رنگ کتنے چمکے پڑ جاتے ہیں تمہارے ہاتھ میں آ کر۔“ اس نے ایک پر مسکراہٹ سے کہا۔

رؤف پاشا آگے بڑھ کر بولا۔ ”آپ کا شکریہ جناب ونا روں کو صرف اپنی تالیوں سے داد دیا کریں رنگ میں آنے کی اجازت نہیں ہے۔“ اس نے عجیب سی نظروں سے رؤف پاشا کو دیکھا اور مسکراتا ہوا رنگ سے جاہر گیا۔ سوچا اس رات بھی بے سکون ہوئی تھی لیکن آج رات اس نے کوئی خواب نہ دیکھا بلکہ وہ رؤف پاشا سے متعلق ہو گئی تھی۔ ایسی فضول باتوں کے لئے ہمارے پاس وقت کہاں۔ اس نے یہ کہہ کر خود کو سمجھ لیا تھا لیکن تیسرے دن بھی وہی ہوا۔ وہ اچانک ہی نمودار ہو تھا اور خاموشی سے پھول دے کر چلا گیا۔ اس آنکھ میں رؤف پاشا اس کے ساتھ تھا۔ آج رؤف پاشا نے ناگو، رنگروں سے اسے دیکھا تھا اور پھر بعد میں سوچا سے چوچھا۔

”یہ پھول دینے والا تو خواب کون ہے۔“

”گتہ تو آدلی ہی ہے۔“ وہ طنز یہ انداز میں بولی۔

”میر مطلب ہے کہ اکہ وہ۔ یعنی پھول۔“ رؤف پاشا گھبرا گیا۔

”بیوش میں رہا کرو۔“ سوچا نے سرد لہجے میں کہا اور رؤف پاشا شرمندہ ہو گیا۔ وہ شاید سوچا سے یہ پوچھنا چاہتا تھا کہ کہیں اس کا یہ عمل سونپا کی

جاؤت سے تو نہیں ہے۔ البتہ سویا کا کھار ہمارا فکری دوسرے دن بھی اسے یاد رہا اور آنکھ کے درمیان ہی اس کی نگاہ اسی نوجوان پر چمک گئی جو سامنے کی رو میں بیٹھ ہو تھا۔ رؤف پاشا ہوشیار ہو گیا۔ آنکھ جاری رہا، در پھر ختم ہو گیا۔ رؤف پاشا سو گیا سے پہلے نیچے اتر آیا اور اس نے دو آدمیوں کو ہدایت دے دی۔ نوجوان حسب معمول پھول ہاتھ میں لے کر رنگ کی طرف بڑھا لیکن دو آدمیوں نے اسے راستے میں ہی پکڑ لیا۔

”آپ کو پہلے دن منع کیا گیا تھا کہ دنیا روس کو صرف تالیوں سے داد دیا کریں رنگ میں آنا منع ہے۔“

”اوہ امانی چاہتا ہوں۔“ نوجوان نے شرمندہ لہجے میں کہا اور اس کے انداز سے اسے پکڑنے والے نرم پڑ گئے۔ انہوں نے نوجوان کے ہار و چھوڑ دیئے لیکن ان کے گمان میں بھی نہ تھا کہ ان کے ہاتھوں سے چھوٹے ہی وہ دوبارہ رنگ میں جا گھسے گا۔ اس نے یہی کیا تھا اور وہ منہ دیکھتے رہ گئے تھے لیکن کوئی ہڑ بولنگ بھی نہ کر سکتے تھے شوخراپ ہو جاتا۔ اس نے پھول سوئی کو پیش کرتے ہوئے کہا۔

”ظالم ساج سے دنیا کا کوئی گوشہ خان نہیں ہے لیکن ہم بھی محبت کے متوالے ہیں ہار نہ آئیں گے۔ یہ پھول اس وقت تک آپ پر غار ہوتے رہیں گے جب تک آپ انہیں اپنے دل میں نہ سہالیں۔ قبول فرمائیے۔“ اس نے پھول آگے بڑھا دیا۔ البتہ سوئی نے ہاتھ آگے نہ بڑھایا۔ رؤف پاشا کے متعین کردہ دونوں آدمی البتہ رنگ میں آگئے تھے درمی طرف بڑھ رہے تھے۔ اس نے پھول سوئی کے پیروں میں رکھا اور دوسری طرف سے باہر نکل گیا۔

”پاگل مظلوم ہوتا ہے۔ چاہئے دو۔“ سوئی نے کہا۔ رؤف پاشا نے کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا۔ البتہ پردے کے پیچھے شیرا کہنے لگی۔

”محبت کا متوا ہے وہ۔“

”ہاں کیا خیال ہے۔“ سوئی مسکرا کر بولی۔

”خوبصورت بھی ہے اور نظر بھی۔“ شیرا نے کہا۔

”تم کو شش کر سکتی ہو۔“

”محبت نفل کہاں ہوتی ہیں سوئی۔ ویسے محبت کی تو ہیں اچھی نہیں ہوتی، پھول لے کر دو۔“

”تنی زور کا تھپڑ ماروں گی کہ رنگ خراب ہو جائے گا۔ سوئی نے چڑ کر کہا اور شیرا ہنسے لگی۔ لیکن سوئی اپنی انکسار کا شکار ہو گئی تھی۔ نوجوان کی جرات سے پریشان کر رہی تھی ورنہ محبت کے لیے بہت سے متوالے آسانی سے سیدھے ہو چکے تھے۔ رات کو دیر تک وہ اس کے بارے میں سوچتی رہی خود اس کے دہش میں کچھ نہ تھا لیکن خواخواہ شینا کے ہاتھوں نقصان اٹھا جانے کا۔ شینا دوسرے قسم کا آدمی تھا۔ سمجھ جائے تو چھاپے ورنہ پھر شینا جانے اور وہ

لیکن اسے کیسے سمجھایا جائے۔ اس کی کوئی ترکیب خود اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ سرکس کا میا ب چار ہفتہ روزانہ شغل ہو جاتا تھا۔ رمضان و دوائے
 جھویر پیش کی۔

”سرکس کے دو شو ہو جائیں تو کیا حرج ہے، رش بہت چار ہا ہے۔“

”گا کہے رہے۔ پیٹ بھر روٹی ناٹے کا، ارے او بھائی جی۔ ارے، ای رہائی سرور کو جرا کھل کی پٹائی رہے رہے۔ ای کا نڈ کھائی رو جات ہے دوئی
 سو کریں گے سرور۔“ غلام شاہ نے کہا۔

وہ بے نیازانہ نہ تھا کبھی دو شو نہیں کئے تھے۔ اس نے دولت کو ہمیشہ ٹھکرایا تھا۔ ویسے ایک شو کی آمدنی ہی جتنی ہو جاتی تھی کہ سارے کام بے آسانی چل
 رہے تھے۔ دن کے معمول عام رہے کوئی خاص بات نہ ہوئی تھی شام ہو گئی اور سرکس کی زندگی جاگ اٹھی۔ رات کو سو یا کو سرکس یاد آ گیا اور اس کی
 نظریں بے اختیار پڑاں میں بیٹھے ہوئے لوگوں میں اسے تلاش کرنے لگیں۔ لیکن وہ اسے تلاش نہ کر سکی تھی سو یہ کادل پریشان ضرور تھا۔ نہ جانے
 کیوں بار بار خیال آ رہا تھا کہ وہ آئے گا۔ لیکن وہ جس طرح آیا سو یہاں کے لوگ میں بھی نہ تھا۔

اس کا آئٹم شروع ہونے والا تھا۔ وہ رسی پر چڑھ کر بلند دیا جھوٹے پر پہنچ گئی۔ یہ جھولا سرکس کے تنہو کی چھت کے ساتھ تھا اور اس سے اونچا کوئی
 جھولا نہ تھا۔ دوسری طرف اس سے کافی فاصلے پر چٹک اور منکوجڑ رہے تھے۔ آج رات جلدی کی گئی تھی اور روف پاشا کی جگہ چٹک اور منکوکو رکھا گیا
 تھا۔ اس کی مشق دن میں کرتی گئی تھی۔ سونیا ان دونوں کا سفر ہین دیکھتی رہی اور دونوں ایک دوسرے کو اوپر جانے کے لئے کسار ہے تھے اور ایسی
 حرکتیں کر رہے تھے کہ قماش ٹی ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو رہی تھی۔ دفعہ سو یا کو ”شش شش“ کی ایک آواز سنائی دی اور وہ چھل پڑی۔ آواز بہت
 قریب کی تھی۔ دوسری بار یہ آواز سنائی دی تو اس کی نظریں بے اختیار اوپر اٹھ گئیں اچانک ہی اس کا خون رگوں میں ٹخمد ہو گیا۔ تنہو کے آخری سرے
 پر جہاں اس کے جوڑ تھے ایک چہرے نظر آیا تھا۔ در یہ چہرہ اونچنی تھا۔

”گلابی حسینہ کو گلاب کا پھول قبول ہو۔“ اس کی آواز بھری ناقابل یقین بات تھی صرف نظری دھوکہ یا بہن کی اختراع تنہو کی اس بلندی پر کسی عام
 آدمی کا پہنچ جانا ناممکن تھا۔ مگر یہ نہ نظری دھوکہ نہ ذہنی خرابی۔ اس کا چہرہ نمایاں تھا۔ سونیا کو چکر آنے لگا۔ گلاب کا پھول بڑے صبح بٹانے پر
 جھولے پر آگرا۔

”کھیں اور سنے کی درخواست کی تھی قبول نہ ہوئی۔“ وہ بولا۔

”تم۔ تم۔“ سونیا کے حلق سے مشکل نکلا۔

”تم سے تہائی میں ملنا چاہتا ہوں۔“

”وہاں کیسے پہنچ گئے پاگل۔ مر جاؤ گے۔“

”مر چکا ہوں۔ تم پر۔ کہو تو نیچے کود جاؤں۔“ وہ ہنس کر بولا۔ پھر کہنے لگا۔ ”پھول اٹھا لو ورنہ نیچے کود جاؤں گا۔“

سو نیانے دہشت زدہ انداز میں پھول اٹھایا تھا۔

”سنو۔ تم سے۔ سنو تمہارے نیچے میں آؤں گا۔ تمہارے گلہابی صحن کی قسم محبت کی تمام پاکیزگی کے ساتھ۔ تم مجھ پر ٹک نہ کر دو گی۔“

سو نیانے نیچے دیکھا۔ چٹکو اور منکوری کے ذریعے اوپر آ رہے تھے۔ پھر وہ جھولنے پر آ گئے۔ سو نیانے اوپر دیکھا اس کا چہرہ عجب ہو چکا تھا۔ آدھے نیچے کیسے ترا ہوا۔ ذرا سی نفوذ ہو گئی تو مگر تنے ہوئے تنو پر کہیں دباؤ نہ تھا۔ سو نیا کا دل بند ہوا چارہا تھا۔ چٹکو نے جھولنے پر جھولنا شروع کر دیا۔ اس کی دہشت ناک چیخیں بھر رہی تھیں اور منکو اپنی جگہ خوف سے اچھل رہا تھا۔ یہ آئٹم کا ایک حصہ تھا دو تیار ہو گئی۔ نہ جانے کس طرح اس نے خود کو سنبھال لیا۔ اس کا دل ہی جاتا تھا۔ پھر منکو نے ایک انتہائی خطرناک قدم اٹھایا چٹکو جیسے ہی رسی کے قریب پہنچا اس نے جھولنے کی رسی پکڑ لی اور جھولنے کے ساتھ سو نیانے کی طرف بڑھا۔ چٹکو نے سو نیانے کے جھولے پر چھلانگ لگا دی اور سو نیانے آنے والا جھولا پکڑ لیا۔ لیکن وہ اس کے ساتھ ہی چلی گئی تھی۔ جب کہ چٹکو اس کے تنے پر آ کھڑا ہو گیا۔ منکو بدستور رسی پکڑے لٹکا ہوا تھا۔ سو نیا دوسرے تنے پر چلی گئی اور منکو پھر چٹکو کی طرف آیا۔ چٹکو نے اچھل کر جھولا پکڑا تو منکو تنے پر آ گیا اور چٹکو رسی سے لٹک گیا۔ یہ ایک دہشت ناک آئٹم تھا۔ بوگ خوفزدہ بھی تھے درہنس بھی رہے تھے۔ زمین سے سٹھٹ کی بلندی پر زندگی کا مذاق اڑایا جا رہا تھا۔ مگر اسے پس کا مظاہرہ کرتے ہوئے بلندی پر کرتب دکھائے جا رہے تھے کبھی سو نیا جھولے پر ہوتی تو منکوری پکڑے نیچے میں ہوتا اور کبھی چٹکو اس خطرناک انداز میں جھولنے پر جاتا کہ بوگ چیخ پڑتے۔ سو نیا کو اس سے زیادہ مشکل حالات کا سامنا کبھی نہ کرنا پڑا تھا۔ یہ آئٹم بھی اسی نے تیار کیا تھا بڑا مشکل اور بڑا ٹیکنیکل تھا لیکن اس کم بخت نے توجہ دہشت ناک تھی وہیں کو یکساں رکھنا مشکل ہو رہا تھا۔ اس نے آئٹم کا وقت مختصر کر دیا اور سے ختم کر کے جھولے سے نیچے اترا آئی۔ تالیوں کے شور سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ رؤف پائٹا کے وہن میں شاید اس لوجوان کا خیال تھا اس لئے اس کی نظریں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں۔ لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ ایک سرخ گلاب سو نیا کے ہاں کے گریباں میں پوشیدہ ہے۔

سو نیا کو یک اور آئٹم پیش کرنا تھا لیکن اس نے سردرد کا بیان نہ کر کے اسے ساموئی کے سپرد کر دیا اور خود نیچے میں آ گئی۔ اسے چاروں طرف اس لوجوان کے بھوت نظر آ رہے تھے۔ سرکس کی اب تک کی زندگی میں بہت کچھ ہوا تھا۔ لیکن یہ اس سے مختلف تھا۔ اتنی بلندی پر چڑھ جانا ناممکن بات

تھی، وہ ہے کون۔

ساری رات بے کل رہی تھی ہر آہٹ پر آنکھ کھل جاتی اور یہی خیال آتا کہ وہ آگیا ہے۔ اس نے یہی کہا تھا اور جو شخص تنہا کی اتنی بلند پاؤں مجبور کر جائے اس کے لئے اس خیمے میں گھس آنا ناممکن نہیں تھا۔ صبح کے وقت سے بہت پہلے اٹھ گئی۔ چاروں طرف خاموشی کا راج تھا اور اس وقت واقعی اس کے سر میں درد ہونے لگا تھا۔ جو رات کی کچی کچی نیند کا اثر تھا۔ تب اچانک اسے غصہ آگیا۔ خود پر بھی اور اس پر بھی۔ کیا حقاقت ہے ایک گھنٹہ سے آدمی کے لئے خود پر خوف مسلط کر لیا ہے۔ وہ کیا حیثیت رکھتا ہے اس پر روتی کو با آسانی ختم کیا جا سکتا ہے اکبر شاہ اس کے ہاتھ پاؤں توڑ کر پھینک دے گا۔ غلام شاہ کو پتہ چل جائے کہ وہ سوئی کو اس طرح پریشان کر رہا ہے تو وہ اس کی جان کا دشمن بن جائے گا۔ رعایت کی ایک حد ہوتی ہے اس کی یہ حرکت جاہ کن بھی ہو سکتی تھی وہ جھولے سے کر بھی سکتی تھی۔ ٹھیک ہے اب سامنے آؤ جنہیں سبق دینا ضروری ہو گیا ہے۔ اس نے گہری سانس لی اور ٹھک کر سطح کی طرف چل پڑی جہاں کے منتظمین صبح کے ناشتے کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے ہوں گے۔ ان سے کم از کم چائے تو مل سکتی ہے۔ اس کا اندازہ درست تھا۔ بڑے سے خیمے سے برتن کھڑکنے کی آوازیں ابھر رہی تھیں۔ چائے کے گرم گرم گھونٹ پیتے ہوئے اس نے کئی فیصلے کئے اور مطمئن ہو گئی اس کے لئے سزا ضروری ہے ورنہ وہ آگے بڑھے گا۔

غلام شاہ کے سرکس میں کچھ تبدیلیاں نمایاں تھیں۔ جس سے وہ منفرد نوعیت اختیار کر گیا تھا۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ اس میں قبیلے سے باہر کے لوگ نہیں آ سکتے تھے اور غلام شاہ جیسے چال نے نہ جانے کون سی صلاحیتیں اختیار کر کے ہر شعبے کے لئے لوگ ہمیں تیار کر لئے تھے۔ کوئی قانونی مسئلہ ہو یا انتظامی اس کے آدمی سب کچھ سنبھال لیا کرتے تھے۔ اسی طرح فنکاروں میں اس نے قبیلے کے لوگ ہی شامل کئے تھے ان کے پورے گھرانے اسی سرکس میں پھلے پھولے تھے۔ جنگ اور منگو جیسے بونے بھی اسی سرکس میں پیدا ہو کر جوان ہوئے تھے۔ دونوں جڑوں بھائی تھے۔ حیرت، گلیز خور پر ہنسٹکل اور قد و سامت میں یکساں ان کی پیدائش کے وقت ہی معلوم ہو گیا تھا کہ وہ کیا ہیں اور اس کے بعد غلام شاہ نے ان پر شدید محنت کر کے انہیں آتش بنادیا تھا۔ چھوٹے قد کی وجہ سے انہیں مغزوں کی حیثیت سے استعمال کیا گیا تھا لیکن ان کی صلاحیتیں اور کارکردگی بے مثال تھی اور وہ سرکس کے ہر شعبے کو سنبھال سکتے تھے۔ جھولے ہوں یا گھوڑے کی پشت سب کچھ انا کے لئے یکساں تھا۔ طبیعت میں ظرافت اور عمر کی شوخی تھی۔ سونچا کے چاراج میں تھے اور سونچا انا سے کمال کے کام لیتی تھی۔ دونوں فخرنا مست مولا تھے اور بے طور پر مطمئن زندگی گزار رہے تھے۔ سرکس کی زندگی سے ہٹ کر ان کی فطرت میں تجسس بہت زیادہ تھا۔ ہر چیک کو خشک کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اس کے بارے میں ان کے سیدھے نظریات قائم کر لیتے تھے۔

یہ تقریباً چار ماہ قتل کی بات ہے کہ سرکس ایک شہر میں لگا ہوا تھا اور معمول کے مطابق شو ہو رہے تھے کہ سرکس میں ایک قتل ہو گیا۔ ایک ادیب نے شخص جو تماشا کی حیثیت رکھتا تھا اس کی سیٹ پر قتل کر دیا گیا تھا۔ جس کا پتہ شو کے دوران ہی چل گیا اور بھگدڑ مچ گئی۔ چکو اور منکو نے اہت بھولے پر کام کرتے ہوئے اس دو افراد کو دیکھ لیا تھا جو مقتول کے پاس موجود تھے اور قتل کا پتہ چلنے سے قتل اٹھ کر باہر نکل گئے تھے۔ ان کے چہرے خطرناک تھے اور وہ دونوں کے ذہنوں میں محفوظ ہو گئے تھے۔ بعد میں پولیس کی کارروائی ہوئی۔

تفتیش ہوئی اور معاملہ کسی شکل میں رفع و دفع ہو گیا۔ سرکس کا اس قتل سے کوئی تعلق نہ تھا۔ چکو اور منکو دونوں چہرہ دل کو فراموش نہیں کر سکے تھے۔ انہیں سو فیصد یقین تھا کہ اس شخص کو انہیں دونوں نے قتل کیا ہے، اس وقت ان کے ذہنوں میں کوئی ایسی بات پیدا نہ ہوئی تھی کہ وہ آگے بڑھ کر خود کو قتل کارروائی کرتے ہیں اس شہر میں آنے کے بعد سانولی اور یاز نے جو کارنامہ سرانجام دیا تھا اس کے چہرے سرکس میں بہت ہوئے تھے اور چکو منکو بھی دوسروں کی طرح سانولی اور یاز سے مرعوب ہو گئے تھے۔ آج کے شو کے دوران اتفاقاً طور پر ان کی نگاہیں ایک جانب انہیں تو دونوں نے ہی ان دونوں افراد کو دیکھ لیا جو آج تک ان کے ذہنوں سے محو نہ ہوئے تھے۔ وہ بہت عمدہ لباس میں لباس پہنوں پر بیٹھے ہوئے سرکس دیکھ رہے تھے۔ اس وقت چکو منکو کا آئینہ نہیں تھا اور وہ اپنا پہلا آئینہ پیش کر چکے تھے باقی پر وگراموں میں صرف انہیں قفریگی اقدامات کرنے تھے اور اس کے لئے بھی کوئی مخصوص وقت مقرر نہ تھا بلکہ شیڈول بھی تھا کہ اگر ضرورت پیش آئی تو انہیں استعمال کیا جاسکتا ہے۔ دونوں نے ان چہرہ کو دیکھا اور دونوں کے ہی ذہنوں میں تجسس جاگ اٹھا، چکو نے منکو سے کہا ”

”تم نے بھی انہیں دیکھ لیا۔ کیا واقعی یہ وہی دونوں ہیں ؟“

”سو فیصدی۔“

”یہ قاتل ہیں اور ان کا سرکس میں موجود ہونا اس بات کی دالالت کرتا ہے کہ آج پھر کوئی واردات ہونے والی ہے۔“

”اور اگر اس واردات کا سرخ لگا ہوا جائے تو اس کا نتیجہ یہ کہ ہمیں بھی سانولی اور یاز کی طرح عزت نصیب ہوگی۔“ منکو نے کہا اور چکو بغور اسے دیکھنے لگا، پھر بولا ۔

”کیا تم یہ خطرہ مول لینے کے لئے تیار ہو۔ ؟“

”کوشش تو کرنی چاہئے وہ دونوں قاتل ہیں یہ بات ہم لوگ اچھی طرح جانتے ہیں ۔“

”آؤ اس کا مطلب ہے کہ سرکس میں پھر کوئی قتل ہونے والا ہے!“

”ہم اس قتل کو تو نہیں روک سکیں گے لیکن اس نے قتل کا سراغ ملانے میں ہم پولیس کی بھرپور مدد کر سکتے ہیں۔“

”تو پھر تیار ہو جاؤ، میرا خیال ہے کہ ہمیں اپنے کام کا آغاز کر دینا چاہیے۔“

”لیکن کس طرح۔۔؟“

”ان دونوں کو نگاہوں میں رکھنا ہوگا۔ سرکس میں قتل کی جو بھی واردات ہو، ہم اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتے۔ لیکن ان دونوں کا قاتل قہم ہم پکارتے ہیں۔“
دونوں اپنے طور پر پلاننگ کرتے رہے اور اس کے بعد ہمس و غیرہ تبدیل کر کے وہ باہر نکل آئے۔ سرکس کے آخری آکٹم پیش کے چارہ تھے اور بظاہر اب ان کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی تھی۔ انہوں نے ایک مخصوص جگہ منتخب کی اور اس کے بعد وہاں رک کر سرکس کا شوقم ہونے کا نظارہ کرتے رہے۔ شوقم ہوا اور ان کی نظریں باہر نکلنے والے راستے پر جم گئیں۔ روشنی تیر تھی اور یہ روشنیوں اس وقت تک رہتی تھیں جب تک کہ سرکس کا آخری آدمی بھی باہر نہ نکل جائے۔ پارکنگ لائٹ پر بہت سی گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں اور وہ دونوں مستعدی سے پٹی لگا ہیں دروازے پر جہے ہوئے تھے کہ انہوں نے ان دونوں کو دیکھا جو باقی کرتے ہوئے باہر نکل رہے تھے۔ دونوں مستعد ہو گئے اور ان کی نظریں ان کا قاتل قہم کرے لگیں پھر انہوں نے اپنی جگہ چھوڑی اور آہستہ آہستہ ان کے عقب میں چل پڑے۔

گویہ بات ابھی پتہ نہیں چلی تھی کہ سرکس میں آج کیا واردات ہوئی۔ بظاہر معاملات پر سکون نظر آتے تھے لیکن اگر کوئی واردات نہیں بھی ہوئی ہے تب بھی دونوں قاتل ان کی نگاہوں کے سامنے تھے اور ان کے بارے میں پتہ لگا کر کم از کم غلام شاہ کو اطلاع دی جاسکتی تھی۔ انہوں نے ان دونوں کو ایک بڑی بند گاڑی کی طرف جاتے دیکھا۔ سیاہ رنگ کی ایک ہند گاڑی پارکنگ لائٹ پر ہی کھڑی ہوئی تھی۔ چٹکے نے منکوں کو اشارہ کیا اور دونوں چیزیں سے چلتے ہوئے اس گاڑی کے عقب میں پہنچ گئے۔ گاڑی کے عقبی پائیدل پر چڑھ کر چٹکے نے گاڑی کا عقبی دروازہ کھولنے کی کوشش کی تو اسے کوئی دقت نہ ہوئی، گاڑی غائب کسی کہنی کی پہلائی گاڑی تھی اور اس کے عقبی دروازے بند نہیں تھے۔ دونوں پھرتی سے اوپر چڑھے اور گاڑی میں رینگ گئے، کیونکہ انہوں نے ان دونوں کو بھی گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

گاڑی کا دروازہ اندر سے بند کر کے دونوں نے پراپیٹاں لگا ہوں سے ایک دوسرے کو دیکھا اور منکوں نے چٹکے کے کان میں سرگوشی کی۔

”ہماری نظریہ ہمارے ساتھ دے رہی ہے۔ اگر کوئی تازہ قتل نہیں ہوا تب بھی دو قاتل ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں اور جان کے بارے میں انکشاف کر کے شہرت کی سکتے ہیں۔ انہوں نے گاڑی کے عقبی حصے میں ایک بڑی جان لگی ہوئی دیکھی اور نہیں خوف محسوس ہوا کہ کہیں عقبی صحت سے انہیں دیکھ نہ لیا جائے۔ البتہ گاڑی میں دونوں سائیڈ پر بڑی بڑی سیٹیں لگی ہوئی تھیں اور ان سیٹوں کے نیچے اتنی جگہ موجود تھی کہ وہ دونوں اس میں جا سکتے۔

چنانچہ دونوں الگ الگ این سیٹوں کے نیچے ٹھس گئے اور اطمینان سے لیٹ گئے۔ اب ذرا ایک دوسرے سے سرگوشی میں گفتگو کرنا بھی مناسب نہیں تھا۔ حالانکہ انجین کی آواز کافی تھی اور اس کے شور میں اس کی گفتگو سن لئے جانے کا خطرہ نہیں تھا لیکن احتیاط کے پیش نگاہ دونوں ہی خاموش رہے تھے۔ گاڑی کا یہ سفر تقریباً بیس منٹ تک جاری رہا اور اس کے بعد وہ رکی لیکن پھر دوبارہ اسٹارٹ ہو کر چل پڑی لیکن اس بار شاید اس کا یہ سفر چند ہی لمبائی کا تھا۔ چٹک اور منکوا انجین محسوس کر رہے تھے۔ گاڑی کا انجین بند ہو گیا اور شاید وہ دونوں نیچے تر آئے۔ پھر ایک دروازے کی چڑچڑاہٹ سنائی دی اور اس کے بعد خاموشی طاری ہو گئی۔ دونوں دل کی دھڑکنوں پر توجہ پانے کی کوشش کر رہے تھے۔ جاسوسی اور اس کے بعد شہرت کا تصور ان کے دہن پر طاری ہو گیا تھا۔ جب انہیں اپنے اطراف میں بالکل خاموشی اور سنانے کا حس ہوا تو دونوں سیٹوں کے نیچے سے رینگ کر قریب آ گئے اور پھر وہ کھڑے ہو کر گاڑی کے سامنے والے حصے میں جھانکنے لگے۔

گہری تاریکی میں انہیں کچھ نظر نہیں آیا تھا لیکن جانیوں کی دوسری سمت کا جائزہ لے کر یہ اندازہ ضرور ہو رہا تھا کہ اب ذرا یونگ سیٹ پر کوئی موجود نہیں ہے۔ دونوں خاموشی سے گاڑی کے عقبی حصے کی جانب بڑھے ورنہ وہ کھول کر نیچے تر آئے۔ گاڑی کسی ایسی تاریک جگہ کھڑی ہوئی تھی جس کے پارے میں کوئی اندازہ لگانا مشکل ہو رہا تھا لیکن دوسرے حصے انہیں ایک اور احساس ہوا۔ یہ تاریکی بے مقصد نہیں ہے۔ رات کا وقت ہے شک تھا لیکن گاڑی، مگر کسی کھلی جگہ پر ہوتی تو کم از کم چھت پر آسمان ہی نظر آتا لیکن اب یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ان کے چاروں طرف دیواریں ہوں اور ہر پرچھت۔

اس صورتحال نے انہیں ایک لمحے کے لئے خوفزدہ کر دیا۔ چٹک نے آہستہ سے منکوا سے کہا۔

”یوں لگتا ہے جیسے ہم کسی گیراج میں بند ہو گئے ہیں۔“ منکوا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھے اور چند قدم چلتے ہی انہیں اپنے خیال کی تصدیق ہو گئی۔ ایک ٹھوس اور پتھریلی دیوار ان کے سامنے تھی۔ دونوں اس دیوار کو ٹٹولتے ہوئے آگے بڑھنے لگے اور دیوار کے آخری سرے تک پہنچ گئے اور پھر انہوں نے اس دیوار کے ساتھ ساتھ چاروں سمت کا سفر شروع کر دیا اور بالآخر ایک ایسی جگہ آ گئے جہاں ایک بند دروازہ کا احساس ہوتا تھا۔ دروازہ اونچائی مضبوط تھا اور باہر سے بند کر دیا گیا تھا۔ منکوا آہستہ سے پوچھا۔

”کمال ہے ہمیں ان کے اتر کر باہر جانے اور دروازہ بند کرنے کا احساس بھی نہ ہوسکا۔“

”اب یہ سوچ یہاں سے باہر کیسے نکلا جاسکتا ہے۔“ چٹک نے پریشان لہجے میں کہا اور دونوں دروازے پر زور آزمائی کرنے لگے۔ لیکن چند ہی لمحوں کے بعد انہیں احساس ہو گیا کہ ان کی یہ کوشش مضحکہ خیز ہے۔ مضبوط دروازہ اس سے مس نہیں ہوا تھا۔ دونوں کی گھبراہٹیں عروج پر پہنچتی چلی گئیں۔ یہاں اس صورتحال سے دوچار ہو کر ان کے پاس کوئی چارہ کار نہیں رہا تھا اور گیراج کی یہ قیدان کے لئے خطرناک بھی ہو سکتی تھی۔ پریشانی کی گہری

گہری سانسیں پیتے ہوئے وہ تہذیبی سوچے لگے، پھر دفعۃً منکونے کہا۔

”یہاں تمہیں محفل کا احساس ہوتا ہے؟“

”محفل... نہیں بالکل نہیں۔“

”اس کا مقصد ہے کہ کوئی جگہ ایسی ہے جہاں سے ہوا آ رہی ہے۔“

”شاید۔“ چکو بولا اور پھر وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اس کے بعد وہ کسی خیال کے تحت گاڑی کی چھت پر چڑھ گیا۔ گیراج نہ جگہ کی چھت عام عمارتوں کی چھت سے کافی زیادہ بلند تھی۔ ان دونوں کی آنکھیں تار کی میس دیکھنے کی عادی ہوتی جا رہی تھیں۔ گاڑی کی چھت پر سے چکو نے اس روشندان کو دیکھا جہاں سے ہوا کے جھوکے آ رہے تھے۔ اس جگہ سے کھل آسمان بھی نظر آ رہا تھا۔ اس دوراں منکونے بھی اس کے پاس پہنچ گیا۔

”روشن دن میں منہ نہیں ہیں۔“ منکونے کہا۔

”ہاں لیکن اس کے علاوہ ورکوئی جگہ بھی نہیں ہمیں یہیں سے کوشش کرنا ہوگی۔“

”اور اگر ہم یہیں رک کر صبح کا انتظار کریں تو۔“

”ن کے ہاتھوں مرنے میں آسانی ہوگی۔“ چکو نے کہا۔ اور منکونے پریشانی سے گہری گہری سانسیں لینے لگا پھر بولا۔

”سے کہتے ہیں کہ گیدڑ کی جب موت آتی ہے تو وہ جاسوسی شروع کر دیتا ہے۔“ چکو نے کوئی جواب نہ دیا۔ دفعۃً وہ پیچھے ہٹا اور پھر اپنی جگہ اچھلتے لگا۔ منکونے چھل کر ایک طرف ہو گیا تھا۔ ایک لمحے کے لئے اس کی سمجھ میں نہ آیا لیکن پھر جب دھچک چکو نے ایک لمبی چلائنگ لگائی تو وہ اس کے اچھلتے کا مقصد سمجھا۔ چکو چھل کر روشن دان تک پہنچ گیا تھا منکونے اسے روشن دان کی سلاخوں سے چھنے ہوئے دیکھا۔ دوسرے لمحے چکو نے اپنا سوجھا ہوا منحنی جسم روشندان پر جمایا۔ یہاں خود کو سنبھال کر اس نے ان سلاخوں کا جائزہ لیا۔ بہت مضبوط سلاخیں تھیں اور ان کے کنڈر جسم نہیں جھبٹا۔

بھی تھوڑے سکتے تھے۔ چکو کھلا ہونٹ دانتوں میں دبائے کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ پھر اچانک اس نے کہا۔

”منکونے۔ نیچے ترو گاڑی میں نائزہ تھیل کرنے کے لئے جیک ضرور ہو گا۔ دنگاں کر مجھے دو۔“

”کیا گاڑی چھت سے باہر نکالو گے۔“ منکونے کہا اور پھر نیچے تر گیا۔ جیک ملنا مشکل ثابت نہ ہوا تھا چکو نے بڑی مہارت سے خود کو روشندان پر سنبھال رکھا تھا۔ منکونے جیک اچھا، تو اس نے کیچ کر لیا۔ پھر اسے سلاخوں میں پھنسا کر اس نے جیک چلانے کی سلاخ بھی سنبھال لی۔ سلاخ کو ہک میں پھنسا کر اس نے بدن کی پوری قوت سے اسے سمجھا شروع کر دیا اور سلاخ سے لٹک گیا اور پوری قوت سے اپنے بدن کو جھٹکے دینے لگا۔ تھوڑی سی

سلاح چلا کر وہ دوبارہ اوپر جاتا اور پھر اس طرح لٹک جاتا۔ کافی دیر کی کوشش سے سلاخوں کو بیخ حاکرنا شروع کر دیا اور جن سوراخوں میں سلاخیں لگی ہوئی تھیں اس سے مٹی جڑنے لگی۔ سوراخ بڑے ہوئے تو دو سلاخیں باہر نکل آئیں اور چٹکے نے انہیں منکھ کی طرف اچھال دیا۔ تھی جگہ ان کے ننھے منے جسموں کے لئے کافی تھی۔ چنانچہ چند منٹ کے بعد دونوں گیراج کی چھت پر پہنچ گئے۔ وسیع و عریض چھت دور تک پھیلی ہوئی تھی اور دونوں اس قید خانے نما گیراج سے باہر نکل آنے پر سرور تھے۔

”کیا خیال ہے۔ نکل چلیں؟“ چٹکے نے پوچھا۔ ”اور دونوں قائل؟“

”سوچ لو آگے اور بھی خطرات پیش آ سکتے ہیں۔“

”جہاں اتنی محنت کی ہے وہاں کچھ اور سہی ممکن ہے ہم دونوں کوئی کارنامہ انجام دینے میں کامیاب ہو جائیں۔ ویسے جہاں تک میرا عہدہ ہے یہ مل رست ان دونوں کی رہائش گاہ ہے ورنہ وہ اسنے اطمینان سے گا۔“ ی اس گیراج میں نہ کھڑی کر دیتے۔“

”یہی۔“

”اس مل رست میں داخل ہو کر اس کے بارے میں اگر کچھ معلومات حاصل ہو سکے تو شاید ہم اس قتل کا سراغ پالیں۔“

”کہیں یہ شیخ کی مرضی کے خلاف نہ ہو۔ ہم اس کی اجازت کے بغیر یہاں تک چلے آئے ہیں۔“

”مگر کوئی بات نہ میں بھی تو شیخ کو جھوٹی کہانی گھڑ کر سنا دیں گے۔“

”جھوٹی کہانی تو شیخ کو۔۔۔ وہ ایک بار آٹھویں میں جھانکنا ہے اور سچ خود بخود منہ سے نکل پڑتا ہے۔“

”تو سچ بولی دیں گے اس سے۔ ہم نے دو قاتلوں کو شناخت کیا اور وہ دوبارہ ہمیں نظر آئے تو ہم اس قتل کا سراغ لگانے نکل پڑے۔“ شیخانے ایک مجرم کو گرفتار کرانے کے لئے ساری سہولتیں وریا رکھ کر اجازت دی تھی اگر ہم اس میں کامیاب ہو گئے تو وہ خوش ہو گا۔“

”اور ہم خود کسی مصیبت میں پھنس گئے تو؟“

”اسنے پھنس گئے ہیں تو تھوڑا سا اور سہی۔“

”لحیک ہے تو اب ارادہ کیا ہے؟“

”نیچے تریں۔“ ان لوگوں کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔“ چٹکے نے کہا اور منکھ کی نظریں ادھر ادھر ہٹکتے لگیں۔ پھر اس نے اشارہ کر کے کہا۔

”آؤ۔“ اور منکھ اس کے ساتھ چل پڑا۔ طویل و عریض چھت اوپر سے سپاٹ تھی اور گیراج بھی اسی میں شامل تھا۔ عجبے ترنے کے لئے انہیں کوئی

مناسب جگہ تلاش کرنی پڑتی کیونکہ گھر کی کافی تھی اور اتنا نیچے کو دنا مشکل کام تھا لیکن چکو نے شہدہ کچھ تلاش کر لیا تھا اور یہ کچھ کسی آتش دہاں کی جیسی تھی جو مخصوص طرز کی بنی ہوئی تھی۔ عمارت کی ساخت سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ قدیم طرز تعمیر کا نمونہ ہے ورنہ اس دور میں ایسی عمارتیں نہیں بنتی ہیں جس جہتی کو چکو نے تاثر اٹھا وہ بھی پرانے طرز کی اور اوپر سے کافی کٹاؤ تھا۔ کم از کم ان جیسے جسم کے لوگ اس میں داخل ہو سکتے تھے۔ چنی سے مدہم سی روشنی بھی بھٹک رہی تھی۔

”یہ ہمیں نیچے پہنچا سکتی ہے۔“

”درہم یا آسانی روست ہو سکتے ہیں۔“ منکو طرز یہ بولا۔

”مصل کی کمی ہے تمہارے اندر، تمہارے خیال میں آتش دہاں روش ہوگا۔ یہ گرمیوں کا موسم ہے۔“

”چنی نیچے سے چلی تو ہو سکتی ہے۔“

”اس قسم کی چنیاں نیچے سے کشادہ ہوتی ہیں۔ بلکہ میں نیچے جاتا ہوں اس کے بعد تم آ جانا۔ میرے خیال میں عمارت کے اندر روئی جیسے میں داخل ہونے کے لئے اس سے مدہم جگہ در کوئی نہیں ہے۔ اگر ہم بیرونی ذریعہ سے اندر داخل ہونے کی کوشش کریں تو ناکامی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ تمام دروازہ بند ہوں گے۔ جب کہ اس چنی کے رہے ہم عمارت کے اندر روئی جیسے میں داخل ہو سکتے ہیں۔“

”ٹھیک ہے، پہلے میں اندر جاتا ہوں۔“ منکو نے کہا۔

”میں پہلے میں جاؤں گا تم اوپر رہو۔“ چکو نے کہا اور چنی میں گھس گیا۔ چنی اندر سے تنگ تو نہ تھی مگر اس میں کالک کے انبار لگے ہوئے تھے۔ جن پر چکو نے پاؤں جمائے تو وہ ٹوٹ گئے تاہم چکو نے خود کو سنبھالا اور نیچے ترے لگا۔ اس کا اندازہ درست تھا۔ چنی نیچے جا کر کٹاؤ ہوئی تھی۔ البتہ اسے اندازہ نہیں تھا کہ آگے جا کر وہ اتنی کشادہ ہو جائے گی کہ اس کے ہاتھوں کے پھیلاؤ میں بھی نہ آئے گی۔ زیادہ نیچے نہ اتر تھا کہ وضع چنی کی دیواروں پر اس کے ہاتھوں کی گرفت ہوتی نہ رہی اور وہ نیچے آ گیا۔ اس کے حلق سے بے اختیار چیخ نکل گئی تھی مگر وہ نیچے کشادہ آتش دہاں میں جا کر آ تھا۔ نیچے پاؤں لگے ہی تھے کہ اس کے کان جھنجھکا گئے۔ ایک انتہائی خوفناک نسوئی چیخ اسے سنائی دی تھی۔ کالک کا برادہ اڑ تو آ نکھوں کے سامنے دھند پھیل گئی۔ جس جگہ وہ گرا تھا وہاں جیسے بھوچل آ گیا۔ کان پھاڑ دینے والی دوسری چیخ ابھری اور پھر جیسے کمرے کی چھت گر پڑی دھا کا اتنا ہی رور داتا تھا۔

سویا کو رنگ لگ گیا تھا۔ غلام شاہ نے دونوں کی پرورش پھولوں کی طرح کی تھی وہ اس کی زندگی کا محور تھے۔ طویل عرصہ تک وہ انہیں سینے سے لگائے جھٹکتا پھرتا پھر کہیں جا کر وقت نے اس کا ہاتھ پکڑا تھا لیکن اجڑتی برے وقت میں بھی اس نے ان دونوں کو کوئی تکلیف نہیں ہونے دی تھی۔ بعد میں صورت حال ہی بد گئی تھی اور وہ دونوں سرکس کے مالک سمجھے جاتے تھے یہ دوسری بات تھی کہ غلام شاہ کا رویہ تو سرکس کے چانوروں تک سے مشفقانہ تھا لیکن سو گیا اور اکبر شاہ کا مقام سمجھتے تھے۔ سو گیا کی ماں، جی خوبصورت نہیں تھی لیکن سو گیا نے وہ روپ لگا تھا کہ دیکھنے والے حیران رہ جاتے تھے۔ بیشتر واقعات ہوئے تھے جن میں سو گیا کے حصول کی کوششیں کی گئی تھیں لیکن اس کے گرد اسے ہی غلط پہچنے ہوئے تھے کہ ایسے لوگوں کو جاننا ہی نامشکل ہو جاتا تھا سرکس میں سب اس کا حرام کرتے تھے اور اکبر شاہ کی بہن ہونے کے ناتے اسے وہی درجہ دیا جاتا تھا اس لئے سرکس میں کوئی ایسا جوان نہ تھا جو اس سے عشق کا دعویدار ہو۔

آج تک سو گیا اس سلسلے میں ہر بیٹان نہ ہوئی تھی لیکن جب اسے وہ سرکس یاد آتا تو وہ ہراساں ہو جاتی۔ اس کے تیر خراب تھے اور وہ باعث پریشاں بن سکتا تھا۔ سو گیا بردہار تھی، سمجھدہ تھی لیکن فوئیر تھی اور عمر کی دین سے نا آشنا تھی۔ ابتدا پر فنان سرکس کے فروغ شینا کی دیکھ بھال کے جذبوں کے علاوہ کوئی اور جذبہ اس کے دس میں نہ جاتا تھا۔ سرکس میں کئی شادیاں ہوئی تھیں اور اس وقت وہ اپنے قبیضے کے رسم و رواج کے مطابق ایک الیزا ڈویژن کے روپ میں نظر آتی لیکن یہ سب کچھ ایک وقت و بچہ سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ کھیل ختم، بات ختم۔ ہاں جب اس دجوانے نے اسے پہلا بچہ پیش کیا تھا تو اس کا انداز اس کے الفاظ اسے ضرور پسند آئے تھے۔ دوسروں سے کچھ مختلف بات تھی اس لئے خرابدار ہوئی اور اس وقت اس نے پہلا خواب بھی دیکھ لیا۔ کیا اس کے بعد عجیبی گود کرتی۔ شینا بہت طاقتور تھا۔ حیرت، انگیز اور ہراساں بھی تھا لیکن وہ کتنا نازک ہے یہ بھی وہ جانتی تھی۔ در اس نے خود کو ان خوبصورت الفاظ کے جال سے نکال لیا تھا۔ اس کی دوری کوشش بھی منفرد تھی اور وہ اس کی بی بی کی قائل ہو گئی تھی۔ لیکن رد ف پاٹا کے تحت اقدام کے بعد اس نے تینو پر چڑھ کر جس دیو گئی کا ثبوت دیا تھا اس نے سو گیا کو خوفزدہ کر دیا تھا۔ جاں کی بازی لگا دیئے والے بھر د نہیں جوتے اس نے آگے کی بات کی تھی اور اس رات سو گیا نے فیصلہ کیا تھا کہ اب بات شینا تک پہنچا دے گی۔ دن کے کسی حصے میں وہ اپنے فیصلے پر متدد نہیں ہوئی تھی لیکن جو نئی رات ہوئی اس پر ہول سوار ہونے لگا۔ اب وہ کیا کرے گا۔ پورے پنڈال میں اس کا نشان نہیں تھا۔ جھولے پر کام کرتے ہوئے نظریں کئی بار تینو پر گئیں۔ یہ بات خطرناک تھی کوئی چوک ہو سکتی تھی لیکن مہارت نے ایسا نہ ہونے دیا۔ چنانچہ ختم پیش کر کے نیچے اتری تو دل، حرمک رہا تھا۔ مگر سب کچھ خیریت سے گزر گیا۔

تمام معاملات جھٹ چکے تھے۔ وہ اپنے خیمے میں واپس آ گئی اور جب اس نے تا یک خیمے میں کاربائینڈ لیسپ روشن کیا تو اس کا دل دھک سے ہو گیا۔

بستر پر گلاب کا تازہ پھول پڑا ہوا تھا۔ وہ بچی بچی نظروں سے اس بچوں کو دیکھتی رہی۔ پھر غصے میں نکلا دوڑی کوئی یہی جگہ نہ تھی جہاں کوئی پر شیدہ ہوتا۔ بستر کے نیچے جھانکا، ہر نکل کر اس پاس دیکھا غصے کے زور پر بے تلاش کیا لیکن کوئی نہ تھا۔

رات بے سکون تھی اور اس بے سکونی میں اس پر شدید طیش آ رہا تھا۔ دماغ درست کر کے رکھ دوں گی ذلیل انسان کا۔ اسے کیا حق پہنچتا ہے مجھے پریشان کرنے کا۔ فطرت کرتی ہوں میں ایسے لوگوں سے۔ دوسرے دن اس نے خود کو سنبھال لیا تھا۔ لیکن ایک بے گلی تھی۔ ایک بے چینی تھی جو خود بخود دل میں پیدا ہو پاتی تھی۔ اس بے گلی میں عشق کا کوئی جذبہ نہ تھا چاہت کا کوئی تصور نہ تھا یہ بھی سوچا اس نے کہ غلام شاہ کو نہ سہی اکبر شاہ کو نہ دے کہ رات کی تاریکیوں میں کوئی اس کے غصے تک آ جاتا ہے پھر خود کو سنبھالا۔ کسی کو شریک کرنے کی کیا ضرورت ہے وہ سامنے تو آئے۔ دیکھ سوں گی اسے پھول اس رات بھی موجود تھا اور اس کا خون خشک ہوئے بغیر نہ رہ سکا تھا۔

درحقیقت اسے روگ لگ گیا تھا۔ کئی راتوں سے سکون کی نیند نہ سونگی تھی۔ یہ دعا اڑا تو اس نے لگا یہ تھا کہ جب وہ شو میں ہوتی ہے تو وہ یہاں آ جاتا ہے۔ تین راتیں اسی اذیت میں گزری تھیں۔ چوتھے دن ایک پروگرام ترتیب دیا اس رات اس نے شیلڈ دل میں اپنا کوئی آئٹم نہیں رکھا تھا۔ ایسا ہوتا رہتا تھا ورنہ کوئی اہم بات نہیں تھی۔ کوئی کچھ نہیں سوچتا تھا۔ وہ رنگ میں موجود تھی۔ پروگرام شروع ہو گئے تھے اور اس نے انتظامی امور میں حصہ لیا تھا۔ تیسرے آئٹم کے آغاز پر وہ کھسک آئی اور دور کار راستہ اختیار کر کے اپنے غصے پر آ گئی۔ اس کی ٹکاپیں ہوشیاری سے چاروں طرف کا جائزہ لے رہی تھیں۔ ہر طرف غانا بھیرا ہو تھا۔ غصے میں دھل ہو کر اس نے گارڈ کی روشنی میں بستر کا جائزہ لیا پھول موجود نہ تھا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بھل گئی۔ آج پھنسے گا۔ اس نے سوچا ورنہ خاموشی سے غصے کے ایک گوشے میں جا کر بیٹھی۔ چند نظرات بھی کئے تھے اس نے اور اس کے کان آہٹوں پر لگے رہے تھے۔ پنڈلی سے میزک کے بیگ ابھر رہے تھے۔ وہ انتظار کرتی رہی دماغ سن ہوا چار ہاتھ تمام حس آہٹوں پر لگی ہوئی تھی لیکن کوئی آہٹ نہ ابھری۔ یہ انتظار کتنا اذیت ناک تھا اس کا دل ہی جانتا تھا۔ وقت چوٹی کی رفتار سے گزر رہا تھا۔ اس کی آنکھیں پھرا گئیں غصے کی طاری ہونے لگی۔ پھر اس کے کانوں نے شو ختم ہونے کا بیگ بنا۔ لوگوں کی آوازیں سنیں بعد میں سرکس کے آخری کام انجام دیتے دایوں کی آوازیں بھی اسے سائی دیں۔ جزیئر بند ہو گئے خاموشی چھا گئی اور اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے کچھ نہ ہو تھا۔ بستر پر بچوں نہ تھا۔

”خدا غارت کر دے کبھت کو۔ کہاں مر گیا۔ آج کیوں نہ آیا۔ کیسے پڑ چل گیا اسے کہ میں موجود ہوں انسان ہے یا شیطان، کیا ہے وہ۔ پھر ایک دور خیال دل میں آیا۔ بد دل تو نہیں ہو گیا۔ سوچا ہو کہ بیکار ہے پھر سے سر پھوڑنا۔ یا ہو سکا ہے کوئی حادثہ پیش آ گیا ہو۔ اچھا ہے جان چھوٹے بد بخت سے۔ وقت گزر چکا تھا وہ بچی جگہ سے اٹھی بدن پھر ہو گیا تھا صدمہ جھکن سے بچ رہے تھے شو کرتے ہوئے اس سے جڑا لگنا کم تھکن ہوتی تھی آج تو

لوٹ کر رہ گئی تھی۔ جو انتقامات کئے تھے اس کے لئے نہیں سمیٹا۔ آگے بڑھ کر کار بائک لیمپ روشن کیا اور نیچے کا پردہ ہاندھنے کے لئے مڑی اور دل چھل کر حلق میں آگیا۔ وہ نیچے کے دروازے پر کھڑا تھا ہاتھ میں سرخ پھول دبا ہوا تھا۔ اس کی آواز بند ہو گئی۔ بدن میں خوں کی روانی رک گئی۔

”اندرا آسکتا ہوں۔“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور آگے بڑھا۔ وہ بے اختیار پیچھے ہٹ گئی تھی۔ بے حد شکریہ۔ مجھے اندازہ تھا کہ آپ اس قدر برا خلاق نہیں ہیں۔“ وہ اندر داخل ہو گیا اور پھر اس نے پھول آگے بڑھا۔ ”پھولوں کو محبت کے اظہار میں ایک خاص مقام حاصل ہوتا ہے تو اس فرما ہے۔“

بھائی لمحات گھر آئے۔ جھکے ہوئے بدن میں انگارے بھر گئے۔ شدید غصے نے بدن کی تنگیں نچوڑ کر تمام ذہنی قوتوں کو روٹھ کر دیا اور وہ مسکرا دی تھیں اس مسکراہٹ میں جہنم سنگ رہا تھا۔ پھر اس نے ہاتھ آگے بڑھا کر پھول لے لیا۔

”شکریہ۔“ وہ بولی۔

”کتنا فرق ہے اس وقت اور اس وقت میں جب آپ کورنگ میں پھول پیش کرنا تھا سب کچھ جھوٹ ہو جاتا تھا اور یہ جھوٹ مجبوراً بونا پڑتا تھا۔“

”جھوٹ؟“ اس نے دلچسپی سے کہا پھر کرسی کی طرف اشارہ کر کے بولی۔ ”تشریف رکھئے۔“

”شکریہ وہ بیٹھ گیا اور سونیا نے دل میں سوچا۔ کاش اس پمپشن کا حیل پہلے سے آ جاتا تو یہ کرسی سو ہے کی ہوتی اس کے پیروں میں الیکٹریک کے نیچے تار بندھے ہوتے چاہے جریڑ کیوں نہ چدنا پڑتا۔ لیکن، لیکن۔“

”ہاں جھوٹ۔“ اس نے بیٹھنے کے بعد کہا۔ ”حقیقت اور محبت میں فرق ہوتا ہے بے شک آپ کا کمال ہے مثال، مگر آپ کے حسن کے سامنے ہر شے ماند پڑ جاتی ہے اور میرا پہلا پھول آپ کے حسن کو خراج تھا۔“

وہ پھول ہاتھ میں لئے میز پر جا بیٹھی۔ پھر اس نے کہا۔ ”آپ کون ہیں؟“

”آپ کا پرستار۔“

”نام نہیں ہے آپ کا۔“

”ہے۔ پوچھئے۔“

”کیا نام ہے؟“

”شارق زمان۔“

”کیا کرتے ہیں؟“

”محقق“ وہ جھٹ سے ہلکا۔

”بھی پیشہ ہے آپ کا؟“

”جی چند روز قبل زندگی کا آغاز کیا ہے۔“ وہ برکتہ بخلا۔

”اس سے پہلے؟“ وہ ہلکا۔

”سوچتا تھا کیا کروں۔“ شارق نے جواب دیا اور وہ اسے گھورنے لگی۔ بہت شاعرانہ انسان ہے۔ سونیا نے دل میں سوچا۔ اس کے بعد سمجھ میں نہیں آیا

تھا کہ اس سے کیا گفتگو کرے۔ چند لمحات کے بعد اس نے کہا۔

”آپ نے میرا نام نہیں پوچھا؟“

”آپ کے بارے میں تو مجھے سب کچھ معلوم ہے مگر سوچا۔“

”اور واقعی۔ اب یہ فرمائیے میں آپ کے لئے کیا کر سکتی ہوں۔“

”میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔“ اس نے کہا سونیا مشدد رہ گئی۔ ڈیرا کی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ وہ تو کہیں جھجھکتا ہی نہ جانتا تھا۔ سونیا دل

میں خلسہ رہی تھی لیکن، سے اس طرح نہیں چھوڑا جاسکتا تھا اس کی ہر بیوی کی سزا ضروری ہے۔ چنانچہ سونیا نے کہا۔

”اس کا مطلب ہے آپ ہمارے ہمارے میں کچھ نہیں جانتے۔“

”جو نہیں جانتا وہ آپ بتادیں۔“

”ہم ایک قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں۔ درہارے ہاں شادی قبیلے ہی میں ہوتی ہے۔“

”تو میں آپ کے قبیلے میں شامل ہو جاؤں گا۔“

”اس کے لئے آپ کو سرکس کا فنکار بننا ہوگا۔“

”یہ بھی کروں گا آپ بتائیے کیا آپ نے میری محبت قبول کر لی؟“

”اچارہ داری ہے جیسے آپ کی کہ آپ نے مجھ سے، تمہارے محبت کی اور میں اسے قبول کرنے پر مجبور ہو گئی آپ میرے معیار پر پورے اتر سکتے ہیں آپ کے بارے میں سوچوں گی۔“

”اصول طور پر آپ کو اس شرط کا حق ہے۔ آپ کا معیار کیا ہے۔“

”آپ کو سرکس کے ہر فنکار پر بدترتی حاصل کرنا ہوگی۔ آپ جیسا دیکھ سکرکس میں کوئی دوسرا نہ ہو۔ اگر ایسا ہو گیا تو میں آپ کی محبت قبول کروں گی۔“

”ہوں!“ وہ کسی حیاں میں ڈوب گیا پھر ایک ہلکے مسکراہٹ اور بولا۔ ”سرسکس میں شمولیت ڈاکٹر طریقہ ہے۔“

”اس کے لئے آپ کو شیفا کو تیار کرنا ہوگا جو ایک مشکل کام ہے۔“

”شیفا۔ یعنی غلام شاہ۔“

”میرے چچا۔ اور اس سرکس کا، لک اور اس قبیلے کا سردار۔ یہ سب کچھ بھی جانتے ہوں گے؟“

”ہاں، میں ان دنوں آپ کے بارے میں سب کچھ معلوم کرتا رہا ہوں۔ ٹھیک ہے جس سوچ اس پنڈیرائی کا ہے حد شکر یہ اب چلتا ہوں مگر آپ کو آپ کا وعدہ دو بارہ یاد دلانا ہوں اگر میں نے آپ کی شرط پوری کر دی تو آپ۔“ وہ کھڑا ہو گیا۔

سوچنے والے دل میں سوچا کہ پنڈیرائی تو میں اب کروں گی تمہاری کیا یاد کرو گے تم بھی۔ وہ خیمے کے دروازے پر پہنچا تو سونیا نے کہا۔

”شیفا سے کابل رہے ہیں آپ؟“

”کل دن میں۔“ اس نے کہا اور مسکراتا ہوا باہر نکل گیا۔ سونیا خیمے کے پردے کو دیکھتی رہی پھر اس نے دانت پیس کر ہاتھ پلائے گلاب کے پھول کو زمین پر پھینک کر پاؤں سے مصل دیا۔ بڑی تارک پر ریشٹن کر دی تھی اس بد بخت نے اس کی رڈف پاشا اور دوسرے لوگوں نے اسے ہار پادیکھا ہے مگر کوئی اس وقت اس جیسے میں اسے یہاں دیکھ لیتا تو کیا سوچتا۔ لیکن اب۔ اب جانتی تھی کہ شیفا تو کسی غیر جانور کو بھی سرکس میں شامل نہیں کرتا اس کی

کیا ادا تھا ہے۔ بہر حال وہ چلا گیا تھا ایک پارے سرکس میں اس وقت جب مشق ہو رہی ہو زندگی بھر یاد رکھے تو سوتیا نام نہیں۔ ہو سکتا ہے کل آئی جائے۔ کوئی عمدہ سرا۔ کوئی نئی چیز جس سے وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہے۔ کیا ہونا چاہئے۔ وہ سوچتی رہی پھر بے اختیار جس پڑی ہشتی رہی پھر اس نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

”آہ کاش کل تم کسی طرح آ جاؤ۔ مسٹر شرر لی رمان ایسا استغناء کروں گی تمہارا کہ مرتے وقت تک یاد رکھو گے۔“ وہ اپنے منصوبے کی کڑیاں بنتی ہی دیر مسکرتی رہی۔



کالک کے ذرات کی دھند چھٹی تو چٹکو نے ایک سرخ ہاتھی دیکھا جو زن پڑا ہوا رہا تھا۔ اس کے چہرے پر خوف و دہشت کے آثار نمودار تھے اور وہ بچتی بچتی آنکھوں سے آنکھوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ چٹکو نے اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے آنکھوں پر آ جا نے واسے کالک کے انہا کو صاف کیا تو اسے ہاتھی کی ساخت بدلی محسوس ہوئی۔ جسامت ہتھی کی کبھی جا سکتی تھی لیکن وہ ہاتھی نہ تھا بلکہ سرخ قیمتی گاؤن میں بلبس کوئی عورت تھی جس کا قد دھامت ناقابل یقین تھا۔

گوشت کے پہاڑ میں جنٹل ہوئی اور اس نے دونوں ہاتھ قائلین پر نکال کر غصے کی کوشش کی۔ اندر ہم نیلی روشنی پھیلی ہوئی تھی اور چونکہ چٹکو آنکھوں کی کالک میں غرق ہو گیا تھا اس لئے وہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ شاید اس کے گرنے کی آواز تھی جس نے عورت کو خوفزدہ کیا تھا وہ اور چیخ پڑی تھی مشکل قسم پہاڑ ٹھہ کر کھڑا ہو سکا اور چٹکو نے سوچا کہ سونا ہتھی میں اور اس میں بس تھوڑی سی ماحولیت اور قد کا فرق ہے ورنہ باقی سب کچھ ہی ہے۔

گوشت کا تو وہ آہستہ آہستہ آگے سرکا وہ ہمت کر کے آتش دان کے پاس آ رہا تھا غائباً قریب سے صورتحال کا اندازہ لگانے کے لئے چٹکو نے سوچا کہ سب نجات مشکل ہے اس لئے تہذیب و شرافت سے کام لے کر یہاں سے نکلنے کی آسانی حاصل کی جائے۔ عورت قریب پہنچی تو وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور مہذب لہجے میں بولا۔

”ہیو میڈم۔ دراصل میں۔“ لیکن نتیجہ بھڑکنا۔ عورت کے حلق سے پھر ایک چٹکنا بھری اور وہ اچھل کر دروازے کی طرف بھاگی۔ اس وقت دروازہ کھلا اور ایک اور حادثہ رونما ہو گیا تھا۔ جو کوئی بھی دروازہ کھول کر اندر داخل ہونے کی کوشش کر رہا تھا وہ طوفان کی زد میں آ گیا تھا اور طوفان نہیں ساتھ لئے ایک بار پھر رشتہ بوس ہو گیا تھا۔ دو گھنٹی گھنٹی مردانہ بیچوں کے ساتھ خاتون کی سریلی چٹکنا بھی شامل تھی۔ چٹکو جلدی سے دوبارہ آتش دان میں گھس گیا سب وہ کافی پریشان ہو گیا تھا پھر اس نے ایک مردانہ آواز سنی۔

”کیا ہو گیا میڈم، آخر بات کیا ہے؟“ آواز میں جھلاہٹ نمایاں تھی۔

”تم۔ تم۔ تم۔“ خاتون کے منہ سے ایک ناقابل فہم آواز نکلی لیکن ساتھ ہی انہوں نے عذر اشارہ بھی کیا تھا۔

”آؤ دیکھیں کیا ہے۔“ جھلاتے ہوئے آدمی نے کہا اور اپنے دوسرے ساتھی کو اشارہ کیا۔

”میری ناک رخی ہو گئی ہے۔ خون بہہ رہا ہے۔“ دوسرے آدمی کی بھرائی ہوئی آواز ابھری۔

”خود کو سنبھال کر اندر آؤ۔“ پہلے آدمی نے کہا اور خود اندر داخل ہو گیا۔

پھر ہٹ کی آواز آئی اور کمرے میں چیز روشنی پھیل گئی۔ چٹکوں نے روشنی میں نو دار کو دیکھا اور اس کے اوسرں خطا ہو گئے یہ انہی دونوں قاتلوں میں سے ایک تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ باہر جو دوسرا موجود ہے وہ اس کا ساتھی ہوگا۔ ان سفاک قاتلوں کو اگر دن دونوں کے بارے میں علم ہو گیا تو یقیناً ان کی مٹی مٹی لاشوں کا سراغ بھی کسی کو نہ ملے گا۔ اس سے قبل کہ وہ اسے دیکھ لیں نکل جانا ضروری ہے۔ چٹکے آتش دان سے لے کر کھٹے ہوئے دروازے تک کے فاصلے کا اندازہ لگائے لگا۔ گزر گا وہیں انسانی شکل کا ہاتھی حائل تھا اسے عبور کر لیا جائے تو مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ دور بہر حال سہ سے ہوئے جسم وہاں سے چٹکے کے لئے یہ مشکل کام نہیں تھا۔

اوجھڑے دونوں چیز روشنی میں کمرے کا جائزہ لے رہے تھے۔ دوسرا آدمی بھی کسی نہ کسی طرح اندر داخل ہو گیا تھا۔

”غص، غص، غم۔ او۔ وا۔“ خاتون نے انگلی سے آتش دان کی طرف اشارہ کیا۔ دل کی رہا تو کسی کی سمجھ میں نہیں آئی تھی لیکن وہ دونوں انگلی کے اشارے پر روشندان کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ گویا خطرہ سر پر آ گیا اور دفعۃً چٹکوں نے طے شدہ چھٹنگ لگائی۔ اس میں اس کی پوری پوری دہانت کا فرما تھی چنانچہ پہلی چھٹنگ میں وہ خاتون کے کندھے پر پہنچا اس پر پاؤں جمائے۔ دوسری چھٹنگ میں دروازے کے باہر۔ دہانت کی بات یہ تھی کہ اس نے سحر خاتون اور ان دونوں حضرات کی قرابت کا اندازہ لگایا تھا اور خاتون کے کندھے پر چڑھنے کا نتیجہ بھی جانتا تھا۔ صورت حال اس کی توقع کے برعکس نہ تھی۔ خاتون ایک بار پھر چٹنگ ڈکر ڈھیر ہو گئیں۔ پہلا سمجھدار آدمی توجہ گیا لیکن حس کی ناک میں چوٹ لگی تھی وہ خاتون کے اچانک پھیل جانے والے ہاتھوں کی رودستہ نہ بچ سکا اور اس کے منہ سے بے اختیار ایک گان نکل گئی۔ ابستہ پہلے آدمی نے اس کا منہ عجیب و غریب گیند کو دیکھ لیا تھا۔ اس کے منہ سے آواز نکل۔

”یہ کیا تھا؟“ دہشت زدہ خاتون بھلا کیا جواب دیتیں۔ اب ان کی آنکھیں بھی بند ہوتی جا رہی تھیں غالباً بے ہوش ہونے کی تیاریوں میں مصروف تھیں۔ چٹکوں نے ابستہ دروازے سے باہر نکلتے ہی فرار کی راہوں کی تلاش میں نگاہیں دوڑائیں۔ اسے اندازہ تھا کہ اسے دیکھ یا گیا ہے اور اب وہ

اس کے پیچھے دوڑ پڑیں گے لیکن منکو کے بغیر اس گھر سے نکل بھی گنا بھی ممکن نہ تھا خواہ کچھ بھی ہو جائے۔ وہ چاہتا تو مکان کا باہر جانے کا راستہ تلاش کر سکتا تھا لیکن منکو کی وجہ سے اس نے ایسا نہ کیا باہر اسے کچھ اور لوگ بھی نظر آئے جو کسی کام میں مصروف تھے ایک سمت سامان کا ڈھیر لگا ہوا تھا جن میں بڑے بڑے کس نمایاں تھے۔ کئی آدمی اندر سے سامان نکال کر دروازے پر رکھ رہے تھے۔ چکو دبے قدموں آگے بڑھا اور سامان کے پاس پہنچ گیا وہ چھپنے کے لئے کوئی جگہ تلاش کر رہا تھا۔ دفعۃً سے اپنے عقب میں آہٹ سنائی دی اور وہ جلدی سے ایک بکس کی آڑ میں ہو گیا۔ آنے والا قریب آتا جا رہا تھا چکو کو خطرہ ہوا کہ کہیں اسے دیکھ نہ لیا جائے چنانچہ وہ پھرتی سے بکس پر چڑھ کر اس کے کھلے ہونے ڈھکنے سے اندر داخل ہو گیا۔ لیکن دوسرا شخص اس کے لئے بڑی سنسنی خیز تھا۔ آنے والا جو کوئی بھی تھا، اس نے بکس کا ڈھکنا اوپر سے بند کر دیا تھا۔ چکو کے حلق سے گھٹی گھٹی چیخ نکل گئی اور وہ بے بسی سے ہاتھ پاؤں مارنے لگا ڈھکنا بند ہو چکا تھا۔

اندر کمرے میں وہ دونوں آدمی پر پڑی ہوئی خاتون کو سنبھالنے میں مصروف تھے۔ بمشکل تمام نہیں بے ہوش ہونے سے روکا گیا اور اٹھا کر ایک کرسی پر بٹھایا گیا۔

”آہ! میں نے پہلے بھی کہا تھا۔ یہ عمارت آ سیب زدہ ہے۔ مجھے چاروں طرف آ سیب دوڑتے محسوس ہو رہے ہیں۔“ عورت نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

”ہو کیا تھا میڈم۔“

”میں یہیں بیٹھی ہوئی تھی کہ مجھے آہٹ سنائی دی۔ میں نے ”دھر دھر دیکھ تو۔ تو“ خاتون نے آئینہ ان کی طرف خوف زدہ نظروں سے دیکھا اور غلگ ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔

”عجب سی چیز تھی کوئی جانور بھی محسوس نہ ہوتا تھا۔ ہائیر تم نے اسے دیکھا تھا۔“ پیدل آدمی نے دوسرے آدمی سے کہا۔

”کیا میں اس کا بل تھا؟“ ہائیر غصیلے لہجے میں بولا۔

”آہ! یقیناً وہ آ سیب تھا۔ میں کبھی رہی ہوں یہ عمارت آ سیب زدہ ہے۔ خدا کے لئے یہاں سے نکل چلو۔“ عورت رو دینے والے انداز میں بولی۔

”کچھ دیر اور رہ گئی ہے، ہم یہاں سے چل ہی رہے ہیں مگر وہ۔ آخروہ کیا تھا؟“

”تم نے اس کا کچھ کیوں نہیں کیا؟“ ہائیر بولا۔

”عجب آدمی ہو، یہاں میڈم اس حال میں تھیں انہیں چھوڑ کر کیسے جا سکتا تھا آؤ! اسے دیکھیں۔“

”نہیں۔“ عورت خچ پڑی۔ ”میں یہاں اکیلی رہ جاؤں گی۔“

”ہم زیادہ دور نہیں ہیں میڈم۔ آپ اطمینان رکھیں۔“ پہلے آدمی نے کہا اور دوسرے کو سنبھال کر باہر آ گیا۔ کیا واقعی تم نے اسے نہیں دیکھا تھا پیٹر۔“

”وہ واقعی زادی پوری قوت سے مجھ سے ٹکرائی تھی۔ پیٹر نے غصیلے لہجے میں کہا۔
”کیا جڑ تھی؟“

”یقین کرو میرا دماغ تم سے زیادہ ہکرایا ہوا ہے۔ وہ جانور نہیں تھا۔“
”پھر؟“

”بالکل انسان معلوم ہوتا تھا۔ ہاتھ پاؤں انسان جیسے تھے اور چہرہ مائی گاڈ۔“
”کیوں مت کرو۔“ پیٹر نے اپنی ناز دہاتے ہوئے کہا۔

”یقین کرو۔ میں جھوٹ نہیں یوں رہا۔“ دوسرے آدمی نے کہا۔

”جہنم میں جائے یہ سب کچھ۔ صبح کا انتظار کرنا کیا ضروری ہے۔ سامان تیار ہو چکا ہے کیوں نہ ہم چل دیں۔“
”بعض اوقات یہ شخص بالکل غلط لگتا ہے مجھے۔ خودخواہ خود کو پور کرتا ہے۔“

”اس کی اس عقیم اٹھان سنگ کے بارے میں کیا خیال ہے۔ جو ہمارے لئے مستقل مصیبت ہی ہوئی ہے۔“ پیٹر نے کوئی جواب نہ دیا دونوں اندرونی حصے سے باہر نکل آئے تھے۔ باہر ایک دیویدیکل ٹرک کھڑا ہوا تھا جس کے عقبی حصے کا تختہ نیچے گر ا ہوا تھا اور ٹرک میں کچھ سامان کا انہر نظر آ رہا تھا۔ اطراف میں چند لوگ بھی موجود تھے۔ دونوں وہاں پہنچ گئے اور ادھر ادھر دیکھنے لگے۔

چکو پر یہ اتنا پڑی تھی اور وہ ایک بجس میں بند ہو گیا تھا۔ ادھر محکوم عمارت کی چھت پر چھنی کے قریب نیچے سے چکو کی طرف سے اثر رے کا خطر تھا۔ اس کی ٹکاپیں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں۔ چکو کو چھنی میں اترے ہوئے چند لھات بھی نہ گزرے ہوں گے کہ اچانک اسے چھت کے اس وسیع و عریض سلسلے کے ایک گوشے سے کچھ آٹھیں سنائی دیں اور وہ چونک کر ادھر دیکھنے لگا۔ آٹھیں مسلسل بور ہی تھیں منکھ سے نہ رہا گیا اور وہ صورت حال معلوم کرنے کے لئے دبے پاؤں اس طرف چل پڑا۔ یہ چھت کا آخری سرا تھا اور اس کے بعد عمارت کا کھلا ہوا حصہ نظر آ گیا تھا۔ اس سمت میں رات میں دھلے کا بڑا گیٹ تھا۔ گیٹ سے کچھ فاصلے پر اندرونی سمت ایک دیویدیکل ٹرک کھڑا ہو تھا۔ جس کے اطراف تاریکی میں کچھ سامان کا انہر نظر آ رہا

تھا۔ آپہیں اسی طرف سے بھر رہی تھیں اور کچھ لوگ یہاں مصروف تھے۔ منکو کے روٹنے کھڑے ہو گئے۔ اسمگلنگ، یقیناً یہ جگہ اسمگلر تھے کل دھارت مگر، وہ بہت دیر رہتے، اپنے مفاد کے لئے دوسروں کی زندگی سے کھیلنا ایسے لوگوں کے لئے مشکل نہیں ہوتا۔ وہ دونوں سفاک قاتل اس عمارت میں داخل ہوئے تھے۔ سرکس میں یقیناً کوئی نیا قتل ہو چکا ہوگا۔ کسی ایسے ان۔ کاتل جو ان کی نشاندہی کر سکتا تھا وہ یہاں اس ٹرک پر اسمگلنگ کا سامان جمع ہو رہا ہے۔ ایک سٹشی خیر انکشاف جو چٹکو اور منکو کے ذریعہ ہوگا۔ اسمگلروں اور قاتلوں کے ایک عظیم الشان گروہ کی نشاندہی جس کا سپرہ سرکس کے دو نئے مسکروں کے سر ہے۔ دو نئے چاہار، چٹکو اور منکو۔ منکو کو، ملاں سنائی دیا وہ میوزک کا بیگ اس کے کانوں میں ابھرا۔ چشم تصور سے اس نے خود کو اور منکو کو پھولوں سے لدے ہوئے دیکھ کر شینا مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”ہمارا پلٹ رہیں دوئی۔ ارے ہم جانست رہیں ای دونوں جرور کو نو بڑا کارنامہ انجام دلی رحبت۔ سو دیکھو۔ کار کردہائی ہے۔ ارے جیوت رہو ہوا۔“

بھر منکو نے پار اور سٹوئی کو شرمندگی سے مسکرتے ہوئے دیکھا۔ جنہوں نے پولیس کے لئے کوئی کارنامہ انجام دیا تھا اور غرور سے پوئے پوئے پھرتے تھے۔ شینا نے تعریف جو کردی تھی تھوڑی سی۔ چٹکو اور منکو کے اس کارنامے کے سامنے ان دونوں کا کارنامہ کوئی حیثیت نہ رکھتا تھا۔ منکو نے عمارت سے گردن جھٹکی اور ہوش میں آ گیا۔ ابھی تو یہ کارنامہ زیر عمل تھا۔ اسمگلر آراو تھے اور وہ کھیلے آسمان کا قیدی۔ بے شک اسمگلر اس کے سامنے تھے خفیہ مال زیادہ رہا تھا لیکن وہ دونوں مخدوش حالت میں تھے۔ یہاں سے لکل ہی ایک مسئلہ تھا وہ پہلے اس کے لئے کوشش کرتی تھی۔ چٹکو کے بارے میں علم نہیں تھا کہ نیچے جا کر اس نے کیا کیا اسے ان اسمگلروں کی حقیقت معلوم ہو سکی یا نہیں۔ اوو اوو چونک پڑا۔ چٹکو کا کیہ ہوا۔ وہ اوپر والوں نہیں آیا تھا۔ دوسرے بچے اس نے دوبارہ چینی کی طرف دوڑ لگا دی۔ وہ چٹکو کے لئے بے چین ہو گیا تھا۔ چینی کے قریب پہنچ کر اس نے اندر جھانکا کوئی آوار سننے کی کوشش کی لیکن کوئی آواز نہ سائی دی۔ وہ چینی میں داخل ہو گیا وہ تھوڑا سا نیچے تر کر اس نے کان لگائے۔ نیچے سے روشنی کا ایک دھبہ نظر آ رہا تھا لیکن چٹکو کا پتہ نہ تھا۔ وہ تھوڑا سا نیچے تر اور پھر اچانک اس کے ہاتھوں کا پھیلاؤ ختم ہو گیا چینی نیچے سے کافی کشادہ ہو گئی تھی۔ وہ بعد سے نیچے گر پڑا اور چینی کی کالک کا برادہ انشا میں بند ہو گیا۔ منکو کو کچھ نظر نہ آیا تھا لیکن یک ہونا کچھ چٹکا ڈرنے کی کے حواس ضرور چھین لئے تھے۔ اس چٹکا ڈرنے سے بے اوساں ہو کر وہ زور سے اچھلا ورا آتھان سے باہر آگرا۔ چٹکا ڈرنے سے زیادہ زور سے بھری اور منکو کسی شے سے ٹکرایا وہ سوچے جیسے بغیر اس شے کو ہٹا کر اس پر چڑھ گیا لیکن یہ بچلی ستون اچانک تھک ہو گیا تھا۔ ساتھ ہی ہونا کچھ چٹکیں منکو کے کان پہ ڈرے دے رہی تھیں۔ وہ گھبرا کر ستون سے نیچے کود گیا اب کچھ کچھ نظر آنے لگا تھا وہ وہ سرخ ستون کو ادھر دھر رہا گئے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ جب ہی سامنے کا دروازہ

کھلا اور منکوا چھل کر دروازے کے قریب پہنچ گیا۔ کھلے ہوئے دروازے سے دو آدمی دوڑتے ہوئے اندر داخل ہوئے تھے اور منکوا برق رفتاری سے باہر نکل گیا تھا۔ بھاگتے ہوئے اس نے ایک مرد، نہ آواز سنی۔
 ”دیکھ کر، دیکھ کر وہ گرنے لگی ہے۔“ پھر ایک زوردار دھماکہ سنائی دیا تھا۔



غلام شاہ آج نہ چالے کیوں خوش نظر آ رہا تھا۔ وہ رنگ میں تھا اور سب لوگوں سے ہنسی مذاق کر رہا تھا۔ مشتاق ہو رہی تھیں۔ سرکس کے فنکار اپنے اپنے فن کا ریاض کر رہے تھے۔ ماحول میں ایک عجیب سی زندگی نظر آ رہی تھی۔ اکبر شاہ بھی اس کے قریب ہی تھا کہ باہر سے کچھ بڑ بنگ کی آواز سنائی دی اور شیٹا چونک کر داخل دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ اچانک دروازے سے ایک نوجوان نے چھٹنگ لگائی اور اندر گھس آ۔ اس کے پیچھے رمضان اور فضل لگے ہوئے تھے۔ دونوں اندر گھستے ہی اس نوجوان پر لپکے مگر وہ اچھل کر غلام شاہ کے پاس آ گیا اور اس کی کمری کے پیچھے پناہ لی۔
 ”کھڑو۔ کھڑو اسے اکبر بھیا پکڑو۔“ رمضان چیخا۔

”ارے ارے ارے۔“ کا چھپا چھپی کھیل رہے ہو بھائی۔ ارے، دوئی پھیل اور بچائی۔ ہوس کھراپ ہو گئی کارے۔ رکو مال چارو کا کوئی ارے۔“
 ”یہ۔ یہ اندر گھس آیا ہے شیٹا۔ یہ دھوکہ دے کر، دھوکہ دے کر۔“ رمضان نے ہانپتے ہوئے کہا۔
 ”رے کا جنگلی سا غر رہے گی۔ آدی کا بچہ ہے ارے کا دھگ کھراپ ہوئے رہے تم دونوں کا۔ اس۔“
 ”شیٹا۔ یہ ہمارے منع کرنے کے باوجود ہمیں دھوکہ دے کر زبردستی گھس آیا۔“ فضل نے کہا۔

”ہا جو۔ جبر جستی، واہ بھائی واہ۔ بڑھیا بوت رہو عالم چل ہوئی گئے رے تم لوگ تو۔ ارے دچاس ہو دھرے۔ چلو۔“ غلام شاہ نے اس دونوں کو ڈانٹا اور پھر نوجوان سے بولا۔
 ”کابا۔ کابا۔ کابا۔“

”ہا میں تمہارے پاس آنا چاہتا تھا شیٹا۔ ان دونوں سے اجازت مانگی تو انہوں نے منع کر دیا مگر تم سے ملنا ضروری تھا۔“
 ”کرسی منگوائی کے لئے اکبر۔“ رڈرے مہمان رہے گی ہوا۔ چوکیدار کو صبح کر دی ہے ہم ہوا۔ ”میں لوگ آئے چائی ہے جرات نہ ہو۔“
 غلام شاہ نرمی سے بولا۔ ”جی میں کرسی آگئی تھی۔“ ”بیٹھ جا۔“ غلام شاہ نے کہا۔ ”کچھ فاصلے سے رونق پاشا آنے والے کو بری طرح گھور رہا تھا۔ وہ اس نوجوان کو پہچان گیا تھا۔“

”ہا ہوا۔ اب بول کا کام رہے تو کا ہم سے۔“

”سیر نام شارق زمان ہے۔“

”جرور ہوگا۔ ہم کب منع کرت ہیں۔“

”میں شیخا، میں تمہاری سرکس میں کام کرنا چاہتا ہوں۔“

”اے سرکس میں کام کرنا چاہتا ہے۔ کا کام کرے گا تو بھائی۔“

”میں تمہارے شکر بننا چاہتا ہوں۔ میں تم سے یہ سارے جسمانی کرب تکھنا چاہتا ہوں۔“

”کا ہے بھائی کا پریشانی ہوگئی تو کا۔“

”مجھے یہ سب کچھ پسند ہے۔ تم دیکھو یہنا شیخا ایک دن میں تمہارے سرکس کا سب سے بڑا فنکار بن جاؤں گا۔ مجھے یقین ہے۔“

”ارے جے اس سب کی نوکری کھتم کر کی دے رہے ہیں اور ای سب تو ہار بڈیاں کوٹ کاٹ کر پھینک دیں رہے۔ ارے کا ہے بھائی بٹی جان کے چھوڑی ہے۔“

”نہیں شیخا۔ جیسے یہ سب لوگ ایک دوسرے سے مل کر کام کرتے ہیں۔ جتنے سارے لوگ ہیں یہاں ایک میں بھی شامل ہو جاؤں گا تو کیا بگڑ جائے گا۔ یہ لوگ کہاں ایک دوسرے سے لڑتے ہیں۔“

”ی کی وجہ ہے بڑا۔“ قلام شاہ نے کہا۔

”کیا وجہ ہے شیخا؟“

”ای سرسارن ایک ہی قہیے کے ہیں۔ بچوں سے ایک دوسرے کے ساتھ رہیں۔“

”قہیے انسانوں سے جتنے ہیں شیخا۔ اتنے بڑے قہیے میں ایک انسان شامل ہو جائے تو قہیے کا کیا بگڑے گا ہاں ایک انسان کو قہیے مل جانے گا۔ میں ان سب کا ساتھی بننا چاہتا ہوں۔“

”پڑا کھٹا معطوم ہوتا ہے بھئی۔ پس بڑا تو کو نو اور نوکریا کر لے ای سرسارن چھل کوداں کا رکھا رہے۔ ہم لوگ تو منت رہیں آکھ کھوسٹ ای بانس پر چڑھ جات ہیں۔ پھر نیچے۔ اثر سنت کوئی ڈھنگ کا کام کر بڑا۔ صورت کھل بھی بڑھیا ہے اور پھر بڑا ای سرسارن رہتا ہے ہماری قہیے سے باہر کے آدمی کو ہم سرکس مال نہ رکھت رہے۔ معافی۔“ ابھی قلام شاہ بات بھی پوری نہ کر پایا تھا کہ دھنستہ بندروں کا ایک غول بھرا مار کر اندر گھس آیا۔ خونخوار بندروں نے اچانک نوجوان پر پلٹ کر دوڑی تھی۔ ان کے پیچھے سو بڑا دوڑتی آ رہی تھی۔

”ہے۔ ہا۔ ہا۔“ سویا کے حلق سے آواز نکلی۔ لیکن نوجوان کی کرسی اسٹائیٹھی تھی اور دوسرے لمبے دو اٹنی قلابازیاں کھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ دو بندروں نے اس پر چھ تک لگائی مگر ان سے پہلے نوجوان بہت اونچا اچھلا اور بندر اس کے پیچھے بے نکل گئے۔ لیکن نوجوان جھل کر شیٹا کی کرسی پر آیا اس پر ہلکا سا پاؤں بجا کر دوسری طرف اسٹھ گیا۔ بندر نہ جانے کیوں خنخو رہے تھے۔ وہ مسلسل نوجوان پر حملے کر رہے تھے۔ نوجوان ایک رسی سے لٹک کر دور نکل گیا۔ پھر ایک میچے پاؤں پر وہاں سے کرسی پر۔ کرسی سے ایک بانس پکڑ کر اوپر بندھے ہوئے رہے پر وہاں سے قلابازی کھ کر شیٹا کی کرسی پر اور وہاں سے ایک جھوٹے پر۔ بندر اس پر مسلسل حملے کر رہے تھے لیکن ایک بھی بندر اس کے بدن کو نہ چھو پایا تھا۔ حالانکہ بندر بہت بھر چیلے ہوتے ہیں لیکن نوجوان نے انہیں نچا کر رکھ دیا تھا۔ بندر مسلسل کوشش کر رہے تھے اور نوجوان چھلا وہ بٹا ہوا تھا۔ سرکس کے تمام فنکار بڑی دلچسپی سے یہ منظر دیکھ رہے تھے خود شیٹا بھی منہ کھوے بیٹھا تھا۔ پھر دفعۃً اس کی دعاڑا بھری۔

”ارے کا ہوت ہے ای۔ اوٹار جن کی مٹی۔ روک ہم کہت ہیں روک ان سسروں کو۔ ہم اسی کے لئے کرسی منکات ہیں۔ ائی ہارے بے مٹی رہے۔“ قلام شاہ کا لہجہ بدب گیا اور دفعۃً ہی سب سہم گئے۔ پھر وہ بندروں کو پکڑنے میں مصروف ہو گئے۔ سو نیا عجیب سے انداز میں کھڑی رہ گئی تھی۔ اس نے بڑی محنت سے منصوبہ بنایا تھا۔ بندروں کو سمجھا دیا تھا اس کا پروگرام تھا کہ بندروں سے شارق زمان کو نچا کر رکھ دے اور وہ درجنوں خراشیں اور بدن پر جھوٹے جیتھڑے لے کر یہاں سے جائے۔ اسے یاد آ رہا تھا کہ اس پاگل نے ساٹھ فٹ سے زیادہ اونچے تنبو پر اسے جھولے پر پھول فیٹس کیا تھا۔ چشم تصور سے اس نے اس کا دوسرا ہی حلیہ دیکھا تھا لیکن شارق زمان نے بندروں کو ناکام کر دیا تھا۔ ذرا سی دیر میں تمام بندر پکڑ لئے گئے تھے اور سو نیا وہاں سے پلٹ گئی۔

علامہ شاہ نے نوجوان سے کہا۔ ”بیٹھ بٹھا۔ سرمندہ ہیں ہم تو سے۔ پر بھائی بڑ بھر تھلا ہے۔ سر بندر وہاں گئے تو سے۔ معمولی بات تاہل کھدا کسم کو تو سرکس ماں کام کر ہے گا۔“

”اب کروں گا شیٹا۔ یہ تو تم نے دیکھ لیا کہ میں تمہارے کام کا ہوں۔ مجھے پناشا گر بنا لو۔“

”ہو نا ہیں سکت پوت۔ کچھ نہ ہو سکت۔ اب تو جا۔ بڑے کام کرنے ہیں۔ ماپھ کر دینا ہمیں۔“

”تم نے مجھے مایوس کر دیا ہے شیٹا۔“

”مجھو ری ہے۔ ارے ادا کبرا۔ اسے محبت سے باہر چھوڑا۔ چاہو اہار مجھو ری سمجھ لے۔“

”مگر میں نے مایوس ہونا نہیں سیکھا۔ ایک دن تم مجھے سرکس میں جگہ دو گے۔ سمجھے شیٹا۔“

”ریت ناتوڑ سکتا ہوا۔ بھوری ہے۔ ماپھ کر دے ہرکا چاہا۔“

”جسہیں پیر ریت توڑنا ہوگی شیخا۔ سمجھے جسہیں پیر ریت توڑنا ہوگی۔“

”ناتوڑ سکتا۔ چھوڑ آ اکبر اسے چاہا۔ اسے چھوڑ آ۔“ غلام شاہ نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

”آؤ!“ اکبر شاہ کی سرد آواز، بھری اور اس نے شارق کے بازو پر ہاتھ رکھ دیا۔ شارق نے ایک ٹکاہ اکبر شاہ پر اُلی پھرا ہستہ سے بولا۔ ”بازو

چھوڑ دو دوست میں اسے بے عرقی نہ محسوس کرھاؤں۔“ نہ چاہئے اس کا انداز کیس تھا کہ اکبر شاہ کا ہاتھ خود بخود اس کے بازو سے ہٹ گیا۔ شارق

نے یک لگاہ ان سب پر ڈالی پھریا ہر جانے والے راستے پر بڑھ گیا۔ غلام شاہ سنجیدہ ہو گیا تھا۔

”بڑا پھر تیل ہے۔ بھلی۔ مہر ہے سر کون۔ ساگر دینا لو۔ کیسے بتالیں بھی بات گھٹ نہ ہوئی جائے گی۔“ پھر اسے سونیا کا خیال آیا۔ اور اس کے چہرے پر

سوچ کے آثار پھیل گئے۔ مشتاقین پھر جاری ہو گئیں۔ لیکن غلام شاہ دن میں دلچسپی نہ لے رہا تھا۔ بہت دیر تک وہ رنگ میں رہا پھر کرسی دھکیلتا ہوا

اندرونی حصے کی طرف چل پڑا کئی راستے کا تو ہوا وہ بندروں کے کٹہرے کے پاس آ کھڑا ہوا۔ پندر اسے دیکھ کر اچھل کود مچانے لگے تھے۔ کچھ دیر

وہاں رکھا پھر یہاں سے چل پڑا۔ اس بار وہ سونیا کے خیمے کے سامنے رکا تھا۔

”بھوری سونی۔ اندر ہے کارے۔ جواب میں سو یا جلدی سے ہار نکل آئی تھی۔

”ہنکا، منگو کہاں ہیں شیخا۔ کہیں بھیجا ہے نہیں۔ صبح سے ہا نکل نظر نہیں آئے۔“

”آئی جانی ہے فجر۔ آئی جانی ہے تو جہ اندر آ۔“

”نہ جانے کہاں چلے گئے۔ مجھے ان سے کام ہے۔“

”تو سے بھی کام رہے ہکا۔“

”کہو شیخا۔ وہ ایسے جاتے نہیں ہیں۔“

”اے تو پندروا کا اکھڑا ک کا ہے کھرا ب کرے ہے رمی۔ کا جھگڑا ہے حیر اس سے۔“

”میں سمجھی نہیں شیخا۔“

”رے جب تے نے سمجھا شروع کر دیا تھا تب ہم تو کا سب کچھ سمجھائے رہے بیٹا۔ اور امی دکت بھی جو ہم تو کا سمجھائے رہیں اور تو سمجھ رہی ہے تو

جات رہے، دکا۔“

”کے شیخا؟“

”جا پر بندر چھوڑت رہے۔“

”وہ میں بندروں کو سننے آٹم کے لئے لاریں بھی نہ جانے کیوں وہ بے قابو ہو گئے۔“

”بھال رہے سسرال کی کہ ہمارے سامنے بے کا بو ہو جائی رہیں اس کا جو بتائی تے جسے اوکری رہے وہ۔ دیکھ رہی سونی اسی وکھت ہم جھوٹ نا کہیں گے۔“

”وہ بد تیز ہے شیخا۔ اس نے کئی بار رنگ میں آ کر مجھے نگاہ کا بھوں دیا اور عجیب عجیب باتیں کیں۔ اس نے کہا تھا کہ شیخا کہ وہ سرکس میں کام کرنے کے لئے تمہارے پاس آئے گا۔ مجھے یہ سب اچھا نہیں لگا شیخا۔“ سونیا نے زبان کھولی دی اور غلام شاہ کسی سوچ میں ڈوب گیا پھر وہ آہستہ آہستہ کرسی دھکیلتا ہوا خاموشی سے مجھے سے نکل گیا۔ سونیا کا دل دھڑک دھڑکا غلام شاہ کا یہ انداز بڑا خوفناک تھا۔

منکوں کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ عجیب مصیبت میں گھر گئے تھے یہ جاسوسی پہلی پڑ رہی تھی۔ گھیراج سے آزادی ملنے کے بعد ہی اگر یہاں سے نکل جایا جاتا تو بہتر تھا لیکن یار اور سانولی کی طرح کوئی کارنامہ انجام دینے کا شوق اب گئے پڑ گیا تھا۔ سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ چٹکوا کہاں ہے۔ تھوڑی سی کوشش کر کے اس عمارت سے باہر نکلا جاسکتا ہے تھا لیکن اس وقت تک نہیں جب تک چٹکوا نمل جائے اور اب اس چٹکوا کی تلاش تھی۔ اسے وہ کچھ شحم عورت بھی یاد آ رہی تھی جسے وہ ستون سمجھ کر اس پر چڑھ گیا تھا۔ اس سے زیادہ اس نے کچھ نہ دیکھا تھا۔ اور اب وہ بیرونی حصے میں تھا۔ چٹکوا کسی اور مصیبت کا شکار تو نہیں ہو گیا وہ چٹکوا کے لئے سخت پریشان ہو گیا۔ اور پھر وہ بہت ہوشیاری سے عمارت کے مختلف گوشوں میں چٹکوا کو تلاش کرنے لگا۔ عمارت میں سے بہت سے لوگ نظر آئے تھے جو کسی خاص سرگرمی میں مصروف تھے اور اس سرگرمی کا انداز منکوں کا چٹکا تھا۔ چٹکوا چٹکا تھا اس سے مشورہ کیا جاسکتا تھا۔ ابھی تک اسے چٹکوا کا سرخ نمل پایا اور وہ سخت پریشان ہو گیا۔ پھر اس نے آخری ترکیب آزمانے کا فیصلہ کر لیا اور ایک جگہ منتخب کر کے رک گیا۔ دفعہ ہی اس کے منہ سے طوطے کی آواز نکلی تھی۔ تیس بار یہ آواز نکال کر وہ خاموش ہو گیا۔ اگر چٹکوا یہاں موجود ہے تو اسے جواب ضرور ملے گا۔ لیکن کوئی جواب نمل سکا تھا۔ منکوں نے جگہ بدل دی اور بیرونی حصے میں نکل آیا۔ دیو بڑکل ٹرک بوڑھو چٹکا تھا۔ ایک بار پھر اس نے طوطے کی آواز نکالی اور کچھ فاصلے پر بیٹھا ہوا آدی چونک کر کھڑا ہو گیا اس نے ٹرک کے گرد ایک چکر لگایا اور پھر کچھ بڑبڑاتا ہوا اپنی جگہ جا بیٹھا۔ لیکن اس بار منکوں کا کام ہو گیا تھا۔ اسے مدھم سی ٹیس ٹیس کی آواز سنائی دی یہ چٹکوا کا جواب تھا لیکن آواز اچھی مدھم تھی کہ منکوں فاصلے کا اندازہ نہیں لگا پایا تھا۔ اس نے اک بار پھر کوشش کی اور جواب میں اسے چٹکوا کا اشارہ مل گیا۔ اس بار سمت کا اندازہ بھی ہو گیا تھا۔ آواز ٹرک سے آئی تھی۔ منکوں

مشہور رہ گیا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر زمین پر گھٹنوں کے بل چلا ہوا ٹرک کے پاس آ گیا۔ دوسرے لمحے وہ ٹرک پر چڑھ گیا تھا۔ لیکن اسے موقع مل سکا رات کی طرف سے چند فرائیڈرچیں روش کئے اس طرف آرہے تھے اور ٹرک کے آس پاس موجود لوگ بھی مستعد ہو کر کھڑے ہو گئے تھے۔ منکو کو اس خطرناک صورتحال کا احساس ہوا تو اس نے ٹرک میں چھپنے کے لئے جگہ تلاش کی۔ عجیب سا سامان ٹرک پر بار کیا گیا تھا۔ بہر حال سے ایک جگہ مل گئی اور وہ اپنے ننھے سے جسم کو سمیٹ کر سہکت ہو گیا۔ اس وقت واقعی زندگی موت کا مسئلہ تھا کیونکہ آنے والے ٹرک پر چڑھ آنے والے وہ آپس میں باتیں بھی کر رہے تھے۔ منکو نے دم سادھ لیا۔

”ہاں کیا حرج ہے مسٹر جنس کا کہنا ہے کہ تم لوگ اپنے کام سے فارغ ہو گئے ہو تو روانہ ہو جاؤ۔ باقی لوگ صبح کی روشنی میں چل پڑیں گے۔ تم عالم آباد تک بے دھڑک چلے جاؤ عالم آباد سے پھر ساتھ سفر ہو گا کیونکہ آگے راستے خطرناک ہیں۔“

”ٹھیک ہے ویسے بھی رات کم باقی رہ گئی ہے ہم سو بھی نہیں سکتے۔“ کسی اور نے جواب دیا۔

”سامان سب ٹھیک رکھا ہے۔ چلو نیچے اترو۔“ ٹرک پر چڑھ آنے والے نیچے اتر گئے۔ منکو کے بدن نے پسینہ اگل دیا تھا۔ جو کچھ اس نے سنا تھا وہ بہت خوفناک تھا۔ لیکن کچھ کرنے کا موقع بھی تو نہیں تھا۔ آوازیں مسلسل ابھر رہی تھیں اور لوگ آس پاس موجود تھے۔ منکو اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکا یہاں تک کہ اس نے ٹرک کا انجن اٹار دیا۔ اس کی آواز سنی اور پھر ٹرک آہستہ آہستہ رینگنے لگا۔ منکو کی پریشانی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ چٹک کی موجودگی بھی یقینی نہیں تھی بس اس کی آواز ٹرک سے آتی محسوس ہوئی تھی۔ کسی سڑک پر آ کر ٹرک نے رفتار بکڑی تو منکو نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ ایک بار پھر خطرہ مول لے کر اس نے طوطے کی آواز نکالی اور جواب میں اسے چٹک کی آواز سنائی دی۔

”میں یہاں ہوں منکو۔“ منکو اٹھل پڑ۔ آواز اسے اپنے بالکل قریب سنائی دی تھی۔ ”اس بکس میں؟“ چٹک نے دوبارہ کہا۔

”بکس میں۔“ وہاں کیا کر رہے ہو؟“

”سیر کرنے آیا تھا۔“ چٹک چڑ کر پوچھا۔

”ظہر و عین نہیں نکلنے کی کوشش کرتا ہوں۔“ منکو نے کہا اور پھر وہ اس بکس پر رکھے بکسوں کو نٹو نٹو کی کوشش کرنے لگا۔ دہائی بکس ہٹائے بھی نہیں جاسکتے تھے اس نے پہلے ہی سے کہا۔ ”شکل ہے۔ اب کیا کیا جائے؟“

”آرام کرو۔ اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔“

”ٹھیک ہے سو جاؤ۔“ منکو جل کر بولا۔

”سونے کے لئے کس نے کہا ہے۔ تم اس ٹرک تک کیسے پہنچے؟“

”جاسوسی کرتا ہوا۔ اب میں دنیا کا سب سے بڑا جاسوس ہوں لیکن افسوس ہمارے کارنامے دنیا کو نہ معلوم ہو سکیں گے کیونکہ بالآخر ہم انہیں اننگلوں کے ہاتھوں ہی ہو جائیں گے۔“

”دہرنگر؟“

”سو فیصدی میں پتہ لگا چکا ہوں۔ یہ قاتلوں اور اسمگلروں کا ٹولہ ہے۔ اس ٹرک میں قیمتی ماس اسمگل کیا جا رہا ہے جس میں ہم بھی شامل ہیں۔“

”سب کیا ہوگا۔؟“

”وہی جو میں نے کہا ہے۔ تمہیں ہی جاسوسی کی سوجھی تھی۔“

”کچھ سوچو منکو اس مصیبت سے کیسے نکلا جاسکتا ہے۔“ چنگو نے کہا اور منکو خاموش ہو گیا۔ بہت دیر تک دونوں سوچ میں گم رہے تھے۔ پھر وہ ایک دوسرے کو اپنی اپنی کہانی سنانے لگے۔ ان لوگوں پر تبصرے بھی ہو رہے تھے شیخ کی پریشانی بھی زیر بحث آئی تھی۔ یوں یہ سفر جاری رہا۔ پھر صبح ہو گئی۔ دن کی روشنی میں ٹرک سے سامان کا جائزہ لیا گیا، اس ٹوٹی ہوئی ٹکڑی کا جائزہ لیا گیا جس سے چنگو کو ہواٹل رہتی تھی اور کچھ امید بندھ گئی۔ لکڑی کمزوری تھی اور کوشش کر کے اسے توڑا جاسکتا تھا۔ اس کی ذمہ داری منکو پر عائد ہوتی تھی۔ وہ ٹرک میں کوئی ایسی شے تلاش کرنے لگا جو اس سب سے میں کارآمد ہو سکتی تھی اور پھر ایک جگہ اسے ایک صلاح نما چیز مل گئی جو بہت نفاست سے بنی ہوئی تھی لیکن اسے ٹوٹی ٹکڑی میں پھنسا کر زور لگایا گیا۔ یہ لکڑی ہی کی خوبی تھی کہ اس نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور بالآخر نخل کوشش سے تنی جگہ بن گئی کہ چنگو باہر نکل آئے۔

منکو چنگو کی شکل، کچھ کرٹس پڑ تھا۔ ”کیوں کیا ہوا؟“

سوچا ہوتی تو تمہاری اس شکل کے ساتھ ایک ہی آئینہ تیار کر سکتی تھی۔“ منکو نے جیسے ہوئے کہا۔ جواب میں چنگو نے ایک آئینہ نکال کر منکو کے سامنے کر دیا جسے وہ بکس سے نکال کر لایا تھا اور آئینے میں اپنی شکل دیکھ کر منکو کی ہنسی رک گئی۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے ٹرک بھی رکتا ہوا محسوس کیا تھا۔ ٹرک ادھر سے کھلا ہوا تھا اور چند اردھوپ پھیل چکی تھی۔ دونوں ساکت ہو گئے۔ اگلے حصے میں موجود لوگ نیچے اتار آئے تھے اور ان کی باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ وہ لوگ ٹرک کے عقبی حصے میں آگئے اور ان کی آوازیں صاف ہو گئی۔ غائبانہ شے کی تیاریاں ہوئی تھیں اور وہ ایک درخت کی چھاؤں میں ناشتہ کرنے بیٹھ گئے تھے۔ تن آدمی تھے اور کافی قوی دیکھ بھی تھے۔

”تمہیں اندازہ ہے کہ ہم نے کتنا سفر طے کر لیا ہے؟“ چنگو نے پوچھا۔

”کوئی اندازہ نہیں ہوا سوائے اس کے کہ ہم بہت بڑی مصیبت کا شکار ہو گئے ہیں۔ یہ سفر ہمارے لئے بے حد خطرناک ثابت ہوگا اور سینا دور دوسرے لوگ سخت پریشان ہوں گے اور دھرم۔ آہ! انہیں دیکھ کس حشر سے کھاتی رہے ہیں کیا تمہیں بھوک نہیں لگ رہی۔“

”شدید۔“

”ظاہر ہے اسے رفع کرنے کا کوئی انتظام نہیں ہے۔“ منکو نے بہا پھر کسی خیاب کے تحت اس نے گردن اٹھ کر اوپر دیکھا اور پھر ایک اونچی جگہ جہاں سے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ کوئی آواز پیدا کئے بغیر ایک بکس پر پہنچ گیا یہاں اس نے چاروں طرف دیکھا اور ایک ٹھنڈی سانس نے گردن جھٹکنے لگا۔ پھر نیچے اتر آیا۔

”تہایت ویران پیاڑی علاقہ ہے۔ کہیں کہیں درخت اگے ہوئے ہیں۔ ٹرک سڑک سے ہٹ کر کھڑا ہوا ہے مگر سڑک سے زیادہ دور نہیں ہے۔ اس وقت اگر ہم نے ٹرک چھوڑ دیا تو اس ویرانے میں زندگی ختم ہو جائے گی۔“

”ہم ٹرک نہیں چھوڑیں گے اس وقت تک جب تک کوئی ہستی نہ نظر آجائے۔“

”آہ مگر بھوک۔“ دونوں گردن اٹھا کر بیٹھ گئے۔ ٹرک والوں نے درخت کے نیچے ہی بیس کر بٹھا اور آرام سے لیٹ گئے تھے۔ دونوں ان کا جائزہ لیتے رہے پھر، چائیک منکو نے منکو کا شانہ دیا۔

”کیا بات ہے؟“

”ہوشیار، میں ابھی آیا۔“

”کہاں جا رہے ہو؟“

”تم احتیاط رکھنا۔ زیادہ دیر نہیں لگاؤں گا۔ چکو ٹرک کے، ننگے حصے پر چڑھ کر نیچے اتر گیا پھر وہ زمین پر ہاتھوں پیروں کے مل چلا ہو آگے بڑھتا رہا رخ اسی درخت کی طرف تھا۔ چند منٹ کے بعد وہ درخت کے تنے کے عقب میں پہنچ گیا۔ یہاں ان لوگوں کا سامان رکھا ہوا تھا۔ چکو نے بندر کی طرح ہاتھ بڑھا کر پہلے پانی کی بوتل اور پھر وہ بڑا برتن اٹھا لیا جس میں ان لوگوں نے ناشتہ رکھا تھا۔ برتن وزنی تھا مگر اتنا بھی نہیں کہ چکو کے لئے ٹھیک ناممکن نہ ہو۔ وہ ابھی بھی اسی احتیاط سے ہوئی تھی اور منکو بے ادب پر چڑھے میں اس کی مدد کی تھی۔

”وہ لوگ یہ چیزیں غائب پا کر منکو کو نہ ہو جائیں۔“

”سب کچھ بعد میں سوچیں گے۔“ چکو نے کہا۔ خوش قسمتی سے برتن میں عود قسم کے پرائے درکباب وغیرہ کافی مقدار میں موجود تھے۔ چنانچہ ان کا

سب سے بڑا مسئلہ حل ہو گیا۔ چٹکونے کہا۔ ”ان چیزوں پر ہمیں قبضہ رکھنا ہو گا آگے کے حالات کا کوئی اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔“ منکو ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا تھا کھانے سے فراغت کے بعد برتن ایک جگہ چھپا دیئے گئے تھے اور وہ لمبے لمبے بیٹ گئے۔

غالباً دو پہر ہو گئی تھی جب اچانک ہنگامہ سا برپا ہو گیا۔ بھاگ دوڑ کی آوازیں ابھرنے لگیں اور یہ دونوں سنبھل کر اپنی ٹکیوں گاد میں بیٹھ گئے کچھ کچھ مٹ نہیں آیا تھا لیکن دس منٹ کے بعد ٹرک اسٹارٹ ہو کر چل پڑا۔ شاید آگے کا سفر شروع ہو گیا تھا۔

پورا دن سخت دوسووں کے درمیان کتنا بھر شام تک آئی اور اس کے بعد اندھیر پھیل گیا۔ دونوں رندگی سے عاجز آ گئے تھے اور بچھتا دسے کا شکار تھے لیکن اب جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔ انہوں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اب ٹرک کے ساتھ کچھ اور گاڑیاں بھی شامل ہو گئی ہیں ان کی روشیاں جگمگاتی تھیں وہ بے چارے اندر ہی سے حالات کا اندازہ لگا رہے تھے یہی غیبت تھی کہ کسی نے ٹرک میں داخل ہونے کی کوشش نہیں کی تھی اور دور دراز سفر انہیں ایک عمدہ قیام گاہ دہیا ہو گئی تھی البتہ ان کے بدن ایتھے گئے تھے۔ رات کافی ہو گئی مگر یہ لوگ سوئے نہیں تھے بلکہ اطراف میں کچھ تیز روشنیاں نظر آنے لگی تھیں ساتھ ہی میوزک کی آوازیں ابھر رہی تھیں۔ چٹکونے اور منکو کے ذہن میں تجسس جاگ اٹھا دونوں نے ہاتھ مشورہ کر کے پیچھے ترسنے کا فیصلہ کر لیا۔

ان کی بچی ہوئی خوراک رات کو کام آگئی تھی۔ دوسرے دن کے لئے کچھ نہ تھا۔ یہ خیال بھی ذہن میں تھا کہ مگر کچھ خوراک حاصل ہو جائے تو بہتر ہے۔ دونوں احتیاط سے پیچھے اتر آئے۔ کسی جگہ سفید دودھیا روشیاں چمک رہی تھیں۔ جہاں میلہ سا لگا ہوا تھا بہت سے لوگ کسی کام میں مصروف تھے۔

”یہ کیا ہو رہا ہے؟“ منکو نے پوچھا۔

”اوھر دیکھو۔ دن کے خیمے ہیں۔ کیا ان میں کوئی کچن بھی نہ ہو گا۔“ چٹکونے بولا۔

”موقع بہتر ہے آؤ تلاشی لے لیں۔“ وہ دونوں بن کیمپوں کی طرف بڑھ گئے۔ ابھی وہ خیموں سے کچھ فاصلے پر ہی تھے کہ دفعۃً فارنگ کی آواز بھرے لگی اور وہ دہشت سے اچھل پڑے۔ انہوں نے سہی ہوئی نظروں سے دوسری طرف دیکھا ایک گاڑی طوفانی رفتار سے اس طرف آرہی تھی اور اس کے پیچھے دوسری گاڑیاں بھی دوڑ رہی تھیں جن میں سے ایک گاڑی پر رات کو دن میں تبدیل کرنے والی روشنیاں لگی ہوئی تھیں۔ کچھل گاڑیوں سے فارنگ کی جارہی تھی اور آگے آنے والی کارخ ان دونوں کی سمت ہی تھا۔

”بھاگو!“ منکو چیخا اور انہوں نے پوری قوت سے کیمپوں کی طرف دوڑ لگا دی ہونا ک خطرہ سر پر آ گیا تھا کہ صورتحال ان کی سمجھ سے باہر تھی لیکن گاڑی انہیں کی طرف آرہی تھی یقیناً انہیں دیکھ پا گیا تھا۔

چنگو منکوی گمشدگی کو کئی دن گزر چکے تھے غلام شاہ کا چہرہ اتر اتر ہو تھا۔ سب لوگ بری طرح پریشان تھے کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ دونوں کہاں گئے۔ یہی طرح سے تحقیقات کر لی گئی تھی لیکن کچھ پتہ نہیں چلتا تھا سرکس کے بیشتر لوگ ان کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ پچھلے دو دنوں سے اکبر شاہ کی شامت آگئی تھی۔ غلام شاہ اس کے ساتھ جیب میں بیٹھ کر لکنا اور شہر بھر میں مارا مارا پھرتا تھا۔ کبھی کبھی وہ شہر سے باہر بھی چلا جاتا تھا اور کھنڈرات پر انوں میں چنگو منکوی لاشیں تلاش کرتا تھا۔ اس پر جنوں طاری تھا۔ درودہاں دنوں سخت چڑھا ہو گیا تھا۔ اکبر شاہ اس کی کیفیت سے واقف تھا اس لئے کچھ نہ کہتا تھا مگر وہ اس کی تلاش سے سخت بیزار ہو گیا تھا۔ اس وقت بھی وہ پرانے شہر کی ایک سڑک پر جا رہے تھے دونوں طرف دکانیں بنی ہوئی تھیں اور لوگ خرید و فروخت میں مصروف تھے۔ غلام شاہ کی جیب آہستہ روی سے اس سڑک پر جا رہی تھی کہ اچانک ایک آڑ سے ایک شخص نکل کر جیب کے سامنے آ گیا۔ اس کے پیروں میں لمبے لمبے ہالس بندھے ہوئے تھے وہ جیب کے سامنے چلنے لگا۔ اس کی رفتار تسست تھی اس لئے جیب کی رفتار بھی تسست کرنی پڑی تھی جگہ نہیں تھی کہ جیب آگے نکال جائے۔ اکبر شاہ روز بروز سے ہارن بجانے لگا اس پر مضمحلہ منہ طاری ہونے لگی تھی لیکن ہانسون پر چلنے والے سے انہیں راستہ نہیں دیا تھا۔

”اے باریگر۔ سامنے سے ہو۔ مرنے چاہتے ہو کیا؟“ اکبر شاہ غصے سے چیخا۔ ہانسون پر چلنے والے نے گردن موڑ کر مسکراتے ہوئے انہیں دیکھا اور اکبر شاہ کے منہ سے نکل گیا۔ ”اوشیٹا۔ یہ تو وہی ہے کیا نام تھا اس کا شارق زبان۔“

”رے وہ بھائی راستہ دے دے ہمارے ایک طرف ہوئی جاؤ۔ گاڑی آگے نکل جائے دوسرے۔“

”تمہارے سرکس میں شامل ہونے کے لئے مشق کر رہا ہوں شیٹا۔“ شارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ارے تو بھین ہمارا راستہ کا ہے رد کے رے۔ اور ای سبک ارے باؤلے ای کھیل تو چھو کر یا کرت رہیں۔ ای کھیل سیکھ کر تو ہمارے سرکس میں کام کرے گا۔“

”شیٹا مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا۔ اسے گھر مار دوں گا۔“ اکبر شاہ دانت پیستہ ہوا بولا۔

”ارے ناؤ۔ کھینچ یا کاہٹیں رکھ سمجھانے بھانے کہ کام چلا سکتے۔ ارے او بھائی ای تو اچھا نا کرت رہے جانے دے ہمارے پوت۔“

”تم نے مجھ سرکس میں شامل نہ کر کے اچھا نہیں کیا شیٹا۔“

”اے کوئو جبر دست ہے رے۔ ای دیکھو حرام کھور کی بتیں ارے ہٹ جا راستے سے بھائی تیری مہربانی ہوگی۔ غلام شاہ نے کہا مگر وہ اطمینان سے چلتا رہا۔ اکبر شاہ کے لئے یہ کیفیت ناقابل برداشت ہو گئی تھی۔ اس نے اچانک ایکسپلر دبا دیا اور جیب برق رفتاری سے آگے بڑھی۔ غلام شاہ

”رے، رے“ کرتا رہ گیا لیکن پھر اس کی آواز بند ہو گئی۔ اس نے شارق کو نہیں ہانسون پر قلائعیں بھرتے ہوئے دیکھا تھا وہ کسی دروازے کا دست درازے کی طرح لمبی لمبی قلائعیں رہا تھا اس کی رفتار ناقابل یقین ہوتی جا رہی تھی۔ غلام شاہ دم رو کے اسے دیکھ رہا تھا۔ ہانسون پروژین سا دھک چلنا دوسری بات تھی لیکن اس طرح دوڑنا۔ وہ جیپ سے آگے آگے ہی جا رہا تھا اور اکبر شاہ پر دیو گئی عاری ہوتی جا رہی تھی۔ اس نے گینز بدل کر جیپ کی رقبہ اور تیز کر دی لیکن اس کے ساتھ ہی اس کے دوڑنے کی رفتار اور تیز ہو گئی تھی۔ جیپ کی رفتار اب اتنی تیز ہو گئی تھی کہ اس سے رہا وہ دوڑنا نہ سانی اس سے رہا تھا۔ پھر اچانک جیپ دوڑتے ہوئے ہانسون سے ٹکرائی اور دونوں ہانس فضا میں اڑ گئے۔

”روک دے حرام کھور۔ روک دے۔“ غلام شاہ نے اکبر شاہ کی گردن پکڑ لی اور اکبر شاہ نے بریک لگا دی۔ اڑتے ہوئے ہانس نیچے گر گئے تھے لیکن وہ نہ گرا تھا۔

”رے، رے اوئی اوئی کدہ گیا۔“ غلام شاہ کی بھرتی ہوئی آواز ابھری۔ اور وہ گردن گھما کر پیچھے دیکھنے لگا۔ وہ ایک درخت کی شاخ سے لٹکا ہوا تھا۔ غلام شاہ نے ایک گہری سانس لی۔ ”کمال ہے بھی۔ بہت بھرتیلا ہے کدہ کسم کل چل اکبر۔“ اکبر شاہ نے جیپ پھر آگے بڑھا دی۔ غلام شاہ نیچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے ہوئے تھا۔ پھر اس روز سے گردن جھٹک دی اور آہستہ سے بولا۔ ”وارے کدہ مر گئے حرام کھور۔ پریشان کر مارا رے۔ چل اکبر اموڑ دے چل۔“ اکبر شاہ نے آگے چل کر جیپ واپس موڑ دی تھی۔

سرکس کے شو چل رہے تھے۔ حالانکہ سب پریشانی تھی لیکن شور و کے نہیں چا سکتے تھے۔ آج رات بھی شو معمول کے مطابق جاری تھا ورتام آٹو حسب پروگرام پیش کئے جا رہے تھے۔ اس وقت سونیا جھولے پر تھی اور اکیسے ہی پروگرام پیش کر رہی تھی۔ وہ جھولے پر قلاباڑیاں کھاتی ہوئی دوسری طرف گئی وروہاں چا کر رک گئی۔ لیکن اس وقت تنہا کی چھت کے پاس دو پاؤں نیچے اترے اور پھر کسی نسائی جسم نے ساٹھ فٹ کی بلندی سے ایک ہونٹا کچلا ٹنگ لگائی وروخان جھولے پر آ گیا۔ اس کے ہاتھوں میں سرخ پھوس کا گلدستہ تھا۔ سوہیا کا جھون گردش کر رہا تھا جو فی جھولا اس کے پاس آیا اس نے جھولا پکڑ لیا اور چوری مہارت کے ساتھ سونیا کی طرف چل پڑا۔ سونیا کا سانس رک گیا تھا۔ سونیا کے جھولے پر پہنچ کر اس نے گلدستہ سے پیش کرتے ہوئے کہا۔ ”علاقہ نہ ہونے کے تمام دنوں کا حساب ہے۔ قبول کیجئے مس سوہیا۔“ اس نے گلدستہ سونیا کو دیا اور فوراً ہی پٹ پڑا۔ لیکن وہ دوسرے جھولے پر نہیں گیا تھا بلکہ اس نے خوناک انداز میں جھولنا شروع کر دیا تھا۔ جھولا بار بار مقبوضی چھت کو چھو رہا تھا۔ پھر اچانک اس نے جھون چھوڑ دیا ایک لمحے کے لئے اس کے پاؤں ٹپکتے ہوئے نظر آئے اور پھر قابو ہو گئے سونیا کے حلق سے سبے اختیار چیخ لگ گئی تھی۔

خوف و دہشت سے دونوں کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ قاتلوں کی آواز سہجی دہشت ناک لگ رہی تھی۔ بس پورا محسوس ہوتا تھا جیسے ابھی کوئی گون ان کے جسم کے پار ہو جائے گی۔ لیکن خوش قسمتی سے گاڑیوں کے قریب پہنچنے سے پہلے وہ خیمہ کے قریب پہنچ گئے۔ چٹکو نے برقی رفتار سے ایک خیمے کا پھل حصہ اٹھا لیا اور منکوک کو اندر داخل کر کے خود بھی اندر داخل ہو گیا۔ ان کے سانس دھوکئی بنے ہوئے تھے اور پورے بدن سے پسینہ بہہ رہا تھا۔ موت ہانکل قریب آ گئی تھی۔ ان خطرناک لوگوں نے انہیں دیکھ لیا تھا۔ اب بچنا مشکل ہے۔ ظاہر ہے انہیں خطرہ پیدا ہو گیا ہو گا کہ کوئی جتنی ان کے درمیان ہے اور ان کا راز فاش ہو گیا ہے۔

خیمہ بہت کشادہ تھا لیکن اس میں تاریکی پھیلی ہوئی تھی اور یہ ان کے لئے بہتر تھا کوئی بھی ایسی جگہ مل جائے جو چھپنے کے لئے مناسب ہو ممکن ہے جاں بحق جائے۔ وہ تاریکی میں ایسی جگہ تلاش کرنے لگے۔ دونوں بار بار ایک دوسرے سے ٹکرا رہے تھے۔ پھر انہیں ایک لمبائی جیسی جگہ نظر آئی اور دونوں اس کا جائزہ بنے لگے۔ باہر کچھ آوازیں آتی سنائی دیں تو دونوں ہل ناخواستہ اس میں داخل ہو گئے۔ اندر کافی جگہ تھی۔ کچھ کپڑے وغیرہ لٹکے ہوئے تھے۔

”خیر روشنی، میں ہمیں دیکھ رہا ہوں۔“

”اب بچنا مشکل ہے وہ لوگ بالآخر ہمیں تلاش کر لیں گے۔“

”جو ہو گا دیکھا جائے گا اب کیا بھی کیا جا سکتا ہے۔“ دونوں حالات سے مایوس ہو گئے تھے۔ آٹھیں بند ہو گئیں اور وہ آنے والے لحاظ کا انتظار کرتے رہے۔ باہر آدیں مسلسل بھر رہی تھیں اور قاتلنگ بھی ہو رہی تھی۔ چٹکو نے کہا۔

”اب وہ کس پر گولیاں چلا رہے ہیں۔“

”شاید ہو میں، وہ ہمیں تلاش کرنے میں ناکام رہے۔“ دونوں سانسوں پر قابو پانے کی کوشش کرتے رہے۔ پھر انہیں سمجھنا پڑا۔ اس بار دیکھنا کوئی خیمے میں آیا تھا۔ عجیب سی دھمک لہجے میں گونج رہی تھی۔ پھر ایک سریلی ٹنگنا ہٹ سنائی دیا اور انہیں کچھ اطمینان ہوا۔ کوئی عورت ہے اور اسے قطعاً یہ معلوم نہیں ہے کہ کوئی خیمے میں موجود ہے۔ انہوں نے خود کو کپڑوں کے ڈھیر میں چھپایا۔ الماری شاید کیڑوں کی تھی۔ اس لئے باہر ہلکی سی آہٹ بھی سنائی دے رہی تھی۔ ایک بار وہ دونوں ہم گئے۔ خیمے میں اچانک خیر روشنی ہو گئی جو ہانکل بجلی جیسی تھی جس کا ہر ہے بجلی نہ تھی۔ لوگوں کے لئے کیا مشکل تھا جو رات میں دن نکال دیتے ہیں۔ اپنی ”تمکوں سے دیکھ چکے تھے وہ پھر ٹنگنا ہٹ الماری کے قریب آ گئی اور ساتھ ہی روشنی کا طوفان بھی۔ دو درشت کی شاخوں جیسے موٹے موٹے ہاتھ اندر داخل ہوئے اور انہوں نے ڈیگر میں لٹکا ہوا ایک لباس اتار دیا۔ بد قسمتی سے منکوک اسی لباس کے پیچھے

تھا اور اس کی طرف کا پیٹ بھی کھٹا تھا۔ اس نے آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے سامنے کھڑی شخصیت کو دیکھا اور اس کا سانس اسی گھٹ گیا۔ یہ تو وہی ہاتھی لڑکی تھی۔ ابست عورت نے ابھی اسے نہیں دیکھا تھا اور لباس کا جائزہ لے رہی تھی پھر منکھو کی بد نصیبی کہ اسے وہ لباس پسند نہ آیا اور وہ دوپٹہ لٹا کر اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔ وہ اندھی بھی نہ تھی کہ اسے منکھو نظر نہ آتا اور پھر جتنے کے علاوہ اور کیا کر سکتی تھی۔ اس کی ہولناکی چنگل ڈال بھری اور وہ لباس بھینک کر بھاگ گئی۔ دو چار اگلے سیدھے پاؤں پڑے وہی جانا پہچانا دمھا کہ ابھرا۔ وہ ڈھیر ہو گئی تھی۔ منکھو نے بھی غصے کے عالم میں اس پر چھلانگ لگائی تھی اور اس کے پیٹ پر دونوں پاؤں رکھتا ہوا نیچے کے پردے سے ہر لگتا تھا منکھو کے دل سے اس گم تھے۔ وہ جہنم بھی نہ کر سکا تھا۔

خیمے کے باہر چونکہ تمام لوگ مستعد تھے ورنہ صبح بھی زیادہ نہیں تھا اس لئے فوراً ہی بہت سے افراد اندر گھس آئے۔ جن میں جو سن اور پیڑ بھی تھے۔ عورت اب بھی زمین پر زخمی پڑی چلا رہی تھی۔

”اوہ یہ میڈم کو کیا ہو گیا۔“ کسی نے کہا۔

”نہایت بھلا صاحب کو یاد کر رہی ہوں۔ جو سن نے جے بھنے بھنے میں کہا۔“

”کیا بات ہے میڈم خیریت کیا ہو گیا آپ کو؟“

”وہ وہ آہ وہ یہاں ابھی آ گیا۔“ عورت نے خیمے کے پردے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”کون بھلا صاحب؟“ جو سن نے طنز پر لہجے میں کہا۔

”نہیں وہی وہی آتشداں کا بھوت آ سیب آ سیب۔“ میڈم نے سریلی آواز میں کہا۔

”بڑھا ڈھیت اور سپہ شرم ہے آپ کو ایک بار دیکھنے کے باوجود وہ پارہ یہاں آ گیا۔“

”پکڑوں کی الماری سے نکالا تھا۔“

”اگر وہ یہاں ابھی آ گیا ہے تو اسے خود اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہوگا آپ اب آرام کیجئے۔ آئندہ وہ کبھی ادھر کا رخ نہ کرے گا۔“ جو سن سرو لہجے میں بولا اور دوسرے لوگوں سے بولا۔ ”کم از کم یہ ثابت تو مکمل کر دو۔ بھلا صاحب آتش فشاں ہو جائیں گے خود بخود کی منگی پڑے گی۔“ وہ داپسی کے سنے پیٹ گیا نیم نیم عورت اٹھ کر زمین پر بیٹھ گئی تھی۔

جاری ہے

”سب جا رہے ہو، مجھے ڈار لگے گا۔“

”تو پھر فرمائیے آپ کی دلجوئی کے لئے کسے چھوڑا جائے۔“ جو سن نے کہا اور عورت چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

”تم مجھ پر طنز کر رہے ہو۔ میں بھلا سے تمہاری شکایت کروں گی۔“

”ضرور کیجئے تاکہ انہیں پتہ چل جائے کہ شوٹنگ میں وہ کیسے ہوئی۔“ جو سن یوں اور دوسروں کو اشارہ کر کے باہر نکل آیا۔ پھر اس نے براہ راست بتا کر کہا۔ ”پارکم ڈکیم یہ شاٹ تو مکمل کر دیا۔ نہ بھلا صاحب کچھ بتا چکا تھا۔“

وہ سب وہیں چل پڑے کئی گاڑیاں ان کے پیچھے آئی تھیں اور وہ ایک جھیل کے کنارے پہنچ گئے تھے چست لباس میں ملبوس یک نوجوان درخت پر چڑھ گیا جو جھیل کے کنارے تھا اور ایک جپ فٹ کھڑی کر دی تھی۔ پھر چند افراد جو پولیس کے لباس میں ملبوس تھے تھوڑے فاصلے پر آ کھڑے ہوئے۔ پتھر اور جو سن تیسری جپ میں چڑھ گئے جس پر لائیں ٹٹ تھیں اور تین کیمرے نصب تھے شاٹ نمبر دو دو ہرایا گیا۔ کلیپ دیا گیا اور پھر کیمرے اشارت ہو گئے۔ نوجوان نے درخت سے جپ پر چھلانگ لگائی اور اسے اشارت کر کے تیز زلی دیا جپ تیر کی طرح آگئی بڑھی اور پیچھے پولیس کے لباس میں ملبوس افراد نے فائرنگ شروع کر دی، لیکن ان کی جپ کا سیٹ بچھن گیا اور وہ آگے نہ بڑھ سکی لیکن چونکہ کیمروں والی جپ برق رفتاری سے آگے بڑھی تھی اس لئے پولیس جپ سے ٹکرائی۔ کیمرے گرتے گرتے پیچھے تھے۔ ابنتہ کئی لائیں ٹٹ گئی تھیں اور ہائیڈروجن گیس والی جپ میں آ کر اٹھا۔ اچھا خاصہ ہنگامہ برپا ہو گیا جو سن بری طرح چیخ رہا تھا۔

”اتو نے جپ سائیڈ میں کیوں نہیں لگائی۔ پیچھے کیوں لگ گیا۔ کیمروں کو نقصان پہنچا ہوتا تو دمہ داری کس پر ہوتی۔“ ادھر یہ ہنگامہ آ رہا تھا اور وہی تھی اور ادھر خیمے میں دوسرا کھیل جاری تھا۔ کیم شیم عورت جسے یہ لوگ میڈم کہہ کر پکارتے تھے کچھ دیر اسی طرح زمین پر بیٹھی رہی پھر کراہتی ہوئی اٹھ گئی۔ ”بھلا صاحب کو آ جانے دو ایک۔ یک کوٹ کر ادوں گی۔ آخر سمجھا کیا ہے انہوں نے مجھے۔“ وہ چند محلات چھیلے انداز میں خیمے کے دروازے کو گھورتی رہی شاید آسپ اس کے ذہن سے نکل گیا تھا۔ وہ بڑبڑاتی ہوئی دوبارہ اماری کی طرف بڑھی اور ایک جھلکے سے تمام لباسوں پر ہاتھ مار کر دیک لباس کھینچ لیا۔ لیکن بدبختی نے اس کا ساتھ نہ چھوڑا تھا۔ آتش دان کا بجھت اماری میں موجود تھا۔ میڈم کا منہ کھلا لیکن آواز نہ نکل سکی تھی۔ بھنی بھنی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ چٹکوں نے بھی نہ جانے کیوں بھاگنے کی کوشش نہیں کی تھی لیکن وہ نرم لہجے میں بولا۔ ”ویلو میڈم۔“

”ہو۔ بولتا بھی ہے۔“ عورت کے منہ سے مشکل نکلا۔

”دوستی بھی کر سکتا ہوں۔“ چٹکوں نے کہا۔

”ہو، بولی لاؤ۔“ عورت نے بالکل تمام سینے پر کراہی بتایا۔

”گر آپ نہ چیخنے کا وعدہ کریں تو میں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔“
”تم تم بھوت ہو؟“

”بالکل نہیں۔ بلکہ میں آپ کی طرح ایک انسان ہوں۔“
”میری طرح۔“

”میرا مطلب ہے آپ کے اس خوبصورت پاؤں کی طرح۔“ چٹکو نے جواب دیا اور عورت نے جلدی سے اپنا اسکرٹ درست کر لیا لیکن لفظ خوبصورت نے اس پر اچھا اثر ڈالا تھا۔ وہ کسی قدر معتدل نظر آنے لگی۔
”تم واقعی انسان ہو؟“

”سو فیصدی۔“

”لیکن۔ لیکن تم باقی کہاں گئے۔“ اس نے مصدومیت سے کہا۔

”ہاں ہاں باہر موجود ہے اگر آپ اجازت دیں تو بلا لوں گا۔“ چٹکو نے جواب دیا۔
”کیا مطلب؟“ وہ تعجب سے بولی۔

”مطلب بھی آپ کی سمجھ میں آ جائے گا میں بعد میں سمجھا دوں گا۔“ چٹکو نے کہا۔
”تم آ سیب نہیں ہو؟“

”قطعاً نہیں!“

”پھر آ تشدانا سے کیوں برآمد ہوئے تھے۔“

”چنی سے پیچھے گر پڑا تھا۔“ چٹکو نے کہا۔

”دو بار؟“

”نہیں دوسری بار گرنے والا میرا بقیہ تھا۔“

”تب ٹھیک ہے میں بلا دوں گی؟ رگنی تھی۔“ وہ مطمئن ہو کر بولی پھر اس نے کہا۔ ”تم اگر کچھ دیر کے لئے باہر چلے جاؤ تو میں لہاں بدل لوں ویسے

”تمہاری عمر کیا ہے؟“

”جی ہے کہ مجھے پھر نکاح کر ہی پاس تہہ مل کر میں۔“ چٹو نے نیچے کے ورداڑے کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔

”سنو! وہ جلدی سے بولی۔“ تم دو ایس ضرور آ جانا اب میں تم سے خوفزدہ نہیں ہوں۔ ہاں تم سے باتیں کروں گی دراصل میں یہاں بہت بور ہو رہی ہوں۔“

”میڈم کیا آپ ہمیں کھانا کھا سکتی ہیں۔“ چٹو نے پوچھا۔

”کھانا؟ ہاں کیوں نہیں۔ میں تمہارے لئے کھانا منگو کرں گی تم بھوکے ہو؟“

”تو بھوکے کہ کھانا نہ ملتا تو مر جائیں گے۔ مگر آپ ہمارے بارے میں کسی کو نہ بتائیں اس وقت تک جب تک ہم آپ کو جتنی کہانی نہ سنا دیں۔“

”کہانی۔ اوہ مجھے کہانیاں بہت پسند ہیں۔ ٹھیک ہے تم ٹکڑ کر دو میں تمہارے بارے میں کسی کو کچھ نہ بتاؤں گی تم چاد۔“ چٹو ہار نکال آیا ایک ہار پھر منگو کی تلاش تھی۔ طوطے کی ٹیس ٹیس کا تبادر ہوا منگو ایک جھڑی میں دبکا ہوا مل گیا اور چٹو اسے صورت حال بتانے لگا۔ منگو نے ایک سر آہ بھر کر کہا۔

”اب ہم بہت بڑے عذاب میں گرفتار ہو گئے ہیں۔ نہ یہاں سے کہیں جا سکتے ہیں اور نہ ان کے سامنے آ سکتے ہیں اگر اس سے دوستی ہو جائے تو مشکل حل ہو جائے گی۔“

”وہ بہت بڑی قد و قامت کی بہت بڑی بے وقوف عورت ہے۔ اس کے لئے کوئی عمدہ سی کہانی تیار کرو تا کہ اس کی دلچسپی اور دوستی حاصل کی جا سکے۔“ چٹو نے کہا اور منگو پر نیں انداز میں گردن ہلانے لگا۔



لوگ اسے بھی سرکس کا کوئی آئٹم سمجھے تھے ورنہ یہاں دیر تک گونجتی رہی تھیں لیکن اکبر شاہ سونپا کی گھبراہٹ محسوس کر رہا تھا اس لئے اس نے خوبصورتی سے وہ آئٹم ختم کر کے سونپا کو جھولے سے اتار لیا اور غورانی جانوروں کا کھیل شروع کر دیا۔ لیکن اکبر شاہ شدید غصے کے عالم میں تھا سرکس جاری تھا۔ اس نے سی کے دوران تحقیقات شروع کر دی۔

”کیا ہو رہا ہے یہاں تم لوگ سوچے رہتے ہو۔ آخر کوئی پھر کا آدمی اندر کیسے آ گیا۔“

”ہم چو کس تھے اکبر بھائی۔“

”جب پھر وہ کسی بیٹی کا ہنر سے تنہا کی چھت پر اترا ہو گا۔“

”آئندہ اور خیال رکھیں گے۔ اگر وہ ہاتھ آ جائے تو کیا کریں؟“

”ہاتھ پاؤں تو زدنے۔ اس قاتل نہ چھوڑنا کہ وہ دوبارہ ایسی کوئی حرکت کر سکے۔“

”مگر شیٹا“

”شیٹا کی نرم دی گھسانا بھی پہنچا سکتی ہے کم از کم اس سلسلے میں جو کچھ میں نے کہا ہے تم وہی کرنا۔ میں ذمہ داری قبول کروں گا۔“

”ٹھیک ہے اکبر بھیا وہ دوبارہ سرکس میں نہ داخل ہو سکے گا۔“ سیکورٹی کا انتظام کرنے والوں نے کہا۔

سوئیاں کے بعد لبتہ بکھ نہ کر سکی تھی۔ سرکس کا شو ختم ہو گیا اور وہ آرام کرنے کے لئے ٹیبلے میں آگئی۔ مگر بار بار چونک پڑتی تھی۔ اسے نیند نہیں

آ رہی تھی۔ اب تو صورتحال بدنامی کی حد میں داخل ہو گئی تھی اور یہ مفت کی بدنامی تھی۔ شیٹا نے اسے لڑکوں کی طرح پرورش کیا تھا اور اس نے بھی

اپنے کسی انداز کسی کام سے یہ احساس نہ ہونے دیا تھا کہ وہ لڑکی ہے۔ خطرناک سے خطرناک کام مردانہ وار کرتی تھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ دل کے

کچھ گوشے نرم تھے دوران میں لطیف جذبات بھرتے تھے لیکن زندگی کے معیار کی قائل تھی اور کسی گھٹیا کہانی کا کردار نہیں بننا چاہتی تھی۔ وہ احمق شخص

اسے بدنام کرنے پر تیار ہوا تھا۔ سرکس میں بہت سی لڑکیاں تھیں جو خوبصورت بھی تھیں اور کارکردگی میں بھی۔ یہ مثال تھیں اگر ان کے کام کو بھی سر

جانا تو بات متوازن ہو جاتی لیکن اس دن رنگ میں اس نے پہلا پھول اسے ہی پیش کیا تھا اور اس کے بعد سے مسلسل رڈف پاٹا تو پوری طرح

منکھوک ہو گیا تھا یہ دوسری بات ہے کہ کچھ بول نہیں سکتا تھا اور اب آدھ کاش اس دن بند راسے نوچ ڈالتے بے عزتی ہوتی تو دوبارہ اس طرف کا رخ

نہ کرنا لیکن وہ بندر جیسے پھر تیلے چا فور سے بھی زیادہ پھر تیلہ نکلا۔ آخر کون سا ہے، کیا کسی سرکس کا آدمی۔

غیم میں ایک سرسراہٹ ابھری اور اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا اس کے لئے وہ بارہا یہاں گھس آنا کیا مشکل ہے۔ کہیں یہ آدمی خطرناک نہ ثابت

ہو۔ پھر کیا کیا جائے۔ وہ بے چین ہو کر انٹری خیمے کا اچھی طرح چاڑھ لیا اور اس کا درد ازہ مضبوطی سے باندھا اور دوبارہ بستر پر آ کر لیٹ گئی۔ لیکن

نیند۔ اپہلوں کا گھد متہ اس نے بری طرح مسل کر پھینک دیا مگر کجنت کتنا بے جگر ہے۔ آدمی معمولی نہیں ہے۔ کچھ کر ہی نہ لے۔ اب تو صورت

بھی نہیں کی جاسکتی شیٹا سے مطالبہ کرے گی کہ اس کے خلاف کوئی سخت کارروائی کی جائے وہ اپنا دکار مجروح نہیں دیکھ سکتی تھی۔ غصے سے بھناٹے

ہوئے اس نے کر دسٹ بدلی آنکھیں بند کیں مگر بند آنکھوں میں وہ آسانی سے گھس آیا۔ اس کی شریر آنکھیں اسے دیکھ رہی تھیں اور ہونٹ کچھ کہہ

رہے تھے۔ ”چھوٹوں سے زیادہ حسین۔ تمام دنوں کا حساب“

حیرتی آنکھوں کو ہمیشہ کے لئے تاریک نہ کر دوں تو سو نیا نام نہیں۔ سو نیا نے دانت پیٹتے ہوئے کہا۔

دوسرے دن کا آغاز ہو گیا۔ شیٹا رنگ میں تھا۔ منکھو کی گمشدگی کے بعد اس کے چہرے پر تاریکی نہیں دیکھی گئی تھی ہر طرح کی تفتیش کر چکا تھا اس

وقت بھی ان سے اسی موضوع پر گفتگو ہو رہی تھی۔

”ارے یاج یک کھیاں ہا کی دل ماں اور آ یا ہے رے۔“
”کی شینا۔۔۔؟“

”اوی رے، ای بھی ہو سکتا ہے کہ ان سردا کے دوسرے ساتھی بھی ہوں جن کو ہم نے گر بھتا کر رکھی ہے۔ اٹھن نے ان دوئی کو اگوا کر لئی ہے۔“
”یار کچھ سوچنے لگا بھر بولا۔“ ہو بھی سکتا ہے شینا مگر چٹکو منکوی کو کیوں؟“

”رے بھائی، اس نکا میں تو سب بارہ گج کے رہیں۔ اپنے کام ماں چٹک منک کون سے کم رہیں کا ناہیں کر لیت ہو۔ ہوئی سکتا اوسر ان دونوں کو اپنے کام کا سمجھ کر پکڑنی گئے ہوں۔“

”شینا تم پولیس میں رپورٹ کیوں نہیں کرا تے۔“

”آج تک ناکا کری ہو۔ اپنے کام کا خود ہی منائی لئے رہیں ہم ای بھی سوچت رہیں کہ اپنی ہی کو لو گز بو تار ہی ہو بات پولیس کے ہاتھ ماں پہنچ جی ہے تو کل ناسکتا اسی، رے کھاموس رہیں ہیں۔“

”وہ کچھ لے کر تو نہیں ہا کے شینا۔“

”سرکس میں جو کچھ رہے ہو اسب کا رہے ہم کو سرکس کا ہاتھ کھورو کے ہیں۔ یہ بات کچھ سمجھ میں نا آت رہی۔ کھیجے تھے دوئی ہمار۔ جی ہی نا گت ہے کا کریں۔“ غلام شاہ افسردگی سے بور، اور ایاز گردن جھکا کر سوچنے لگا دوسری طرف کچھ فاصلے پر رؤف پاشا اور اکبر شاہ رات کے واقعہ پر بات کر رہے تھے۔

”وہ سر پھر دیو انداب بنی کر نہیں جانا چاہتے رؤف پاشا یہ ہماری بے عزتی بھی ہے اور بات بھی خطرناک ہے۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا وہ ہے کیا۔“
”ایک آوارہ لنگا اور کون۔“

”نہیں رؤف سارے آوارہ لنگے ایسے نہیں ہوتے وہ بہت خطرناک ہے۔“

”آپ کو علم ہے کہ پہلی بار اس نے اس رنگ میں آکر سونی کو پیوس دیا تھا۔“

”ہاں یاد ہے مگر وہ کامل غور بات نہ تھی۔“

”بعد میں اسے روکا بھی گیا تھا مگر وہ نہ مانا حتیٰ اسی وقت ہونی چاہئے تھی مگر لوگ شینا کی نرم مزاجی کی وجہ سے خاموش رہے ہیں۔“

”سو نہا جھولے سے گر بھی سکتی ہے۔ وہ خود بری طرح ڈنرپ ہے میں نے اندازہ لگا دیا ہے۔“

”اب سیدھے سیدھے اس کا معاملہ پولیس کو دے دیا جائے۔“ رؤف پاشائے کہا اور اکبر شاہ رؤف کو پرخیول لگا ہوں سے دیکھے لگا بھر بولا۔

”خوبز بری نہیں ہے۔ ہم اس پر یا سانی کیس بنا سکتے ہیں آڈیشن سے بات کریں۔“ اور دونوں غلام شاہ کی طرف چل پڑے غلام شاہ نہیں دیکھے لگا۔

”اس آوارہ شنگے کے بارے میں آپ نے کیا سچا شیٹا؟“ اکبر شاہ نے کہا۔

”اوسے سب کے بارے میں اس سوچ رہن بنوا۔ اوئی سرچنگ منک ہم کا دھوکہ دئی گئے۔“

”وہ تو ہے شیٹا مگر یہ شارقی زبان میں ذلیل کر رہا ہے کیا آپ بھی اس کے ساتھ نرمی برتیں گے۔“

”پر بنوا ہم دکا داری تار ہے کی بہت مشکل رہے۔“

”اسے پولیس کے حوالے کر دیا جائے شیٹا اب اس کے ساتھ کوئی شرط نہ برتاؤ مناسب نہیں ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ۔“ اکبر شاہ خاموش ہو گیا غلام شاہ نے ایک نگاہ سے دیکھ پھر ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

”ٹھیک ہے ہم سمجھتے رہیں بنو“ راج تو چاہی کی اور سادھان رہے نا دیکھوں کہ سیکھا اسے منا چاٹ ہے۔“

”میں بھی چلا جاتا ہوں شیٹا!“ ایسا نے کہا۔

”مگر پولیس ان لوگوں کا شکر گزار تھا کیونکہ انہوں نے بہت بڑا کام کیا تھا اور سبے نوٹ کیا تھا۔ افسر اعلیٰ ارشاد خان دوڑا چلا آیا تھا اس نے گرجوٹی سے غلام شاہ سے مصافحہ کیا تھا۔

”پچھلے دنوں کافی مصروفیت رہی شاہ صاحب آپ کے پاس آتا چاہتا تھا مگر پولیس کی نوکری ہی ایسی ہوتی ہے کام سے تو مدد چا سکتا ہے بنا کام مشکل ہو جاتا ہے میرے بیوی بچے بھی کئی دن سے آپ کا سرکس دیکھے کے لئے ضد کر رہے ہیں کہیں کیسے حرج ہیں آپ کے۔“

”پیارے بھائی تیری ریل گاڑی رکے تو ہم بچاؤ بنا لے ہے۔“ غلام شاہ نے کہا اور ارشاد خان جھینپ گیا۔ ”جس کو سرکس جڑو دکھائی ہی دیکھ بھائی

”رہا دکھان تو سے ایک کام آئی پڑے رہے کہیں تو برا تو نہ مانی ہے۔ سوچے گاتے نے ہم سے کام لئی رہے تو ہم کرج وصول کرے رہیں۔“

”کیسی باتیں کرتے ہیں شاہ صاحب آپ کا کوئی کام کر کے مجھے خوشی ہوگی۔“

”تیرے سہ ماہ آکر پریشان ہوئی تھی رہے بھائی ارشاد دکھان ہمارا سرکس ماں دوئی بونے دیکھ رہے تے۔ چنگ منک۔ جڑوں میں سر، ہم اولاد کی طرح پالے رہیں اں کا بھی۔“

”ہاں میں نے دیکھا ہے شیخا۔“

”چار دن سے گائب ہیں۔ اپنی مرضی سے ناگئے ای ہم جانت ہیں وہاں رہتے تھے ہمارے ایانج کا کہنا ہے کہ کہیں اومہ قوتار ہے ہمارے ماں قوتار لٹائی ہے ان دوئی کا۔“

”آپ کا مطلب ہے کہ یہ اس کیس کی کوئی کڑی ہو سکتی ہے۔“

”ہو بھی سکت ہے ہر۔“

”لیکن نہیں شیخا پورا کیس اوپن ہو چکا ہے جو بنگ اس سے متعلق تھے پکڑے جا چکے ہیں تاہم یہ مسئلہ پتی جگہ ہے میں ابھی انہیں کو بد کر ایف آئی آر درج کرائے دیتا ہوں۔ آپ ہانکل اطمینان رکھیں۔ پوری پولیس فورس انہیں تلاش کرے گی دو تین دن میں وہ آپ کو مل جائیں گے۔“

”مالک حیران بھلا کرے بھائی۔ ایک اور کام رہے اوتو کبرا سے پوچھ لے۔“

”جی کبرا شاہ صاحب بتائیے مجھے آپ کی خدمت کر کے خوشی ہوگی۔“

”شارق زمان نامی ایک ادارہ مزاج آدمی ہے جو پچھلے کچھ دنوں سے ہمیں پریشان کر رہا ہے ہم خود بھی اس کے ہاتھ پاؤں توڑ کر شہر کے کسی چوراہے پر ڈال سکتے ہیں لیکن شیخا ایسا نہیں چاہتے اس لئے آپ سے کہنا پڑ رہا ہے۔“

”جی ہاں ہے جو کام ہم کر سکتے ہیں وہ آپ کو کرنے کی کیا ضرورت ہے برج کرم اس کے بارے میں تفصیل بتائیں۔“

کبرا شاہ نے پوری کہانی ارشاد خان کو سنادی تھی۔

”انسپکٹر آگیا ہے۔ مس سونیا کی طرف سے اس کی رپورٹ درج کرا دیں ہم اسے گرفتار کر لیں گے، اور کوئی خدمت ۹۔“

”جے جی جی سے چٹک متک کو تلاش کروے باہر ہم اس سیر سے جلدی چلے جائی ہے بس۔“ غلام شاہ نے کہا۔

”آپ اطمینان رکھیں شاہ صاحب یہ امداداری میری ہے۔“ ارشاد خان نے کہا پھر اس نے پولیس ہیڈ کوارٹر سے مطلوبہ افراد طلب کیے ضروری کام مکمل کئے اور ارشاد خان نے انسپکٹر کو ہدایت کی۔ ”سادہ لباس والوں کا ایک دستہ سرکس کے پنڈال میں تعینات رہے۔ لیکن ہے وہ سرکس دیکھنے آئے آپ اکبرا شاہ صاحب صرف اس کا چہرہ شناخت کرا دیں۔ باقی کام پولیس کا ہوگا۔“



میڈم کا نام شریکنتی شرمیلا تھا۔ بھلا صاحب کی تڑن تھیں اور بچپن میں ان کی بھائی بھلا صاحب سے ہو چکی تھی ان کے مانا پتا مری چلے تھے اور وہ بھلا

صاحب کے ساتھ رہتی تھی۔ بھلا صاحب بہت جلد ان سے شادی کرنے والے تھے، اور بقول میڈم کے نہیں بہت چاہتے تھے وہ فلم ڈریکٹر تھے اور کئی فلمیں بنا چکے تھے اس بار وہ ایک خاص موضوع پر فلم بنا رہے تھے جس کی شوٹنگ انہیں پہاڑوں کے پارٹیاں میں کرنی تھی اور یہ فلم پونٹ یا نگر بنا رہا تھا چونکہ بھلا صاحب کو بہت سی تیاریاں کر کے براہ راست یا نگر پہنچنا تھا اس لئے پونٹ ساروسامان کے ساتھ پہلے روانہ کر دیا گیا تھا اور اس ساروسامان میں شریستی شرمیلا بھی شامل تھیں۔ پیٹر اور جونسن بھلا صاحب کے سیکرٹری تھے اور ان کی غیر موجودگی میں اس پونٹ کے سربراہ، وہ فلم کی کہانی کے مطابق محمد لوکیش پر شوٹنگ بھی کر رہے تھے۔

چکو اور منکو نے بھی شرمیلا جی کو ایک درد بھری کہانی سنادی اور وہ آبدیدہ ہو گئی تھیں۔ ”تم دونوں آرام سے میرے ساتھ رہو تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ بھلا صاحب آنے سے تو میں تمہیں مستقل طارمت دلا دوں گی۔“

”ہم ظاہر ہو کر نہیں رہ سکتے۔“ منکو نے کہا۔

”کیوں؟“

”جونسن اور پیٹر ہمارے دشمن ہیں وہ ضرور ہمارے خلاف کارروائی کریں گے۔“

”میں کہہ دوں گی تو نہیں کریں گے۔“

”نہیں میڈم ہم آپ کو پریشان نہیں کریں گے ہم یہاں سے چلے جاتے ہیں پونٹی بھٹکتے ہوئے دم توڑ دیں گے۔“

”تم میرے دوست بن چکے ہو میں پورہوتی ہوں۔ تم سے باتیں کر کے مجھے خوشی ہوگی۔ چھ یوں کرو تم جس وقت تک رہو جب تک بھلا صاحب نہیں آجاتے بعد میں، میں سب ٹھیک کر دوں گی۔“

”ہم کہاں چھپیں گے؟“ چکو نے افسردگی سے کہا اور میڈم کچھ سوچے لگیں پھر خوش ہو کر بولیں۔

”اس اماری میں، تمہیں کوئی دقت نہ ہوگی۔ کھانا میرے ساتھ کھایا کرنا کچھ دن کی تو بات ہے۔“

”آپ کو پریشانی ہوگی۔“

”بالکل نہیں ہوگی۔ ہم دوست بن چکے ہیں۔“ اور وہ دونوں تیار ہو گئے تھے۔ بہر حال عارضی ٹھکانہ مل گیا تھا اماری بھی میڈم شرمیلا کی تھی اس لئے معافی نہیں تھی اور عمران کی خوراک جس میں صرف بے ہوئے ہاتھی کی کھانسی تھی اس میں سے کچھ نکل جانا کوئی خاص بات نہیں تھی۔ چنانچہ دونوں کا کام چل گیا۔ البتہ انہیں اپنی غلط فہمی پر بہت افسوس ہو تھا پیٹر اور جونسن اب بھی نہیں اچھے آدمی نہیں محسوس ہوتے تھے اور وہ ان کے سامنے آنے

سے ڈرتے تھے کیونکہ بہر حال ان دونوں نے انہیں سرکس میں ضرور دیکھا تھا اور نقل بھی سرکس میں ہی ہو تھا کون جانے یہی دونوں قاتل ہوں اور نہیں دیکھ کر شہ کا شکار ہو جائیں۔ البتہ اس انوکھی خوب گاہ کی پہلی رات انہوں نے گفتگو کرتے ہوئے ایک بات پر اطمینان محسوس کیا تھا۔
 ”یہ لوگ نیا نگر جا رہے ہیں۔“

”ہاں میں بھی یہی کہنا چاہتا تھا شینا بھی نیا نگر آ گیا ہے اگر ہم یہ وقت کسی طرح گزار دیں تو اسے تلاش کیا جا سکتا ہے۔“
 ”مسئلہ صرف یہ وقت گزارنے کا ہے۔“

”اسی پر قناعت کرنا ہوگی۔ فی الحال یہ جگہ بری نہیں ہے کوئی مشکل پیش آئی تو دیکھا جائے گا تب دن تک انہیں کوئی مشکل پیش نہیں آئی لیکن چوتھے دن یہاں سے روانگی تھی۔ اس دن وہ خوفزدہ ہو رہے تھے۔ میڈم نے ٹیکسٹ کی تھی کہ وہ الماری میں ہی رہیں لیکن الماری کہاں رہے گی یہ نہیں معلوم تھا البتہ روانگی سے پہلے انہوں نے اس ٹرک کا جائزہ لیا تھا جس میں سفر کر کے وہ یہاں پہنچے تھے۔ ٹرک کا سامان اسی طرح تھا اور وہ بکس جوں کا توں تھا جس میں چٹکے نے سفر کیا تھا چنانچہ سفر کے لئے اسے ہی مفلوظ سمجھا گیا ہے۔ میڈم نے نہیں غور کیا اور پانی مہیا کیا تھا اور دونوں نے وعدہ کیا تھا کہ دوران سفر بھی وہ موقع ملے ہی اس سے ملتے رہیں گے لیکن یہ مشکل ثابت ہوا تھا اس بار سفر مسلسل تھا دن بھر وہ سفر کرتے رہے اور رات کو کارینی انداز میں رک جاتے تھے۔ ٹرک اس طرح دوسروں کے درمیان گھرا ہوا تھا کہ اس سے اتنا ہی ممکن نہ ہوتا تین دن یہ سفر اسی تناسب سے جاری رہا۔ بند کی دوں تو انہوں نے گھسیٹ لئے تھے لیکن تیسرے دن ان کے پاس کھانے پینے کو کچھ نہیں تھا کوئی ایسا موقع بھی نہیں مل سکا تھا کہ کسی طور ان کی یہ مشکل حل ہوتی۔ چوتھی رات دوبارہ ہی طرح غلط ہو گئے تھے لیکن اس رات انہیں امداد حاصل ہوئی۔ یہ امداد میڈم شرمیلانے کی تھی ایک پوٹلی ٹرک میں آگری تھی اور اس میں کھانے پینے کی اشیاء تھیں۔ پوٹلی کرنے کی آواز ہوئی تھی اور چٹکے نے اس آواز پر توجہ دی تھی پھر تلاش کرنے پر انہیں پوٹلی دستیاب ہوئی تھی دونوں کی خوشیوں کا نمکاتہ نہ رہا۔ یہ امداد لگانے میں بھی نہیں مشکل نہ ہوئی کہ یہ امداد کہاں سے حاصل ہوئی ہے ایک بار پھر زندگی بچ گئی تھی ورنہ نہ جانے کیا ہوتا دیے بھی اس مسلسل سفر سے اعصاب بیٹھ گئے تھے اور وہ بدن میں شدید درد محسوس کر رہے تھے۔

رات گہری تاریک تھی اور چاروں طرف خاموشی طاری تھی۔ چٹکے نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔ ”کیا خیال ہے چپے تریں۔“
 ”دیکھ لئے مجھے تو۔“

”حتیٰ طرکھیں گے۔“

”جاو گئے کہاں؟“

”بس یونہی کچھ دور تک چہل قدمی کریں گے پھر واپس آ جائیں گے۔“

”سوچ لو کسی مشکل میں نہ پڑ جائیں۔“

”اب کوئی آسان زندگی گزار رہے ہیں آؤ۔“ اور دونوں اپنے جگے جگے پھلکے حصوں کے ساتھ پیچھے ہٹ آئے۔ قرب و جوار میں لوگ موجود تھے مگر سو رہے تھے۔ وہ سانس روکے ان کے درمیان سے نکل آئے اور پھر اس گھیرے سے کافی دور آ کر رہے۔

”یہ کھنت ر کے بغیر سفر کر رہے ہیں میرے خیال میں اب بننا گر جا کر ہی رکیں گے۔“

”یہ ہی لگتا ہے۔“

”جو نبی ہمیں کوئی ہستی نظر آئے گی ہم انہیں چھوڑ دیں گے پھر شہر کی آواز کا انتظار کریں گے۔“

”ہاں شہر کے آنے کا پتہ تو چل ہی جائے گا ویسے اب تک وہ نہیں صبر کر چکا ہوگا۔ دھنستہ وہ دونوں خاموش ہو گئے۔ اچانک ہی انہیں چند سائے نظر آئے تھے جو زیادہ دور نہ تھے۔ منکونے جنگلوں کے شالے پر ہاتھ رکھ کر اسے پیچھے بٹھایا اور وہ دونوں ساکت ہو گئے۔ آئے والے ان سے چند لمحوں کے فاصلے پر رک گئے تھے۔ پھر ان میں سے ایک کی آواز ابھری۔

”یہ جگہ درست ہے۔ بیٹھ جاؤ۔“ تقریباً پانچ افراد تھے جو زمین پر بیٹھ گئے جو شخص بولا تھا اس کی آواز انہوں نے پہچان لی تھی وہ جو جس تھا۔ پھر ایک شخص سا پکا غائب ہو گیا تھا۔ اس کی جگہ پر بیٹھ جانے والے کا چہرہ انہوں نے پہچان لیا تھا۔ یہ بیٹھ گیا تھا۔ جو جس کی آواز ابھری۔

”کام کا وقت آ گیا ہے۔ میں تم لوگوں کو آخری ہدایت دینا چاہتا ہوں۔ غور سے پوری تفصیل سن لو۔ کل پورا دن سفر کرنے کے بعد ہمیں ہواؤں بادی کے قریب پہنچ جائیں گے لیکن ہمیں بادی سے کوئی واسطہ نہیں لگانا ہوگا۔ یہاں ہم شنگ وغیرہ کریں گے دریاہاں سے راؤن سنگھ کو منتقل دیں گے۔ بادی کے پاس جانا ٹھیک نہیں ہے کیونکہ ابتدائی چر گا ہیں نہ کر جگت سنگھ کی ہیں اور اس کے آدمی سرحدوں پر پھرہ دیتے ہیں۔ سنگھ کے جواب میں راؤن سنگھ کے آدمی ہمارے پاس پہنچ جائیں گے اور پھر وہ ہمیں صحیح راستہ بتائیں گے۔ لیکن اصل کام یہ ہے کہ اس گھٹ کو لگانے کے بعد ہم سارا اسلحہ کسی محفوظ جگہ منتقل کر دیں گے کیونکہ اس بات کے امکانات ہیں کہ یہاں پہنچ کر فرکوں کی تلاشی ہو جائے۔ دوسرے خطرہ بھلا صاحب کا ہے وہ کسی بھی وقت پہنچ سکتے ہیں ان کی آمد سے سارا نہیں بچو جائے گا ورنہ ہم اپنا کام نہ کر سکیں گے۔“

”سر بھلا صاحب اگر آؤے آئے تو نہیں ٹھکانے بھی تو لگایا جاسکتا ہے۔“ کسی نے کہا۔

”ہاں اور اس کے بعد تم اپنی باقی عمر انہی پہاڑوں میں گزار دو گے۔ زیادہ خطرہ بننے کی کوشش مت کیا کرو۔ ہمیں اسی پونٹ کے ساتھ واپس بھی آنا

ہے اور یہ کام بھلا صاحب ہی آسانی سے کر سکتے ہیں کیونکہ جگت سنگھ سے ان کے گہرے تعلقات ہیں۔“

”اوہ۔ سوری سر۔“

”پریشانی بس یہ ہے کہ عیادہ کی اس راستے پر جگت سنگھ کی آبادی ہے اور چونکہ بھلا صاحب کو اس علاقے میں شونگ کرنی تھی اس لئے ہمیں ادھر سے ٹاپا پڑا۔ ایک اور لمبا راستہ طے کر کے ہم راون سنگھ کے علاقے میں پہنچ سکتے ہیں مگر یہ مجبوری آڑے آگئی۔ راون سنگھ نے ہمہ حال اس سے اتفاق کیا ہے اور اس نے ہمیں کھوتیں بھج بھیجی ہیں۔ یہاں تک تو اسلحہ ہمارے ہاں نہیں کوئی دقت نہیں ہوئی۔ باقی کام بھی اسی آسانی سے ہونے چاہئیں۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ اصل کام کسی مناسب جگہ کی تلاش اور اسلحہ کا وہاں منتقل کر دینا ہے۔ طریقہ کار وہی ہوگا جو میں بتا چکا ہوں۔ یعنی اس کیمپ کو آگ لگا کر پہلے اسلحہ پوشیدہ کرنے کے لئے جگہ تلاش کی جائے گی اور اس کے بعد شونگ کی تیاریاں کروں گا۔ پورے پونٹ کو میں شونگ کے لوکیشن پر لے جاؤں گا اور پیڑ کے ساتھ تم لوگ اسلحہ منتقل کر دو گے سمجھ گئے۔“

”جی سر۔“

”اب جو سوال کرنا چاہو کر سکتے ہو۔“

”نہیں سر اور کوئی سوال نہیں ہے۔“

”بھلا صاحب کی ہمیں سخت ضرورت ہے کیونکہ دابھی انہیں کے ساتھ ہوگی اس لئے عذاب کو بھی برداشت کرنا پڑ رہا ہے جس کا نام میڈم ہے۔ جانتے ہو کیا کہہ رہی تھی۔“

”کیا۔“ پیڑ نے دلچسپی سے پوچھا۔

”بھلا صاحب اسے اس قلم کی بہرہ دہن بننے پر مجبور کر رہے تھے مگر وہ راضی نہ ہوئی کیونکہ اسے کمرے کے سامنے شرم آتی ہے۔“ تمام لوگ ہنس پڑے تھے دفعۃً ان میں سے ایک نے آہستہ سے کہا۔“

”وہ کیا ہے؟“

”کہاں؟“ جو سن چکے ہوئے بچے میں بولا۔

”وہ سر۔۔۔ وہ سامنے ا۔“

”پتھروں کے ٹکڑے ہیں اور کیا ہیں۔“

”سر میں نے سن میں جنش دیکھی ہے۔“ دوسرے آدمی نے کہا اور جوسن تعجب سے چٹکا اور منکو کو دیکھے لگا۔ وہ دونوں بھی یہ الفاظ سن چکے تھے اور کسی قدر بدحواس ہو گئے تھے۔ دفعتاً جوسن نے ایک طاقتور نارنجی کی روشنی ان پر ڈالی اور دونوں روشنی میں نہا گئے۔ لیکن انہوں نے دیر نہیں کی اور اپنی چند قمیص لگائی تھیں۔ جوسن کو بہت بہتوں کا لئے میں دیر ہو گئی تھی۔ وہ دھاڑا۔

”خبردار رک جاؤرنہ گولی مار دوں گا۔“ اس کے ساتھ ہی اس نے کار کر دیا تھا۔ وہ جاں توڑ کر بھاگ رہے تھے اور چند ہی لمحات میں وہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں گاڑیاں دھیرہ کھڑی ہوئی تھیں۔ سب سے آگے نہیں ایک جیب نظر آئی اور وہ اچھل کر اس میں چڑھ گئے۔ جوسن دھیرہ کو وہ نارنجی روشن کئے آتے دیکھ رہے تھے۔ یہ لوگ شاید ان کی گنج سست کا جائزہ نہ لے پائے تھے۔ چنانچہ آن کی آن میں جیب کے پاس آ کر دو رنکل گئے۔ جب ان کے قدموں کی آواز معدوم ہو گئی تو منکو نے آہستہ سے کہا۔

”سب کیا کریں؟“

”وہ ایک ایک گھوٹ چھنا داریں گے۔ ان کے پاس روشنی کا نظام ہے اور ہمارا ان کی نظروں سے چھپن مشکل ہو جائے گا۔“

”رات کو بج گئے تو دن کی روشنی میں نہ بچ سکیں گے۔“

”یقیناً۔“

”بھری؟“

”قرار۔۔۔ صرف قرار۔ آہ یہ دیکھو جیب کی کنٹینر میں جاں بھی موجود ہے۔“

”مگر یہ ہماری گاڑی تو نہیں ہے۔ ہم اسے چلائیں گے کیسے دیکھو سیٹ پر بیٹھ جاؤ تو سر ڈیش بورڈ سے اوپر نہیں جاتا۔“

”ایک ترکیب ہو سکتی ہے۔“

”کیا؟“ منکو نے پوچھا۔

”تم ٹیکسیلیٹر سنبو۔۔۔ میں سیٹ پر بیٹھ کر اسٹیرنگ سنبہ لے لیتا ہوں۔ تم پوری قوت سے اکیسیلیٹر دبائے رکھو ہاتی کام میں سنبہال لوں گا۔“

”ہاں ممکن ہے۔“

”ہم ایسے گاڑی چلا چکے ہیں یا نہیں؟“

”ہاں مگر وہ سرکس کے چنڈال کی بات ہے۔“

”زندگی بچانے کے لئے یہ کوشش ضروری ہے ورنہ کرو۔“ چٹو نے کہا اور دونوں تیار ہو گئے۔ چٹو سیٹ کی پشت پر جم گیا اور چٹو نیچے بیٹھ گیا۔ پھر اچانک ہی رات کے منٹے میں سیلف کی آواز ابھری اور جیب اشارت ہو گئی۔ کافی قاصے پر کچھ داریں سنائی دی تھیں اور وہ لوگ اس طرف دوڑ پڑے تھے۔



اکبر شاہ اور رؤف پاشا اس وقت رنگ میں نہ تھے۔ دونوں پنڈاں میں بیٹھے ہوئے لوگوں میں اسے تلاش کر رہے تھے۔ غلام شاہ اپنی جگہ موجود تھا اور بدس جاہ اس کے پاس تھا۔ غلام شاہ کے چہرے پر پریشانی کے آثار تھے بدس جاہ نے اس کی وجہ پوچھی تو وہ بولا۔

”پریشانی کچھ جیادہ ہی ہو گئی رہے ہوا۔ کچھ سمجھاؤں نہ آتے یہ چنگ منک سسرانے پودے نہیں رہیں کہ کوئی ناکارہ سے گھیر کید کرے کھو بھاگے تو کاہے۔ اے بی باست سمجھنا آدے۔ اور اس سر، بھائی تو کہہ دئی کہ کہ اب پولیس اوفیس کھڑی ہے ہار لگائی ہی دل دکھ رہا ہے سر کے لئے۔ پرکا کریں بھائی گلتی تیری ہے۔“

اکبر شاہ نے اسے دیکھ کر اور سرگوشی کے محاذ میں بولا۔ ”وہ رہا۔“ رؤف پاشا نے تصدیق کر دی تھی۔ ”انسپکٹر کو اطلاع دے دیں؟“ اکبر شاہ نے کہا۔

”مگر اس نے مداخلت کی تو شو بگڑ جائے گا۔“

”شو سنجاں لیس گئے مگر اس کا گرفتار ہونا ضروری ہے۔“ اکبر شاہ نے کہا اور سادہ ہاس میں ملیوس انسپکٹر کے پاس پہنچ گیا۔

”جی شاہ صاحب۔“

”خیلے رنگ کی شرٹ اور گرے پتلون والا۔ دوسری رو کے آخری حصے میں بیٹھا ہو ہے۔“

”ہاں۔ وہی ہے۔“

”بالکل وہی ہے۔“

”دکے۔ آپ اندر جائیں!“ انسپکٹر نے کہا اور پھر احتیاط سے اس نے چار سادہ ہاس والے مسلح آدمی اس کی طرف روانہ کر دیے۔ وہ اپنے

برابر واسے شخص سے کہہ رہا تھا۔

”آپ نے یہ سرکس اس سے پہلے دیکھا ہے۔“

پریشان کرنے اور بغیر جارت مجرمانہ طور پر سرکس میں داخل ہونے کے الزام میں گرفتار کیا جاتا ہے۔ جھکڑیاں ڈال دو۔“

شارق ایک لمحے کے لئے سجدہ ہو، پھر مسکرا دیا۔ ”شجائے دل سکتا ہوں انسپکٹر صاحب۔“

”اس وقت ممکن نہیں ہے۔“

”بعد میں ممکن ہو سکے گا؟“

”اں کیوں نہیں۔ انہوں نے آپ پر الزام لگایا ہے نہیں تو اسے آ کر اس دہرے کی تصدیق کرنا ہوگی۔“

”چلیے۔“ وہ آگے بڑھتا ہوا بولا۔

”جھکڑیاں ضروری ہیں۔“ انسپکٹر نے کہا۔

”رہنے دیجئے۔ میں کوئی گڑبڑ نہیں کروں گا۔“ اس نے کہا۔

”آپ گڑبڑ کر رہے ہیں۔ جھکڑیاں نہیں بچنے۔“ انسپکٹر نے سرد بچے میں کہا۔

”یہ وجہ ضد کر رہے ہیں۔ آپ کی مرضی۔“ اس نے دونوں ہاتھ آگے بڑھا دیئے اور انسپکٹر کے اشارے پر اس کے ہاتھوں میں جھکڑیاں ڈال دی گئیں۔ انسپکٹر اسے لے کر اپنی جیب کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

”خاں صاحب کو اطلاع دیتے ہوئے تھانے آ جاؤ۔“ یہ الفاظ شاید اس نے اپنے ایک ساتھی سے کہے تھے۔ شارق رمان خاموشی سے جیب میں

آ بیٹھا۔ انسپکٹر بھی اس کے ساتھ بیٹھ گیا اور جیب چل پڑی۔ انسپکٹر اس کے تھوون سے متاثر ہو گیا تھا۔ اس نے کہا۔

”سرکس کے مالک کے الزامات درست ہیں مسٹر شارق۔“

”الزامات۔“ وہ گہری سانس لے کر بولا۔ پھر اس نے کہا۔ ”آپ سے ایک سوال پوچھوں انسپکٹر۔“

”پوچھیے۔“

”سرکس شو بزنس کا شعبہ ہے۔ کسی فنکار کو تنقید کے طور پر پھوں پیش کرنا جرم ہے۔“

”میرے خیال میں نہیں۔“ انسپکٹر نے جواب دیا۔

”اس کے علاوہ۔ سرکس کے فنکار اپنے آپ کو غم پیش کرتے ہیں۔ میرے اندر بھی ایک فنکار تو رہا ہے جو کارکردگی پر دگ دکھاتے ہیں میں بھی

دی پیش کر سکتا ہوں اگر میں اس کا غماز کر کے نوکری مانگوں تو یہ جرم ہے۔“

”لو کری کے حصوں کی کوشش تو جرم نہیں ہے۔“

”بس یہی دو جرم میں سے کئے ہیں۔“

”آپ بغیر اجازت سرکس میں داخل ہوئے تھے۔؟“

”میں نے چائیدار سے اجازت لی تھی۔“

”گویا یہ اہرام جھوٹا ہے۔“

”جھوٹا نہیں ہے۔ اس لئے کہ چائیداروں نے اجازت نہیں دی تھی۔“

”پھر ؟“

”میں میں ان کے آگے تھا، دودھ میرے پیچھے۔“ اس نے کہا، اور انہیں بے اختیار مسکر پڑا۔

”سگریٹ نہیں گئے آپ۔“ اس نے جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر انہیں کو پیش کرتے ہوئے کہا۔

”نہیں شکریہ۔ میں نہیں چتا۔“ انہیں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اسے پتہ جو ان کا فی دلیپس محسوس ہو تھا۔ شارق نے ایک سگریٹ نکال کر ہونٹوں

میں دبایا اور پھر ماچس سے اسے سلگانے لگا۔ انہیں بدستور مسکرا رہا تھا۔ لیکن اچانک ہی اسے ایک سنسنی خیز حس ہوا۔ وہ آزادی سے سگریٹ پی

رہا تھا اور جھکڑیاں اس نے حیرت سے دیکھی۔ جھکڑیوں کا جوڑا اس کی گود میں رکھا ہو تھا۔

انہیں ششدر رہ گیا۔ اسے یقین تھا کہ کاشیمل نے شارق کے ہاتھوں میں جھکڑیاں پہنائی تھیں لیکن اب وہ اس کے ہاتھوں کے بجائے گود میں رکھی

ہوئی تھیں۔ انہیں نے بڑی بھرتی سے ہاتھوں نکال کر ہاتھ میں لیا اور اس کی نال شارق کی کپٹی پر رکھ دی۔ پھر دوسرے ہاتھ سے اس کی انگلیوں میں

دبا سگریٹ چھین لیا۔ وہ حیرت سے انہیں کو دیکھے لگا پھر بولا۔

”کمال ہے انہیں صاحب! میں نے تو خود آپ کو سگریٹ پیش کیا تھا پھر اس ڈاکہ زنی کی ضرورت کیوں پیش آ گئی۔“

”کیا کرنا چاہتے تھے تم؟“ انہیں غرایا۔

”میں نے سگریٹ کے صرف چھ کس لئے ہیں۔“ شارق نے کہا۔

”ہاں۔ پھر ؟“

”ساتواں کس بیٹا چاہتا تھا۔“ وہ بے چارگی سے بولا۔

”یہ ارے! مل گاڑی رو کو اور تم نے کوئی تفتیش کی تو میں بے دریغ گوی ہار دوں گا۔“

”بلاوجہ اتنے بچھے تعلقات خراب کر رہے ہو انیسٹرز آجرا چا تک کیا ہو گیا۔“ شارق بیویو دیا اس اشار میں گاڑی رک گئی تھی۔ انیسٹرز دوسرے کانٹیل سے کہا۔

”جھکڑیاں اس کے ہاتھوں میں پہناؤ، چابی میرے جیب میں ہے۔“ اور کانٹیل بھی دکھڑ گئے کیونکہ انہوں نے خود سے جھکڑیوں سمیت جیب میں بٹھایا تھا۔ بہر حال اسے دوبارہ جھکڑیاں پہنا دی گئیں اور انیسٹرز اس کی ٹکرائی کرتا رہا۔ شارق برا سا منہ بنا کر خاموش ہو گیا تھا۔ پھر دوبارہ وہی کوئی حرکت نہ ہوئی تھانے، راکر اسے لاک اپ میں ڈال دیا گیا تھا۔ شارق نے اس پر بھی تعرض نہ کیا۔ وہ لاک اپ کے ایک گوشے میں جا بیٹھا تھا۔

ادھر رشا دغاں نے اس کی گرفتاری کے بعد غلام شاہ سے ملاقات کی اور مسکرا کر گردن خم کرتے ہوئے کہا۔ ”اور کوئی حکم دیں شاہ صاحب وہ گرفتار ہو چکا ہے۔“

”عیر اشکریہ بھی پرائیک بات کہتی ہے میرا، بار وادہ لگائی ہے دکا کو نو ماں کا پوت ہے اور بھی۔“ غلام شاہ نے افسوس بھرے لہجے میں کہا۔

”ویسے کوئی اخر ہم نگانا پڑے گا اس پر تاکہ کچھ عرصہ کی سزا دی جاسکے۔ کوئی چیز چرائی تو نہیں اس نے؟“

”رے نا بھئی۔ کیسی باتیں کرے ہے۔ جبر جستی ادا کا چور ہٹانے رہے۔ تے اپنا یاد رہے تو اتنی بات بھی کہہ دی تو تے۔ ہم دوئی چار روٹ مارا منڈو دھائی دے یہاں سے جیسے ہی ہم جائیں تو ادا کا چھوڑ دے۔ ہماری دشمنی نا ہے اس سے جس سرپرست نامانی رہے یہ جو کوئی بھی ہے انہوں تو ہے۔“

”شیخا میں ایک بات اور سوچ رہا تھا۔“

”سوچ۔“ غلام شاہ گہری سانس بھر کر بولا۔

”آ کر اس طرح تم تک آنے کی کوئی وجہ ضرور ہوگی۔ وہ ہار ہار ایسی کوشش کیوں کرتا تھا میرے دس میں ایک اور شبہ جاگ رہا ہے کہیں ان دونوں آدمیوں کی کشدگی میں اس کا ہاتھ تو نہیں ہے۔“

”یس۔“ شیخا اچھل پڑا۔ اکبر شاہ بھی چونک پڑا تھا۔ غلام شاہ چند محلات خاموش رہا پھر اس نے کہا۔ ”مگر ادا کا ہے ایسا کرے۔ او۔“

”کبر شاہ کے چہرے پر بھی تجسس جاگ اٹھا تھا۔ ”ہو سکتا ہے خاں صاحب، ہو سکتا ہے۔“

”اگر ایسا ہوئی رہے تو۔ تو ٹھیک نا ہے۔ پھر ادا کا نا چھوڑی ہے ہم۔ مگر ادا کا ہے کرے۔ ارے بھیا! رسا دکھاں تو ادا سے جبرور معلوم کر۔“ غلام شاہ بھ

کہا تھا۔

”آپ فکر نہ کریں شاہ صاحب۔ آپ نے پولیس کی مدد کی ہے۔ پھر آپ کی مدد کریں گے۔ اسے بتانا پڑے گا کہ آپ کے آدمی کہاں ہیں۔ اگر فرصت مل سکے تو آپ کل صبح دس بجے تھانے آ جائیں۔ میں کاشیپیل بھیج دوں گا آپ کے پاس۔ آپ کی موجودگی میں ہم اس سے معلوم کریں گے۔“

”آ جاتی ہے۔“ غلام شاہ نے مدھم بچے میں کہا۔ مگر نہ جانے کیوں اس رات وہ سو نہ سکا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بار بار اس کا چہرہ آ جاتا تھا۔ زندگی سے بھرپور اشراوت سے مسکرتا ہوا چہرہ۔ دوسری صبح وہ عام دنوں سے پہلے اٹھ گیا تھا اور کچھ بے نگاہی نظر آتا تھا۔ پہلے سوئی۔ سے علی مذاقات ہوئی تھی۔

”رے اوسنوریا۔ چالپی ڈ کا۔۔“

”بھی نہیں شیخا۔ لاوسا تہارے کے۔“

”رے آپنا۔ ہم منڈوے مار پیٹھے رہیں۔“ غلام شاہ نے کہا اور سویا چلی گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ چائے لے کر آئی تو غلام شاہ گردن جھکائے بیٹھا تھا۔

”کیا بات ہے شیخا۔ پریشان ہو۔“

”ہاں بیٹا نیند نہ آئی رہے رات بھر۔“

”چنگو منگو کے لئے پریشان ہو؟“

”ہاں نہ جانے سرکہ ہر جا کی مرے۔ اور سے پکڑا یہ تھا کوئی نے تو اتنا ہوا کی رہے ان سے کہ نکل آت۔ اسے بودے تو تا ہیں رہے وہ۔“

”یہ تو ٹھیک ہے شیخا۔ انہیں پکڑے رکھنا آساں نہیں۔“

”اس سرے بھی کھو پڑا گھمائی رہے۔“

”کس نے۔“

”ارے۔ دلی حرم کھور تائی رہے مارک مارک تو کا معلوم رہے نا کھان اور سارنی دکا گر بھتا کر لٹی رہے۔“

”ہاں مجھے معلوم ہے۔ مگر اس کا اب کیا قصہ ہے۔“

”تو پوپیس کو نا جائے بیٹا۔ مار مار کر ادکی ہڈیاں تو زوڑے گی۔ ویسے ہوٹ بڑھیا تھا۔ بڑ بڑایا۔ کھینے ہی کا نا رہے اور ہم کھیلے کی ریت نا توڑ سکت۔

سب راکھیں بکڑ جاتی ہے۔“

”تیارم دل ہونا بھی اچھی بات نہیں ہے شیخا۔ اس نے یہ حرکتیں کیوں کی تھیں کوئی نقصان بھی پہنچا سکتا تھا وہ ہمیں۔“ سونیا نے اس کی باتیں یاد کر کے

کہا۔ اس نے کسی کو یہ نہیں بتایا تھا کہ ایک رات وہ اس کے خیمے میں بھی آ گیا تھا۔

”اوری ٹیٹا، جتا اور اور انساناں ہاں فرک ہوئے ہے اور پھر دو تو سر کے لئے دس دیکھے ہے اور وہ بھی ارساد کھاس۔ اواسے چوراو بٹائی دے رہیں۔
ہونہ۔ ای کبرنا چا گگا۔“؟“ غلام شاہ نے کہا۔

”جگاؤں؟“ سوئیائے پوچھا۔

”نا۔ سونے دے۔ ابھی سونے دے۔ ای گھوڑے کا ہے سبے چین رہیں آ جرادیکھیں!“ غلام شاہ وکیل چیمبر دھکیلا ہوا منڈ دے سے باہر نکل آیا۔



خان ارشاد خان غلام شاہ سے بہت متاثر تھا اس لئے صبح دس بجے اس نے کانٹیل کو سرکس بھیجنے کے بجائے خود ہی اوھر کا رخ کر لیا تھا۔ اکبر شاہ اور غلام شاہ انتظار ہی کر رہے تھے۔

”آئیے شاہ صاحب کسی کانٹیل کے درپے آپ کو بلانا آپ کے شاہاں شان ٹیلں سمجھ میں خود ہی آپ کو لینے آ گیا۔“

”حیری مہر ہائی بٹائی۔“ غلام شاہ نے کہا اور پھر کبر شاہ کے ساتھ ارشاد خان کی پولیس جیپ میں آ بیٹا۔ راستے میں اس نے کہا۔ ”چنگ مک کے پارے ہاں بات ہوئی اوسے؟“

”جنس شاہ صاحب۔ اسے لاک اپ کر دیا ہے میں ابھی وہاں نہیں گیا۔ اب آپ کے ساتھ چل رہا ہوں۔“ ارشاد خان نے کہا اور غلام شاہ حاشوش ہو گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ قہ نے پہنچ گئے تھے۔ انسپکٹر موجود تھا اس نے اس لوگوں کا استقبال کیا۔

”کیا حال ہے اس کا۔ کچھ پوچھ بچھ تو نہیں کی تم نے۔“ ارشاد خان نے انسپکٹر سے پوچھا۔

”جناب عالی۔ میں اس شخص کے سلسلے میں سخت پریشان ہوں۔ میرے درخواست ہے کہ اسے بہت کوارٹر یا جیل بھیج دیا جائے۔“
”کیوں، کیا بات ہے۔“؟

”کانٹیل اس سے خوفزدہ ہو گئے ہیں۔ آپ یقین کریں اس کی حرکتیں غیر انسانی ہیں۔“

”کیا یہ میری بات کا جواب ہے؟“ ارشاد خان نے سخت لہجے میں کہا۔

”سواری سر۔ دماغ چکرایا ہوا ہے۔ کل جب میں سے لے کر جیپ میں آ رہا تھا تو میری نگرانی میں اس کے ہاتھوں میں جھکڑیاں! نی کی تھیں۔ چوٹی

میں نے کانٹیل سے مل کر اپنی جیب میں رکھی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے سٹریٹ ٹاچکٹ نکال کر سٹریٹ جہاں مجھے احساس ہو تو میں نے چونک کر دیکھا جھنگڑیاں اس کی گود میں رکھی ہوئی تھیں اور بند تھیں۔ اس نے پسنے بھی کہا تھا کہ وہ کوئی گڑبڑ نہیں کرے گا اسے جھنگڑیاں نہ پہنائی جائیں۔ بہر حال میں نے سے دو پارہ جھنگڑیاں پہنا دیں اور پھر یہاں لا کر رک اپ میں بند کر دیا۔ رات کو اس کا جائزہ لے کر میں چلا گیا تھا۔ صبح ساڑھے سات بجے میرے اے ایس آئی نے مجھے گھبرائے ہوئے انداز میں فون کیا کہ مزم لاک اپ سے غائب ہے اور لاک اپ کا ٹالا کھلا ہوا ہے۔ میں یہاں پہنچا تو کھلی چکی ہوئی تھی۔ چوبیس رات کے سنتری کے پاس موجود تھیں لیکن ٹالا باقاعدہ کھلا ہوا تھا۔ میں خود بھی پریشان ہو گیا اور اس کے بعد اس کی تلاش میں مصروف ہو گیا تو بجے کے قریب ایک سنتری تھاق سے لاک اپ کے سامنے سے گزرا تو اس نے اسے رک اپ میں دیکھا۔ تاہم بند تھا اور وہ اندر موجود تھا۔ اگر بات صرف دوسروں کی ہوتی تو میں اسے کہانی سمجھتا لیکن میں نے خود رک اپ کا معائنہ کیا تھا۔ سنتری کی رپورٹ پر میں لاک اپ کے سامنے پہنچا تو وہ مجھے شکایت کرنے لگا کہ اسے چائے وغیرہ بھی نہیں دی گئی ہے۔ میں نے اس سے سوال کیا کہ وہ کہاں غائب ہو گیا تھا تو اس نے کہا کہ لاک اپ میں اسے پھر کاٹ رہے تھے اس لئے وہ آرامزدہم میں جا کر سو گیا تھا۔ آرامزدہم میں دو کمپوں کا بستر موجود تھا اور پچھلا کھل ہوا تھا۔ بہر حال میں نے اس سے سوال کیا کہ وہ رک اپ سے کیسے نکلے تو وہ مسکرا کر یونا میں فنکار ہوں۔ قلام شاہ مجھے اپنی سرکس میں شامل نہ کر کے ایک بہترین فنکار کے ساتھ نا انصافی کر رہا ہے۔ ایسے بے شمار کھیل مجھے آتے ہیں۔ اس نے کہا کہ وہ چاہتا تو بھیگ سکتا تھا مگر اس نے قانون سے تعاون کیا ہے اور ہمیشہ کرتا رہے گا کیونکہ وہ صرف فنکار ہے مجرم نہیں۔“

قلام شاہ، اکبر شاہ اور ارشد خان کا مزہ حیرت سے کھلا ہوا تھا۔

”یہ کیسے ممکن ہے۔“ ارشد خان نے کہا۔

”آپ کسی سے تصدیق کر سکتے ہیں۔ میں نے دو سنتری لاک اپ کے سامنے کھڑے کر دیئے ہیں۔“

”چھلا وہ رہے گا سر؟“ قلام شاہ بولا۔

”اسے ناشتہ دیا۔؟“ ارشد خان نے پوچھا۔

”دے دیا سر!“

”جادو حقیقہ سے لے کر“ ارشد خان نے حکم دیا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ جھنگڑیوں کے ساتھ انٹیکلر کے دفتر میں حاضر ہو گیا۔

جاری ہے

”ولگوا دیں جھٹکریاں شیٹا۔ خوش ہو گئے لمسوں ہوگا ایک دن۔ ارے تمہارے، سچے ہیں شیٹا۔ تمہاری سرکس کے ایک رکن“

”تم بہت چاہتا ہو، جھٹکریاں کھول لیتے ہو، لاک اپ سے نکل جاتے ہو۔ یہ نہیں جانتے کہ میں تمہاری ٹانگیں تڑوا سکتا ہوں۔“ ارشاد خان نے کہا۔
وردہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

”ہم تو اس سے زیادہ بھی بہت کچھ کر سکتے ہیں پولیس؟ فیر ہمیں اس کے لئے مجبور بھی نہ کرنا۔ ہم سچ بول کر زندگی گزارنے کے قائل ہیں۔ مجرم مت بنانا چاہئیں۔ ہم جرم نہیں کرنا چاہتے اور جہاں تک ٹانگیں تڑوانے کی بات ہے تو تمہیں اس کا اھتیا نہیں ہے اور یہ جسے تمہارا جرم تصور کئے جائیں گے اور دوسری بار تمہارے لئے یہ اٹھانا قائل معافی ہوں گے سمجھو۔“
”اس کا لہجہ بدل گیا اور عجیب بھڑکھڑانہ چالنے چلنے کیوں ارشاد خان کی زبان بھی نہ کھل سکی تھی۔“ لاکھ اس کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں۔ غلام شاہ عجیب سی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

ارشاد خان ہنسنے لہجے میں بولا۔ ”تم نے سرکس کے دو آدمیوں کو اغوا کیا ہے۔ کہاں رکھا ہے ان دونوں کو تم نے۔ اور کیوں اغوا کیا ہے نہیں۔“
”کیا؟“ وہ حیرت سے بولا۔ اسے چنک منک کے ہارے میں تفصیل بتائی گئی تو وہ بولا۔

”اس سرکس کے ایک ایک رکن کو میں اپنا ساتھی سمجھتا ہوں۔ انہیں کوئی نقصان پہنچانے کا تصور نہیں کر سکتا۔ انہیں تلاش کرو اور شرط بندی کا شکار نہ ہوں۔ میں نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی اور نہ ہی ایسی کوئی دہر تھی۔ شیٹا مجھے تمہاری سرکس سے محبت ہے زندگی میں اسے نقصان بھی نہ پہنچاؤں گا یا رکھنا۔“

”جرب زبانی سے کام لے رہے ہو۔ آپ فکر نہ کریں شاہ صاحب ہمارا واسطہ اس سے زیادہ چاہتا ہوں مجرموں سے پڑتا ہے بہت جلد آپ کو ساری جھٹکریوں کا ظلم ہو جائے گا۔ انسپکٹر اس کے پیروں میں جڑیں ڈلوادو۔ میں اسے جیل بھجوانے کے انتظام کرتا ہوں۔ آئیے شاہ صاحب میں آپ کو سرکس پہنچا دوں۔“ ارشاد خان ٹھٹھ گیا۔



اس سے زیادہ حیرت ناک ڈرامہ کبھی نہ کی گئی ہوگی۔ دار نیور دوپارٹس میں تھے۔ منکو جلدی جلدی میز بدل کر ایکسیلیٹر پر دیاؤ پڑھا تھا اور چٹکرو میٹ کے اوپر بیٹھ مضبوطی سے اسٹیئرنگ سنبھالے ہوئے تھا۔ میدانِ علاقہ تھا اور میدان بھی ناہموار نہیں تھا اس لئے کوئی خطرناک لمحہ نہ آیا اور یہ لوگ آت کی آٹا میں کھپ سے دور نکل آئے۔ نہ جانے کیوں پیڑ و درختوں نے گاڑیوں میں بیٹھ کر ان کا تقاب نہیں کیا۔ چٹکرو بار بار عقب میں نگاہیں دوڑا رہا تھا لیکن اسے کوئی گاڑی پیچھے ”تی نظر نہ آئی۔ تاہم اس نے منکو کو رفتار سست کرنے کے لئے نہ کہا۔ یہ صرف سرکس کی مہارت تھی ورنہ کسی

چھوڑے مونے اور جانے پھپھانے غلاتے میں سرکس دکھایا جاسکتا تھا طویل اور اتھانے راستوں پر نہیں۔ لیکن جوں جوں وہ آگے بڑھ رہے تھے راستہ بہتر سے بہتر ہوتا جا رہا تھا۔ چٹکوں نے بڑی مہارت سے یہ سفر جاری رکھا اور وہ ہر موڑ کاٹ رہا تھا۔ اور ہر رکاوٹ سے گاڑی بچا رہا تھا منگولے بھی جسم کو سدھ رکھا تھا اور ہر موڑ پر اپنے بدن کی چلک سے کام لے رہا تھا۔

”اب رفقہ رست کر دو۔“ بہت دیر کے بعد منگولے نے کہا۔

”کوئی پیچھے تو نہیں ہے؟“

”نہیں۔“ رفقہ رست ہو گئی لیکن ان کا سفر جاری تھا۔ اب تہا اب وہ پہچان ختم ہو گیا تھا اور وہ کسی قدر پرسکون ہو گئے تھے۔

”سوال یہ ہے کہ جائیں کہاں؟“ منگولے نے پوچھا۔

”کیس بھی اب دوہارہ اس کسپ کا رخ تو نہیں کر سکتے۔“

”تم نے راتوں کی باتیں ہی نہیں؟“

”ہاں وہ اسلئے کے استغفر ہیں۔“

”درمیں دعوے سے کہتا ہوں کہ سرکس میں وہ قتل انہوں نے ہی کیا تھا۔ گویا ہمارا اندازہ غلط نہیں تھا۔“

”مگر اب وہ ان اندازوں سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ ہم کہاں ہیں آگے کیا ہے اس کے بارے میں ہمیں کچھ نہیں معلوم۔“

”آہ کاش کوئی آپاوی مل جائے۔“ چٹکوں صرست سے بولا پھر چونک کر کہے لگا۔ ”لیکن ہمارے چلتے رہنا ضروری ہے ہو سکتا ہے وہ کی روشنی میں وہ ہمیں

خفاش کریں۔ جائگہ انہیں ہمارے بارے میں کچھ معلومات نہیں ہیں۔ تاہم انہوں نے دیکھ لیا ہے۔“ دونوں باتیں کرتے رہے لیکن جیب کی نہیں

تھی اور یہ سفر ساری رات ہی جاری رہا تھا۔ پھر صبح کی روشنی نمودار ہو گئی اور اس وقت جیب کو جھٹکے لگنے شروع ہو گئے۔ منگولے نے ایک سیلینڈر پر سے پاؤں

ہٹا کر گینز نیوزل کر لیا اور جیب کا انچل بند ہو گیا۔

”ہیڈرول ختم۔“

”درمیں فٹبلی کا آغاز۔ اور ورنک کسی ہتھی کا نشان نہیں ہے۔“ دونوں جیب سے میچے اتر آئے اور اطراف کے ماحول کا جائزہ لینے لگے۔ لہجہ وق

میدان پھیلے ہوئے تھے جن کے ختام پر سر بلند پہاڑ نظر آ رہے تھے۔ راستہ یا قاعدہ تھا لیکن اس پر کہیں کہیں گاڑیوں کے نشانات موجود تھے۔ کہیں

کہیں درختوں کے جھنڈ بھی موجود تھے لیکن یہ خود رو درخت تھے اور ان سے کوئی فائدہ نہیں حاصل ہو سکتا تھا۔ ہاں میدانی سلسلے کے قطعی حصے میں

نہیں بگور اور ناریل کے درخت بھی نظر آنے لگے تھے لیکن وہاں تک کا فاصلہ میلوں کا تھا۔

دفعۃً چٹو اچھل پڑا۔ چاروں طرف کا جائزہ لینے کے بعد اس کی نگاہ جیپ کے پچھلے حصے پر پڑی تھی اور یہاں اسے پیٹرول کے دو بیرل، بد نظر آئے تھے وہ جلدی سے ان کے قریب پہنچا اور ان کا اندرہ لگانے لگا پھر اس نے سرور بچے میں کہا۔

”منکو پیٹرول تو موجود ہے۔“ پیٹرول جیپ کی ٹانگی میں منتقل کرنے کے لئے نہیں شدہ یہ مشقت کا سامنا کرنا پڑتا تھا کیونکہ بیرل کا وزن ان کی جسمانی قوت سے کم نہیں رہا وہ تھا۔ بہر حال اس ٹھنک چد و جہد نے انہیں کامیاب کر دیا پھر پیٹرول ڈسٹری بیوٹر میں آنے کا انتظار کرنا پڑا۔ بالآخر جیپ دوبارہ اسٹارٹ ہو گئی۔ دونوں نے باہمی مشورے سے اسے درختوں کے اس جھنڈ کی طرف لے جانے کا فیصلہ کیا جو ناریل اور بگور کے درختوں کا تھا۔ وسیع و عریض میدان عبور کرتے کرتے سورج پوری طرح چمک اٹھا تھا۔ چمکتے ہوئے سورج کی روشنی میں انہوں نے ایک سو جھل مارے ہوئے پیاز دیو یا کو بھی دیکھ لیا تھا جس پر پرندے پر دار کر رہے تھے۔ درختوں کا جھنڈ دریا سے کافی فاصلے پر تھا اور انہیں اس وقت وہیں پہنچنا تھا۔ اس کوشش میں انہیں کامیابی حاصل ہو گئی۔ چاروں طرف کوٹھی، دوپٹے، پیاز دیو چٹائیں اور ٹیپے بکھرے ہوئے تھے۔ لیکن ابھی انہوں نے جیپ کسی مناسب جگہ روکی بھی نہ تھی کہ دفعۃً ایک ہونٹا آواز سے ان کے اعصاب کھینچا ہو گئے۔ رائفل کی آواز تھی اور گولی جھگو کے سر کے پاس سنسناتی ہوئی نکل گئی تھی۔ منکو نے بریک پر باؤڈا ان بھی صورت حال کا کوئی اندازہ بھی نہ ہو سکا تھا کہ انہیں ہٹا لے جانے سے دو گھوڑے آتے نظر آئے جن پر سوار موجود تھے۔ دریا میں سے ایک نے گولی چلائی تھی۔ گھڑ سواروں نے انہیں دیکھ لیا تھا ابھی یہ عصائی جھکے سے سنبھل بھی نہ پائے تھے کہ دوسرا فائر ہوا اور جھگو نے بے اختیار نیچے چھلانگ لگا دی۔ بلاشبہ اس جھنک نے اس کی زندگی بچا دی ورنہ اس بار نشانہ غلط نہ تھا۔ وہ جیپ سے نیچے اترے ہی بری طرح ہٹا گا اور گھڑ سواروں کی طرف دوڑ پڑے۔ چٹو اپنے ننھے سے قد کی وجہ سے انہیں نظر نہ آیا تھا پھر جب وہ جیپ سے دوسری طرف پہنچے تو انہیں کوئی نہیں ملا کیونکہ جھگو کو پیک نیچے کی آڑ مل گئی تھی اور ٹیلہ بھی انہیں قد سے اونچا نہیں تھا اس لئے وہ اسے بے تحاشہ دوڑتے نہ دیکھ سکے تھے۔ چنانچہ انہوں نے گھوڑے روکے اور گردن اٹھا کر ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ جیپ سے ٹوٹتے۔ دیہاتی لباس پہنے ہوئے سر پر گچڑا یا بندھی ہوئی لیکن تو منہ اور غوغا نظر آتے تھے۔ جب وہ اس ٹیلے کے دوسری طرف پہنچے تو وہاں بھی انہیں کوئی نظر نہ آیا۔ اس دوران منکو صورتحال کی نزاکت بھنپ کر سیٹ کے نیچے رینگ گیا تھا جیپ اس نے اسٹارٹ ہی چھوڑ دی تھی دونوں گھڑ سوار چٹو لیے پر تجسس لگا ہوں سے ادھر ادھر دیکھتے رہے۔ پھر جیپ کی طرف پلٹ آئے انہوں نے جیپ میں جھانکا پھر ان میں سے ایک بولا۔

”کون تھا وہ۔“ حلاش کرو۔“ دونوں نے گھوڑوں کا رخ بدلا، در دوسری سمت چل پڑے۔ چٹو صورتحال کا اندازہ لگا رہا تھا جب وہ کچھ دور نکل گئے تو

اس نے سیٹ کے نیچے سے نکل کر ادھر ادھر دیکھا اور پھر ان کی توجہ چٹک کی طرف سے ہٹانے کے لئے اس نے جیب دوبارہ منہاس لی اور اسے گیزر میں ڈال کر آگے بڑھا دیا۔

گیزر سوار زیادہ دور نہ گئے تھے وہ برق رفتاری سے پلٹے اور جیب کی طرف دوڑے۔ لیکن جب ان کی نظر جیب پر پڑی تو دونوں نے ٹکا ہیں بھیجی میں دونوں میں سے ایک نے سرسرااتے ہوئے ہچے میں کہا۔ ”خود بخود خود بخود۔“

”اسٹیزنگ پر کوئی نہیں ہے۔“ دوسرا بولا۔ اس اثناء میں جیب دور نکل گئی تھی لیکن چونکہ منکو کو کچھ نظر نہیں آ رہا تھا اس لئے جیب اطمینان سے ایک درخت سے ٹکرا کر رک گئی منکو نے خود کو سنبھال کر پیچھے چھٹنگ لگا دی تھی لیکن گیزر سوار نہ جانے یوں آگے نہیں بڑھے تھے۔ چند لمحات وہ اپنی جگہ کھڑے کچھ باتیں کرتے رہے۔ اور پھر انہوں نے گھوڑوں کے رخ بدل کر انہیں برق رفتاری سے دوڑایا۔

ایک بار پھر جاس فک گئی تھی۔ نہ جانے کون لوگ تھے۔ منکو نے ان کے دور نکل جانے کے بعد منہ پر دونوں ہاتھ رکھ کر طوطے کی تیز آواز نکالی اور اسے فوراً ہی جواب ملا۔ پھر چند منٹ کے بعد چٹک اس کے پاس پہنچ گیا۔ خوف کے مارے دونوں کی حالت خراب تھی۔ ”جی مصیبت۔ نہ جانے کون لوگ ہیں۔“

”یہ ہمیں نظر انداز نہیں کریں گے۔“

”پھر کیا کیا جائے؟“

”جیب میں چھپنے کی کوئی جگہ تلاش کی جائے۔“

”اوہ مصیبت آجائے گی۔“

”درخت۔“

”ہاں ان پر جان فک کتنی ہے۔“ دونوں نے اطراف میں پھینے ہوئے درختوں کا جائزہ لیا اور پھر دو گھنٹے درخت منتخب کر کے ان پر چڑھ گئے۔ دونوں کھجوروں کے درخت تھے۔ جیب ان سے زیادہ دور نہیں تھی۔ کافی دیر گزر گئی اور پھر کھجوروں کی خوشبو نے نہیں اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ وہ پہنچے سے دور نہ تھیں چنانچہ دونوں اتن بہ نڈیر پیٹ کی آگ بجھائے گئے اب کا اندازہ درست تھا۔ اس مرتبہ گیزر سواروں کی تعداد دس کے قریب تھی اور ایک قوی نیکل شخص ان میں نمایاں تھا۔ اب کے سب مسخ تھے۔ درخیز رفتاری سے اس طرف آ رہے تھے منکو نے چٹک کو خطرے سے آگاہ کیا اور دونوں نے حتیٰ الامکان پتوں میں چھپ کر دم سادھ لئے۔ گیزر سوار جیب کے پاس پہنچ گئے تھے۔ قوی نیکل شخص گھوڑے سے اچھے کود گیا اور پھر وہ جیب کی تلاش لینے

لگا اس نے جیب کے سامان پر غور کیا اور پھر پر خیال انداز میں بولا۔

”کون ہو سکتا ہے؟“

”کچھ عجیب سی بات تھی تھا کر۔ وہ جیب سے اتر کر ہمارا گیا تھا اور پھر جیب خود بخود چل پڑی تھی۔“

”جو تے مار مار کر بھیجا نکال دوں گا۔ گانچے کے نشے میں ہو گئے تم دونوں۔“

”ہنگو ان کی سوگند تھا کر۔ ہم نشے میں نہیں ہیں تم دو سوگند سکتے ہو۔“

”پھر کہاں سمر گیا وہ۔ جیب بھی ختم ہو گئی ریڈ کی میز نوٹ گیا ہے۔ سنو جو اے یہاں تک لایا ہے وہ زیادہ دور نہ گیا ہوگا۔ تم لوگ اسے تلاش کرو۔ اسی

وقت یہ علاقہ صاف ستھرا ہونا چاہئے۔ ٹھہ کر راون سنگھ کا مال آنے دلا ہے۔“

”جی ٹھا کر۔“

”چار آدمی یہاں رک جاؤ۔ جو کوئی بھی ہے اسے پکڑ کر میرے پاس لے آنا۔“

”ٹھیک ہے ٹھا کر۔ قوی پیکل شخص نے چار آدمیوں کا انتخاب کیا اور پھر خود گھوڑے کی پشت پر ہاتھ رکھ کر نہایت پھرتی سے اس پر سوار ہو گیا پانچ

دوسرے گھڑ سوار اس کے پیچھے چل پڑے تھے۔ باقی چار میں وہ دونوں بھی تھے جنہوں نے چٹکھو منکو کو دیکھا تھا۔ جب ٹھا کر دور نکل گیا تو ان میں سے

ایک نے کہا۔

”تم دونوں ہمارا کیوں آئے تھے۔“

”دارے بھائی ہم نے سے جیب چلائے ہوئے دیکھا تھا اس پر وہ گولیاں چلائی تھیں اور وہ ہمارے سامنے اتر کر ہمارا بھر نظر نہ آیا اور اس کے بعد

جیب خود بخود چل پڑی اسٹیرنگ پر کوئی نہ تھا۔“

”پھر وہ کیا تھا۔“

”بیوولی کا چھلادہ۔“

”اور تم اس لئے ہمارا آئے؟“

”میں سے پہلے بھی ایک دفعہ اسے دیکھ چکے ہیں۔ اس وقت اس کے کندھوں پر سر نہیں تھا کیوں بھ دوں۔“

”ہاں بہت سے لوگوں نے اسے دیکھا ہے۔“

”مگر جیب میں تم نے ہی دیکھا ہے۔“

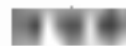
”مذاق اڑا رہے ہو تم تلاش کرو۔“ پہلے وہ سواروں میں سے ایک نے نا خوشگوار لہجے میں کہا۔

”آؤ! اس نے کہا در چاروں نے گھوڑوں کے رخ بدلا دیئے۔

جنگ اور منگو سکی ہوئی غوروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ جب وہ دور نکل گئے تو جنگو نے منگو کو پکارا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دوسرے درخت کے پتوں میں جھانکنے لگا پھر بولا۔ ”وہاں۔“

”بیچا نا اسے۔“ جنگو بولا۔

”بیچاں لیا وہ۔ وہ پھر اٹھا۔ ڈکولیر ا۔“ منگو نے سہے ہوئے لہجے میں کہا۔



غلام شاہ آج بھی مشق کے دوران رنگ میں نہیں آیا تھا۔ کبر شاہ ذاتی طور پر پریشان تھا۔ اس نے سوچا سے کہا۔

”شیخا کی باتیں سمجھ میں نہیں آرہیں آخر وہ کیا چاہتا ہے؟“

”کہتے ہیں طبیعت خراب ہے۔“

”جنگو منگو سے زیادہ وہ اس بد معاش کے لئے پریشان ہیں۔ قاتل حمل ہونا بھی چھ نہیں ہوتا۔ آخر اس سے ہمارا واسطہ ہی کیا ہے۔ تم نے بھی شیخا کو نہیں سمجھا یا۔“

”میری بات سمجھ جائے گا وہ۔“

”کوشش تو کرو میں تو کئی بار جھک مار چکا ہوں اور اب مجھے غصہ آنے لگا ہے۔“

”شیخا پر غصہ کرو گے۔“

”تو پھر بتاؤ کیا کروں۔“

”میں بات کرتی ہوں۔“ سوچا نے کہا اور غلام شاہ کے خیمے کی طرف چل پڑی۔ غلام شاہ وکیل جیٹر پر آنکھیں بند کئے ہوئے بیٹھا تھا۔ سوچا کے قدموں کی چاپ پر اس نے آنکھیں کھول دیں۔

”اری سوچی۔ ہم کونو کا ہاتھ تم لوگ کو بلوائی ہی رہے تھے۔“

”کیا کر رہے ہو شیخا۔“

”ارے جھک مار رہے ہیں۔ امی تم غم پر بیٹھے ہوئے اور کا کر رہے ہیں۔“

”تمہاری طبیعت اب کیسی ہے۔“

”اندھ سے بیمار ہوئی گئے ہیں ہار سے ٹھیک ہیں۔“

”آخر یہ کیا انجمن تم نے خود پر زدی ہے شیخا۔“

”جناور سمجھتا ہو تم لوگ سیکھ کو کا۔ انسان ناراضی ہم۔ جناور میں کڑی تم کا پانا چوس رہے ہیں۔“

”نہیں شیخا مگر تم کیوں پریشان ہو۔“

”ارے ایک پریشانی ہے ہم کا۔ ادنیٰ سرچنگ منک اپنے ماں غم لگائی کر چلے گئے کوئی پڑتا چلے ن کا۔ آکھریوں گئے دونوں؟“

”ہو سکتا ہے شیخا وہ اپنی مرضی سے گئے ہوں۔ ورنہ کوئی نشان تو ملتا ن کا۔“

”واہ ری اپنی مرضی۔ پھر تو کوئی بات ہی نہ ہوئی۔ کا ہے چلے گئے آکھریوں کی بات تھی تو بتاتے ہکا۔ ایسے تو ایک ایک کر کے سب سرچا سکت

ہیں ا۔“

”کیسے روکو گے شیخا نہیں وہ سب اپنی مرضی سے تمہارے ساتھ رہتے ہیں۔“

”تو کا کی بھی ہو سکت ہے کہ ایک رواج ہم اکیسے رہ جا دیں؟“ غلام شاہ افسردگی سے بولا۔

”تمہیں سوئی اور اکبر پر بھروسہ نہیں ہے شیخا؟“

”ارے نا ہیں بیٹا تو دونوں تو ہمارے جگر کے ٹکڑے ہو۔ دوسروں کی بات کرتے رہے ہم۔“

”تو ایسا مت سوچا کرو۔ جو چلا گیا اسے جانے دو۔ تم پریشانی چھوڑ دو۔“

”ایک ہار۔ بس ایک بار نہیں، احمد کھور پڑ روائی جاتی۔ بس ایک بار پھر تو ہم کھودی سارا کھڑا ک کھنٹ کر دی ہے۔ ہمیں کا جو درست پڑی ہے ای

سرکس لگا بے کی۔ ایک بات بتائے گی بیٹا؟“

”پوچھو شیخا۔“

”ہمارا بیٹا ہے نا؟“

”ہاں کیوں نہیں۔“

”اوئی سرسارک کے بارے میں تیری کاروائی ہے۔“ غلام شاہ نے کہا اور سویرے تک چڑی۔
میری کیا رائے ہو سکتی ہے شیخا۔۔۔؟“ اس نے کہا۔

وہ ہکا پھکا کر رہی ہے۔ ایسا بوڑھا کھرا کسم پہلے تاریکھت رہیں۔ ارے چھوڑو ہے، وہ پڑیس دانا کا نیچائی کے رکھائی ہے۔ پر تھاری وجہ ہے اور
جیل چلا گیا۔ ہماراں بت دکھت ہے اوکے واسطے۔۔۔؟“

وہ حد سے آگے بڑھ رہا تھا شیخا۔ اس کے لئے یہ ضروری تھا۔ ”سونیا نے کہا۔

”کس کی کا حد ہے پشاکون چاہت رہے۔ تو ایسا کر کبر سے کہہ کہ وودئی دن، اس سرکس اٹھا دے۔ بس دوسوا کر لے۔“
”کیا۔۔۔؟“ سونیا چل پڑی۔

”پرسوں ہم نیا گھری میں ہوں گے۔ کہہ دے، کبر سے۔۔۔؟“

”مگر شیخا۔ یہاں شو بہت رش لے رہے ہیں اور ہمارا وقت بھی باقی ہے، ابھی یہ مناسب نہ ہوگا۔“

”جو روت سے جینا دہندہ بولت گت ہو تم لوگ۔ ہمارا سرسارک کا بھن سی نار ہے کانکین ہم تم سے۔ اب اوئی سو بھی نا۔ بس آج کا سو آکھری ہوئی
ہے۔ جا کبر اسے کہہ دے آج آکھری سو ہوگا۔“ غلام شاہ نے غرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

”ٹھیک ہے شیخا۔ جو تمہارا حکم۔۔۔؟“

ارے ہاں۔ تم لوگ کو دوست کی بھکر پڑی رہے۔ ہم پیٹ بھر کھا نا کھا سکت اور تم کئی ہو دوست۔ ارے جا بھیجی۔ چاہو ہم کہہ چیں کرو۔۔۔؟“

سرسکس کے آخری شو کا اعلان ہو گیا۔ کوئی بھی اس سے متعلق نہیں تھا۔ لیکن غلام شاہ کے مختلف لہجے ہوتے تھے اور جس بچے میں اس نے یہاں سے جانے
کے لئے کہا تھا وہ جانے ہی کا ہیچہ تھا، اور اس کے بعد کوئی بھی گھناؤ نہیں ہوتی تھی۔ چنانچہ آخری شو ہوا اور اس کے بعد سرکس اکٹھے لگا۔ کارکنوں

نے رات ہی سے کام شروع کر دیا تھا اور دوسرے دن کام مکمل ہو گیا۔ شام چھ بجے سرکس کی گاڑیاں اشارت ہو کر چل پڑیں۔ تین گھنٹے تک سفر کیا گیا
اور پھر ایک جگہ قیام کے لئے منتخب کر لی گئی۔ کچھ دور کسی بستی کی روشنی تھی۔ جگہ گاری نہیں لیکن ڈیرہ بستی سے دور ڈالا گیا تھا۔ رات پر سکون گڑ گئی، اور

کوئی قابل ذکر بات نہ ہوئی دوسرے دن شیخا بھی خوشگو کیفیت میں تھا۔ اکبر شاہ اور سونیا سے اس نے کہا۔

”آگے چل کر دوسرے وودئی سہرا اور ٹیس گے ہکا پھکا تم لوگ بستی چلے جاؤ اور جو چہرہ روت ہو پوری کرو۔۔۔؟“

خریداری کافی کر گئی ہے شیخا... ۹۰

جنادوں کا چارہ یہاں چھال جتی ہے۔ جیادہ سے جیادہ بھر لو بھر لیا رہے اور بھی جو کچھ ہاتھ لگے لے لو۔ نیا نگر پھڑی راستے پر ہے اور آکھری سہرے نکل کر میوں کوئی آبادی نار ہے جتنی جگہ کھان ہے سب بھر لو تاکہ کو لو پر یہاں نار ہے۔“

کافی وقت اس بہتی میں صرف ہو گیا اور دو پیر تک سر کا آغا نہ ہو سکا۔ اکبر شاہ دور سو پر غلام شاہ کے ساتھ تھے اور غلام شاہ خوشگوار سوڈ میں ان سے باتیں کرتا جا رہا تھا۔ سوڈیائے کہ ایک بات پوچھوں شیخا... ۹۱

”پوچھ... ۹۱“

”اس سے پہلے تم نیا نگر جانے سے کتراتے رہے ہو۔ اس بار تم نے وہاں جانے کا قصد کیوں کیا ہے ۹۲“

”بڑا بھگت سوڈ کر دئی ہے تم نے سوڈی ۹۳“ غلام شاہ نے کہا پھر بولا بلہیر آیا وہ ہے تم لوگوں کو ۹۴

”ہاں یاد ہے؟“

”اویہ نگر کے آس پاس رہے۔ ہاری کسی سے دشمنی نار ہے سوائے پڑ روا کے مگر وہی سر بلہیر ایک ایک بات کہلاتی رہے کہ اس سے ملنا جروری رہے اور ای سر ہار امتحان بھی ہے۔“

”کیسا امتحان شیخا ۹۵“

”پہل کھوائی رہے ہم نے ایک نجوی سے۔ او کہت کہ اگر بلہیر اسے ہم جیت گئے تو حرام کھور پڑ روا ہمیں جروڈل جئی ہے۔ بارگئی رہے تو کھیل کھتم پیسہ ہم ۹۶

”میں نے اکبر بیہ سے یہ بات کہی تھی شیخا مگر تمہاری قسم کا کیا ہوا گا؟“

”کون سی قسم ۹۷“

”تم نے عہد کیا تھا کہ تم اپنی زندگی میں صرف پیڑ روا کو چاک کرو گے اور کسی سے خون سے باجھ نہیں دنگو گے... ۹۸“

”سو تو ہے۔“

”پر بلہیر اسے کیسے لڑو گے تم... ۹۹“

”ہم ناڑیں گے بیٹا او سے۔ دوسرے لڑیں گے۔ کھوپڑیا میں بھس تا بھرا ہاری اکل ہے کل ۱۰۰“

”لطیفہ اہل ارادہ شہنشاہ ہے۔ سرکس کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اس کے ہاتھوں وہ ہمارے آدمیوں کو مار سکتا ہے۔“

”ارے جو ہو گا دیکھ جائے گا۔ جھک کر کاہے کر دو تم۔“ چوڑیاں بھی ناپہن رکھیں ہم نے۔ ہاں۔ ”غلام شاہ نے کہا اور سونپا خاموش ہو گئی۔ سونپا کا یہ اندازہ درست نکلا تھا کہ نیا مگر کارخ سیر کی وجہ سے کیا گیا ہے۔ یہ فکری بات نہیں تھی یا مگر کے ٹھکروں کی ہراسہ رکھنا یا اس کے لئے بھی پھٹ رچکی تھیں۔ ان ٹھکروں کے بارے میں سنایا گیا تھا کہ انہوں نے اس علاقے میں اپنی حکومت قائم کر لی ہے اور وہاں صرف ان کا راج ہے۔ بڑے کروفر ہیں ان کے۔ یا مگر کے میسے بھی بہت مشہور تھے اور ان میں شہری آہاڑی سے مختلف ایک انوکھی دین نظر آتی تھی۔ یہ کہیاں اس لوگوں کی زبان سے کہی گئی تھیں جو اس طرف ہو آئے تھے۔ اب پتہ نہیں اس میں کہاں تک صداقت تھی لیکن یہ کہیاں دلچسپ ضرور لگتی تھیں۔

آخری آدمی بھی پیچھے رہ گئی۔ یہاں سے تمام گاڑیوں میں دیندھن بھر لیا گیا تھا۔ پٹرول اور ڈیزل کا ڈھیر کر لیا گیا تھا اور اس کے بعد پہلا قیام اسی شہر سے کوئی پانچ کوس آگے ایک سرسبز شاداب وادی میں کیا گیا۔ وادی ڈھلان پر تھی اور اس کی زمین بزرگہاں سے سرسبز تھی جگہ جگہ چھدرے درخت نظر آ رہے تھے اور موسم بے حد خوشگوار تھا۔

”اولی پہاڑ جو خبر آت اوکے پیچھے یا مگر آ رہے۔“ غلام شاہ نے کہا۔

”کبھی دھڑلے ہو شیٹا۔“ ہال جاہ نے پوچھا۔

”ناہو! پرائی جگہ کے بارے میں معلومات جردور ہیں۔“ شیٹا نے جواب دیا۔

سرکس کا عارضی کمپ قائم ہو چکا تھا۔ جمعہ پنے کا وقت تھا۔ سونپا، غلام شاہ، سالوئی اور ایاز ایک جیب میں بیٹھ کر اطراف کی سیر کو چل پڑے۔ دوسرے لوگ کاموں میں مصروف تھے۔ اس سیر کی تجویز سالوئی نے پیش کی تھی اور ایاز نے شکار کے لئے بدوقت ساتھ لے لی تھی۔

کوئی ہاتھ نہ راست تھا لیکن جیب چلانے میں کوئی دقت بھی پیش نہ آ رہی تھی۔ کہیں کہیں میسے بھی نظر آ رہے تھے لیکن سب کے سب گھاس میں ڈوبے ہوئے۔ دونوں لڑکیاں ان مناظر کو پسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔ جوئی و ویک ٹیلے کا موٹر سائیکل دفعۃً ایاز کے حلق سے یک آواز نکل گئی اور اس نے جیب روک دی۔ غلام شاہ نے بھی وہ منظر دیکھ لیا تھا۔ موٹر کے دوسری طرف موٹی اور گھنی شاخوں والا ایک درخت نظر آ رہا تھا اور اس درخت کی ایک شاخ سے ایک انسانی ماش جھول رہی تھی۔ وہ سب پھٹی پھٹی نظروں سے اس لاش کو دیکھ رہے تھے۔ شیٹا کے منہ سے افسوس بھرے لہجے میں نکلا۔ ”سروے ہو گئی سرسبز کراچی کہا گیا۔ ارے آگے بڑھائی گاڑی دیکھ تو سبھی کون بد نصیب رہے۔“ ایاز نے چونک کر کچلے سے پاؤں ہٹا لیا اور جیب سسٹ روی سے آگے بڑھتی ہوئی درخت کے پاس چاکی۔ ایاز، سالوئی اور سونپا کو دیکھ کر نیچے اتر گئے۔ پھر انہوں نے قریب سے لاش کو

دیکھا۔ تو جون آدمی تھا۔ گلے میں مضبوط سی ٹاپ بند پڑا ہوا تھا۔ آنکھیں پٹی ہوئی تھیں۔ لیکن۔ دفعۃً سونیا کا سارا خون چہرے پر رک گیا اس کے حلق سے سسکی سی نکل گئی اور وہ ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔ یہ خدا خاں، یہ چہرہ، یہ چہرہ جنہی نہیں تھا۔ یہ لاش شارق کی تھی۔

●●●

پیٹر اور جونس کے چہرے دھواں ہو رہے تھے۔ کچھ کچھ میں ہی نہیں آیا تھا اس وقت، بوکھلا کر رہ گیا تھا۔ ٹارچ کی روشنی میں اس نے جو کچھ دیکھا تھا وہ ناقابل یقین تھا۔ وہ چھوٹے انسان، پھر وہ بے اختیار ہی ان کے پیچھے دوڑ پڑے تھے اور ان دونوں کے دوڑنے کے انداز بھی ان کے لئے حیران کن تھے۔ اس کے بعد دونوں جیب سے بھاگے تھے اور جونس اور پیٹر بدحواسی میں پیدل ہی جیب کے پیچھے دوڑ پڑے تھے۔ پھر جب جیب نظروں سے اوجھل ہو گئی جب وہ رکے تھے۔ ان کے سانس دھونکی بنے ہوئے تھے۔ اتنی دور نکل آئے تھے کہ وہ پس بکپ بکپ جانا بھی دو بھر لگ رہا تھا۔ وہ وہیں بیٹھ گئے اور سانس درست کرنے لگے۔ تمام لوگ سنبھلے تھے لیکن سب کے سب خاموش تھے۔ بہت دیر کے بعد خواں بھاں ہوئے تو جونس نے جھلانے ہوئے انداز میں کہا۔

”اب کیا سبکی زندگی گزارنے کا ارادہ ہے ؟“

”ٹھیکس۔ ؟“ پیٹر بادل ناخو ست اٹھ گیا اور پھر سب واپس چل پڑے۔ کافی دیر کے بعد دو کپ پینے تھے۔

”تم لوگ آرام کرو۔ جاؤ۔“ جونس نے کہا اور پیٹر کے ہاتھ اپنے خیمے میں آ گیا۔ دونوں احمقوں کی طرح آستے آستے بیٹھ گئے۔ جونس کا چہرہ گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ کافی دیر کے بعد اس نے کہا۔ ”پیٹر تمہیں وہ سرکس یاد ہے جہاں ہم نے شکر داس کو قتل کیا تھا۔ ؟“

”اے، ہاں یاد ہے۔“

”س میں دو مسخرے دونوں کا ایک کھیل بھی تھا۔ ؟“

”اوہ، مائی گاڈ! اچھی طرح یاد ہے۔ مگر اوہ جو جس تمہارا اڈا بن چکا ہے۔ سرکٹ ہاؤس کی وہ رات تمہیں یاد ہے جب اچانک میڈم نے آسیب آسیب چیخا شروع کر دیا تھا اور ہم نے ایک بونے کو آتش دان سے نکل کر بھاگتے دیکھا تھا۔“

”اچھی طرح یاد ہے اور تمہیں پچھلے کپ بھی یاد ہو گا جب ہم شوٹنگ کر رہے تھے اور میڈم شور مچا رہے تھی۔“

”یاد ہے۔“ پیٹر مردہ ہلکے میں بولا۔

”سرکس اس شہر میں بھی تھا۔ جہاں سے ہم نے انٹارٹ لیا ہے اور ہم اسے دیکھنے بھی گئے تھے۔ سارا ماحول ہو گیا دونوں مسخرے ہونے وہیں سے

ہمارے پیچھے لگے ہوئے ہیں مگر کیوں؟ آخر کیوں اور... اور وہ یہاں تک کیسے گئے۔ اور پیٹر ہم چانک خطرات میں گھر گئے ہیں۔ شدید خطرات میں... اب کیا کریں۔“ جوئسن بہت پریشان ہو گیا تھا۔ پھر اس نے ودیا رو کہا۔ ”وہ ہمارے ساتھ ہی یہاں تک آئے ہیں۔ سو فیصدی ہمارے ساتھ۔“

”مگر جوئسن وہ جیپ کیسے لے بھاگے۔ تاریخ کی روشنی میں ہم نے اس کا تہہ و قامت دیکھا تھا وہ جیپ نہیں چلا سکتے۔“

”اے ہاں یہ پوائنٹ ہے۔ اس کا مطلب ہے وہ تنہا نہیں تھے لیکن اگر کوئی اور ان کے ساتھ تھا تو تو وہ کہاں پوشیدہ تھا۔“

راست مگر رتی رتی اور دونوں اسی طرح پریشان بیٹھے رہے۔ جوئسن بولا۔ ”اب ہم آپادیوں سے اتنی دور ہیں کہ کوئی اور اقدام بھی نہیں کر سکتے۔ چنانچہ ایک ہی طریقہ ہے۔ روشنی ہونے ہی سفر شروع کر دیا جائے اور طوفانی انداز میں سفر کرتے ہوئے ہم مطلوبہ جگہ پہنچ جائیں۔ سب سے پہلے اس اسلحہ سے پیچھا چھڑائیں اور جس طرح بھی بن سکے راویں نگہ سے رابطہ کر کے اس کا ملے حوالے کر دیں۔“

”بالکل ٹھیک ہے۔“ پیٹر نے کہا ماری رات انہوں نے پلنگ نہیں جھپکی تھی اور پھر روشنی کی پہلی کرن کے ساتھ وہ اپنے ساتھیوں کو جگانے لگے تھے ناشتہ وغیرہ بھی ٹھیک سے نہیں کیا جا سکا۔ سب سے زیادہ مشکل میڈم کو جگانے میں پیش آنی تھی لیکن کسی نہ کسی طرح، نہیں بھی تیار کر یا اور سفر جاری ہو گیا۔ جوئسن اور پیٹر بہت خیر رفتاری کا مظاہرہ کر رہے تھے دوسروں کو انہوں نے جیپ عائب ہوئے کے سینے میں ایک کہانی سن دی تھی۔ سفر بہت تیز رفتاری سے طے ہو پھر بھی انہیں مطلوبہ جگہ پہنچنے پہنچتے شام ہو گئی۔ راستے بھر دونوں کی نظریں دور دور تک بھٹکتی رہی تھیں اور وہ ہر نرم جگہ جیپ کے ٹائروں کے نشان تلاش کرتے رہے تھے یہاں پہنچنے کے بعد انہوں نے اپنے دوسرے منصوبے پر عمل شروع کر دیا۔ پورے یونٹ کو ہدایت کر دی گئی کہ رات کو شوٹنگ ہوگی یہاں چند ضروری شات آج ہی کھلی کر سنے ہیں اور وہ لائیکیشن کی تلاش میں جا رہے ہیں چنانچہ کیمپ لگانے کی ہدایت کر کے دونوں ایک جیپ لے کر نکل پڑے۔ پہاڑی ٹیلوں میں کئی عمدہ قلعہ نظر آئے تھے اور انہوں نے ان کا اچھی طرح جائزہ لے لیا تھا۔ پھر ایک قلعہ کو اپنے کام کے لئے مخصوص قرار دے کر، انہوں نے نشان لگائے اور جگہ کا صحیح تعین کرتے ہوئے وہاں سے چل پڑے اور سارے کام بخوبی ہو گئے تھے۔ جوئسن نے پیٹر سے کہا۔

”تم یوں کر وہ پیٹر کے یونٹ کو لے کر پیادہ ندی کے کنارے چلے جاؤ اور وہاں شوٹنگ سیٹ کر لو اپنے ساتھیوں کو چھوڑ جاؤ میں کام ابھی شروع کرائے دیتا ہوں۔“

”تو جلدی ممکن ہے۔“

”کرنا ہے میری جاں یہ کام کرنا ہے تمہیں اندازہ نہیں کہ ہم کتنے خطرے میں گھرے ہوئے ہیں۔“

”او کے میں تیار رہا کرتا ہوں۔“ پیٹر نے کہا اور جونسن اپنے خاص آدمیوں کو ہدایت دے دے چل پڑا اس نے ان سب کو جمع کر کے کہا۔

”تم لوگوں کو شدید محنت کرنی ہے لشکری عمل تم ساری صورتوں سمجھ لو اور پیٹر بھی پونٹ کو سنے کر یہاں سے نکل جائے گا جب یہ لوگ لگا ہوں سے وچسل ہو جائیں تو تم ٹرک نمبر تیس کو لے کر چل پڑو میں تمہیں جگہ سمجھائے دیتا ہوں غور سے سمجھ لو۔“

”جی مسٹر جونسن!“

”دیکھو وہ سیدھا راستہ دیکھ رہے ہو اور اس پر دہاں تک جاؤ جہاں وہ پہاڑی دیوار راستہ روک لیتی ہے تمہیں وہاں سے وائیں سمت یک میل تک چلنا ہے اس کے بعد میں تمہیں مل جاؤں اور گا اور پھر ہم اسٹراک ایک غار میں منتقل کر دیں گے جگہ سمجھ گئے نا۔“

”ہاں بالکل مسٹر جونسن۔“ لشکری عمل نے کہا اور جونسن انہیں ہدایت دے کر ایک بار پھر پیٹر کے پاس پہنچ گیا اس نے ساری صورت حال پیٹر کو بتائی پھر یو۔

”اب تم مجھے اس غار کے پاس چھوڑ آؤ یہاں آ کر جو ٹی تم روانہ ہو گے لشکری عمل ٹرک سے کر چل پڑے گا۔“

”جیب میں واپس لاؤں گا۔“ پیٹر نے پوچھا۔

”ہاں بعد میں، میں ٹرک میں واپس جاؤں گا۔“

”وہ میڈم شوٹنگ پر نہیں چار ہی کتنی ہے تھک گئی ہے اس کا کیا کروں۔“

”اے جہنم میں جھوٹو اس کی پروا مت کرو۔“ جونسن نے جھلکے ہوئے بچے میں کہا اور پیٹر نے گردن ہلا دی پیٹر جونسن کو اس غار پر چھوڑ دیا اور پھر اس نے جیب واپس موڑ دی جونسن نے ایک بار پھر غار کا جائزہ لینا مناسب سمجھا اور غار میں داخل ہو گیا اندھیرا چیزی سے پھیلتا جا رہا تھا اور آن کی آن میں رات ہو گئی جونسن اپنے ساتھیوں کا انتظار کر رہا تھا پھر وہ غار سے باہر نکل آیا لیکن ابھی اس نے غار سے باہر قدم رکھا تھا کہ دھوکا لگی راتکھوں کی ٹالیں اس کے سر پر آ گئیں اور ایک کرخت آواز نے گالی پکتنے ہوئے کہا۔

”بٹنے کی کوشش کی تو بھیجے کے چتھرے ٹڑ جائیں گے ہاتھ اوپر نہ دو۔“ جونسن حواس باختہ ہو گیا اس کے ہاتھ اوپر اٹھ گئے تھے۔“

راتکھوں کی ٹالیں ہٹا کر جونسن کے ہاتھ پشت پر کر کے رسیوں سے جکڑ دینے گئے اور پھر سے راتکھوں کی ٹال سے ہکا دے کر آگے بڑھے تاہم دیا گیا۔ جونسن نے ان لوگوں کا طریقہ دیکھ کر اندازہ لگا یا کہ وہ پہاڑی لوگ ہی ہو سکتے ہیں۔ کون ہیں اس کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔ نیا گھر دیتی آپادی

تھی۔ خدا کر دے کی کئی ریاستیں وہاں آباد تھیں اور ان کے بارے میں بہت سے قصے مشہور تھے۔ ان ریاستوں میں آپس میں بھی خوب چلتی رہتی تھی اور طرح طرح کی سازشیں ہو رہی تھیں۔ ہر دینی دنیا کے لوگ بھی ان ریاستوں کے لئے کام کر رہے تھے ورنہ جانے کیا کیا ہو رہا تھا۔ جوئسن کو جہاں تک علم تھا اس سے بہت سے خطرات اس کے ذہن میں ابھر رہے تھے۔ بہر حال اسے سہارا دے کر گھوڑے پر بٹھا دیا گیا۔

”یہاں اس غار میں تیرے ساتھ اور کوئی ہے؟“ ایک رات نکل والے نے پوچھا۔

”کوئی نہیں ہے۔ لیکن“ جوئسن نے آگے کہنا چاہا مگر سواں کرنے والا اس غار میں داخل ہو گیا جس سے جوئسن بے آواز ہوا تھا۔ اس نے خود غار کی تلاشی لی اور مطمئن ہو کر واپس آ گیا۔ باہر آ کر اس نے دوسروں کو اشارہ کیا اور سب نے گھوڑے سنبھال لئے جو کچھ قاصص پر ایک اور چٹان کے عقب میں کھڑے ہوئے تھے۔ جوئسن کے ساتھ اس میں سے ایک آدمی بیٹھ گیا اور اس نے لگا میں سنبھال میں اور گھوڑے دوڑنے لگے تھے۔ جوئسن کا خون خشک ہو رہا تھا۔ ان تو بیہوش اور غوغا مچ رہے تھے کہ بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ ان کا تعلق کون سے گروہ سے ہے۔ اگر یہ مخالف گروہ کے لوگ ہوئے تو۔ دوسری طرف اسلحہ منتقل کرنے کا پردہ گرام چو پٹ ہو گیا تھا۔ ہتھیار معصوم کے مطابق پونٹ لے کر چلا جائے گا اور دوسرے لوگ اسلحہ سے کرتا کی طرف چل پڑیں گے۔ گولشکری لعل کو جگہ سمجھ دی گئی تھی لیکن پھر بھی وہ اسے وہاں نہ پا کر نہ جانے کیا کرے۔ اس کے علاوہ وہ غار جہاں اسلحہ منتقل کیا جائے گا ان لوگوں کی نگاہوں میں آ چکا ہے۔ وہ سخت پریشان ہو گیا تھا لیکن ہانکل بے بس تھا۔ خاموشی سے ان کے ساتھ سفر کرتا رہا جو ریاہ طویل نہیں ثابت ہوا تھا۔ ایک عجیب سی جگہ تھی بلند و بالا پہاڑی نیچے کی ایک وسیع و عریض چٹان سائبان کی طرح جھکی ہوئی تھی اور اس سائبان کے نیچے کچھ اور گھوڑے نظر آ رہے تھے۔ روشنی وہاں بھی نہیں تھی لیکن اتنا اندھیرا بھی نہیں تھا کہ جوئسن کی آنکھیں کام نہ کرتیں۔ چند لوگ کھڑے ہوئے انہیں دیکھ رہے تھے۔ گھوڑے قریب پہنچے تو وہ آگے بڑھ آئے۔

”کون ہے یہ؟“ ایک بھاری آواز نے پوچھا۔

”ہم نے اسے پکڑ لیا ہے خدا کر!“ جوئسن کو لانے والوں میں سے ایک نے کہا۔

”ہوں ٹاؤ۔“ ہمارے گھر میں داخل ہو کر ہم سے چھپ رہا تھا۔“ بھاری آواز نے کہا اور جوئسن کو گھوڑے سے اتار لیا گیا۔ ”کہاں ملا“

”جنوبی چٹانوں کے ایک غار میں چھپا ہوا تھا خدا کر“

”کیوں رہے۔ کون ہے تو۔۔۔؟“

”جوسن ہے میرا نام تھا کر، میں چھپا ہوا نہیں تھا بلکہ ۔۔۔“

”آرام کر رہا تھا کیوں ؟ لے آؤ، اور لے آؤ“۔ ”تھا کرنے کہا اور جوسن کا بدن پسینے میں ڈوب گیا۔ اس قوی ہیکل آدمی کا سناک لہجہ جوسن نے صاف محسوس کیا تھا۔ ”ہاتھ کھول دو اس کے۔“ قوی ہیکل آدمی نے کہا اور جوسن کے ہاتھ کھول دیئے گئے۔ قوی ہیکل شخص اس کے ہاتھ پر ہاتھ کے ایک کٹے پر بیٹھ گیا۔ ”کہاں سے آیا ہے تو ؟“

”تھا کر حیراتعلق ایک فلم کہنی سے ہے۔ ہم یا نگر میں شوٹنگ کے لئے آئے ہیں۔ اس کے لئے ہم نے تھا کر جگت سنگھ سے اجازت لے لی تھی کہنی کے مالک بھلا صاحب نے تھا کر جگت سنگھ سے ۔۔۔“

”آہستہ بول ریل گاڑی مت چلا اور کون ہے تیرے ساتھ ؟“

”پورا یونٹ ہے تھا کر بہت سے لوگ ہیں بہت سامان ہے۔ وہ لوگ اسی طرف ہیں جہاں سے آپ کے آدمیوں نے مجھے پکڑا ہے۔“

”فلم کہنی کا ہے تو ؟“ تھا کر نے چوکے ہوئے لہجے میں کہا۔

”ہاں تھا کر۔“

”یونٹ کہاں ہے حیرا ؟“

”اسی طرف تھا کر کچھ فاصلے پر“۔ ”جوسن بولا اور تھا کر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھے گا، ان میں سے ایک نے کہا۔

”ہاں تھا کر فلم کہنی دھڑائی ہے، ہم نے خود اسے دیکھا، بس تھکی نے اطلاع دی تھی کہ فلم یونٹ کافی فاصلے پر آ کر ٹھہرا ہے۔“

”اور یہ اطلاع مجھ تک کیوں نہیں پہنچی ۔۔۔؟“ اس قوی ہیکل شخص نے کہا۔

”تھا کر اسے دیکھ لیا گیا تھا، اس لئے ہم اس کی تاک میں ننگ گئے۔ یہ آنکھوں سے اوپر مچل ہو گیا تھا، ہم اسے دیکھے کے بعد اسے نظر انداز نہ کر سکے اور اس کے چکر میں پڑ گئے، یہ بھی شاید ہمیں دیکھ کر غار میں گھس گیا تھا۔“ جوسن کو لانے والوں میں سے ایک نے کہا اور جوسن متحیرانہ انداز میں نہیں دیکھے گا۔ تھا کر جوسن کی جانب متوجہ ہو گیا۔

”مگر حیراتعلق فلم کہنی سے ہے، تو تو ہمیں دیکھ کر بھاگا کیوں تھا، تو نے اپنی جیب کیوں تباہ کر دی تھی، اور اس کے بعد سے چھپتا کیوں پھر رہا ہے ۔۔۔؟“

”میں تھا کر۔“ جوسن متحیرانہ انداز میں بولا۔

”گردبان سے ایک لفظ بھی جھوٹ لگا تو گردن اتار کر ہاتھوں پر رکھ دوں گا۔ میرا نام تھا کر بیہوا سنگھ ہے۔“ سمجھا۔ ”سفاک آدمی نے غرے ہوئے لہجے میں کہا۔

”بس ایک درخواست کرتا ہوں تھا کر، میرے ہارے میں تحقیقات کرو، اگر ایک لفظ جھوٹ نکل جائے تو پھر تمہیں ہر بات کا حق ہو گا۔“ جو سن نے خوش عائدہ انداز میں کہا۔

”تو بولی پھر، بس دیکھ کر چھتا کیوں پھر رہا تھا، تو یونٹ سے پہلے کیوں گیا تھا۔“

”میری سمجھ میں کوئی بات نہیں آئی ہے تھا کر، میں تو اسی یونٹ کے ساتھ آیا ہوں، تاہم میرے پاس کوئی جیب تھی اور تالی میں یونٹ سے لگ ہوا تھا، ہم لوگ تو بس شو بنگ کے لئے تیار یاں کر رہے تھے اور اس طرف بھی میں اسی پکڑ میں نکل آیا تھا، آپ کو یقیناً میرے ہارے میں کوئی لفظ نہ لگی ہوئی ہے۔“

”وہ جیب کب کی ہے؟“ تھا کر بیہوا سنگھ نے سوال کیا۔

”کون سی جیب تھا کر، میں اس کے ہارے میں کچھ نہیں جانتا۔“ تھا کر بیہوا نے اپنے آدمی کی طرف دیکھا اور پھر غرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

”سے جیب دکھا کر لاؤ، سمجھے اس کے بعد اس سے بات کروں گا۔“

”جو حکم تھا کر۔“ اس کے ساتھیوں نے کہا اور ایک بار پھر جو سن کو گھوڑے پر سوار کرایا گیا، کچھ سوچ کر تھا کر بھی اس کے ساتھ ہی چل پڑا۔ وہ ایک لگ بھگ گھوڑے پر تھا۔ جو سن کو یک بار پھر کافی فاصلہ طے کرایا گیا اور اس کے بعد اس نے وہ جیب دیکھ لی، جو سرکس ہی کی تھی لیکن جیب کو دیکھ کر وہ بری طرح اچھل پڑا تھا اس سے سرسرا تے ہوئے لہجے میں کہا۔

”تھا کر یہ جیب، یہ جیب ہمارے ہاں سے چرائی گئی تھی، وہ بونے تھے، جن کا تعلق ایک سرکس سے ہے، وہ بونے یہ جیب چرائی کر بھاگے تھے، بھانے کیوں وہ ہمارے پیچھے لگے ہوئے ہیں، میں نہیں جانتا تھا کر، آپ یقین کریں کہ یہ جیب چرائی گئی تھی۔“ جو سن نے ہکا بے ہوئے لہجے میں کہا، اس کا ذہن ہو میں اڑ رہا تھا اور اسے نہائی خوف محسوس ہو رہا تھا، گویا وہ بونے اس طرف آئے ہیں، لیکن وہ تھا کر بیہوا سنگھ کے الفاظ پر بھی غور کر رہا تھا، ورنہ بونے کیوں اس کے ذہن میں عجیب و غریب خیالات پیدا ہو رہے تھے تھا کر نے اس سے کہا۔

”یہ جیب تو نہیں لایا تھا۔۔۔؟“

”جھوٹ بول رہا ہوں تھا کر تو رہاں کاٹ دینا میری، مگر تحقیقات کرو، یہ میری درخواست ہے، وہ دو دلوں بونے بہت خطرناک ہیں، ان کا تعلق ایک

سرکس سے ہے، سرکس کا، لک، علامہ شاہ کئے ہوئے پاؤں کا آدمی ہے، اور وہ بہت خطرناک تصور کیا جاتا ہے۔“ اس بار جوسن نے ٹھہر کر بلیئر کو چمکتے ہوئے دیکھا تھا۔

”کون ہے سرکس کا، لک، اس کا سرکس ہے وہ۔“

”غلام شاہ، ٹھہر کر غلام شاہ، بہت ہی خطرناک آدمی ہے وہ۔“

ٹھہر کر کے ہونٹ بھیج گئے تھے، چند لمحات سوچے رہنے کے بعد اس نے مرد لہجے میں کہا۔ ”یہ سرکس کہاں ہے آج کل۔“

”یہ بات میں نہیں جانتا تھا کہ، لیکن میرا سرکس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر وہ دونوں بولنے بھاگ گئے ہیں، تو آپ انہیں تلاش کرا پیے، وہ انہی

پھاڑوں میں کہیں نہ کہیں آپ کو مل جائیں گے اور میں یہ بات بھی نہیں جانتا تھا کہ وہ کس چکر میں یہاں آئے ہیں۔“

ٹھہر کر کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا، ٹھوڑی دیر کے بعد اس نے کہا۔ ”تمہارے پوسٹ میں پیڑ تائی کوئی آدمی ہے۔“

”جی ٹھہر کر جی، وہ میرا ساتھی ہے ہم دونوں جوسن پیر کے نام سے جانے جاتے ہیں۔“

”دھت تیرے کی۔ یہ وہ آدمی کا نام ہے، میرے دماغ میں ہی نہیں آیا تھا۔“ ٹھہر کر نے کہا پھر وہ اپنے ساتھیوں کی طرف رخ موڑ کر بولا۔ ”یہ اپنا ہی

آدمی ہے، غلط فہمی میں پکڑ لائے ہو تم لوگ، مگر تو میرے ساتھ آ، میرے ساتھ آ۔“ ٹھہر کر نے کہا اور گھوڑے سے نیچے تر آیا۔ جوسن بھی گھوڑے سے

تر گیا تھا کہ اسے کافی فاصلے پر لے جا کر بولا۔ ”پیر تیرا ساتھی ہے۔“

”ہاں ٹھہر کر آپ تصدیق کر سکتے ہیں، وہ یونٹ کے ساتھ موجود ہے۔“

”ہوں، ٹھہر کر اور ان سگھ کا نام سنا ہے تو نے۔“ بلیئر سگھ نے کہا اور جوسن بھی ہونٹ لٹکا ہوں سے بلیئر کو دیکھنے لگا۔

”ہاں ٹھہر کر سنا ہے میں نے ان کا نام۔“

”کچھ لائے ہو تم لوگ، اس کے لئے۔“ بلیئر سگھ نے رزدارانہ انداز میں پوچھا، جوسن کے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا تھا کہ کیا جواب دے، لیکن

جو صورت حال تھی اس کے تحت جھوٹ بولنا بھی غلط تھا، اور یہ رائی چاہتا، کیونکہ ٹھہر کر بلیئر سگھ بہر طور اس بات کا پتہ لگا لیتا کہ پوسٹ کیا کر رہا ہے، چند

لمحات سوچنے کے بعد اس نے ٹھٹک ہوٹل پر رہاں پھیرتے ہوئے کہا۔ ”ہاں ٹھہر کر لائے ہیں۔“

”رے تو اپنا ہی آدمی ہے، اور ان سگھ ہی نے مجھے اس طرف بھیجا ہے، دراصل یہ جگہ سگھ کا علاقہ ہے اور ہم لوگ چھپتے چھپاتے یہاں تک آئے

ہیں، میں ٹھہر کر اور ان سگھ کا دوست ہوں اور تم لوگ ٹھہر کر اور ان سگھ کے لئے جو کچھ لائے ہو، اس کی گمرانی کے لئے مقرر کیا گیا ہوں، میرا نام بلیئر سگھ

”وہائی گا، اس کا مقصد ہے کہ میں سچ آدی تک پہنچا ہوں۔“

”کتنا اسلحہ ہے تیرے پاس...؟“

”بہت ہے خدا کر۔ خدا کر راولنگھ کے پروگرام کے مطابق ہم نے تمام خریداری کر لی تھی، بڑی مشکل سے یہاں تک پہنچے ہیں اور اس وقت وہ سلاخیں غاروں میں منتقل ہونے والے ہیں اور یہاں سے ہمیں اسلحہ کی سپلائی کے لئے ایک پروگرام دیا تھا خدا کر راولنگھ نے۔“

”میں جانتا ہوں، مجھے معلوم ہے، مگر مگر اس سلسلے میں بھی تصدیق کر لی جائے گی۔“

”یہ بہت اچھی بات ہے خدا کر صاحب کو آپ مہاراج راولنگھ جی کے آدی ہیں۔ میں آپ سے ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں۔“

”کیسی؟“ ہلیرنگھ نے کہا۔

”ن غاروں میں۔ میں دراصل اپنے ساتھیوں کا انتقال کر رہا تھا، جو اسلحہ یونٹ سے لے کر غاروں میں آئیں گے اور اسے وہاں چھپا دیا جائے گا، وہیں سے ہم اپنا کام شروع کر دیں گے، کیونکہ اسلحہ کا یونٹ میں رہنا درست نہیں تھا اور ہمیں بتایا گیا تھا کہ جگت سنگھ کے آدی کسی بھی وقت یہاں پہنچ کر ہمارے سامان کی تلاشی لے سکتے ہیں۔“

”ہاں اس بات کے امکانات ہیں، اگر انہیں معلوم ہو گیا کہ بیولی پارکھ لوگ آئے ہوئے ہیں تو وہ گھوڑوں پر بیٹھ کر یہاں پہنچ جائیں گے۔ مگر تو کہنا کیا چاہتا ہے...؟“

”خدا کر اب تک شاید میرے آدی اسلحہ لے کر آگئے ہوں، مجھے موجودہ پاکر وہ پریشاں ہو جائیں گے۔“

”تو پھر وہیں چلتے ہیں، تیری بات کی تصدیق بھی اسی جگہ ہو جائے گی۔“ ہلیرنگھ نے کہا اور جونس نے خوشی سے گردن ہلا دی، اسے یقین ہو گیا تھا کہ خدا کر ہلیرنگھ، راولنگھ جی کا آدی ہے اور اس طرح گرفتار ہو جانا اس لحاظ سے اس کے لئے باعث خوشی بھی تھا۔ بہر طور وہ خدا کر ہلیرنگھ کے ساتھ گھوڑے پر بیٹھ کر وہاں سے چل پڑا۔ اب ہلیرنگھ فارویہ کافی بدل گیا تھا اس نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ اس غار تک چلیں جہاں سے وہ جونس کو پکڑ کر لائے تھے۔“

جونس ایک بار پھر غار کے نزدیک پہنچ گیا اور اس کا اندازہ بالکل درست ہی نکلا۔ اس دوران اسلحہ سے لدا ہوا ٹرک جسے جونس اور پیٹر بڑی ہوشیاری کے ساتھ یہاں تک لائے تھے، اس غار کے قریب پہنچ گیا تھا اور لشکری حمل اور اس کے ساتھی بڑی پریشانی کے عالم میں جونس کو تلاش کر

رہے تھے لشکری محل اسے آداریں بھی دے رہا تھا اور ان لوگوں نے گھڑسواروں کو دیکھ کر چھپنے کی کوشش کی تھی۔ مگر جو سن نے لشکری محل کو اطمینان دیا اور وہ سامنے آ گیا۔

”اسطے آئے ہو۔“

”ہاں مسٹر جنسن، وہ موجود ہے۔“ لشکری محل نے خوفزدہ لگا ہوں سے گھڑسواروں کو دیکھتے ہوئے کہا اور ترک کی جانب اشارہ کر دیا، جو سن کی ہدایت پر اسٹارک سے اتار لیا گیا، اس کام میں سپرنگلے کے ساتھیوں نے بھی ان لوگوں کی مدد کی تھی، چنانچہ اسٹے کے کارٹن جو کافی دور تھے، ترک سے اتار کر فارم میں پوشیدہ کر دیے گئے اور تھوڑی دیر کے بعد وہ اس کام سے فارغ ہو گئے، سپرنگلے مطمئن نظر آ رہا تھا، اس نے معدرت آمیز انداز میں جو سن سے کہا۔ ”معاذ کرنا ہمیں بھائی، لکھا نہیں ہوگی تھی اس وجہ سے اس جہپ میں، جو کوئی بھی تھا، وہ ہمارے لئے پریشان کا باعث بن گیا تھا، کیونکہ ٹھہ کر رہا ہوں، نگلے نے کہا تھا کہ اس علاقے کو صاف ستھرا رہنا چاہئے اور یہاں کوئی گزیر نہ ہو، تاکہ اسٹے آسانی سے اس کے پاس پہنچ جائے۔“

”اب جب کہ آپ مجھے مل گئے ہیں، خدا کرے سپرنگلے جی، تو آپ یہ بتائیں کہ ہمیں آگے کیا کرنا ہوگا، کیونکہ جتنا وقت گزرتا جا رہا ہے خطرات بڑھتے جا رہے ہیں۔“

”بد قسمتی یہ ہے کہ اسٹے کو دریا پار پہنچانے کا اور کوئی ذریعہ نہیں ہے، سو، اے اس علاقے کے جہاں سے ہم نے دریا پار کرنے کی سوچی ہے۔ ایک لمبا چکر چرانا چاہیے اس کے لئے، اس کے علاوہ اور کوئی ترکیب نہیں ہو سکتی، مگر ہم لوگ یہ اسٹے کے کر جا سکتے تو ہا آسانی سے جاتے مگر تمہیں کافی محنت کرنا ہوگی۔“

”ہمارے پاس ابھی وقت ہے، خدا کرے اور ہم نے اس وقت کو مدد لگا رہے تھے، اچھا پروگرام بنایا ہے، ہمیں جب بھی اشارہ مل جائے گا اس کے بعد سے ہم اپنا کام شروع کر دیں گے۔“

”ٹھیک ہے تم آپے پونٹ میں جاؤ، ہم خدا کرے اور نگلے کو خبر دینے جاتے ہیں اور کسی قسم کی کوئی ضرورت ہو تو بتا دو۔“

”آپ لوگ خدا کرے آپ لوگ یہاں۔“

”ہاں ہم لوگ خود یہاں بجلتے نگلے کے آدمیوں کی آنکھوں سے بچتے ہوئے پہنچے ہیں اور اسی طرح ہمیں واپس بھی جانا ہے ہم واپس جا کر خدا کرے اور نگلے کو اطلاع دیں گے کہ اس کا مال آ گیا ہے۔ یہی ہماری ذمہ داری تھی تم سے جو کہہ کر گیا ہے تمہیں اسی کے مطابق کرنا ہے۔“

”جو حکم خدا کرے جو سن بولا اور خدا کرے سوچنے لگا۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔ ”اور ہم کس کے اس بولوں کے لئے تم کیا کرو گے۔“

”وہ ہماری حلق کی ہڈی بنے ہوئے ہیں اور ان سے ہمیں خطرہ ہے، اگر آپ اس سلسلے میں ہماری کچھ مدد کر سکیں، تو آپ کی مہربانی ہوگی ان سے ہمیں نقصان بھی پہنچ سکتا ہے۔“ تھا کر پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگا پھر بولا۔

”ان کی ضرورت تو نہیں بھی ہے۔ ٹھیک ہے میں اپنے کچھ آدمی ان کی تلاش کے لئے جھوڑوں گا۔ کوئی کام ہو گیا تو وہ جہیں خبر کریں، میں اب میں چلتا ہوں۔“

جونسن کے ساتھی اب بھی وحشت زدہ نظروں سے ان کے داپس چاہتے ہوئے گھوڑوں کو دیکھ رہے تھے۔ جونسن خود عجیب سی نظروں سے انہیں دیکھتا رہا تھا پھر وہ گہری سانس لے کر گردن ہٹانے لگا۔

کون لوگ تھے یہ مسٹر جونسن؟ لشکری لعل نے سوال کیا، وروہ چونک کر لشکری لعل کو دیکھنے لگا۔

”ہیٹان لوگوں کو شوق کے لئے لے گیا۔“ جونسن نے لشکری لعل کے سوال کو نظر انداز کر کے پوچھا۔

”ہاں وہ کام آسانی سے ہو گیا ہے۔“

”آؤ۔“ جونسن ٹرک کی طرف بڑھتا ہوا ہوا اور پھر ٹرک میں بیٹھ گیا۔ وہ اپنی کیفیت کا صحیح تجزیہ نہیں کر پا رہا تھا۔ تھا کر بلبرنگ پر اسے اعتماد بھی محسوس ہو رہا تھا، اور یہ خوف بھی دامن گیر تھا کہ کہیں کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے۔ اسلئے اس کے علم میں آچکا ہے۔ ٹرک اسٹارٹ ہو کر چل پڑا۔

جاری ہے

گھڑ سواروں کا اب دور دور تک پہنچ نہیں تھا۔ وہ شاید خوفزدہ بھی تھے۔ تو ہم پرست معلوم ہوتے تھے۔ چٹکو اور منکو درختوں سے نیچے تر آئے۔ دونوں کی حالت خراب تھی مگر ان حالات کے لئے کوئی کسی کو الزام نہیں دے سکتا تھا۔ کیونکہ جاسوسی کا شوق دونوں کو چرا لیا تھا۔

”یہ ڈاکو طہر ارہا کب ہوا۔۔۔؟“

”کیا معلوم ہو کر اب کیا ہوگا۔۔۔؟“ منکو نے جواب دیا۔

ہماری زندگی سخت خطرے میں ہے یہاں سے بھاگ کر کہیں جا بھی نہیں سکتے اور یہاں رہنا بھی سخت خطرناک ہے۔“

”کر بھی کیا سکتے ہیں۔“ منکو پریشان ہے میں بولا اور پھر کسی خیال کے تحت وہ اٹھ کر جیب کی طرف چل پڑا۔ جیب میں داخل ہو کر اس نے اس کی تلاشی لی۔ الٹی سیدھی چیزیں بھری ہوئی تھیں۔ کچھ ہاس بھی تھے جو قلمی قسم کے تھے۔ ایک لہلہائی ہارہ شہنشاہوں کی سی لکڑی۔ کام کی کوئی چیز نہیں مل سکی تھی۔

چاند ہالوں کی اوٹ سے نکل آیا اور دور دور تک روشنی پھیل گئی۔ چٹکو بھی اس کے پاس جا کھڑا ہوا تھا۔ تلاشی میں وہ لہلہائی ہارہ منکو نے باہر پھینک دیا تھا۔ چٹکو نے اسے اٹھاتے ہوئے کہا۔ جیب کی کوئی چیز دھرا دھرنہ بھی نہ نکلی۔ لیکن ہے وہ لوگ دوبارہ ادھر آئیں۔ تہہ بیلین دیکھ کر وہ ہوشیار ہو جائیں گے۔ آدینہ لہاس لتا عہد ہے ہمارے ہاس تو بالکل تباہ ہو گئے ہیں۔“

”یہ ہاس تو ہم دونوں مل کر ہی پہنچ سکتے ہیں۔“

”ہم دونوں مل کر۔“ چٹکو پر خیال نماز میں بولا اور پھر اس نے لہارہ اپنے لباس پر لپکا اور وہ شہنشاہی لکڑی بھی سر پر رکھ لی۔ پھر اسے سر سے اتارنا ہوا بولا۔ ”منکو تم میرے کندھوں پر بیٹھ جاؤ۔“

”کیا حماقت ہے۔“

”آؤ تو سہی آؤ انکار نہ کرو۔“ چٹکو بیٹھ گیا اور منکو اس کے کندھوں پر سوار ہو گیا۔ ”اب یہ لہارہ اپنے کندھوں پر باندھ دو اور چٹکی سر پر رکھ لو۔“ منکو نے اس کی ہدایت پر علم کیا اور چٹکو اٹھ کھڑا ہوا اور دونوں مل کر ایک آدمی کی جسامت اٹھیا کر گئے لیکن سبکی ہارے اور پڑی سی لکڑی میں وہ انتہائی مضحکہ خیز لگ رہے تھے۔ لکڑی کے پھوپھو تنگیں شیشے ٹکے ہوئے تھے۔ چٹکو نے چٹا شروع کر دیا۔ منکو ہنس رہا تھا۔

”خاموشی سے بیٹھے رہو۔“ چٹکو بولا اور آگے بڑھتا رہا۔ سبکی ہارے سے اسے زیادہ نظر تو نہیں آ رہا تھا مگر اتنا ضرور کہ وہ آگے بڑھ سکتا اس طرح وہ دور تک چلے گئے جیب اور رخت اب کافی پیچھے رہ گئے تھے۔

”چنکو، مجھے نیچے اتارو اس حماقت۔“ ابھی منکو کے منہ سے اچھے ہی الفاظ نکلے تھے کہ اس کی آواز بند ہو گئی دو گھڑ سو راہیکہ کی ٹیپے کی آڑ سے اچانک نکل آئے تھے اور انہوں نے انہیں دیکھ کر ہلکا ہوا تھا۔ یہ ٹیپے چاروں میں سے دو تھے جو ان کی تلاش میں بھٹک رہے تھے مگر وہ اس طرح سامنے آئے تھے کہ منکو کو اندر نہ بھی نہ ہو سکا۔ دھڑکے گھڑ سو راہیکہ میں سے ایک کے منہ سے آواز نکلے۔

”وہ وہ کون ہے۔“ اور انہوں نے گھوڑے روک لئے۔ چنکو کو چونکے صورت حال کا اندازہ نہیں تھا اس لئے وہ مسلسل آگے بڑھ رہا تھا اور غلطی سے اس کا رخ بھی انہیں گھڑ سو راہیکہ کی طرف تھا شاید اس بات نے گھڑ سو راہیکہ کو خوفزدہ کر دیا۔ پھر چاندنی بھی پیٹلی ہوئی تھی اور وہ یہ دیکھ سکتے تھے کہ ایک بادہ پوش جس کا چہرہ بہت چھوٹا ہے اور ہاتھ نپٹے منے ہیں لیکن سر پر بگڑی بہت بڑی ہے اور اس میں پیرے جڑے ہونے ہیں، ان کی طرف آ رہا ہے۔ ادھر منکو بھی اتنا خوفزدہ ہو گیا تھا کہ وہ چنکو کو روکنے کا اشارہ بھی نہ کر سکا۔ گھڑ سو راہیکہ کے پاس رائفلیں موجود تھیں مگر وہ شاید بھروسے کے تھے۔ چنکو ان کے قریب پہنچ گیا۔ گھڑ سو راہیکہ میں سے ایک نے دہشت بھرے سچے میں کہا۔

”کون۔ کون ہے تو؟ کون ہے؟“ اور منکو کے حلق سے دہشت بھری چیخ نکل گئی۔ وہ چنکو کے کندھے سے نیچے کود گیا اور دونوں بدوے میں چھنسن گئے۔ ادھر منکو چنکا اور ادھر دونوں گھڑ سو راہیکہ سے زیادہ دہشت زدہ ہو کر چیخے پھر منکو بدوے سے نکل آیا اور منکو اس سے پیچھے چھڑانے کے لئے عجیب طریقے سے اچھلنے کودنے لگا۔ چاندنی رات میں، ویران ماحول میں گھڑ سو راہیکہ کے لئے یہ منظر انتہائی دہشت ناک تھا کہ اچانک ایک شخص کے دو ٹکڑے ہو گئے ہوں اور دونوں لگ الگ، جھل رہے ہوں۔ وہ بری طرح بدحواس ہو کر بھاگے ان میں سے ایک تو نکل گیا مگر دوسرے کا گھوڑا ٹیپے سے نکل آیا اور وہ گھوڑے سے نیچے آ رہا۔ پھر سنبھل کر اٹھا اور بھاگ کر گھوڑے پر چڑھ گیا لیکن رخ اٹا ہو گیا تھا گھوڑا آگے بڑھا تو وہ پھر نیچے آ رہا۔ اس کے حلق سے چھین لکل رہی تھیں اور وہ بری طرح دہشت زدہ تھا۔ غالباً گھوڑے سے دوبارہ گرنے سے چوٹیں بھی لگی ہوں گی لیکن بعد کی کوشش سے وہ سیدھا گھوڑے پر سوار ہو گیا اور ایسا بھاگا کہ پٹ کر نہ دیکھا۔

چنکو منکو اپنا خوف بھول کر اسے دیکھنے لگے تھے۔ پھر دونوں پید پکڑ پکڑ کر ہنسنے لگے اور دیر تک ہنستے رہے۔ چنکو صورت حال سمجھ گیا تھا۔ اس نے ہنسنے ہوئے کہا۔

”یہ دونوں تو دوبارہ زندگی میں ادھر کا رخ نہ کریں گے۔“

”ن کا تعداد کافی ہے۔ دوسرے آ سکتے ہیں۔“ منکو نے کہا۔

”آؤ ہم پھر اسی جیسے میں آ جائیں۔“

”تمہارا دماغ خراب ہے۔ آؤ اسی طرف چلتے ہیں جدھر وہ گئے ہیں تاکہ اگر وہ آئیں تو ہم انہیں دور سے دیکھ سکیں۔“ لہذا وہ اور پیڑی، وہیں چھوڑ کر وہ آگے بڑھ گئے۔ نہ جانے کتنا فاصلہ طے ہو چکا تھا۔ رات آہستہ آہستہ سڑے کر رہی تھی اور وہ کسی راہ کا تعین کئے بغیر ہی آگے بڑھتے رہے تھے پھر جب چلنے کی سکت نہ رہی تو وہ رک گئے۔ ایک ٹیڈ مشب کیا جو بہت اونچا تھا، دونوں مشورہ کر کے اس ٹیڈ پر چڑھ گئے اور پھر آرام کرنے لگے۔ بریک وہ ہاتھیں کرتے رہے تھے اور پھر سو گئے تھے۔ دوسری صبح اس وقت جاگے جب سورج چڑھ چکا تھا چاروں طرف دھوپ پھیل ہوئی تھی اور ٹیڈ سے دور دور تک کا ماحول نظر آ رہا تھا ہر سو ویرانی طاری تھی۔ کھجور کے وہ درخت لگا ہوں کی حد سے دور ہو گئے تھے جہاں انہوں نے پناہ لی تھی۔ دونوں تھکن سے غلط حال تھے اور ان پر بیڑاری طاری تھی۔

”یوں لگتا ہے جیسے انہی ویرانوں کے شکار ہو چائیں گے۔ زندگی کی کوئی امید باقی نہیں رہی۔“ منکو ہونٹ سکڑ کر بولا اور ٹیڈ سے نیچے اترنے لگا۔ جنگو نے اس کا ساتھ نہیں دیا تھا۔ منکو نے دور تک پھیدے ہوئے اونچے نیچے ٹیڈوں کو دیکھا ان ٹیڈوں میں غار کے دہانے نظر آ رہے تھے۔ جس ٹیڈ پر وہ موجود تھے اس کے دامن میں بھی ایک دہانہ موجود تھا منکو اس دہانے سے اندر داخل ہو گیا۔ بے حد کشادہ غار تھا اور اندر سے ہانکل صاف ستر تھا چھت کے قریب ایک کنڈ بھی موجود تھا جو اوپر جا کر کھل جاتا تھا لیکن سورج کی روشنی اندر نہیں آتی تھی اس کنڈ کا محاذ اسے جنگو کی آواز سے ہوا جو بے اختیار اندام آواز میں اسے پکار رہا تھا۔ در آؤ اسی کنڈ سے آ رہی تھی وہ دوڑتا ہوا غار سے نکل آیا اور حمیری سے نیلے پر چڑھنے لگا۔ جنگو کھڑا ہوا ایک طرف دیکھ رہا تھا۔

”کیا ہے...؟“

”وہ وہ دیکھو!“ جنگو نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ فاصلہ بے پناہ تھا لیکن بندی کی وجہ سے وہ اس درہم جگہ کو دیکھ سکتے تھے جہاں ایک قافلہ رواں دواں تھا۔ گاڑیاں اور ٹرک جنہیں پہچاننا ان کے لئے مشکل نہ تھا یہ وہی لوگ تھے جن کے درمیان سے یہ نکل بھاگے تھے۔ دونوں خاموش کھڑے اس قافلے کو دیکھتے رہے پھر منکو بولا۔

”تو یہ آگئے۔ مگر کیا نہیں اسی طرف آتا تھا یا پھر یہ ہماری پوسٹ گھتے ہوئے یہاں پہنچے ہیں.....؟“

”میرے خیال میں انہیں اسی طرف آنا تھا۔ مگر کے آتا رہے ہیں یقیناً بیادلی ندی بھی آس پاس ہی کہیں موجود ہے اور ہم سے جس درہم کو دیکھا تھا وہ بیادلی ندی بھی ہو سکتا ہے۔“

”اس کا مطلب ہے کہ وہ لوگ جو پروگرام بنارہے تھے اس کی تکمیل اسی جگہ ہوگی۔“

”سو فیصدی مجھے یقین ہو گیا ہے۔“

”چٹکوا ایک ہات بھرے دماغ میں آتی ہے۔“

”کی۔۔۔؟“

”مگر ہم بیاولی پار کر کے ٹھہر کر جگت ننگہ کے پاس پہنچ جائیں تو۔۔۔؟“

”تو۔۔۔؟“

”یہ قاتل گرفتار ہو جائیں گے اور ہمیں پناہ مل جائے گی۔ دونوں کام ہو جائیں گے بلکہ ہمارا کارنامہ دیا۔ اور سونوی سے بڑ ہوگا۔ سرکس میں بخاری دھوم مچ جائے گی اور میں اس تک چڑھی سدھیا سے کہہ سکوں گا کہ میں نے جو کچھ کہا تھا کر دکھایا۔“

”سدھیا سے۔۔۔؟“ منکونے پوچھا۔

”ہاں منکونے اس سے محبت کرتا ہوں۔ میں نے ایک بار اس سے انکھار عشق کیا تو وہ فیس پڑی اور میرا ترقی اڑتی ہوئی بولی کہ اسے بچے کھلانے کا شوق نہیں ہے۔ بس مجھے قصہ آگیا اور میں نے کہا کہ ایک دن میں ایسا کوئی کارنامہ انجام دوں گا کہ بڑے بڑے قدر آدمی دیکھتے رہ جائیں گے۔ وہ بولی کہ اگر ایسی کوئی بات ہوگئی تو وہ مجھ سے شادی کرے گی۔“

”تم سدھیا سے شادی کرو گے۔۔۔؟“

”ہاں۔۔۔؟“

”اس کا قدر پورا چھ فٹ ہے۔“

”مجھ سے زیادہ اچھا شوہر اسے اور کوئی نہ ملے گا۔“

”اے چھ فٹ کی بیوی کے سوا وہ فٹے شوہر پہلے کوئی کارنامہ انجام دے لو اس کے بعد بیوی بچوں کے بارے میں سوچنا۔ بیاولی کا یہ ذہن کیا ہے ہم سے پار کر سکیں گے۔“

”میں کر سکتا ہوں۔“

”کیسے؟“

”شیطانے تیز رفتار دھڑی پار کرنے کا طریقہ نہیں بتایا تھا۔ جس کنارے پر نظر ہے وہاں سے ایک منٹ پیچھے سے پانی کے بہاؤ پر اتر جاؤ کوئی جدوجہد نہ

کر دو اور خود کو پانی کے بہاؤ پر چھوڑ دو بس تھوڑے تھوڑے سے کھٹے چنے چاہے مطلوبہ جگہ پہنچ جاؤ گے۔“

”اس کا تجربہ تو نہیں کیا کبھی؟“

”تجربہ کرنے سے ہی ہوتا ہے۔“

”اُدو ہو۔ انہیں دیکھو شاید وہ یہاں قیام کر رہے ہیں۔“ منکو نے کہا اور ہٹکوا ادھر دیکھنے لگا۔ ان کا اندازہ درست تھا۔ ٹرک وغیرہ رک گئے تھے دوران سے خیمے اتارے جا رہے تھے۔ دفعۃً منکو خوش ہو کر بولا۔ ”اُدو ہٹکوا ان کے ساتھ میڈم شرمیلا بھی ہوں گی۔“ ہٹکوا چونک کر اسے دیکھنے لگا، پھر گردن ہلاتا ہوا بولا۔

”انتخاب تمہارا بھی بد نہیں ہے مگر شیکا باہر کے کسی فرد کو سرکس میں جگہ نہیں دیتا۔“

”اب حیرت داغ ساتھ چھوڑ رہا ہے۔ میں اس ہاتھی زاوی سے عشق کی بات نہیں کر رہا میں تو سوچ رہا ہوں کہ اگر ہم دوبارہ اس تک پہنچ گئے تو ایک بار پھر ہمارا خوراک کا مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔“

”ہاں مگر ایک اور کام بھی ضروری ہو جائے گا!“

”کیا؟“

”اس بار جو سنس ہیں سلاخوں میں اڑ سے گا اور آگ پر بھون کر کھا جائے گا۔ ہر بار پچنا آسان نہیں ہوتا۔“ ہٹکوا نے برا سامنے بنا کر کہا اور منکو ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ اس طرف کوئی خطرہ نہیں تھا اس لئے بقیہ وقت انہوں نے یہیں گزارا۔ یہاں سے یونٹ کا نظارہ بھی ہو رہا تھا گو قاصد اتفاقاً کہ بس دن کی تحریک محسوس کر سکتے تھے اور کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ انہیں اس جیپ کا اندازہ بھی اس وقت ہوا جب وہ چانک ایک ٹیپے کے عقب سے برآمد ہوئی تھی۔ جیپ دیکھ کر وہ بدحواس ہو گئے تھے کیونکہ اس میں جو سنس اور وہیڑ موجود تھے۔ سب سے زیادہ خطرناک بات یہ ہوئی تھی کہ وہ وہاں آ کر رک گئے تھے۔ اب صورتحال یہ تھی کہ گر وہ ٹیپے سے اترتے تو دیکھ لیتے جاتے اور اس بات کے امکانات بھی تھے کہ وہ ٹیپے پر چڑھ آتے، خوف کے مارے ان کے سانس رک گئے تھے۔ ایسے وقت میں منکو کو وہ کٹاؤ دیا آ گیا جو اس غار میں آ رہا تھا لیکن اس انداز میں کہ اندر سے نہیں دیکھا جاسکتا تھا۔ کٹاؤ زیادہ کشادہ نہیں تھا مگر ان کے لئے اس میں چھپنا مشکل نہ ہوا۔ وہ دم سادھے اس کٹاؤ میں ایک دوسرے سے چپکے رہے اور انہیں آٹھیں سنائی دیتی رہیں۔ بہت دیر اسی طرح گزر گئی پھر انہیں جیپ واپس چلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اس کے باوجود وہ باہر نکلنے کی ہمت نہ کر سکے۔ پھر جب اندھیر بھیل گیا اور چاروں طرف خاموشی طاری ہو گئی تو وہ باہر نکل سکے۔ دونوں کے حواس معطل تھے۔ بہت دور یونٹ کے کیمپ پر

روشنی نظر رہی تھی۔ اب ان کے پاس آپس میں گفتگو کرنے کے لئے بھی لٹا نہیں تھے۔ گھوڑوں سے کچھ شکم سیرمی ہوئی تھی لیکن بدن کی مشینیں گوروکا نہیں جاسکتا تھا۔ ہاضمے کا رد عمل جاری تھا اور معدے پھر جاری ہو گئے تھے۔ پیاس بھی لگ رہی تھی۔ اس کیفیت نے نہیں بڑھال کر دیا تھا۔

”میں نے کہا تھا نا۔ ہمیں یونٹ کی طرف چلنا چاہئے۔ وہاں کچھ نہ بگڑا ہو سکتا تھا۔“ منکو نے کہا۔ چٹکو سے جو سب بھی نہ آیا گیا تھا۔

”اب تو اتنا طویل قاصلہ طے کرنے کی ہمت بھی نہیں ہے۔“ وہ پھر بولا اور دوسری ہار بھی چٹکو کا جو اب نہ پا کر خاموش ہو گیا پھر وہ اس وقت چمکے جب انہوں نے ٹیپے کے پاس پھر آٹھیں محسوس کیں۔ کوئی وہاں موجود تھا لیکن انہوں نے جی جگہ سے جھنش نہ کی پھر گھوڑوں کی آٹھیں سنائی دیں اور پھر ایک کرخت آواز ابھری۔

”خبردار بٹے کی کوشش کی تو پیچھے سے چھوڑے اڑ جائیں گے۔“ اور ان کا دم نکل گیا۔ وہ مردوں کی طرح آنکھیں بند کر کے لمبے لمبے لیٹ گئے موت والا خسر پڑا گئی تھی وہ انتظار کرتے رہے کہ اب کوئی نہیں شو کریں مار کر اٹھائے گا۔ در۔ پھر اور پھر۔“

”جن جن کو۔“ بمشکل تمام منکو کے حلق سے آواز نکلی۔ وہ بتانا چاہتا تھا کہ چٹکو کے علاوہ اس کے ساتھ اور کوئی نہیں ہے مگر خوف کے مارے آواز نہ نکل رہی تھی۔ ان کے کانوں میں آٹھیں ابھرتی رہیں اور وہ بے سدھ رہے۔ نہ جانے ان لوگوں نے ابھی تک ان کے ساتھ کوئی سختی کیوں نہیں کی۔ پھر انہوں نے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں دہرائی محسوس کیں تو چونک کر آنکھیں کھول دیں۔

”یہ کیا ہوا؟“ منکو نے پوچھا۔

”وہ چلے گئے۔“

”مگر کیوں؟“

”خدا جانے!“

”شاید انہیں ہم پر رحم آ گیا۔“

”ہو سکتا ہے۔“

”مگر وہ تھے کون۔ یونٹ والوں کے پاس گھوڑے تو نہیں ہیں۔“ منکو پر خیال انداز میں بولا۔ چٹکو نے کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا۔ دونوں لڑھکتے ہوئے ایک دوسرے کے پاس آگئے تھے مسلسل پریشانی، بھوک پیاس درنا قابل یقین حالات نے ان کی حالت بہت خراب کر دی تھی اور وہ ہمت ہار بیٹھے تھے۔ نہ جانے کتنا وقت گزر گیا۔ ان پر غنودگی سی طاری ہو گئی تھی لیکن ایک ہار نیلے کے پاس پھر ہنگامی کیفیت پیدا ہو گئی۔ اس ہار بہت سے لوگ نیلے

کے پاس ہوں رہے تھے۔ شاید نہیں گھبرنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ وہ انتظار کرتے رہے مگر کوئی سن کے پاس نہیں پہنچا بہت آؤں وہ مسلسل سن رہے تھے۔ ”اسلمے آئے ہو؟“ ہاں تھا کر ہلیر سنگھ وہ موجود ہے۔“ ہلیر سنگھ کا نام سن کر وہ چونک پڑے اور پھر انہوں نے باقی گفتگو پوری طرح ہوشیار ہو کر سنی اور ساری بات ان کی سمجھ میں آ گئی۔ وہ شدید مشکل کا شکار ہو گئے تھے۔ یہ بات ان کی سمجھ میں آ گئی کہ جس اسلمے کی وہ بات کر رہے تھے وہ اس غار میں منتقل ہو چکا ہے۔ پھر خود ان کے بارے میں بات چیت ہوئی اور ان کے اوسان خطا ہونے لگے یہاں تک کہ وہ سب لوگ چپے گئے۔ اب وہ اس غار کی چھت پر موجود تھے جس میں اسلمہ بھرا ہوا تھا اور تاحہ نگاہ کوئی موجود نہ تھا۔ دونوں کے بدن سخت انٹھمن کا شکار تھے۔ دفعتاً چٹکو، چھل کر کھڑا ہو گیا اور منٹو کے حلق سے ڈاری ڈاری چیخ نکال مٹی۔

”کیا ہو۔“ اس نے سہمے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

سودھیا میری ہے۔ وقت مجھے یہ اعزاز دینا چاہتا ہے۔“ چٹکو نے پر جوش بچے میں کہا۔

”آؤ اکیا شدت بھوک سے تیرے حواس نے جواب دے دیا۔“ منٹو درد بھرے لہجے میں بولا۔

”بھوک۔ بھوک کیا شے ہے۔ مجھے بالکل بھوک نہیں لگ رہی۔“

”کاش میں بھی پاگل ہو جاؤں کیونکہ مجھے بھوک اور پیاس لگ رہی ہے۔“

”ٹھو۔ آؤ میرے ساتھ۔“ چٹکو نے منٹو کا ہاتھ پکارتے ہوئے کہا۔

”اود میرے خد۔ بالکل ہی پاگل ہو گیا۔ ارے مگر پڑوں گا میرے پیروں میں جان نہیں ہے۔ سن تو سہی رہے سنبھل کر از تو آخرچا بتا کیا ہے۔“

منٹو چٹکو کے ہاتھ سے کلائی پھرانے کی کوشش کرنے لگا لیکن چٹکو کی گرفت سخت تھی وہ تیزی سے نیچے کی ڈھلان اتر رہا تھا۔“



صرف ایک رات ایسی تھی جب سوئیہ پر کچھ عجیب سے جذبات کا حملہ ہوا تھا۔ اسے وہ چھوٹے پیش کرنے والے یاد آیا تھا۔ اس کی آواز سنائی دی تھی اس کا خواب بھی دیکھا تھا اس نے۔ مگر پھر اس نے اس کی اس کیفیت سے تھوڑی سی بات نہیں کیا تھا حالات نے اسے اپنی ذمہ داریوں کا احساس دلایا تھا۔ دونوں بہن بھائی شیخا کو اؤں تا آخر کار درجہ دیتے تھے۔ انہیں اس کی قربانیوں کا احساس تھا۔ شیخا نے انہیں اس وقت سینے سے لگا رکھا تھا جب وہ زمیں پر ریٹنے والے کیڑوں کی مانند تھے اور کوئی بھاری پاؤں انہیں مسل سکتا تھا۔ شیخا نے حالات کا ہر بوجھ اپنے معذور جسم پر اٹھایا تھا۔ ایک ایسا جج کی حیثیت سے وہ بھیک مانگ سکتا تھا اس طرح آج وہ بھکاری ہوتے۔ مگر شیخا نے انہیں ایک با عزت مقام دیا تھا اور آج وہ سر بلند تھے یہ احسان وہ دل

سے مانتے تھے اور شیخا کی ہر خواہش ان کے لئے ایمان کا درجہ رکھتی تھی اور سونیا جانتی تھی کہ پھول پیش کرنے وان ہا ہر کا آدمی ہے اور شیخا کے ہاں اس کی گنجائش نہیں ہے۔ بس اس نے دل سے اسے نکال دیا تھا اور اس کے بعد جو کچھ کیا تھا نفرت کے احساس کے ساتھ کیا تھا۔ لیکن اس وقت اس وقت ایک بار پھر اس کے دل نے ہل کر اسے احساس دلایا تھا کہ نوجوان نے اس پر کوئی نقش ضرور چھو دیا ہے۔ اس کی موت نے اسے رز دیا تھا۔ یاز کے حلق سے دفعتاً آواز نکلی۔ ”ارے یہ تو یہ تو“ شیخا نے کو ذکر جیپ سے نیچے اترتے ہوئے کہا۔

”ارے کا ساپ سوگھ گئی تم سب کا۔ کون رہے ای۔ ارے کا روادی کا نیچے۔“ اور مانوئی جلدی سے درخت پر چڑھ گئی۔ اس نے درخت پر بندھی رہی کھول دی۔ اپا نے اس کے جسم کو سنبھالا اور لاش نیچے اتر گئی۔ اسی وقت غلام شاہ کی آواز ابھری۔

”رے ارے ای تو ای تو“ اس کے بعد غلام شاہ کی آواز بھی بند ہو گئی تھی۔ اس کے چہرے پر پہلے حیرت اور پھر غم کے آثار نمودار ہو گئے۔ پھر وہ مفہوم بچے میں یوں۔ ”ای کا ہوئی“

”اس نے خود کشی کی ہے شیخا“ اپا نے بولا۔

”برا ہوئی۔ کھدا کسم برا ہوئی۔ پن ای تو پولیس کے پاس رہے۔ ارے ایو ہے ای او بی رہے ناسارک۔“

”ہاں شیخا وہی ہے۔“

”پن اے ہوئی کا گوا۔ ای بہوت برا ہوئی رہے۔ ہم ہم ای کے لئے کھود کو ما پھدا میں کر سکت۔ مگر سر کھو پڑا ہی کھوم گئی رہے۔ ای یہاں تک کیسے آ گیا اور پھر کھود کسی ارے پاگل ہوئی گیا تھا کا اے۔ ہم سے ملتا ہوتا ہم تو سر کھود اس کے لئے دیکھی رہے۔ نا بھئی نا ایسا نا کا ہم نے پہلے نہ دیکھا۔ ای کے ہاتھ ماں کا رہے۔“ شیخا نے کہا اور پہلی بار ان لوگوں نے لاش کے ہاتھوں کی پھٹی ہوئی مٹھیاں دیکھیں۔ یاز نے بمشکل تمام مٹھیاں کھولیں اور سونیا کے دل پر ایک گوند پڑا۔ پھٹی ہوئی مٹھیوں میں گلاب کے دو مسے ہوئے پھول تھے۔ شیخا نے بھی ان چھوٹوں کو دیکھا اور اس کے ہونٹ کپکپانے لگے۔ پتہ نہیں اس کی زبان نے کیا کیا اندازے لگائے تھے ویسے اس نے ایک بار بھی سونیا پر نگاہ نہیں ڈالی تھی۔

”اب کیا کریں شیخا؟“ یاز نے پوچھا۔

”کا بتائی ہے ہوا۔ اس نے تو ہمارا جان ہی نکال لی۔ ای کو بھون واسے ہمیں یہاں سے منہ دانا اٹھائی رہے۔ اب ہم جلدی بھراہی کا نا بھول سکت ہیں۔ سرانو کھار ہے تھا۔ ایسے جیسے کو حرام موت نامرنا چاہئے تھا ایو۔ ہمارا دل رورہا ہے۔“ شیخا کی بھرائی ہوئی آواز ابھری اور اسی وقت مانوئی اچھل پڑی۔ اس نے لاش کو آنکھ کھولتے ہوئے دیکھا تھا۔ پھر اس کی آواز ابھری۔

”تم چاہو تو میں زندہ رہ سکتا ہوں شیخا!“

”او کیسے بھائی؟“ غلام شاہ چونک کر بولا۔ پھر بری طرح اچھل پڑا اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھا اور پھر ایارے بولا۔ ”ایں کون بولا
یاں؟“

”مگر تمہیں میری موت کا افسوس ہو رہا ہے تو میں زندہ بھی ہو سکتا ہوں۔“ لاش کے ہونٹ ہلے اور شیخا کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ پھر وہ خود کو سنبھال کر
پرست لہجے میں بولا۔

”ارے اوئی حرام کھور۔ تو جندہ ہے۔“

”تھا نہیں تمہاری باتیں کس کر زندہ ہو گیا ہوں۔“ اس نے کہا اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔

”ارے ای سسر انسان ہے بھی یا ناہیں۔ ارے ہم سے سزاوت کرے ہے بڑیاں تڑوائی ہے ہمارے ہاتھ سے۔“ غلام شاہ کی حالت عجیب ہو گئی۔
سب پرستہ طاری تھا۔

”تم میرے ساری ہڈیاں پسپا تو ڈرو شیخا۔ مگر مجھے اپنے سرکس میں جگہ دے دو۔ ورنہ میں دوبارہ خودکشی کروں گا۔“ شارق نے کہا۔

”ارے پر تو بچ کیسے گیا۔ گردن میں پھندا لٹکائی ہے ارے بھائی ایسا ہے دیکھ۔ باپے تو۔“

”پھندہ گردن میں کہاں لٹکا تھا شیخا دیکھو رسیاں تو بخلوں میں بندھی ہوئی ہیں اور ڈبل ہیں ان رسیوں میں لٹک رہا تھا گردن کا پھندا ان ڈبل رسیوں
کے بیچ بندھا ہوا ہے۔ اس طرح یہ پچھنی صرف بخلوں میں لگی ہوئی تھی۔ کوئی اگر خودکشی نہ کرنا چاہے تو یہ طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے۔“

اس نے رسیاں دکھائیں جو آستینوں کے نیچے چھپی ہوئی تھیں۔ شیخا نے سر پٹتے ہوئے کہا۔

”تو ہمیں جو درپاگل کر دے گا سا رک۔ ارے کا کریں خیر اہم۔ ہماری کل کھراب ہوئی تھی ارے۔“

”بس مجھے سرکس میں جگہ دے دو شیخا۔ ان سب سے زیادہ وفادار ثابت ہوں گا اور ان سب سے اچھا فنکار بھی۔“

”ارے تو پچیس کے چنگل سے کیسے نکل بھاگا؟“

”تمہارے سرکس کا دنیا بھر پچیس کے قابو میں آ سکتا ہے۔ وہاں تو اتنا وقت میں نے تمہاری خوشی کے لئے گزارا تھا جب مجھے پتہ چلا کہ تم بے سرکس
ختم کر دیا ہے تو میں پولیس کو خدا حافظ کہہ کر نکل آیا۔“

”اور یہاں تک کیسے پہنچے۔“

”تمہارے ساتھ شیخا۔ ایک ٹرک کے پیچے بیٹھ کر یہ سفر کیا اور تمہارے لیکن سے تمہارا تک کھا تا رہا۔“

”ارے تو اٹھ۔ ہمارے ساتھ چل۔ ہم تو کامیاب سے سبھی کی ہے۔ نو۔ تیرا ہمارا کوئی بھگڑانا ہے۔ کھدا آجے جہرہ رکھے تو جہرہ ہے ہمارا جی کھوس ہوئی گیا۔ تو چل ہمارے ساتھ آ۔ بات کریں گے تو سے۔“ وہ خاموشی سے غلام شاہ کے ساتھ جیب میں آ بیٹھا۔ اسٹولی واپس اور سو نیا بھی جیب کی طرف بڑھ گئے تھے۔

جیب و پس کھپ بچھ گئی۔ راستے میں مکمل خاموشی طاری رہی تھی۔ سو نیا پر ایک لمحے کے لئے جو ہڈ بات کی کیفیت طاری ہوئی تھی وہ فتم ہو گئی۔ وہ شاطر تھا فریبی تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ لوگ اس طرف آرہے ہیں اس نے یہ ڈرامہ اسی لئے رچایا تھا اور سو نیا کو متاثر کرنے کے لئے گلاب کے پھول مٹیوں میں لے لئے تھے۔ مگر یہ سب فریب تھا، صرف فریب۔ اس نے ایک بار پھر سو نیا کو پ توقف بنایا تھا۔

غلام شاہ خود بھی راستے میں کچھ سوچتا آیا تھا۔ نہ جانے کیا کھپ بچھ کر وہ جیب سے نیچے اتر گیا۔ ”آہو“ ہمارے ساتھ آ جا۔“ اور وہ سعادت مندی سے گردن جھکائے غلام شاہ کے نیچے میں داخل ہو گیا۔

”ارے چاہوائی سے رے ایا ہے۔ دوئی پیاسے اندر بھجوا دے۔“ اس نے ایا ز سے کہا اور پھر مسکراتی نگاہوں سے نو جوان کو دیکھے لگا۔ ”بہت چڑ رہے تو بھی کھدا کسم کرا رہے۔ پیسے ہم کا ای جتا بڑا تو رہے کوں؟“

”میرا نام شارق زمان ہے شیخا۔“

”نام تو نے پہلے ہی بتائی دے ہے تو رہے باپ کا نام رہے؟“

”خاروق زمان ا۔“

”کہاں کا رہنے والا.....؟“

”کھیں کا نہیں۔“

”کا مطلب۔“

”ہوش سنہا، تو ایک پانزی قصبے کے قسیم خانے میں تھا جہاں میرے ساتھ اور پانچ بچے تھے۔ قسیموں کے نام پر بھیک مانگا کرتے تھے۔ ایک دن غیرت کی نو دہاں سے نکل بھاگا۔ شہر آ گیا۔ یہاں محنت مزدوری کر کے زندگی گزارنے لگا۔ طرح طرح کے کام کئے پھر ایک ماسٹر صاحب مل گئے اور انہوں نے پڑھایا لکھایا۔ محنت مزدوری کرتے کرتے جوان ہو گیا۔ باپ کا نام موصی صاحب کے رجسٹر سے معلوم ہو تھا ماں کو کبھی نہیں دیکھا۔

”س جی سی بات ہے۔“

”یہ نہیں تھا سے کہاں سے لکھے تے نے ؟“

”کون سے کھیل تھا شے.....؟“

”ارے اے سی جو تو دکھائی رہے۔“

”بھی تو میں نے ایک بھی نہیں دکھایا تھا۔ میں نے کوئی کھیل کوئی تر شا کہیں سے نہیں سیکھا۔“

”اور جو اس دس بندر کو چھائی رہے پولیس کی جھکڑ پاں کھولے رہے او ؟“

”یہ سب کچھ تو میں خود بخود ذکر لیتا ہوں شیخا۔ وراصل زندگی میں کوئی دیکھ بھاس کرنے والا تھا نہیں۔ جیت بھرنے کے لئے کچھ کام کر رہا اور اس کے بعد

آوردہ گردی بندروں کی حرکتیں دیکھ کر ان کے بارے میں اندازہ لگایا۔ دوسرے جانوروں سے بھی بہت سیکھا ہے میں نے۔ جو کچھ میں سیکھنا چاہتا

ہوں شیخا اسے ایک دو بار دیکھ کر سیکھ سکتا ہوں۔ تم نے سانپ، در نیولے کی لڑائی دیکھی ہوگی۔ میں بھی نیولے کی طرح سانپ کو مار سکتا ہوں۔ مٹی میں

جو خصوصیات ہیں وہ بھی میں جانتا ہوں تم مجھے بلندی سے گرد و بلی کی طرح بھروں کے بل نیچے آؤں گا۔ تمہارے سرکس میں جتنے دنکار جو کچھ کرتے

ہیں صرف تیس دس دکھا دو مجھے میں دے کر کے دکھا دوں گا۔ کر سکو تو کان پکڑ کر لٹکا دیتا۔“

علامہ شاہ کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ وہ دیر تک شائق کو دیکھتا رہا پھر پریشان سہجے میں بولا۔ ”سسر کھو پڑا اڑا اسکے رکھائی تے نے ہماری۔ ارے کا کریں

ہم حیرا رہے ؟“

”اپنے سرکس میں رکھ لو شیخا۔ ؟“

”اے کسی کیمت پرانا ہو سکے ہوا۔ ساری جہنگی نا کھیں کھراب ہو جائے ہے ہم ایسا نہ کر سکتے ہو۔“

”آخر کیوں شیخا ؟“

”اے ہماری جہنگی کی کہانی ہے۔ سرکس ماں جتنے نوگ ہیں او ہیں جو ہمارے قبیلے کے ہیں۔ ہم صوبہ بنائی ہے کہ باہر کے کسوا آدمی کو اپنے ساتھ

رکھیں گے۔ دھوکا ہوئی ہے جکا، بھین کھو دئی ہم اپنا پاؤں کھینے والوں نے بھیک کا پیالہ دے دئی ہمارا ہاتھ ماں اور ہم کسم کھائی رہے۔

کسم کھائی رہے ہم۔ نا ہوا۔ ساری جہنگی کا مان ہم نا توڑے ہے۔ ہماری مجبوری سمجھ لے پیارا لگے ہے تو ہمیں محبت کریں ہیں حیرا۔ حیراں کر دئی

ہے تے نے ہمیں پر اے نا ہو سکت۔ ہا پھ کروے ہمیں ہوا، ہا پھ کر دے۔ اے سرکس سسر میں جہنگی گھارنے کے لئے مائے رہیں ہم۔ اپنے دشمن کی

حالش رہے ہمیں اور حرام کھور پڑا روافی چائے ہمیں اس سے منہ لیں بس کسی کو نے ماں بٹھ رہی گے مرنے کا بخار کریں گے۔“

”پڑا کون ہے؟“ شارق نے پوچھا۔

”بس ہے اے لڑکا کائناتی رہے۔ ہمارے گھر کا کھیل رہے ہم ہی بھلتیں گے۔“

”شیخا میری زندگی کا بس ایک ہی کھیل ہے تمہاری محبت حاصل کرنا اس سرکس میں ابوں کی طرح شمل ہو نا۔“

”دشمنی ہو چکی ہے اے ہمارے ساتھ۔ مجبوری ہوئی کے ہم تو کا پولیس کے حوالے کریں گے پر ہمارا دل دور ہا تھا ہم نا چاہتے رہے اور سب تیری وجہ سے ہم سرکس وہاں سے اٹھائی دے رہیں۔“

”تم نے پولیس کے حوالے کیا تھا شیخا اس لئے جھگڑا یاں پہن کی تھیں تاکہ تمہاری عزت رہے ورنہ پولیس یہ نہ کر پاتی۔ رہی دشمنی کی بات تو سنی دوستی کروں گا تم سے کہ دشمنی کا نام بھول جاؤ گے۔ میرے خلاف کچھ کرنا چاہو گے تو دل پھٹ جائے گا تمہارا، سمجھے شیخا۔ یہ میری زندگی کا کھیل ہے۔“

شارق زمان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”رے تو جبر جنتی کا ہے کرے ہے بھائی۔ ہمارا سرکس ہاں تیرے لئے جگہ بنا رہے۔“

”ہاں سب تمہارے سرکس کا آدمی ہوں تمہارا اکھاؤں کا تمہارا پہاں گا جہاں تم جاؤ گے وہاں میں جاؤں گا جو کچھ تمہارے سرکس کے لئے کر سکتا ہوں کروں گا۔ آج تک تمہارے دل میں محبت جگانے کی کوشش کرتا رہا ہوں اب نہیں کروں گا۔ جا رہا ہوں شیخا، وراہیک بات کا نہ کھول کر سن لو۔ ہزار بار مرنے کا تجربہ رہے سرکس کے ایک کھونٹے کو بھی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ یہ میرا قول ہے مجھ سے کسی نقصان کی توقع نہ رکھنا۔ اچھا خدا حافظ۔“

”ارے ارے۔ او بھائی سارک من تو ارے۔ ارے ہم تو کامہن بنا کر مائی ہے۔ بے غمی کرائے گا ہمارا۔ سن بڑا۔ آگے نیا نگر رہے ہتھ تاک ٹھکرا کا علا کہ ہے او۔ آتے کہاں جائے گا مہن بن کر تو رو سکت ہے یہاں جب سرکس یہاں سے نکلیں اور نے جئی ہے تو تیری جو مری میں آئے کر یو بھائی۔“

”میرے جانے سے تمہاری بے عرقی ہوگی شیخا ...؟“

”تو ور کیا؟“

”تو پھر ٹھیک ہے۔ مگر جس دن نکالنا چاہو تو آہستہ سے میرے کان میں کہہ دینا غدر گراؤٹھ ہو جاؤں گا۔“

”کا ہو جئی ہے؟“

”مطلب یہ کہ تہا رنی نظروں سے اوجھل ہو جاؤں گا۔ چاہتا مجھے کہاں ہے۔“

”ای کا کچھ ہے جبرستی۔“ شیخا بے اختیار ہنس پڑ۔ اتنی دیر میں ایاز چائے لے کر آیا تھا۔ ”ارے بھائی آیا ہے۔ ایک کھیر۔ ای کے لئے بھی لگوئی رے مہمان ہے ای ہمار۔“

”جو علم شیخا ۱“ ایاز نے کہا اور ہر نکل گیا۔ ہار اکبر شاہ اور سونیا آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ سونیا کبر شاہ کو پوری تفصیل سنا چکی تھی اور کبر شاہ غصے میں تھا۔

”کیا کر رہا ہے شیخا کے ساتھ۔۔؟“ اکبر شاہ نے پوچھا۔

”ہائیں کر رہا ہے اب چائے پی رہا ہوگا۔ شیخا نے اس کے لئے ایک خیر لگانے کو کہا ہے۔“

”کیا۔“ اکبر شاہ غصیلے بچے میں بولا۔

”وہ سرکس میں مہمان رہے گا۔“

”شیخا اصول توڑ رہا ہے۔“

”نہیں ایک اصول بتایا ہے کہ سرکس میں مہمان رہ سکتے ہیں۔“

”یہ نہیں ہو سکتا۔“

”خیر تو لگانا پڑے گا ۱“ ایاز نے کہا۔

”ہاں اس نے کہا تو ایسا کر لو۔ لیکن شیخا۔ آخر وہ سمجھا کیوں نہیں ہے کس طرح سمجھے گا وہ۔ سونی میری بہن ہے کوئی اس سے بد تمیزی کرے تو۔ شیخا

کو سمجھانا پڑے گا۔“ اکبر شاہ نے کہا۔

اکبر شاہ نے غلام شاہ سے کہا ”وہ اچھا آدمی نہیں ہے شیخا ۱“

”کا کھرا بی ہے اس ہاں۔۔؟“

”وہ وہ سونی سے بد تمیزی کرتا ہے۔“

”کا بد تمیزی کرے ہے؟“

”وہ اسے پھول دیتا ہے۔“

”من رے اکبر!۔ اے بدمعاش! ہمارا ساتھ کر لیا کہ ہم پرانا مانی ہے روج پھول دیا کرہ کا سمجھا۔“

”میں تو بہت کچھ سمجھ رہا ہوں شیخا۔ نہ جانے تم کیوں نہیں سمجھ رہے۔ مگر شیخا کہ بات حد سے آگے بڑھی تو خلاف ورزی نہ ہو جائے اس میں میری قصور نہ ہوگا۔“

”او کھو دیبا کرے گا۔ ہمارے تجربہ بھی کچھ رہے ہوں۔“ غلام شاہ نے کہا اور اکبر شاہ پاؤں پٹختا ہوتا ہر نکل گیا۔



چنگو پر نہ جانے کیا بھوت سو رہی تھی وہ ہر خطرے سے بے یاد ہو کر آگے بڑھ رہا تھا۔ بہر حال منکونے اس سے انحراف نہ کیا۔ چنگو کا رخ کمپ کی طرف ہی تھا۔ فاصلہ طے کرتے ہوئے مانی ہی یاد آگئی تھی۔ اوّل تو یہ فاصلہ بہت زیادہ تھا۔ دوئم راستے میں بہت سی رکاوٹیں بھی تھیں۔ کئی چڑھائی کئیں ڈھلان، انہیں اندازہ نہ ہو سکا کہ کمپ تک پہنچنے میں نہیں کتنا وقت لگا۔ بہر حال وہ کمپ پہنچ گئے تھے۔ دونوں کے پاؤں ٹکڑا رہے تھے۔ شکر تھا کہ راستے میں کوئی سامنے نہیں آیا تھا کمپ میں بھی خاموشی چھائی ہوئی تھی مگر بہت دور و لمبی ہی تیز روشیاں نظر آ رہی تھیں جیسی یہ لوگ پہلے دیکھے تھے۔ ایک خیمے کی آڑ میں بیٹھ کر انہوں نے کچھ دیر آرام کیا پھر چنگو نے کہا۔

”میڈم شرمیلا کہاں ہو سکتی ہیں۔۔۔؟“

”وہاں۔“ منکونے ایک طرف اشارہ کیا۔

”اتنے دُور سے کیسے کہہ رہے ہو۔؟“

”وہ واحد خیمہ ہے جس میں روشنی ہے۔“

”آؤ دیکھیں۔“ چنگو نے کہا اور وہ بڑی جگہ سے اٹھ کر خیمے کی طرف چل پڑے۔ منکوکا اندازہ بالکل درست تھا۔ اندر سے ایسی آوازیں آرہی تھیں جیسے کسی کو سردی سے بخار چڑھ رہا ہو۔ یہ آواز میڈم ہی کی تھی۔

”وہی ہے۔“ چنگو نے اعتراف کیا اور وہ لوگ خیمے کے دروازے سے اندر داخل ہو گئے۔ میڈم ایک بغیر ہاتھوں والی کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی انہیں دیکھ کر اس کے چہرے پر خوف کے آثار نمودار ہو گئے اس نے چیخنے کے لئے منہ کھولا اور پھر فوراً ہی بند کر دیا۔ حالانکہ وہ اسے یاد آگئے تھے مگر وہ چیخنے کے سے انداز میں بولی ”تم!“

”آپ نے ہمیں پہچان لیا میڈم۔؟“

”تم کہاں چلے گئے تھے۔ میں کتنا بوری ہوں۔ آخر تم جتنے دن کہاں قاصر رہے۔“

”معاذ اللہ میں گرفتار نہیں میڈم ریمو کی بارے لئے بے حد مشکل ہے آپ ہماری پریشانیوں کا اندازہ نہیں لگا سکتیں۔“

”تم نے مجھے متعجب کر دیا تھا کہ دوسروں کو تمہارے بارے میں نہ بتاؤں اس لئے خاموش رہی۔ میں اب بھی یہی کہتی ہوں کہ بلاوجہ پریشانیوں کا رعب ہے۔“

”وہ کوئی تمہارا کچھ نہیں پکاڑ سکتا۔ آزادانہ میرے ساتھ دوستوں کی حیثیت سے رہو۔ بعد بھی بس آنے والا ہے۔“

”اس وقت تک خاموش رہیں میڈم جب تک بعد صبح نہ آ جائیں اس کے بعد سب ٹھیک ہو جائے گا۔“

”تمہاری مرضی۔ مگر تم اب یہاں سے نہ جانا خاموشی سے بھلا کے آنے کا رعب رکرو۔“

”سب لوگ کہاں گئے۔؟“ منکونے پوچھا۔

”شوٹنگ کر رہے ہیں۔“

”ہم بھوکے ہیں۔“ منکونے کہا۔

”ادو! اس انتظام کرتی ہو تم آرام سے بیٹھو۔“ میڈم نے کہا اور پیچھے کے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ اس کے چانے کے بعد منکونے کہا۔

”آخر تمہارا ارادہ کیا ہے۔ کیا جنگ چھپے رہو گے۔؟“

”خیر۔ صرف پیٹ بھر سنے کے لئے میں یہاں آنے پر مجبور ہوا ہوں۔ اس کے بعد ہم اصل قدم اٹھائیں گے۔“

”کیا۔۔۔؟“

”جی ہاں عبور کر کے جنگ لگنے کے علاقے میں داخل ہونے کی کوشش کریں گے۔ اگر اس میں کامیاب ہو گئے تو ہماری مشکلیں حل ہو جائیں گی اور امر

نا کام رہے تو۔ تو پھر جو ہوگا دیکھ جائے گا۔“

”اگر ہم میڈم کو جنس اور پیئر کے بارے میں سب کچھ بتا دیں تو کیا خیال ہے۔“

”بھاری عورت ان کے ہاتھوں ماری جائے گی۔ وہ قاتل ہیں اسلئے کے اسمگلر ہیں۔ یہ کام ان کے لئے مشکل نہ ہوگا۔ بعد سے وہ کوئی بہانہ کر دیں

گے اس کی موت کو حادثہ قرار دیتا ان کے لئے مشکل نہ ہوگا اس لئے اس کو کچھ بتانا صرف اس کی زندگی سے کھینچنا ہوگا وہ اس کا کیا بکاڑ سکتی ہے۔“ منکونے

نے کہا۔ منکونے اس سے اتفاق کیا تھا۔ میڈم شرمیلاں کے لئے کھانا لے آئی اور انہوں نے نہایت ممنونیت سے شکم سیری کی۔ پھر شرمیلا کی ہدایت پر

وہ اماری میں پوشیدہ ہو گئے اور حکم اتارنے لگے۔ باہر کی آوازیں آرہی تھیں شوٹنگ دے دے واپس آ چکے تھے۔

رات کے آخری پہر جب چاروں طرف سناٹا پھیل گیا اور شرمیلہ کے خوفناک خرنے عیسے میں پھنس جانے لگے تو وہ دونوں الماری سے باہر نکل آئے اور پھر حسیط سے خبیثے سے نکل کر چل پڑے۔ انہوں نے یاد دلئی ندی کے رخ کا تعین کر لیا تھا۔ چنکو نے الماری سے ہی نائیوں کی ایک برسی نکال کر اپنے لباس میں چھپا لی تھی وہ ایک خطرناک کام کرنے کے لئے پوری طرح تیار تھا۔ بیادلی کا سفر کافی طویل تھا، اور اس وقت دس کا اجالا پھوٹ رہا تھا، جب وہ اس پر شور دریا کے کنارے پہنچے۔ اس کا بھاؤ دیکھ کر چکر آ رہے تھے منکھو کو چنکو کے عزم کو دیکھ کر تعجب ہو رہا تھا۔ بہر حال وہ چنکو کو کسی طور تنہا نہیں چھوڑ سکتا تھا چنکو نے ایک بار پھر کہا۔

”میں اس دریا کو عبور کرنے کا آخری فیصلہ کر چکا ہوں۔ تم گر جاؤ تو مجھ سے علیحدہ ہو سکتے ہو۔“

”ہم دونوں ہر مشکل ترین کھیل میں ساتھ رہے ہیں چنکو۔ اس کھیل میں علیحدہ کیسے ہو سکتے ہیں۔“

”تعب ٹھیک ہے۔ آؤ یہ کھیل بھی مل کر نکھیں۔ ہم اس برسی کو اپنے جسموں سے باندھ بیٹے ہیں تاکہ اگر موت بھی آ جائے تو ہمیں الگ الگ نہ کر پائے۔“ چنکو نے برسی نکال کر کہا۔ برسی کے پھندے اس طرح بنائے گئے کہ انہیں علیحدہ علیحدہ تیرنے میں کوئی دقت نہ ہو بس ایک دوسرے سے ان کا فاصلہ زیادہ نہ ہونے پائے۔ پھر انہوں نے بیک وقت دریا میں چھلانگ لگا دی۔ پانی کی روانی بھلا ان کے ننھے ننھے جسموں کو کیا خاطر میں لاتی وہ منکھوں کی طرح بہاؤ پر بیٹے گئے۔ لیکن اپنی تکنیک انہوں نے برقرار رکھی تھی اپنے جسم کو دریا کے بہاؤ پر ہلکا پھلکا چھوڑ کر وہ بس تھوڑا تھوڑا دوسرے کنارے کی سمت کھسک رہے تھے۔ یہ عام آدمی کے بس کی بات نہیں تھی لیکن چونکہ سرکس میں انہوں نے ہر مشکل کو مطیع کرنا سیکھا تھا اس لئے انہوں نے یہاں بھی ہار نہیں مانی تھی اور ان کا یہ عمل ان کے لئے سو فیصد کارگر رہا۔ یہ ہونا کہ طوفانی سفر زیادہ طویل ثابت نہ ہوا۔ وہ ننھے ننھے کمزور جسموں کے طوفانی عزم کو پانی کی قوت شکست نہ دے سکی۔ دریا ہالا خراس ہونا کہ سفر کا اختتام ہو گیا۔ پانی ان کی چالاک کی کوئی سمجھ نہ سکا اور اپنی قوت کا مظاہرہ کرتا رہا لیکن دوسرا کنارہ اب دور نہ تھا۔ بالآخر وہ پانی سے نکل آئے۔ نیا مگر کی کا شاداب علاقہ ان کے سامنے نکھرا ہوا تھا۔ کنارے سے کچھ دور ہٹ کر وہ گھاس پر لمبے لمبے لیٹ گئے۔ دماغ شل ہو رہے تھے کان بند ہو چکے تھے ور پٹکیں جڑی جا رہی تھیں۔ پھر انہیں اپنے ہوش و حواس پر قابو نہ رہا اور دونوں ہی ماحول سے بے خبر ہو گئے۔ ہوش اس وقت آیا تھا جب کوئی نہیں ہوش میں لا رہا تھا آنکھیں کھلیں تو گھوڑوں کی لمبی لمبی ٹانگیں نظر آئیں اور پھر کچھ چمے جو خطرناک تھے۔

”رندہ ہیں۔۔۔“ کسی نے کہا۔

”مگر کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں۔“ دوسری آواز نے کہا۔

”یہا جئے ا جئے سے کیوں ہیں ؟“

”بڑے مظلوم ہوتے ہیں۔“

”تھا کرکڑا کرو ۱“ کسی نے کہا اور وہ دونوں خود ہی چھل کر کھڑے ہو گئے ان کے قریب موجود لوگ ایک دم پیچھے ہٹ گئے تھے۔

”کیا تم ہماری بات سن سکتے ہو ؟“ ایک چوڑے چکلے ”دلی“ نے پوچھا۔

”کیوں نہ سہارا ج کیا یہ تھا کر جگت سنگھ کا عقدہ ہے ؟“

”ہاں ... مگر تم کون ہو ... ؟“

”تھا کر کے مہمان ۔“

”کیا مطلب ... ؟“

”ہمیں تھا کر صاحب نے بلایا ہے۔ تم ہمیں ان کے پاس پہنچا دو ۱“

”مگر ہمیں کوئی اطلاع نہیں ہے اور یہاں بغیر اجازت آنا منع ہے۔“ اس شخص نے کہا۔

”ہمیں تھا کر صاحب کے پاس لے چلو گروہ ہمارے یہاں آنے پر مباحوث ہوں گے تو ہمیں جو چاہو سزا دے دینا۔“ چٹکو نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔“ اس شخص نے اس بات سے اتفاق کیا اور اس کے بعد ان دونوں کو ایک گھوڑا دے دیا گیا جو ان کے لئے کافی تھا۔ نیا مگر کی پہلی

آبادی میں ان کا داخلہ ان کے لئے بے حد سستی خیر تھا کافی گھنٹی آبادی تھی صاف ستھری حوشما اور سرسبز مکانات قرینے سے بنے ہوئے تھے اور

بازاروں میں خوب چھال پھیل تھی۔ تھا کر جگت سنگھ کی محل نما عمارت قدیم راجاؤں کا تصور پیش کرتی تھی۔ چوبداروں اور غلام گھردشوں سے گزر کر

نہیں ایک بڑے سے ہلی نما کمرے میں پہنچا دیا گیا جہاں دو نگران ان پر مقرر کئے گئے تھے۔ ہاتی لوگ چلے گئے۔ آدھے گھنٹے کے بعد ایک شخص ان

کے پاس آیا اور بولا۔

”میر نام دیو ان سریندر سنگھ ہے۔ تھا کر جگت سنگھ کو تہا رے بارے میں بتایا گیا تو انہوں نے لائٹنی کا تلب رکھ کر تاہم انہوں نے حکم دیا ہے کہ تم رات

تک انتظار کرو، رات کو وہ تم سے ملاقات کریں گے۔“

”ٹھیک ہے ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔“ چٹکو نے جواب دیا۔ اس کے بعد انہیں رات تک انتظار کرنا پڑا تھا۔ ابھی اس دور ان کی ضروریات کا

خیال رکھا گیا تھا۔ لیکن دونوں ان پر مسلط تھے۔ پھر رات کو انہیں تھا کر صاحب کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ تھا کر جگت سنگھ کی عمر ستر سال کے قریب لگی

محنت چاہیے سارے جوان کی تھی لمبے چوڑے قدم و قامت بڑھی ہوئی داڑھی مونچھوں کے ساتھ وہ باریک شخصیت رکھتا تھا۔ انہیں دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

”جتنے خوبصورت مہمان کبھی ہمارے پاس نہیں آئے۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ تم نے خود کو ہمارا طلب کردہ بتایا ہے ہم نے یہ نہیں کیا مگر تمہیں خوش آمدید کہتے ہیں۔“

”کیا ٹھیک رہا جب ہمیں تنہائی میں کچھ وقت دے سکتے ہیں۔“

”کوئی ایسا کام ہے تمہیں ہم سے جس کے لئے تنہائی کی ضرورت ہے۔“

”جی ٹھیک رہا صاحب!“

”ٹھیک ہے۔ ہمیں تنہائی دی جائے۔“ ٹھیک کرنے کا اور وہاں موجود تمام افراد چلے گئے۔ ٹھیک کرنے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔ ”کیا تم اندرونی علاقوں سے آئے ہو؟“

”نہیں ٹھیک رہا صاحب۔ ہمارا تعلق اس دنیا سے ہے جہاں صرف ان پہاڑوں کی کہانیاں سنائی جاتی ہیں۔“

”کیا یہ دلی سوکھ گئی یا اس کے پانی کی طاقت ختم ہو گئی ہے۔“

”ہم نے اپنے عزم سے دریا کو خشک کر دیا ہے اور اسے تیز کر پار کیا ہے۔“

”کیا یہ ممکن ہے؟“

”ہمارے کچھ کی تصدیق ہو جائے گی۔“

”یہاں دلی کو صرف چند مقامات سے پار کیا جاسکتا ہے اور وہاں ہمارا منت پیرہ ہے۔ بہر حال تم پل آ کا مقصد بتاؤ۔“

”اس سے پہلے ہم اپنے بارے میں بتانا چاہتے ہیں۔“

”بتاؤ۔!“

”ہمارا تعلق ایک سرکس سے ہے اور ہمارا سربراہ غلام شاہ ہے جس کا قول ہے کہ برائیوں کے خاتمے کے لئے جو کچھ کر سکتے ہو ضرور کرو۔ ہم اس کی ہر ہدایت کی تعمیل کرتے ہیں کچھ دن قبل ہمارے سرکس میں ایک شخص کو قتل کر دیا گیا۔ دوا پیسے آدمی ہماری لگا ہوں میں آئے تھے جن پر ہمیں قتل کا شبہ تھا لیکن وہ قانع ہو چکے تھے اور ہم ان کی نشاندہی نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے ہم خاموش رہے ابنتہ یک اور شہر میں ایک بار پھر وہ دونوں ہمیں نظر آ گئے

اور ہم ان کے بارے میں معلوم کرنے کے لئے چل پڑے اس کے بعد ”چکو نے پوری تفصیل بے کم و کاست جگت سنگھ کو سنا دی۔ جگت سنگھ کی کیفیت بدلتی جا رہی تھی۔ ہلیر کے نام پر اس نے اچھل کر دو پارہ پوچھا۔“

”ہلیر سنگھ..... ٹھہر کر ہلیر سنگھ۔“

”ہاں ٹھہر کر ہلیر سنگھ! رہا ہر کی دنیا میں ڈاکو ہلیر!۔“

”تم اسے ڈاکو کیوں کہہ رہے ہو؟“

”اس لئے کہ.... کہ وہ ڈاکو کی حیثیت سے گرفتار ہو چکا ہے اور ہم اس کے گواہ ہیں اسے سزا بھی ہوئی تھی۔“

”جہیں نہیں ہے؟“

”سوفیصدی ٹھہر کر۔“

”آگے سناؤ پھر کیا ہوا؟“ ٹھہر کر جگت سنگھ نے پر خیال انداز میں بچی داہنی مونچھ مروڑتے ہوئے کہا۔ اس کی پیشانی پر لکھن بھرتی تھیں۔

”میں آگے کیا ہوتا تھا کہ ہمارے سنے کوئی بوا کا رانا سرانجام دینا مشکل تھا چنانچہ ہم نے فیصلہ کیا کہ جس طرح بھی ممکن ہو سکے یہ خبر آپ کو دینی چاہئے اور اس کے بعد ہم نے تیر کر بیاؤں پار کی اور آپ کے علاقے میں آ گئے۔“

”میں نہیں آ کر میں پریشاں ہو جاتا ہوں۔ بیاؤں کو پار کرنا ناممکن ہے اسے بس چند خاص جگہوں سے پار کیا جاسکتا ہے۔“

”سرکس میں ٹھہر کر ہم ناقابل یقین کارنامے سرانجام دیتے ہیں اور اگر آپ چاہیں تو آپ کے سامنے اس کا مظاہرہ کر سکتے ہیں۔ غلام شہو دس پار نیا گرا آئے کا ارادہ رکھتا ہے وہ آجائے پھر آپ ہمارے کارنامے دیکھیں۔“ چکو نے خوشگوار لہجے میں کہا۔

”اسلحہ کاروں میں موجود ہے.....؟“ جگت سنگھ نے پوچھا۔

”ہاں اور دن سنگھ کا شمارہ غلط ہی اسے دوسری طرف بھیج دیا جائے گا۔“

”کس طرح؟“ ٹھہر کر نے پوچھا۔

”جہاں تک ہم اس کی گفتگو سن سکے ہیں وہ شہنک کے برائے اسے غفلت کر دیں گے۔“ منکو نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

”وہ... ایک بات بتاؤ جہیں اس شخص کی شکل یاد ہے جسے ان لوگوں نے قتل کیا تھا۔؟“

”ہم نے ناش کو چھی طرح دیکھا تھا۔“

”مگر تمہیں کچھ تصویریں دکھائی جائیں تو کیا تم ان میں سے مقتول کی تصویر پہچان لو گے۔۔۔!“

”کوشش کر سکتے ہیں۔“ دونوں نے یک وقت کہا۔

”تب شاید کچھ کام بن سکے؟“ ٹھا کرنے کہا، اور پھر وہ خود ہی اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

”ٹھا کر کے رو دیئے نے ہمیں مایوس کیا ہے۔“ چنگو نے کہا۔

”جیسی اس کی کیا پروا ہو سکتی ہے، بس غلام شاہ کو ہمارا یہ کارنامہ معلوم ہو جانا چاہئے۔“ چنگو نے جواب دیا، اور پھر دونوں خاموش ہو گئے۔ ٹھا کر اندر

داخل ہو، تو دونوں اسے دیکھنے لگے۔ ٹھا کرنے ایک ٹھافے سے بہت سی تصویریں نکال کر ان کے سامنے ڈالتے ہوئے کہا۔

”دیکھو، ان میں سے کوئی تصویر ہے۔“ اور دونوں نے تصویریں اپنے سامنے پھیلا لیں۔ چھری لمحات کے بعد چنگو نے ایک تصویر نکال کر ٹھا کر

دیتے ہوئے کہا۔

”یہ ہے مقتول کی تصویر!“

”اوہ اوہ تمہیں یقین ہے؟ ٹھا کر کے چہرے پر ہلکی بارا خراب کے آثار نمودار ہو گئے۔

”سو فیصدی یقین ہے مگر ٹھا کر یہ تصویر کیا آپ بھی اس شخص کو جانتے ہیں؟“ منگو نے پوچھا۔ مگر ٹھا کر کے چہرے پر غم کے آثار نمودار

ہو گئے تھے۔ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”تو گلاب سنگھ مارا گیا وہ میرا بھتیجا تھا۔ میرے مرحوم بھائی کی نشانی۔ اس نے کہا تھا کہ راؤن سنگھ ہماری ریاست کے خلاف خفیہ سازش کر

رہا ہے اور اس سلسلے میں اس نے ہمدردی دنیا میں کچھ کارروائیاں شروع کر رکھی ہیں، وہ ان کارروائیوں کا پتہ لگانے گیا تھا۔ ہماری ہات کھل گئی۔

راؤن سنگھ اسلوحہ جمع کر رہا تھا تاکہ۔۔۔ تاکہ“

”راؤن سنگھ آپ کا کوئی رشتہ دار ہے۔“

”وہ بد بخت میرا جیسا ہے مگر مگر“ جگت نگہ پریشان نظر آنے لگا تھا۔ پھر اس نے کہا: ”مجھے تمہاری باتوں پر یقین آ گیا ہے۔ معاف کرنا میں نے تم سے کچھ ایسے سوالات کئے جو تمہیں پسند نہ آئے ہوں گے لیکن وہ میری مجبوری تھی اب مجھے تمہاری باتوں پر یقین آ گیا ہے۔ تم نے مجھ پر حسرت کیا ہے۔ تم میرے معزز مہمان ہو۔ یہاں آرام سے قیام کرو تمہارا سر کس کب یہاں آ رہا ہے۔“

”بس کچھ عرصہ کے بعد۔“

”تمہاری وجہ سے انہیں یہاں ہر رعایت ملے گی۔ جو کچھ تم کہو گے میں وہ سب کچھ کروں گا۔ میں تمہارے اس احسان کا پورا پورا بدلہ دوں گا تمہیں۔ تمہارا بہت بہت شکریہ دوستو۔“ ہاں یہ بتاؤ اگر میں تم سے درخواست کروں کہ میرے آدمیوں کو ان قاروں تک لے جاؤ تو کیا تم جھٹ کر سکو گے۔“

”میں شخص ملے گا نا تھا کر۔“

”مہمان تھا کروں گا دھرم ہوتے ہیں۔ تمہارا بال بیکا ہونے سے پہلے ہزاروں کٹ مر رہے۔“

”جب ہمیں اعتراض نہیں ہے نا کر۔“ انکو نے جواب دیا۔

”میں تمہارے آرام کا بندہ دوست کرائے دیتا ہوں۔ تمہیں یہاں کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ تم میرے معزز مہمان ہو۔ نا کر جگت نگہ نے کہا اور قصور میں سمیٹ کر اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ انکو کے چہرے پر فخر کے آئینے تھے مگر منگو پریشان نظر آ رہا تھا۔“



پتہ نہیں غلام شاہ کے دس میں کیا سائی تھی۔ اس نے شارق کو آزاد چھوڑ دیا تھا۔ وہ سب سے مل سکتا تھا۔ سرکس کی گاڑیاں استعمال کر سکتا تھا۔ مگر اسے غلام شاہ کے ساتھ دیکھا جاتا تھا۔ نیا نگر کا سفر پر سکون طریقے سے چاری تھا۔ غلام شاہ کو جلدی نہ تھی ویسے بھی راستے کے مناظر اسے دلکش تھے کہ شہروں میں زندگی گزارنے کے بعد یہ مناظر حسرت نظر لگتے تھے۔ وہ تھوڑے تھوڑے سے فاصلے پر ہر پسندیدہ جگہ کیمپ لگا لیتے تھے اور وہاں کالی وقت گزاردیتے تھے۔ سفر کرتے ہوئے کافی دن ہو گئے تھے اس دوران چند افراد شارق پر بھرپور نگاہ رکھ رہے تھے۔ ایسا کبیر شاہ کی ہدایت پر ہو رہا تھا خود کبیر شاہ بھی اس کی پوری پوری نگرانی کرتا تھا اور کسی ایسے نکتے کی تلاش میں تھا جس کے دریئے اسے نکلنے کا بخوار پیدا ہو۔ مگر وہ بھی ایک کامیاب تھا۔ زیادہ تر غلام شاہ کے ساتھ دیکھا جاتا تھا اور غلام شاہ ان دنوں بہت خوش نظر آتا تھا۔ زیادہ تر اس کی باتوں پر ہنستا رہتا تھا۔ اس نے غلام شاہ کا مہمان بن کر سونیا کی طرف دیکھ بھی چھوڑ دیا تھا۔ خود سونیا اس تاک میں تھی کہ اس کا چور پکڑے مگر ناکام رہی تھی۔ چند افراد کو چھوڑ کر ہاتی سب اس کے دوست بن گئے تھے اور سے پسند کرتے تھے۔ غلام شاہ نے کہا۔

”کبر! بڑا بہت دن ہوئی گئے پھر کرتے ہوئے تیرا گرا ب چیا وہ دور تار ہے تھوڑی سی مسک کر کی ان لوگوں سے جلدوری رہے۔“

”منڈو، کھڑا کرو گے شیخا؟“ کبر شاہ نے پوچھا۔

”وکی کا جلدورت رہے وہ۔ بالسی بلیوں لگائی ہو کام چل جاتی ہے۔“

”ٹھیک ہے شیخا۔ اب کے پڑاؤ میں رک کر دو تین دن مشق کریں گے!“ کبر شاہ نے کہا سی وقت شامی بھی قریب آ گیا۔

”کیا ہو رہا ہے شیخا!“

”بس رہے ہو اکو کام بتائی رہے۔“

”مجھے بھی کچھ کام بتاؤ شیخا۔“

”رے نا بڑا۔ مہمان سے کوئی کام بولے ہے جے آرام کر۔“

”تم مجھے مہمان کہتے رہو شیخا۔ میں وہ مہمان ہوں جو کبھی واپس نہیں جاتے۔“

”ناجا بھائی مہمان کو کوئی بھگائی رہے۔ جب تیرا دل چاہے مہمان بنارہ ہو رکا چات ہے۔“ غلام شاہ نے پس کر کہا۔ کبر شاہ خاموش کھڑ تھا۔ وہ ہنستا

ہوا آگے بڑھ گیا تو کبر شاہ بولا۔

”شیخا۔ وہ عمر بھر کا مہمان ہے۔“

”نا بڑا کون عمر بھر کسی کا مہمان رہے چلا جائے گا ایک دن۔ اب اوکا بھگائی بھی تو ناسکت اور پھر ای جگہ آدم نہ آدم جا آگے تیرا گھر رہے سرخ کرا کے

ہاتھ لگ جاتی رہے تو مار کوٹ کر پھینک دیں۔ گیارہ لیں دے تھوڑے دن اور چلا جائی ہی ارے کبر رہے۔ ہمارا سر چنگ منک کا کھوپڑ نہ چلی ہے۔“

”کیا کیا جاسکتا ہے شیخا۔ کیا کر سکتے ہیں۔“

”دل پر داگ دے گئے رہے اور اپنی مرضی سے گئے تھے تو سر ہمکانا کونو اور کائی جات اور اگر کچھ ہوئی گئی رہے تو سیکھ کی گنتی رہے اسے

بچوں کی حفاظت نہ کر سکا او۔“ کبر شاہ خاموش رہا تھا۔ تو اسے بات نہ کرے ہے۔“

”کس سے شیخا؟“

”سارک سے۔“

”میں صرف اس وقت کا منتظر ہوں شیخا جب وہ ہمیں کوئی نقصان پہنچا دے۔ ورتم بھی اس کا انتظار کرو۔“

”ہارے کہیں۔ تو اتجا کر تارو۔ حیرتی کھوس کھی تا پوری ہوئی ہے۔ بڑے کاسے دل کا ہے بھائی۔“ اکبر شاہ آگے بڑھ گیا تھا۔

دوسرے قیام میں شیخا کی ہدایت کے مطابق کام شروع ہو گیا۔ پنچوں کا دائرہ بڑا دیا گیا تھا۔ درمیان کے وسیع میدان میں پول نصب کئے جانے لگے۔ صرف تینویں تانے گئے تھے۔ ہائی مارے کام کا قاعدہ تھے سب ہی کے بدن ٹوٹ رہے تھے۔ مشقیں انہیں جسمانی طور پر ڈنٹ رکھتی تھیں اور ان کے رہنے سے وہ کھوت محسوس کرتے تھے۔ شیخا کے اس اعلان کا سب نے خوشی سے خیر مقدم کیا تھا اور مستعدی سے کام میں مصروف ہو گئے تھے۔ شام تک سارے کام مکمل ہو گئے جھولے تن گئے اور سرکس کام کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔ مشقوں کا ”غار دوسرے دن سے ہونا تھا۔ رات ”دھی کے قریب ہو گئی تھی۔ اکبر شاہ اپنے خیمے میں تھا کہ اسے کچھ عجیب سی آہٹیں محسوس ہوئیں اور وہ چونک کر اٹھ گیا۔ چاروں طرف گہری کان رات پھیلی ہوئی تھی۔ بالکل برابر سونیا کا خیمہ تھا۔ آہٹیں مسلسل تھیں۔ اکبر شاہ خیمے سے نکلا تو اس نے سونیا کو بھی خیمے کے دروازے پر دیکھا اس کے ہاتھ میں طاقتور نارنج تھی۔

”کیا بات ہے سونی؟“

”یہ کیسی آوازیں ہیں؟“ سونیا نے کہا اور اکبر شاہ کی نگاہیں بے اختیار اس پر ٹھہر گئیں۔ جھولا گردش میں تھا اور کوئی اس پر موجود تھا اکبر شاہ نے نارنج روشن کر دیا اور پھر دونوں نے اسے پہچان لیا۔ وہ شائق تھا۔ دونوں کے مشہوریت سے کھل گئے۔ جھولا تو لگا ہوا تھا لیکن اوپر چڑھنے کی سیڑھیاں ابھی نہیں باندھی گئی تھیں بیئر بیروں کے جھولے پر جانے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا وہ وہاں کیسے پہنچ گیا۔ نارنج کی روشنی اس پر پڑی تو اس نے جھور جھوڑ دیا اور اسٹینڈ پر آ گیا۔ روشنی نے وہاں اس کا تعاقب کیا تو وہاں سے چھلانگ مار کر ایک پول پر اسی سے دوسرے اور پھر تیسرے پول پر آ گیا اور پھر وہاں سے بھسلا ہوا نیچے۔ اکبر شاہ آگے بڑھ کر اس کے پاس آ گیا۔

”یہ کیا ہو رہا تھا؟“

”مفت۔“ اس نے جواب دیا۔

”مفت یا کچھ اور۔“

”میں صرف مفت۔“

”کس نے اجازت دی تھی تمہیں۔“

”اس کے لئے اجازت دینا ہوتی ہے؟“

”ہاں شیخا کی اجازت۔“

”مجھے معلوم نہیں تھا، شیخا سے پوچھ لوں گا۔“

”تمہیں یہ سب کچھ نہیں کرنا چاہئے۔“

”کیوں اکبر بھی۔“

”سمجھ میں نہیں آتا کس قسم کے اسان ہو۔ یہاں کوئی تمہاری موجودگی پسند نہیں کرتا اس کے باوجود تم یہاں ہو۔ ہر جگہ کو اس طرح استہزاء کرتے ہو جیسے تمہیں اس پر حق حاصل ہو۔ اگر تم شیخا کے مہمان ہو تو مہمان کی طرح وقت گزارو۔ مہمانوں کی کچھ حدود ہوتی ہیں۔“

”میں مہمان نہیں ہوں اکبر بھی۔“

”زبردستی تم یہاں نہ رہ سکو گے شارق۔“

”زبردستی نہیں اکبر بھی۔ تم لوگوں کے پیار کے ساتھ ہی یہاں رہوں گا۔ یہ میرا عزم ہے۔“

”ہم تمہیں پسند نہیں کرتے۔“

”اسی کوشش میں مصروف ہوں کہ تم مجھے پسند کرو۔ مجھے میرا کام کرنے دو تم کیوں راستہ روکتے ہو۔“

”تم شیخا کی کمزوری ہو رہی نہیں۔ شیخا معصوم صفت اور ہمدرد انسان ہے لیکن یہ معاملہ سارے قہیے کا ہے شیخا قہیے سے ہٹ کر کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔“

”ایک دن میں تم سب کی کمزوری بن جاؤں گا اکبر شاہ اسے لکھو۔“

”یہ ہوا تو میں اس پر رے سرکس کو فٹا کر دوں گا۔“

”تب میں یک اور سرکس بنا دوں گا۔“ اس نے کہا۔ اس دوران اس نے سونیا کی طرف نگاہ بھی نہیں اٹھائی تھی۔

”سنو۔ اس کے بعد تم ایسی کوئی حرکت نہیں کرو گے جو تم نے اس وقت کی ہے میں رنگ ماسٹر ہوں یہ بھی سوچ سکتا ہوں کہ تم ہمارے سرکس کو نقصان پہنچانا چاہتے ہو جو ہوسے کمزور کرنا چاہتے ہو۔ یہ ہمارے دکاروں کی زندگی کا سوال ہے اس میں شیخا بھی مداخلت نہیں کر سکتا۔“

”ہوں۔ یہ بات وزن دار ہے۔ ٹھیک ہے۔ میں آئندہ بھی کوشش کروں گا کہ جو کچھ بھی کر رہا ہوں تمہیں معلوم نہ ہو۔“ اس نے کہا اور اپنے خیمے کی طرف بڑھ گیا۔ سو یا اور اکبر شاہ وہیں کھڑے رہ گئے تھے۔ پھر اکبر شاہ نے کہا۔

”ہم لوگ شیخا کی بہت عزت کرتے ہیں لیکن شیخا ہمیں مجبور کر رہا ہے کہ ہم اس سے انحراف کریں۔ آؤ سونی۔“ سونیا اکبر شاہ کے خیمے میں آگئی تھی۔

”اس نے پھر تو تم سے کوئی بدقیرمی نہیں کی۔“

”کجنت نظر اٹھا کر دیکھتا بھی نہیں۔“ سوچا نے کہا۔

”چاہے وہ مگر سوئی۔ تمہارا اس آدمی کے بارے میں کیا خیال ہے۔“

”پہلے تو میں نے اس کے بارے میں غور نہیں کیا تھا لیکن جو چاہیں وہ چل رہا ہے وہ ہماری توہین کے مترادف ہیں۔ وہ ہماری مرضی کے خلاف ہمارے ساتھ ہے اور رفتہ رفتہ شیخا کو اپنی مٹھی میں لے رہا ہے۔“

”یہ معاملہ اتنا معصوم نہیں ہے سوئی۔ میں نے شیخا کو بہت سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ نہیں سمجھ رہا ہمیں شیخا کی معصوم نصرت کا اندازہ ہے لیکن ہم اس کام کو ایسے ہی نہیں چھوڑ سکتے۔“

”پھر کیا کیا جائے؟“

”خود ہی کچھ کرنا ہوگا۔“

”مگر کیا۔“

”اس سے پہلے کہ وہ ہمیں کوئی نقصان پہنچا دے اس سے نجات حاصل کرنا ضروری ہے۔“

”میں تمہاری ہم خیال ہوں۔“ سوچا نے کہا اور اکبر شاہ کچھ سوچنے لگا۔ پھر آہستہ سے کہا۔

”اگر اسے جھوٹے سے گرا دیا جائے تو۔“ سوچا چونک کر اکبر شاہ کو دیکھے لگی۔ پھر یوں۔

”کیا یہ آسان ہوگا۔“

”آسان بنایا جاسکتا ہے۔ اس کے ہاتھ پاؤں توڑ دیئے جائیں تو پھر اس کا یہ دعویٰ بیکار ہو جائے گا کہ وہ ہماری سرکس میں شامل ہو جائے۔“

”وہ مر بھی سکتا ہے۔“

”مر جائے۔“ اکبر شاہ بولا۔

”شیخا کو سنبھالنا آسان ہوگا۔“

”شیخا کبھی یہ ثابت نہ کر سکے گا کہ ہم نے چاہا جو کچھ کرایا کیا ہے۔“

”کیسے؟“

”سے سرکس میں شامل ہونے کا بہت شوق ہے نا۔ تم اسے بھولے پر بلا لو۔ بھولے پر کام کرتے ہوئے تمہیں ایک بار سے مس کرنا ہوگا اس کام میں جائے گا۔ در ایک اناڑی کا مس کر چا نا کوئی ہم بات نہیں ہے شیخا افسوس کے سوا کچھ نہ کر سکے گا۔“

سو نیا سوچ میں ڈوب گئی پھر بولی۔ ”اس کے لئے اسے مرنے لگانا پڑے گا۔“

”یہ ضروری ہے سو یا۔ اس نے مجھے جنون میں مبتلا کر دیا ہے۔ شیخا اس کے بارے میں کچھ متناہد نہیں کرنا اور اس کے دعوے تم سختی ہو۔ وہ زبردستی ہمارا صبر ناسپہہ گا یہ ناممکن ہے سو یا۔“

”ٹھیک ہے۔ میں یہ کام کر لوں گی۔“

”بہت احتیاط سے کام کرنا ہوگا۔ کوئی ہمارے اس پروگرام کا رازدار نہیں ہونا چاہئے۔“

”اطمینان رکھو۔“ سو یا نے آہستہ سے کہا۔

شیخا کے انداز سے لگتا تھا جیسے دو پہاں بقی دن مشقیں جاری رکھنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اس نے کچھ یہاں ہی پھیدا و فقیر کیا تھا۔ دوسری صبح سب مشقوں میں مصروف ہو گئے۔ شیخا خود بھی رنگ میں تھا۔ عبد اللہ گیار اچھل رہا تھا ساناولی درایا در سے پر دوڑ رہے تھے۔ شارق شیخا کی کری کے پیچھے کھڑا ہو تھا۔

”عبد اللہ رے۔ اوئی عبد اللہ۔“ شیخا نے آواز دی۔

”جی شیخا۔“

”گلی کی چھتری بتائے سکتا رہے گا۔“

”چھتری۔“

”ہاں سیدھی تو نے گھمائے ہی ہے چھتریوں کی طرح گلی گھمائے تو جائیں دو چار گلیاں میں دے۔ ارے جراتار بھائی ای ٹم ٹم سے ہمیں۔“ شیخا نے شارق سے کہا پھر وہ کری سے اتر کر گئی ہوئی ناگوں پر کھڑ ہو گیا۔ چار گلیاں اس نے ہاتھوں میں سنبھالیں اور انہیں سیدھا گھمائے لگا۔ پھر نکلتا اس نے ایک گلی چھتری کی طرح سیدھی کرنا اور اسے گھما کر پکڑنا اور پھر دوسری اور پھر تیسری اور چوتھی سب اپنا اپنا کام چھوڑ کر اسے دیکھ رہے تھے۔ عبد اللہ حیرت و دلچسپی سے شیخا کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا۔

”شیخا، تو شیخا ہے۔ میں نے اس طرح گلی گھمائے کے بارے میں سچا بھی نہیں۔ گلی اپنے وزن سے اچھل ہے اور اسی طرح اس کا توازن رہتا ہے

اس طرح اچھل کر اس کے بچپن کو کنٹرول کرنا ناممکن ہے۔“

ارے تو ہاں سیکھ کو بس اسی ”نامن کن“ سے چڑھ چلا۔ اچھا کر دکھا کی۔“

”کوشش کرتا ہوں شیخا۔“ عبداللہ نے کہا اور ایک گلی کو چھتری کی طرح سیدھا کیا مگر وہ دور جا گری۔ پھر وہ بار بار کوشش کرتا۔ ہاں ایک بھی گلی سیدھی نہ پکڑی جاسکی۔

”لاہیل دے۔ دیکھ اس ماں جیادہ طاقت نہ استعما کریں اتنی رور سے اچھل کہ اوور کر جائے ڈاڈی پر نجر رکھ نجر کا کال رہے بس ای۔ ایسے ایسے شیخا نے پھر گلیاں اچھانا شروع کر دیں۔

”زبردست مشق کی ضرورت ہے شیخا۔“ عبداللہ نے کہا۔

”لے کو سس کر۔“ غلام شاہ نے ایک گلی عبداللہ کے ہاتھ میں دی اور عبداللہ نے پھر گلی اچھلی بیال جاہ کا سر پھونٹے پھونٹے پی تھا۔ ”مار ہے سراسے نا۔ ایسے نا بنوا۔“ غلام شاہ نے گردن ہلاتے ہوئے کہا اور اسی وقت شارق نے ہاتھ پھیلا دیے۔ گلیاں شیخا کے ہاتھ میں تھیں اس نے چونک کر شارق کو دیکھا اور پھر کچھ نہ سمجھ کر باقی تین گلیاں اس کے ہاتھ میں دے دیں۔ شارق نے گلیاں بالکل صحیح انداز میں پکڑیں اور پھر ایک گلی اس کے ہاتھ سے نکل کر چھتری کی طرح گھومی اس کے سر سے، دوپٹی ہو گئی۔ شارق نے کامیابی سے اسے پکڑا اور بارہ گھما دیا پھر دوسری اور تیسری گلی بھی تھوڑے تھوڑے فاصلے سے چھتری کی طرح گھومے گئی۔ شیخا پھر کے بت کی طرح ساکت تھا اور تین گلیاں چھتری کی طرح مسلسل گھوم رہی تھیں چوتھی عبداللہ ہاتھ میں لئے کھڑ تھا۔ پھر ایک ایک کر کے شارق نے تینوں گلیاں پکڑ لیں۔

”جے سسر سب کو پاگل کر کے چھوڑی ہے اری یک چیری تو جی بول دے کون سے استاد کا پیلا رہے تو۔“ غلام شاہ نے کہا۔

”ستاد غلام شاہ کا۔“ وہ مسکرا کر بولا۔

”جھوٹ بکے سسر، کونو نامانے والی بات رہے۔ ای آساں کھیل مار ہے۔“

”تم نے دوبارہ انہیں اچھلا میں نے اسے دیکھ لیا شیخا۔ اپنے ان آدمیوں سے کہو کوئی کام کریں دو تین بار کر کے دکھا میں ویسے ہی کر کے دکھاؤں گا۔“

”جرورت نار ہے۔ جرورت نار ہے بھائی۔ تے بھی ٹھیک کہے ہے ہم سب سر پاگل ہیں۔ ارے دیکھو پیارے یاج۔ سر کیسی بھائی سے جھوٹ بولے ہے۔“ شیخا اس پر تبصرے کرتا رہا۔ دوسرے لوگوں نے پھر مشتاقانہ شروع کر دی تھیں۔ شیخا رنگ سے چلا گیا مگر شارق وہیں موجود تھا۔ اکبر شاہ

نے سوچا تو آنکھ سے شامہ کیا اور سوچا نے گردن ہلا دی۔ پھر وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی شامہ کے پاس آگئی وہ چونک کر سے دیکھنے لگا۔

”تم نے شیخا کو اپنی مٹھی میں جکڑ لیا ہے۔“

”میرے ہاتھ خالی ہیں۔“ وہ مسکرا کر بولا۔

”تم نے کسی سرکس میں کام نہیں کیا۔“

”بھی تک نہیں۔ اب کروں گا۔“

”ورقم یہ کام چند منٹ میں سیکھے کا دعویٰ کرتے ہو۔“

”ہاں!“

”میرے ساتھ جھوٹے پر کام کرو گے۔“

”ضرور کروں گا۔“ اس نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ میں جھوٹے پر جاری ہوں۔ منو میرے ساتھ آؤ۔“ سوچا نے کہا اور سلونی کو لے کر سیڑیوں کی جانب بڑھ گئی۔ پھر وہ بھولے پر سلونی کو تلاباڑیاں کھاتی رہی اور اس کے بعد سلونی کو پیچھے جانے کا اشارہ کر دیا۔ اس کے چہرے پر سرخی پھیلی ہوئی تھی اور آنکھوں میں جرم کے سائے رقصاں تھے۔ شامہ مصلحتاً انداز میں میز پر چڑھ گیا۔ اکبر شاہ ایک گوشے میں جا کھڑا ہوا تھا۔ سوچا جو کچھ کرنے جا رہی تھی اسے معلوم تھا وہ جانتا تھا کہ اب کیا ہونے والا ہے لیکن جو کچھ ہو گا وہ ضروری ہے۔ اس کے بعد شیخا کو یہ بتانا ہو گا کہ اس میں ان کا قصور نہ تھا اسے ہی ہر کام کو کر ڈانے کا دعویٰ تھا۔

سوچا نے ایک نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی اور آنکھیں بند کر لیں۔ اس کا متحس تیز ہونے لگا تھا۔ کس بلا کا اعتماد تھا اس کے چہرے پر جیسے وہ دنیا کو تغیر کر لینے کی قوت رکھتا ہو جیسے اس کی ذات کے نئے کہیں کوئی خضر نہ ہو۔ اس کی روشن آنکھوں میں بجلیوں کو اندر ہی تھیں۔ اس کے حسین نقوش کچھ دور چلتے ہو گئے تھے۔ وہ فخر سے سر بلند رہی سے حلقے پر پہنچنے کے لئے چڑھ رہا تھا اور اکبر شاہ کا چہرہ پھیکا پڑتا جا رہا تھا۔ دونوں بہن بھائی اس کے سامنے حساس کتہری کا شکار ہو گئے تھے۔ اکبر شاہ جانتا تھا کہ غلام شاہ کو اگر صحیح صورتحال معلوم ہو گئی تو وہ اسے کبھی معاف نہیں کرے گا۔ اس کا کہنا تھا کہ اگر پاگل ہو جاؤ تو خودکشی کر لو کسی اور کو اس حالت میں بھی نقصان نہ پہنچاؤ ورنہ اس نے خود اس پر عمل کیا تھا لیکن اس مسئلے کو اکبر شاہ اپنی عزت کا مسئلہ سمجھتا تھا۔ اگر شامہ سوچا کی طرف مائل نہ ہوتا تو شاید اکبر شاہ اسے معاف کر دیتا لیکن ایسا تھا۔ غلام شاہ اسے اس نے یہ حقیقت بھی بیان کر دی تھی اور اسے

حیرت تھی کہ غلام شاہ نے چشم پوشی اختیار کی تھی۔ نہ جانے کیوں۔ ۹۰ شارق غلام شاہ کو پسند تھا لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں تھا کہ اسے سوہیا کا اختیار حاصل ہو جائے۔

دھرم سوہیا کے دل نے کئی بار اس سے بغاوت کی لیکن وہ بھی ضدی فطرت کی مالک تھی۔ شارق نے جو انداز اختیار کیا تھا اس میں خود سری تھی اپنے کپ پر حد سے زیادہ اعتماد تھا۔ اگر وہ نرم روی اختیار کرتا، مگر اس کے انداز میں جھٹکا ہوتا تو شاید وہ اس قدر برکشتیز ہوتی مگر وہ تو کسی کو خاطر میں نہ لاتا تھا۔ وہ حکمران رہنے کا قائل تھا۔

پندرہ لکھات کے بعد وہ حقے پہ پہنچ گیا اور اس نے جھولا سوہیا کی طرف پھینک دیا۔ سوہیا نے جھولا بکڑیا اور پھر اس نے پہلو سفر کیا۔ دوسرا اور پھر تیسرا۔ وہ پھر سامنے کے حقے پر جا کھڑی ہوئی۔ اس کے بعد شارق اپنا جھولا لے کر چل پڑا اور اس نے بھی کئی جھونٹے لئے۔ سوہیا اپنے جھولے پر دو جھونٹے سے کرکٹوں کے بل اس پر ٹپک گئی۔ دوسری سائیڈ شیر آگئی تھی جو جھولا چھیننے پر مامور تھی۔ پھر کھیل شروع ہو گیا۔ شارق اپنے جھولے پر اٹا ہوا گیا اور اسے تیسرے جھونٹے پر جھولا چھوڑنا تھا۔ اب تک اس نے کوئی غلطی نہیں کی تھی اور جھولے کے اصوں یا ورکھے تھے۔ تیسرے جھونٹے پر اس نے تیسرے غلاباڑیں کھائیں اور سوہیا نے اسے بکڑ لیا اور جھونٹے لینے کے بعد شیرانے جھولا چھینا اور اس نے ہا آسانی اسے بکڑیا۔ نیچے تالیوں گونج اٹھی تھیں۔ شارق نے کامیاب مظاہرہ کر دکھایا تھا لیکن تالیوں کی اس گونج نے سوہیا کو جکا دیا۔ اسے کچھ یاد آ گیا تھا چنانچہ اس نے تان بجاتی اور کھیل دوبارہ شروع ہو گیا۔ دوسری بار بھی شارق نے کامیاب مظاہرہ کیا تھا اور نیچے کھڑے ہوئے لوگ بے اختیار ہوں پڑے تھے۔

”ناممکن۔ یہ سرکس کا مکمل تجربہ رکھتا ہے۔“

”صرف چند بار دیکھ کر ایسے کھیل کہیں ناممکن ہے۔“

سوہیا نے پھر تان بجاتی اور اس نے ایک ہاتھ سیدھا کھڑا کر دیا۔ وہ تیسری بار بھی مظاہرہ کے لئے تیار تھا۔ ایک لمحے کے لئے سوہیا کا دل دھڑکا لیکن اس نے دانت بھینچ کر خود پر قابو پا لیا۔ دو جھونٹے اس نے پھر پورے لئے اور پھر تیسرے جھونٹے کے لئے تیار ہو گئی۔ اس بار اسے اپنی ریخ کم کرنا تھی لیکن صرف ایک فٹ کم۔ اس سے زیادہ ریخ کم کرتی تو قابل گرفت ہوتی وہ اپنے جھولے پر چل پڑا تھا اور چشمِ ردن میں سب کچھ ہو گیا تھا سوہیا اس سے ایک فٹ پیچھے رہی۔ اس نے اپنے جھولے کو چھوڑ کر غلاباڑی کھائی لیکن سوہیا کا ہاتھ ایک فٹ پیچھے تھا شارق کے ہاتھ اس کے ہاتھوں تک نہ پہنچ پائے اور نیچے سے سب شارچٹیں ابھریں کیونکہ نیچے چال بھی نہیں تھا لیکن اس کے بعد جو کچھ دیکھا گیا وہ ناقابل یقین تھا۔ شارق کا چھوڑا ہوا جھولا اس سے کوئی دس فٹ دور چل گیا تھا اور سوہیا کے ہاتھوں سے محروم ہو کر شارق بے کمر کو لپکا کر ٹاپ کر رہ گیا بدلتا تھا۔ دور ویکس جاتے ہوئے جھولے پر لپک کر

دس فٹ آگے اسے پکڑ لیا تھا۔

غلام شاہ کے سرکس کے کسی فنکار کے پاس یہ ٹپن رہا تھا۔ شاہیہ کسی انسان کے پاس رہا تھا یہ تو لنگور کی رعایت تھی کہ وہ اپنے نکاتے کو نہ پا کر وہاں پسپائے کی قوت رکھتا ہے اور اس وقت ایک انسان نے کمر کی اس قوت کا مظاہرہ کیا تھا۔ شارق واپس اپنے جھولے کے ذریعے چلنے پر آ گیا۔ شیرا نے گرنے سے بچنے کے لئے رسیاں پکڑی تھیں اور سونپا اسی طرح گھٹنوں پر لگی ہوئی منتظر تھی اس کی آنکھیں بند تھیں اور اکبر شاہ اپنے جگہ کھڑا تھوک لگ رہا تھا۔ اس نے رسی پکڑی اور پھسلنا ہوا چپے آ گیا۔ کسی کے منہ سے آواز نہ نکل سکی تھی۔ سونپا بے دوسری کوئی آواز نہ سن کر نہ جانے کیسے آنکھیں کھولی تھیں اور اسے صحیح سلامت کھڑے دیکھا تھا۔ وہ اس طرح دوسرے کھیلوں کی طرف متوجہ ہو گیا جیسے کوئی خاص بات نہ ہوئی ہو جائے بلکہ ابھی چند محلات قبل موت کی سرحدوں سے واپسی ہوئی تھی اکبر شاہ وہاں سے چلا ہی گیا۔ غلام شاہ اس میں یہاں رکے کی سکت نہ رہی تھی۔ جلال چاہ نے دہشتہ اس سے کہا۔

”سب لوگوں کا خیال ہے کہ تم پیسے بھی کسی سرکس میں کام کرتے رہے ہو بدن کا یہ بوجھ اور اندازے کی پختگی اس بات کا ثبوت ہے کہ سب کا خیال درست ہے۔ مجھے بس یہ خبر تھی ہے کہ اگر تم واقعی کسی سرکس میں کام کرتے تھے تو سرکس والوں نے تمہیں چھوڑ کیسے دیکھا یا تم نے خود اپنی مرضی سے؟“

”اور میری سمجھ میں ایک بات نہیں آتی۔“ وہ کسی قدر چڑکرا دیا۔

”کیا؟“

”کیا اس سرکس میں بچ بولے اور بچ پر یقین کرنے کا رواج ہی نہیں۔ بچ بولے و سنے ہی بچ پر یقین کرتے ہیں میں نے ایک ایک شخص کو بتایا ہے کہ کسی سرکس سے میرا کوئی تعلق نہیں رہا ہے۔ بس مجھ میں یہ صلاحیت ہے کہ کوئی کام میرے سامنے کیا جائے اور میری توجہ اس کا مرکوز ہو جائے تو میں اسے فوراً سمجھ بیٹا ہوں اور اب تک میں یہی کرتا رہا ہوں۔“

”تب تم انسان نہیں ہو۔“ جلال چاہ بولا۔

دوسری طرف شیرا اور سونپا بھی جھولے سے اتر آئے تھے۔ سونپا کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا اور وہ اپنے جیسے کی طرف بڑھی تو شیرا بھی اس کے پیچھے پیچھے آئی اور اس نے کہا۔

”کیا یہ شیٹا کا حکم تھا؟“

”کیا.....“ سونپا چونک کر بولی۔

”ہم لوگوں نے کبھی انسانی زندگی سے یہ مذاق نہیں کیا۔ شیٹا کی انسان دوستی کہاں گئی؟“

”تمہارا دماغ خراب ہے کیا؟“ سوئیا پوچھتا رہی۔

”سوئیا، تمہارے ساتھ جواں ہوئی ہوں میں۔ بس سرکس میں بھی ایک خوبی تو ہے کہ اس میں کام کرنے والے ہر انسان کا ایک دوسرے سے ذاتی رشتہ ہے۔ ہم ایک دوسرے سے اتنی واقفیت رکھتے ہیں کہ کھیل کے دوران کسی سے غلطی بھی ہو جائے تو دوسرا اس غلطی تک کو سمجھ جاتا ہے اور اپنا پورا کمر لگاتا ہے۔ تاکہ کیا ایسا نہیں ہے؟“

سوئیا اپنے غصے میں داخل ہو گئی شیر بھی اس کے پیچھے، اندر آ گئی تھی سوئیا نے اسے گھور کر دیکھا اور بولی۔ ”مجھ سے کوئی کام ہے؟“

”ہاں!“

”کیا؟“

”تمہاری اس حرکت کی وجہ معلوم کرنا چاہتی ہوں۔ مجھ سے زیادہ اور کون جان سکتا ہے کہ تم نے فاصلہ کم کر کے جان بوجھ کر اسے مٹ کیا تھا اس کی موت یقینی تھی اگر وہ جوت انگیز طور پر جھولا پکڑ نہ لیتا۔“

”شیر! کیا تم یہ قہقہے نہیں کر رہی؟“

”کیا یہ شٹکا کا حکم تھا؟“ شیرانے کہا۔

”تم یہاں سے فوراً نکل جاؤ۔“ سوئیا فری۔

”تب پھر یہاں سے میں شٹکا کے خیمے میں جاؤں گی اور یہ سوال اس سے کروں گی ہم سب کے لئے شٹکا نے اصول بتائے ہیں اور ان اصولوں کو ہمارے لئے ایمان کا درجہ دے دیا گیا ہے۔ ہم اس کے اصولوں سے عقیدت رکھتے ہیں وہ صرف ہم پر ہی اپنے اصول، کو نہیں کر سکتا اسے خود بھی اس اصولوں پر عمل کرنا ہوگا۔ ورنہ ہم سب اس سے انحراف کریں گے وہ ہمیں بتائے کہ اس طرح شارپ کی زندگی لینے کی کوشش کیوں کی گئی۔“

”شیر! تم حد سے آگے بڑھ رہی ہو۔“

”کون سی حد کی بات کر رہی ہو سوئیا کیا کوئی حد قائم کی گئی ہے۔“

”تم۔ تم بالکل ہی پاگل ہو گئی ہو۔ کیوں اس کے لئے مجھ سے لڑ رہی ہو۔“

”وہ ہنسا کھیلتا جھوٹے پر گیا تھا اور اگر وہ ہے پتاہ صلا جیتوں کا، لک نہ ہوتا تو ہم اس وقت اس کی لاش اٹھا رہے ہوتے۔ ہم سب ایک قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں اور ہمارے درمیان قبیلے کا رشتہ ہے وہ بھی انسانوں کے قبیلے سے تعلق رکھتا ہے اور ہمارا اس سے انسانیت کا رشتہ ہے۔ وہ مر جاتا تو؟“

”جنہم میں جاتا مجھے کیا۔“

”تجسہیں یہ حق کس نے دیا؟“

”تمہاری جگو اس بہت ہوگئی جاؤ چلی جاؤ یہاں سے۔ میں اس سے زیادہ برداشت نہیں کر سکتی۔“

”سو نیوا غلطی کر رہی ہو۔ میں اس مسئلے کو آسانی سے نظر انداز نہیں کروں گی۔ سوچ لو اس کے بعد مجھ سے شکایت نہ کرنا۔“ شیرا کا لہجہ بھی بہت سخت تھا۔ سو نیوا پریشان نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

”تمہاری اس سے اس قدر بھردری میری سمجھ میں نہیں آ رہی شیرا۔ تم جانتی ہو وہ مجھے پریشان کرتا ہے وہ۔ وہ یوں لگتا ہے جیسے جیسے اور پھر اکبر شاہ اس سے سخت نفرت کرتا ہے اور اور“ سو نیوا جیسے پورے نہ کر پا رہی تھی۔

”لیکن شیخا سے مہمان بنا کر لایا تھا میں پورے وثوق سے کہہ سکتی ہوں کہ شیخا کو تمہاری اس حرکت کا علم نہ ہوگا تمہاری اس حرکت سے شیخا کو کس قدر دکھ ہوگا۔ اس کا جو رد عمل ہوگا اس کا تمہیں اندازہ ہے؟ اس کے علاوہ کسی بھی شکل میں کیا اس قدر شدت جاڑ تھی۔ وہ فوجوں ہے شورش و خشک ہے ایک بننا یوں آسان ہے۔ اسے شرارت کی کچھ اور سزا دی جا سکتی تھی جو اسے سے گر کر وہ مر بھی سکتا تھا۔ اپنا جی ہو سکتا تھا تمہارا خمیر سکون پا سکتا تھا۔ سو نیوا مجھے حیرت ہے شدید حیرت ہے تم نے یہ فیصلہ کر لیا؟“

”شیخا کو اسے یہاں نہیں جانا چاہئے تھا؟“

”شیخا حق نہیں ہے اس کے فیصلے سوچے سمجھے ہوئے ہیں۔“

”اس کا یہ فیصلہ درست نہ تھا۔“

”بہر حال تم سے ہلاک کرنے کی کوشش کر چکی ہو۔ وہ بے وقوف نہیں ہے کہ تمہاری یہ کوشش سمجھ نہ پایا ہو۔ اس کو سمجھ لیتا چاہئے مگر نہ جانے وہ۔ نہ جانے وہ کسی کو چاہئے کا یہ انجام بھی ہو سکتا ہے اور وہ بھی اس کے ہاتھوں جسے چاہا جائے۔“ شیرا بھڑائی ہوئی آواز میں بونی۔ سو نیوا ایک کرسی پر بیٹھ گئی تھی اس کے دہن میں کچھ عجیب سے احساسات جاگنے لگے تھے اس کا دل ڈوبنے لگا تھا اور اسے ہلکے سے خوف کا احساس ہو رہا تھا۔ اس نے سسکی ہوئی نظروں سے شیرا کو دیکھا پھر بوی۔

”تم اس کا تذکرہ کسی سے نہیں کرو گی شیرا۔“

”مگر وہاں موجود لوگ اندھے ہیں تو نہ سمجھ پائے ہوں گے۔ ورنہ تمہاری اس کوشش کو سب نے دیکھا ہوگا۔“

”کیا واقعی؟“ سوئیا آہستہ سے بولی۔

”یہ منصوبہ کس کا تھا؟“

”میرا صرف میرا۔“ سوئیا نے جلدی سے کہا۔

”تجربہ نہیں یہ نہیں کرنا چاہئے تھا۔“ اس نے خود کو کیسے بچایا۔ ”سوئیا نے پوچھا۔

”اپنی ناقابل یقین صد جیتوں کا مظاہرہ کر کے۔ نہ جانے کیسی ہوتی سوئیا وہ پلٹا اس لئے واپس جاتے ہوئے جھوٹے پر جھٹک لگائی اور اسے دوبارہ

پکڑ لیا۔ خدا کی قسم کوئی اب نہیں کر سکتا کمر کی ہڈی ٹکڑے ہو جاتی۔ مگر

”اب کیا ہوگا شیرا؟“

”کہا میں جانتی ہوں؟“ شیرا جھٹکے بجھے میں بونی سوئیا پریشان کی بیٹی رہی تھی۔ پھر وہ بولی۔ ”اب مجھے کیا کرنا چاہئے؟“

”اس کا فیصلہ خود کرو۔“ شیرا پلٹ کر پیچھے کے دروازے سے باہر نکل گئی سوئیا کچھ دیر اسی طرح بیٹھی رہی اب اس پر خوف کا غلبہ ہوتا چلا تھا واقعی اگر

شیخا کو علم ہو جائے تو وہ دن دونوں بہن بھائیوں کو معاف نہیں کرے گا کیونکہ وہ اسے خود یہاں لایا تھا مگر وہ اکیلی ہی تو اس میں ملوث نہیں تھی اکبر شاہ

نے بھی تو یہی کہا تھا۔

باقی وقت اس پر اضمحلال طاری رہا تھا۔ درحقیقت یہ زیادہ تھا وہ مرنے لگا تھا، یا پانچ ہو چکا تھا۔ ایسا پھر تپتا انسان، معذور ہو چکا تھا پھر ایک اور خیر اس

کے دل میں ابھرا۔ وہ خود بھی سوئیا کی اس کوشش کو سمجھ گیا ہوگا۔ سوئیا نے خود ہی اسے جھوٹے پر دعوت دی تھی اب اس کا دوسرا قدم کیا ہوگا؟“

رات کو وہ پرسکون نہ تھی۔ اکبر شاہ بھی اس سے کتڑ بکتڑ یا رہا تھا۔ نہ جانے کیوں اور شارق تو نظر ہی نہیں آیا تھا۔ وہ اس کے بارے میں کسی سے

پوچھ بھی نہیں سکی تھی۔

سرکس میں خاموشی چھا گئی۔ سب لوگ آرام کرنے لیٹ گئے تھے۔ سوئیا بھی اپنے ستر پر کروٹیں بدلتی رہی تھی۔ اس کے دل کو عجیب سے بے چینی کا

احساس تھا۔ ہر بار اس کی نظروں میں اس کا چہرہ ابھر آتا تھا۔ پھر کسی نے خیمے کا پردہ ہٹا دیا اور اندر داخل ہو گیا۔ سوئیا قدموں کی چاپ پر چوکی تھی اور

شارق کو دیکھ کر اس کے دو گئے کھڑے ہو گئے تھے۔ سوئیا سے انہما بھی نہ گیا وہ بولا۔

”میں جانتا تھا کہ تم جاگ رہی ہو گی؟“ سوئیا پھٹی پھٹی نظروں سے اسے دیکھتی رہی اس کے چہرے پر ایسی شوخ مسکراہٹ تھی۔ سوئیا کے منہ سے

آواز نہ نکل سکی تھی۔ ”رات کی تہائیوں میں ضمیر کی عدالت لگتی ہے اور اس جرم نیند ڈال دینا ہے اس لئے مجھے تمہارے چائے کا بقیہ تھا۔“

سونیا نے خود کو سنبھالا اور ہنسنے پر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ رفتہ رفتہ اس کا چہرہ سرخ ہوتا جا رہا تھا پھر اس نے سر دھکیے میں کہا۔ ”تم نے دوسری بار میرے غصے میں داخل ہونے کی جرأت کی ہے۔“

”پہلی بار دیو لگی دل نے ہوش پر قابو پا لیا تھا اور میں نے یہاں داخل ہونے کا جرم کیا تھا تاکہ واردات دل تمہارے سامنے جان کر دوں اس کے بعد فیصلہ کیا تھا کہ اپنی ملکیت کا تحفظ ہوں گا اور تمہاری سوانحیت کو مجرد نہ کروں گا لیکن تم نے میری جان لیے کی کوشش کر کے یہ احساس دلا دیا کہ تمہارا کا وہ معیار نہیں ہے جو میں نے متعین کر لیا تھا بس اسی بات نے حوصلہ بخشا اور دوبارہ یہاں چلا آیا لیکن اس بار مجرم نہیں ہوں گا، فخر تقبیل ہوں اور مظلوم کرنے آیا ہوں کہ وہ کون سا خیال تھا جس نے تمہیں میری زندگی لینے پر مجبور کر دیا۔“

”میں تمہیں حکم دیتی ہوں کہ فوراً یہاں سے نکل جاؤ۔“ سونیا نے کہا۔

”یہ ایک کنزرو اور بے بس آواز ہے جس میں حکم کی کیفیت نہیں پائی جاتی مجھے تعجب ہے سونیا تمہیں اپنی شکست کا اتنی جلدی یقین ہو گیا، اور تم اس قدر خوفزدہ ہو گئیں کہ میری زندگی ہی لینے پر تہل گئیں جب مدت قبل میدان میں آتے ہیں تو فتح و شکست تو ہوتی ہی ہے اس میں معیار اور قدار کو نہیں کھو دینا چاہئے۔“

”کون سی شکست کی بات کر رہے ہو؟“

”تم نے یک قول دیا تھا مجھے کہا تھا تم نے کہ اگر میں تمہارے سسرکس میں شامل ہو جاؤں اور سسرکس کے ہر فنکار پر اپنی برتری ثابت کر دوں تو تم میری محبت قبول کر لو گے اور میری اس خواہش کی تکمیل کر دو گے جس کا اظہار تم نے کیا تھا۔“

”تو تمہارا کیا خیال ہے تم اپنی کوشش میں کامیاب ہو گئے؟“

”کامیابی کے ایک مرحلے سے میں گزر چکا ہوں اور دیکھ لاس وقت تمہارے سسرکس میں ہوں۔“

”تم یک مہمان کی حیثیت سے ہو صرف ایک مہمان کی حیثیت۔“ سونیا نے کہا اور وہ آہستہ سے فیس پڑا پھر بولا۔

”شیٹا نے مجھ سے کہا تھا کہ تم کسی بھی حیثیت سے یہاں نہیں آ سکتے ہمارے ہاں کا رواج ہی نہیں ہے اور اس وقت میں شیٹا ہی کا مہمان ہوں۔ اس کا مقصد ہے سونیا کہ میں حالات کو زیر کرنے کی قوت رکھتا ہوں ہر کام مرحلے رکھتا ہے اور میں پہلے مرحلے میں کامیاب ہو چکا ہوں۔ شیٹا نے کسی مہمان کو بھی تو اپنے سسرکس میں اس طرح نہیں رکھا گویا میں اس کے اندر ایک خلاء پیدا کرنے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔ یہ خلاء بڑھتا جائے گا اور بالآخر ایک دن شیٹا میری مہمان کی حیثیت ختم کر دے گا اور میں اس سسرکس میں ایک اہم حیثیت اٹھ کر جاؤں گا۔“

”تمہاری یہ خواب کبھی پڑائیں ہوگا۔“ سونیا نے رات چمٹے ہوئے کہا اور وہ بھر چنے لگا۔

”کیا تم خوابوں کی تعبیر میں مانتا جانتی ہو؟“

”کم از کم تمہارے اس خواب کی تعبیر میں تمہیں ضرور بتائے دیتی ہوں۔ یہ خوف انسان تم جو مذہب کو ششیں کر رہے ہو ان میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکو گے تمہارے لئے صرف ایک ہی مشورہ ہے۔“

”کیا؟“

”مجھ سے نہ الجھو آخراً تم مجھ سے کیوں الجھتے ہو؟“

”تم ہی سے تو الجھ گیا ہوں ورنہ کسی بھی جگہ وقت ضائع کرنے سے کیا فائدہ اور تم اپنے وعدے سے منحرف ہو رہی ہو۔ دیکھو سونیا تمہارے تمہارے درمیان ایک معاہدہ ہوا تھا اور میں اس معاہدے پر عمل کرتے کے لئے جدوجہد کر رہا ہوں کامیاب ہو جاؤں تو تم شکست تسلیم کر لینا کام رہوں تو ظاہر ہے میں خود بخود ہار مان لوں گا۔ تم نے یہی کوشش کیوں شروع کر دی میں تمہارے ہاتھوں نہیں مروں گا۔ سونیا اس وقت تک نہیں مروں گا جب تک میرا جی نہیں چاہے۔ میں اپنی کوششوں میں کامیابی حاصل کرنا چاہتا ہوں شکست تمہارا مقدر ہے، ورنہ بالآخر تم شکست کھا جاؤ گی۔“

”میں کبھی شکست نہیں کھاؤں گی ایک مذاقی کی بات کو تم نے اہمیت دے دی شادی لیکن یہ سوچ لو کہ مجھے تم سے نفرت ہے۔“

”کیا واقعی؟“ وہ پرسرت لہجہ میں بولا۔

”ہاں! میں تم سے نفرت کرتی ہوں تم ایک شاطر اور مہوئے انسان ہو۔ تم صرف ایک دھوکے باز ہو شیخ تمہارے جاں میں پھنس گیا ہے لیکن یہ بھی ایک حد تک ممکن ہے جب اسے اس بات کا علم ہوگا کہ تم کس طرح مجھے پریشان کر رہے ہو تو وہ شدت تمام سے دیو نہ ہو جائے گا۔ مجھ سے تو تم بچ بھی گئے لیکن گر شیخ تمہارا دشمن ہو گیا تو شاید تمہاری زندگی کسی طور ممکن نہ ہو۔“

”ان تمام باتوں کو چھوڑو مجھے صرف یہ بتاؤ کیا واقعی تمہیں مجھ سے نفرت ہے؟“

”نفرت نفرت اور صرف نفرت۔“

”اس کا مقصد ہے کہ میرا مستقبل تباہ ہو جائے۔“ اس نے کہا اور سونیا کا منہ حیرانی سے کھل گیا وہ بے اختیار بول اٹھی۔

”کیا مطلب؟“

”سیناؤں نے کوئی بات عہد نہیں کی ان کا قول ہے کہ اگر کسی دل میں تمہارے لئے نفرت کا آغاز ہو جائے تو سمجھو اس دل میں تمہاری محبت جا مٹتا

شروع ہو گئی ہے۔“

”تم جنگلی ہو، چار فور ہو تم اس تصور کو ہمیشہ کے لئے دہن سے نکال دو اور سنو تم اس وقت دو بارہ میرے خیمے میں داخل ہوئے ہو پہلی بار میں نے تمہیں معاف کر دیا تھا لیکن اب صورتحال مختلف ہے میں شیخا سے تمہاری شکایت کروں گی یہ بات شیخا کو بتاؤں گی۔“

”ضرور ضرور میں بھی چاہتا ہوں کہ میرا اور تمہارا جھگڑا شیخا کے علم میں آ جائے تاکہ میں اسے بتا سکوں کہ تم نے مجھے جھوٹے پرکام کرنے کی دعوت دی اور اس کے بعد وہاں سے گرا کر مارنا چاہا۔“ سو نیا یک بار پھر روں ہو گئی تھی لیکن پھر شدید غصے کے عالم میں اس نے کہا۔

”ٹھیک ہے جو تمہارا دن چاہے کہہ دیتا میں بھی شیخا کو بتا دوں گی کہ کس طرح اس نے میری زندگی کے لئے ایک روگ خرید لیا ہے۔“

”غوب خوب دیکھو، مستقبل اس طرح اللہ ظ میں ڈھل کر رہا ہے تم نے مجھے اپنی زندگی کا روگ کہا ہے نا اور زندگی چند حکمت کی نہیں ہوتی زندگی اس خیمے تک محدود نہیں ہے بلکہ اس میں بڑی دستتیں ہیں اور تم نے مجھے ان دستتوں کا ساتھی بنا لیا ہے۔ سنو سو یا تمہیں، اپنے وعدے کی تکمیل کرنا ہوگی۔ کتنی ہی نفرت کرو مجھ سے اور کتنی ہی بار میری زندگی لینے کی کوشش کرو لیکن جس طرح میں نے شیخا سے کہا تھا ہالا خرا یک دن وہ مجھے اپنے سرکس میں شامل کرنے پر مجبور ہو جائے گا اسی طرح میں تم سے بھی کہہ رہا ہوں سو نیا کہ ہالا خرا یک دن ایب ہو گا جب تم مجھے اپنے دل میں جگہ دینے کے لئے مجبور ہو جاؤ گی۔ بہر طور میں اپنی کوششوں میں معروف ہوں وہ وعدہ جو تم نے مجھ سے کیا تھا اس نے میری زندگی میں ایک انقلاب پیدا کیا ہے اور انقلاب کچھ ہونے کے بعد ہی ختم ہوتے ہیں۔ میں چار رہا ہوں تم آزاد ہو، جس سے چاہو اور جس طرح چاہو شکایت کرو لیکن ایک بات میں بھی تمہیں بتائے دیتا ہوں کہ پٹی بقاء کے لئے میں کچھ کروں گا۔ اس سے یہ نہ سوچنا کہ میں نے تمہارے ساتھ ثقافتی کارروائی کی بس یہ پٹی بقاء کی ایک کوشش ہوگی اور اس میں تمہیں کوئی نقصان پہنچ جائے تو میں ذمہ دار نہ ہوں گا۔ آج میں تمہارے لئے پھول نہیں لایا سو نیا۔ آخر انسان ہوں۔ میں نے ہمیشہ تمہیں

محبت کے پھول پیش کئے اور تم نے مجھے غصے کی چنگاریوں سے نوازا اب ان پھولوں کا حسن ختم ہو گیا ہے۔ ان کی پیٹاں جل گئی ہیں یہ جلی ہوئی پیٹاں تمہارے حضور پیش کرنا میرے لئے ممکن نہیں تھا۔ بہتر تھا کہ ان پھولوں کی تارگی برقرار رہتی یہ ہم سب کے حق میں بہتر ہوتا۔“ اس نے کہا اور وہ خیمے سے باہر نکل گیا۔ سو نیا غلطی نکا ہوں سے اس دروازے کو دیکھتی رہی تھی جیسے وہاں ہر نگاہ تھا اس کے الفاظ سو نیا کے دہن میں انگاروں کی طرح دھک رہے تھے سارا دن عجیب منکاش کا شکار رہی تھی کبھی دل کہتا کہ اس نے ایک چھوٹی سی بات پر ایک انسان کی جان لینے کی کوشش کی تھی اور سے پشیمانی کا احساس ہونے لگتا۔ کبھی سوچتی کہ ایک جنگلی جنگا اس پر قسط جانے کا خواہاں ہے اس کی حیثیت کو نظر انداز کر کے اسے ایک عام بڑی سمجھ رہا ہے اور

اب۔ اب پھر اس کے خیمے میں دروازہ دار چلا آیا اس نے آخری فیصلہ کیا کہ اب وہ شیخا یا اکبر کا سپہ را لینے کی کوشش نہیں کرے گی خود ہی اسے درست

کرے گی اسے بتائے گی کہ وہ ایک عام سی لڑکی نہیں ہے۔



ہنگو کی نسبت چٹکو مٹھن تھا اور اس نے ہنگو سے بچہ بھی لیا تھا۔ ”گزرے دنوں کی پر مصوبت زندگی کے بعد کیا یہ پرسکون جگہ نہیں پسند نہیں آئی۔ ہنگو تم مسلسل پریشان نظر آ رہے ہو۔“

”ہاں آئے دئے حالات کو میں جس نگاہ سے دیکھ رہا ہوں تم نہیں دیکھ رہے۔ ہمیں اس جگہ کی نشاندہی کرنی ہوگی جہاں اسلحد پوشیدہ ہے ان لوگوں کے ساتھ وہاں جانا ہوگا اس کے بعد جو کچھ ہوگا اسے میری نگاہیں دیکھ رہی ہیں۔“

”تھا کر جگت سنگھ نے ہمارے تحفظ کا وعدہ کیا ہے۔“

”شیخا کے لفظ اتنی جلدی بھول گئی۔ یا نہیں اس نے اس کے بارے میں کیا کہا تھا؟“

”کیا؟“

”حسن شخص نے دوسروں پر اعتماد کرنا شروع کیا اس نے اپنی زندگی کی رسی کاٹنا شروع کر دی خود جس قابل ہو اسی پر قناعت کرو خود کو کبھی دوسروں کے ہاتھوں میں نہ دو۔“

”ہاں یہ کہا تھا اس نے۔“

”ہم جو کچھ کر رہے ہیں ہنگو وہ ہمارا کام نہیں ہے تھا کروں گے اپنے معاملات میں کون کیا کر رہا ہے ہمیں کچھ نہیں معلوم۔ ہم سکون سے سرمس میں کام کر رہے تھے ہم نے اس کام کا آغاز کر دیا جس کا ہمیں کوئی تجربہ نہیں تھا جو کچھ ہے اس پر قناعت نہ کر کے بہت کچھ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور اس مصیبت میں پھنس گئے۔ تم یہ نہیں سوچتے ہنگو کہ شیخا پر نہ جانے کیا بیت رہی ہوگی وہ کتنا دکھی ہوگا ہمارے لئے۔“

”یہ سچ ہے مگر جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا ہے۔“

”میں، مٹا ہوں مگر اب جو آگے ہونا ہے اس کے بارے میں سوچنا ضروری ہے۔“

”طلویں عرصہ کی فاقہ کشی کے بعد اب مجھے عہدہ متداول رہی ہے اس لئے میرے سوچنے سمجھنے کی قوتیں بھی طاقتور ہوتی جا رہی ہیں مجھے اس بارے میں سوچنے دو۔“ ہنگو نے کہا۔

”سوچو! میں جانتا ہوں کہ تم سوچنے پہل جاتے ہو تو اچھا سوچتے ہو۔“ ہنگو انوکھ کی طرح شکل بنا کر بیٹھ گیا اور اس کے بعد وہ اسی طرح پتھر یا ہول

بیٹھا رہا۔ ٹھا کر بجٹ نگہ نے انہیں ایک آراستہ کمرہ قیام کے لئے دے دیا تھا اور ان کے لئے ہر آسائش کی ہدایت کر دی گئی تھی چنانچہ یہاں انہیں ہر سہولت حاصل تھی ٹھا کر بجٹ نگہ ابھی تک دوبارہ ان سے نہیں ملا تھا اور یہ آرام سے یہاں رہ رہے تھے لیکن مشکوشرود سے ہی بے سکون تھا۔ اسی رات اس وقت جب وہ دونوں آرام کرنے لیٹ گئے تھے کہ ایک ملازم نے ان کے کمرے میں داخل ہو کر کہا۔

”مہاراج بھگت نگہ جی نے آپ دونوں کو بلا دیا ہے۔“ اور وہ دونوں جلدی سے اٹھ گئے۔ ٹھا کر کے ساتھ ایک اور شخص بیٹھا ہوا تھا جو چہرے سے بہت چابک نظر آتا تھا۔ بجٹ نگہ نے نہیں دیکھ کر استقبالیہ انداز میں گردن ہڈی دوڑا دیا۔

”تمہیں یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی۔“

”بالکل نہیں آپ کا بے حد شکریہ۔“

”یہ ٹھا کر پونم نگہ ہیں ہماری ریاست کے منظم اعلیٰ تنہا ری نشاندہی کے مطابق بنیادی پارہم نے پنا ایک جتھہ بھیجا تھا۔ وہاں ہمارے دوست ملت پال بھلا قلم یونٹ موجود ہے بعد آنے والا ہے اور یہ لوگ نیا مگر کے ہارے میں ایک قلم بنانا چاہتے ہیں۔ بہت پہلے بھلانے مجھ سے اس کے بارے میں بات بھی کی تھی اور میں نے اسے اجازت دے دی تھی لیکن جس علاقے کے عاروں کی تم نے نشاندہی کی تھی وہاں اسلحہ کا کوئی ذخیرہ موجود نہیں ہے۔“

”نہیں ہے۔“ مشکو چھل پڑا۔

”ہاں سارے عاروں کی تلاشی نے لی گئی ہے۔“

”تو پھر اسلحہ راون نگہ کے پاس پہنچ گیا۔“

”یہ بھی ناممکن ہے۔“ بجٹ نگہ نے کہا۔

”کیوں ٹھا کر صاحب۔“

”تمہارے انکشاف کے فوراً بعد میں نے بہت سے جتھے ان سارے راستوں پر بٹھا دیئے تھے جہاں سے بنیادی پار کی جاسکتی ہے اور انہیں خوب ہدایت دے دی تھی ان سب کا کہنا ہے کہ اس دوران کسی جگہ بنیادی پار نہیں کی گئی بس ایک یادون ٹنگہ کا علاقہ ہے مگر وہ ناقابل عبور ہے ہم نے دور سے اس کی بھی نگرانی کی ہے، دھر بھی کوئی نہیں ہے۔“

”تب پھر ایک ہی بات ہو سکتی ہے ٹھا کر صاحب۔“ چنگو نے کہا۔

”کیا؟“

”عجب تم بے شمار انسانوں پر احسان بھی کرو گے۔ نیا مگر کے پاس عرصہ سے عذاب کی زندگی گزار رہے ہیں۔ پہلے نیا مگر صرف ایک ریاست تھی۔ ہمارے پرکھوں کی ریاست، ہم قبل بھائی تھے۔ جنگ لگے سب سے بڑے تھے اور ان کے دو بیٹے تھے قبل لگے اور راون لگے ریاست کے کام دہی چلاتے تھے۔ دوسرے بھائی بھگت لگے اداش طبع تھا اور پانچ نے اسے ریاست سے نکال دیا تھا اور وصیت کر دی تھی کہ اسے کبھی اقتدار نہ دیا جائے۔ اس کا بیٹا لگاب لگے تھا جس کی موت کی تصدیق تم نے کر دی ہے تیسرے میں ہوں۔ میرے بچے بھی چھوٹے ہیں۔ جنگ لگے کی موت کے بعد ریاست کی ہانگ دڈر میں نے سنبھال اور ریاست کے کام چھ سے گا مگر قبل لگے اور راون لگے بڑے ہو گئے تھے۔ انہوں نے ریاست میں اپنا حصہ بانٹا۔ ہار لگے میں ابھی دعوہ تھا اور پرکھوں کی یہی ریت تھی کہ اگر بڑے (دعوہ ہوں تو ریاست کے کام دہی چلاتے ہیں۔ میں نے ان دونوں کو انٹ ویو تو وہ بغاوت پر تر آئے اور ٹولیاں بنا کر قتل و غارتگری کرنے لگے۔ ایک طرح انہوں نے بغاوت کی تھی۔ میں اگر چاہتا تو انہیں گرفتار کر سکتا تھا لیکن میں نے ایسا نہ کیا کیونکہ بغاوت کے اثرات میں انہیں صرف موت کی سزا دی جاسکتی تھی مگر اس طرح میرے بھائی کی نسل ختم ہو جاتی اور دنیا یہی کہتی کہ میں نے ریاست اپنے قبضے میں رکھنے کے لئے ایسا کیا ہے چنانچہ میں نے درگزر سے کام لیا اور ریاست کی تقسیم کر دی۔ قبل لگے اور راون لگے کو ن کا پسند کے علاقے دے دیئے۔ لگاب لگے نے میرے ساتھ رہنا پسند کیا تھا چنانچہ صحیح طور پر ریاست کا نظام سنبھالنے کے بل نہیں تھے۔ کچھ عرصے کے بعد نہیں مشکلات کا سامنا شروع ہو گیا اور انہوں نے اپنے علاقوں میں لوگوں کو لگے کرنا شروع کر دیا۔ اس سے بھی کام نہ چلا تو انہوں نے یہ پرچار شروع کیا کہ میں نے غاصبانہ طور پر بہترین علاقہ اپنے پاس رکھا اور ناکارہ علاقے انہیں دے دیئے۔ انہوں نے مجھ سے مطالبے کئے۔ جس کا جواب میں نے سخت دیا اور کہا کہ اب اگر انہوں نے آنکھ اٹھا کر بھی دیکھا تو انہیں نتیجہ بھگتنا ہوگا۔ بس اس کے بعد سے وہ سازشوں میں مصروف ہیں۔ دونوں بھائیوں میں آج میں نہیں بنتی اور وہ ایک دوسرے سے لڑتے رہتے ہیں۔ ان علاقوں میں رہنے والے بھی لگے ہیں۔ لگاب لگے نے ہی انکشاف کیا تھا کہ راون لگے کچھ خفیہ سازشیں کر رہا ہے اور بیرونی دین سے اس کے روابط ہیں۔ میرے لاکھ متع کرنے پر بھی لگاب لگے نہ مانا اور پتہ لگانے چل پڑا اور اور ”جگت لگے کی آواز بھر گئی۔ پھر وہ بولا ”اسلحہ حاصل کر کے راون لگے ہمارے علاقوں کے خلاف کارروائی کرنا چاہتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے کوئی خطرناک منصوبہ بنایا ہو، میں یہی نہیں چاہتا اور نہ میں خود بھی ان کے خلاف کارروائی کر سکتا ہوں۔ میں بس چاہتا ہوں کہ اس کے منصوبے ناکام ہوتے رہیں۔ مگر انہوں نے کوئی متبادل کارروائی کی تو بلاوجہ بہت سے بے گناہ مارے جائیں گے۔“

”آپ اچارت دیں تو ایک سوال کروں شکر۔“ چنکو نے کہا۔

”بلیئر سنگھ کون ہے.....؟“

”ٹھا کر ششیر سنگھ کا بیٹا۔ ٹھا کر ششیر سنگھ ہمارے پتا کا دوست تھا اور ہم اس کی بہت عزت کرتے تھے۔ اس کے پاس جاگیر تھی مگر اس کی موت کے بعد بلیئر سنگھ نے یہ جاگیر اور زمین بچھا شروع کر دی اور تلاش ہو گیا۔ وہ کبھی نیا مگر میں نظر آتا ہے کبھی غائب ہو جاتا ہے پر اسے ناسے سے ہم لوگ اس کی چھوٹی موٹی ضرورتیں پوری کرتے رہتے ہیں۔“

”ہوں۔“ چٹکو خاموش ہو گیا۔

”در کوئی سوال۔۔؟“

”جہیں خدا کر۔“

”کیا کہتے ہو پونم سنگھ۔؟“

”میں ان لوگوں کی تجویز سے پوری طرح حلق ہوں ٹھا کر بس کچھ مشکلات ہیں اگر وہ مل ہو جائیں تو کام بن سکتا ہے۔“

”اگر آپ لوگ حلق ہیں ٹھا کر تو پیسہ کام کے طور پر نہیں شوٹنگ کی اجازت دے دیں اور ہمیں اس علاقے کی اہم ٹکلیں دکھا دیں۔“

”تب پونم سنگھ، بھگو، بھگو سنگھ کا نام لے کر اس کام کو شروع کر دو۔“ جگت سنگھ نے کہا اور پونم سنگھ تیار ہو گیا۔ جگت سنگھ نے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے کہا ”تم دونوں آرام کر دو جو بڑے کے مطابق پونم سنگھ اس منصوبے کے پہلے حصے پر کام کر کے ہمیں خبر دے گا ورنہ اس کے بعد ہم دوسرے حصے پر کام کریں گے۔ میں خود جہیں پونم سنگھ کی کارروائی کی پوری اطلاع دوں گا!“

”ٹھیک ہے ٹھا کر صاحب!“ چٹکو نے کہا اور دونوں واپس چلے آ رہے تھے۔ چٹکو نے پریشان لہجے میں کہا۔

”تم نے پھر ایک مصیبت موم لے لی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کیا کرنا چاہتے ہو؟“

”جو تجویز میں نے پیش کی کیا تمہیں پسند نہیں آئی؟“

”وہ تو سب ٹھیک ہے مگر اپنے سر مصیبت موم کیوں لے لی یہ لوگ جو کچھ کر سکتے ہیں کرتے رہیں۔“ چٹکو نے کہا اور چٹکو مسکرا دیا۔

”ہو سکتا ہے میرے اور سدھیا کے درمیانی فاصلے کم ہو رہے ہوں۔ اگر کوئی کامیابی حاصل ہوگئی تو ہمارا یہاں کیا مقام ہوگا تم جانتے ہو۔ اس کے علاوہ اور یہاں ہم کریں بھی کیا وہیسی کا تصور بھی محال ہے۔ اگر ٹھا کر جگت سنگھ کو کامیابی حاصل ہوگئی تو ہماری عزت بڑھ جائے گی پھر ہم اس سے یہ درخواست کر سکتے ہیں کہ ہمیں اپنے آدمیوں کے تحفظ میں ہمارے سرکس تک بھیجا دیا جائے یا اس دور میں ہو سکتا ہے کہ شیخا یہاں تک آجائے۔ ٹھا کر

جگت سنگھ اس کامیابی کے بعد ہمارے بارے میں شیفتے سے کیا کہے گا اس کا نہیں اندازہ ہے۔“ منگو خاموش ہو گیا تھا۔

اس کے بعد بیڑا دن گزر گیا۔ دونوں کو یقین تھا کہ صحت مگرانی کی وجہ سے جونی اور بیٹر کام انجام نہ دے سکے ہوں گے۔ وہ انتظار کر رہے تھے کہ دیکھیں انٹ کس کروٹ ڈبھتا ہے۔ پھر اس شام پونم سنگھ نے جگت سنگھ کو کوئی خبر دی اور جگت سنگھ نے ان دونوں کو طلب کر لیا اور کہا۔

”پونم سنگھ بیادوں پار گفت کرنے گئے وہاں دونوں نے ان سے بیادوں کنارے شوٹنگ کی درخواست کی اور پونم سنگھ انہیں اجازت دے آئے ہیں سب سے خاص بات یہ ہے انہوں نے اس علاقے کی بات کی ہے جو ہاں ٹیکہ کا علاقہ ہے۔“

”ہمارا خیال درست تھا اب آپ کو پوری توجہ دہاں دینی ہے۔“

”میں تمہارے منصوبے کے مطابق چھ جتنے تیار کر کے خود نہیں لے کر روانہ ہو رہا ہوں۔ پونم سنگھ ہمارے ساتھ ہوں گے۔“

”اور ہم بھی؟“ ہنکو بولا۔

”تمہارے ساتھ ہونے سے مجھے بے حد خوشی ہوگی تم لوگ بدن کے چھوٹے مگر عقل کے بہت بڑے ہو اور کسی مشکل میں ہمارے کام آ سکتے ہو۔“

”آپ کب تک روانہ ہوں گے؟“

”بس سورج چھپے۔ تم لوگ تیار ہو۔“

”ہم تیار ہیں۔“

شام کے چھپنے میں وہ سب یہاں کے اس پراسرار علاقے میں چل پڑے ان کی روانگی غلطی تھی ورنہ بیادوں کو اس بارے میں معلوم نہ ہو سکتا تھا۔ فاصلہ کافی طویل تھا اور کچھ دور چلنے کے بعد راستہ بے حد پرخطر ہو گیا تھا۔ جگہ جگہ گہرے کھڈے تھے لیکن چونکہ یہاں کے رہنے والے راستوں کے شیارے تھے اس لئے کوئی دقت نہ ہوئی تھی۔ اس وقت گہری رات نے پورے ماحول کا نظارہ کیا جا سکتا تھا لیکن اس تک پہنچنا ناممکن تھا کیونکہ درمیان میں یکے گہرے کھڈے اور سس کھڈے میں بچھوؤں کا مسکن بنایا جاتا تھا۔ جنہوں کو بڑی ہوشیاری سے بھید دیا گیا۔ آہستہ آہستہ چاند ابھرتا آ رہا تھا اور ماحول اس کی پراسرار روشنی میں نہایت جا رہا تھا۔

پونم سنگھ نے پرخیال نظروں سے اس بلند ٹیلے کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”کسی طرح اگر اس ٹیلے پر چڑھا جا سکتا تو وہاں سے ساری صورتحال معلوم کی جا سکتی تھی۔“

”اس پر چڑھنے کا تصور محال ہے۔ بعد کون وہاں تک پہنچ سکتا ہے۔“

”بڑی کارآمد جگہ تھی وہ۔“ جگت سنگھ نے کہا۔ ہنکو پرخیال نظروں سے اس ٹیلے کو دیکھ رہا تھا پھر اس نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

”سنگو۔ کیا ہم بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتے ہیں؟“

”تم اڑنا جانتے ہو؟“

”ہاں!“

”کیا کوا اس کر رہے ہو۔؟“

”تم نے جگت سنگھ کا توپ خانہ دیکھا ہے۔ چھ توپیں ہیں وہاں اور کافی بڑی بڑی ہیں ہماری سرکس کی توپ سے بڑی۔“ چنگو نے کہا اور سنگو کی آنکھیں حیرت سے کھل گئیں۔

”کیا تم بالکل ہی پاگل ہو گئے ہو۔“

”ہاں۔ اس وقت سدھیا میری کھوپڑی پر بیٹھی ہوئی ہے۔“

”مگر میں تمہیں یہاں مرے کی اجازت نہیں دوں گا!“

”میں بس مرنا چاہتا ہوں۔“

”چنگو عقل کے ناخن لو۔ سرکس میں توپ کا تماشہ دیکھنا آسان ہے اول تو ہمیں وہاں کی مشق ہے دوسرے وہاں ہمارے بچے کی آسائیاں ہوتی ہیں۔ یہاں درمیان میں بچھوڑ کی وادی ہے اگر چیخ میں رہ گئے تو موت یقیناً ہے اور پھر تم وہاں جا کر کیا کرو گے؟“

”دوسری طرف سے واقعات کی خبر دوں گا۔“

”کچھ۔۔؟“

”اشاروں کی زبان میں جو تم سمجھ سکتے ہو۔“

”میں اتنا بڑا محضرہ سول نہیں لے سکتا۔ فرض کر دو تم وہاں پہنچ گئے اور تم نے اشاروں کی زبان میں مجھے صورتحال سمجھ بھی دی تو پھر وہاں سے تمہاری واپسی کیسے ہوگی یہاں سے تو توپ پھینک دے گی وہاں کون کی توپ ہے۔“

”میں اپنے ساتھ ایک رسی لے جاؤں گا جس کا ایک سر میں وہاں باندھ دوں گا جہاں کوئی دقت نہیں ہے تم یہ کام آسان سے کر لو گے۔“

”وہ چنگو یہ بہت خطرناک ہے۔“

”سدھیا اس سے زیادہ خوبصورت ہے۔“

”تمہارے دماغ خراب ہو گیا ہے۔“

”منا ہے عشق میں ایسا ہی ہوتا ہے۔“

”تب پھر اس میں ایک ترمیم کرو۔“

”کیا؟“

”یہ کام میں کروں گا۔“

”کیا مطلب؟“

”میں بھی وہاں اس طرح جاسکتا ہوں۔“

”وہ تو ٹھیک ہے مگر تم سدھیا سے شادی نہیں کر سکتے۔ اسب ضد نہ کرو منکو میرے بھائی۔ ہم اسے بزدل نہیں ہیں اس سے ہر ارگناہ زیادہ خطرناک کام کر چکے ہیں یہ تو معمولی سا کام ہے۔“

”منکو مگر یہ سانس لینے لگا۔ یہ گویا رضا مندی کا تلب رہتا۔ چکو نے جگت نگہ سے کہا۔“ میں اس ٹیپے پر جانا چاہتا ہوں۔“

”وہ ہم لوگ یہی باتیں کر رہے تھے کہ اگر کوئی طریقہ ایسا نکل آئے کہ اس ٹیپے تک پہنچا جاسکے تو یہ کام بن سکتا ہے مگر کوئی ترکیب نہیں ہے وہاں جانا کسی طرح ممکن نہیں۔“ جگت نگہ مایوسی سے بولا۔

”میں وہاں جاسکتا ہوں۔“

”کیسے، اس کھڈ کو پار کیسے کر دے گا؟“

”پونم نگہ جی۔ آپ کی یہ تو ہیں کتنا درنی گولا پھینک سکتی ہیں؟“

”بڑی چھوٹی ہر طرح کی تو ہیں ہیں بڑے درنی گولے پھینک سکتی ہیں لیکن کیوں؟“

”مجھے ایک ایسی توپ درکار ہے جو مجھے اس ٹیپے پر پھینک سکے۔“ چکو نے کہا اور پونم نگہ نہ سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھے لگا۔ جگت نگہ نے کہا۔

”تمہارا مطلب کیا ہے۔“ اور چکو جگت نگہ کو قاتل لگا کہ کس طرح وہ اس ٹیپے تک جانا چاہتا ہے۔

”کیسی بچوس جیسی باتیں کر رہے ہو میں تمہاری زندگی کے لئے یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا، ہم اس کے بغیر ہی کام چلانے کی کوشش کریں گے۔“

”اس سے ہمیں صحیح صورتحال کا اندازہ ہو سکتا ہے ٹھیک صاحب۔ آپ براہ کرم ہمیں اپنی کوشش کر لینے دیں ورنہ پھر ہمارا اس مہم میں شامل ہونے کا

کیا فائدہ ہوگا؟

”مگر جو کچھ تم کرنا چاہتے ہو وہ حد خطرناک ہے۔“

آپ نے کہا ہے کہ یہ یا مگر کے بے شمار لوگوں کی زندگی کا مسئلہ ہے۔ ہمارا استاد قلام شاد اس بات پر ایمان رکھتا ہے کہ انسانوں کے کام آؤ اور ان کی بھلائی کے لئے زندگی کی بازی لگا دو۔ اس نے ہمیں یہی سکھایا ہے۔ جگت نگہ بڑی مشکل سے راضی ہو سکتا تھا خود پونم نگہ کی سمجھ میں بھی نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیسے ممکن ہوگا پھر انہوں نے تمام ذمہ داری سرکس کے تین دو چھوٹے چھوٹے مغزوں کے سپرد کر دی اور جگت نگہ نے کہا۔

”ٹھیک ہے، میں تمہیں اس آپریشن کا کمانڈر بناتا ہوں جیسا تم مناسب سمجھو کرو کیونکہ یہ سب کچھ میری سمجھ سے باہر ہے۔“ چٹکو نے آہستہ سے منٹکو کے کان میں کہا۔

”زندگی میں دوسری بار کبھی کمانڈر بننے کا موقع نہیں ملے گا منٹکو اور اگر کامیاب ہو گئے تو پھر رے سرکس میں ہماری دھوم مچ جائے گی۔“ منٹکو اوپری اوپری سانسیں لے کر رہ گیا تھا۔

پھر سارے انتظامات سکے سکے۔ چوڑے دہانے کی ایک توپ قریب لے آئی مگر اور توپچی اس میں بارود بھرنے لگا۔ چٹکو نے رسیوں کا ایک جڑا کھچا اپنے پورے بدن پر لپیٹ لیا اس نے بیروں میں موٹے کپڑے باندھ لئے تھے اور پھر کلزی کا ایک ٹکڑا اس بارود پر رکھ دیا گیا اور تمام تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ ان لوگوں کے لئے یہ سب کچھ ناقابل یقین تھا، اور وہ دھڑکتے دس کے ساتھ یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ بالآخر چٹکو منٹکو کے سہارے سے توپ کے سرے پر لٹکا اور پھر اندر داخل ہو گیا۔

جگت نگہ نے منٹکو کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ”یہ جو کچھ کر رہا ہے کیا اس میں کامیاب ہو جائے گا۔ اگر اس میں کوئی شبہ کی بات ہو تو ابھی اسے روکا جاسکتا ہے۔ میں اس کی زندگی کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔“

”اے روکنا ممکن نہیں ہے تھا کہ اس کے دل میں نیو مگر کے ہاسٹوں کا درد جاگ اٹھ ہے وہ اس سارے کونا کام بنانے کے لئے اپنی جان کی قربانی دینے پر تیار ہو گیا ہے۔“

”یہ جڑ بہ عظیم ہے مگر اس کی زندگی بھی ضروری ہے۔“

”ب جو کچھ ہو رہا ہے شکر سے ہونے دو۔“ منٹکو پھر توپچی سے بولا۔ ”بارود کو آگ دکھا کر فائر کر دو۔“

”مہاراج یہ۔ یہ ایک مشکل کام ہے مجھ سے نہیں ہو پائے گا۔ ایک ہیٹا چمکتا نشان توپ کی نال میں ہے اور توپ میں بارود بھرا ہوا ہے۔“

”وہ اندر اس کا دھکٹھٹا سکتا ہے لاکھ یہ مشعل مجھے دو۔“ منکونے کہ اور تو بچی کے ہاتھ سے مشعل لے لی۔ پونم نکلے تھوک نکل رہا تھا۔ دوسرے قہر میں لوگ بھی سحر زدہ کھڑے ہوئے تھے۔ یہ سب کچھ ایک منٹ ہی خیز تھا تھا۔ منکونے بارود کو آگ دکھا دی اور سب کے سانس رک گئے۔ توپ گرجی اور اس کے دھماکے نے ایک رندوانس کو نکل دیا جو تیر کی طرح سنسناتا پناہیں سادھے صف میں بلند ہوا اور پلک جھپکتے ایک ہوناک کھڑکھڑ کر کے بلند ڈبلا ٹیلے پر چاڑھا۔ خوف سے پھٹی ہوئی آنکھوں نے یہ منظر دیکھا اور پھر اس ناقابل یقین منظر پر یقین کرنے لگے۔ پھر انہوں نے اس نغمے سے وجود کو نیچے کی بلندی پر ہاتھ ہلاتے ہوئے دیکھا اور بھیگی کے اندھ سے طرح طرح کی آوازیں نکل گئیں۔ منکونے مطمئن لہجے میں کہا۔

”وہ بخیریت وہاں پہنچ گیا ہے۔“

”اسے چوٹ تو نہ لگی ہوگی؟“

”نہیں، وہ اپنی شہریت کی اطلاع دے رہا ہے۔“

”کیسے؟“

”جیسے وہ آئندہ ہمیں ٹیلے کے اطراف کے مناظر کی خبر دے گا۔“ کیا مطلب؟“ جگت نکلے تعجب سے بولا۔

”ہاتھوں کی جہش ایک زبان کی شکل رکھتی ہے۔ آپ جانتے ہیں مہاراج ہم سرکس میں کام کرتے ہیں۔ سرکس کی بلندیوں پر اور طویل قریں فاصلوں پر خطرناک کام کرتے ہیں ہمارے درمیان اتنا فاصلہ ہوتا ہے کہ ہم ایک دوسرے کی آواز نہیں سن سکتے۔ اس لحاظ میں ہمارے ہاتھوں کی جہش ہمارے درمیان رابطے کا ذریعہ ہوتی ہے اور اسے ہم نے ایک زبان کی شکل دی ہے۔ اسی سے ہم دوسرے کے نکلے قدم کا اندازہ لگاتے ہیں اور اسے جو پوچھتے ہیں۔“

”واہ کیا عمدہ ترکیب ہے۔ پونم نکلے گراہیے کچھ لوگ ہمیں مستقل طور پر مل جائیں تو ہمیں کتنا تحفظ ملے گا۔“

”اس میں کوئی شک نہیں مہاراج۔ میرے دہن میں ایک اور خیاب آ رہا ہے۔“

”کیا؟“

”جیسا کہ ان لوگوں نے بتایا کہ ان کا سرکس اسی طرف آ رہا ہے اگر یہ سرکس یہاں آجائے تو ان کی مدد حاصل کر کے یوگر کے لوگوں کی زندگی ضائع کیے بغیر کسی ترکیب سے راون نکلے اور ٹیل نکلے پر قابو پا سکتے ہیں۔ سرکس میں ان کی طرح کے دہرے لوگ بھی ہوں گے۔“

یہ لوگ ہاتھیں کر رہے تھے ادھر منکونے نکلے کی کارروائیوں پر نگاہ جمائے ہوئے تھے۔ سرکس کے اس دہرے نازفکاروں کے لئے یہ بہت معمولی سا کام تھا۔

سویاتن کے مل پر ایسے آئینہ جی کر خود شینا بھی مشدرد رہ جاتا تھا لیکن عام لوگوں کے لئے یہ ایک جادو کی کارنامہ ہی تھا۔ چنکو نے سب سے پہلے اپنی پرتقظ واپسی کا بندوبست کیا، ورتھوڑی ہی دیر کے بعد اس نے چنکو کو ایک پتھری میں باندھ کر گھماتے ہوئے دیکھا۔ چنکو اسی پتھر کو ایک دائرے کی شکل میں گھمار رہا تھا۔

”آپ لوگ پیچھے ہٹ جائیے اس نے گو پھین تیار کر لی ہے۔“ اس نے دوسرے لوگوں سے کہا اور سب پیچھے ہٹ گئے۔ اس کا علقہ بڑھتا جا رہا تھا اور پھر زنائے کی آواز سے بڑا پتھر بندھی ہوئی رسی کے ساتھ یہاں آچڑا چنکو نے آگے بڑھ کر رسی کھولی اور پھر مضبوط رسی کے، اس سرے کو ایک درخت سے کس کر اس طرح باندھ دیا گیا کہ رسی بے پلک ہو گئی۔ دوسرے لوگوں نے مدد کی تھی اور رسی خوب تن گئی تھی۔ کچھ دیر کے بعد اس کام سے فراغت ہو گئی، بجٹ نکلنے لگا۔

”سب ہمیں ایک طویل انتظار کرنا ہو گا“

”ہو سکتا ہے مہ راج وہ زیادہ وقت نہ ضائع کریں۔“ پونم نکلے بولا۔ ”میر بھی یہی خیال ہے ٹھاکر۔ اس کی کچھ دیوہٹ ہیں۔ اڈل تو یہ کہ ٹھاکر راہن نکلے جو سن و غیرہ کو شہنشاہ کی اجازت دے چکے ہیں اور ان کی یہ مشکل حل ہو گئی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ وہ لوگ بھلا صاحب کے آنے سے پہلے یہ کام کر لینا چاہتے ہیں۔ میں نے اس کی جو گفتگو سنی ہے اس کے بارے میں آپ کو بتا چکا ہوں۔ قلم ڈائریکٹر بھلان کی سازش میں شریک نہیں ہے بلکہ ان دونوں سے میری مراد جو سن اور پٹیل ہے چند لوگوں کو اپنے ساتھ ملا کر یہ کام شروع کیا ہے اور سب چارہ بھلا اس سے راضی ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ یہ مگر ایک خطرناک جگہ ہے اور بھلا کی مدد ان کے لئے ضروری ہے اسی لئے وہ اپنے کام کو بھلا سے پوشیدہ ...“

بھلا اتنی ہی گفتگو ہوئی تھی کہ دفعہ فضا میں کسی طوفان کی چیخ بھری اور منکو چونک کر خاموش ہو گیا۔

”یہ کیسی آواز تھی؟“ ٹھاکر بجٹ نکلے نے بھی چونک کر کہا۔

”وہ کچھ نہیں مہ راج کوئی طوفان چیخ کر ڈا ہے۔“ پونم نکلے نے کہا مگر اس وقت منکو کے منہ سے بھی ایسی ہی آواز نکلی جس کے ذریعہ اس نے چنکو کو اطلاع دی تھی کہ وہ مستعد ہے اور چنکو جو کچھ کہنا چاہتا ہے کہے۔ پونم نکلے ورتھوڑی سے منکو کو دیکھنے لگے۔ دوسری طرف چنکو ہاتھوں کے اشاروں سے کچھ سمجھائے کی کوشش کر رہا تھا۔ منکو آہستہ سے بولا۔

”مطہری پہاڑیوں کے نیلوں کے پیچھے سے۔ ان کی تعداد بارہ ہے وہ پیدل ہیں مگر ان میں سے چند گھوڑوں کی کٹائیں بکڑے ہوئے ہیں۔“ وہ خاموش ہو کر چنکو کے ہاتھوں کے راویے دیکھنے لگا۔ پھر بڑا پائپ کھینچی ہاں شاید وہ کھینچی وہ کسی گاڑی پر رکھی ہوئی ہے پانچ آدمی یہ گاڑی دھکیل رہے

ہیں۔ وہ اب اس کی تعداد سترہ ہو گئی۔۔۔ تیس آدمی۔ تین آدمی ایک بڑی گھوڑا گاڑی لارہے ہیں۔ اس میں چھ گھوڑے لگے ہوئے ہیں کل تیس آدمی ان کے پیچھے اور کوئی نہیں ہے۔ وہ کل تیس آدمی ہیں۔ وہ پہاڑی نیوں سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ ندی کے گھاٹ کی طرف۔ سمجھئے کہ حرکت سنگھ نہیں آدمی مٹرٹی پہاڑیوں کے پیچھے ہیں۔۔۔“

”ہوں۔۔۔ میں سن چکا ہوں۔ ادھر اردن سنگھ کے کھیت ہیں وہ اس کا علاقہ ہے۔“
جگت سنگھ نے کہا چکو اب اس جگہ سے ہٹ گیا جہاں سے اسے دیکھا جاسکتا تھا۔ ان ننھے ننھے انسانوں کی بے پناہ اور جدت۔ گلزار ملا جلتوں نے انہیں تنگ کر دیا تھا اور وہ نہیں کسی آسانی مخلوق کے سے انداز میں دیکھ رہے تھے۔ کافی دیر گزر گئی اس کے بعد ہنگامہ ایک بار پھر اسی اونچی جگہ نظر آیا جہاں سے اسے دیکھا جاسکتا تھا۔ یہاں آکر اس نے دونوں ہاتھ پھیلائے اور نہیں ہو میں نہرا لے لگا۔ ادھر منگو کی آواز بھرا بھرنے لگی۔

”دو آدمی۔ دو آدمی۔ دو آدمی کشتی لے کر ندی پار کر رہے ہیں۔ باقی وہاں سے ہٹ آئے ہیں اور ٹوپیوں میں بیٹھ گئے ہیں۔ وہ سب تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ہیں اور مطمئن بیٹھے ہوئے ہیں۔“

چکو ہٹا پیغام اشکر کر کے پھر اس طرف چلا گیا اور منگو نے کہا۔ ”اور اب ٹھہر کر ہمارا کام شروع ہوتا ہے۔“
”ہیں۔“ جگت سنگھ نے سرسراہٹ آواز میں کہا۔

”اب اس کی وہاں ضرورت ہے؟“ منگو نے پوچھا۔

”میرے خیال میں نہیں۔ وہ اپنا کام انجام دے چکا ہے۔“ جگت سنگھ نے کہا۔

”اسے واپس بلا لیا جائے۔“

”ہاں۔۔۔“

”تو میں اسے اشارہ دیتا ہوں؟“ منگو نے کہا۔ اور اس کے منہ سے طوطے کی چیخ بلند ہو گئی پھر وہ بھی ہاتھوں سے عجیب عجیب اشارے کرنے لگا اور اس کے چند لحاظ کے بعد یہ لوگ پھر سنسنی کا شکار ہو گئے۔ ان کے خیال میں یہ دوسرا خطرناک کام تھا انہوں نے چکو کو رسی پر دیکھا تھا جو ہا دن ننگے سے نیچے آ رہی تھی۔ وہ رسی پر سیدھا بٹھا ہوا تھا پھر اس نے اس کی لچک کا اندازہ لگایا اور اس کے بعد رسی پر چلے لگا۔ اس کے انداز میں ذرا بھر خوف نہیں تھا اور وہ رسی پر اطمینان سے چلتا ہوا ہولناک فاصلے طے کرنے لگا جب کہ اسے دیکھنے والوں کے دم نکلے جا رہے تھے۔ چکو برق رفتاری سے رسی پر چلتا ہوا نیچے آ گیا اور جو نمی اس نے زمین پر قدم رکھا جگت سنگھ نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا۔

”تم نے جو کام میرے لئے کیا ہے اسے میں کبھی نہ بھولوں گا، تمہیں تمہارا کام دیا جائے گا۔“ ”اب وہاں کیا ہو رہا ہے؟“

”ان میں آدمیوں کے علاوہ آس پاس اور کوئی نہیں ہے۔ ان کے ٹھوڑے ان سے کچھ فاصلے پر بندھے ہوئے ہیں۔ وہیں دو گاڑی بھی موجود ہے جو شاید ہمارے برادری کے لئے رکھی گئی ہے۔“ ”چکو نے کہا۔“

”وہ لوگ اپنے منصوبے سے مطمئن ہیں۔“

”مجھے خطرہ تھا کہ وہ توپ داغنے کی آواز سے ہوشیار نہ ہو جائیں لیکن ان کے اطمینان کی وجہ بھی میں سمجھتا ہوں۔“

”کیا؟“ ”مکھو نے پوچھا۔“

”یہاں کٹر تو ہیں دائمی جاتی ہیں یہ غلطی کرنے کے لئے کہ ہم سرحد پر ہوشیار ہیں۔“

”انہیں اس پر اعتراض نہیں ہوگا؟“

”یہ سلسلہ اس وقت شروع کیا گیا تھا جب مجھے ان کے خلیفہ کا علم ہوا تھا ورنہ انہوں نے اپنی ناکارگی کے اثرات محسوس کر کے عرصہ کارروائیاں شروع کی تھیں۔ دراصل میں نے سرحدی تقسیم اس طرح کی تھی کہ وہ جو کچھ بھی کریں اندر رہ کر کریں اور بیرونی دنیا سے ان کے رابطے آسان نہ ہوں کیونکہ باہر کے اثرات اندر آجائیں تو ہمارے لئے سخت مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں جس کا ایک نمونہ موجودہ حالات ہیں۔“ ”جگت سنگھ نے کہا۔“

”میرے خیال میں ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے جو لوگ کشتی لے کر گئے ہیں وہ واپس بھی آ سکتے ہیں۔“ ”چکو نے کہا۔“

”اب ہمیں کیا حکم ہے کاٹھڑ۔“ ”جگت سنگھ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔“

”ان لوگوں پر قبضہ ضروری ہے تاکہ ہم اپنی پوزیشن مستحکم کر سکیں۔ اس کے لئے سخت احتیاط کرنا ہوگا۔“

”پونم سنگھ۔“ ”جگت سنگھ نے پونم سنگھ کو پکارا۔“

”ہم تیار ہیں مہاراج۔“ ”پونم سنگھ نے کہا اور اس کے بعد ان لوگوں نے بھی کئی ٹوہاں بنا کیں جگت سنگھ نے اپنے آدمیوں کو ہدایت دے دی تھیں خود چکو اور مکھو بھی ان ٹولیوں میں شامل تھے۔ انہیں اس جگہ تک پہنچنے کے لئے چکر دار راستے اختیار کرنے پڑے۔ وہاں راوین سنگھ کے آدمی موجود تھے پھر پہلی ٹولی پر اچانک حملہ کیا گیا اس میں چھ آدمی موجود تھے۔ جنہیں آدازیں نکالنے کا موقع دیے بغیر بھیج لیا گیا اور ان کے سردوں پر دھڑی چھپا دی۔

”سے ضربیں لگا کر بیہوش کر دیا گیا۔ یہ کام اتنی خاموشی سے کیا گیا تھا کہ کچھ فاصلے پر موجود دوسری ٹولی کو بھی اندازہ نہیں ہوسکا اور وہ لوگ بڑے اطمینان سے بیٹھے رہے۔ جس ٹولی کے افراد کو قتل کیا گیا تھا ان میں سے صرف دو کے پاس ہلکے قسم کے چھپا رہے غائبانہ اس کام کے لئے مسلح ہونا

ضروری نہیں سمجھا گیا تھا پھر دوسری اور تیسری ٹولی پر قبضہ کرنے میں کوئی دقت نہ ہوئی اب یہ چار اور آدی ج چو تھی اور آخری ٹولی میں تھے ہوشیار ہو گئے اور انہوں نے مدافعت کی جس کے نتیجے میں ان میں سے دو کو ہذاک کرنا پڑا باقی دو قابو میں آ گئے تھے۔ اس طرح ان سب کو قبضے میں لے لیا گیا۔ پھر منگو کے دوسرے منصوبے پر عمل شروع کر دیا یعنی ان بے ہوش لوگوں کے جسموں سے ہاس اتار کر جگت گنگھ کے آدمیوں نے ہانپ لئے اور بے ہوش لوگوں کے ہاتھ پاؤں باندھ کر ان کے منہ میں کپڑے ٹھونس دیئے گئے پھر انہیں وہاں سے دور بٹا دیا گیا۔

جگت گنگھ بہت خوش تھا ایک خطرناک سازش کو ناکام بنانے میں ان نئے معیے حسوں والوں نے جس غصب کی ذہانت اور کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا وہ ناقابل یقین تھا ورنہ اگر اس سازش کا پتہ بھی چل جاتا تو اسے ناکام بنانے کے لئے ذرا دست خون خرابہ ہوتا ورنہ جانے کتنی زندگیوں کا کام آ جاتیں۔ پھر یہ بھی نہ کہ جا سکتا تھا کہ جیت کس کی ہوگی۔ مگر اب کامیابی ہی کامیابی نظر آ رہی تھی۔

بیادولی کنارے سے لوگ انتظار کر رہے۔ پھر انہوں نے بیادولی کے دوسرے کنارے سبز رنگ کی یک تیز روشنی دیکھی جو کسی آتش بازی کے دریل کی مٹی پونم گنگھ چمک کر بولا۔ ”یہ کیا ہے؟“

”شارہ۔“ چکو منگو سے بولا۔

”کیا مطلب؟“

”مطلب یہ کہ کام شروع ہو رہا ہے اور اس کنارے کے لوگ ہوشیار ہو جائیں۔“ چکو نے جواب دیا بھی اس کا جملہ پورا بھی نہ ہو تھا کہ دوسری طرف سے تیز روشنی نظر آئی اور ان کی چھ داں میں بہت سے لوگوں کے سائے دکھائی دینے لگے۔ پونم گنگھ ایک بار پھر گھبرا کر بولا۔

”یہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ کیا یہ لوگ۔“

”نہیں پونم گنگھ جی یہ شنگھ ہو رہی ہے۔ کام کا آغاز ہو چکا ہے۔“ چکو پھر بولا اور پونم گنگھ حیرانہ نگاہوں سے دوسری طرف دیکھے لگا۔ چیز روشنی کی وجہ سے دوسری سمت کا، حوالہ اچانک ہو گیا تھا۔ کیمرے کام کر رہے تھے اور اسنے کی اس منتقلی کو ایک باقاعدہ فلمی منظر کی حیثیت دے دی گئی تھی پھر کشتی تیز رفتاری سے بیادولی پار کرنے لگی اور کنارے سے کچھ فاصلے پر یہ لوگ پوشیدہ ہو گئے۔ صرف ایک خطرہ تھا وہ یہ کہ وہ دو آدی ج جو دوسری جانب یہ کشتی لے کر گئے تھے گرداہیں آنے تو اپنے ساتھیوں کو پہچان لیں گے۔ بہر طور اس کا کوئی سدباب نہیں کیا جاسکتا تھا۔ کشتی غیر رفتاری سے بیادولی کے کنارے آ رہی تھی اور دوسری جانب تیز روشنیوں نے اسے اپنی زد میں لے رکھا تھا غرضیکہ کشتی اس کنارے آ گئی اور روشیاں ایک دم بجھ گئیں۔ چکو اور منگو کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھل گئی۔ جو سن دور پھر اپنا کام بڑی خوش اسلوبی سے انجام دے رہے تھے کشتی کا اس کنارے پہنچ جانے کے بعد

روشنیاں بجھا دینا ایک ضروری امر تھا کیونکہ اب یہاں جو کچھ ہو رہا تھا اس کا علم شوکت کرنے والے دوسرے افراد کو نہیں تھا اور یہی ہوا جو نئی کشتی کنارے پہنچی چند افراد اس سے کود کر نیچے آ گئے یہاں موجود لوگوں نے بڑی ہوشیاری کے ساتھ اس کا استقبال کیا اور انہوں نے کوئی جواب دیے بغیر کشتی میں موجود سامان کنارے پر اتارنا شروع کر دیا۔ اس کام میں جگت نگہ کے آدمیوں نے بھی ان کی مدد کی تھی اور کام نہایت برق رفتاری سے ہو تھا۔ خوش قسمتی تھی کہ وہ دونوں افراد اس وقت کشتی میں موجود نہیں تھے جو کشتی لے کر دوسری سمت گئے تھے آ ن کی آن میں سارا سامان کنارے پر بار ہو گیا اور اب لوگوں نے واپس لوٹنے ہوئے کہا۔

”جلدی سے یہ سارے کارٹن یہاں سے بنادے جائیں ہم دوسری کھپ لے کر آ رہے ہیں۔“ اس کے ساتھ ہی وہ کشتی میں پہنچے اور کشتی واپس چل پڑی۔ جگت نگہ کارل بے پناہ خوشی سے دھڑک رہا تھا اس کے آدمیوں نے فوراً ہی عمل شروع کر دیا اور اسلئے کے وزنی کارٹن اٹھا کر دور لے جائے گئے اور انہیں ایسی جگہ محفوظ کر دیا گیا جہاں سے انہیں منتقل کرنے میں زیادہ وقت نہ ہو۔ گھوڑ، گاڑی وغیرہ اس کی جگہ رہنے دی گئی تھی کیونکہ بھی تو اور وہاں آ رہا تھا۔ جس کی اطلاع دے دی گئی تھی کشتی واپس کنارے پر پہنچ گئی اور شاید وہاں اس کی دوبارہ لوڈنگ ہونے لگی اور یہ بڑا دلچسپ سلسلہ تھا ادھر تو ایک فلمی منظر دکھایا جا رہا تھا اور ادھر اس کا دلچسپ ترین توڑ کیا جا رہا تھا اور اس کامیابی میں چٹکو ورنٹکو کا ہاتھ تھا۔ ایک بار پھر دوسرا کنارہ روشنیوں سے جگمگا اٹھا اور کشتی برق رفتاری سے اپنا سفر طے کرنے لگی۔ یہ ایک واقعی شاعرانہ منصوبہ تھا جس کے ذریعے اسلئے یا مگر منتقل ہو رہا تھا اور جو سن اور پیرا پنے اس بہترین منصوبہ کی کامیابی پر یقیناً خوشی سے پھولے نہ سارے ہوں گے۔ اسلئے کی دوسری کھپ بھی کنارے تک پہنچی اور انہیں اطلاع دی گئی کہ ابھی تیسری کھپ اور آئے گی اور اس کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہو جائے گا۔ اسلئے کے نئے کارٹن بھی وہیں پہنچا دیے گئے جہاں دوسرے کارٹن موجود تھے۔ پونم نگہ کے دس میں خواہش چل رہی تھی کہ کسی طرح ان بیٹیوں میں بند اسلئے کو دیکھے لیکن ظاہر ہے یہ ممکن نہیں تھا پھر اسلئے کی تیسری کھپ بھی وصول کی گئی اور اس بار ان لوگوں نے اسلئے وصول کرنے والوں کو مبارکباد دی کہ ان کا کام نہایت خوش اسلوبی سے ہو گیا۔ جو سن اور پیرا دوسرے ہی کنارے پر تھے اور انہوں نے اس سمت آنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ غالباً اس میں بھی کوئی اہم بات تھی غرضیکہ یہ آخری پھیرا مکمل ہو گیا اور وہ لوگ اطلاع دے گئے کہ اب خالی کشتی ہی رہی ہے آئے گی چنانچہ اس سمت بھی کارروائیاں ہونے لگیں اور یہ آخری سامان بھی وہیں منتقل کر دیا گیا جہاں دوسرا سامان موجود تھا۔ پونم نگہ نے کہا۔

”کیا خیال ہے ہمارا جاب ہم یہاں سے واپس چلے جائیں۔“

”نہیں خالی کشتی کی واپس کا تھکا کر لو ان دونوں کو بھی اپنے قبضے میں لے لینا ضروری ہے ورنہ بات بہت جلد مکمل جائے گی اس طرح ہمیں کم از کم یہ

اسلحہ اپنے ٹھکانے پر منتقل کرنے کا موقع مل جائے گا۔" دوسری کشتی کے لئے انتظار کیا گیا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ دریہ کی لہروں پر ڈالتی ہوئی نظر آئی۔ اس بار روشیدوں نے اس کا تعاقب نہیں کیا تھا حالانکہ وہ بینکس ہو گیا تھا جس کے لئے یہ شوٹنگ کی گئی تھی جو من اور پیٹر نے کم از کم یہی کہا ہوگا۔ کشتی کنارے سے آگلی اور وہ دونوں جو کشتی کو چلا رہے ہوئے لائے تھے تھکے تھکے سے انداز میں ساجل پر اتر آئے اور پھر ان میں سے ایک نے مسرت بھرے انداز میں کہا۔

"مبارک ہو کر مہاراجہ! وہ بڑا کام ہو گیا جس کے لئے جی محنت کی گئی تھی۔" پونم سنگھ نے "مے بڑھتے ہوئے کہا۔

"ہاں تم لوگوں کو بھی بہت بہت مبارک واقعی تم نے بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔" یہ کہہ کر اس نے ان میں سے ایک کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس کے حلق سے خوفزدہ سی آواز نکلی تھی۔ فوراً ہی دوسرے آدمی کو بھی قبضے میں لے لیا گیا تھا اور اس کے بعد کشتی کو کھینچ کر کنارے پر ڈال دیا گیا اور ان دونوں کو قابو میں کر کے اسی سمت لے آیا گیا وہ دونوں خوف بھری نگاہوں سے اس منظر کو دیکھ رہے تھے تمام کے چہرے اجنبی تھے لیکن جب وہ اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچے تو انہیں صورتحال کا بخوبی اندازہ ہو گیا ان کی حلاشی لے کر انہیں بھی خالی ہاتھ کر دیا گیا تھا۔ قیدیوں کو ہوش میں لانے کی کوششیں کی گئیں اور ان میں زیادہ تر ہوش میں آ گئے۔ صرف دو نہیں ایسے تھے جنہیں ہوش نہیں آیا تھا۔ جن لوگوں کو ہوش آ گیا ان کے حسوں میں رستے ہندو دیئے گئے اور پھر انہی کے درمیان یہ سامان گھوڑا گاڑی پر بار کر دیا گیا اور ہائی جو سامان بھی وہ ان پر لا دیا گیا۔ جگت سنگھ نے خراے ہوئے لہجے میں کہا۔

"خاموشی سے اس سامان کو لے کر چلو تمہاری زندگیوں سے مجھے کوئی رنجش نہیں ہے اگر کسی نے کوئی گزبڑی کی تو اسے اسی جگہ ہلاک کر دیا جائے گا۔"

وہ لوگ بری طرح کہم گئے تھے کسی نے تعرض نہ کیا حالانکہ ہاؤنڈنگ بھی جگہ سے جی ورنی سامان کے ساتھ وہاں کا سفر ایک مشکل مرحلہ تھا لیکن جگت سنگھ نے اپنے تمام ہی آدمیوں کو اس پر لگا دیا تھا کہ اسلحے کا بہت بڑا ذخیرہ اس کے ہاتھ آیا تھا اور اگر یہ ذخیرہ راون سنگھ کو منتقل ہو چکا تو یقینی طور پر راون سنگھ خاصی جانی چاٹا اور نیچے کشتی زندہ گیوں موت کے گھاٹ اتر جائیں پھر جب رست بھر کی کارروائی کے بعد سورج نکلنے سے تھوڑی سی دیر پہلے یہ لوگ وہیں پہنچے تو کامیاب لوگوں کے چہرے خوشی سے دھک رہے تھے اور وہ مسرت سے بھولے انداز پر کہتے تھے۔ "جنتی میں ابھی جگا نہیں ہوئی تھی اور سستی آدمیوں کو پتہ ہی نہ چل سکا تھا کہ راتوں رات کیا ہو گیا ہے۔ قیدیوں کو قید خانے میں منتقل کر دیا گیا اور اسلحہ اسلحہ خانے میں جا چکا۔ چٹکو اور منکونے بھی کسی تھکن کا قہر نہیں کیا تھا اور ان لوگوں کا مسلسل ساتھ دے رہے تھے۔ اسلحہ خانے میں پونم سنگھ نے اسلحہ کے کارٹرن کھولے اور ان کی آنکھیں کھلیں گئیں۔ یہ جدید قسم کا اسلحہ تھا اور نیا نگر میں یہ اسلحہ موجود نہ تھا۔

"بڑی خیر ہو گئی مہاراجہ۔ اس اسلحہ سے آپ راون سنگھ کے ارادوں کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔" پونم سنگھ نے کہا۔

”ہاں میں فکر مند ہو گیا تھا۔ ابھی قہقہہ نکلتا ہی ہے یہ لوگ اور نہ جانے کیا کیا کر رہے ہوں گے۔“ ہجکت سنگھ نے کہا۔

”ہمیں کوئی فیصلہ کرنا ہوگا۔“

”جو لوگ یہ اسلحہ لے کر آئے ہیں ان کا بھی ہمارے قبضے میں آنا ضروری ہے۔ پونم سنگھ تم یوں کرو کہ ان فلم کہنی والوں کی مگر فی سخت کر دو ابھی۔“

”اتھارڈ انا تو مناسب نہیں ہے مگر مجھ کو کھانا ضروری ہے۔“

”ایک تجویز میرے ذہن میں بھی آئی ہے مہاراج۔“ منگو نے کہا۔

”کی ضرور بتاؤ۔“

”جن لوگوں کو پکڑا ہے ان سے یہ معلومات کی جائے کہ جو کس اور پیٹر کو اسلحہ کا کتنا معاوضہ دینا گیا ہے یا معاوضہ کی ادائیگی کر دی گئی ہے یا باقی ہے۔“

”اس سے کیا ہوگا؟“

”ہو سکتا ہے ہمیں ان لوگوں سے براہ راست معلومات حاصل ہو جائیں جو یہ اسلحہ لے کر آئے ہیں۔ ادائیگی کے سلسلے میں ممکن ہے ابھی ان کا رابطہ

باقی ہو۔ اگر ایسا ہوا تو تلف آ جائے گا۔“

”پونم سنگھ اور ہجکت سنگھ منگو کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے اور جب یہ بات ان کی سمجھ میں آئی تو وہ دونوں اچھل پڑے۔

”اس کے امکانات ہیں پونم سنگھ۔“ ہجکت سنگھ بولا۔

”ہاں مہاراج مگر پھر یہ کام ہمیں ابھی کرنا ہوگا۔ رات بیت گئی ہے دریا پار والوں کو تو ابھی مشکل سے ہی پتہ چلے گا کہ کیا ہو گیا ہے راہن سنگھ ہو سکتا ہے

کہ اسلحہ کا اٹھارہ گروہ اور اس کے بعد تحقیقات شروع کرے مگر اسے بھی نہ پتہ چل سکے گا کہ اصل واقعہ کیا ہوا۔“

”جو کچھ بھی کرنا ہے اس میں دیر نہیں لگائی جاسکتی چاہے رات کے علاوہ پورا دن بھی کیوں نہ لگ جائے۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں پونم سنگھ تم یوں کرو کہ ایک

حصہ لے کر ہلا دی پاد کر لو اور وہاں مسلسل گشت کرتے رہو تاکہ راتوں سنگھ کے آدمی وہاں نہ آسکیں۔ تم فلم کہنی والوں کے آس پاس رہنا دو پوچھیں تو

کہہ دینا کہ یہ تمہارا معمول ہے نہیں کوئی احساس نہ ہونے دینا۔ اور میں دوسرا کام یعنی کہ لوگوں سے معلومات حاصل کرنا ہوں۔“

”جو آ گیا مہاراج۔“ پونم سنگھ نے کہا۔

”تو پھر جاؤ۔ دیر نہ کرو میں ادھر جاتا ہوں اور تم لوگ؟“ ہجکت سنگھ نے ان کی طرف رخ کر کے کہا۔

”ہم آپ کے ساتھ ہیں ہجکت مہاراج۔ آپ بالکل فکر نہ کریں۔“ منگو نے جلدی سے کہا اور ہجکت سنگھ نے گروہ ہلا دی۔

صبح اچانک غلام شاہ نے کہا۔ ”چلو رے منڈروا اکھڑو۔ بہت دن ہوئی گئے اینڈ تے ہوئے اب آگے بڑھو۔“ غلام شاہ کا کہہ دینا کافی تھا۔ تمام لوگ مصروف ہو گئے تنبوہ وغیرہ نہیں لگائے گئے تھے اس لئے صرف ہائس، بلیں اور لوہے کے فریم کھاڑنے تھے جو چند گھنٹوں میں اکڑ گئے اور دوپہر سے پہلے سرکس آگے روانہ ہو گیا۔ کسی کو کوئی تردد نہیں تھا۔ شائق بھی ایک ٹرک میں سوار تھا۔ وہیں جگہ ملی تھی شیخا کے پاس جیب میں اکبر شاہ بلال چاہہ اور عبد اللہ تھے۔ جیب عبد اللہ چلا رہا تھا سونیا سانوی اور شیرا کے ساتھ دوسری جیب میں تھی۔

غلام شاہ نے اکبر شاہ سے کہا۔ ”اکبر ارے یہ مگر کے میسے بیساکہ ماہ ہوتے ہیں نا۔“

”بھئی شاہے شیخا۔“

”بھئی تو جیت ہی چلت رہے۔“

”ہاں شیخا، جیت شروع ہوا ہے۔“

”ای مسر کا مارے جھوٹھائی دے رہے ہیں ہم نا تو ابھی وہیں کھیل دکھائی دے رہے ہوتے پر امی نا جمل ہو گواں۔“ غلام شاہ بولا۔ اکبر شاہ نے تو کچھ نہ کہا مگر بلال جاد بولا۔

”کون شیخا۔“

”ارے ارے ای بلا جو ہمارے گلے پڑے رہے۔ سارک کے بارے میں کہتے ہیں۔“

”ہے تو کئی گج بنا اس کا نیا کارنامہ نا شیخا۔“ بلال جاد بولا۔

”کوئی رے؟“

”جھولے پر سونیا، مشق کر رہی تھی خود بھی چڑھ گیا اور شیخان کی طرح خوب بھی غلاباڑیاں کھاتا رہا۔ ایک باری سونی بنیا سے نہ کچڑنگی ورسب کی جاں نکل گئی یہ شیخا دس نے جو کچھ کیا اس پر اب بھی یقین نہیں آتا۔“

”کارے؟“ شیخا نے پوچھا۔

”سونی بنیا کے ہاتھوں میں نہ آ کر وہ انگور کی طرح پلٹا اور دس وٹ لمبی چھٹنگ لگا کر واپس جانے والے جھولے کو پکڑ کر تھنے پر پہنچ گیا۔“

”نارے۔“ غلام شاہ حیرت سے منہ کھل کر بولا۔

”اکبر بھی اسے پوچھ لو۔“

”اوتی سر ہکا پاگل کر کے چھوڑی رہے۔ ہکا بکس نہیں ہوئی گئے ارے ای کام تو سیکھ بھی نا جا سکت لنگور سر تو سلا جیت کھا کر کمر جا بند کر گئی ہے۔ کسی منوئی کے بس مال مارے۔ نا بھائی تو کوئی جن بھوت رہے انسان نا ہے وہ ہکا کا ہے نا تائی رہے اسے اکبر!۔“

”بس ایسے ہی شٹا۔ میرا خیال تھا تمہیں معلوم ہوگا۔“ اکبر شاہ سر دلچے میں بولا۔

”پرسوئی بٹیا اسے جھولے پر چڑھ سے ہی کاہنے دیا شمع کر دیتی ادکا، اسے کام آسان تو مارے ایسا کھڑا مول کا ہے لیا۔ مہرجات سر تو کا ہوتا۔“ غلام شاہ نے کہا۔

”سے کون روک سکتا ہے شٹا۔ سرکس کا، لک بنا ہوا ہے وہ جو دس چا ہے کر سکتا ہے۔“ اکبر شاہ نے کہا۔

”رے بٹا۔ کچھ روج کی بات ہے۔ کچھ کرنی ہے کو نہ نکالہ تو طے ہم سمجھائی دیں گے ادکا۔ بری بات ہے پر جو ہم سے وہیں اور سمجھ ماں آت ادائی سر لنگور ہے کا۔ ارے کمال ہے بھائی پنڈے کا پورا جو آگے بڑھن کے واسطے کھرج ہوئی ہے۔ بچ ماں مڑ جاتا۔ بہت بڑی بات رہے۔ بہت بڑی بات۔“

”خیر مگر میں ہمیں بہت ہوشیار رہنا ہوگا شٹا کیونکہ وہاں پولیس بھی نہیں ہوگی۔“ عبداللہ نے کہا۔

”وہاں کھیل تو رکھنا ہوگا۔ پر آنے کا بچا۔“

”وہ لوگ اجازت دے دیں گے ہمیں۔“

”کھوسا کریں گے شاکر کی دوئی چا رکھیں دکھائی رہے کچھ مال پانی دی رہے کام بن چائی ہے لک، لک ہے۔“ غلام شاہ نے کہا اور پھر خاموشی چھا گئی۔

سفر جاری رہا تھا، اکبر شاہ کا چہرہ مٹا ہوا تھا پہلے وہ غلام شاہ سے بڑے لالچ کیا کرتا تھا مگر اب بہت دن سے اس پر خاموشی طاری ہو گئی تھی وہ سنجیدہ رہنے لگا تھا پتہ نہیں غلام شاہ کو اس کا احساس تھا یا نہیں۔

دن ختم ہو گیا اور شام کو انہوں نے ایک وسیع میدان میں قیام کو عارضی بندوبست کیا گیا تھا کھانے کے انتظامات ہونے لگے۔ رات کو اکبر شاہ سو نیا کے پاس آ بیٹھا۔

”ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں سونیا۔“

”پوچھو اکبر بھی۔“

”اس نے اس کے بعد تو تم سے کوئی بدگیری نہیں کی۔“

”نہیں۔“ سو نیا پتھر لے ہوئے لہجے میں بولی اور اکبر شاہ خاموش ہو گیا۔ سو یہ کو تو قح قحی کہ وہ کچھ بولے گا لیکن اس کی غیر معمولی خاموشی کو محسوس کر کے وہ بولی۔ ”تم نے یہ سوال کیا کیا؟“

”بھئی رات میں نے اسے تمہارے خیمے سے باہر نکلنے دیکھا تھا۔“ اکبر شاہ بھاری لہجے میں بولا اور سو یا مچھل پڑی۔ اکبر شاہ کی پر سرار خاموشی اس کی سمجھ میں آگئی تھی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اکبر شاہ کو دیکھتی رہی اور پھر اچانک اسے غصہ آ گیا۔

”تمہارا اس بارے میں کیا خیال ہے۔“

”کچھ بھی نہیں، تجھے ہم پر مکمل اعتماد ہے مگر۔“ اکبر شاہ نے کہا۔

”آگے بڑھا اکبر شاہ۔“ سو نیا غرق۔

”شیخا کے بارے میں سوچ۔ ہا یوں میں جانتا ہوں کہ تم نے مجھ سے یہ بات کیوں چھپائی۔ تم نہیں چاہتیں کہ میں شیخا کے مقابل اس کے سسٹے میں کوئی سخت رویہ اختیار کروں۔“

”یہ بات نہیں ہے۔“ سو نیا نے کہا۔

”پھر۔“

”سب وہ شیخا کا نہیں کسی کا نہیں صرف میرا مسئلہ ہے اور میں اس کے سسٹے میں کسی کی مدد قبول نہیں کروں گی۔“

”شیخا کے بارے میں سب جانتے ہیں وہ ضرورت سے زیادہ دردمند ہے اور صرف اخلاق برت رہا ہے اس کے علاوہ وہ اس کی شہیدہ گری سے بھی متاثر ہے وہ انسانوں پر اعتبار کر لیتا ہے جو بری بات نہیں ہے لیکن شارق جیسے لوگ اس کی اس فطرت سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ سو یا شیخا کو اس کے حاس پر چھوڑ دو ہم خود ہی یہ مسئلہ حل کریں گے۔ شیخا کی سادہ دلی نے ہمیں اس سے غریب پر مجبور کیا ہے جو کچھ ہمیں کرنا ہو گا وہ جرم ہے لیکن مجبوری ہے کسی بھی شخص کو ہم اپنی عزت سے کھیلنے کی اجازت تو نہیں دے سکتے ہم برائی کے لئے مجبور ہیں۔“

”سب کیا کرو گے اس کے لئے؟“

”وہ کیا کہتا ہے۔“ اکبر شاہ نے پوچھا۔

”اے اقدامات سے بہت پر امید ہے اور کہتا ہے کہ مجھے جیت کر دم لے گا۔“ سو نیا نے کہا۔

”ہوں!“ اکبر شاہ نے آہستہ سے کہا اس کے بعد وہ دیر تک خاموش رہا پھر اس نے کہا۔ ”جھوٹے پردہ کیسے بچھا گیا۔“

”میں نہیں جانتی میں نے اسے چھوڑ کر آ نکھیں بند کر لیں مجھے یقین تھا کہ وہ نیچے گر جائے گا۔“

اس میں شک نہیں کہ وہ غیر معمولی صلاحیتوں کا مالک ہے۔ لیکن اس کے لئے غیر معمولی اقدامات ہی کرنا پڑیں گے۔ ”سونیا نے کوئی جواب نہیں دیا تھوڑی دیر کے بعد اکبر شاہ وہاں سے ٹھہ گیا۔ رات بھی گزر گئی اور دوسرے دن معصوم کے مطابق سفر شروع کر دیا گیا۔ پورا دن کسی خاص اہمیت کا حامل نہیں تھا شام کو انہوں نے جو جگہ قیام کے لئے منتخب کی وہ بھی نیا نگر کی روایت کے مطابق تھی ایک وسیع و عریض جمیل نظر آ رہی تھی جس کے اطراف سرسبز درختوں کا جھنڈ لگا ہوا تھا اور یہ جگہ کافی خوبصورت تھی۔ معمول کے مطابق تمام دوسرے دریاں پوری کی جاتی رہیں۔ شام آج کچھ لگ بھگ تھی رہا تھا کل بھی اس کا بھی رویہ تھا۔ یہاں تک کہ اس نے شیٹا کے ساتھ سفر بھی نہیں کیا تھا۔ پچھلے دن بھی وہ ایک ٹرک پر ہی سفر کرتا رہا تھا اور آج کا دن بھی اس نے ایسے ہی گزارا تھا۔ ایک دو بار سونیا نے دور سے اسے دیکھا شام کا چہرہ کچھ پھیکا پھیکا سا نظر آ رہا تھا سو یا آج تک یہ فیصلہ نہیں کر پائی تھی کہ شامی کے سلسلے میں اس کے دل میں فطرت کے علاوہ بھی کچھ ہے وہ بس اسے دیکھتی تھی۔ تمام کام جوں کے توں ہوئے اور پھر رات ہو گئی کھانے وغیرہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد اکبر شاہ نے جمیل کی جانب رخ کیا۔ اس کے ساتھ کئی دوسرے افراد بھی موجود تھے۔ آسمان پر پورا چاند نکل آیا تھا اور تیز روشنی بے سارے ماحول کو منور کر دیا تھا۔ شیٹا تو شاید اپنے خیمے میں آرام کرنے چلا گیا تھا لیکن اکبر شاہ کو اس چاندنی رات میں جمیل کا منظر بہ حد پسند آیا تھا۔ رفتہ رفتہ لوگ، اکبر شاہ کی طرف چارہ سبے تھے۔ جمیل کے کنارے چھپا خاصا مجمع جمع ہو گیا تھا۔ سب کے سب اپنے طور پر خوش گپیں کر رہے تھے پھر تھوڑی دیر کے بعد شامی بھی وہاں پہنچ گیا۔ اس پر کسی نے کوئی خاص توجہ نہیں دی تھی اور وہ بھی اسی طرح ایک گروہ میں چامیٹھا۔ سونیا اکبر شاہ کے پاس تھی اکبر شاہ نے سونیا سے کہا۔

”سونیا میں تمہیں فن حیرا کی کا ایک ایب کارنامہ دکھاؤں جو شاید کسی انسان کے لئے ممکن نہ ہو۔“ اکبر شاہ نے یہ لفظ کافی زوردار لہجے میں کہے تھے حقیقت سونیا کو بھی معلوم تھی اس نے پوچھا۔

”کیسا کارنامہ اکبر بھیا؟“

”فن حیرا کی میں، میں نے اپنا کوئی ٹائی نہیں دیکھا ٹھہروں میں تمہیں دکھانا ہوں کہ تیر کی کیا چیز ہے اور فن کیا ہوتا ہے۔“ اکبر شاہ اپنا لہجہ اتارنے لگا۔ اس نے اپنے ایک دوسرا تھیو کو بھی اپنے ساتھ شامل کر لیا تھا اس کے بعد اس کی ہدایت پر اس کے ساتھی اس کے ہاتھ اور پاؤں باندھنے لگے۔ انہوں نے رسی سے اکبر شاہ کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے۔ پھر اکبر شاہ نے کہا۔

”میرے پیروں میں وزنی پتھر بھی باندھ دو۔“

”اکبر بھیا کیا کر دے گا تم؟“

”اس کے بعد یہ لوگ مجھے اس حیل میں پھینک دیں گے اور میں بڑے اطمینان سے رندہ سلامت حیرتا ہوا اس میں سے گل آؤں گا۔ میں چیلنج کرتا ہوں یہاں موجود ہر شخص کو کہ میری طرح کا یہ کارنامہ کر کے دکھا دے۔“

سب لوگ اکبر شاہ کی طرف متوجہ تھے شارق بھی لگ نہیں تھا اور خاموشی سے ایک طرف کھڑا ہوا تھا۔ اکبر شاہ نے جن لوگوں سے ہاتھ پاؤں بندھوائے تھے ان میں کچھ خصوصی ہدایات بھی دے دی گئی تھیں اور انہوں نے پوری احتیاط کے ساتھ ان ہدایات پر عمل کیا تھا۔ اکبر شاہ کے پاؤں میں وزنی پتھر بھی باندھ دیئے گئے اور اس کے بعد وہ لوگ اسے پانی میں پھینکنے کی تیاریاں کرنے لگے سونیا نے لبثہ پریشان لہجے میں کہا تھا۔

”اکبر بھیا یہ بہت خوفناک بات ہے کہیں۔ کوئی نقصان نہ پہنچ جائے نہیں۔“ جواب میں اکبر شاہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ پانی میں گرتے ہی اس کے ہاتھ رسیوں سے آزاد ہو جائیں گے۔ رسیاں حاصل انداز میں بہت ڈھیلی باندھی گئی تھیں اور اس کے لئے اس نے اپنے ساتھیوں کو ہدایت کر دی تھی۔ یہی کیفیت پیروں کی بھی تھی ایک ذرا سے جھٹکنے سے رسیوں کے وہ پھندے کھل سکتے تھے جن میں وزنی پتھر بندھے ہوئے تھے۔ اکبر شاہ کو کسی نقصان کا اندیشہ نہیں تھا۔ اس نے ایک خاص منصوبے کے تحت یہ تمام کارروائی کی تھی۔ تمام لوگ حیل کے کنارے جمع ہو گئے اور اس کے بعد چند افراد نے اکبر شاہ کو تھکرا پانی میں پھینک دیا۔ اکبر شاہ ابتدائی مرحلے کے طور پر حیل کی گہرائیوں میں اترتا چلا گیا۔ پلک جھپکتے ہی نے اپنی ٹانگیاں آزاد کر لیں اور اس کے فوراً بعد ہی پیروں سے پتھر بھی کھول دیئے، پتھر کھلنے کے ساتھ ساتھ ہی اس کے پاؤں بھی آزاد ہو گئے تھے۔ بہت معمولی سا کام تھا مگر رسیاں سخت ہوتی تو اس کے فرشتے بھی اپنے آپ کو ان سے آزاد نہیں کر سکتے تھے لیکن ایک اُمید پر اس نے یہ تمام کارروائی کی تھی۔ بہر طور جتنا وقفہ وہ پانی کی تہ میں گزار سکا تھا اس نے گزارا، خود سونیا کو بھی اس منصوبے کی حقیقت معلوم نہیں تھی۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد وہ پانی کی سطح پر بلند ہو گیا اور کنارے پر کھڑے ہوئے حیرت پریشان لوگوں کے حلق سے خوشی کی جھپٹیں نکل گئیں۔ اکبر شاہ حیرتا ہوا کنارے تک آ گیا تھا لوگوں نے اس کی تعریف و توصیف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے اور اکبر شاہ مسکرا کر فریاد لگایا ہوں سے ادھر ادھر دیکھے لگا پھر اس نے کہا۔

”کم، کم، کم اس کام میں میرا کوئی مد مقابل نہیں ہے فن حیر کی میں نے کمال حاصل کیا ہے۔“ اور اکبر شاہ کے دل میں اس وقت خوشی کی مہر میں پھوٹ اٹھیں جب شارق نے آگے بڑھ کر بڑے محبت بھرے انداز میں اس سے کہا۔

”کبر بھی مجھے چار سہ دو تو میں بھی یہی سب کچھ کر کے دکھاؤں۔“

”گردنگی سے دشمنی ہے تو تم ضرور کوشش کرو یہ مچھل کو اکا کام نہیں ہے جو آسانی سے کر لیا جائے پانی کا اپنا ایک الگ مسئلہ ہوتا ہے۔ میں تو تمہیں جائز نہیں دوں گا ہاں اگر تم اپنی مرضی سے یہ کارنامہ بھی سرانجام دینا چاہو تو مجھے اعتراض بھی نہیں ہوگا۔“

”میں کوشش کرنا چاہتا ہوں اکبر بھی میں نے آپ سے کہا تھا نا کہ میں ہر وہ کام سیکھنے کی صلاحیت رکھتا ہوں جو دو تین بار میری نگاہوں کے سامنے گزر جائے۔ میں اپنے اس دعوے کو ج کر کے دکھانے کا خواہشمند ہوں۔“

”غلام مجھ پر نہیں ہوگا میں ایک بار پھر تمہیں اس سے منع کر رہا ہوں۔“ اکبر شہزاد نے کہا۔

”لڑکی کوئی بات ہی نہیں ہے میں اپنی مرضی سے یہ سب کچھ کر رہا ہوں۔“ سو نیا سر دنگا ہوں سے اسے دیکھ رہی تھی، اکبر شہزادے طنز یہ انداز میں کہا۔

”لیکن اس سلسلے میں تمہارے ساتھ کوئی رعایت نہیں برتی جائے گی۔ مسٹر شارق تمہارے ہاتھ پاؤں میں باندھوں گا۔“ وہ مسکرا کر خاموش ہو گیا۔

کبر شاہ نے ہاتھ پاؤں باندھے وہ کوئی کسر نہ چھوڑی پھر پیروں میں ورنی پتھر باندھ کر چند لوگوں کی مدد سے شارق کو جھیل میں چھل دیا گیا۔

تمام نکالیں جھیل پر جم گئیں اور لوٹ دم سادھے انتظار کرنے لگے۔ کسی نے غلام شاہ کو نہ دیکھا تھا جو خود بدس جاہ کی مدد سے پیٹھ پر بیٹھ کر دبار پہنچ گیا تھا۔

ایک منٹ، دو منٹ، اور پھر پانچ منٹ گزر گئے اور وہ سطح پر نہ ابھرا۔ جیسی غلام شاہ کی آواز نے انہیں متوجہ کر لیا غلام شاہ صورتحال معلوم کر رہا تھا۔

پھر حقیقت معلوم ہونے کے بعد وہ دھواں دار کرسی دھکیلتا ہوا کنارے پر آ گیا اکبر شہزادے کے اوسان خطا ہونے لگے تھے۔ غلام شاہ قہقہے باندھے جھیل کی

طرف دیکھ رہا تھا۔ پورے پندرہ منٹ ہو گئے تو اکبر شاہ ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولا۔ ”میں نے اسے منع کیا تھا شیخا لیکن۔“

”کوئی بات نا ہے بھائی۔ غلام شاہ بولا دوسرے لوگوں کے منہ سے پھر آوازیں نکل گئیں۔ وہ تیرتا ہوا کنارے پر آ رہا تھا چند لمحات کے

بعد وہ مسکراتا ہوا ہر آ گیا اور اس نے غلام شاہ کو دیکھ کر کہا۔

”میں جھیل کی گہرائیوں سے تمہارے لئے ایک تختہ لایا ہوں شیخا، دیکھو اس نے یک چمکتا ہوا پتھر شیخا کی طرف بڑھا دیا۔ ہیرا ہے بے داغ اور

خوبصورت۔“

”رے ہی تو کہاں سے مل گا رے۔“ غلام شاہ نے حیرت سے کہا۔

”میں نے پانی میں اپنے ہاتھ پاؤں کھولے شیخا بھر سوچا کہ دیرانے کی اس جھیل میں ذرا نیچے اتر کر تو دیکھوں کیسی ہے جب یہ مجھے گہرائی میں چمکتا نظر آیا اور میں اس کے ہارے میں معلوم کرنے نیچے پہنچ گیا گاڑھی کیچڑ سے اسے نکالنے میں کافی محنت کرنی پڑی مگر میں نے بھی سوچا کہ ویرانوں کا تھکا ہوا شیخا کے لئے ضرور لے کر جاؤں گا۔ یہ تہہ ری نظر۔“ اس نے ہیرا شیخا کی گود میں ڈال دیا۔ پھر اکبر شاہ کی طرف رخ کر کے بولا۔ ”میں نے شرط پوری کر دی۔ اکبر بھیا۔“ کوئی کچھ نہ بولا تھا پھر وہ جھیل کے کنارے سے واپس چل پڑے۔ غلام شاہ سوچا اور اکبر شاہ کے ساتھ جیسے میں آ گیا۔ پھر اس نے اکبر شاہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”اور کوئی کوسس کرنی ہے اکبر اکرے۔ بنو کر لے۔ پر جب ہم کہتے ہیں کہ تو اوکا بنا، رستہ کتنی بے چینی ہے تم دوئی بھائی بس کو دو کا کھتم کرنے کی۔“ ہم تو ہارنی ساری چندگی تھج کی اور تم ہارے ایک مہمان کو نابرواشت کر سکے۔ دوکات بتائی دئی تم نے ہمیں واہ رے ہارے کھونا۔“

”مگر شیخا۔“

”گالی دوں سیکھا کو جھوٹ بول کر او دہنائی دو ہکا۔ ایسی ہی گجور نچر ہوئی بنو اتو تم سب کا ناستہال سکت رہے ہم۔ او ہیں ہم اتنا نا سمجھ سکت نہ کہ سوئی نے جاں بوجھ کر اس کے ہاتھ چھوڑے تھے او آج آج۔“

”شیخا وہ ہماری عزت سے کھیل رہا ہے۔ سوئیہ کے غیصے میں گھس کر وہ اظہار عشق کرتا ہے۔“ اکبر شاہ نے کہا۔

”انسان رہے بھیا۔ سب کا دل ہووے ہے۔ سوئی کی مرجی کے بنا اور کا کر سکت ہے اور پھر کچھ روج کی بات تھی ہم کہتے ہیں تو اس کا کھونا کھراپ ہا رہے ایک بات بتائی دے دے سوئی ہاتھ او چھوٹی رہے۔ او تو ہار کبھی بول بتایا کری رہے تو کھوں کری ہے ہم وا کا اپنے ہاتھ سے بول جا بوب دے جا بوب دے۔“

”شیخا۔“

”ارے ہمارا اپنے اس دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر دوئی دھکھ ہماری جانا لینے کی کوسس کری ہے۔ جھوٹے کی رسیاں کاٹ کر ادا کا ہم پر گرائی رہے او پانچ ساٹھ پھینکتا رہے ہم پر پیسے اسے کھرید کر سنو ریا سے صبر کرت رہے تھ اوئی سر تو گیر رہے۔ ہم نے او سے چنا بدلتا ئی رے سوا کی کر دی کھ موسی سے ان دوئی کی۔ دل سر پانگل کر دی ہے انسان کو یہ چندگی لینے کا جب تو نہیں کسی کو بڑی محنت دار وہیں۔ اور سر رقم دوئی کاں کھول کر سن لو اچھی طرح سن لو بہت ہو گئی اب کوئی ور کو سس نا کر دے تم لوگ ہماری بھی محنت ہے ہمارا بھی جب ہے۔ اس سر کس پر او ہا رہا مہمان رہے اوکا کوئی

بال بکا کرے گا تو ہمارے دشمن ہوئی اور اس سے پہلے ہم ایسا نہ کی ہے اب کیسے رہیں ہاں۔“ غلام شاہ کرسی دکھایا ہوا خیمے سے باہر نکل گیا۔

اکبر شاہ اور سوہیا سناٹے میں تھے۔ غلام شاہ چلا گیا تھا لیکن اس کے الفاظ کی ہر گشت نہیں سنائی دے رہی تھی۔ سالوٹی اور ہار کے پارے میں نکشف نے انہیں شدید کر دیا تھا۔ پھر اکبر شاہ خاموشی سے اپنی جگہ سے اٹھا اور سوہیا کے خیمے سے نکل گیا۔ سوہیا جس دی تھی۔ اس تنہائی نے اسے بے چین کر دیا اسے چاروں طرف شارق کے بھوت نظر آ رہے تھے۔ اور وہ کانٹوں کی ایک گولہ داہو گیا تھا۔ جس میں بھی چند کھات کے لئے پسندیدگی کے تاثرات ابھرتے تھے۔ اسے گلاب کے وہ پھول یاد آ رہے تھے جنہیں دیکھتے ہوئے اس نے کچھ کہا تھا وہ کچھ جو سے پسند آتا تھا لیکن بعد میں دل کی آواز اور خود پسندی نے سب کچھ اس کے دامن سے نکال دیا تھا۔ اسے سب کچھ یاد آ رہا تھا لیکن۔ لیکن وہ کے ان دروازوں کو کھل بھی تو نہیں چھوڑ سکتی تھی شیخا کے احوال۔

ساری رات گزر گئی۔ اس رات نہ جانے کس کس نے رات جگا مٹایا۔ علی الصبح روگلی کی تیاریاں شروع کر دی گئیں اور سورج نکلنے زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ قافلہ آگے چل پڑا۔ شیخا کا چہرہ پر سکون تھا رات کے کچھ اثرات اس کے چہرے پر نہ تھے۔ پیڑ ٹیپے والے سرسبز و شاداب نظر آئیں اور سب کی نظریں اسی طرف ٹھہ گئیں کیوں گاڑیاں اسی پگڈنڈی کے راستے اسی طرف آ رہی تھیں۔ غلام شاہ نے کہا۔

”ی کو میں تھا کہ گاڑیاں ہیں یا اور کوئی ہے؟“

”اسی طرف آ رہی ہیں شیخا کہو تو رک کر انتظار کریں۔“ گلاب خان نے کہا۔

”ہاں کہو رک جاؤ۔“ شیخا نے کہا اور اس کی ہدایت پر ساری گاڑیاں رک گئیں سب آنے والوں کو دیکھ رہے تھے نہ جانے وہ کون تھے؟

آنے والوں نے بھی شاید انہیں دیکھے ہوں تھے۔ ویسے بھی اس کا رخ اسی سمت تھا کیونکہ وہ جس پگڈنڈی پر سفر کر رہے تھے وہ آگے آ کر اسی پگڈنڈی سے مل جاتی تھی جس پر سرکس کی گاڑیاں سفر کر رہی تھی۔ تاہم انہیں سرکس کی گاڑیوں تک آنے میں دیر لگی تھی۔ غلام شاہ اور اس کے ساتھ بنو رانا گاڑیوں کا چارہ لے رہے تھے۔ دونوں بچوں میں سے ایک جیب آگے نکل آئی اس پر کئی افراد سوار تھے۔ ایک تو منہ شخص جس نے بہت قیمتی لباس پہنا ہوا تھا ایک سرخ و سفید لوجن جو جدید ترش کے رنگیں لباس میں ملبوس تھا ایک کافی خوبصورت لڑکی جس نے ہزارے کی جینٹ اور پتلون پہن رکھی تھی۔ مزید تین افراد جو چاقی وچہ بند نظر آ رہے تھے۔

تو منہ شخص نے ان گاڑیوں کا چارہ لیتے ہوئے کہا۔ ”قالہا یہ سرکس ہے، میں اس سرکس کے کسی سربراہ شخصیت سے ملنا چاہتا ہوں۔“

”ہات کر اس سے اکبر“ غلام شاہ نے کہا اور اکبر شاہ و غلام شاہ کی جیب سے نیچے تر آیا۔ دوسری طرف سے دراز قاسم شخص بھی نیچے تر اور

اس کے ساتھ باقی لوگ بھی صرف خوبصورت لڑکی اور سرخ و سفید لوجن جیب میں بیٹھے رہے تھے۔

”ہیلو“ تو سب شخص نے پنا چوڑا ہاتھ مٹانے کے لئے بڑھاتے ہوئے کہا۔

”ہیلو“ اکبر شاہ نے اس سے مصافحہ کیا۔

”میرا نام راج پال بھد ہے۔ لوگ مجھے بھلا صاحب کہہ کر پکارتے ہیں۔“

”میرا نام اکبر شاہ ہے۔“

”یقیناً یہ سرکس ہے۔ شیر، گھوڑے، بندر، رینگھ وغیرہ اور پھر یہ سارے سامان آپ کا سرکس بہت بڑا معلوم ہوتا ہے۔“

”شکریہ آپ کون ہیں؟“

”ظلمیں بنانا ہوں، بہت سی ظلمیں بنا چکا ہوں۔ اپنی ٹی ظلم کی شوٹنگ کے لئے یہ نگر جا رہا ہوں۔ وہاں میں شہا کروں کی زندگی پر کچھ مناظر فلک بنا چاہتا

ہوں میرا پلانٹ آگے جا چکا ہے اور میں کچھ دوسرے ضروری امور نمٹانے کے بعد اب اپنے پلانٹ کے پاس جا رہا ہوں۔ آپ لوگوں کے مل جانے

سے بہت خوشی ہوئی ہے۔ یہ علاقے بہت پر اسرار اور بے حد دلکش ہیں۔ آپ لوگ شاید یہ نگر کے میلے میں اپنا سرکس لگائیں گے۔“

”ہاں جی ارادہ ہے۔“ اکبر شاہ نے کہا۔

”بہت خوشی کی بات ہے کیونکہ میر بھی یہاں کافی عرصہ قیوم رہے گا۔ اچھا ہے ساتھ رہے گا۔ ویسے معاف کیجئے گا شاہ صاحب آپ سرکس کے مالک ہیں؟“

”نہیں! سرکس کے مالک غلام شاہ صاحب ہیں، وہ جو جیب میں بیٹھے ہوئے ہیں۔“

”تو پھر آئیے ان سے ہمارا تعارف کرا دیجئے۔“ بھلا صاحب نے کہا اور خود جیب کی طرف بڑھ گیا۔ اکبر شاہ نے اس کے ساتھ قدم بڑھا دیئے

تھے۔ جیب کے قریب آ کر اکبر شاہ نے کہا۔

”یہ رام پال بھد ہیں۔ ایک ظلم کمپنی کے مالک۔ یہ نگر میں اپنی ظلم بنا رہے ہیں اور شوٹنگ کرنے اس طرف آئے ہیں اور بھلا جی یہ غلام شاہ ہیں اس

سرکس کے مالک۔“

”اوپر چڑھ آئی بھائی رہے، ہمارے سر قتلہاں بنا رہیں، ای وی دے ہم نیچے نا اتری ہے۔ آ جاہیر تو کا تکلیف تو ہوئی ہے۔“

”وہ دیر کی چیز۔ غلام شاہ صاحب۔ مگر یہ ناموجود نا لگیں بتاتی ہیں کہ آپ سرکس کے ایک عظیم وکٹا رہوں گے۔ شہ سواری کی شان چلتی ہے آپ

کے چہرے اور بدن سے۔“ بھلا صاحب نے جیب میں چڑھ کر غلام شاہ سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ دوسرے لوگوں نے نہیں جگہ دے دی تھی۔

”وے کارے بھائی۔ بس، لک کی مرچی۔“ غلام شاہ نے کہا۔

”اگر آپ اجازت دیں شاد صاحب تو ہم اس سفر میں آپ کے ساتھ ہو جائیں جہاں تک آپ چاہیں ساتھ رہیں اس کے بعد اپنے راستے اپنا کام۔“
”جرور بھائی بھلا جرور ہنکا کا اعتراض ہوئی ہے؟“

”آپ ایک آئیڈیل شخصیت کے، لک ہیں۔ میں آپ سے بہت متاثر ہوں۔ ویسے ہمارا رتھ رقب ہو گیا ابھی سفر کے لئے بہت دقت ہوتی ہے دور ہم راستے میں رک گئے ہیں۔ کیا خیال ہے آگے بڑھیں اس کے بعد ساتھ ساتھ قیام ہوگا اور بہت سی باتیں ہوں گی۔“

”بڑھیا رہے۔“ غلام شاہ نے کہا اور بھلا جیب سے اتر آیا۔ پھر وہ اپنی جیب میں پہنچ گیا اور غلام شاہ نے گاڑیاں آگے بڑھانے کا حکم دے دیا۔
سرکس کی گاڑیوں کے پیچھے بعد کا ٹرک اور جیتھیں چل پڑی تھیں۔

”سر یہ آدمی معلوم ہووے ہے۔“ غلام شاہ نے تبصرہ کیا۔

”جیتھیں برکوں لگتا ہے شینا۔“ گلاب خان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اکبر شاہ نے خاموشی ہی اختیار کی تھی۔

”ایک تو سر قمر چاروں کے چھوکرے اپن آپ کو داتا تجربہ کار سمجھے رہے رہو کہ کچھ سمجھ ماں نا آوے ہے۔ ارے ہم پوچھتے ہیں دنیا کی ہی بری لگے ہے ترکا تو جینے کی کا جرورت رہے مر جاؤ سر۔“ غلام شاہ نے چبلا کر کہا۔ گلاب خان پھر کچھ نہ بولا۔

گاڑیاں سفر کرتی رہیں اور پھر شام تک آئی۔ ایک صاف مقرر امید ان قیام کے لئے منتخب کر لیا گیا۔ سرکس کی گاڑیاں معمول کے مطابق رک گئیں اور ان سے سامان ہمارا کر چند خیمے لگائے جانے لگے جو ضروری ہوتے تھے بھلانے درمیان میں کچھ قاصد رکھا اور اس کے آدمی بہت خوبصورت

چھوٹا لڑکے نصب کرنے لگے۔ بھلا صاحب کے آدمی تو بڑی دیر کے بعد فارغ ہو گئے تھے۔ غلام شاہ وکیل جیٹر پر آ گیا اور پھر ان لوگوں کا چارہ لے کر وہ بھلا صاحب کے خیموں کی طرف چل پڑا۔ بھلانے دور سے اسے دیکھ رہا تھا اور وہ خود آگے بڑھ آیا۔

”آپ غلام شاہ صاحب۔ آپ لوگوں کے اس طرح مل جانے سے ایک الونگی خوشی کا حسس ہو رہا ہے۔“

”حیرا سر یہ بھائی۔ بھلا سنا حیرا یہلم کہنی کیسی چل رہا ہے۔“

”وہ ہے بھگوان کی، بس یہ تو زندگی کے تھیل ہیں۔ یہ نئی فلم جو بنا رہا ہوں اسٹوروں کی زندگی پر ہے مگر عام ڈگر سے ہٹ کر۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس میں ہر قسم کے مناظر ہیں۔ ایکس فائنٹ سوگ اور یلہ پڑا مگر سب ضرورت کے مطابق ہیں۔ بھرتی کی کوئی چیز نہیں ہے۔ میں نے کوشش کی ہے

کہ جو سب بھی پیش کروں وہ غیر ضروری نہ معلوم ہو۔ ویسے غلام شاہ صاحب آپ نے بہت بڑا سرکس بنایا ہے۔ اتنا سا زور سامان آپ نے جمع کیا

ہے۔ میٹھا رافراد ہیں آپ کے ساتھ آپ کی ہانف تو بڑی ایڈ وچر، گف ہوگی۔“

”ارے بھائی بھیسے۔ اسی سرانگرچی کے بغیر کام نا چلت ہے کا تیرا۔ دیکھ رے بھائی ہم ان پڑھ جا مل ہیں۔ ہماری تیری پاری مگرچی کے گیر تو مل سکت ہے نہ تو اپنی حیر نا بھیجے گی۔“

”معنی چاہتا ہوں شاہ صاحب۔ آجے میں آپ کو اپنے ساتھیوں سے ملاؤں۔ آجے۔“ بھلانے خود پیچھے آ کر غلام شاہ کی جینر سنہال لی۔

”ارے ناہیر ہم ڈھکیل لئی ہمارا جوڑ سے مجبور ہیں تو کا ہے سرمنہ کر سے ہے ہمیں۔“

”مجھے یہ خدمت کر کے خوشی ہوگی شاہ صاحب۔ آؤ کنور جیت ان سے ملو یہ غلام شاہ صاحب ہیں۔“ بھلانے اس نو جوان کو دیکھ کر کہا جو رنگین لباس میں ملبوس بھد کے ساتھ جیب میں میٹھا تھا۔ کنور جیت نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔

”یہ میری نظم کے پیرو ہیں شاہ صاحب۔“

”جیتے رہو بٹوا۔“

”اور وہ ہماری پیروئن مس راج کمار ہیں۔“ بھلانے اس خوبصورت لڑکی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”ایک آئیڈ یا میری ذہن میں آ رہے۔ بھلا صاحب۔“ کنور جیت بولا۔

”کیا؟“

”س کہانی میں سرکس کے مناظر کی بہترین گنچائش نکل سکتی ہے۔ فنی فقیر مان موجود ہیں کسی مناسب جگہ سرکس کا مظہر ڈال دیں گے۔ قلم میں جاں پڑ جائے گی۔ ہم شاہ صاحب ہمیں اپنے سرکس میں شوٹنگ کی اجازت ضرور دے دیں گے۔“

”آئیڈ یا شاہ ار ہے۔“ بھد صاحب نے کہا۔

”بلکہ میں تو کہتا ہوں راج کمار کی کو فرار کے دوران آپ سرکس میں دکھائیں۔ نطف آ جائے گا۔ شاہ صاحب کے ساتھ لڑکیاں بھی ہیں کوئی بھی ڈی مل جائے گی۔“

”بھئی یہ باتیں بھد میں ہو جائیں گی۔ شاہ صاحب کے لئے کچھ مل پان کی بندوبست تو کرو۔“

”مارے بھائی بھیسے۔ کنور جیت نا ہے پھر کبھی سکی اور سن بھائی تو کا کا نو جیرورت نہ رہے تو ہکا کی بتائی دے۔ بھر میں ایک دوسرے کا ساتھ دیا ہی جا دے ہے۔“ اسی شاندار جگہ ماری جی بھی وہاں آ گئی تھیں۔

”راج جی۔ میں نے بھلا صاحب سے کہا ہے کہ وہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر قلم میں سرکس کے کچھ سین بھی ڈال دیں۔“ کنور جیت نے کہا۔

”کیا حرج ہے مگر سرکس تو بھی سڑ میں ہے۔“ راج بھکر ری نے کہا۔

”اس کا بھی کوئی بندوبست ہو جانے کا لیکن میرے خیال میں اس سے کہانی میں بالکل نیا پن پیدا ہو جائے گا۔“

”شاہ صاحب، آپ کون سے علاقے میں سرکس لگائیں گے میلہ شروع ہونے میں تو، بھی بہت وقت ہے۔ ویسے میلہ آزاد علاقے میں لگتا ہے جہاں پورے نیا نگر کے باشندے آتے ہیں آپ صرف میلے میں شرکت کریں گے یا اس سے پہلے سرکس لگا دیں گے؟“

”پہلے کھوینا مگر نا آت جو، معلوم کری ہے کہ کاتھیک رہے۔ ٹھہرا سے اجا جت بھی لیتی ہونے گی۔“ عہد شاہ نے کہا۔

”آپ پہلی بار نیا نگر آئے ہیں؟“ بھلا صاحب نے پوچھا۔

”ہاں پہلی بار۔“

”تب تو نیا نگر آپ کو بہت عجیب لگے گا۔“

”تو پہلے ادھر آئی رہے بھائی بھلے؟“

”ہاں شاہ صاحب۔ صرف ایک بار، ٹھہرا کر جگت سنگھ سے میرا ایک معاملہ تھا اس کے کام سے آیا تھا اسی دوران نیا نگر دیکھا اور دل میں فیصلہ کیا تھا کہ اپنی کسی قلم کی شوٹنگ یہاں کروں گا۔“

”تب تو میری جاں بچا ہوتی ہے ٹھہرا سے؟“

”صرف ٹھہرا کر جگت سنگھ سے، ویسے میری ان سے ملاقات ہوگی شاہ صاحب آپ کو کوئی دقت پیش آئی تو اطمینان رکھیں میں ٹھہرا کر صاحب سے کہہ کر دور کر دوں گا۔ وہ بہت مجھے امان ہیں۔ جہاں تک اجازت کا سوال ہے آپ بے فکر ہو جائیں وہ آسانی سے حل جائے گی۔“

”تیرا سکر یہ۔ اب چلی ہے۔ جڑا دیکھیں اوئی لوگ کا کرت ہیں۔“ غلام شاہ نے کہا اور وہیل چیئر کا رخ بدل دیا۔

سرکس والے اپنے کاموں سے غارغ ہو گئے تھے اور ان کی نظریں قلم کہانی والوں پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ انہی لوگوں کے ہارے میں باتیں کر رہے تھے۔ بہت سے نوجوان قلموں سے متاثر تھے، اور اس کی بات کر رہے تھے۔ ایلا خاں کو آج دوپہر کے بعد عجیب سا احساس ہو تھا وہ یہ کہ اکبر شاہ اس سے

کچھ کمڑا کمڑا سا ہے۔ کوئی بات نہ تھی ممکن ہے غلط فہمی ہو۔ اس وقت یار نے خصوصاً اکبر شاہ کو مخاطب کیا اور پوچھا۔

”جنمینی ٹا کیز نے ایک قلم چاہی تھی اکبر بھیا اس میں سرکس ٹیٹل کیا گیا تھا کیا تمہیں یاد ہے؟“

”نہیں۔“ اکبر شاہ ہماری آوار میں چلا۔

”مگر ہمارے سرکس کی فلم میں پیش ہو جائے تو کیسا رہے۔“ ایاز نے پوچھا۔ اگر اکبر شاہ خاموشی سے وہاں سے چلا گیا۔ اس بات کو دوسروں نے بھی محسوس کیا تھا۔ یار خان تو حیران ہی رہ گیا تھا۔ بہر حال کسی نے اس بات پر تبصرہ نہیں کیا اب اسے بہت پریشان تھا سانولی سے اس نے ضرور کہا۔

”سانولی اکبر بھیہ کو کیا ہو گیا؟“

”کیا ہوا ہے اسے؟“

”مجھ سے کچھ ملتا ہوا ہے۔“

”پوچھ لیتے، کوئی وجہ ہوتی ہے کیا۔“

”کوئی بات مجھ میں تو نہیں آ رہی۔ پوچھوں گا، دیسے میں فلم اور سرکس کی بات کر رہا تھا۔“ دیر تک دونوں اس پر تبصرہ کرتے رہے تھے مگر کوئی بات مجھ میں نہیں آتی تھی مگر روشیوں مجھ تکس پس ردش ہو گئے اور رات کے کسی جیسے میں آسمان پر بادل بے شب خون مار اور بارش شروع ہو گئی۔ دن میں بارش کا نام دنشاں بھی نہ تھا اس لئے اس سے بچاؤ کا کوئی نظام نہیں کیا گیا تھا۔ خیمے بھی عارضی قیام کے لئے چند لگائے جاتے تھے باقی لوگ کھلے آسمان کے نیچے ہوتے تھے چنانچہ آسمان سے اچانک ہونے والے پانی کے حملے نے بھگدڑ مچا دی اور سرکس کے کارکن عوش منب لپٹے ہی بارش سے بچاؤ کے انتظامات کرنے لگے۔ ادھر شیروں نے دھاڑنا، ہاتھیوں نے چنگھڑنا اور بندروں نے خوشیاں شروع کر دیا تھا۔ بندروں نے دھمکا چوکڑی مچا کر آسمان سر پر اٹھایا تھا۔ سامنے بھلا صاحب کے آدمیوں نے بھی روشیوں جلا دی تھیں اور انتظامات کرنے لگے تھے۔ ان سب کام خیزیوں میں غلام شاہ کے گھن گرج تھپتھپا بھر رہے تھے۔

”ارے تو ہمارا حرام کھورا کی۔ ارے وہ رے بھائی رے۔ سب کے سب ہنجرے توڑ دلا گئے رے۔ ارے اوکی سوتیا، اکبر ارے، ارے چاکا پانی چڑھائی دے رہے گرم گرم چا۔ ہمارے بھادے جی ہے۔ ارے اوکی بھلے۔ ادھر او آ جا رہے چابن رکی ہے۔“ غلام شاہ بچوں کی طرح خوش ہو رہا تھا اور اس کی آوازیں دور تک جا رہی تھیں !

”آپ کو آواز بھی دے رہا ہے بھلا صاحب۔“ کنور جیت نے کہا۔

”کیا خیال ہے ملیں۔۔۔؟“ را بھاری بولی۔

”بھیک جاؤ گی بری طرح، برداشت کر سکو گی؟“

”مجھے پانی سے نزلہ ہو جاتا ہے۔“ کرا بھکاری نے کہا۔

”تم نہ جاؤ تو بہتر ہے۔ کتور برساتیاں نکلوسو ڈھلچلتے ہیں اس بارش میں اب سوئے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔“

دوسری طرف سرکس کے کارکنوں نے ہر چیز ڈھک دی۔ وہ محفوظ ہو کر بیٹھ گئے۔ چائے کی دیگ چڑھ گئی تھی اور چائے تیار ہو رہی تھی۔ غلام شاہ اور کبیر شاہ نے بھلا صاحب اور کتور حیت کو آتے دیکھا۔ غلام شاہ چیخ کر بولا۔

”ارے ارے سہری چوہو۔ اللہ کی رحمت سے بچت رہو۔ بھائی کا چدر لپیٹ رہو۔ ارے بارش ہاں بھگوان کی ہے۔“

”ہم آپ کی طرح مضبوط نہیں ہیں شاہ صاحب۔ کوئی سائے دار جگہ بتائیے۔“ بھلا صاحب نے کہا۔

”تو پھر آئی جاؤ تہو میں۔“ غلام شاہ نے کہا اور اپنے نیچے کی طرف بڑھ گیا۔

”سوری شاہ صاحب آپ کا بارش کا مڑا بھی خراب کیا۔“

”نار ہے بھائی بھلے۔ کھوب نے نئی ہے اب چاکی ضرورت ہے ابھو آئی جات۔“

”آپ کے سرکس کے سارے لوگ زندہ دل ہیں۔ بارش سب کو ہی پسند معلوم ہوتی ہے۔“

”ایک ہی قید ہے ہمارا۔ سب رے بچپن کے ساتھی ہیں ایک دوسرے کے، بڑا کرم ہے۔“ کا۔

”میں نے کئی بار سرکس پر فلم بنانے کے بارے میں سوچا مگر کسی سرکس سے کوئی پہچان نہ تھی۔ کسی زمانے میں ایک سرکس دیکھا تھا اس کے بعد موقع نہ مل سکا اس میں بھی میرے بڑے بھائی لے گئے تھے کیونکہ سرکس ان کے کسی پارسی دوست کا تھا۔“

”پارسی۔۔۔“ غلام شاہ اچھل پڑا۔

”ہاں شاید انگلش سرکس کہلاتا تھا وہ۔“ بھلا صاحب نے کہا مگر رات کی تاریکی میں وہ غلام شاہ کا سرخ چہرہ نہ دیکھ سکا تھا۔ غلام شاہ کے منہ سے آواز نہ نکل سکی تھی۔ بمشکل تمام اس نے کہا۔

”انگلش سرکس۔۔۔؟“

”ہاں آپ کو تو معلوم ہوگا اس کے بارے میں، مگر پرانی بات ہے۔“

”ماغی نام رہے سرکس کے، لک کا۔۔۔؟“

”ہاں! یقیناً میں نے کہا نا، آپ کی ناک کی بات ہے آپ ضرور جانتے ہوں گے۔“

”اوتی سرکس اب کہاں رہے بھائی۔“

”اب کیا معلوم شاہ صاحب۔ ویسے مانجی مر گیا تھا۔ یہ بات مجھے معلوم ہے بڑے بھائی نے بتائی تھی۔“

”در پٹہ روا۔“ غلام شاہ اپنے اختیار بولا۔

”کون۔“

”اوتی حرام کھور پٹہ روا۔ اوتی حرام کھور۔“ غلام شاہ کی غصہ ابھری۔

”اس نام کے کسی آدمی کو میں نہیں جانتا۔ آپ کا کوئی آدمی تھا۔“

”ہاں رہے۔ ہمارا ہی آدمی رہے اور۔ بڑی ضرورت ہے۔ وکی۔ تو ہار بڑے بھیہا کہاں رہت رہیں بھائی بھسے۔“

”وہ بھی اب اس سنسار میں نہیں رہے۔“

”کو نو پڑ چل سکتی اس انگلیس سرکس کا۔“

”اب تو حویل عرصہ گزر گیا شاہ صاحب، ہاں بڑے بھیہا کے بچوں کے تعلقات تھے مانجی کے بچوں سے۔ ان سے شاید کچھ معلوم ہو سکے۔“

”وکی رہی بھائی۔“ غلام شاہ نے بے چینی سے پوچھا۔

”ولایت میں ہیں وہ۔ آپ کو اس سرکس سے بہت دلچسپی معلوم ہوتی ہے شاہ صاحب!“

”بڑی رہے بہت بڑی رہے بھائی۔ ایکا پڑ چل جاتی تے تو ہار بہت بڑا کام ہو جاتی ہے۔“

”میں کوشش کر سکتا ہوں شاہ صاحب۔“

”تو ہار پاؤں دھو دھو کر پئی رہے بھائی۔ ہماری جنگی پر تیری بڑی مہربانی ہوگی۔“

”آپ فکر نہ کریں۔ یہ کام میں ضرور کروں گا۔“ غلام شاہ نے کہا۔

”کہہ کرے گا بھائی۔“ غلام شاہ نے کہا اور بھلا مسکرایا۔

”پہلی فرصت میں شاہ صاحب مجھے آپ کا یہ کام کر کے بے حد خوشی ہوگی۔ ہم لوگ اپنی آبادیوں سے دور اس راہتی علاقے میں ہیں جہاں کی بے

شمار کہانیاں یا ہر کی دنیا میں گردش کرتی ہیں میں یہاں سے بہت سے مناظر لے جاؤں گا۔ آپ یہاں کے پے میں اپنے جو ہر دکھا ئے۔ ہم لوگ یہاں

سے فارغ ہونے کے بعد اپنی آہاریوں میں چٹنیس گئے اور پھر سب سے پہلا کام یہ کہہ کر اس کے اپنے چٹنیوں سے رابطہ قائم کر کے انگلیس سرکس کے

بارے میں معلومات حاصل کروں گا۔“

”ہارے بھائی۔ جے دل ماں اسید کی موسم جی جلائی دے رہے تیرا بھلا ہو بھائی۔“

”کوئی ایسی ہی اہم بات ہے شاہ صاحب جس کے لئے آپ اسنے سے چلن ہیں۔“ بھلا صاحب نے کہا۔

”ہاں ہیرا، ایسی ہی بات ہے۔“ غلام شاہ خندہی سانس لے کر بولا۔

اسی دور ان سوچا اندر آ گئی اس کے پیچھے سرکس کا ایک آدمی چائے کے برتن سنبھالے ہوئے تھا۔

”چائے شینا۔“ سونیا نے کہا، وہ بھی پانی میں بھجکتی رہی تھی اس کے خوبصورت بالی پانی سے بھیک کر چہرے پر جگہ جگہ چپک گئے تھے پاس بھی سرکس

بدن سے شرمندہ ہو رہا تھا۔ کنور جیت نے اسے دیکھا اور اس کے حواس پر بخلی سی گر پڑی۔ وہ سحر زدہ ہو گیا اس حسن بے مثال کے سامنے تو کوئی چراغ

ہی نہ جل سکتا تھا۔ خود بھن صاحب اسے دیکھ کر مسکور ہو گئے تھے۔ اور اس کے غاروں میں بنے دیکر اس کے سامنے کچھ تھے۔ وہ حسن شناس تھا اور انہیں

حسن کی پرکھ چکی چنانچہ ان کی آنکھوں میں خمین کے جذبات بھر آئے۔ اس دوران غلام شاہ بولا۔

”ہے سونی پٹا۔ جیو نہ بھیگو پانی ماں۔ بیمار پڑ جاتی ہے آتے بھی چاہی لے۔“

”باہر دوسرے لوگ بھی ہیں شینا میں ان کے ساتھ چائے پیوں گی بس تمہارے اور مہمانوں کے لئے لائی ہوں اور تو ضرورت نہیں ہے؟“ سونی نے کہا۔

”ناری۔ کا بھی رہے۔ پر بیٹی جیو نہ بھیگوتے۔“

”ٹھیک ہے شینا، موسم کی ہی نہیں ہوں۔“ سونیا نے کہا اور باہر نکل گئی۔ کنور جیت خیمے کے دروازے کو دیکھتا رہ گیا تھا۔

”اے بھائی بھلے چائے۔“ غلام شاہ نے کہا۔ ”اور سنے بھی بھائی کا نام رہے تیرا کنور جیت۔“ کنور جیت چنانام اس کر چونک پڑا۔ پھر اس نے آہستہ

سے کہا۔

”یہ تمہارے سرکس کی آرٹسٹ ہے غلام شاہ؟“

”نارے بھائی۔ اس سرکس ماں کو لو آرٹسٹ نار ہے۔ پھنکا کہہ سکت ہے تو۔ کا سمجھا۔“

”وہی کہہ رہا ہوں شاہ جی۔“ کنور جیت سنبھل گیا۔

”ہاں سو بہت بڑی پھنکا رہے۔ ہمارا بھتیجا بھی رہے۔ اب یمن دکھائی رہے کہ تو ہمارا کھانا ٹھہر سکتا ادا۔ پھر کئی بن جاتی ہے جھولا ہے۔“ غلام شاہ

خیر ہو بولا۔

”آپ کی بیٹی ہے وہ۔“ بھلا صاحب نے پوچھا۔

”ہاں بھائی بھلا۔ چچا چاروٹے جیسے رہے تھی ودنا۔ بہن بھائی جب سے ہم ام کا کر بچا اسے لگا کے پاست رہے۔ بڑے مر گئے تھے ہمارے 11 اور تو چاہی بھائی ساری ٹھنڈی ہوئی رہے۔“ غلام شاہ نے پٹی چائے اٹھالی اور کنور جیت نے بھی چائے اٹھالی۔ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔

چائے پینے کے بعد بھلا صاحب نے کہا۔ ”آپ کی چائے کا شکریہ شاہ صاحب اب ہمیں اجازت دیجئے۔“

”کون بات نا ہے بھائی بھئے تے یار بہن گیا ہے ہمارے۔ پر بھائی ہمارا کام نا بھوں حتی ہے آس بندھائی ہے سنے ہمارا۔“

”آپ فکر نہ کریں غلام شاہ صاحب۔ اگر بھلا صاحب آپ کا کام بھولی بھی جائیں گے تو میں نہیں بھوں گا بس آپ بے فکر ہو جائیں۔“ کنور جیت نے کہا۔ اور پھر وہ دونوں شیخا کے خیمے سے نکل گئے۔ کچھ فاصلے پر آ کر کنور جیت نے کہا۔ آپ یہ بات تسلیم کریں بھلا صاحب کہ انڈسٹری جو دکا شکار

ہے۔ اس پر صرف چند آرٹسٹوں نے قبضہ بنا رکھا ہے اور آپ لوگ ان کے اشاروں پر ناچنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ ہر کردار ٹکس دے دیا جاتا ہے خواہ اس پر سچے بندے۔ ہر شے میں یہی ہو رہا ہے آپ لوگ لاکھوں خرچ کرتے ہیں مگر آرٹسٹوں سے خوفزدہ رہتے ہیں کیوں آخر کیوں؟“

”کیا کہنا چاہتے ہو تم؟“ بھلا صاحب نے پوچھا۔

”بس یونہی خیال آیا تھا۔ آپ ایک نیند چڑھ گیا ہے ہیں مگر آپ کی ہیر وئن ایک ایسی نازک، اندام دو شیزہ ہے جسے تم ہواؤں سے ترلہ ہو جاتا ہے۔“

”بھئے آدمی، ہر شکاری ایک اچھی اداکار ہے۔ ورتم نے اس کی شہیت پر اعتراض بھی نہیں کیا تھا اب تک اس نے جو شٹ دیئے ہیں وہ برے نہیں ہیں اور پھر ہم فلم بنارہے جس میں صرف اداکاری کرنی ہوتی ہے۔“

”میرا یہ مطلب نہیں تھا بھلا صاحب، میں تو یہ کہہ رہا تھا کہ موضوع کی مناسبت سے کردار ضرورت تلاش کرنا چاہیے اگر صحیح انتخاب ہو جائے تو آپ تہنکہ چاہتے ہیں اب سرکس میں کام کرنے والی اس لڑکی کو کچھ لیجئے۔ ایک بار اسکرین پر آ جائے تو کیا ہو سکتا ہے آپ اس سے ناواقف نہیں ہوں گے۔“

”میں خود شہید ہوں، مگر تم خود سوچو کیا کیا جاسکتا ہے نیا مگر کے ناچا ہڑی عاقبہ میں تم کسی ہیر وئن کی تلاش میں آ سکتے تھے۔ بہر حال اس لڑکی نے مجھے بھی پریشان کر دیا ہے۔“

”تھوڑی محنت کر لیں بھلا صاحب، آپ کی یہ فلم سال کی بہترین فلم بن سکتی ہے۔“

”مجھے مشورہ دو۔“ بھلانے برساتی تار تے ہوئے کہا۔ وہ اپنے خیمے میں داخل ہو گیا تھا۔ کنور جیت نے برساتی اتار کر بیٹھے ہوئے کہا۔

”اس شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔“

”قلم شاہ کی بات کر رہے ہو؟“

”سو فیصدی۔“

”تمہاری رائے جاننا چاہتا ہوں۔“ بھلا صاحب خفیف سی مسکراہٹ سے بولے۔ ”ایک مٹا پڑا آدمی نہ جانے اس نے اتنا بڑا سرکس کیسے بنالیا۔“

خیر اتنے بڑے سرکس کو چلا رہا ہے وہ یقیناً آدنی بھی عمدہ ہوگی اس کی، رقم کا لالچ اسے متاثر نہیں کر سکتا۔ لیکن میں نے پانسہ پھینک دیا ہے۔“

”میں چاہتا ہوں۔“ بھلا صاحب بدستور مسکراتے ہوئے بولے۔

”کیا جانتے ہیں آپ!“

”تمہارے پانسے کو۔“

”بتائیے۔“

”تم نے اس کی کنزروی پر غور کیا ہے۔ انگلش سرکس کی تلاش اس کی کنزروی ہے اور تم نے اس پر توجہ دی ہے۔“

”دہری گڈ۔ میں آپ کی کھلی آنکھوں کا معترف ہوں۔“ کنور جیت نے کہا۔

”آگے بڑھو۔“

”سے اس بات پر تیار کرنا ہے کہ وہ اپنی بھینسی کو قلم میں کام کرنے کی اجازت دے دے جو کردار آپ کی قلم میں آئے گا وہ ایسا دھماکہ ثابت ہوگا کہ

لوگ دنگ رہ جائیں گے۔ ہم اس کردار کو مختصر نہ رکھیں گے۔“

”وہ تیار ہو جائے گا؟“

”بالکل مشکل نہ ہوگا، بس ہوشیاری ضروری ہے۔“

”خیر میں یہ نہیں کہتا کنور کہ وہ لڑکی کو شوٹنگ کی اجازت نہ دے گا۔ ظاہر ہے وہ سرکس میں ہزاروں کے مجمع میں کام کرتی ہے کوئی پردہ نقیبن لڑکی نہیں

ہے۔ لیکن ایک بات تم بھی ذہن نشین کرو۔“

”کیا؟“ کنور جیت چونک کر بولا۔

”یہ ایک معذور شخص ہے لیکن پورے سرکس اس کا مطیع معلوم ہوتا ہے۔ یہ بلا وجہ نہ ہوگا۔ میں یہ کہتا ہوں کہ اس کی لینگوٹج پر نہ جانا اس کے چہرے کی

کلیں بتاتی ہیں کہ ان میں صدیوں کا تجربہ پوشیدہ ہے۔“

”یعنی وہ بہت ریک انسان ہے۔“

”سو فیصدی۔“

”پھر بھی کیا فرق پڑتا ہے۔ بس وہ اس کام کے لئے تیار ہو جائے ہمیں اس سے زیادہ کیا لینا ہے۔“

”ایک بات کہوں کنور برا تو نہیں مانو گے؟“

”نہیں بھلا صاحب، آپ میرے استاد بھی تو ہیں۔“

”لڑکی نے تمہارے ذہن کی گہرائیوں تک مار کی ہے اور بات صرف اس کی ہماری قلم میں حصہ لینے کی نہیں کی۔“

”استاد کے سامنے جھوٹ بولنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ میری آنکھوں نے جو کچھ دیکھا ہے اس نے مجھ کو زندہ کر دیا ہے۔“

”اور یہی خطرناک بات ہے۔“

”کیسے؟“

”وہ لڑکی کو اس قلم کے کچھ مناظر میں حصہ لینے کی اجازت دے سکتا ہے اس سے آگے صورتوں خطرناک ہو سکتی ہے۔“

کنور جیت کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا۔

”استاد کے سامنے گفتگو کی جرأت نہیں کر سکتا کنور جیت کو خود پر بہت اعتماد ہے صرف ایک بات کا استاد کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ کوئی ایسی بات نہ

ہوگی جس سے استاد کو گردن خم کرنی پڑے۔ وہ خود ہی ترپے گا اور سارے ہجرے توڑ دے گا جب تو کچھ بات ہوگی ورنہ کنور جیت کی ساری عمر کی تپید

بیکار ہے۔ آپ جانتے ہیں کنور جیت انکوں دھوکے کی دھڑکن ہے۔ پہلی بار ایسا کردار سامنے آیا ہے جو کنور جیت کے دل میں دھڑک رہا ہے۔ ذرا

غور کریں بھلا صاحب۔ وہ ہماری قلم میں ایک ردول کرے گی اور کوئی دوسرا اسے نہ پائے گا۔ پھر دوسری قلم میں وہ ہماری ہیروئن ہوگی۔ لوگ

دلو لانے ہو جائیں گے۔“

”ہاں یہ تو ہے۔ لیکن کنور معیار کا خیال رکھنا۔“

”کہیں بھی کوئی قابل اعتراض بات پائیں تو ٹوک دیں۔ وہ بارہ نہ ہوگی۔“

”ہوں انھیک ہے۔ ویسے اگر غلام شاہ تیار ہو جائے تو کیا کر دے گا۔“

”مشی وزیر خاں کو محنت کرنا ہوگی۔ اس کہانی میں سرکس کی کوئی جھوٹن ٹکانا ہوگی اور لڑکی کے کردار کو بڑھا دیا جائے گا۔“

”خیال برا نہیں ہے، کوشش کر دیجو۔“

”یوں سمجھ لیں کامیاب ہو گیا۔ آپ انگش سرکس کا معاملہ منجائے رکھیں میں اپنا کام کروں گا۔“ کنور جیت نے کہا اور بعد صاحب ہنسے گئے۔ پھر بولے۔
”بھئی اس کے بارے میں میں نے جھوٹ نہیں بولا یہ سچ ہے کہ میرے بھتیجوں کی مانگی، کے بچوں سے دوستی ہے۔ حقیقت معلوم ہو جائے گی۔“
”او کے اتم آغا ذکر دو۔ ہاں ذرا راجہ جگماری کا بھی خیال رکھنا۔ عورت ریا وہ خطرناک ہوتی ہے۔“
”ہماری درمیان عشق تو نہیں ہے۔“

”وہ تو ٹھیک ہے مگر راجہ جگماری اس حسین خطرے کو بھانپ لے گی۔“
”آپ بے فکر ہو جائیں۔“ کنور جیت نے کہا اور بھلا صاحب گردن ہلانے لگے۔



قیدیوں کے چہرے اترے ہوئے تھے۔ وہ سب گم سم بیٹھے ایک دوسرے کی صورت دیکھ رہے تھے۔ جگت سنگھ ان دونوں کے ساتھ قید خانے میں داخل ہو گیا اور قیدی خنزیرہ نکھروں سے انہیں دیکھنے لگے۔ پیچھے مسلح سپاہی مستعد کھڑے ہوئے تھے۔
”کھڑے ہو جاؤ۔“ جگت سنگھ نے کہا اور تمام قیدی ایک قطار بنا کر کھڑے ہو گئے۔ جگت سنگھ ان کے سامنے کھڑے ہو کر ان کی صورتیں دیکھنے لگا پھر انہوں نے کہا۔ ”تم سب یا نگر کے پاس ہو نا۔“
”ہاں مہاراج۔“ ان میں سے ایک نے کہا۔
”جب ہم سب ایک تھے تو کیا نہ نگر کے سارے شہروں میں تمہارے ماما تاپا اور چاچا نہ رہتے تھے۔“
”رہتے تھے مہاراج۔“
”راہون سنگھ نے اپنے علاقوں میں بسے داسوں کے ساتھ جو کچھ کیا تمہیں معلوم ہے۔“
”معلوم ہے مہاراج۔“
”اچھا تھا وہ۔“
”نہیں مہاراج۔“
”تمہارے دل نہ دیکھے اس پران میں کوئی تمہارا نہیں تھا۔“

”ہم کیا کر سکتے تھے مہاراج۔ ہم تو غلام ہیں۔“

”یونکر کا خون ہوتم۔ غلام کیسے بن گئے۔ سچ کا ساتھ کیوں نہ دیا تم نے؟“ جگت سنگھ نے کہا۔

”جسوں نے سچ کا ساتھ دیا مہاراج وہ کتے کی موت مر گئے، کیا نہیں ہوا تھا آپادیوں میں۔ جس کے پاس جو کچھ تھا بچھین یا گیا۔ جاگیرداروں کو لڑکا ب کر کے گھوڑوں کی چاکری پر لگا دیا گیا، کسانوں سے کھیت اور اناج بچھین یا گیا۔ کے کینے راجہ بن گئے۔ جس نے راؤن کی کا ساتھ دیا وہ بیٹش میں رہا جس نے سچ کا ہاں رکھا زندہ درگور ہو گیا۔ نہ مال بچا نہ آبرو۔ کچھ مر گئے کچھ جیلوں میں مڑ رہے ہیں۔ آپ نے اپنے بچوں کا جھوٹا تھا مہاراج دوش ہا تھا۔“

جگت سنگھ کے بدن میں لرزش پیدا ہو گئی تھی وہ پھٹی پھٹی نظروں سے انہیں دیکھنے لگا۔ بڑا مشکل سوال تھا۔ پھر اس نے ہنسنے لگا۔

”تم تو راؤن کے ساتھی ہو۔“

”ہاں مہاراج ہم وہ ہیں جنہوں نے برائی کا ساتھ دے کر اپنی آبرو پائی ہے۔ مگر مہاراج ایک بات ضرور کہیں گے آپ سے۔ آپ نے ہمیں راؤن اور پتیل کے ہاتھ میں دے کر ہم سے ہمارے پیسے کا ادھیکار چھین لیا۔ آپ نے مہاراج ہمیں بروں کے حوالے کر کے برا بنادیا ہے۔“

جگت سنگھ کی حالت کافی خراب تھی وہ ان لوگوں سے معلومات حاصل کرنے آیا تھا مگر ان کے سوالات نے اسے سخت الجھن میں ڈال دیا تھا۔ معلومات حاصل کرنے کے لئے اس نے جنہیں لیرت دلا نا چاہی تھی مگر اپنی آنکھیں ملنے پڑ گئی تھیں۔ وہ خاموشی سے ان لوگوں کو دیکھتا رہا پھر اس نے گھٹے گھٹے بچے میں کہا۔

”کیا راؤن بستیوں میں رہنے والے سب لوگوں کے بچی خیانت ہیں؟“

”ہاں مہاراج۔ آپ نے ہزارہ کر کے آنکھیں بند کر لیں آپ تو دھرماتا بن گئے مگر ہم لوگوں پر جو بیعتی ہا را دل جانتا ہے۔ راؤن سنگھ کی عیش پرست ہیں کوئی ایسا کام تو نہ کر سکے وہ جو ہماری بستیوں میں خوش حالی رہتا اپنی خوشحالی کے لئے انہوں نے اپنی ہی بستیوں کو بھڑا شروع کر دیا۔ دونوں علاقوں کا ایک ہی حال ہے۔ آپ دربار اندر چا کر دیکھیں تو وہاں کیا ہو رہا ہے۔“

”جگت سنگھ کے چہرے پر دکھ کے آثار نمودار ہو گئے تھے۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

”تم لوگ تو راؤن سنگھ کے ساتھیوں میں سے ہو جو اس کے لئے خفیہ کام کرتے ہیں گرفتار ہونے کے بعد تم اس کے خلاف باتیں کر رہے ہو۔“

”مگر آپ کا یہ خیال ہے مہاراج کہ اس طرح ہم آپ کی دیا حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہم آپ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ جو جرم ہم کر رہے تھے اس کے

بدلے ہمیں موت کی سزا دے جائے۔ راون سنگھ جی جی دہا سے اسطرح حاصل کر کے آپ کے خلاف جنگ کرنے کا منصوبہ بنا رہے تھے۔ وہ چھاپہ مار دیتے تیار کر کے آپ کی بستیوں میں بوٹ مار کرے کا منصوبہ بنا چکے ہیں اور ان دستوں کے لئے ایسا اسلحہ خرید رہے ہیں جو جدید ترین ہو اور آپ کے پاس ہی اس کا مقابلہ نہ کر سکیں۔ یہی کام پٹیل سنگھ مہاراج کر رہے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ راج پاٹ کے لئے یا نگر میں تو کچھ ہے نہیں وہاں سے جو کچھ حاصل ہوا اس سے کام چلایا جائے اس کے بعد دوسرے سرحدی علاقوں کا ورثہ لیا جائے اور وہاں لوٹ مار کی جائے اس طرح ٹھا کروں کا دل میں ڈکڑوں کا دلیس بن جائے۔ ہم اس اسطرح کے حصول کے لئے سارے کام مکمل کر چکے تھے اور آپ وقت پر چھاپہ مار کر ہمیں پکڑ نہ لیتے تو یہ اسلحہ راون سنگھ کے پاس پہنچ جاتا۔ اسی طرح ہم بڑے مجرم ہیں اور ہمارے لئے موت کی سزا ضروری ہے۔ مگر... ہمیں سزائے موت دینے کے بعد مہاراج آپ کسی طرح دن ور قہیل کی بستیوں کا اندر سے جائزہ ضرور لیں۔ وہاں ہر شخص آپ کو دنگی لے گا۔ سب یہی کہیں گے مہاراج ہم تو دل سے آپ کے آدمی ہیں۔ ہم آپ سے علیحدہ نہ ہوئے تھے۔ آپ نے ہمیں علیحدہ کر دیا تھا۔ آپ نے تو اپنے بھتیجوں کے ساتھ انصاف کیا مگر ہمارے ساتھ نا انصافی کیوں کی گئی کیا ہم ایسے تھے؟“

جگت سنگھ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ چنگو دور منگو بھی بہت متاثر تھے اور ہوردی کی نظروں سے نہیں دیکھ رہے تھے۔ کچھ دیر کے بعد جگت سنگھ نے کہا۔ ”تم میں سے کرم چند کون ہے؟“

”میں ہی ہوں مہاراج“ اس شخص نے کہا جو یہ گفتگو کر رہا تھا۔

”وہ کرم چند میں تم سے چند سوالات کرنا چاہتا ہوں۔ تم اسلحہ لانے والوں کو جانتے ہو؟“

”جس اتنا ہی مہاراج کہ وہ باہر کی دنیا سے آئے ہیں اور راون جی کے لئے اسلحہ لائے ہیں یہ اسلحہ ہمیں وصول کر کے اندر پہنچا تھا اور اس کے بعد ہمارا کام ختم ہو جاتا۔“

”انہیں اسلحے کی رقم کی ادائیگی کرونی گئی؟“

”یہ ہم نہیں جانتے۔“

”ہوں۔ سنو کرم چند۔ کچھ غلطی تم لوگوں کی بھی ہے۔ تمہیں میرے پاس آنا چاہئے تھا مجھے جانا چاہئے تھا کہ اندر کے حالات ایسے ہیں۔ بات تو کرتا تھا رے لئے کچھ نہ کچھ تو کرتا۔ بہر حال بہت دیر سے بعد مجھے پتہ چلا۔ کرم چند، تم انہی قید خانوں میں رہو گے مگر تم میرے مہمان ہو۔ تمہیں یہاں کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ مجھے افسوس ہے کہ یہ سب ہوتا مگر سارا دوش میرا ہی نہیں ہے۔ راون اور قہیل سنگھ کو ان کا حصہ دے کر میں نے اپنا فرض

پورا کیا مگر تم لوگ مجھے بتا سکتے تھے کہ تمہارے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ میں کسی سے بات تو کرتا۔ اگر میں ان کا ہمد نہیں دے کر بھی ان کے اندرونی معاملات کی جانچ پڑتال کرتا تو وہ میری نیت پر شک کرتے۔ بہر حال اب میں اپنا فرض پورا کر دوں گا۔ آؤ۔۔۔“ جگت سنگھ نے چٹکھٹکھٹے کہا۔ وہ قید خانے سے باہر نکل آئے۔ محل کے اندرونی حصے میں آ کر جگت سنگھ نے ان سے کہا۔

”تم لوگ بھی سوچ رہے ہو گے کہ کس مصیبت میں آ پھنسے۔ مگر دیکھ رہے ہو کہ کیا ہو رہا ہے۔ تم باہر کے لوگ ہونے کے باوجود ہمارے اندرونی معاملات میں طوٹ ہو گئے۔ یہ نقد پر کے کہیں ہوتے ہیں اہلٹ ایک بات محسوس کی ہے میں نے۔ تم دونوں چھوٹے چھوٹے جسموں کے مالک ہونے کے باوجود بڑے دماغ والے اور اعلیٰ کارکردگی کے مالک ہو۔ تھوڑے وقت میں تم نے ہمارے لئے جو کچھ کیا ہے ہم تمہیں اس کا صد فیصد دے سکتے۔ میں نہیں جانتا کہ تم لوگوں نے اپنی زندگی کس طرح گزار دی ہے لیکن تم جس شخص کے زیر تربیت رہے ہو وہ یقیناً عظیم ہے۔ بہر حال اب تم یہاں آ پھنسے ہو اور ان معاملات میں ہمارا اتنا ساتھ دے چکے ہو تو میں تمہیں نظر انداز بھی نہیں کر سکتا۔ مجھ پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ میں تمہیں بخیر و عافیت وہاں پہنچا دوں جہاں تم جانا چاہتے ہو۔ لیکن جیسا کہ تم نے کہا کہ تمہارا سرکس نیا کر کے چاہا رہا ہے اگر وہ اس علاقے میں پہنچ گئے تو میں تمہیں اپنی کئی حرام کے ساتھ تمہارے سرکس میں پہنچا دوں گا، موجودہ وقت میں تمہیں میری کچھ اور مدد کرنا ہوگی، یولو جواب دو تم نے قید خانے میں قیدیوں کی زبانی جو کچھ سنا کیا تم ایک انسان کی حیثیت سے اس سے متاثر ہوئے ہو۔“

”کیوں نہیں جگت سنگھ مہاراج۔“ چٹکھٹکھٹے کہا۔

”تو پھر انسانیت کے نام پر حق مظلوم انسانوں کی مدد کے لئے اپنا کردار ادا کرو۔“

”ہم نے آپ سے انحراف تو نہیں کیا۔“ چٹکھٹکھٹے بولا۔

”اب تم نے اپنی زبان سے کچھ نہیں کہا لیکن میں یہ بوجھ اپنے سینے پر محسوس کر رہا ہوں، تم ایک اچھے جذبے کے ساتھ مجھ تک پہنچے صولاً تمہیں تمہارے کام سے فارغ کر کے، تمہاری مرضی کے مطابق اس جگہ بھیج دینا چاہئے تھا جہاں تم جانا چاہتے ہو، لیکن مجھے اس کا موقع ہی نہیں ملا بہر حال اب تم یہ بتاؤ کہ ان لوگوں کے مسئلے میں مجھے کیا کرنا چاہئے؟“

”ان لوگوں کے مسئلے میں مہاراج۔“ چٹکھٹکھٹے پوچھا۔

”وہ جنہیں ہم گرفتار کرنا چاہتے تھے۔ تم کی دانگی کا معاملہ ابھی تک ہمارے علم سے باہر ہے اس کے علاوہ میں یہ سوچ رہا ہوں کہ اگر ہم نے ان لوگوں کو گرفتار کر بھی لیا تو اس سے ہمیں کوئی بڑا فائدہ تو حاصل نہیں ہوگا، میرے خیال میں، میں پوچھ چاند کو دیکھتا ہوں اور یہ تمام معاملات

اس کے سامنے بھی رکھتا ہوں میرے منھے سے دوستو، میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ جو کچھ تم یا مگر کے لئے کرو گے اس کے بدلے میں، میں تمہیں کہیں کی سکرانی دوں گا لیکن تمہاری محبت کو نیا مگر کی زندگی میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا تم ایسے کارنامے انجام دے سکتے ہو جو دوسروں کے بس کی بات نہیں ہے اور مجھے ایسے ساتھیوں کی ضرورت ہے، تم یہاں اس وقت تک ضرور قیام کرو جب تک تمہارا سرکس اس طرف نہ آ جائے کیا تم غلوں سے میرا ساتھ دو گے۔“

”ہم چار ہیں۔“ چنگو نے اعلان کیا منکوسر جھکائے خاموش بیٹھا رہا۔ چنگو دراپر جوش تھا ور منکو عقل و فراست سے کام لیتا جاتا تھا۔ اسے غالباً یہ احساس تھا کہ ان کی تعداد نے انہیں ان جھگڑوں میں لا پھنسا ہے، ورنہ یہ سب کچھ ان سے متعلق نہیں ہے تاہم حالات کے تحت وہ چنگو کے الفاظ سے انحراف بھی نہیں کر سکتا تھا، جگت نگہ نے کہا۔

”وراب میں کچھ مصروف رہوں گا کیونکہ جو حالات میرے علم میں آنے ہیں، میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ ان کو سامنے رکھتے ہوئے میں کس حد تک چیلنگ اور راؤننگ کے علاقوں میں مداخلت کر سکتا ہوں۔ بہر طور راؤننگ نگہ ناہید منصوبہ تمہاری وجہ سے ناکام ہو گیا ہے، ورنہ یہاں کی پہلی کامیابی ہے، تم لوگ اس علاقے کی خوب سیر دیکھ کر، میں تمہارے متعلق لوگوں کو ہدایت دے دوں گا اس دوران مجھے کام میں مصروف رہنا ہے۔“

”آپ اپنا کام کریں جگت نگہ مہاراج، ہم آرام سے ہیں اور آپ کی دی ہوئی رعایت سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔“

ان دونوں کو ان کی رہائش گاہ پہنچا دیا گیا، چنگو نے سکرانی نگاہوں سے منکو کو دیکھا اور بولا۔

”اب تو تمہارے دل کی مراد پوری ہو گئی منکو۔“

”کیا مطلب؟“

”حالات میں گرتے رہنے کے بعد اس بات کی کیا گنجائش ہو سکتی کہ میرے پہلے سدھیا تک ہو سکے گی وہ جھگڑا ختم ہو گیا اب جے جھگڑے کے بارے میں سوچو۔“

”تم اگر چاہتے تو یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ تاؤ اس سے لوگ بھلا اس معاملے میں کیا مدد کر سکتے ہیں۔ ہمیں سرکس واپس بھجوا دیا جائے مگر تم پر تو بھوت ہی سوار ہے۔“

”میر خیال ہے ہم اپنے اس عمل سے محفوظ ہیں۔ جو کچھ ہم کر چکے ہیں اس کے بعد وہ لوگ ہمیں کسی صورت میں معاف نہیں کریں گے۔ بہتر یہی ہے کہ ان حالات سے بھجوا دیا جائے۔ سرکس میں بھی ہمیں کھیل دکھانا پڑتا تھا یہاں بھی اگر ہمارے کھیل سے کچھ لوگوں کا بھلا ہو جائے تو کیا حرج

ہے۔“ منکو پر اس منہ ہٹا کر خاموش ہو گیا۔ چٹکو نے جتنے ہوئے کہا۔“ اور وہ اس سرکس میں تو شیخانے ہمارا چالیسواں بھی کرا دیا ہوگا۔ بلاوجہ ان پر اپنی زندگی کا تھکا کر کے ان کا نقصان کرنے کا کیا فائدہ۔“

”بھو اس مت کرو میں خاموش رہتا چاہتا ہوں۔“ منکو نے کہا۔

دوسری صبح منکو حیرت انگیز طور پر درست ہو گیا تھا اور اس کا سوا حرقہ رتھ اور اس نے چٹکو سے کہا۔“ دراصل میں نے رات کو اس موضوع پر سوچا ہے۔“

”کیا سوچا ہے۔“

”ہمیں جگت تھکے کی بھرپور مدد کرنی چاہئے۔“

”واہ۔ اس کا مطلب ہے کہ کچھ رات مقدس تھی۔“

”سرکس میں چوری زندگی ہمیں کھیل دکھاتے گزر جاتی۔ ممکن ہے ہماری شادیاں بھی ہو جائیں، ہمارے بچے ہم سے سوال کرتے کہ ہم نے چوری زندگی میں کیا کیا ہے تو ہمارا جواب کیا ہوتا۔“

”یہی کہ جو کر بن کر دوسروں کو ہساتے رہے ہیں۔“

”دو دنیا مگر میں دھکی ان لوں کی مدد کر کے ہم نے یہ کارنامہ انجام دے ہی ڈالا تو ہمارے پاس کہے کے لئے کچھ تو ہوگا۔ بچے گئے تو زندگی کا وہی دور ہمیں دوبارہ ملے گا مگر نیا نگر کی یادیں ہمارے ساتھ ہوں گی۔“

”تمہارا خیال درست ہے منکو۔ ہمارے یہ چھوٹے جسم ہمیں کبھی بڑا انسان نہ بننے دیں گے لوگ ہمیں کمزور مسخرے سمجھ کر ہمیشہ ہم سے اوردی کریں گے اور ہم پر نہیں گے مگر اس وقت ان کی ہنسی رک چائے گی جب انہیں یہ نگر میں ہمارے کارنامے یاد آئیں گے۔“ چٹکو نے سنجیدگی سے کہا۔

”تب پھر آج سے ہم نیا نگر کے سپاہی ہیں۔“

”خدا ہاتھ۔“ چٹکو نے کہا۔

”اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم کیا کریں۔۔۔۔۔“

”مطلب۔“

”جگت تھکے کے بارے میں تم نے کوئی اندازہ لگایا۔“

”ہاں۔ وہ ایک شریف انسان ہے اور مختصر گفتگو سے ہمیں یہاں کی صورت حال کے بارے میں بھی کچھ اندازہ ہے۔ ان حالات میں صرف بیٹھے رہنا

مناسب نہ ہوگا بلکہ ہمیں آگے بڑھ کر کچھ کرنا ہوگا۔“

”یہی میں کہنا چاہتا تھا۔“

”مگر کیا؟“

”یہی فیصلہ کرنا ہے۔ جگت عکھ کو اس کے کام میں مصروف رہنے دو۔ ہم اپنے طور پر کچھ کریں گے۔ اس نے ہمیں یہاں سیر وسیاحت کی آزادی دی ہے۔ اس نے نیا نگر کی سیر شروع کر دی ہر کل کر ہمیں حانات کا اجراء بندہ ہو جائے گا۔“

”اور پھر انہوں نے اس پر دگرام پر عمل شروع کر دیا۔ جگت عکھ نے شاید پونم سنگھ کو وہاں بلا لیا تھا مگر ان لوگوں سے کوئی باقاعدہ ملاقات نہیں کی تھی۔ انہیں ایک خوبصورت لکھی فراہم کر دی گئی تھی اور کوچہ ان انہیں نیا نگر کی سیر کرنا پھرتا تھا۔ شیٹاے کئی بار ان علاقوں کی خوبصورتی کا تذکرہ کیا تھا۔ یہاں تک کا سفر تو عجیب انداز میں ہو تھا اس لئے وہ کچھ دیکھ نہ سکے تھے لیکن اب ان پر اس خطہ زمیں کا حسن منکشف ہو رہا تھا۔ اس دن وہ ایک نواہی علاقے کے ایک آبشار کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک کوچہ ان کی دلدوز گیت نے ان کے اوساں خطا کر دیے۔ چند گھوڑے سوار نظر آئے جن میں سے ایک نے کوچہ ان کے سینے میں تھوڑا گھونپ کر اسے ختم کر دیا تھا۔ دونوں جھل کر کھڑے ہو گئے اور راہ فرار تلاش کرنے لگے صورتحال کا انہیں کچھ اندازہ ہو گیا تھا۔ لیکن اطراف کا جائزہ لے کر ان کے حوصلے پست ہو گئے کیونکہ گھوڑے سواروں کی کئی ٹویں نے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔“

”ہوشیار چٹکو کھیل شروع ہو گیا ہے۔“ منکھو نے آہستہ سے کہا۔

ان کی نظروں نے بخوبی اندازہ لگا لیا کہ راہ فرار نہیں ہے۔ ایک سمت وہ بلند و بالا پہاڑی سلسلہ تھا جس کی بلندی سے جھرنّا گورہا تھا جھرنے سے بننے والی ندی کے دوسرے سرے پر بھی گھوڑے سوار موجود تھے۔ دریاں کی چانپ نگر ان تھے سامنے اور دائیں ہائیں بھی کافی نوگ موجود تھے۔ دوسرے کے سارے راستوں اور دیگر تھیں۔ دیاں سے مسلح تھے۔ پھر وہ ان کی طرف بڑھنے لگے۔ دونوں کھڑے ہو گئے تھے اور پریشاں نظروں سے انہیں دیکھ رہے تھے کوچہ ان کے قتل سے انہیں نے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ ان کے سامنے موجود دو گھدہ درجے سلاک ہیں۔ دوران کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کریں گے۔ چھ آدمیوں نے قریب آ کر انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا پھر ان میں سے ایک نے کرخت لہجے میں کہا۔

”جینا چاہتے ہو تو خود کو ہمارے حوالے کر دو۔“

”ہم جینا چاہتے ہیں۔“ منکوں نے کہا، اور اس شخص نے اپنے ساتھ سے کہا۔

”ان دونوں کے ہاتھ پاؤں رسیوں سے کس دو۔“ دواؤں گھوڑوں سے اترے ان کے پاس رسیاں موجود تھیں چکو منکوں کے ہاتھ سامنے کر دیے لیکن جیسے ہی وہ ان کے ہاتھوں کی طرف متوجہ ہوئے دفعہ چکو اور منکوں کے پیروں سے نکل گئے۔ سامنے ہی گھوڑے سوار کھڑے ہوئے تھے جو ان کی راہ میں حزام تھے لیکن وہ گھوڑوں کے نیچے سے بھی نکل گئے اور گھوڑے سوار بری طرح جھج پڑے۔

”سنہیا، بولنے نہ پائیں۔“ چاروں طرف سے گھوڑے دوڑ پڑے بہت بڑی تعداد تھی اس کی اور وہ بہت مستعد تھے۔ انہوں نے ایسے راستے گھیر لئے جہاں سے انہیں فرار مل سکتی تھی اور ان کا اعزازہ ان دونوں نے بھی لگا لیا لیکن ان پر ہاتھ ڈالنا آسان نہ تھا۔ ایک گھڑ سوار نے منکو پر گھوڑا اکہ یا تو وہ نئی فلا باری کھا کر گھوڑے کی پشت پر جا کھڑا ہوا اور گھڑ سوار بوکھلا کر پیچھے گھوما تو منکو اچھل کر گھوڑے کی گردن پر سوار ہو گیا۔ گھوڑا ہوا اس بوکھلا ہو گیا اور گھڑ سوار نیچے آ رہا۔ منکو گردن سے پھسل کر گھوڑے کی پشت پر آ گیا لیکن وہ لگا میں نہ سنہیا سکا کیونکہ اس کا رخ پیچھے کی سمت تھا۔ اس سے قبل کہ وہ سنہیل کر رخ بدلتا ایک رانفل بردار نے گولی چلا دی اور گولی اس گھوڑے کے سینے پر لگی جس پر منکو سوار تھا۔ گھوڑا دم دور آوار میں جہنیا اور سر کے بل رشتن پر آ رہا۔ دواؤں گھڑ سوار منکو کے سر پر پہنچ گئے تھے۔ منکو نے ان میں سے ایک کے گھوڑے پر چھلانگ لگا دی اور دونوں گھوڑے آپس میں بری طرح لگے گئے۔ اس بار منکو بھی ان کے ساتھ نیچے گرا تھا ان دونوں نے گرتے گرتے بھی منکو کو پوچنے کی کوشش کی تھی لیکن دونوں نے ایک دوسرے کو ہی دبوچ لیا تھا۔ دوسری طرف چکو نے اس سے زیادہ قیامت ڈھا رکھی تھی اور وہ ان گھوڑے سواروں کو بری طرح نیچا رہا تھا مگر بد قسمتی سے جگہ ایسی تھی کہ وہ کوئی آڑ نہ لے سکتے تھے اور بہر حال اگر راستہ بنا کر بھاگنے کی کوشش کرتے تو گھوڑوں سے زیادہ تیز دوڑ سکتے تھے۔ وہ اس پکڑ میں تھے کہ کسی طرح غائی گھوڑے ان کے ہاتھ آ جائیں۔ اگر گھوڑے سواروں کی تعداد اتنی زیادہ نہ ہوتی تب بھی کچھ کام بن سکتا تھا لیکن اب لگتا تھا جیسے ایک پوری فوج ان کے مقابلے پر آ گئی تھی۔ جدھر نظر پڑتی گھوڑے سوار نظر آتے اس لئے یہ لوگ اپنی اس کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے تھے۔ ابدتہ گھوڑے سواروں کے چہرے اب خوف سے بگڑنے لگے تھے اور وہ اس وحشت کا شکار ہو گئے تھے کہ اگر وہ انہیں نہ پکڑ سکے تو کیا ہو گا۔ نہیں شاید بہت سخت ہدایات دی گئی تھیں اس لئے وہ بھی ہمت نہ ہار رہے تھے اور ہر وہ کوشش کر رہے تھے جو ان سے کی جاسکتی تھی ایک گھوڑا ہدک ہو گیا تھا اور پانچ گھوڑے سوار اس خوفناک اچھل کود میں گر کر شدید زخمی ہو گئے تھے۔ تاہم ان لوگوں نے بھی ہمت نہ ہاری تھی، چکو نے آہستہ سے اپنے دان ندی پار کی اور دوسری طرف پہنچ گیا اور اسی وقت ایک چٹان سے اس پر چال ڈل گیا جس کی اسے توقع نہ تھی۔ وہ پھلا اور چال اس کے گرد تنگ ہو گیا۔ اسے فوراً چال اوپر اٹھ کر لٹکا ہوا گیا تھا۔ منکو کی نگاہ اس پر پڑا اور وہ صرف ایک لمحے کے لئے ساکت ہو گیا۔ لیکن لمحہ اس کی گرفتاری کا

لوہ بن گیا۔ بیشار گھوڑے سواروں نے اس کے اوپر چھ تلہیں لگا دیں اور وہ ان کے پیچھے دب گیا۔ دن کی گرفتاری کے لئے آئے والوں کو ان کے بارے میں ساری ہدایتیں دے دی گئی تھیں چنانچہ چند محنت کے بعد منکو کو ایک بڑے قصبے میں بند کر لیا گیا چکو کو بڑی احتیاط کے ساتھ دوسرے قصبے میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ وہیں گھڑ سواروں کی سانس بھی سنبھلنے میں نہ سار ہی تھیں۔ انہیں میں افراد کی گرفتاری کے لئے بھی اتنی محنت نہ کرنی پڑتی جتنی ان دو قصبے اور نیچے یوں کو گرفتار کرنے کے لئے کرنی پڑی تھی جو چنانچہ اتر اتر گھوڑے سے گر کر زخمی ہوئے تھے ان میں سے ایک کی حالت تو بہت خطرناک تھی۔ سنگا راہ میں پر وہ سر کے بل گر تھا اس کے سر کی ہڈی کئی جگہ سے ترخ گئی۔ دو کے ہاتھ پاؤں ٹوٹ گئے ہاتھ پاؤں ٹوٹ گئے ہاتھ پاؤں ٹوٹ گئے۔

دونوں چھلاؤں کو قصبوں میں بند کر کے قصبوں کے منہ مضبوطی سے بند کر لئے گئے اور پھر زخمیوں کو سنبھالا گیا۔ اس کے لئے وہ گھوڑ گاڑی کام آگئی تھی جو چکو منکو کو یہاں تک لائی تھی۔ یہ علاقہ شاید ان لوگوں کے لئے خطرناک تھا اس لئے اپنا کام مکمل کرتے ہی وہ یہاں سے چل پڑے تھے۔ سب کے سب پیٹنے سے شرابور تھے اور ان کے چلنے بگڑ گئے تھے۔ کوئی کسی سے بات بھی نہ کر پا رہا تھا۔ چکو نے بند قصبے سے طوطے کی جیر آواز نکالی جس کا جواب اسے دوسرے قصبے سے مل گیا تھا۔ اس طرح دونوں کو اندازہ ہو گیا کہ وہ کجا ہیں جو ہوتا تھا وہ تو ہو ہی چکا تھا۔ اب آئندہ باتیں آنے والے حالات سے نمٹنا تھا۔ یہ سمجھنے میں ان دونوں کو کوئی دقت نہ ہوئی کہ انہیں اس منظم پلانے پر گرفتار کرنے والے راؤن نگلہ کے آدمی ہی ہو سکتے ہیں۔ قصبے بھی زخمیوں کے ساتھ گھوڑ گاڑی ہی میں رکھے گئے تھے اور گھوڑ گاڑی کو کسی سخت ناہوار راستے پر سر کرنا پڑ رہا تھا۔ شدید بھٹکے لگ رہے تھے اور ہر جھٹکے پر ٹھگی ٹوٹ گئے ہوئے ٹکروں کی طرح پیچھے لگتے تھے پھر شاید کوئی ایسی جگہ آگئی جہاں سے گھوڑ گاڑی نہیں گزر سکتی تھی چنانچہ وہ رک گئی۔ چکو اور منکو ان کی باتیں سن رہے تھے۔ وہ مشکل کا شکار ہو گئے تھے۔ کسی زخمی نے کہا۔

”بھگوان کے لئے ہمیں اس ترکھ سے نکالنا ہو۔ ہم مر جائیں گے۔ جھکوں سے۔“

”گھوڑوں پر سوار کر سکتے ہو۔“ کسی نے پوچھا۔

”ہاں اس سے تو گھوڑوں کا سفر ہی ٹھیک ہے۔ جیسے بھی بن پڑے گا گھوڑوں پر بیٹھ جائیں گے مگر اس گاڑی میں تو دوسری ہڈیاں بھی ٹوٹی جا رہی تھیں۔“

”سکھو مت! تم کبھی سے دونوں گھوڑے کھول لو۔ ہمارا ایک گھوڑا بلاوجہ مارا گیا۔“

”آخر ایک چند نے گھوڑا کیوں مار دیا۔ میں بے اسے بچہ پا رہا تھا۔“ ایک نئی آواز نے کہا۔

”گھوڑا اس کے ہاتھ آ گیا تھا۔ اگر وہ گھوڑے کی پیٹھ پر سیدھا ہو گیا ہوتا تو تم اسے نہ روک سکتے تھے۔“

”تو اسے ہی گولی مار دیتے۔“ گھوڑے کا مالک کلکا کر بولا۔

”یہ کام تم خود کر لیتے، کیوں نہ کیا۔“ دوسرا بولنے والا شاید ماتک چند تھا۔

”اودھ کیا بکواس ہے۔ تم یہاں گھوڑے کے لئے لڑ رہے ہو یا کام کر کے آگے بڑھو گے۔ ابھی علاقہ محفوظ نہیں ہے۔ سکھونٹ لگتے اب اس لوگوں کو سہارا دے کر ان کے گھوڑے پر سوار کرادو۔“

”وہیچ ہے ہوش ہے مہاراج۔ اس کا کیا کریں؟“

”تم سے اپنے ساتھ سنبھال کر بیٹھو۔ اس کا بچنا مشکل ہے سر کی جگہ سے پھٹ گیا ہے۔“

”اور ان سبوں کا کیا کریں؟“

”تھیلوں کے مندر آہں میں ہاتھ کر ایک گھوڑے کے دونوں طرف لٹکا دو سر دوس کو گر نہیں دیتا پکڑنے کا حکم نہ ہوتا تو پتھروں سے پھل پھل کر رہتے۔“
ہنگو منگو کے ساتھ بھی کیا گیا تھا۔ وہ سامان کے پوروں کی مانند دونوں طرف لٹکا دیئے گئے اور سفر بھر جاری ہو گیا۔ یہ طریق سفر بہت تکلیف دہ تھا مگر دونوں خاموشی سے برداشت کر رہے تھے۔ ہالا ٹریہ طویل سفر ختم ہو گیا اور گھوڑے اپنی منزل پر پہنچ گئے۔ انہیں نہایت ہیرووی سے تھیلوں میں بند کسی عمارت کے اندر لے جایا گیا اور پھر دونوں پورے کھول دیئے گئے۔ کوئی تار یک سا کمرہ تھا جس کا فرش لٹکا اور سرخ پٹوں سے بنا ہوا تھا۔ پٹوں کی دیواریں بلند بابا تھیں اور چھت کے پاس ایک روشندان کے سو کچھ نہ تھا جس سے لگتی شام بھانک رہی تھی۔ انہیں لانے والی حالی پوری سنبھالنے خاموشی سے باہر نکل گئے اور مضبوط چوٹی دروازہ ہر سے بند کر دیا گیا تھا۔

”تو یہ ہے ہماری نئی آرام گاہ۔“ ہنگو نے کہا۔

”کیسی لگ رہی ہے یہ جاسوسی!“ منگو نے یہ لہجے میں بولا۔

”بہت عمدہ! تم یہ سوچ منگو ساری زندگی اسی منڈوے میں چھپتے کودتے گزر جاتی یہ تبدیلی کتنی اچھی لگ رہی ہے اس کے بعد جب ہم دوبارہ ہمارا کام شروع کریں گے تو کتنے لطف آئے گا۔“

”ضرور ضرور۔ ابھی تو جو دلچسپ کام یہاں ہو گا اس میں بھی ہمیں کافی لطف آئے گا انتظار کرو۔“ منگو بولے بھنے لہجے میں بولا۔

”یہ باتیں اب لا حاصل ہیں اب یہ سوچ ہمیں بچا لالنے والے کون ہیں۔“

”یہ بھی کوئی سوچنے کی بات ہے۔ صرف اور صرف راتوں لگنے کے آدمی۔ وہ اتنے بے وقوف نہیں ہوں گے کہ انہیں ہمارے بارے میں کچھ معلوم نہ

ہو سکا ہو۔“

”وہ ہم سے معلومات حاصل کریں گے۔“

”ہاں بڑے پیار سے۔“

”کیا جواب دینا ہے انہیں؟“

”صرف بچ دینا ہے ورنہ وہ ہماری کھال اتار کر قمر قلی ٹوپیاں بنا لیں گے سمجھئے؟“ منگو غصے سے بچے میں بولا۔

”مگر بچ بھی ہمیں ایک حد تک بونا ہے۔“

”وہ حد کیا ہے؟“ منگو نے پوچھا اور منگو اسے ہوئے ہوئے کچھ بتانے لگا۔ منگو خاموشی سے منہ پٹائے کن رہا تھا۔ رات ہو گئی اور پھر اس وقت

اندھیرا چھا گیا جب قید خانے کا دروازہ کھلا اور دس بارہ آدمی اندر گھس آئے۔ ان کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے اور پھر وہ انہیں رسیوں میں

لٹکانے ہوئے لے کر چل پڑے ان کی سرل یک بڑا ہال نما کمرہ تھا جہاں کافی تیز روشنی ہو رہی تھی اور اس روشنی میں انہوں نے بلہر سنگھ کو دیکھا۔

بلہر سنگھ کے علاوہ عیسائی افراد اور بھی تھے۔ اس نے انہیں قریب سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”تو بانی میں جی اہل کے سر کئے۔ کیوں رے ٹیکو بیک ہیں نا سر کئے۔“ اس نے ایک آدمی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”میں کیلا اتنی تو۔۔۔ تھا خدا کر دوسرے بھی تھے ان سے پوچھو ان دونوں نے کیا آفت پائی تھی۔“

”ڈوب مرو تم لوگ۔۔۔ ڈھائی ڈھائی فٹ کے مچھروں نے چھ چھٹ کے سور، دل کو مار بھگا یا اور بھی نہیں پانچ سو رہا اب بھی رنجی ہو کر آئے ہیں

ایک تو مرنے کے قریب ہے۔ نصرت ہے تم سب پر۔“ بلہر سنگھ نے فرماتے ہوئے کہا۔

تمام لوگوں کے چہرے ہلکے ہوئے تھے۔ بلہر سنگھ انہیں برا بھلا کہتا رہا۔ اس میں وہ لوگ بھی شامل تھے جنہوں نے بیادلی پاراں روٹوں کو پکڑنے کی

کوشش کی تھی اور ان کی حرکتوں سے خوفزدہ ہو کر ہلکے آئے تھے۔

”جاؤ کہیں چلو بھر پانی لے تو اس میں ڈوب مرو۔ جاؤ مرد یہاں سے اور سنو ہاتھ کھوس دو ان کے بہت ڈرے ہوئے ہو تم ان سے۔“ منگو اور منگو کے

ہاتھ کھول دیئے گئے اور وہ سب لوگ وہاں سے چلے گئے جو انہیں یہاں لائے تھے اب تو بلہر سنگھ کے علاوہ وہ قیدیوں آدمی وہاں موجود رہے تھے جو پہلے

سے یہاں تھے۔ تب بلہر سنگھ ان کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”جی خوش کرو دیا تم نے ویدو۔ ارے تمہاری عمریں کیا ہیں تمہیں بیٹا کہوں تمہیں بھائی کہوں یا چاچا کہوں۔ تمہارے کرکوت تو بہت بڑے ہیں۔ ساری

سرکس ہاری تم نے یہاں گھر میں دکھا ڈالی۔

”خدا میں آپ کے خدا کر صاحب.....“ اچنگو اور منگو ہاتھ جوڑ کر بولے۔

”خدا ہو ہمارے سرور پکھنے میں پھر بھی ہمارے ہی بھونک دیا۔“

”ہم نے خدا کر صاحب۔“ ۹ ”منگو نے بھولے پن سے کہا اور پھر منگو غصے سے پھنکارتا ہوا ان کے قریب آ گیا، دانت ہیں کر اس نے دونوں کے گریباں پکڑنے اس کے لئے اسے گھٹنوں کے بل بیٹھا پڑ تھا۔

”دیکھو کتوں کے پلے۔ ایک ہات کان کھول کر سن لو، میرا نام بلیر منگو ہے سچ سنتا ہوں صرف سچ۔ جو کچھ پوچھوں اس کا ایک ہی جواب غلط نہ ملے۔ زبان باہر کھینچ کر ہاتھ پر رکھ دوں گا سمجھے۔“

”ہم جھوٹے نہیں بولیں گے خدا کر جی۔“ ۱ ”دو دونوں رو دینے والے بکوں میں بولے۔

”کہاں سے آئے ہو تم.....؟“

”ایک سرکس میں کام کرتے تھے خدا کر جی۔“ ۱

”کون تھا سرکس کا مالک۔“ ۹

”خدا شاہ تھا اس کا نام۔“ ۱ ”منگو نے کہا اور پھر منگو نے ان کے گریباں چھوڑ دیئے وہ غصے سے بل کھاتا ہو کھڑا ہو گیا تھا پھر چند قدم دور جا کر اس نے کہا۔

”کہاں ہے غلام شاہ.....؟“

”وہ سرکس کے ساتھ ہے اور سرکس یہاں سے بہت دور ہے۔“

”کیا وہ یا مگر آ رہا ہے۔“

”ہاں خدا کر، غلام شاہ کا بھائی ارادہ تھا۔“

”کب تک آ رہا ہے وہ یہاں؟“

”یہ ہم نہیں جانتے تھا کر۔“ ۱

”تم سرکس سے علیحدہ کیوں ہو گئے.....؟“

”خدا شاہ ہمارے ساتھ انصاف کر رہا تھا کرواہاں ہمار کوئی مستقبل نہ تھا۔ ہمیں عام آدمیوں سے کمتر سمجھا جاتا تھا کیونکہ ہمارے قد چھوٹے تھے

حال نگہ ہم سرکس میں ہر وہ کام کرتے تھے جو بڑے بڑے فنکار کرتے تھے مگر ہمیں صرف مسخرہ یونا سمجھا جاتا تھا کوئی عزت نہ تھی وہاں ہماری۔ چنانچہ ہم دونوں بھائی سرکس سے نکل بھاگے۔“

”نکل بھاگے۔۔!“ پلیئر نگہ نے چونک کر کہا۔

”اور کیا کرتے تھے کر غلام شاہ بہت سنگدل انسان ہے۔ جیتے جی وہ ہمیں بھی سرکس سے نہ نکلے دیتا دو تین دفعہ ایسے واقعات ہوئے ہیں جس کسی نے بھی سرکس سے نکلنا چاہا۔ اسے کسی نہ کسی طرح موت آگئی کبھی جموے سے کر کر اور کبھی سانپ کے کانٹے سے لیکن یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ انہیں غلام شاہ نے مروایا۔ سب اس سے فارتے تھے چنانچہ ہم نے اس بات کا ظہار نہ ہونے دیا کہ ہم سرکس سے بھاگنا چاہتے ہیں اور موقع پاتے ہی ہم وہاں سے نکل بھاگے۔“

”پھر کیا ہوا؟“

”ہم ایک جگہ چھپ گئے۔ یہ ایک بڑا ٹرک تھا جو ہمارے چھپنے ہی وہاں سے چل پڑا بعد میں معلوم ہوا کہ وہ ایک قلمی کہنی کا ٹرک تھا۔ یہ ستر بھوکے پیاسے مصیبت سے کٹا۔ ایک جگہ ہم ایک بیپ لے کر نکل بھاگے میں کامیاب ہو گئے اور یہاں آچھپے مگر بد قسمتی نے ہمارا ساتھ نہ چھوڑا اور وہ پونٹ یہاں بھی آگیا۔ وہ لوگ اسوا سٹنگل کر کے لائے تھے جو کسی دن نگہ کے لئے تھا۔ یہاں بھی ہمارے موجود ہونے کا پتہ چل گیا اور وہ لوگ ہماری ناک میں لگ گئے اور پھر ہم ایک جگہ پکڑے گئے مگر میں پکڑنے والے فلم پونٹ کے لوگ نہ تھے بلکہ یہ مگر کے تھا کر جگت نگہ کے آدمی تھے ان میں سے ایک کا نام پونٹ نگہ تھا۔ انہوں نے ہمیں اٹھا لٹکا کر ہم سے ہمارے بارے میں پوچھا اور ہم نے انہیں پوری کہانی سنادی۔“

”اسٹے کے بارے میں بھی بتا دو۔“ پلیئر نگہ نے پوچھا۔

”اسی پر تو ہماری جان بچی تھی کہ اگر اس بات سے خوش ہو کر ٹھ کر جگت نگہ نے ہمیں پتا دے دی۔“ منکو نے مصمصیت سے پوری کہانی سنادی اور یہ کہانی بس تھوڑی سی ترمیم کے بعد بالکل سچی تھی اس کے ثبوت پلیئر نگہ کے پاس بھی تھے۔ وہ کچھ پریشان نظر آئے گا۔

”ان کتوں کی وجہ سے ہمیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ انہیں شکاری کتوں کی خوراک بنا دو۔“ قیتوں میں سے ایک نے راحت پیٹنے ہوئے کہا۔

”ناادے راؤنا۔ یہ تو بڑے کام آئیں گے ہمارے۔ بڑے کام کے یہ دونوں۔ بھول گئے غلام شاہ کو۔“

”اس لنگڑے کو بھول جائیں گے ٹھ کر۔“ اوڈے راؤ نے کہا۔

”یہ تو اس کے خلاف ہمارے کام آئیں گے۔ سرکس کو گم لگا کر یہی دونوں غلام شاہ کو تینوں میں زندہ چلائیں گے۔ سوچے کو لوہا کانٹے کا کیا سمجھا

”دوڑے راؤ۔۔۔“ پھر لنگھ سفاکی سے مسکرا دیا پھر ان سے بولا۔

”زندگی چاہتے ہونا تم دونوں۔“

”آپ کے غلام ہیں شکر۔“

”تو سنو، تمہیں قید خانے میں رکھا جائے گا۔ ہم غلام شکر کا انتظار کریں گے اور جب وہ آجائے گا تو تمہیں ہماری ہدایت پر عمل کرنا ہوگا۔ اگر تم اس میں کامیاب ہو گئے تو پوری زندگی عیش کرو گے۔ وہ سب ملے گا تمہیں جو تم چاہو گے۔ یہ میرا وعدہ ہے مگر ذکا رہنے کی کوشش نہ کرنا ورنہ بھوکے کتے تمہارا نرم گوشت چبا جائیں گے کیا سمجھتے؟“

”سمجھ گئے شکر۔“ منکوع نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

”ناگزٹل۔ ان دونوں کو ناڑے کے قید خانے میں ڈال دو۔ داروغہ سے کہہ دیتا ان کے کھانے پینے کا خیال رکھے اور انہیں کوئی تکلیف نہ ہونے دے۔ یہ قیدی نہیں مہمان ہیں۔“

”جو حکم تھا کر بھی ملے جاؤں۔“

”اس وقت کہاں جاؤ گے۔ ابھی یہیں بند کرو صبح کو منہ اندھیرے چھوڑ آنا۔“

”ٹھیک ہے شکر۔“ ایک بار پھر ان دونوں کو اسی جگہ پہنچا دیا گیا۔ چٹکوتری گہری سانسیں لے رہا تھا پھر اس نے کہا۔

”یہ تمہاری بہت تھی کہ تم نے شیخا کے بارے میں ایسے الفاظ منہ سے نکالے مجھ سے یہ سب کچھ رکھا جا سکتا تھا۔“

”مجھے تم سے تیس منٹ پہلے عقل آئی تھی سمجھتے اسی لئے ٹھیک تیس منٹ بعد یہ بات تمہاری سمجھ میں آ جائے گی اور میں نے جو کچھ کیا ہے ٹھیک کیا ہے۔“
منکوع منہ پتا کر پڑا۔



حاضر نگر رات کو ہارٹش مدھم پڑ گئی تھی مگر صبح کو وہ بہت تیز ہو گئی اور سفر ملتوی کرنا پڑا۔ اس تیز بارش میں آگے بڑھے گا خطرہ مول نہیں لیا جا سکتا تھا۔ شیخا نے کہا کہ سب کے لئے خیمے لگائے جائیں اور کام شروع ہو گیا۔ یہی فیصلہ بھلا صاحب نے بھی کیا اور ساری گاڑیاں تڑپا لوں سے محفوظ کر دی گئی تھیں غلام شاہ کو ہارٹش ضرورت سے زیادہ پسند تھی رستہ کو بھی وہ خوش تھا اور اس وقت بھی اس کی یہی کیفیت تھی۔

”رے کا دیکھ رہی ہو پھر کھڑو۔ سر سب کچھ بھول گئیں۔ ارے کڑھیا چڑھائے دیو۔ پیسہ اگول کر چپلا پکڑ پکاؤ۔ رے ناچو کو دورے ای سر

ہمارا کیلئے ہے اسی دکھت کی سرکس ناچیں۔ واہ ارے سرکس دار پو۔ ارے اوچھو کر دچاؤ مدوکر دچھو کر پو کی۔“ سب ہنسنے پوہتے ہارٹس سے لودازما سے میں
مصرف ہو گئے تھے۔ کچھ لوگوں نے ہاتھ کھول لئے اور غلام شاہ جتنی کے پاس پہنچ گیا۔ ”اوری سونا۔ چل جراتیل کو چائیں ری اری جراتی سات کی سیر تو
کرائی دے سیری۔“ سونا نے سوچ آگے پوہا کر غلام شاہ کو اٹھا دیا اور پڑے پیار سے گردن پر بٹھا دیا۔ ”ہا ہا۔ چل جراتی بھلے بھائی کو تو دیکھیں۔“
کچھ فاصلے پر بھلا صاحب ر، جگہ ری اور کنور جیت کے ساتھ ایک خیمے کے نیچے کھڑے سرکس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ راجہ کی نے کہا۔
”اوامائی گاڈ اس فنکڑ سے کو دیکھو۔ ہاتھی پر چڑھ کر بھیگ رہا ہے۔“

”دیکھ رہے ہو کنور۔؟“

”ہاں بڑا زندہ دل انسان ہے۔“

”نہ صرف زندہ دل بلکہ ہر لحاظ پر بھی۔ بڑی دلکش اور بڑی پراسرار زندگی ہوتی ہے ان لوگوں کی نہ جانے چانور کس طرح ان سے تعلق کر لیتے ہیں
یہاں تو انسانوں کو بھی عدم تعلق کرتے ہی دیکھا۔“

”کس پر چوٹ ہے بھلا صاحب۔“ راجہ کی نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”ساری دنیا پر چوٹ ہے۔ خود اپنے ہارے میں بھی جکی کہا جاسکتا ہے شرمیلا میرا نظارہ کر رہی ہوئی مگر میں کتا لیٹ ہو گیا ہوں۔“

”وہ شرمیلی جی یاد آ رہی ہیں۔ راجہ کی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ہاں ہے حد۔؟“

”بھلا صاحب ایک بات پوچھوں برا تو نا مانیں گے۔؟“

”جانتا ہوں کیا پوچھنا چاہتی ہو۔ مکی تاکہ شرمیلا موٹی ہے بھدی ہے بے وقوف ہے پھر بھی اسے کتنا چاہتا ہوں۔“

”سو ری بھلا صاحب۔“

”شرمیلا سے میرا صرف جد با ست کا رشتہ ہے راجہ کی۔ اس سے ایک دینا تعلق ہے کہ میں اس کے ظاہر کو تصور میں بھی نہیں لاسکتا۔ مجھے اس کی حقیقت
سے پتا ہے اور یہ پتا میرے وقت تک میرے دل میں رہے گا پھر کسی وقت اس کے ہارے میں پتا ڈال گا، وہ یہاں آ گیا۔“ بھلا صاحب نے ہاتھی کو
قریب دیکھ کر کہا۔

”رے او بھائی بھلے۔ تم نے تو حد کر دی بھائی۔ ارے کاشمک کا ہنا ہوا ہے رے بھائی کہ ہارس ہاں نکلتے ہی پگھل جاتی ہے۔ ارے یا ہر آ ہارس

کے مجھے لے۔“

”آپ کا کہنا ٹھیک ہے شاہ جی میں ملک ہی سے بٹا ہوں۔“ بھدر نے کہا۔

”مجھے اجازت دیں تو آج آپ کے پاس شاہ جی۔“ کنور جیت نے کہا۔

”آج اپوت کا ہے نا آوے۔“ غلام شاہ بولا اور کنور جیت کپڑے اتارنے لگا اور بھر وہ بارش میں نکل آیا۔ اس کا گورا کندن بدن چمک رہا تھا۔ غلام شاہ نے سوتا سے کہا ”دوپر چڑھائی کے سونا اسے کا دو اور جتنی نے اسے بھی سوڈ میں اٹھ کر غلام شاہ کے پاس بٹھا دیا۔ کنور جیت نے موقع سے فائدہ اٹھایا تھا۔ غلام شاہ نے جتنی کو آگے بڑھا دیا اور پھر ایک سہا چکر لگا کر سرکس ایریا میں آ گیا۔ تھیل کے دھویں جگہ جگہ سے اٹھ رہے تھے۔ پکوان کی چھن چھن بلند ہو رہی تھی۔ ہر سمت قہقہے بکھرے ہوئے تھے۔ کنور جیت نے کہا۔

”کیا حسین زندگی ہے شاہ صاحب، جی چاہتا ہے کہ سب کچھ چھوڑ چھڑ کر میں بھی آپ کے سرکس میں شامل ہو جاؤں۔“

”بس رہے بھائی۔ کرم ہے سولا کا۔ گاڑی چت رہے۔ آنجنبل کے نیچے تر آ۔“ غلام شاہ نے کہا۔

”ان سب سے تعارف کرا پیے شاہ صاحب۔“ کنور جیت نے کہا اور غلام شاہ نے جتنی سے اترتے ہوئے کبیر شاہ کو آواز دی پھر اس نے مختصر الفاظ میں کنور جیت کا تعارف کبیر شاہ سے کرایا اور اس سے کہا کہ اسے سب لوگوں سے ملا دے۔ کبیر شاہ نے بھی مسکراتے ہوئے کنور جیت سے ہاتھ ملا دیا تھا اور کنور جیت کو لے کر آگے بڑھ گیا تھا۔

”تو آپ کا نام کبیر شاہ ہے۔ ویسے شاہ صاحب میں نے زندگی میں بہت آرگنائزیشن دیکھے ہیں میں خود بھی شو بزنس سے تعلق رکھتا ہوں لیکن جو فوکی بات میں نے آپ لوگوں کے درمیان دیکھی ہے وہ شاید زندگی میں کبھی فراموش نہ کر سکوں گا۔“

”مثلاً؟“ کبیر شاہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”یہ غلام شاہ صاحب مجھے اس دنیا کے انسان معنوم نہیں ہوتے، ان کے پاؤں موجود نہیں ہیں لیکن یوں لگتا ہے جیسے ان میں زندگی کوٹ کوٹ کر بھردی گئی ہو۔ اچھے خوش و غرم اچھے تارہ دم کہہ دیکھ کر شک آتا ہے اور پھر آپ لوگوں کے درمیان یہ سب کچھ، جس کا مظاہرہ میں دیکھ رہا ہوں لگتا ہی نہیں ہے کہ آپ لوگ گھر سے باہر ہیں جہاں قیام کرتے ہیں گھر بنا پیتے ہیں اور بس یہی محسوس ہوتا ہے کہ ایک خاندان کسی جگہ آباد ہے۔“

”آپ کا تجربہ بالکل درست ہے کنور صاحب دراصل ہم لوگوں کا تعلق ایک ہی قبیلے سے ہے۔ میرے چچا غلام شاہ صاحب نے خاص طور سے یہ خیال رکھا ہے کہ قبیلے کو یک جگہ رکھا جائے اور بالکل گھریلو عملہ زمین کام کیا جائے یہاں کوئی کسی کا ملازم نہیں ہے۔ ہر شخص اپنا فٹ پیس کرتا ہے اور ہر

”فصل اس سرکس کو ترقی دینے کا خواہاں ہے۔“

میری دعا آپ کے ساتھ ہے اکبر شاہ صاحب اور یقیناً کس فینڈ میں آپ کا کوئی ٹان نہیں رہے گا۔“ کنور جیت نے سونپا کو دیکھا جو یک خاص لباس میں لمبوس ان تمام سرگرمیوں میں حصہ لیتی پھر رہی تھی۔ دوسری بہت سے خوبصورت لڑکیاں بھی یہاں موجود تھیں لیکن سونپا کے چہرے کا سلگنا حسن ہے۔ مثال تھا کنور جیت کے دامن پر ایک بار پھر عطر طاری ہونے لگا لیکن ذریعہ تھا خود سونپا۔ اور دوسری چیزوں کی جانب متوجہ ہو گیا خود اکبر شاہ نے ہی سونپا کو آواز دی تھی۔

”سونپا ادھر آؤ دیکھو تمہیں ایک فلمی ہیرو سے ملارہا ہوں۔“ سونپا متوجہ ہوئی اور مسکرتی ہوئی ان کے پاس آ گئی۔

”یہ کنور جیت جی ہیں اور کنور یہ میری بہن سونپا ہے۔“ کنور جیت نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے پھر مسکراتا ہوا۔

”جی ہاں، ان کا ایک احسان مجھ پر ہو چکا ہے رات کو جب ہارٹس کا آغاز ہوا تھا تو مس سونپا نے ہمیں چائے پلائی تھی۔ ویسے سونپا جی یقینی طور پر یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ آپ سرکس میں سب سے شاندار کارنامے پیش کرتی ہوں گی۔“

”یہ بات آپ یقینی طور پر کیسے کہہ سکتے ہیں؟“

”بس بہت سی باتوں کا خود بخود یقین ہو جاتا ہے اور پھر غلام شاہ نے بھی آپ کے جانے کے بعد آپ کے بارے میں بتایا تھا ویسے آپ نے فلمیں دیکھیں کبھی سونپا جی؟“

”جی ہاں چند۔“

”سرکس سے متعلق کوئی فلم تو نہیں دیکھی ہوگی آپ سے؟“

”نہیں اتفاق نہیں ہو؟“ سونپا نے جواب دیا۔

”اکبر شاہ صاحب میں نے آپ کے بچے غلام شاہ صاحب سے بات کی ہے ہم لوگ ایک بہت ہی خوبصورت کہانی شوٹ کر رہے ہیں۔ جو اسگر ویا کی زندگی سے متعلق ہے میں نے شاہ صاحب سے درخواست کی ہے کہ گروہ ہمیں اجازت دیں تو ہم سرکس کے کچھ مناظر بھی فلما لیں، شاہ صاحب میں آپ سے بھی تعاون کی درخواست کرتا ہوں میں بالکل یہ نہیں کہوں گا کہ آپ کا سرکس شہرت نہ رکھتا ہوگا جہاں آپ جیسے لوگ شامل ہوں وہاں کسی چیز کی کمی کہاں رہ سکتی ہے لیکن آپ بھی سمجھیں کہ ہم اپنی فلم میں آپ کو شامل کر کے اپنی عزت بڑھائیں گے مس سونپا سے بھی تعاون کی درخواست ہے اور وہ تمام لوگ جو اس سرکس کے فنکار ہیں ہم آپ کو معاوضہ تو نہیں دے سکتے سوائے اپنی محبت اور اپنی دعاؤں کے۔“

”سرکس کو فلم میں شامل کیا جائے گا مگر کہانی میں اس کی گنجائش کھل سکے گا۔“ سونیا نے غیر معمولی دلچسپی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

”آپ جیسے لوگوں کے لئے گنجائش ہو سکتی ہے۔ بہر طور آپ یقین کیجئے میں بے حد متاثر ہو، یوں بلکہ میں نے بعد صاحب سے یہ بھی کہا ہے کہ آپ لوگوں کے ساتھ ایک اچھا خاصہ وقت گزارا جائے۔“ اکبر شاہ نے کنور جیت سے ان کے اس دورے کے بارے میں پوچھا تو کنور جیت نے نہایت ہی نمک مرچ لگا کر بہت سی ایسی باتیں کہیں جن سے اکبر شاہ بے حد متاثر ہو تھا۔ سونیا بھی اس گفتگو میں شریک تھی ہاں تو لوگوں سے بھی تعارف کرایا گیا تھا۔ غرضیکہ کنور جیت نے بہت ہی اچھا تاثر چھوڑا تھا ان لوگوں پر اور خصوصی طور پر اسے بلکہ ان میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی اور غلام شاہ نے فلم پلانٹ کے لوگوں کے لئے بھی انتظام کرائے تھے اور پھر خود غلام شاہ صاحب کے پاس پہنچا تھا اور بھلا صاحب نے نہایت ہی شرمندہ لہجے میں کہا تھا۔

”غلام شاہ صاحب آپ ہم پر احسانات پر احسانات کئے جارہے ہیں اور ہم نے ابھی آپ کو پانی تک نہیں پدیا۔“

”ہرے چھوڑ دو! ای کا بات رہت، اتے اپنا پار ہے بس اتنا ہی کافی ہے۔“

”میں کوشش کروں گا غلام شاہ صاحب کہ یہ پار ہی بھا سکوں۔ ویسے اس بات کی مجھے بہت خوشی ہے کہ نیا نگر جیسے دور دورا اور خطرناک علاقے میں ہمیں آپ کا سہارا حاصل رہے گا۔“

”مارے بھائی ہمارا سہارا کا جوئی ہے بس تیری دوستی ہم کا پندر ہے اور پھر تے نے جو بات کری ہے بھئی بھلے او کے واسطے جڑا جن مار کھیں۔“

”انگلش سرکس کے ہارے میں کبہ رہے ہیں ناں آپ۔“

”ہاں رہے بھائی او ہار بہوت بڑی بھوری ہے۔“

”میں آپ سے اس کمزوری کے بارے میں کچھ سول نہیں کروں گا غلام شاہ صاحب کیونکہ بہر طور ایک دوست نے ایک ذمہ داری میرے سپرد کی ہے اور اتنا ہی میرے لئے کافی ہے۔ آپ سے انتہائی شرمندگی کے ساتھ بس اتنا کہوں گا کہ یہاں کے معاملات ختم ہو جانے دیجئے جس کے بعد میری پہلی ذمہ داری یہی ہوگی کہ آپ کے کام میں مصروف ہو جاؤں آپ جہاں بھی ہوں گے غلام شاہ صاحب آپ یہ کچھ لیجئے کہ آپ نے ایک ذمہ داری اپنے بھائی کے شانوں پر ڈالی ہے جس سے پورا کر کے آپ کے پاس پہنچوں گا۔“

”بہوت بڑی باتیں کر دی ہیں تے نے بھائی بھلے ہم بھی ان کا پیار رکھیں گے۔“ غلام شاہ نے سرو لیجئے میں کہا۔

”باقی رہی جگت سنگھ کی بات شاہ صاحب تو آپ اطمینان رکھئے تھا کہ صاحب سے میرے بڑے اچھے تعلقات ہیں آپ جہاں بھی چاہیں اپنا سرکس لا سکتے ہیں اس کی اجازت میں دلوا دوں گا۔“

”بس سے بھائی تیری بڑی مہربانیوں ہیں ہم پر۔“

”جیسے شاد صاحب جب دوستی بھائی چارے کی حد میں داخل ہو جائے تو مہربانی کی بات کر کے شرمندہ نہیں کیا جاتا۔“ غلام شاہ بھی عادت کے مطابق بھلا صاحب سے بہت متاثر ہو گیا تھا۔ دوپہر کے وقت بارش ہلکی ہو گئی اور غلام شاہ نے اس سلسلے میں بھی بھلائی سے مشورہ کیا بھلا نے کہا کہ اب اگر ہم سفر شروع کرتے ہیں فاصلہ کتنا سا طے کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ رات گزرنے کا انتظار کر لیا جائے، شام کو کبیر شاہ نے غلام شاہ سے اس موضوع پر بات کی۔

”شیخا کیا بھلا صاحب نے آپ سے سرکس میں شوٹنگ کے لئے کہا ہے؟“

”ہاں رسے کا برج ہے، بڑا مارکا جاتا ہے، اپنی مہلکم ہوتی ہے اور ہم پنا کام کریں گے۔“ غلام شاہ نے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے میں آپ سے اتفاق کرتا ہوں اس طرح ہمیں چارے ملک میں چلتی بھی مل جائے گی۔“

”چارے تیری پبلک سٹی، سر پبلک سٹی کے بناء نا جیوت رہو کا تم۔ رسے بھار بار منع کریں گے انگلس ماں کوئی کام نا کری رہو تو پر ایسا لگے ہے جیسے و کے بناء۔۔۔۔۔۔“

”معنی چاہتا ہوں میرا مطلب یہ تھا کہ ہمیں شہرت ملے گی۔“

”رسے بھار میں گئی سہرت بس وہ اچھا آدی رسے ہم کا یک کام کی ہے جسے ہم منع نہ کریں گے۔“

”مگر شیخا یہ شوٹنگ کہاں؟“

”ارے جہاں بھی ہو ہم کا اگر اوبولی ہے کہ منڈ والگنی لوتے لگانی ہے اور اگر اوبولی رسے کہ میدان میں شوٹنگ کرے، ارے بھار میں گئی رسے تیری شوٹنگ، شوٹنگ اوکا کریں گے ہم کا پولٹ بھائی جا بھاگ جا ادھر سے بس ہمارے کھوپڑیا گھومت رہے۔“ اکبر شاہ نے بمشکل ہنسی روکی غلام شاہ اگر بڑی کا کوئی لفظ اپنی زبان سے ادا کرنا گناہ سمجھتا تھا ورنہ اسے گریزی بولنے والے بھی نا پسند تھے اور اس کا یک گھر اہل نظر تھا۔ اکبر شاہ نے یہ محسوس کر لیا کہ غلام شاہ بھلا سے مکمل طور پر نقد و ن کے لئے آمادہ ہے اب یہ سب کچھ بھلا صاحب کی مرضی پر منحصر تھا کہ وہ کب یہ شوٹنگ کریں گے بہر طور، کبیر شاہ اس کام میں دلچسپی لے رہا تھا سو یہ بھی اس کی گفتگو دوبارہ ہوئی تو سوچا نے بھی یہ کہ یہ کام زندگی میں ایک نیا پان پیدا کرے گا ورنہ خود بھی ظلم کے پردے پر اپنی کوششوں کو دیکھنے کی خواہش مند ہے اس طرح کم اور کم کنورجیت کے راستے کسی حد تک ہموار ہو گئے تھے۔ شام کو چار بجے بارش پانکل رک گئی اور آسمان شفاف ہو گیا اس طرح یہ امید بندھ گئی کہ کل صبح سفر کا آغاز کر دیا جائے گا یا ز جانوروں کو خوراک دے رہا تھا کہ اکبر شاہ

دھڑ سے گزرا اور ایلانے اسے روک کر کہا۔

”اکبر بھی کیا خیال ہے صبح کو سڑ کر نامناسب ہو گا۔“

”یہ فیصلے شیخا کرتا ہے میں اس جلسے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔“ اکبر شاہ نے کہا اور تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ ایسا معنی خیز لگا ہوں سے سے دیکھ رہا تھا اسی وقت ساقولنی اس کے پاس پہنچ گئی اور ایلان چوٹک کرا سے دیکھنے لگا۔

”کیا خیال ہے ساقولنی میرا شبہ درست ہے یا نہیں؟“

”سو فیصد ایلان چہ نہیں اکبر بھی کو کیا ہو گیا سوتا بھی اتنی ہی کھٹی کھٹی ہے وہ بھی میرے ساتھ جی روپیہ اختیار رکھے ہوئے ہے۔“

”شیخا سے بات کرو۔“

”اکبر شاہ سے کیوں نہ بات کرو۔“

”نہیں میرا خیال ہے مجھے شیخا سے بات کرنی چاہئے۔“

”جیسا تم پسند کرو۔“ ساقولنی نے کہا اور ایلان گردن ہلانے لگا، چانوروں کی خوراک تقریباً مکمل ہو گئی تھی اس نے ساقولنی کو ساتھ لیا اور غلام شاہ کے خیمے میں پہنچ گیا۔

”آؤ رے کیہ کھوب سچے کے ہاں میں اب تو ہی ناں کہو مے کہ جنگی میں مے ہی مار ہے۔“

”نہیں شیخا تمہارے ساتھ تو زندگی کے مزے ہی مزے ہیں، یک کام سے آئے ہیں تمہارے پاس۔“

”میںوں کا کام رہے ہوا۔“ غلام شاہ نے نرم لہجے میں کہا۔

”شیخا پتہ نہیں کیوں دو تین دن سے اکبر بھی اور سویا ہم سے ناراض ہیں ہم بات کرتے ہیں تو جواب نہیں دیتے ہم متوجہ ہوتے ہیں تو منہ پھیر کر چلے جاتے ہیں مجھ میں نہیں آتا کہ کیا بات ہوگی۔“ غلام شاہ چوٹک پڑا تھا اس نے ان دونوں کو گہری لگا ہوں سے دیکھا اور پھر بولا۔

”تم بات نا کری او سے۔“

”نہیں شیخا ہم آپ کے پاس آئے ہیں۔“

”ٹھیک ہے ہوا ہم بات کرتی ہے تم بھکر نا کر رہی ہے تم کا جلدی۔“ شیخا نے کہا۔

”نہیں بہت دکھ ہے شیخا یہ تو کبھی نہ ہوا۔“

”وہ بول دئی تم کا ایسا نا ہوئی ہے اے سسر کھیلہ ہے پورا اے دن کوئی کوئی ایک دوسرے الگ نہ رہت سکت چاؤ تم ہوگے بھکر مت کرو سیکھا سو جو جو رہے۔“ غلام شاہ نے کہا اور ایاز سانولی کے ساتھ باہر نکل آیا لیکن غلام شاہ کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمودار ہو گئے ذرا سی دیر میں اس نے اکبر شاہ دور سوئیہ کو اپنے پاس طلب کر لیا اور پھر انہیں سرائنگا ہوں سے دیکھتا ہوا بولا

”بیاج اور ستوریہ آئے رہے ہمارے پاس کہتے ہیں کہ تم ان کے ساتھ بات چیت نہ کرو کا بات رہے۔“ اکبر شاہ نے ٹکا ہیں اٹھا کر غلام شاہ کو دیکھا اور بولا۔

”شیخا میں تمہارے یہ لفظ نہیں بھول سکوں گا کہ یار نے تم پر کاغذ ملا نہ محمد کیا تھا صرف سانولی کی وجہ سے۔“ غلام شاہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس نے کہا۔ ”اکبر ساہ ہم نے جنگی میں کبھی تو ہمارے ساتھ برائی نا کری ہے پر اب ہم کا یہ لگتا رہے جیسے تم دونوں ہم کو کتا سمجھ لے ہو۔ ہماری کو تو حیثیت ہماری بولورے ہم کتا ہیں گا۔“

”میں سمجھ نہیں شیخا۔“ اکبر شاہ نے کہا۔

”دھلتی ہماری رہے تم دونوں کو ہم دوسروں سے الگ کا ہے سمجھتے ہیں، کالے دل کی بات تم کو بتا دیں ہیں۔ گلتی ہماری ہے بھئی سر مندا ہیں۔ اورے حرام کھور جب ہم اکا کا پھ کر دئی ہے تو تم کوں ہو رہے انہوں نے تو یک پیری ائی کرت تم تو بات بات، دن ہمارے دل کا کھوں کرو ہو رہے۔ ایک نساں کو سمہنا بنائے رہے ہم تم دوئی ہار، کا کھتم کرنے کی کوس کر چکے ہو۔ ہمارا اتنا یک نہ رہے اس منڈوا پر۔ ستوا اکبر ساہ اور اس سوئی ہم نے بیاج کو پھ کر دیا ہے تمہاری طرف سے اگر کوئی بات ہوئی رہے اور ان کا دس میلا ہوئی رہے تو بڑے کی قسم ہم تم کا کچھ نا کھی ہے پر اسی دن جاں دے دیں گے۔ اپنے بڑے کی قسم، ہم ای ہی کریں گے کھود کسی کریں گے ہم۔“

”نہیں شیخا۔ اب ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ تمہاری قسم شیخا اب ایسا نہ ہوگا۔ تم نے اپنے بڑے کی قسم کھائی ہے تو ہم اپنے بڑے کی قسم کھا رہے ہیں جو غلطی ہو گئی اسے معاف کر دو۔“

”بس چاؤ ہمارے پاس سے چاؤ۔ بڑا یاد کر دئی تم نے۔ چاؤ۔“ شیخا غریبا اور دونوں چہرے لٹکائے باہر نکل آئے۔ دونوں کے چہرے مرجھا گئے تھے۔ کافی دور آ کر اکبر شاہ نے کہا۔

”بڑی مشکل پیش آ گئی ہے سو نیا۔“

”کیا بھیا؟“

”شیخ اس کے لئے بالکل موم ہو گیا ہے، اس کا دل رٹنی ہو گیا ہے۔“

”ایسا دیکھ لے۔“

”نہیں شارق کے لئے۔ اس کی باتوں سے نہیں محسوس کیا تم نے۔ وہ سب کچھ سمجھ کر بھی سونپا۔ نہ جانے کیوں اور پھر اس نے کتنی پر اعتماد باتیں کی ہیں اس کے لئے۔“ نکدہ اسے سب کچھ بتا دیا ہے تم نے۔ مجھے ایک احساس ہوتا ہے۔“

”کیا؟“

”مگر ہماری وجہ سے اسے یہاں سے نکال دیا گیا تو شیخ ہم سے خوش نہ رہے گا!“

”اس سلسلے میں کسی چلک کا مظاہرہ نہ کرو اکبر بھئی۔ اسے بہر حال یہاں سے جانا ہوگا، یہ ضروری ہے۔“ سونپا نے کہا۔

”ہاں! میں چلک کی بات نہیں کر رہا۔ کہاں ہے وہ دیکھ نہیں اسے۔“ اکبر شاہ نے کہا۔

”موجود ہے جائے گا کہاں۔“ سونپا ناک سکڑ کر بولی۔

”میرا مطلب ہے بالکل خاموش ہے۔“

”ہاں حسیل کے وقت کے بعد ڈر گیا ہے۔ میں نے تھوڑی دیر پہلے ہی اسے دیکھا تھا بارش میں ہاتھوں کے بل چلا جا رہا تھا۔“

”ہاتھوں کے بل؟“

”ہاں میں نے دیکھا ان جڑواں چٹانوں تک جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ یہاں سے ہاتھوں کے بل ہی گیا تھا۔“

”وہاں تک۔۔؟“ اکبر شاہ حیرت سے بولا۔

”شاید اس سے بھی آگے۔ ویسے وہ انسانوں کی کوئی انوکھی قسم ہے۔ ہمیشہ ناخمس کام کرتا ہے۔“

”ہوں۔“ اکبر شاہ پر خیاں انداز میں گردن ہلانے لگا۔ پھر ایک طویل سانس لے کر بولا۔ ”وہ جو کچھ بھی ہے سونپا مگر ایک بات میں زبردستی

میں نہیں تسلیم کروں گا وہ یہ کہ وہ ضرور کسی سرکس کا تربیت یافتہ ہے۔ نکدہ اس کا کہنا ہے کہ وہ ہر کام صرف دیکھ کر فوراً سیکھ لیتا ہے مگر کیا یہ ممکن ہے؟“

”بالکل نہیں۔“ سونپا نے جلدی سے کہا۔

”تو پھر وہ جھوٹ کیوں بول رہا ہے اور اگر بول رہا ہے تو اس کی وجہ۔۔؟“

”وہ جگ کہاں بولتا ہے۔ ہو سکتا ہے اس کے ہاں پردہ بھی کچھ ہو۔“

”مگر کیا؟“

”مجھے کیا معلوم۔“

”ہم اس کے سلسلے میں ہر کوشش میں نا کام رہے ہیں نہ اس سے دوستی کر سکے ورنہ دشمنی بھاسکے۔“

”تم اس کے بارے میں زیادہ سوچ رہے ہو اکبر بیوہ جس طرح بھی ہو سکے اسے یہاں سے بھاگا دو وہ کون ہے کیا ہے ہمیں اس سے کیا غرض۔ بس دفعتاً ہو جائے یہاں سے۔“ سونیا نے ناک میکوڑ کر کہا۔

سونیا کا کہنا غلط نہ تھا۔ خدم شاہ، اکبر شاہ، سونیا اس کے بارے میں کیا کچھ پکا رہے ہیں۔ اسے اس سے غرض نہ تھی۔ وہ تو کھانا کھا کر مست تھا۔ سونیا نے جھولے پر اس کی چٹائی لینے کی کوشش کی تھی۔ اس نے کوئی شکوہ نہ کیا تھا۔ اکبر شاہ نے اسے تھیل میں ڈبو کر مارنا چاہا تھا وہ غیر مطمئن نہ تھا۔ ہاں اس کے بعد اس نے سونیا کے پاس آنے کی کوشش نہیں کی تھی اور اکبر شاہ سے ہی نہیں دوسروں سے بھی دور رہا تھا۔ بارش میں سب رنگ ریوں مٹاتے رہے تھے۔ وہ الگ تھلک رہا تھا اب تو شیٹا بھی اسے زیادہ منہ نہ لگا رہا تھا شاید وہ اس کے سلسلے میں تنازع سے اُبھ گیا تھا۔ اسے ان باتوں کی پروا نہ تھی۔ وہ سب سے الگ تھلک بھی خوش تھا۔ اس وقت بھی وہ اپنا ہاتھوں کے بل چلتا ہوا کوئی نصف فرلانگ کا فاصلہ طے کر کے کمپ سے دوران چٹانوں تک پہنچا تھا۔ اسے علم نہ تھا کہ چار آنکھیں اسے دیکھ رہی ہیں۔ راجا جگر ری اور بھلا صاحب تھے جو ٹپٹے ہوئے اس طرف نکل آئے تھے دور اس خوشگوار موسم سے غلط انداز ہو رہے تھے۔ دن کی گفتگو کا موضوع سرکس ہی تھا اور بھلا صاحب راجا جگر ری کو بتا رہے تھے کہ کس طرح کہانی میں تھوری سی ترمیم کر کے سرکس کے مناظر ۱۹ لے جائیں گے۔

”ان لوگوں کی بھی عجیب زندگی ہوتی ہے۔“ راجا جگر ری نے کہا۔

”ہاں لیکن دلکش بھی۔“

”خطرہ بھی بہت ہوتا ہے، ہر شام وہ موت کے ہم سفر ہوتے ہیں۔ سرکس کے مالک کو دیکھ لیں۔ ضرور وہ کھیل دکھاتے ہوئے اپنے پیروں سے ہاتھ دھو بیٹا ہوگا۔“

”ظاہر ہے مگر کمال کا انسان ہے۔ میں نے محسوس کیا ہے کہ سرکس کا بچہ بچہ اس سے عشق کرتا ہے۔“

”یہ لیجئے معمر محل ہو گیا۔“ راجا جگر ری نے سامنے اشارہ کر کے کہا اور بھلا صاحب نے بھی اس شخص کو دیکھ لیا جو ہاتھوں کے بل چلتا ہوا اس طرف آ رہا تھا۔ وہ ہنس پڑے۔

”وہ پورے بدن کو استعمال کرنا جانتے ہیں، پاؤں چپے گئے تو کیا ٹھم ہاتھوں سے کام چلا لیتے ہیں۔“

”آساں تو نہیں ہے۔“ بھلا صاحب دلچسپی سے سے دیکھتے رہے۔ راجکمار کی بھی اس طرح متوجہ تھی لیکن وہ ان دونوں کی یہاں موجودگی سے بے

خبر تھا۔ شاید وہ چنانوں کے پاس سے بھی گزر کر آگے بڑھ جاتا مگر ان دونوں کو دیکھ کر ٹھٹھک گیا اور پھر اچانک قلابازیاں کھا کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔

راجکمار نے تسخیرانہ نگاہوں سے اسے دیکھا لیکن دوسری نگاہ میں تسخیر نہ رہا تھا بلکہ اس میں حیرت اور پسندیدگی کے تاثرات ابھرائے تھے۔ سرخ اسعید

رنگ اور دلکش نقوش والے نوجوان کے چہرے پر خون رکا ہوا تھا اور وہ ابھی بھی کھلا ہوا گلاب معلوم ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں سورج جیسی روشنی تھی۔

لال بھبھوکا چہرے پر پسینے کے قطرات اس طرح ابھرائے تھے جیسے گلاب پر شبنم کے قطرے رک گئے ہوں۔ راجکمار نے اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

راجکمار کی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی اس نے مضرت کے انداز میں شانے ہلائے اور واپسی کے لئے پانا تو بھلانے جلدی سے کہا۔

”سنو سنو نوجوان کہاں چلے“

”سوری بھلا صاحب مجھے علم نہیں تھا کہ آپ یہاں موجود ہیں۔“ نوجوان کی آواز بھی بہت خوبصورت تھی۔

”ورنہ تم اس طرف نہ آتے۔“ بھلا صاحب نے مسکرا کر کہا۔

”ظاہر ہے، اوصولی طور پر نہیں آنا چاہئے۔“

”میرا بڑا نقصان ہو جاتا۔“ بھلا صاحب بولے اور وہ حیران ہو کر انہیں دیکھنے لگا۔

”نقصان؟“ اس نے کہا۔

”ہاں، میں اور راجکمار ایک انسان کو نہ دیکھ پاتے جس نے چنبل قدمی کے لئے ایک یا ندر اختیار کیا ہے۔“ بھلا صاحب نے کہا اور تہقہ دار

کرائس پڑے نوجوان بھی مسکرا دیا پھر بولا۔

”ہاں ان علاقوں میں جانوروں کی بڑی کمی محسوس ہوتی ہوگی آپ کو، دیسے ان خوبصورت پہاڑی علاقوں میں جانور ضرور ہونے چاہئے تھے

تھوڑی بہت کمی ہم نے پوری کر دی ہے۔“

”جانور تو خیر کہیں نہ کہیں نظر آ جاتے ہیں لیکن مرغی انسان کا تصور ابھی تک قصبے کی بنیوں میں ہی ملتا تھا۔ وہ مجسم نظر آ جائیں تو کہاں ہے دیسے مجھے

تعجب ہے کہ علام شاہ نے تمہارا تعریف مجھ سے نہیں کر یا حالانکہ تم نے بڑے اطمینان سے مجھے بھلا صاحب کہہ کر پکارا ہے۔“

”میں سرکس میں معروف نہیں ہوں آپ کا تعارف معروف لوگوں سے کرایا گیا ہے۔“

راجکری برقی پالش نظروں سے اسے دیکھے جارہی تھی وہ ابھی تک کچھ نہیں بولی تھی بھلا صاحب نے کہا۔ ”یہ ہماری ہیروئن راجکری جی ہیں اگر تم فلم کے شائق ہو تو تم نے ان کی میٹا رلقوں میں سے کچھ ضرور دیکھی ہوں گی فلمیں ان کے نام سے کامیاب ہوتی ہیں۔“

”جی میں نے انہیں دیکھا ہے۔“

”تمہارا نام کیا ہے؟“

”شارق کے نام سے پکارا جاتا ہوں۔“

”سرکس میں کیا کرتے ہو؟“

”گھوڑوں کی تربیت کرتا ہوں۔“

”یقیناً گھوڑوں سے بھی سرکے بل چلنا شروع کر دیا ہوگا؟“ بھلا صاحب ہنس پڑے۔

”تم فلم میں کام کیوں نہیں کرتے؟“ راجکری نے کہا۔

”غلطی ہوگئی آئندہ کروں گا۔“ اس نے ہر جتہ کہا۔

”یقیناً کرو گے یہ میں کہہ رہی ہوں، کیوں بھلا صاحب۔“ راجکری نے اس کے مذاق کو نظر انداز کر کے کہا۔

”راجکری جس شخص کے بارے میں یہ بات کہہ رہے ہیں انہیں اپنے سے کون روک سکتا ہے۔“

”اچانٹ۔“ ”نوجوان نے کہا۔

”کیوں کوئی نام ہے؟“ راجکری نے کہا۔

”جی گھوڑے میرے بغیر اس ہو جاتے ہیں، زیادہ دیر ان سے دور نہیں رہتا۔“ نوجوان نے عاجزی سے کہا اور پھر جواب کا انتظار کے بغیر وہاں سے پٹ گیا۔

”آپ بے دیکھا بھلا صاحب۔“ راجکری نے کہا۔

”واقعی بڑا شاندار جوان ہے اسکرین پر چہرہ کیسا لگتا ہے اس کا اندازہ ابھی نہیں ہو سکتا لیکن آوار بے حد شاندار ہے اور تلفظ کمال کا ہے میں خود بھی اسے دیکھ کر ششدر رہ گیا ہوں۔“

”بھلا صاحب! سے قلموں میں ضرور آتا چاہئے یہ میری دریافت ہے۔“

”تم نے سرکس میں ایک لڑکی دیکھی ہے، سو نیا نام ہے۔“

”غور نہیں کیا۔“

”وہ بھی بے حد حسین ہے ہم اسے سرکس کے کچھ مناظر میں شامل کرنے کے لئے بات کر رہے ہیں۔“

”اس کی بہن ہوگی۔“

”نہیں سرکس کے، لڑکی بھتیجی ہے اس کا بھی ایک بھائی ہے۔ اکبر شاہ دراصل یہ سرکس کے لوگ ہیں، جسمانی طور پر انہیں ٹٹ ہوتا ہی چاہئے تھا مگر یہ لوگ خوبصورت بھی ہیں یہ دلچسپ بات ہے۔“

”اس نے مجھے بہت متاثر کیا ہے بھلا صاحب آپ اسے بھی قلم میں کاسٹ کریں پھر دیکھیں آپ کی دریافت زیادہ شاندار رہتی ہے یا میری۔“

راجکمار نے مسکراتے ہوئے کہا اور بھلا صاحب پر خیالی ٹکا ہوں سے اسے سرکس کی سمت جاتے ہوئے دیکھتے رہے پھر انہوں نے ہنس کر کہا۔

”یوں لگتا ہے یہ سرکس ہمیں بہت کچھ دے رہا ہے۔“

”کیا مطلب؟“ راجکمار نے سوالیہ ٹکا ہوں سے انہیں دیکھا۔

”میرا مطلب ہے کنور جیت اس لڑکی کے لئے سفارش کر چکا ہے اور میں خود بھی سرکس کے کچھ مناظر قلم میں شامل کرنے کے لئے تیار ہو گیا ہوں اور قلم نے بھی ایک نوجوان کو دریافت کر لیا۔“ بھلا صاحب بولے۔

”آپ مجھے خود بتائیے بھلا صاحب کیا یہ نوجوان اتنی حسین شخصیت کا، لک نہیں تھا کہ اسے قلم میں شامل کیا جائے بھلا صاحب طویل عرصہ ہو گیا ہے

مجھے آپ جیسے تجربہ کار نوگوں کے ساتھ کام کرتے ہوئے اب تو یہ دعویٰ کر سکتی ہوں کہ میری لگا چیں بھی جو بر شائیں ہو گئی ہیں۔“

”کیوں نہیں بھی کیوں نہیں؟“ بھلا صاحب نے تائید کرتے ہوئے کہا۔

”ان لوگوں کی تو رٹری نکل آئے گی خیر ہم یہ تو نہیں کر سکتے کہ ہم انہیں باقاعدہ قلموں میں کاسٹ کرنا شروع کر دیں لیکن اس بات کے امکانات ہیں

کہ پھر دوسرے لوگ بھی ان کی چاب دوڑیں گے ویسے بھلا صاحب میری رائے ہے کہ آپ ان دونوں کی پرفارمنس دیکھ کر ان پر بھی کوئی قلم بتائیں

حاصل طور سے میں اس نوجوان کے بارے میں کہہ سکتی ہوں اگر یہ باقاعدگی سے قلموں میں آجائے تو بے مثال ہوگا۔“

”اس میں کوئی شک نہیں ہے، راجکمار لڑکیوں تو عموماً اپنی حسین صورتوں کی وجہ سے قلموں میں آ کر کامیاب ہو جاتی ہیں لیکن نوجوان بہت مشکل

سے ملتے ہیں اور ہماری فلموں میں ان کی بہت کمی ہے خیر اب چونکہ مسئلہ تمہارا بھی ہے اس لئے میں اپنی خصوصی توجہ دوں گا۔“

”شکر یہ بھلا صاحب میں آپ کے بن جھوں سے متفق ہوں کہ مسئلہ میرا بھی ہے۔“ راجندر نے کہا اور بھلا صاحب ایک ٹھنڈی سانس لے کر اسے دیکھنے لگے راجندر یوں...!

”میرا خیال ہے آپ آج ہی اس کا اسکرین ٹیسٹ اور سادہ نظریہ ٹیسٹ کر لیجئے اور اس کہانی میں اس کے لئے بھی منجوش نکالئے۔“

”نکالوں گا۔“ بھلا صاحب نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا ویسے اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ لو جو ان نے نہیں بھی حتمی کیا تھا لیکن واپس بات یہ تھی کہ فلم کے ہیرو نے بھی ایک نئی نئی کی سٹارش کر ڈالی تھی اور ہیروئن نے بھی کھل کر یہ بات کہہ دی تھی کہ لو جو ان کو فلموں میں شامل کرنا اس کا اپنا مسئلہ ہے۔ بھلا صاحب اسی بات پر ٹھنڈی آہیں بھروسے تھے کہ کہیں ان کی یہ شاندار کہانی ہیرو داؤر ہیروئن کی فرمائش پر چوں کا مرید نہ بن جائے لیکن ہیرو داؤر ہیروئن کی فرمائش نہ پوری کرنے سے بھی کہانی کیا پوری فلم کا ہیڈ فرتق ہو سکتا تھا چنانچہ ان کی فرمائش پوری کرنا بھی بے حد ضروری تھا شام کے سائے تیزی سے چپے ٹھکنے لگے آسمان بالکل شفاف ہو گیا تھا اور اب اس بات کے امکانات نہیں تھے کہ مزید ہارٹس ہو، کبھی کبھی ہاؤلوں کے کھڑے آتے تھے لیکن گزر جانے والے یہاں تک کہ رات ہو گئی اور دونوں سمت رات کی تیاریاں ہونے لگیں۔ غلام شاہ کے ذہن میں بھلا کی باتوں سے بڑی جگہ پیدا ہو گئی تھی۔ وہ اسی قسم کا شام تھا جہاں نکلے دوسرے لوگ بھص، اوقات اس کی اس سادہ دلی سے پریشانوں کا شکار ہو جاتے تھے لیکن عدم شاہ کی فطرت پر کون نکتہ چینی کر سکتا تھا غلام شاہ اس وقت بھی بھلا سے گفتگو کر رہا تھا اور ملے پایا تھا کہ صبح جلدی سفر شروع کر دیا جائے اور شام کو کوئی ایسا جگہ منتخب کر دیا جائے جہاں قیام کیا جاسکے، بھلا صاحب نے کہا۔

”ہم بھی امداد چاہتے ہیں گے دیسے آپ مجھے چاہتے ہیں گے شاہ صاحب کہ اگر مجھے کوئی عمدہ لوکیشن نظر آئے تو وہاں تھوڑی بہت شوٹنگ بھی کروں۔“

”ارے ہم کونسا جہدوری کام رہے بھائی بھیسے حیرانہ دل چاہے کہ بھیا، ہمیں کسی بات پر اعتراض نہ رہے۔“ غلام شاہ نے کہا۔

”شاہ صاحب یہ سرکس جو اتنا طویل سفر طے کر رہا ہے تو اس میں آپ کو نقصان نہیں ہو رہا۔“ بھلا صاحب نے کہا اور غلام شاہ جسنے لگا پھر ہوا۔

”دیکھ، اے بھائی بھلے یہ سب سر جو سرکس میں کام کرتی ہیں ناں ہم تو کاتبائی ہے کہ ہمارے کہنے کے لوگ رچیں ایک بھی لگ کا آدھی نہ رہے انا سب کی ضرورت ہمارے پاس سے پوری ہو چکی ہے اس اور کا چاہنے ہم کا کوئی سر دولت کا پچا ری نہ رہے اور پھر اللہ کا دیا اپنے پاس اتکا ہے بھائی کہ ہمیں خود بھی ہوس نہ رہے۔ مجھے مجھے سے کام کریں ہیں جہاں دل چاہے منڈوا لگا لے ہیں اور جب دل چاہے کام شروع کر دیں ہیں کسی کو کوئی اعتراض نا ہے بس بھیا دل روٹی چل جائے۔ کافی رہے اور سرکس کا کرنا ہے۔“

”ہوں یقیناً یقیناً اصل میں یہ بات میں اس لئے کہہ رہا تھا کہ اگر ہم اچھے آرام آرام سے آگے کا سفر کریں گے تو آپ کو بھی نیا مگر بیچنے میں بہت دیر لگ جائے گی حالانکہ نیا مگر میں میل شروع ہونے میں ابھی کافی وقت ہے اور اگر آپ میلے ہی میں یہ سرکس لگائیں گے تو آپ کو نگار کرنا پڑے گا یہ دوسری بات ہے کہ آپ کا سرکس جہاں لگ جائے وہاں میلہ شروع ہو جائے گا۔“

”تمیں کوئی جلدی نا رہے بھی اور ہم ی بات تو پر چھوڑ دی ہے، اگر تے بھاگ بھاگ کر چلنا چاہتے رہے تو بھی ہم کا کوئی اعتراض نا ہے ہر اکا جائے ہے کھو بھی بھاگ نہی ہے۔“ غلام شاہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

”تمیں غلام شاہ صاحب بس میں یہ سوچ رہا تھا کہ آپ کا ساتھ تو کسی طور نہیں چھوڑنا لیکن اچھی لوکیش کو نظر انداز کرنا میرے لئے ایک مشکل کام ہوتا ہے اب آپ کی اجازت مل گئی ہے تو ان راستوں میں بھی نہیں نہ کہیں شنگ کروں گا۔ آپ کو یقیناً فلمی کہانیوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہوگی لیکن اس فلم کے بارے میں، میں آپ کو بتاؤں کہ یہ صرف ایک فلم ہی نہیں ہے اور اس کی کہانی روتی نہیں ہے بلکہ اس میں وطن سے محبت کے بہت سے ایسے سبق بھی دیئے گئے ہیں جو انسانوں کے لئے ضروری ہیں۔ میں اسمگلروں کی زندگی پر یہ فلم بنانا بہا ہوں اور یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اسمگلنگ ملک کے لئے کس قدر نقصان دہ ہے اس میں لکھتوں کے بہت سے پہلو ہیں، ہمیں اپنے وطن سے محبت کا ثبوت دینا ہی چاہئے۔“

”ہاں رہے بھائی کا ہے نا ہے۔“

”اور آپ نے مجھے سرکس میں شنگ کرنے کی اجازت دے کر تو میری فلم میں جان ڈال دی ہے کتنا شکریہ ادا کروں آپ کا۔“

”دیکھ بھیا ہم رچیں جاہل آدھی ایک باری تو سے کہہ دیا کہ سرکس کی ضرورت نا رہے جب بھائی بندی ہو گئی ہے تو سرکس یہ گالی کی حیثیت رکھتا ہے۔“ بھلا صاحب جسنے لگے تھے پھر انہوں نے کہا۔

”در اصل کچھ باتیں مجھے خوفزدہ کر رہی ہیں شاہ صاحب وہ یہ کہ آپ کا انداز صرف سرکس دانوں جیسے نہیں ہے اس سرکس میں جتنے افراد ہیں ان میں

دیکھ کر تو مجھے بس ایسا ہی لگتا ہے جیسے ایک گھرانہ ہو ایک گنبد اور سب اس گنبد کے بزرگ کے حکامات مانتے ہوں بڑا رشک آتا ہے آپ کو دیکھ کر قلمی زندگی ایک مصنوعی حیثیت رکھتی ہے پردے پر جو کچھ پیش کیا جاتا ہے وہ معشرے کی کہانی تو ضرور ہوگی لیکن جو کردار اسکرین پر نظر آتے ہیں وہ سب نقلی ہوتے ہیں اور انہیں معاشرے کے ان افراد کا کردار ادا کرنا ہوتا ہے جو مختلف سوچوں کے مالک ہوتے ہیں۔ اس میں جیسا کہ میں نے آپ کی بحثی کے بارے میں سوچا اس کا بھی ایک اہم کردار ہو گا کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ اس کردار کو ناپسند کریں۔“

”دیکھ رہے ہو؟ بھئی بھئی ہم کا بولے کہتے ہمارے بھائی رہے سو بڑا اھار سونپا تو ہمارے بھائی رہے اور تے جو کچھ کری ہے وہ جرات کے لئے کری ہے جب ہم تو کا تبادلہ ہے تے پھر پریشانی کا ہے کی۔“

”اس اعتماد کا بھی شش شش“ بھلا صاحب خاموش ہو گئے کیونکہ غلام شاہ کہہ چکا تھا کہ شکر یہ ایک گان ہے۔ بہر طور ان دونوں کی قرینیت بڑھتی جا رہی تھیں غلام شاہ تو اس بات کا عادی تھا کہ جو الفاظ منہ سے نکال دیئے اس وہ پھر کی لکیر بن جائیں بھلا صاحب بھی اپنے دس میں اس کے لئے گنجائش محسوس کر رہے تھے اور تھوڑا سا تردد انہیں کنور جیت کی فطرت پر تھا کیونکہ کنور جیت اپنی ہی کیفیت ان سے بیان کر چکا تھا تاہم انہوں نے دل میں سوچا کنور جیت سے یہ بات کہہ دیں گے کہ کوئی ایسی ہلکی بات نہ ہونے پائے جو غلام شاہ کے لئے ناقابل قبول ہو اگر کہانی میں اس ٹک کی شمولیت غلام شاہ کے لئے قابل قبول ہو تو پھر بات خرید آگے بڑھائی جائے لیکن شکایت کا کوئی موقع نہیں ملتا چاہتے رات کی سرگرمیوں بالآخر پرسکوت ہو گئیں اور دوسری صبح سورج نکلنے سے بہت پہلے غلام شاہ کے آدمیوں نے کام شروع کر دیا اس کی آواز میں سن کر بھلا صاحب کے آدمی بھی جاگ گئے بھلا صاحب نے رات ہی کو ان لوگوں کو ہدایت دے دی تھی کہ وہ صبح سورج نکلنے سے پہلے سڑکی تیریاں کر لیں اور یہ کام خوش اسلوبی سے شروع ہو گیا تھا۔ ہلکا پھلکا ناشتہ کیا گیا اب وہ فاصلے بھی ختم ہو گئے تھے جو دونوں گروپوں کے درمیان رہتے تھے اور بھلا صاحب کی تینوں گاڑیاں بھی سرکس کی گاڑیوں کے ساتھ شامل ہو گئی تھیں چنانچہ سفر جاری ہو گیا اور اس سفر میں کنور جیت نے خالص طور پر یہ خیال رکھا تھا کہ وہ کسی طرح سونپا اور اکبر شاہ کے درمیان جا گئے اکبر شاہ نے خود ہی اسے پیشکش کی تھی کہ وہ اس کی جیب میں آ جائے اور کنور جیت مسکراتا ہوا اس کے ساتھ چاہیے تھا اس وقت اکبر شاہ اور سونپا کے ساتھ شیراز، ایاز اور ساتولی بھی تھے غلام شاہ کی ہدایت کے بعد اکبر شاہ نے فوراً ہی ساتولی، دریا کے سسے میں اپنا رویہ نرم کر لیا تھا اور خصوصاً انہیں اپنے ساتھ بیٹھنے کی پیشکش کی تھی جس سے ایاز اور ساتولی بھی کسی قدر مطمئن ہو گئے تھے گاڑیاں آگے بڑھ گئیں سونپا نے مسکراتے ہوئے کنور جیت کا استقبال کیا تھا اور تھوڑی دور چلنے کے بعد اس نے کہا۔

”کنور جی آج کل تو میں سرکس کے بجائے قلم کے بارے میں ہی سوچنے لگی ہوں“ کنور جیت کے چہرے پر مسرت کے آثار پھیل گئے پھر اس

نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”آپ لوگوں نے ہمیں جس قدر پناہ دی ہے اسے شاید ہم مرتے وقت تک نہ بھول سکیں جب تک فلم وغیرہ کا معاملہ ہے اس سو نیا تو یہ سب زندگی اور زندگی کی ضروریات سے تعلق رکھنے والے شے ہیں لوگ جینے کے لئے کچھ نہ کچھ کرتے ہیں یہ دوسری بات ہے کہ بعض لوگ زندگی بھر بہت کچھ کرتے ہیں اور کوئی انہیں نہیں جانتا صاف سمجھتے ہیں کہ یہ سب کچھ ہے فلم سے بہت زیادہ مشکل شعبہ، یہاں آپ لوگ جو کرتے ہیں وہ معمولی نہیں ہوتا لیکن اسے وہ اہمیت حاصل نہیں ہے جو فلم کو۔ لوگ سرکس دیکھتے ہیں داد دیتے ہیں اور چلے جاتے ہیں جب کہ ایک فلم آ رشتہ اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں کرتا لیکن اسے بین الاقوامی شہرت ملتی ہے۔ دنیا کے ہر ملک میں اس کے شہس اور اس سے محبت کرنے والے ملتے ہیں۔ ان دوران پھاڑوں میں آپ نے ہمیں جس طرح خود میں شامل کیا ہے شادی اس سے متاثر ہو کر میرا دل چاہتا ہے کہ میں آپ لوگوں کو آسماں کی بلندیوں تک پہنچا دوں۔“

”سب کو نہیں کھور جیت جی میں جیتنا چاہتی ہوں۔“ شیرانے کہا اور سب ہنس پڑے کھور نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”میں شہرت کی بات کر رہا ہوں شیر جی بھگوان کرے میری عمر بھی آپ کو لگ جائے۔“

”مجھے.....“ شیرانے کہا اور ایک بار پھر قہقہہ بھرا۔

”یہ شیرا بہت تیز ہے کھور جی اس کی بات کا بمانہ، میں واقعی فلم کے بارے میں زیادہ سوچنے لگی ہوں۔ ویسے سرکس کے ٹاٹ فلانے کے بارے میں بھلا صاحب کہہ رہے تھے؟“ سو نیا نے کہا۔

”بھلا صاحب انٹرنی کے ان لوگوں میں شمار ہوتے ہیں جن کی کوئی مثال نہیں ہوتی۔ ان کے ساتھ کام کرنے والی فیم بھی ان سے ناخوش نہیں ہوتی وہ سب کی سنتے ہیں، سب کی مانتے ہیں، اس لئے بے شمار کامیاب فلمیں بنا چکے ہیں۔ موجودہ کہانی میں ہر طرح کے بڑے چمکی گنجائش ہے اور سرکس کے مناظر اس میں چار چاند لگا دیں گے مگر میں نے جو جو بڑے انہیں پیش کی ہے اس پر وہ خوشی سے جھوم اٹھے ہیں۔“

”وہ کیا؟“

”ہم آپ کے سرکس سے چند ہفتہ کر دار لے کر انہیں کہانی کا ایک پورٹن بنائیں گے اور صرف سرکس نہیں ہوگا ان میں بلکہ کہانی بھی ہوگی سو نیا کا رول بہت بڑا ہوگا۔“

”وہ۔۔۔ میں کر سکتی گی۔“ سو نیا پر مسرت لہجے میں بولی۔

”یہ کریں گی آپ سو نیا کہ دیکھنے والے دیکھیں گے ویسے جب جب ہم رکیں گے تو میں پر وینکٹر پر آپ کو کچھ بھی دکھاؤں گا اس سے آپ کو مدد

میں نے درشاہی آپ کو بھی میں ایک رنگ روں دے رہا ہوں۔“ کنور نے اکبر شاہ سے کہا۔

”جو دل چاہے کرو مگر بعد میں ہمیں پراہم نہ کہنا۔“ اکبر شاہ نے ہنس کر کہا دوپہر کے قیام کے دوران کنور جیت اس جیب سے تر کر ٹک میں جا بیٹھا تھا جہاں کہانی نوٹس مٹھی فقیر دین بیٹھے ہوئے تھے۔

”کہئے مٹھی جی کیا لگ رہا ہے یہ سطر؟“

”جوتی میں پوچھتے تو بتاتے کنور صاحب۔ اب کیا بتائیں۔“

”بھلا صاحب سے کہانی میں تبدیلی کے بارے میں کوئی بات ہوئی؟“

”ہاں، انہوں نے کہا ہے کہ سرکس کی کوئی جھڑپیں پیدا کی جائے۔“

”آپ نے کچھ سوچا۔؟“

”جگہ تلاش کر رہے ہیں۔“

”اودہ جگہ ہی جگہ ہے میں خود آپ کے ساتھ بیٹھوں گا اس سلسلے میں۔“ کنور جیت نے کہا۔

”ضرور ضرور کہیاں آپ کے دم سے جتی ہیں کنور جی کہانی کا رکا تو پیٹ پالا جاتا ہے ورنہ جو آنکھ پئے جو چو بیٹھو ہیرا دور ہیرا کے دامن میں پیدا ہوتی ہے وہ کہانی نوٹس کے تصور میں نہیں آتی۔“ مٹھی جی نے کہا۔

”بڑے بیٹے ہیں آپ فکر نہ کریں آپ کے پیٹ کا بھی خیال رکھا جائے گا۔“ کنور نے جیتے ہوئے کہا شام پانچ بجے وہ حس علاقے میں داخل ہوئے اسے دیکھ کر بھلا صاحب اچھل پڑے۔

”کمری اس لوکیشن کو دیکھو، بنگلوں کی سونگہ دیوانہ کر دینے والے جگہ ہے۔“ جگہ واقعی اچھی تھی پھاڑ بڑے سے لدے ہوئے تھے بے ترتیب درخت بکھرے ہوئے تھے جس منظر میں ایک وسیع و عریض جمیل نظر آرہی تھی یہاں شوٹنگ ضرور کروں گا میرا خیال ہے ایک گانا بھی یہاں شوٹ کیا جاسکتا ہے وہ دیوانہ والا۔“

”کیا حرج ہے۔“ راجکاری نے کہا۔

”غلام شاہ صاحب سے بات کرتا ہوں سوچیں گا ڈی غلام شاہ کی جیب کے پاس لے جاؤ بھلا صاحب نے کہا اور ڈر سحر نے رفتار بڑھا کر جیب غلام شاہ کی جیب سے لگا دی بھلا صاحب بولے۔“ شاہ صاحب اس جنت سے گزر جائیں گے کہا۔“

”وے ہم کھو دو تو سے ای پوچھن لاگے وے بھائی۔“

”یہ حسین جگہ پاؤں میں زنجیر ڈال رہی ہے۔“

”وے گر بھتا رہو جا بھائی کون سرور کے ہے غلام شاہ نے کہا اور پھر جگہ پسند کر لی گئی کسی کو، اعتراض نہ تھا کسی کو کہیں پہنچنے کی جلدی نہیں تھی سرکس کے لوگ خیمے لگانے لگے بعد غلام شاہ کے پاس آ گیا۔

”یہاں میں شوٹنگ کروں گا۔“

”یوہیا جگہ ہے تے پوے تو تہیہ ہوائی دیں ہمارا چھو کر آگے بھی بت دوں سے مسک نہ کری ہے۔“

”واہ طلب آ جائے گا یہاں قیام لمبا کیا جا سکتا ہے یوں کریں گے شاہ صاحب کہ یہاں کچھ طویل قیام کئے لیتے ہیں پھر مسلسل سفر کریں گے تاکہ کمر پوری ہو جائے۔“

”ہم تو سے کہہ دئے ہے کہ اب تے ہمار بہت کچھ ہے جو تیرا دل چاہے کر ہم منع نہ کرت ہیں۔“

”تو پھر ٹھیک ہے آپ حکم دے دیں۔“ بعد صاحب نے کہا اور غلام شاہ، کبیر شاہ کو بلا کر ہدایت دینے لگا اکبر شاہ نے کارکنوں کو ہدایت دیں اور انسانی مشینیں عمل کرنے لگیں ایک پھولوں بھرے پہاڑی اُحدان کے پاس وسیع و عریض ٹینٹ پھیلا دیئے گئے اور میٹھیں ٹھوگی چائے لگیں ذرا سی دیر میں شہر آباد ہو گیا۔ ادھر نزدیک ہی ظلم یونٹ کی چھوٹے اریاں بھی لگ گئی تھیں راجکری شائق کو تلاش کر رہی تھی وہ اسے سرکس سے کافی دور پھولوں کے ایک حلقے کے پاس بیٹھا لیا۔

”اوسے تم یہاں ہو میں تمہیں کہاں کہاں تلاش کرتی پھر رہی ہوں۔“

”راجکری جی۔“

”صرف راجکری قلموں میں کام کرتی ہے۔“

”خوب آپ ادھر کیسے نکل آئیں۔“

”تمہیں تلاش کرتی ہوئی۔“

”کوئی کام ہے مجھ سے؟“

”ہاں بہت ضروری۔“ راجکری نے کہا۔

”فرمائیے!“

”جسہیں ہماری فلم میں کام کرتا ہے۔“

”جی“ ”وہ حیرت سے بولا۔“

”تمہاری تقدیر کا ستارہ تو اسی وقت چمک اٹھا تھا جب تم ہمارے سامنے آئے تھے۔“

”میں وہ روشنی نہ دیکھ سکا۔“

”دیکھ لو گے جلدی کیا ہے تم گھوڑوں کے ٹریڈر ہوتا۔؟“

”جی ہاں گھوڑا بھی ہوں۔“

”کیا مطلب۔؟“

”نہ جانے کیوں میں خود کو کبھی کبھی گھوڑا سمجھنے لگتا ہوں۔“

”کیا۔“ وہ ہنس پڑی۔

”آپ یقین کریں کبھی ریل چاہتا ہے کہ زور زور سے ہیناؤں اور کبھی دولتیں مارنے کو جی چاہتا ہے۔“

”مجھے نہ یاد دینا۔“ راجکمار نے مذاق سے محفوظ ہو کر کہا۔

”اسی لئے گزارش کرتا ہوں کہ کبھی میرا پیچھا نہ کریں۔“

”تمہارے سامنے ہی رہنا پڑے گا۔“ راجکمار نے اس کے سامنے آ کر بے تکلفی سے بیٹھ گئی اور وہ عقلی خیز نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ پھر اس کے

چہرے کے تاثرات بدیں ملے اس کے ہونٹ مسکرنے لگے۔

”کیا تم بھی اسی قبیلے سے تعلق رکھتے ہو۔“

”ہاں!“

”تم اس فلم کی ہیروئن ہو۔“

”ہاں!“ راجکمار نے جواب دیا۔

”جسہیں سرکس کے پارے میں کھوج کیوں ہوگئی؟“

”کل جب تک تمہیں نہیں دیکھا تھا کسی سے بھی پوچھ لو، میں نے سرکس کے ہارے میں ایک لفظ بھی نہ کہا تھا کسی سے۔ بھلا صاحب اس سرکس کو اپنی فلم میں شامل کر رہے ہیں میں نے اس سے یہ بھی نہ پوچھا کہ سرکس کو وہ کہانی میں کہاں ٹھوسیں گے۔ مگر تمہیں دیکھنے کے بعد میں خود بھی بھلا صاحب کی تائید کرے لگی ہوں۔“

”تائید۔“ شارق نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

”اب مجھے اس بات میں دلچسپی ہے کہ سرکس فلم میں ضرور ہونا چاہئے خاص طور سے میں اس میں چہاراروں زیادہ سے زیادہ رکھنا چاہتی ہوں۔ جانتے ہو کیوں؟“

”جیسا چاہتا؟“ وہ آہستہ سے پولا اور را بکھاری دل آواز مسکراہٹ سے اسے دیکھے لگی۔

”میں بے شمار فلموں کی صف اول کی داستانوں میں گر آج تک خبرات کو میرے ہارے میں کوئی انٹیکنڈل نہیں مل سکا۔ لیکن یہ مگر سے واقعی کے بعد خبرات کو ایک کہانی بنے گی۔ فلمی دنیا کو ایک نیا ہیرو ملے گا۔ تم میری دریافت کہل و گے اور مسٹر شارق اس کے بعد جو ہارے ہارے میں کہانیوں کا طوفان اٹھے گا تم سوچ بھی نہیں سکتے۔“

”آپ کوئی فلمی کہانی بنا رہی ہیں را بکھاری جی۔“

”فلمی دنیا کی کہانی بنا رہی ہوں۔ کچھ جانتے ہو اس کے ہارے میں۔“

”جی نہیں۔“

”کوئی بات نہیں اس زندگی میں داخل ہو کر بہت کچھ جانا لو گے۔ ویسے تم نے اس زندگی سے کبھی ٹکے کی کوشش نہیں کی؟“

”سرکس سے؟“

”ہاں کیا رکھا ہے اس میں، ہر شام زندگی داؤ پر لگانا ہوتی ہے۔ آئندہ بچ گئے تو تالیاں دو بھر کچھ ہو گیا تو ساری زندگی ختم۔ جب رے سرکس کے مالک نے تو دولت کے بل پر سرکس بنا لیا اس سرکس کا ہر فنکار اپنا سرکس بنا سکتا ہے۔“

”تمہیں؟“ شارق دلچسپی سے پولا۔ حد سے زیادہ خود حمادی کا شکار یہ بے وقوف عورت اسے دلچسپ لگتی تھی۔ اچھی صورت ہے یا کتنا ادا اس کے

علاوہ اور کیا کوئی تھی اس کی مگر وہ خود کو نہ جانے کیا سمجھ رہی تھی۔

”تم مجھے فلمی دنیا میں متعارف کراؤ گی؟“

”ہاں! ایک بڑا عقیم فنکار، لوگ کہیں گے یہ راجکری کی دریافت ہے دولوں میں تھارے ساتھ ہیروئن آ جاؤں پھر اپنا نام دیکھن، عزت، دولت، شہرت کیا کیا نل جائے گا تمہیں۔“

”مگر تم میرے لئے یہ سب کیوں کرو گی؟“

”اس لئے کہ تم اس قابل ہو۔ تم جنگل کے پھل ہو سرسبز، زرد تارہ مروانہ دھات کا بے مثال شہکار جس کی توہین کی جارہی ہے۔ اس سرکس میں ہونہ۔ گھوڑوں کا ٹریڈ آٹریکٹو بھیسے ہوئے ہو تم یہاں۔“

”تم بھی کوئی جو نہ ٹی تھی۔“

”بہل تھی ہوں۔ جانتے ہو میں تھارا فلی ہام رکھوں گی؟“

”کیا روکھو گی۔“

”روپ تھار۔ جنگلی گلاب۔“ راجکری نے مسکراتے ہوئے کہا اور شرق اپنے سینے پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ راجکری بولی۔ ”اب میں چلتی ہوں تم ایک سترے مستقبل کے تصور میں ڈوب جاؤ۔“ وہ اپنی جگہ سے واپس چل پڑی اور شارق اس طرح چاروں طرف نظر دوڑانے لگا جیسے ڈوبنے کے لئے کوئی مناسب جگہ تلاش کر رہا ہو۔ حسین و جمیل علاقے میں ہر شخص کے مشاغل جاری تھے جس کو جودل چاہا کر رہا تھا۔ کنور جیت نے فٹنی فقیروں کو پکڑ رکھا تھا۔

”ہاں فٹنی جی کہتے کیا کیا؟“

”اسکرپٹ دیکھ رہا ہوں کنور جی۔ سوچ رہا ہوں سرکس کی تفریح کہاں ڈالوں۔“

”اور آپ کو مشکل پیش آرہی ہے۔“ کنور جیت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”مشکل تو ہے کنور جی۔“

کنور جیت کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی اس نے کہا۔

”دراصل بات صرف اتنی ہی ہے فٹنی جی ہمارے فلی کہانی نویسوں کو اور بیکل لکھنے کی عادت ہی ختم ہو گئی ہے اس ان کے سامنے پروجیکٹر پر کوئی فلم لگا دو اور ان سے کہو کہ کہانی شروع کر دیں۔ تو وہ کہانی شروع کر دیتے ہیں خود اپنے دماغ پر زور ڈالنا ان کے بس کی بات نہیں رہی۔“ فٹنی فقیروں کے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ بھیل گئی انہوں نے آہستہ سے کہا۔

”کیا کریں کنورجی کہا تھا اس دنوں ایسے ہی لکھوائی جاتی ہیں، انٹریکٹروں کو جویشن بنانے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی اور اداکاروں کو پر فارمٹس کے لئے محنت نہیں کرنا پڑتی۔ سب کچھ پکا پایا موجود ہے کردار بدل دو۔ الفاظ بدل دو۔ باقی سب کچھ جوں کا توں اور اگر ہم کوئی، جیجی کہانی لکھ بھی ڈالیں تو وہ کہانی جتنے ہاتھوں سے گزرتی ہے ہر ایک کی ترمیم اس میں شامل ہوتی چلی جاتی ہے جس کو ترمیم کا جتنا حق ہے وہ اپنا پورا چارہ حق استعمال کرتا ہے اور ہم مسودے کے وہ اصلی صفحات تلاش کرتے رہ جاتے ہیں جن پر ہماری نچی کہانی ہوتی ہے۔ نام و نشان نہیں ملتا ان کا، اب جب یہ آسان طریقہ خود ہم پر مسلط کر دیا گیا ہے تو کنورجی ہم نچی ملاحتوں کو کہاں سے زندہ رکھیں؟“

”شکایت، شکایت، ہر شخص کو ہر شخص سے کوئی نہ کوئی شکایت ہے۔ میں آپ کو بتاؤں کہ آپ کہانی میں سرکس کی انٹری کہاں ڈالیں گے وہ میں لٹائے میں نمبر بارہ جس میں ہیر و زخمی ہو کر گھوڑے پر چارہ ہے اور اس کے بعد اسے ایک جگہ گھوڑے سے گرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔“

”جی جی، یہ ہے، یہ ہے۔“ فٹنی فقیر دین نے اسکرپٹ کی ایک کاپی لگا کر وہ صفحہ سامنے کر دیا۔

”یہاں سے اس سین کو اڑانا ہے کہ وہ گھوڑے سے گرنے کے بعد بے ہوش ہو جاتا ہے اور پھر اسمگلروں کا ایک آدمی اس کے پاس پہنچ جاتا ہے اور وہاں سے اسے بے ہوشی کے عالم میں لے جایا جاتا ہے۔ سین کو یہاں سے اس طرح بدلیں فٹنی جی کہ رٹھی ہیر و گھوڑے کی پشت پر جا رہا ہے وہ یکہ آہٹ کے کنارے پہنچتا ہے۔ چلئے اگر ہم اسی لوکیشن کی بات لے میں تو آہٹ تو یہاں موجود نہیں ہے کوئی بھی خوبصورت جگہ دیکھ سکتے ہیں جیسے وہ پہاڑی نیلہ جس پر بچوں اس طرح اگے ہوئے ہیں جیسے جمرے کی شکل میں اوپر سے نیچے بہہ رہے ہوں۔ رٹھی ہیر و وہاں سے ہوش بڑا ہو رہے کہ وہاں ایک لڑکی پہنچ جاتی ہے اور وہ رٹھی ہیر و کو اٹھا کر لے جاتی ہے یہ لڑکی سرکس کی لڑکی ہے اور یہ سرکس اس جگہ اپنے کمالات دکھا رہا ہے۔“

”جنگل میں کنورجی؟“ فٹنی فقیر دین نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”جنگل نہیں جنگل تو نہیں۔ بھئی کچھ لوگ پیٹھے دکھا دیں گے وہاں کون سی ایسی مصیبت آ جائے گی۔ اپنے ساتھ بھی کافی لوگ ہیں اور پھر باقی دوسرے کام بھی ہو سکتے ہیں آپ تھوڑے اس بات کو اصل معاملہ تو لڑکی کا ہے، کہیں بھی یہ سین فٹ کر دیں۔ ہیر و سرکس کی لڑکی ہیر و سے محبت کرنے لگتی ہے اور اس کے بعد وہی پتھر چلا ہے یعنی لڑکی ہیر و کے لئے دیوٹی ہو جاتی ہے اور ہیر و اپنے مطلب میں سرگرداں ہے لڑکی کی اس محبت کو دیکھ کر وہ بہت متاثر ہوتا ہے اور اسے کچھ وقت کے لئے اپنی زندگی میں شامل کر لیتا ہے بعد میں ایک دن ہیر و ٹھیک ہونے کے بعد پہاڑوں پر سفر کر رہا ہے کہ اسمگلروں کا وہ آدمی پہنچ جاتا ہے جسے رٹھی ہیر و کے پاس پہنچنا تھا بس۔ یہاں سے ہم سرکس کے سارے سین لے لیں گے اور فٹنی جی ذرا یہ سین ملک مریج والے کرنے ہیں۔ کیا سمجھتے آپ، لڑکی بہت خوبصورت ہے اور ہیر و اسے ناپسند نہیں کرتا۔“ فٹنی جی نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے

کنور جیت کی طرف دیکھ کر کنور جیت نے جیب میں ہاتھ ڈال کر سوسو کے دس نوٹ نکالے اور مٹی کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔

”آپ کی اخلاقی محنت کا صلہ۔“ مٹی جی کے ہاتھ پر دس نوٹ سے کھل گئے انہوں نے جلدی سے نوٹ لپک کر جیب میں ٹھوسے ہوئے کہا۔
”یہ سب لکھوں گا کنور جی کہ مزاحی آجائے گا آپ کے بھلا صاحب بھی وہ واہ نہ کر انھیں تو مٹی فقیر دین نام نہیں۔“

”ٹھیک ہے ٹھیک ہے بس آپ یہ سمجھ میں کہ یہ ساری پکوشن ہر قیمت پر بتاتی ہے بھلا صاحب کی آپ فکر نہ کریں جو کچھ میں کہہ دوں گا وہ اس سے نکال نہیں کر سکتے۔“

”میں جانتا ہوں کنور جی اچھی طرح جانتا ہوں۔“

”اچھا اب میں چلا ہوں میں نے ذرا سونیا کو کچھ قلموں کے پرنٹ دکھانے کا وعدہ کیا تھا۔“ سرکس اور قلم پونٹ کے تمام نیچے وغیرہ لگ چکے تھے چونکہ طے یہ کیا گیا تھا کہ یہاں خاصی دیر قیام کیا جائے گا اور غلام شاہ نے یہاں مشقیں کرنے کا فیصلہ بھی کیا تھا اس لئے تمام انتظامات باقاعدگی سے ہوئے تھے۔ وراثت غلام شاہ بعد صاحب سے اس قدر متاثر ہو گیا تھا کہ اس کی کسی بات کو بھی رد نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کے پس پردہ انگلش سرکس کا نام موجود تھا اور بھلا صاحب وہ واحد ذریعہ نظر آتے تھے غلام شاہ کو جو پیڑ روکی نکال دے کر سکتا تھا چنانچہ غلام شاہ بھن کی کسی بات کو رد نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کنور جیت کو یہ کام کرنے میں کوئی مشکل پیش نہ آئی اس نے قلم پونٹ کے ایک خاص خیمے میں سارا بندوبست کیا۔ ویسے بھلا صاحب کی مدد کے مطابق وہ بہت ہی مختاط انداز میں آگے بڑھ رہا تھا۔ چنانچہ قلموں کے یہ خاص سین دکھانے کے لئے اس نے کئی لوگوں کا انتخاب کیا۔ غلام شاہ کو اس میں شامل کرنا مصیبت کو دعوت دینا تھا ابست کبر شاہ، ایاز، سونیا خاص طور سے سونیا، اور اس کے علاوہ چند افراد کو اس نے مدعو کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ تمام تیاریاں مکمل کرنے کے بعد وہ ان کے پاس پہنچ گیا اور اس کی درخواست پر چند افراد اس کے ساتھ چل پڑے ان کے ساتھ شیر بھی تھی۔ شیر درحقیقت بہت چارہ اور شوخ قسم کی لڑکی تھی۔ بچوں ہی سے سونیا کے ساتھ پروان چڑھی تھی چنانچہ اس کی دوست تھی اور منہ پھٹ ہونے کی وجہ سے ہر وہ بات کہہ دیتی تھی جو اس کے ذہن میں آئے بہر حال کنور جیت ان لوگوں کو لے کر وہاں پہنچ گیا جہاں اس نے پردہ جیالٹر، کیمرا کا بندوبست کیا تھا۔ قلموں کے پرٹس پر وہ جیکٹر پر چڑھائے گئے کنور جیت نے بڑی ہوشیاری سے ایسے مناظر فلم بند کئے تھے جن میں زندگی بڑی خوش رنگ دکھائی گئی تھی ہیرا دن کے بیش و عشرت کے مناظر اس کی عزت و توقیر اور اس کی عمرنی کے دلکش مناظر تھے اور اس کی یہ کوشش بڑی کامیاب رہی۔ خاص طور سے سونیا ان مناظر سے بہت متاثر ہوئی تھی۔

”اور سونیا جی، میں چاہتا ہوں کہ اب یہ سب کچھ آپ کریں بس ہماری یہ فلم ریلیز ہو جائے اس کے بعد آپ تماشا دیکھیں۔“

”بعد کا تم شاہید ہم نہ رکھو پائیں کنور صاحب۔ ہاں اس سرکس کی حد تک ہم ضرور آپ سے تعاون کریں گے۔“ اکبر شاہ نے کہا۔

”کیوں شاہ صاحب؟“ کنور نے پوچھا۔

”یہ سرکس صرف ہماری روٹی کا ذریعہ نہیں ہے بلکہ اس سے ہمارا ایک بہت بڑا مقصد بھی وابستہ ہے۔ اسے اس مقصد کی تکمیل تک نہ چھوڑ سکیں گے۔“
”وقت کے فیصلے وقت ہی کر سکتا ہے شاہ صاحب۔ ہم یا آپ نہیں۔ اگر ہمارا حال درست ہے تو ہم ماضی کے بے پریشان ہو کر حال کیوں چاہ کر رہے ہیں؟“

”وہاں سے داخلہ پر شیرانے کہا۔“ تمہیں یہ سب کچھ کیا لگا سونیا۔“

”بہت خوبصورت بہت دلکش۔“

”میر، کچھ اور خیال ہے۔“

”کیا؟“

”یہ شخص جس کا نام کنور جیت ہے حرفوں کا بنا ہوا ہے اور میں اسے تمہاری جانب مائل دیکھ رہی ہوں۔“

”تجھے اس کے سوا اور کچھ بھی نظر آتا ہے۔“ سونیا فیس کر پڑی۔

”تمہاری دوست ہوں اس لئے یہ سب کچھ کہہ رہی ہوں اگر کسی غیر کی باتوں میں بھی آتا ہے تو غیروں میں سب سے دلکش شائق ہے جو اب نہ صرف

تمہاری بلکہ شینا کی بھی لگاتی کا شکار ہو گیا ہے۔ دوسرا کوئی اس قابل کہاں؟“

”کنور جیت بہت اچھا انسان ہے۔ میں اس کے بارے میں تجھے کوئی بری بات سوچنے کی چارٹ نہیں دوں گی شیرا۔“

”اس کا مطلب ہے کہ تم اس سے متاثر ہو چکی ہو۔“

”صرف اس کام کی حد تک، میں یہ سب کچھ کر کے ایک دلچسپ تجربہ کرنا چاہتی ہوں نہ وہ اس سے آگے کچھ سوچتا ہے اور نہ میں۔“

”میرے خیال میں یہ بات صرف اچھی نہیں ہے۔“

”جتنی ہی ہے۔ بس تو میرا دماغ رکھا۔“ سونیا نے کہا اور شیرا تشویش زدہ شکل بنا کر خاموش ہو گئی۔“



دوسری صبح انہیں قید خانے کا سفر کرایا گیا جسے ان لوگوں نے ناڑے کا قید خانہ کہا تھا چونکہ یہاں تک کا سفر ایک ہند گھوڑ گاڑی میں کیا تھا اس لئے ہنگو

”داروغہ جی، کچھ کہنا چاہتا ہوں سنو گے۔“ داروغہ جی نے چونک کر اسے دیکھ پھر بولے۔

”سناؤ، سناؤ کیا سنا رہے ہو؟“

”میرا بھائی مر رہا ہے۔ وہ مر جائے گا۔ اسے دوا کی ضرورت ہے یا تو سے، ہسپتال لے جاؤ یا پھر مجھے چند دوا لیں منگوادو۔“

”لوں لو۔ ابے الو، ناڑے میں کوئی اسپتال رہ گیا ہے کیا۔ ایک اسپتال بنا ہوا تھا اس جگہ راج نے، دروازے کھڑکیاں تک سچ کرکھائے ناڑے والے اس کی اب اس میں رات کو گندھے باندھے جاتے ہیں وہاں پہنچا دوں کیا تیرے بھائی کو؟“ داروغہ جی کا بوجھ تسخیر نہ تھا۔

”دوائیں تو منگو سکتے ہو تم، دکانیں تو کھلی ہیں ناڑے کی۔“

”جو کھلی ہیں وہ بھی بند ہو چائیں گی پوت۔ یہاں ایک دوا مل سکتی ہے وہ کہے تو بھرو دوں۔“

”کچھ کرو داروغہ جی، بھگوان کے لئے کچھ کرو۔“

”بھگوان ہمارے لئے کیا کر رہا ہے پوت۔ ہر ہڈیوں میں دستورے کے درخت اگے ہوئے ہیں۔ کہے تو دستورہ بھیج دوں شام کی دال روٹی کے ساتھ کھل دے اسے ٹھیک ہو جائے گا۔“

”بھ دوں گڑھی میں تو اسپتال ہے۔ اسے وہاں بھجوا دو۔“ اس شخص نے کہا۔

”ہم تو ایک ہی کام کر سکتے ہیں پوت۔ مر جائے تو خبر دینا، ہمیں اسے شمشان کھاٹ تک پہنچانا ہمارے ذمے داری ہے۔ ہاں بھائی تم نے تو سمجھ ہی تم نے ہم نے جو کچھ کہا۔ تمہارا بستر اور دال کے ساتھ سہری ترکاری بھی آ جائے گی اور تو کچھ نہیں۔“

”جسٹن خدا کر بس تمہارا شکریہ۔“ منگو نے کہا اور داروغہ جی ہاتھ سے اپنے ساتھ آنے والوں کو داپسی کا اشارہ کر کے چل پڑے۔ لمبے ٹنگے آدھی نے مڑ کر کہا۔

”میرا بھائی مر گیا داروغہ جی بھگوان کی سونگہ بیتا نہیں چھوڑوں گا تمہیں سمجھ لینا، مگر یہ مر گیا تو۔“ داروغہ جی کے انہوں نے خونی نظروں سے اس لمبے ٹنگے آدھی کو دیکھا پھر بولے۔

”ہم سمجھ لیں گے پوت۔ صبح کو ابھی طرح سمجھ لیں گے۔“ داروغہ جی ہانپ لیں گے۔ ہنکو اور منگو سلاخوں والے دروازے پر کھڑے دور تک دیکھتے رہے تھے۔

”تم نے بھی سمجھ ہی ہو گا منگو۔“

”ہاں منکو بہت دن سے سمجھ رہا ہوں مگر ان باتوں سے قانع نہ۔“

”میں کچھ سوچ رہا ہوں چکو۔“

”کیا؟“

”میرے خیال میں اب ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہئے یہاں رکنا خطرناک ہے یادوں پر کر کے ہم شیخا کی حاش میں نکل پڑیں گے وہاں ہی طرف آ رہا ہے راستے میں کہیں نہ کہیں ہمیں مل جائے گا کیا تمہارے خیال میں یہ جیل خانہ ہمارا راستہ روک سکتا ہے؟“

”نہیں منکو، یہ قید خانہ ہمیں نہیں روک سکتا۔ شیخا نے پوری زندگی میں جو کچھ سکھایا ہے نکال پھینک دیا ہے مگر ایک اور خیال میرے دل میں ہے اس کا کوئی طریقہ سمجھ کر شیخا کی آمد کے بارے میں معلوم ہو چکا ہے اور وہ شیخا سے اپنا بندہ لینے کی تیاریاں کر رہا ہے اور وہ لوہے کے کولوہے سے کاٹنا چاہتا ہے۔ مگر ہم اس سے تعاون کریں تو ہمیں شیخا کے خلاف ہونے والی سس سارز کا پتہ چل سکتا ہے اور ہم شیخا کو اس کی خبر کر سکتے ہیں کیا شیخا سے اتحاد ورہ کر اگر ہم اس کے لئے یہ کارنامہ انجام دیں تو وہ خوش نہ ہوگا۔“

”پتہ نہیں چھے کیا ہو گیا ہے جیسی تیری مرضی تو اگر یہاں سے بھاگنا نہیں چاہتا تو اب میں تمھ سے کچھ نہ کہوں گا۔“ چکو نے کہا۔
”یہاں بہت قیدی بھرے ہوئے ہیں یہاں کے کافی حالات ہمارے علم میں آچکے ہیں یہاں رہ کر اگر ہم اس کے لئے کچھ کر سکیں تو کیا یہ ہمارا عقیم کارنامہ نہ ہوگا میں صرف ایک بات سوچتا رہتا ہوں منکو۔“

”کیا؟“

”ہم اس دنیا کے عام انسانوں سے بہت چھوٹے ہیں، سرکس میں ہم کچھ بھی کریں مسٹرے یونے ہی سمجھیں جائیں گے۔ اگر ہم اونچے قدم والے انسانوں سے کہیں اونچا کوئی کارنامہ سرانجام دے دیں تو کیا یہ ثابت کرنے میں کامیاب نہ ہو جائیں گے کہ ہم خود چھوٹے نہیں ہیں اس ہمارے قدم چھوٹے ہیں۔“

منکو نے بہت بھری نظروں سے اپنے تین منٹ چھوٹے بھائی کو دیکھا اور پھر مسکرا کر بولا۔ ”تو واقعی کوئی کارنامہ انجام دیے بغیر نہ رہ سکے گا۔ مجھے اگر زندگی پیاری ہے تو صرف تیرے ساتھ رہ کر مجھے اور کوئی خوشی عزیز ہے تو وہ جو چھے ہو۔ بھی تیری مرضی۔“

”مگر کوئی ایک ایسی بات ہوگی منکو تو میری شرط پوری ہو جائے گی اور پھر سدھیا نکار نہ کر سکے گی۔“ ایک بار پھر وہ خاموش ہو گئے کچھ پانی ان کے لئے کھل اور دیری وغیرہ لارہے تھے۔ کھانے پینے کی کچھ اشیاء تھیں اس دودھ بھی لائے تھے وہ جو انہیں سلاخوں سے نہیں دے دیا گیا دوسرے قیدی

حیرت سے انہیں دیکھ رہے تھے۔ جب سپاہی چلے گئے تو جنگو نے اس سار دوسان کو دیکھے لگا اس وقت سارے کی کوٹھڑی سے اس لیے قند والے قیدی نے ”ٹٹی ٹٹی“ کی آواز میں نکال کر نہیں غصہ کیا، دونوں سلاخوں کے پاس پہنچ گئے تھے۔

”کیا میں انہیں کے نام پر تم سے کچھ مانگ سکتا ہوں۔ میرے بھائی کی دونوں آنکھیں کاٹ لی گئی ہیں اس کے جسم پر زخم ہی زخم ہیں وہ شدید بیمار ہے۔ تم اپنا بستر سے کوئی کپڑا اس کے لئے دو تو ہم تمہارا احسان مانگیں گے صرف ایک ایسا کپڑا جس سے اس کے پتے ہوئے جسم کو ڈھکا جاسکے۔“ لیے ٹرنگے آدمی کی آواز میں ایسا درد تھا کہ وہ لرز کر رہ گئے۔ یہ ہونہار قید خانہ نہ جانتے یہ نگر کی کیسی کہ بھوں کا مسکن تھا۔

قیدی نہیں سوالیہ لگا ہوں سے دیکھ رہا تھا دونوں سنبھل گئے اور جنگو نے جلدی سے کہا۔ ”ہمارے پاس جو کچھ بھی ہے اس میں تمہیں جس چیز کی ضرورت ہو لے لو۔“ منگو بھی اس کے لئے تیار تھا اس نے جلدی سے ایک کھیل، درمی اور بڑا کپڑا جو انہیں اوڑھنے کے لئے فراہم کیا گیا تھا، لب لباب رول کیا اور پھر اسے سلاخوں سے باہر نکال کر آگے دھکیلتے لگا۔ دوسرے دروازوں کے قیدی بھی دروازوں کے پاس آکھڑے ہوئے تھے۔ کھیل کا سر جیسے ہی دروازہ قامت آدمی کے دروازے کے پاس پہنچا اس نے سلاخوں سے ہاتھ ڈال کر اسے اندر کھینچ لیا اور پھر وہ کوٹھڑی کے پتھر قیدی پر مصروف ہو گئے۔

”کیا کہتا ہے، اس کے بھائی کی دونوں آنکھیں نکال لی گئی ہیں۔“ منگو نے کہا۔

”ہاں سب کہا تھا۔“

”یہ تو بہت ظلم ہے قیدیوں کے ساتھ یہ سلوک ہوتا ہے؟“

”یہ نگر میں نہ جانے کیا کیا ہوتا ہے وہ منگو اگر انہیں دودھ کی ضرورت ہو تو دے دو ہمارے لئے یہ بیکار ہے۔“ منگو نے دروازے کے پاس جا کر اس قیدی کو پکارا اور پھر اپنی پیشکش دہرائی قیدی نے کہا۔

”تمہارا شکریہ لگے کیا اسے زمین پر بٹھا کر ہمارے پاس پہنچاؤ گے۔“ منگو بھل ہو گیا تھا جنگو نے بھی یہ لفظ سنے اور اس کی نکلیں ان سلاخوں کے درمیان فاصلے کا جائزہ لیے لگیں پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اس نے دودھ کے برتن کو دیکھ کر کہا۔

”یہ برتن سلاخوں سے نکل سکتا ہے نا۔“

”ہاں، ہاں میرے خیال سے نکل سکتا ہے۔“

”تو لاؤ، میں اسے وہاں پہنچا دوں۔“ جنگو بولا اور اپنے بدن سے غیر ضروری چیزیں علیحدہ کرنے لگا پھر وہ زمین پر لیٹ گیا اس نے سب سے پہلے اپنا سر سلاخوں میں داخل کیا اور دوسرے لیے وہ کسی چکنی مچھلی کی طرح پھسل کر سلاخوں سے باہر آ گیا۔ انہیں دیکھنے والے قیدیوں کے حلق سے آوازیں

نکل گئی تھیں منکونے دودھ کا برتن باہر نکال کر اس کے حوالے کر دیا اور وہ تمام قیدی بھی اس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے جو سامنے والی کوٹھڑی میں موجود تھے۔ دراز قامت شخص کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ چٹکے نے رتن سامنے والے دروازے کی سڑخوں سے اندر داخل کر دیا پھر بولا۔
 ”کیا میں اندر آ کر تمہارے بھائی کو دیکھ سکتا ہوں۔“ دراز قامت آدمی کے منہ سے آواز نہ نکل سکی تھی چٹکے اسی طرح اس کی کوٹھڑی میں بھی داخل ہو گیا تھا پھر اس نے اس نو جوان اور خوبصورت شخص کو دیکھا جس کی آنکھوں کے حلقے خالی تھے اور گہرے دھم نمایاں تھے جسم کے مختلف جگہوں کا لباس خون آلود تھا، اس کے ہونٹ خشک تھے اور چہرہ بخار کی شدت سے سرخ ہو رہا تھا چٹکے نے بے حد متاثر ہو گیا تھا۔
 ”اس کے ساتھ یہ سلوک کس نے کیا۔“

”رہو ننگھ لے۔“ دراز قامت شخص نے کہا اور پھر وہ دودھ کے قطرے بے ہوش شخص کا منہ کھول کر اس میں پٹکائے لگا۔
 ”کیوں۔“ چٹکے نے سوال کیا اور ایک معمر شخص نے چائیک صفت سے دراز قامت شخص کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا وہ کڑی نگاہوں سے چٹکے کو گھور رہا تھا پھر اس نے کہا۔

”اس سے پوچھو، اسے پال ننگھ یہ کون ہیں قیدی ہونے کے باوجود ان کے ساتھ یہ رعایتیں کیوں برتی گئی ہیں انہیں کھل، درمی اور دودھ کیوں دیا گیا ہے۔ کیا یہ ہمارے خلاف جاسوسی کر رہے ہیں یا نہیں جیسے گئے۔“
 دراز قامت شخص ساکت رہ گیا تھا پھر اس نے کہا۔ ”کیوں دوست تم بتانا پسند کرو گے۔“

”تم نے انسانیت کے نام پر ہم سے کچھ طلب کیا تھا میں انسانیت ہی کے حوالے سے یہاں تک آ گیا ہوں جہاں تک ہمارے بارے میں معلومات کا تعلق ہے تو ہم تمہاری ان باتوں کے ہاشمے نہیں ہیں ہمارا تعلق ایک سرکس سے ہے اور۔“ چٹکے نے مختصر الفاظ میں نہیں اپنے بارے میں ضروری تفصیل بتادی اور دفعہ دراز قامت شخص بول اٹھا۔

”میں اس کی تصدیق کرتا ہوں بابا جسونت ننگھ۔“
 ”تصدیق؟“ معمر شخص نے پوچھا۔

”ہاں بابا جسونت ننگھ پانچ چھ سال کی بات ہے جب میں زیر تعلیم تھا اور اپنے آخری سال کی تیاریوں میں مصروف تھا کچھ دوستوں کے ساتھ میں ایک سرکس دیکھنے گیا تھا اور اس سرکس میں، میں نے دناروں کو بھی دیکھا تھا، تم جانتے ہو بابا جسونت کے میری یادداشت کیسی ہے میں ان لوگوں کو اس سرکس کا آئینہ بھی بنا سکتا ہوں کم از کم اس بات کی تصدیق میں کرتا ہوں کہ اس سرکس کا وجود ہے اور یہ دونوں اس میں شامل تھے۔“ معمر شخص نے گروں بٹائی اور

بولاً۔ ”میرا نام جسونت سنگھ ہے اور میں ان دونوں بچوں کا چچا ہوں، اسے پاں سنگھ تھہری آبادیوں میں میڈیکل کی تعلیم حاصل کرتا رہا ہے اور وہاں سے ڈاکٹر بن کر واپس لوٹا تھا۔ یہ تو جوان جسے تم اس حالت میں دیکھ رہے ہو کہرن سنگھ ہے، اسے پال سے ڈیڑھ سال بڑا اور اوس سنگھ کے خلاف آوارا اٹھانے والوں میں سب سے بڑا، بیٹے مہری بات کا براہمت ماننا، ہم جن حالات سے گزر رہے ہیں ان میں اس نیت کا تصور فراموش کر دیا گیا ہے۔ ہم جانوروں سے بدتر زندگی گزار رہے ہیں تم نے ہم پر یہ احسان کیا ہے ہم اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور جو کہانی تم نے سنائی وہ بھی اسی بات کی غماز ہے کہ تم نادانستہ طور پر ہی سکی لیکن ہمارے مقصد میں شامل ہو گئے ہو تو کھل کر ظہر سنگھ کو بھی اچھی طرح چاہتا ہوں، وہ شیطان راہوں سنگھ کا دست راست ہے اور چنگ بات یہ ہے کہ اس کی آہ کے بعد ہی راہوں سنگھ کے مظالم میں اضافہ ہوا ہے، مختصر لفظ میں، میں تمہیں نیا عمر کی کہانے سنائے دیتا ہوں۔“

ٹھا کر جگت سنگھ نے اپنے کانڈھوں سے ذمہ داری کا بوجھ اتار دیا اور اپنی دانست میں فرشتے بن گئے کہ بھتیجیوں کا حق نہ مارا انہوں نے لیکن وہ یہ بات بالکل بھول گئے تھے کہ ان کے دونوں بھتیجے شیطان سے بھی بدتر ہیں ان نیت کا گزراں کے دل دواغ سے ہو ہی نہیں ہے اور وہ بالکل اس قابل نہیں تھے کہ انہیں کوئی باقاعدہ قوت سونپی جاتی، وہ ذہنی طور پر ادھاش اور عیاش انسان تھے اور ہماری تقدیریں زیر دستی ان سے مل سک کر دی گئیں، جگت سنگھ ذمہ دار آدمی تھے صرف اپنے آپ کو، پنے فرض سے سبکدوش کرنے کے لئے انہوں نے ہماری تقدیروں پر کالک پھیر دی ہم جگت سنگھ کو بھی نہیں مانتے اسے کیا حق تھا کہ وہ ہم سب کو اس طرح تباہ و برباد کرونا اگر وہ اپنا منصب سنبھالنے کے قابل نہیں تھا تو ضروری تو نہیں تھا کہ یہ عمر کی دوست و چاندیاد کے علاوہ آبادی بھی اس کی ملکیت ہو جیتے چاہتے انسانوں پر تو کسی کا حق نہیں ہوتا مگر اس نے سچی کیا اور ہمیں جلی ہوئی بھٹی میں جھونک دیا، ہم اس پورے خاندان کے خلاف بغاوت کر رہے ہیں اور ہم نے عہد کیا ہے کہ اس زندگی سے موت ہمارے لئے بہتر ہے جو ہمیں راہوں سنگھ اور چیل سنگھ کی مملکت میں نصیب ہوئی ہے، ان ادھیوں نے اپنی نا اہلی چھپانے کے لئے ہر وہ ہولناک اقدامات کئے ہیں جن سے اسانوں کے لئے زعمہ رہا وہاں جان بن جائے، انہوں نے ہر صاحب حیثیت کی عزت سے کٹی ہوئی دوست چھین لی ہے سب کی جائیدادیں چھین لی ہیں اور اپنی عیاشیوں پر خرچ کر ڈان ہیں، وحشیانہ طریقے سے انہوں نے ہر خاندان کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے یا جیلوں میں بند کر دیا ہے، کسی کی جان مال اور آبرو محفوظ نہیں ہے اور جب یہ صورت حال یہاں کے رہنے والے کے لئے ناگزیر ہو گئی تو ہم لوگوں نے گروہ بنائے اور ملے کیا کہ راہوں سنگھ اور چیل سنگھ کے خلاف بغاوت کی جائے، پہلے یہ علاقے، ان کی دسترس سے آزاد کرالئے جائیں اور اس کے بعد ٹھا کر جگت سنگھ سے مطالبہ کیا جائے کہ ہمارا حصہ ہمیں دیں کیونکہ جو کچھ انہوں نے اپنے بھتیجیوں کو دیا تھا وہ اس سے کہیں زیادہ خرچ کر کے معیشت تباہ کر چکے ہیں۔ ہمارے ہاں کوئی کام نہیں ہو رہا سو نے لوٹ مار اور دشت گردی کے راہوں سنگھ سے چھٹے ہوئے غنڈوں اور بد معاشوں کو بنا دست راست بنایا ہے اور ان کے گروہ

سپاہیوں کے نام پر ہر صاحب عزت کو بے عزت کر رہے ہیں۔ انہوں نے ہر شخص کی زمین، باغات اپنے قبضے میں لئے ہیں کام کرنے والے کوئی نہیں ہے ان چیزوں سے نہیں جو کچھ حاصل ہوا انہوں نے حاصل کر لیا اور اس کے بعد درسوں کی محنت سے لگانے لگے باغات کے درخت کٹوا کر بیچ دیئے، لکڑی تک نہ چھوڑی انہوں نے اسی طرح زمینوں پر اگلنے والے فصلوں کے ساتھ کیا گیا اسی طرح تمام صنعتوں کے ساتھ کیا گیا۔ ایک ایک کر کے تمام چیزیں فروخت کی جا رہی ہیں، انہیں دوسری آبادیوں کو بھیجا جاتا ہے اور ان کے بدلے تقشیر، زندگی کی شہہ حاصل کی جاتی ہیں۔ بڑے پیمانے پر بڑے لوگ لوٹ مار کر رہے ہیں اور ان کے بعد درجہ بہ درجہ دوسروں کو ان کا حصہ مل جاتا ہے پھر ایک دن ایسے آئے گا کہ نیا نگر کے ان دونوں علاقوں کے عوام کے پاس کھانے پینے کو بھی کچھ نہیں رہے گا اور یہ دور شروع ہو چکا ہے۔ کوئی اپنے آپ کو محفوظ نہیں سمجھتا چنانچہ ہم نے زندگی اور موت کا فیصلہ کیا اور کرن سنگھ نے بتاوت کی بنیاد ڈالی لیکن کم بخت انسانوں نے کرن سنگھ کو آگے نہ بڑھنے دیا اور چاند کی سے ہمارے اندر ایسے لوگوں کو داخل کر دیا جو ہمارے خبریں ان تک پہنچاتے رہے پھر ہمیں گرفتار کر لیا گیا، کرن سنگھ کو اذیتیں دے دے کر گردہ کے دوسروں لوگوں کے ہارے میں معلومات حاصل کرے کی کوشش کی گئی اور جب اس نے زبان نہ کھول تو اس کی آنکھیں نکال دی گئیں اور اسے قید خانے میں بھیج دیا گیا ڈاکٹر جے پال سنگھ جو کرن سنگھ کا چھوٹا بھائی ہے وہ بھی کرن سنگھ کے ساتھ یہاں بھیج دیا گیا ورا ب ہم ان قید خانوں میں موت کا انتظار کر رہے ہیں پتہ نہیں ہمیں زندہ رکھنے کی ضرورت کیوں محسوس کی گئی ہے لیکن جو زندگی ہم یہاں گزار رہے ہیں وہ موت سے بدتر ہے، یہ ہے ہماری کہانی اور اس طرح ہم اپنی پامال زندگی کی ساقوں کو پور کر رہے ہیں۔

چٹو سکتے کے عالم میں جسوت سنگھ کی زبان پر یہ تمام تصدیقات سن رہا تھا اس کی سانسیں کھنٹی کھنٹی تھیں اس وقت بے ہوش کرن سنگھ کوشید ہوش آنے لگا اور اس کے حلق سے دلخراش چیخیں بلند ہونے لگیں وہ سب چونک کر اس کی جانب متوجہ ہو گئے تھے اور پھر اچانک کوٹھڑیوں کے دوسرے سردوں سے مدھم مدھم آوازیں ابھریں اور جسوت سنگھ چونک پڑا اس نے دھڑا دھڑ دیکھا یہ مدھم آوازیں ایک دوسری کوٹھڑی کی طرف منتقل ہو رہی تھیں اور وہاں سے آگے نشر ہو رہی تھیں جسوت سنگھ نے کسی قدر پریشان لہجے میں کہا۔

”کوئی آ رہا ہے شاید، سنتری آ رہے ہیں، کیا تم جی پھرتی سے دائیں جاسکتے ہو کہ سنتریوں کی لگا ہوں میں نہ آؤ۔“ منگو جو اپنی کوٹھڑی کی سلاخوں والے دروازے کے پاس کھڑے جسوت سنگھ کی آواز سن رہا تھا یہ الفاظ سن کر چونک پڑا اس نے جلدی سے سرگوشی کے انداز میں کہا۔ ”تم وہیں پوشیدہ ہو جاؤ چٹو میں تمہاری جگہ پر کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔“ منگو نے جلدی سے درمی بچھا کر اس پر کھل اس طرح ڈال دیا کہ ایک آدمی سوتا ہوا محسوس ہوا، وہ خود بھی اس کے برابر لیٹ گیا تھا۔ دوسری جانب چٹو ان لوگوں کے درمیان پوشیدہ ہو گیا تھا اور کرن سنگھ کی دلدور آوازیں سے قید

خانے کا حوالہ بہت بھیا تک ہو گیا تھا چھ سنتری تھے جو ان سلاخوں واسے دروازے میں جھنکتے پھر رہے تھے، چنگو منگو کی کوفٹری میں بھی جھانکا گیا مائنے بھی دیکھ گیا اور اس کے بعد وہ آگے بڑھ گئے نچائے کس کا دروٹی کے لئے آرہے تھے۔ پھر ایک کوفٹری سے ایک قیدی کو نکال گیا اور وہ لوگ سے جانوروں کی طرح گھسیٹے ہوئے جانے لگے غائب اس سے کچھ مصلحت حاصل کرنا چاہتے تھے وہ قیدی کی حالت سے عجیب سی بے بسی لپک رہی تھی اور ماحول بڑا غمناک ہو گیا تھا۔ سنتری اسے گھسیٹتے ہوئے بالآخر یہاں سے لے گئے اور اس کے بعد مہم بیٹی کی آواز سنائی دی یہ کلیرنس سائرن تھا۔ چنگو گہری سانس لے کر سیدھا کھڑا ہو گیا اور منگو بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر دروازے کے پاس آ گیا پھر اس نے پوچھا، کیا اس قید خانے میں دوسرے قیدی بھی تمہارے ہی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں، بابا جسونت لگے۔ "جسونت لگھ نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر بولا۔ "ہاں اس قید خانے میں راہن لگھ کے قیدیوں کو بھی رکھا گیا ہے کوئی آتا ہے تو ہم اس طرح متعل دے دیتے ہیں۔" منگو پر خیاں انداز میں گردن ہلانے لگا کرن لگھ کی دلدرد جھلکیں اسب مہم پڑ گئی تھیں اور اس پر دوبارہ وحشی کاری ہونے لگی تھی۔ ڈاکٹر اچے پال لگھ نے کھنٹی کھنٹی آواز میں کہا بابا جسونت لگھ جی بڑے بھیا بڑے بھیا۔" اس کی آواز آنسوؤں میں گندھی ہوئی تھی۔

"کیا ہوا..... کیا ہوا اچھے پال کیا ہو گیا جو بے درد۔" یہ آواز برابر کی کوفٹری سے آئی تھی۔ جہاں ایک قوی بیکل قیدی کھڑا ہو تھا اس پر شدید جوش طاری تھا اور اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

"فحش بوٹا لگھ کچھ نہیں ہوا مگر حالت بگڑتی جا رہی ہے اگر دوائیں مل جائیں تو بھی دقت داتی ہے کچھ کیا جا سکتا ہے ورنہ۔" اچھے پال نے کہا۔ "بھوانی کی سونگہ لنگا میا کی سونگہ اگر کرن لگھ مر گیا تو ہم ایک پل بھی نہ جنیں گے ہم سب اس کے ساتھ مرجائیں گے سب مرجائیں گے۔ مرجائیں گے۔ ہم سب۔" بوٹا لگھ حلق پھاڑ کر چیخا اور دوسری کوفٹریوں سے زور زور سے آوازیں بلند ہونے لگیں۔ اچھے پال سے جلدی سے چنگو سے کہا۔ "تم فوراً واپس اپنی جگہ چلے جاؤ بھگوان کے لئے جلدی چلے جاؤ۔" اور چنگو سلاخوں سے باہر نکل آیا بوٹا لگھ ہوتا ک آواز میں چیخ رہا تھا۔ "لنگا میا کی ہے، بے بھوانی، بے بھوے ناتھ، بے ماتا بھونی اور ہر کوفٹری سے آوازیں آئے لگیں قہم قیدی ایک ہی انداز میں چیخ رہے تھے اور اس قید خانے میں ان ہوتا ک آوازوں سے بڑا ہی ہولناک ماحول پیدا ہو گیا تھا، چنگو اور منگو سلاخوں دار دروازے پر آکھڑے ہوئے پھر دوسرے سرے سے دوڑتے ہوئے قدموں کی بے شمار آوازیں ابھریں شاید سنتری دوڑ پڑے تھے ان کے آگے آگے چند پیسے لوگ بھی تھے جو سنتریوں کے لباس میں نہیں تھے۔ وہ رائفیں سیدھی کئے کوفٹریوں کی جانب تانے آگے بڑھنے لگے اور پھر اس میں سے یک شخص نے گرجدار آواز میں کہا۔ "کیوں موت آئی ہے تمہاری اچھی کوفٹریوں میں تمہیں بھون کر رکھ دیا جائے گا خاموش ہو جاؤ خاموش ہو جاؤ کیا مصیبت پڑی ہے تم پر؟"

”راؤن سنگھ کے کوتاہ کرت کی حالت بہت خراب ہے اگر ہمارا دیوتا مر گیا تو تم یہ سمجھو کہ تم میں سے کوئی بھی جیتا نہیں رہے گا ہم ان سلاخوں کو توڑ دیں گے اور تم پر حملہ کر دیں گے۔ تم بہ شک ہمیں رگولیوں سے بھرت دو گے لیکن ہم تم میں سے کچھ کو ضرور مار دیں گے۔ ہمارا دیوتا مر رہا ہے اس کے سنے دوا مہیا کرو۔ فوراً وہ دوائیں بنا کر دو جو ڈاکٹر اپنے پالنے والے نہیں لکھ رہے ہیں۔ اگر تم نے ہمیں یہ دوائیں نہ دیں تو اب سے تھوڑی دیر کے اندر ہم بنگا مر رہے پانچ کر دیں گے مریں گے اور مار دیں گے سمجھ لو یہ ہمارا آخری فیصلہ ہے۔“ بونا سنگھ خوشخود آواز میں کہہ رہا تھا۔

”بونا سنگھ دوائیں ہمارے میں نہیں مل سکیں ان کے سنے کوششیں کی جا رہی ہیں۔ یہ تمہارا پرچہ موجود ہے ہم نے ہر جگہ تلاش کر لی دوائیں نہیں مل سکیں۔“
 ”کھیں سے بھی یہ دوائیں فراہم کرو تم لوگوں نے بازاروں میں جھوڑا کیا ہے سارے مارے مارے بار بار قباہ کرو دیے ہیں تم نے ہمیں ہر قیمت پر یہ دوائیں چاہئیں یہاں نہ ہیں تو خدا کر جلت سنگھ کے علاقے میں تلاش کرو۔“ بونا سنگھ بولا۔

”تمہاری بات باہر پہنچا دی جاتی ہے شور مچا نا بد کرو۔ یہ شور تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے گا ڈاکٹر اپنے پاس ان لوگوں کو سمجھاؤ وقت سے پہلے مرنے کی کوشش نہ کریں۔“ اس شخص نے کہا اور اپنے پال خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتا رہا دواؤں کا پرچہ وہ زمین پر پھینک چکے تھے وردہ اڑ کر ایک کونٹھری کے دروازے کے پاس جا پڑا تھا۔ انہوں نے کونٹھری کے آخری سرے تک جا کر تمام قیدیوں کو دھمکیاں دیں اور اس کے بعد انہیں گھورتے ہوئے وہاں سے واپس پیٹ پڑے۔ قیدی ابھی بھی جیج رہے تھے کونٹھریوں کے آخری سرے تک انہوں نے دو تیس فائر کئے اور اس کے بعد باہر نکل گئے بے پاس کی آواز ابھری۔

”سنو خاموش ہو جاؤ کی تم یہ نہیں جانتے کہ تمہاری اس جیج، پکارے کرن سنگھ کو تکلیف ہو رہی ہے۔“ اپنے پال کی اس آواز سے چاکلی خاموش چھاگئی اور چند ہی لمحات کے بعد یوں محسوس ہونے لگا جیسے قید خانے میں ایک انسان بھی نہیں ہے اپنے پال نے رندگی ہوئی آواز میں کہا۔

”ان تمام چیزوں سے کچھ نہیں حاصل ہوگا دوستو ہم جنگلی جانوروں کے زرخے میں ہیں۔ اس طرح حرام موت مرے کی کوشش نہ کرو وقت اپنے فیصلے خود کرتا ہے۔ ہو سکتا ہے وقت ہمارے حق میں ہی کوئی فیصلہ کر دے ہمیں انتظار کرنا چاہئے یہ کہیں ہمیں دوا کی مہیا کریں گے ورنہ یہ سچ بھی ہے کہ بازاروں میں دو تیس کہیں سے آئیں کیا جھوڑا ہے انہوں نے لوگوں کیلئے کچھ کرنے کو جن کے پاس جو کچھ بچا ہوا ہے وہ اسے چھپا چھپا کر رکھ رہے ہیں۔ کاروبار بند کرو دیے ہیں سب لوگوں نے کہاں سے آئیں گی دوائیں، بہت مشکل ہے، بہت مشکل ہے۔ اپنی زندگی دینے کی کوشش نہ کرو تم میں سے ہر شخص کی زندگی ہمارے اس مقصد کے لئے قیمتی ہے کرن بھیا کو بنگوں کی مرضی پر چھوڑ دو جیون دینے والا انسان نہیں بھگوان ہے۔“

جاری ہے

”کرن کو کچھ ہوا تو پھر ہمارا جینا ہے کار ہوگا پھر ہم اپنا یہ مقصد کیسے پورا کریں گے اسے بھی؟“

”جنگلوں پر پھر و سر رکھو دھ سب سے بڑی دوا ہوتی ہے۔“ اسے پال نے کہا اس کی اپنی آواز بھی بھرائی ہوئی تھی چٹکو اور منکو خاموش لگا ہوں سے اس تمام صورت حال کا جائزہ لے رہے تھے قید خانے میں اب مکمل خاموشی چھا چکی تھی جنگو نے ڈاکٹر اسے پال کو مخاطب کر کے کہا۔

”اگر یہ دوا نہیں مل جائیں ڈاکٹر اسے پس تو کیا کرن سنگھ کی حالت بہتر ہو سکتی ہے؟“

”ہاں یہ انتہائی ضروری ہیں اور افسوس یہ ہے کہ یہ دوائیں میری دسترس میں ہیں لیکن حالات ایسے ہو گئے ہیں کہ ہم انہیں حاصل نہیں کر سکتے ان لوگوں کو ہم وہ پتہ نہیں دے سکتے جہاں سے ہمیں یہ دوائیں مل سکتی ہیں۔“

”اوہو کہاں ہیں وہ؟“ جنگو نے پوچھا اور منکو چونک کر جنگو کو دیکھنے لگا۔

وہ روشن دان دیکھ رہے ہو وہ سامنے ہے۔“ جنگو نے ایک طرف اشارہ کیا کوٹھڑیوں کی قطار کے آخری سرے پر جہاں یہ کوٹھڑیاں ختم ہوتی تھیں یک روشن رات نظر آ رہا تھا جو ٹھوٹا اور گول تھا منکو حیران لگا ہوں سے جنگو کو دیکھے لگا پھر بولا۔

”تمہاری نظروں کیسے پہنچ گئے؟“

”بس جائزہ لے لیا تھا میں نے اس کا“

”مگر یہ کام بے حد خطرناک ہوگا۔“

”خطرناک کام کرنے کے لئے ہم نے یہ نگر کا رخ کیا تھا منکو“

”لیکن تم مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ گے۔“

”ہو جاؤ گے کیا مصیبتوں میں تو ہم گرفتار ہو چکے ہیں اور کچھ مصیبتیں بھی آ جائیں تو کیا فرق پڑتا ہے۔“

”لیکن میں تمہیں تنہا نہیں جانے دوں گا“

”منکو ہم یہاں قید خانے میں ہے کار پڑے رہ کر بھی تو کچھ نہیں کر سکیں گے اس وقت تک کچھ نہ کچھ ہوتا رہے تو پھر ہے“

”تمہاری اس دیوانگی نے جن مصیبتوں کا آغاز کیا میں نہیں جانتا اس کا انجام کیا ہوگا۔“ منکو نے آہستہ سے کہا۔

”کیا فائدہ یہ بتانے سے؟“

”مگر میں ان کے حصول کی کوشش کروں تو۔“ منکو نے کہا اور اسے پال پریشان لگا ہوں سے اسے دیکھنے لگا پھر بولا۔

”میں سمجھا نہیں....؟“

”یہاں سے نکلتا میرے لئے مشکل نہیں ہوگا، اگر تم مجھے وہ پتہ بتا دو تو ہو سکتا ہے میں وہ دوائیں لانے کی کوشش میں کامیاب ہو سکوں۔“

”تم.... تم یہاں سے کھل سکتے ہو۔“

”ہاں میں جا سکتا ہوں، لے چکا ہوں کہ میں کہاں سے باہر جا سکتا ہوں۔“ چٹکو نے کہا اور منکونے غصے سے اس کا شانہ جھنجھوڑ ڈالا۔

”کیا تم یہ کھل ہو گئے ہو چٹکو اس قید خانے سے باہر کیسے نکلو گے؟“

”تمہاری مدد سے۔“ چٹکو نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”کیسی مدد۔“

”چٹکو کی بات سن کر اچھے پال بور۔“ اگر تم یہ بہت کر سکتے ہو تو میں سمجھوں کہ ایک قوم پر قہر را حسان ہوگا کرن سنگھ کی زندگی ہمارے لئے نہایت ضروری ہے وہ زندہ رہا تو ہماری یہ مقصد بھی زندہ رہے گا ورنہ کون کہہ سکتا ہے کہ کب انسانوں کی ایک وسیع و عریض آبادی کو بدترین موت نصیب ہو جائے۔“

”مجھے وہ پتہ بتاؤ، درودائیں مجھے لکھ کر دو۔“ چٹکو نے کہا اور اچھے پال سنگھ کا خد کے اس پرے کو دیکھے گا جو کوٹھڑی کے ایک دروازے کی جانب پڑا ہو تھا۔ چٹکو نے صورت حال کو سمجھ لیا اور ایک بار چھوڑ دیا اور وائے میں سرواٹل کر کے باہر نکل آیا اور پرچہ اس نے اٹھالیا اور اچھے پال کی جانب پڑا گیا۔ دوسری تمام کوٹھڑیوں کے قیدی ان نئے یونوں کو دیکھ رہے تھے جن کے بارے میں یہ نہ کہا جا سکتا تھا کہ وہ ان کے نجات دہندہ ہوں گے یا ان کے نئے موت کے فرشتے۔“

”یہ دوائیں کا پرچہ ہے۔“

”ہاں اور وہ اسے جس طرح پھینک گئے ہیں اس سے اندازہ ہو گیا ہے کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔“

”اب مجھے بتاؤ مجھے کہاں جانا ہے؟“

”دوست اگر تم یہاں سے نکلے میں کامیاب ہو جاؤ تو اس قید خانے کے مغربی حصے میں تمہیں کئے ہوئے درخت کے ایک جنگل سے گزرنا ہوگا۔ کوئی دو میل کا فاصلہ طے کر کے تم بستی میں داخل ہو جاؤ گے یہ بستی نازو کہلاتی ہے۔ نازو میں کئی مندر ہیں مگر تمہیں سری رام مندر پہنچنا ہوگا۔ اس مندر کے چار دیوہا ہے راجی ہیں انہیں میرا پیغام دے کر یہ دوائیں ان سے مانگ لینا وہ تمہیں مہیا کر دیں گے۔“

”اور اگر انہوں نے مجھ سے تعاون نہ کیا تو؟“ چٹکو نے کہا۔

”تم ان سے مل کر کہو گے کہ سویرا جاگ رہا ہے۔“

”یہ تمہارا کوڑوڑ ہے؟“

”ہاں۔۔۔“ اچھے پاس تنگھنے کہا اور چنگو نے پرچہ اپنے پاس میں پوشیدہ کر لیا۔ معمر شخص جسوت تنگھ بے بس نگاہوں سے ڈاکٹر سے پال کودیکھ رہا تھا۔ چنگو تنگھ کے پاس آ گیا اور اس نے کہا۔

”اس روشندان تک پہنچنے کے لئے مجھے تمہاری مدد درکار ہوگی۔“

”میں جانتا ہوں مگر تمہیں کوئی حادثہ پیش آ گیا تو مجھے کیا کرنا ہوگا بتاتے جاؤ۔“

”سہیہ سے مدد قات ہو جائے تو اس سے کہہ دینا کہ چنگو اس سے بچی بھرت کرتا تھا اور اس کے حصول کے لئے کوئی کارنامہ انجام دینے کی خواہش نے اسے موت کی منزل تک پہنچا دیا۔“ چنگو نے جواب دیا۔

”واپس آنا چنگو میں تمہارا انتھار کروں گا۔“

”میں ضرور واپس آؤں گا چنگو نے کہا تنگھ کو بھی اسی طرح سلاخوں سے باہر نکل آیا تھا۔ یہ روشندان گیران کے اس روشندان سے کہیں زیادہ اونچا تھا جہاں سے گزر کر وہ جونس اور پیٹر کے چکر میں پھنسے تھے۔ کوٹھڑیوں میں قید قیدیوں نے اس قید خانے میں دو بیویوں کو کودتے ہوئے دیکھا۔ تنگھ روشندان سے کوئی آٹھ فٹ کے فاصلے پر دونوں ہاتھ پھینک کر کھڑا ہو گیا۔ چنگو دور سے دوڑتا ہوا آیا اور تنگھ کی ہتھیلیوں پر چڑھ گیا چنگو نے پوری قوت سے اسے اچھلا اور تنگھ نے روشندان تک پہنچنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا مگر وہ مجھے آیا تو تنگھ کی ہتھیلیاں حاضر تھیں جن پر پاؤں لگا کر وہ زمین پر آ گیا لیکن پھر وہ دوڑتا ہوا دور نکل گیا اور دوسری تیسری اور پھر چوتھی بار بھی وہی کوشش کی۔ قیدی دیکھ رہے تھے کہ دونوں کے جسموں میں بلا کی پھرتی ہے اور کوئی اپنے فن میں کم نہیں ہے۔ چاروںھ کی اس کوشش میں چنگو کو بخوبی اندازہ ہو گیا کہ روشندان تک پہنچنے کے لئے کتنی اونچی چھلانگی درکار ہے اور پانچویں کوشش میں وہ روشندان کے دوسری طرف نکل گیا تھا۔

سب کے سانس رکے ہوئے تھے چنگو کے باہر نکل جانے کے بعد یہ سانس واپس آئے اور تنگھ گردن ہٹکائے اپنی کوٹھڑی کی طرف بڑھ گیا۔

”تمہیں اب بھی ان پر شبہ ہے یا جسوت تنگھ؟“ اچھے پال نے معمر شخص سے کہا۔

”نہیں۔ میرا شبہ دور ہو چکا ہے راؤنا تنگھ! یہ فنکار حاصل نہیں کر سکتا۔“ جسوت تنگھ نے آہستہ سے کہا۔

مٹھی فقیر دین سکر پتہ سامنے رکھے ہوئے سر پکڑے اکڑوں پیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے سامنے لگی کاغذات مڑے مڑے پڑے ہوئے تھے۔ اس کہانی کا کہیں پہ نہیں تھا۔ انہوں نے معاشرے کے ناسوروں کی نشاندہی کی تھی اس کہانی میں اسمگلروں کی زندگی پر یہ ایک عبرت ناک کہانی تھی۔ پھر اس کی رد و بدل شروع ہو گئی، فلم کمپنی کے ہر صاحب اختیار شخص نے اس میں اپنی پسند کے منظر ڈروائے، ہیرو نے کہانی میں خود کو نمایاں کیا تو ہیروئن اپنا حق کیسے چھوڑ سکتی تھی جہاں جسے موقع ملا اس نے فائدہ اٹھا لیا حالانکہ بھلا صاحب اس سلسلے میں سخت انسان تھے۔ لیکن انہیں بھی فیم کے ساتھ ہی کام کرنا تھا۔ چلک رکھن ضروری ہوتا ہے ابھی تک تھوڑی بہت کہانی بنی ہوئی تھی اور ہر ایک کی پسند کے مناظر کے باوجود اس میں اسمگلروں کا قصہ موجود تھا۔ چنانچہ بھلا صاحب کام چلا رہے تھے ہر ہند کہ مٹھی فقیر دین ایسے حالات کے حادی تھے اور انہیں پروڈیوسر سے لے کر لاسٹ اسٹریٹ میں تک کی پسند کے سین بنانے کی مٹھی تھی مگر کبھی کبھی ایسے مشکل مرحلے بھی آ جاتے تھے کہ جن میں سر پکڑنا پڑ جاتا تھا۔ مسئلہ سرکس کے کچھ سین کہانی میں شامل کرنے کا تھا یہ مشکل نہ تھی مگر کنور جیت کو سرکس کی لڑکی پسند آگئی تھی اور اب اس سے رومانس ضروری تھا۔ ہزار روپے کے نوٹ تھا صا کر رہے تھے کہ مناظر کنور جیت کی پسند کے ہوں لیکن کہانی میں جھول آ رہا تھا کیونکہ ایک با وفا ہیرو ہیروئن کو بھول کر ایک اجنبی لڑکی پر کیسے ٹو ہو سکتا ہے۔

قدموں کی چاپ کے ساتھ خوشبو کے جھوٹے نے بتا دیا کہ راجکری جی آئی ہیں۔ مٹھی فقیر دین نے چونک کر انہیں دیکھا۔ ”ہیو مٹھی جی۔ کیا ہو رہا ہے؟“

”مزیم“ مٹھی جی نے خند دی سانس لے کر کہا۔

”تب تو صبح وقت پر آئی۔“ راجکری سب تکلف سے مٹھی جی کے سامنے بیٹھ گئی۔

”سمجھا نہیں“

”کہانی میں کچھ نمایاں تبدیلیاں کرنی ہیں مٹھی جی!“

”دس، سرکس سے متعلق۔“ مٹھی جی تھوک لگل کر پوئے۔

”ہائل ہائل بھلا صاحب اس کی جائز توجہ دے ہی چکے ہیں لیکن میں چاہتی ہوں کہ سرکس کے مناظر سرسری نہ ہوں بلکہ اس میں کہانی بھی ڈالنی ہے۔“

”وہی ڈال رہا ہوں۔“ مٹھی جی دعوے ہوئے لہجے میں پوئے۔

”اوہو، کیا کیا ہے آپ نے“

”سین نمبر ہارو۔“ مٹھی جی بددیانتی میں سرکس میں آتا ہے اور سرکس کی ایک لڑکی اس کے زخموں کا علاج کرتے ہوئے اس کی محبت میں گرفتار ہو جاتی ہے۔ ہیرو ہانٹم بھلانے کے لئے اس سے تہ و نہن کرتا ہے اور لڑکی سمجھتی ہے کہ وہ بھی اس سے محبت کرنے لگا ہے۔ بس پھر کچھ عرصہ ان کا

رواں لکھ چلتا ہے۔“

”یہ لڑکی کہاں سے آگئی اس میں؟“

”وہ موجود ہے۔ آپ نے دیکھا نہیں رش پرٹ دیکھ رہی تھی۔“

”کنورجیت نے یہ سفارش کی ہے؟“ راجکری غصیے لہجے میں بولی۔

”منگھوری بھی مل گئی ہے بھلا صاحب سے۔“

”مجھ سے مشورہ بھی نہیں کیا گیا۔۔۔“

”کیا عرصہ کر سکتا ہوں۔“ فٹھی جی نے کہا۔ راجکری چند لمحات تک دانت خشکی رہی پھر اس نے کہا۔

”خشکی جی اس میں ایک سین اور ڈاٹا ہے۔“

”جی؟“ فٹھی جی رد دینے والے انداز میں بولے۔

”ہاں سرکس کے ایک نو جوان کا سین جو ہیرڈن سے محبت کرتا ہے۔“

”مگر۔۔۔ کہہ رہی جی ہیرڈن یہاں کہاں سے آگئی۔“

”کھنک سے بھی آئے سے آتا ہے۔ آپ نہیں جانتے فٹھی جی میں ایک ایسا ٹیلٹ تھا رف کر رہی ہوں جو فٹھی دنیا میں ہنگامہ کر دے گا اور آپ کو

یہ بھی کرنا ہے جیسا میں کہہ رہی ہوں اور آپ یاد رکھیں آپ کو کہہ بیاں لکھنی ہیں میری پسند میری خواہش کے مطابق۔ سی پی کھوپڑا صاحب نے مجھ سے

بات کی ہے ایک کہانی کے بارے میں۔“

”وہ تو ٹھیک ہے کہہ رہی جی مگر۔۔۔ وہ کنورجیت نے تو ایک ہزار روپے بھی میری جیب میں زبردستی ٹھونس دیئے ہیں۔“

”تو یہ دو ہزار روپے آپ میری طرف سے بھی رکھئے مگر سین ضرور ہوگا۔“ راجکری نے چتا پرس کھول کر دو ہزار روپے کے نوٹ نکالے اور زبردستی

فٹھی جی کی جیب میں ٹھونس دیئے۔

”سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہیرڈن یہاں کیسے پہنچے وہ تو انگلوں کی قید میں ہے۔“

”ایک ٹیک انسان اسے آزاد کرادیتا ہے اور وہ ہنگ کر سرکس میں آجاتی ہے اور وہاں یہ نو جوان سے پناہ دیتا ہے۔“

”سنگلوں کے رہنما وہ ٹیک انسان کہاں سے آگیا۔“

”وہ ٹٹھی جی آپ اس میں دکھائیں کہ شیپوں کسی کی میراث نہیں ہوتیں بروں میں بھی اچھے لوگ ہوتے ہیں۔“

”جی جی یقیناً۔“ ٹٹھی جی بولے۔ تم ہر درو پے کی امانی رقم بہت سی مشکلات کا حل تھی۔

”بس آپ یہ دکھائیں گے اس سین میں کہ وہ ٹیک اتھن ہیر دکن کو آزاد کرادیتا ہے اور ہیر دکن بھاگ کر سرکس میں پہنچ جاتی ہے جہاں ایک نوجوان سے پناہ دیتا ہے، نوجوان بہترین صلاحیتوں کا مالک ہے، دھواں منگروں کے ساتھی ہیر دکن کو تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔“

”جی راجیکاری جی، وہ تو ہیر دکن کی تلاش میں بھی ہیں۔“ ٹٹھی جی بولے۔

”فہ، تو کیا وہ دو چار ہی ہوں گے، جو ہیر دکن کی تلاش میں ہیں وہ ہیر دکن کی تلاش میں گئے رہیں گے اور جو ہیر دکن کی تلاش میں ہیں وہ اس کے لئے سرگرداں رہیں گے، نوجوان اپنی دنیا کا رازہ صلاحیتوں سے اسنگروں سے ہیر دکن کی زندگی بچاتا ہے اور ہیر دکن اس سے متاثر ہو جاتی ہے۔“

”اور کہانی کا ہیڈ لائن ہو جاتا ہے۔“ ٹٹھی جی رو مانس آواز میں بولے۔

”بالکل نہیں ہوتا، آپ نے تو عقل سے کام لیا ہے، چھوڑ دیا ہے، مسئلہ کیا پیدا ہو جاتا ہے آخر؟“

”جی مسئلہ صرف اتنا ہے کہ ہیر دکن ہیر دکن سے بچی محبت کرتی ہے اور ہیر دکن ہیر دکن کے سنے جان دینے پر آمادہ ہے، یہ بیچ میں ایک لڑکی اور لڑکا ٹپک پڑے ہیں۔ انہیں آخر کہاں کھپایا جائے۔“ ٹٹھی جی بولے۔

”ہیر دکن کے بارے میں، میں کچھ نہیں جانتی، جہاں تک ہیر دکن کا مسئلہ ہے وہ نوجوان کی دنیا کا رازہ صلاحیتوں سے اس قدر متاثر ہوتی ہے کہ ہر قاعدہ اس کی جانب راغب ہو جاتی ہے اور اس کے بعد ہر قاعدہ ان دونوں میں رو مانس شروع ہو جاتا ہے۔“

”پکارو مانس؟“ ٹٹھی جی نے کہا۔

”جی بالکل پکا۔ جو مناظر آپ نے اس میں ڈالتے ہیں ان میں ہیر دکن اور ہیر دکن کو ضرورت سے زیادہ قریب دکھانا ہے بلکہ اسنگروں کی قید میں ہیر دکن کا لباس بھی چھٹ جاتا ہے، آپ سمجھ رہے ہیں نا صورت حال؟“

”جی جی سمجھ رہا ہوں۔“

”وہ مختلف ٹکڑوں پر چستے پھرتے ہیں اور کئی راتیں ساتھ گزارتے ہیں۔“

”سرکس سے دور رہ کر؟“

”فہ، سرکس سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے، سمجھے آپ۔“ راجیکاری جی نے کہا۔

”جی سمجھ رہا ہوں، مگر پھر آپ ہی بتائیے کہ اس بچی محبت کا کیا ہوگا؟“

”یہ مناظر جو میرے پسند کے مطابق آئے چائیکس، سرکس کا نو جوان ہیروئن کو ٹوٹ کر چاہتا ہے۔“

”نکشی ہارٹوٹا ہے وہ؟“ نکشی جی نے پوچھا۔

”مسٹر ہارٹوٹا نہ کریں، میرا مطلب ہے کہ وہ ہیروئن کو بہت زیادہ چاہتا ہے۔ جب وہ سو رہی ہوتی ہے تو وہ اس کے بالکل قریب آ جاتا ہے اور اس کے

بعد پبلک ٹیسٹ کے کچھ سین آئے چائیکس سمجھ رہے ہیں نا آپ؟“

”جی سمجھ رہا ہوں۔“ نکشی جی نے جیب میں ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

”یہ مناظر جس قدر طویل ہو سکیں آپ کر لیجئے بعد میں ہم یوں کریں گے کہ زٹی ہیرو ہیروئن کے سامنے آ جاتا ہے اور ہیرو کی محبت اس کے دل میں

جاگ اٹھتی ہے۔ وہ نو جوان کو بتا دیتی ہے کہ وہ کسی دور کی ہو چکی ہے۔ اب اس کی نہیں ہو سکتی، چنانچہ یہاں بات ختم ہو جاتی ہے، کہانی میں کیا گزیر

ہو جائے گی۔“

”اس طرح تو کوئی گزیر نہیں ہوتی۔“ نکشی جی نے مطمئن ہو کر کہا۔

”آپ کہانی نکلتے وقت مجھ سے مشورہ ضرور کر رہا کریں نکشی جی، ایسے ایسے گرتاؤں کی آپ کو کہ آپ بھی یاد رکھیں گے۔“

”جی یقیناً میں بھلا کیسے بھول سکتا ہوں مگر بھلا صاحب کی منظر کا کیا ہوگا؟“

”وہ میں نے سچ کی ہوں۔“ راجکمار نے کہا اور پھر وہ مطمئن ہو کر باہر نکل گئی۔ نکشی جی اسکرپٹ سمیٹ کر اس کے پیچھے ہی باہر نکل آئے تھے۔ بھلا

صاحب کو تلاش کرنے میں زیادہ دقت نہ ہوئی۔

”کہئے نکشی جی، کیا اور ہے؟“

”تہہ ملیاں۔“

”کیسی؟“

”سرکس، ایک لڑکی، ایک لڑکا، بے روہانس کے سین۔“

”کر دیجئے نکشی کر دیجئے۔ اس سے بہت سی تہہ ملیاں رونما ہوں گی۔“ بھلا صاحب نے کہا۔

”سمجھا نہیں۔“

”مگر یہ تہذیبیاں نہ کیوں گئیں تو راجنکری جی کو فٹہ ہو جانے کا اور وہ ایک سیں بھی نہ دے سکیں گے۔ ٹرکی نہ ڈالی گئی تو اس میں تو کنور چیت کی ریڑھ کی ہڈی میں درد ہو جائے گا اور یہاں سے واپسی کے سو چارہ کار نہ رہے گا۔ جس ٹرکے اور ٹرکی کو شل کیا جا رہا ہے وہ بے حد خوبصورت ہیں اگر وہ ہماری ڈیڈ پر پورے اترتے ہیں تو یوں سمجھ لیجئے ہماری آئندہ فلموں میں وہی ہیرو ہیروئن ہوں گے اور ان دونوں کو میں کوئی سا پینڈ روں بھی نہ دوں گا سمجھے آپ؟“

”جی سمجھ گیا۔“ غشی جی نے گردن ہلا دی۔

دوسرے دن شیخا نے مشتوں کی اجازت دے دی۔ بھلا صاحب کا پورا پمٹ منڈوے میں موجود تھا۔ غلام شاہ وہیں میز پر بھلا صاحب کے ساتھ تھا اور سرکس کے فنکار نا قابل یقین مناظر پیش کر رہے تھے۔ ایار اور سافولی سیدھے چلتے تاروں پر دوڑتے پھر رہے تھے۔ گلیوں، پھل رے تھیں۔ پھر ہاتھی، شیر اور بندر بھی رنگ میں آگئے اور سونپانے اپنا تیراکی ہوا ایک آنٹم پیش کیا۔ چند سحرے یہ آنٹم دے رہے تھے۔ وہ شیر کے سامنے آ کر گرے اور ہاتھیوں نے فٹوں اپنی سوط میں اٹھالیا۔ بندر اچھل کود کرتے گئے اور شیخا اس ہو گیا۔

”رے اکبر۔ کاجنگ منک سر ہمیسہ کے لئے ہم سے جد ہو گئے۔“

”کیا کہا جا سکتا ہے شیخا۔ میں جانتا ہوں کہ اس وقت وہ تمہیں ضرور یاد آئیں گے۔“ اکبر شاہ نے کہا۔

”کلیجہ کاٹ دئی رہے ان کی یاد۔ ای پتہ چل چکا کہ ادنی سسر اپنی مری سے کہیں گئے رہیں یا۔“

”ہاں شیخا، ان کے لئے ہم سب، اس ہیں۔“ اکبر شاہ نے اسی سے کہا۔ شیر، ہاتھی اور بندر واپس گئے ہی تھے کہ اچانک کئی گھوڑے دوڑتے ہوئے رنگ پر آگئے۔ آخری گھوڑے کی پیچھے پر شارق کھڑا ہوا تھا۔ وہ تیز رفتاری سے دوڑتے ہوئے گھوڑے پر جا رہا تھا کبھی کسی کی پیچھے پر نظر آتا تو کبھی اس طرح پھسل جاتا جیسے نیچے گر رہا ہو کبھی ہوتا یوں کہ اس کی ٹانگیں گھوڑے کی کمر سے لٹکی ہوئیں اور وہ گھوڑے کی ٹانگوں کے درمیان لٹکا ہوتا۔ گھوڑے بھی بری طرح گھبرائے ہوئے تھے۔ اپنی تربیت کے مطابق وہ رنگ میں ہی دوڑ رہے تھے لیکن گھبرائے ہوئے کیونکہ یہ آنٹم ان کے لئے اچھی تھا وہ بٹک بھی رہے تھے رک کر دولتیاں بھی چلا رہے تھے مگر شارق ایک بار بھی کسی کی رد میں نہیں آیا تھا۔ وہ پھلاوے کی طرح بکڑے ہوئے گھوڑے کو چھوڑ کر دوسرے گھوڑے پر پہنچ جاتا۔ یہ گھوڑے مکمل طور پر اکبر شاہ کی تحویل میں تھے اور وہ ان کے سینے میں بہت جذب پاتی تھا۔ گھوڑوں کے سارے آنٹم یا تو وہ خوش پیش کرتا یا اس کی اجازت سے کوئی دوسرے۔ لیکن جو کچھ وہ دیکھ رہا تھا وہ اس کا خواب میں بھی تصور نہیں کر سکتا تھا اور اس وقت حقیقی محسوس میں وہ بری طرح سلگ رہا تھا۔

”شیخا۔“ اس نے سر دھچکے میں کہا۔

”ہوں۔“ شیخا چوک پڑا۔

”تم نے ہم سے کیا کیا جھین لیا ہے کم از کم ہمیں بتا تو دیا جاتا۔“

”ارے بڑا۔ ارے دیکھو اس سر کو۔ ارے بھائی، ای تو ہکا جن نجر آوے ہے!“ اکبر شاہ وہاں سے آگے بلا حلقہ غلام شاہ نے جدی سے دس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ”ہم نے ادکا جازت نادکی ہے اکبر! پچھلی ہے ہم ادسے کہ دنگوڑ سے کاہے کھوس رہے۔“

”تھیں اس کا فیصلہ کرنا ہوگا شیخا۔ آج ہی۔“ اکبر شاہ غرایا۔

”کر لئی ہے بڑا، کر لئی ہے ی سر جھگڑا ہی کھتم کر لئی ہے۔ ارے بھائی برا دکھت آ پڑی ہے ہم پر اسے۔ اوئی سر سارک۔“

”آپ کے سر کس میں تو یہ فکارا تو کھ ہے شاہ صاحب سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کون بڑا انکار ہے۔ گھوڑے کی پشت پر یہ برق رقی ری تو قھسے کھ نیوں میں بھی نہیں سنی تھی۔ غلام شاہ میں اس فوجوان فکار کو بھی پتی لٹم میں شامل کرنا چاہتا ہوں۔ تمہارے پاس تو بڑے بڑے تاپا بھیرے ہیں۔“ بھلا صاحب نے کہا۔

”رے بھائی بھلے تے ایک کام کر میرا۔ اسی میرا تے ہماری طرح طریقہ سے لے لے۔ تیری بڑی مہربانی ہوگی بھائی۔“ غلام شاہ نے کہا۔

”میں سمجھا نہیں شاہ صاحب۔“ بھلا صاحب نے کہا۔

”تو ہاں پاس ایک آدمی کی جگہ تو ہوگی رے۔“

”کس سلسلے میں شاہ صاحب؟“

”ارے کوئی سلسلہ ہو بھائی۔ اے گھوڑ سو، تو کا پسند ہے؟“

”بے حد!“

”تو تو اسے اپنے ساتھ رکھ لے پات، ہمیدہ ہمیدہ کے لئے رکھ کے ہم حیرا سکر یہ کریں گے۔“

”وہ تیار ہو جائے گا؟“

”رے کیسے نا تیار ہوگا۔ تے تیار ہے کرنا؟“

”خوشی سے تیار ہوں شاہ صاحب، آ بیٹا بیٹا ہے وہ۔ کاش وہ تیار ہو جائے۔“

”دکا تیار کر کے ہم تو ہمارے پاس بھیج دی ہے۔ جس سے کام کر پوچھو۔“ غلام شاہ نے کہا۔
”کیا؟“

”سے واپس نالوٹائیے۔ تیری بڑی مہربانی ہوگی۔“

”شاہ صاحب آپ واپس لوٹانے کی بات کر رہے ہیں میں اس پر لاکھوں خرچ کرنے کے لئے تیار ہوں۔“
”بات سچی رہے؟“

”بالکل سچی۔“ بھلا صاحب نے کہا اور غلام شاہ گہری گہری سانسیں لینے لگا پھر اس نے کہا۔

”ایک بات تو کائناتی دے رہی ہیں۔ اوہ بے کروڑ اکاڑ دی۔ نے نے پتی چندگی میں ایسا آدمی نہ دیکھا ہوگا۔“
”مجھے اندازہ ہے شاہ صاحب۔“

”ہم اوسر سکھوی سے اوکا تھے نادے ہیں کا کریں۔ بچہ کا دور ہے اوکی اے ہی مرتبی رہے۔“ شیٹا نے اس لہجے میں کہا مگر بھلا صاحب سونپ کی طرف متوجہ ہو گئے جو جھولے پر پہنچ گئی تھی۔ اس کا ساتھ بھی ایسا دے رہا تھا اور سونپ نے جھولے پر کتبہ دکھانے شروع کر دیئے۔ کنور جیت کی آنکھیں مسرت سے چمک رہی تھیں۔

”یہ دو پہر غلام شاہ نے شارق کو اپنے پاس بلایا۔“ تو سے ایک بات کہی ہے۔“
”کہو شیٹا۔“ شارق نے کہا۔

”بہت مہمان روئی تھے ہمارے۔ اب گھنچا کش نہ رہی ہو۔ اب تے بھلائی کے پاس چلا جا۔ ہم نے ان سے بات کر لی ہے تو کاروئی پانی کی تکلیف نہ رہے گی بھلائی تیار ہیں۔“

”میں ان کے پاس جا کر کیا کروں گا شیٹا؟“

”ارے کوئی کام دھندا کر بھائی جون آدمی ہے۔ بھٹ کی روٹیوں توڑے تو کا سرم نہ آوے ہے۔ جہر دتی مہمان بنا ہوا ہے کوئی مجھ سے تیری یہاں ارے کب تک بھٹ کھوری کرتا رہے گا بھائی۔ کتوں کی طرح روٹیاں کھانا کوئی بھی بات ہے؟“

”مگر شیٹا۔“

”کھری بات کہہ دی ہے تو سے ہوا۔ اب سرکس میں نجر نہ آئید دھکے مار کے نکال دی ہے تو کایاں۔“ غلام شاہ نے کہا اور شارق جا موٹا ہو گیا غلام

قیسے کے نہیں ہیں؟“

”یہ ضد کا رشتہ کیا ہوا؟“ بھلا صاحب نے پوچھا۔

”میں میں شیخا کے سرکس میں شامل ہونا چاہتا تھا لیکن شیخا کا کہنا تھا کہ غیر قبیسے کے رنگ دن کے ساتھ شامل نہیں ہو سکتے۔ میں نے کہا کہ میں شیخا کو اس کے لئے مجبور کر دوں گا یہی کنگش چل رہی ہے ہمارے درمیان۔“

”آپ اس میں کامیاب نہیں ہوئے۔“

”ہو سکتا تھا مگر جلد بازی نہیں کی میں نے۔۔۔“

”یہ ہمارے ہی نہیں آپ کے حق میں بھی بہتر ہے مسٹر شارق۔“ بھلا صاحب نے کہا۔

”میں سمجھا نہیں!“

”گھوڑوں پر آپ نے جون پٹن کیا، اس نے میرے ڈائن میں ایک نیا راستہ کھونا ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی شکل و صورت آپ کی وجاہت یہ تمام باتیں بتاتی ہیں کہ آپ نے اپنے لئے صحیح راستہ منتخب نہیں کیا تھا مسٹر شارق۔ ہاں ایک بات۔ درجائیں آپ سرکس سے متعلق نہیں ہیں پھر یہ ٹون آپ نے کہا ہے سیکھے؟“

”میں ان لوگوں کے درمیان رہ کر۔“

”آپ جیسے باکمال انسان کو چنانچہ صحیح مقام تلاش کرنا چاہئے تھا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ٹن بار مگر یہ معمولی چیز ہے اس کے لئے بڑی محنت اور مشق درکار ہوتی ہے لیکن معاف کیجئے شارق صاحب یہ ایک محدود فیلڈ ہے اس سے باہر کیا ہے کچھ نہیں جبکہ فلمی دنیا آپ کو بین الاقوامی شہرت دے سکتی ہے۔ آپ کے قدموں میں دوست کے اہل لگا سکتی ہے۔“

”شاید؟“ شارق نے کہا۔

”آپ کا دل چاہے تو آپ ہم سے ضرورتاً دن کریں۔ میں آپ کو پہلے اپنی اس فلم میں ایک رنگ رولوں کا اس کے بعد میں ایک مشہور ری رندگی پر ایک محرکتہ لارم فلم بناؤں گا جس کی ہمت کوئی نہیں کر سکتا۔ آپ کے کمالات دیکھ کر یہ خیال میرے دہن میں آیا ہے۔ عموماً ہماری فلموں میں مشکل مناظر دوسرے لوگ کھل کر ادا کرتے ہیں انہیں ڈی کہ جاتا ہے مگر آپ پہلے ہیر دھوں گے جو خطرناک مناظر خود شات کرائیں گے۔ فیہ یہ بعد کی باتیں ہیں پہلے تو آپ سے یہ سوال کرنا ضروری ہے کہ خود آپ اس شے کو پسند کریں گے؟“

”شیخا نے آپ سے کیا کہا ہے؟“ شارق نے پوچھا۔

”غلام شاہ۔“ بھلا صاحب نے گہری سانس لی پھر بولے۔ ”آپ وعدہ کریں شارق صاحب کہ آپ میری کبھی ہوئی بات غلام شاہ سے نہیں کہیں گے۔“
”وعدہ کرتا ہوں۔“

”غلام شاہ کے انداز سے پتہ چلا ہے کہ وہ آپ سے چھٹکا اچا چتے تھے۔ انہوں نے بس مجھ سے یہ کہا کہ میں آپ کو واپس سرکس میں نہ آنے دوں اس کے علاوہ انہوں نے اور کچھ نہیں کہا۔“ شارق کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ راجکمار ریاست سے پیار بھری نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی۔
”غلام شاہ جو ہری نہیں پازنگ ہے۔ ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے کہ ہم شارق صاحب کو واپس لوٹائیں۔ معاف کیجئے بھلا صاحب آپ کے کسی پروگرام کے آڑے نہیں آؤں گی لیکن اس وقت یہ میری امانت ہیں آپ کے پاس یہاں سے واپسی پر یہ میرے ساتھ رہیں گے میرے پاس ان کے لئے بہت جگہ ہے۔“

”ضرور راجکمار جی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان جنگلوں سے غلے دنیا کو یک ٹر نہ ملا ہے۔“ بھلا صاحب نے کہا۔

”میرے سنے آپ کے پاس جگہ ہے کمار جی۔“ شارق نے پوچھا۔

”دل میں جگہ بتائی ہے آپ کے لئے۔“

”وہ۔ وہاں تو بڑی گھٹن ہوگی۔“ شارق بولا اور مٹی فقیر دین سے اختیار مسکر پڑے۔

”کیسی بات نہیں میرا اب بہت کثرت ہے۔“ راجکمار بولی۔

”بہر حال عارضی قیام کے لئے دل کے بجائے ٹیمپریٹری ہوگا بعد میں آپ کا دل جہاں جی چاہے رہیں۔“ بھلا صاحب نے بھی پر حراج زحماً میں کہا۔

”اب تو ہمیں بڑی آسانی ہوگئی بھلا صاحب۔ شارق جی ہمارے ساتھی ہیں۔ مٹی جی شارق کا رول کچھ درجہ حد ہے۔“

”جی، ہاں جتنا چاہیں بڑھ جائے گا۔ کمار جی۔“ مٹی جی معنی خیز بچے میں بولے۔

”مٹی جی اس فلم میں تو بس جتنا ممکن ہوتا تھا ویسے ہی ہیں بعد میں ہم شارق صاحب کو ہیر دکاروں دیں گے۔“ بھلا صاحب نے کہا۔

”وران کا فلمی نام روپ کمار ہوگا۔“ راجکمار نے کہا۔

”اس کا فیصلہ آپ اور شارق صاحب کر لیں۔ تو شارق صاحب بنیادی بات رہ گئی یہ ایک سچ ہے کہ شیخا آپ کا مالک نہیں ہے۔ جہاں تک میرا خیال

ہے وہ اتنے بڑے سرکس کا مالک ہونے کے باوجود نہایت سادہ لوح انسان ہے اور ہر بات سادگی سے کہہ دیتا ہے۔ آپ خود بھی ہمارے ساتھ رہنا پسند کریں گے یا نہیں؟“

”مجھے نوکری دیں گے آپ؟“

”میں سمجھ نہیں!“

”میری یہاں رہائش پر کچھ اخراجات ہوں گے آپ کے۔ وہ کس حساب میں ہوں گے۔“

”آپ کچھ بھی نہ کریں تب بھی میں آپ جیسے باکمال انسان کو مہمان بنا کر خوشی محسوس کروں گا اور اس طرح آپ کا معاوضہ شروع ہو جائے گا۔“

”جب مجھے اعتراض نہ ہوگا؟“ شارق نے کہا۔

”ہاں ہوگی نا۔ اب میں شارق صاحب کو ساتھ لے جا رہی ہوں ان کا خیمہ میرے خیمے کے برابر ہوگا۔ آئیے شارق جی۔“ راجکھاری نے کہا اور شارق مسکراتا ہوا اٹھ گیا۔

شام ہوگئی۔ سرکس کے لوگ بدستور معمولات میں مصروف تھے۔ سورج ڈھلے بھلے صاحب اور غلام شاہ کی ملاقات ہوئی بعد صاحب نے کہا۔ ”شاہ صاحب آپ کی اجازت سے کل دن میں آپ کے سرکس میں کچھ شونگ کروں گا اس طرح ہم ابتدائی کام کر لیں گے آپ تعاون کریں گے۔“

”کا ہے ناہیں حیرانہ ہم پہلے ہی تو کاہوں کی ہے۔ کونوا اور کام ہوئی ہو تو نا۔“

”بس کل آپ کے فنکاروں کو سرکس ڈریس پہننا ہوگا تاکہ میں صرف سرکس کے مناظر فلڈس بعد کو جب آپ یا مگر میں سرکس لگانے کے تو پبلک شٹ بھی لے لئے چائیں گے۔ سرکس کے مناظر یہاں آسانی سے لئے جاسکتے ہیں۔ شارق کا سرکس کا کوئی لباس ہے آپ کے پاس؟“

”سارک کا اے بھائی و سرکس ماں تھا کب۔ دو تیر جیتی ہے پر کو نو بند دہست ہو جی ہے اور تے نے کا سوچا نو کے ہارے ماں۔“ غلام شاہ نے پوچھا۔

”شارق کے ہارے میں؟“

”اے بھول گئی کا۔“

”سے تو میں نے بلایا۔ جیسے وغیرہ کا بند دہست بھی کر دیا اس کے لئے بات ہوگئی ہے اس سے۔ کئی گھنٹے سے دو میرے پاس ہے۔“

”وہ غلام شاہ نے آہستہ سے کہا۔ اس کے بعد دیر تک بھلا اور غلام شاہ کے درمیان گفتگو ہوتی رہی تھی مگر غلام شاہ پر اداسی جاری ہوگئی تھی۔ بھلا کے پاس کے بھدوہ خیمے میں اپنے بستر پر بیٹ گیا تھا حالانکہ یہ اس کے صول کے خلاف تھا۔ غلام شاہ نے پوری زندگی معذوری کے باوجود ایک آہنی

چنان کی مانند گزاری تھی۔ تو جوان تھک جاتے تھے لیکن غلام شاہ کے اندر تھکن کا حساس نہیں جا گا تھا۔ وجہ کچھ بھی ہو لیکن اس کے تمام ساتھیوں نے اسے بیٹھ اپنے اصولوں پر کاربند دیکھا تھا۔ علی الصبح جاگنا اگر سرکس لگا ہوتا تو شوقم ہونے کے بعد اس وقت جب آخری آدمی بھی اپنے خیمے میں جا کر لیٹ جاتا۔ غلام شاہ اپنے خیمے میں جاتا تھا۔ اس طویل ترین زندگی میں اسے کبھی کسی نے بیمار نہیں دیکھا تھا بدشیر وہ ایک پر سرار شخصیت کا مالک تھا۔ اس وقت اتفاق سے ایہ رکشی کام سے غلام شاہ کے خیمے میں آیا اور غلام شاہ کو اس طرح بیٹھ دیکھ کر گھبرا گیا۔ ایاز کے قدموں کی آوازیں کر غلام شاہ نے گردن اٹھائی۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ ایاز گھبرا گیا اور جلدی سے اس کے قریب پہنچ کر اس کے پیروں کو چھوتا ہو بولا۔

”خیریت شیخا؟“

”ارے بھائی ایاز جے سب ٹھیک رہے۔“

”آپ بیٹے ہوئے ہیں شیخا؟“

”ہاں بھیا کمرادر دہولی ہے۔“ غلام شاہ نے جواب دیا۔

”اوہ اس سے پہلے تو کبھی آپ کی کمر میں درد نہیں ہو شیخا؟“ ایاز نے کہا ”غلام شاہ کے ہونٹوں پر یک لمحہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

”کب تک نا ہوئی ہے بڑا ہونا تو ہے نا بچے بڑے ہو گئے اب ہماری کمر کار کھا رہے۔“

”خمس شیخا ہم تو آپ کی قوت سے سبق لیتے ہیں۔“

”ارے کا ہے جو ک اڑائی ہے۔ سیکھ میں اب کت نہ رہی بڑا۔ سیکھا دوسرے درجے کا آدمی بن گیا اور ای بات سیکھا کے دل کو نہ بھائی رہے۔“

”میں سمجھ نہیں شیخا؟“

”کا کرئی ہے سمجھ کر بڑا اس کی سمجھ لے کہ سرکس اب ہارنا ہیں رہے۔“

”کیسی باتیں کر رہے ہو شیخا پھر کس کا ہے یہ سرکس؟“

”تم سب کا ہے بھائی ہمارا کا ہے بوڑھے ہوئے گئے؟“ غلام شاہ نے دایوں لہجے میں کہا اور ایاز کی آنکھوں میں نمی آ گئی۔

”تمہیں شیخا تو بوڑھے ہو گئے ہو تو ہم سب مر جائیں گے تمہاری قوت اور تمہاری جوتی نے تو ہمیں زندہ رکھا ہوا ہے۔“

”بک بک نا کر رہے کوں سنت ہے اب ہماری ہمارا اکبر ہمارو نی ایک بات ادنا مات رہیں۔ کا کریں ہم بول کیسے کمر سیدھی رکھیں۔“ شیخا کی آواز

بھرائی ہوئی تھی۔ ایاز سمجھا نہ رہا کہ اسے دیکھنے لگا پھر بولا۔

”کوئی بات ہوگی؟“

”ارے کا بات ہوئی ہے ساری جھگڑی تم سب مسرر کو پالا ہے ساری بات ہمارے نامت رہا رہے کا کھر لی تھی او میں بتاؤ کا نقصان پہنچی ہے او کو کار کا بگاڑی ہے ارے بچے ہے کوہاں باپ کا نین کا تارا ہوئی ہے ہم گراؤ کا تھوڑا سا پیار دے دئی ہے تو تم سب او کے کھاف ہوئی گئے۔ کا ہے، بھائی کا کھات ہیں ہم تہاں سب کیلئے کچھ نہ کچھ کری ہے تم یو، گر سارک یہاں رہ جا تا تو کا ہو جی ہے۔ ارے بھائی ہم اصول بتائی رہے سرکس ماں تم سب کے لئے اس لئے کہ کہیں تم لوگ کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ اب تم کھو دو جو بات ہم بری نہ سمجھی ہے تو او کا اصول پر لا دو یو۔ بھائی تو کھو بتاؤ۔ ہمارا اصول ہمارے ہی گلے میں پھنسی کا پھندہ بنائے دئی ہے کوئی اچھی بات کری ہے تم۔ ہم ساری جھگڑی تم کا دے دئی ہے اور تم ہمیں یک آدمی بنا دئی ہے۔ بچا رہ دور وئی کھا لیتا تھا سو کھر رہ تھا۔ ہنسا بدلتا رہتا تھا بھگتی رہے سب مل کر او کا۔“

”شارق کی بات کر رہے ہیں آپ شیخ؟“

”رے بھگ جا رہے بھائی ہاں کھو پڑیا کھر اب کرے جا بھائی تیرے ہاتھ جوڑیں۔“

”شیخ“

”کہہ دیا تو کا تو رے ہاتھ جوڑیں بھائی جا چلا جا ہمیں اکید چھوڑ دے ای وکت۔“ غلام شاہ نے کہا اور اپنا زشائے ہلاتا ہوا وہاں سے ہا ہر گل گیا۔ تفاق کی بات تھی کہ اکبر شاہ بھی اس وقت شیخا کے پاس ہی آ رہا تھا، غلام شاہ اور ایار کی گفتگو سن کر ہا ہر رک گیا تھا ور یہ سارے الفاظ اس کے کانوں میں پڑے تھے۔ یاز ہا ہر نکلا تو کبر شاہ سے سامنا ہو گیا۔ اکبر شاہ کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ ایاز نے اسے ایک نگاہ دیکھا پھر آگے بڑھنے لگا تو اکبر شاہ بھی اس کے پیچھے چل پڑا۔

”درا میرے ساتھ آؤ ایاز۔“ اس نے بھاری لہجے میں کہا اور یاز اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ کبر شاہ سو نیا کے خیمے میں داخل ہو گیا۔ سو یا اچے خیمے ہی میں موجود تھی نا دونوں کو دیکھ کر اس نے گردن ہا کی اور بولی۔

”خیریت اکبر بھیا کیا بات ہے؟“

”کوئی خاص بات نہیں سو نیا۔ بس وہی شارق کا مدد ہے۔ شیخا اس سب سے بہت زیادہ سنجیدہ ہو گیا ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے ایاز سے وہ گفتگو کر رہا تھا اسے شارق کا یہاں سے نکالنا بہت بر لگا ہے۔“

”نکالنا؟“ سو نیا چونک پڑی۔

”ہاں شاہزادہ نے شارق کو یہاں سے نکال دیا ہے۔“

”مہم۔ مگر وہ کہاں گیا؟“ سوئیا نے سچے نہ انداز میں پوچھا۔

”شاہزادہ نے اسے بھلا صاحب کے سپرد کر دیا ہے۔“ سوئیا حیرت زدہ لگا ہوں سے اکبر شاہ اور ایار کو دیکھتی رہی اکبر شاہ نے ایاز سے کہا۔

”ایاز میں بھی اس پر اعتراض نہ کرنا لیکن وہ سوئیا سے بدتمیزی کرتا ہے۔ یہ بات میں نے شیخا کو بھی بتا دی ہے کہ وہ سوئیا کے چکر میں پڑا ہوا ہے۔ اب تم خود سوچو سوئیا بھی اس کی جانب متوجہ نہیں ہے، اگر میری بہن اس سے پند یدگی کا نظارہ کرتی تو شاید میں اپنے انداز میں کوئی لپک پیدا کر دیتا۔ ہے شک یہ سرکس شیخا کا ہے ہم سب اس کے غلام ہیں اس کے بچے ہیں لیکن کیا شیخا اگر آنکھوں پر پٹی باندھ لے تو کیا ایک بھائی کی حیثیت سے میں بھی پٹی باندھ کر بیٹھا رہوں۔ اگر اس کے علاوہ اور کوئی بات ہوتی تو میں خود شیخا کو پیشکش کرتا کہ وہ شارق کو اس سرکس میں شامل کر لے۔ جہاں تک اصولوں وغیرہ کا تعلق ہے تو ہم سب شیخا کے پابند ہیں وہ ہمارا بزرگ ہے جو بھی فیصلہ کرے ہم اس پر گردن جھکاؤ گے شیخا نے خود ہی تو یہ اصول بتائے تھے ہم نے تو نہیں بتائے۔ اگر شیخا اس بات پر آمادہ ہو جائے کہ ہر قیمت پر اسے سوئیا سے بدتمیزی کی اجازت دے دے گا تو ٹھیک ہے میں یہ بات مان لیتا ہوں شارق کو واپس بلا لیا جائے لیکن تم خود سوچو کیا یہ بردہتی اچھی ہے۔“ ایار گردن جھکا کر کچھ سوچنے لگا پھر اس نے کہا۔

”نہیں خیر یہ تو ٹھیک نہیں ہے۔“

”تو پھر تم لوگ شیخا کو یہ بات سمجھاتے کیوں نہیں اسے بتاتے کیوں نہیں وہ بلا وجہ ہمارے لئے دل میں بردہتی لئے بیٹھا ہے۔“

”س وقت وہ بہت ادا اس ہے یقین کریں یہی عجیب کیفیت ہے اس کے چہرے پر اکبر بھی کہ میرا دل لرز اٹھیں میں معلوم ہوتا ہے جیسے اسے شارق کے جانے کا بہت دکھ ہے۔“

”ٹھیک ہے سوئیا خود اس مسئلے سے نمٹنے کی میں اسے جا کرواؤں بلا تا ہوں۔“

”نہیں ایسا نہ کرنا۔“ ایاز نے جلدی سے کہا۔

”کیوں۔“ اکبر شاہ نے پوچھا۔

”شیخا اس بات کو پسند نہیں کرے گا یہ بات بھی وہ اپنے ساتھ زیادتی محسوس کرے گا۔“

”تو پھر مجھے بتاؤ ایاز میں کیا کروں۔“

”اس کا کوئی حل نکالیں گے سوچ سمجھ کر نکالیں گے ابھی وہ ہمارے ساتھ ہے۔“ ایاز نے کہا اور اکبر شاہ خاموش ہو گیا سوئیا ہم صدمہ ہی رہ گئی تھی۔ یہ

بات اس کے لئے تعجب خیز تھی کہ شیخا نے شارق کو یہاں سے نکال دیا ہے اور وہ چلا گیا ہے کبر اور یار تھوڑی دیر تک بیٹھے رہے اور اس کے بعد باہر نکل گئے لیکن سوچ پر ایک سکتے کی سی کیفیت طاری تھی۔ درحقیقت وہ ابھی تک اپنا اندرونی جائزہ نہیں لے سکی تھی۔ یہ شاید اس کی خود پسندی تھی کہ اس نے شارق کو ٹھکرا دیا تھا۔ دراصل شارق کا رویہ اس کے ساتھ یہ تھا جیسے وہ حکمران ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ جو کچھ وہ چاہے گا وہی ہو جائے گا۔ اگر اس کے انداز میں نرمی اور چلک رہتی تو شاید سونیا اپنے دل میں پروان چڑھنے والے جذبات پر نگاہ دوڑتی لیکن اس کی جو حرکات تھیں وہ بڑی سرکشی کی حامل تھیں اور اس سرکشی ہی نے سونیا کو اس سے بدگشتہ کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ دوسرے کچھ احساسات بھی تھے جو اس پر حاوی ہو گئے تھے لیکن انہیں تمام باتوں کے باوجود شارق کا اس طرح چلے جانا، اسے کچھ عجیب سا لگا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ کس طرح غلام شاہ نے اسے یہاں سے نکالا ہوگا لیکن اتنا اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ کچھ عرصے سے غلام شاہ نے شارق سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی نہ وہ اس کے قریب نظر آتا تھا اور نہ غلام شاہ اس پر توجہ دیتا تھا۔ بلاشبہ شارق یہاں بہتر زندگی گزار رہا تھا مگر آخروہ اس طرح پیچھے ہی کیوں پڑ گیا ہے جب ہم لوگ اسے یہاں نہیں چاہتے تو اسے زبردستی تو نہیں کرنی چاہئے۔ سونیا نے خود کو سمجھ لیا۔

دوسرے دن صبح ہی سے بھلا صاحب نے کیمرو وغیرہ تیار کر لئے اور سرکس کے پٹاں میں داخل ہو گیا۔ اس نے آج سرکس کے مناظر فلک نے کے لئے غلام شاہ سے اجازت لے لی تھی اور آج وہ یہ کام مکمل کرنے کا خواہش مند تھا۔ کنور جیت اور دوسرے لوگ بھی آگئے تھے۔ بڑے اہتمام سے پٹاں میں کام ہونے لگا۔ خود غلام شاہ وہیل چیئر پر آگیا تھا اور اس کی کیمیت رات کی نسبت نارمل محسوس ہوتی تھی۔ غلام شاہ نے تمام لوگوں کو ہدایت کر دی اور سرکس کے چھ دو بے مستعد ہو گئے تمام آئینہ پیش کرنے تھے اس لئے سب لوگوں نے ڈریس وغیرہ پہن لئے کنور جیت سونیا کے پیچھے لگا ہوا تھا اور اس نے ہدایت کار کے فرائض سنبھال لئے تھے ادھر بھلا صاحب نے کیمرو وغیرہ درست کر دیئے تھے۔ دن کے باوجود ظلم کی ضرورت کے مطابق روشیاں بھی لگا دی گئی تھیں۔ میک اپ روم میں کنور جیت نے سونیا کا میک اپ کر لیا اور خود بھی اس میں جوش پیش رہا۔ اس جلسے میں بھی میک اپ مین سے مدد مگنی تھی۔ شو میں آنے کے لئے سونیا لکا چلا میک اپ کرتی تھی لیکن آج کے میک اپ میں میک اپ کے ککلات دکھائے گئے تھے اور سونیا آئینے میں خود کو دیکھ کر مستحضر رہ گئی تھی۔ اس پر عورت پن غائب آگیا تھا تاخو بصورت اس نے کبھی خود کو نہ دیکھا تھا۔

”آپ بے تو مجھے کیا سے کیا بنا دیا کنور جی؟“ اس نے سرور لہجے میں کہا۔

”وہ مس سونیا، ابھی کہاں۔ میں آپ کو جو کچھ بناؤں گا اس پر غیار شک کرے گی دیکھتی رہیں۔“ کنور جیت نے کہا۔

”آپ مجھ پر بہت محنت کر رہے ہیں۔“

”آپ میری زندگی کا شاہکار ہیں مس سونیا اگر ایک عالم کے ہونٹوں پر آپ کا نام نہ پہنچا دوں تو کنور جیت نامہ نہیں۔ محبت نے تاج محل بنا دیئے ہیں۔ میں بے تو بھی ابتداء کی ہے۔“ کچھ ٹھہرے پر میک آپ کرتی ہوئی شیرا کی ہنسی سنائی دی تھی۔

”شیرا دیکھو میں کیسی لگ رہی ہوں؟“ سونیا جھینپ کر بولی۔

”پہری تاج محل کسی کی محبت کا حصار۔“ شیرا نے فوراً جواب دیا۔ باہر سے میورک کی آوازیں ابھرنے لگی تھیں۔ شوٹنگ شروع ہو گئی تھی اور شیروں کا آکلم پیش کیا جا رہا تھا۔ بھلا صاحب کمرہ مینوں کو ہدایات دے رہے تھے اور بڑی محنت سے یہ شوٹنگ کر رہے تھے۔ دوسرے کمرے میں بھی شروع ہو گئے۔ سرکس دونوں کے لئے یہ شوٹنگ دلچسپ تھی اور ہر شخص کمرے کے سامنے آتا جا رہا تھا۔ پھر راج کمار کی بھی پینڈا مل آگئی۔ اس کے ساتھ شارق بھی تھا جو چڑھ کی جیکٹ اور چست چلن میں مردانہ جاہت کا نمونہ نظر آ رہا تھا۔ یہ لباس اسے راجہ ماری نے مہیا کیا تھا اور سرکس کے لباس کی ضرورت نہ پیش آئی تھی۔ اسی وقت میک آپ مکمل کرنے کے بعد سونیا بھی باہر آگئی تھی۔ بہت سے آکلم شوٹ کر لئے گئے۔ شینا ڈبل چیمز پر خاموش بیٹھا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ شارق ایک سٹ کھڑا ہو گیا۔ راجہ ماری اس سے لپٹی ہی جا رہی تھی۔ لیکن شارق کے انداز میں اس کے لئے کوئی رعبت نہیں تھی۔ جسے دوسرے لوگ محسوس کر رہے تھے۔ غرض یہ کہ بہت سے آکلم شوٹ کئے گئے۔ بھلا صاحب نے کنور جیت سے پوچھا کہ سونیا کا آکلم وہ کس وقت دے رہا ہے تو کنور جیت نے کہا یہ آکلم سب سے آخر میں ہو گا اور اس کے لئے ہر دست بیگ دیا جائے گا جیسا کہ ایک ملکہ کے لئے۔“

بھلا صاحب خاموش ہو گئے تھے پھر تھوڑی دیر کے بعد شارق نے جھولے پر کام دکھانے کا ٹکڑا رکھا، چنانچہ کمرے وغیرہ تیار ہو گئے اور شارق جھولے پر چڑھنے لگا۔ شینا خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ شارق اوپر پہنچا اور جھولے کھول دیئے گئے، اس نے اپنے لئے کسی پارٹنر کی فرمائش نہیں کی تھی، سونیا کی لگا ہیں بھی شارق کا جائزہ لے رہی تھیں نچانے اس کے ذہن میں اس وقت کیا تاثرات تھے۔ شارق نے جھولے کھولے اور اس کے بعد وہ تیار ہو کر جھولے پر جھولنے لگا اس نے ایک جھولے کو دور پھینکا اور پھر نیچے اشارہ کیا۔ مقصد یہ تھا کہ کمرے تیار کرنے جائیں، پھر وہ دوسرے جھولے پر جھولنے لگا اور چند ہی لمحات کے بعد اس نے ایک جھولے سے دوسرے جھولے پر چھٹنگ لگا لی، غاصد بہت کافی تھا اور چھٹنگ بہت بلی تھی، یہ منظر شوٹ کر لیا گیا تھا۔

شینا کے ساتھ ساتھ دوسروں کی لگا ہیں بھی شارق پر چھی ہوئی تھیں، وہیے سرکس میں جھٹی ہماراں بے اپنے مظاہرے پیش کئے تھے سرکس میں کام کرنے والوں کے لئے حیرت انگیز ہی ہوا کرتے تھے۔ جھولے گردش کرتے رہے، وہ کام جو دوسرے لوگ کرتے تھے، شارق نہ ہی کر رہا تھا اور ایک سے دوسرے جھولے پر منتقل ہو رہا تھا، پھر اس نے اپنا سب سے خطرناک آکلم پیش کیا ایک جھولے پر چھٹنگ ہوا وہ پینڈا مل کے ہانگل درمیان آیا اور وہاں

”میں تیار ہوں۔“ سونچے نے جواب دیا۔ مجھ نے کیوں وہ کچھ متعلق ہی ہو گئی تھی۔ شیٹا کی وہی کوجھی اس نے عجیب سے لگا ہوں سے دیکھا تھا، صرف وہ ہی جانتی تھی کہ شیٹا دلچسپی کیوں چلا گیا ہے، اس کمال کے بعد واقعی کوئی کمال قابل د نہیں رہ گیا تھا۔ کنور جیت نے سازندوں کو ہدایات دیں اور سازندوں نے جنگ دینا شروع کر دیئے، بہر طور سونیا جھوٹے پر پہنچ گئی اور پھر اس نے اپنے بہترین کرتب دکھائے۔ یہ مناظر شوٹ مکے جا رہے تھے اور اس کے بعد بھلا صاحب نے کہا کہ اب نہیں مزید شوٹ کرنے کی ضرورت نہیں ہے جو کچھ ہو چکا ہے وہی ناقابل یقین ہے اور خود ان کا ذہن اس پر یقین کرنے کے لئے تیار نہیں ہے البتہ کنور جیت سونیا کو نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر سونیا سے کہا۔

”سونیا جی اب آپ یوں کریں کہ، ہنایہ میک اپ اتار دیں اور لباس دوسرا پہن لیں۔ آپ یوں سمجھئے کہانی کا ایک حصہ ہے کہ سرکس کی لڑکی سرکس کا دنیا سے نکلنے کے بعد باہر کی دنیا میں جاتی ہے اور وہاں اس کی ملاقات اس شخص سے ہوتی ہے جس سے اس کے ساتھ آگے کے معاملات چلتے ہیں، میرا مطلب یہ ہے کہ میں آپ کو تھوڑی سی آؤٹ ڈور شوٹنگ دکھانا چاہتا ہوں، کیا آپ اس کے لئے تیار ہیں؟“

سونیا نے اکبر شاہ کی طرف دیکھا اور اکبر شاہ بولا۔ ”کیا ہرج ہے، جب یہ کام آج اس انداز میں ہو رہا ہے تو تھوڑی دیر اور سہی، ویسے یہ تجربہ میرے لئے کافی دلچسپ ہے مگر کنور جیت۔“

”آگے آگے دیکھئے، اکبر شاہ صاحب کہہ رہا تھا کہ ہم آپ کو اپنا کام اسکرین پر دکھائیں گے۔“ کنور جیت نے کہا۔

بہر طور شیٹا کی طرف سے چونکہ ان لوگوں کو پوری پوری آراوی حاصل تھی چنانچہ اس آراوی سے قائمہ الہیہ چاہا تھا، اکبر شاہ کی طرف سے اجازت پا کر سونیا اندر چلی گئی اور کنور جیت اکبر شاہ کو بتانے لگا کہ وہ آئندہ سین کی ریہرسل کس انداز میں کرے گا۔ بھلا صاحب بھی خوش تھے اور نہیں سرکس کے یہ مناظر اپنی فلم میں ایک قیمتی اضافہ محسوس ہو رہے تھے۔ کنور جیت کو انہوں نے کھلی آراوی دے رکھی تھی اور کنور جیت کے ساتھ سرکس کے لوگ بھی مکمل طور پر تعاون کر رہے تھے، چنانچہ کنور جیت کی خوشامد پر دو گھنٹے بھی تیار کرے گئے اور اس کے بعد کمرہ وغیرہ ہا ہر لے جایا گیا، کنور جیت نے کمرہ مینوں کو نوکیشن بتادی تھی۔

سرکس کے کچھ افراد بھی ان کے ساتھ شامل ہوئے بھلا صاحب اپنے خیمے میں واپس چلے گئے تھے۔ راجکمار ری اور شارق پہلے ہی چا چکے تھے سونیا تیار ہو کر آئی تو کنور جیت اسے لے کر چل پڑا، جس نوکیشن کو بد نگاہ رکھا گیا تھا وہ اس جگہ سے کافی فاصلے پر تھی اور بھلا شاہ اس علاقے کی حسین ترین جگہ تھی، اکبر شاہ بھی کنور جیت کے ساتھ تھا کنور جیت نے اسے مناظر سمجھانے ہوئے کہا کہ سونیا اور وہ گھوڑے پر بیٹھ کر تھوڑے فاصلے پر جائیں گے، پہلے کنور جیت ایک گھوڑے پر رنجی حالت میں آگے بڑھے گا اور اس کے بعد سونیا دوسرے گھوڑے پر اس کا پیچھا کرے گی۔

کیمبرہ بیٹوں کو ہدایت دے دی گئی تھیں اور بتا دیا گیا تھا کہ انہیں کہاں تک ان لوگوں کا تقاب کرتا ہے، غرض یہ کہ کنور جیت اپنے مقصد کا سین تیار کر چکا تھا اور سو نیا محصوریت کے ساتھ اس کا ساتھ دے رہی تھی۔ اکبر شاہ یا دوسرے کسی فرد کے دہس میں بھی کچھ نہیں تھا۔ لیکن کنور جیت اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ لوکیشن پر پہنچنے کے بعد کنور جیت کیمبرہ بیٹوں وغیرہ کو ہدایت دینے لگا۔ سو نیا کو اس نے صورت حال سمجھائی اور سو نیا یہ شارٹ فٹ لانے کے لئے تیار ہو گئی، اسے بھی اس تمام کام میں بڑا اظہار ہوا تھا، سرکس میں زندگی گزار رہی تھی اور اس سے ہٹ کر کچھ بھی نہ کیا تھا، یہ تہہ پٹی اسے بہت خوشگوار محسوس ہو رہی تھی اور وہ کھلے دل سے کنور جیت کی ہدایت پر عمل کر رہی تھی۔ تمام تیار ہوا اس عمل ہو گئیں کیمبرہ جیت نے ہو گئے، کنور جیت نے ہانا ہکا سا میک اپ کیا اور اس کے بعد گھوڑے کی پشت پر اوندھایت گیا اس نے سو نیا کو بتا دیا تھا کہ اس کے کتنی دور نکل جانے کے بعد سو نیا کا گھوڑا اس کا تقاب کرے گا۔ غرض یہ کہ سین اپنے طور پر تیار تھا، پھر اس کے بعد کلیپ دیا گیا اور کیمبرہ حرکت میں آ گئے، کنور جیت کا گھوڑا آگے بڑھا اور کافی فاصلے تک پہنچ کر اس کی رتی رکی قدر سسٹ ہو گئی۔ اس کے بعد سو نیا اپنے گھوڑے پر بیٹھ کر اس کے پیچھے چل پڑی۔ کنور جیت نے گھوڑے کو ایڑہ لگائی اور گھوڑا پھر تیز رفتاری سے دوڑنے لگا کیمبرہ اس کا تقاب کرتا رہا لیکن کنور جیت نے یہ خیال رکھا کہ کیمبرہ کسی جیپ پر نصب نہ ہوتا کہ زیادہ دور تک ان کا پیچھا کر سکے۔ سو نیا کنور جیت کے گھوڑے کے پیچھے چلی آ رہی تھی اور کیمبرہ اتنی دور رہ گیا تھا کہ اب وہ اس منظر کو قلم بھی نہیں سکتا تھا۔ پھر سبزے سے مددی کچھ چٹانوں کے پاس کنور جیت گھوڑے سے اتر گیا۔ فاصلہ کافی ہو گیا تھا۔ کنور نے سو نیا کو بھی نیچے اتارا اور پھر اسے سین سمجھانے کا اس سین میں اجنبی لڑکی رخصی پیر کو دیکھتی ہے۔ در اسے سہارا دے کر اٹھاتی ہے۔ کنور بار بار رخصی ہو کر بے ہوش ہونے لگا اور سو نیا اسے اٹھانے کی جدوجہد کرتی رہی۔ اسے سخت وحشت ہو رہی تھی اور وہ پریشان نظر آنے لگی تھی۔

”سین بن نہیں رہا مس سو نیا۔ آپ یوس کریں یہاں لیٹ جائیں، میں آپ کو اٹھا کر جاتا ہوں۔“

”میرے خیال سے اب وہاں چلا جائے کنور جی۔“

”آپ گھبرا رہی ہیں مس سو نیا۔ یہ تو فن ہے فنکارانہ احساسات سے دور ہو کر صرف فن پیش کرتا ہے ہماری ہر جنبش فن کے لئے ہوتی ہے منظر میں حقیقت نہ ہو تو ارادہ کاری عمل نہیں ہوتی۔“ کنور جیت نے سو نیا کو ہار دوں سے ہکا پیچے ٹانے کی کوشش کی لیکن سو نیا نے بدن سخت کر لیا اور کنور سرکس کے اس فولاد کو نیچے نہ گر سکا۔ وہ کچھ شرمندہ ہو گیا تھا۔ اس وقت سامنے سے کسی شے کے گرنے کی آواز ابھری تھی پھر کا ایک بڑا انگڑا سامنے کی چٹان سے نیچے گرا تھا دونوں چونک کر ادھر دیکھنے لگے۔ چٹان کی بلندی پر کوئی موجود تھا۔ فاصلہ چونکہ زیادہ نہ تھا اس لئے اسے پیچھے سے دیکھتے ہوئے وہ شائق تھا اور چٹان کی بلندی پر ہاتھوں کے بل کھڑا تھا اس کے اوپری بدن پر جیکٹ ٹکس تھی لیکن چست چلتا وہی تھی۔ ان لوگوں کی طرف متوجہ

ہوئے بغیر وہ ہاتھوں ہی کے بل چٹان کے ذہنوں سے نیچے اترنے لگا۔

کنور جیت کا منہ بکڑ گیا اس نے غصے سے چیخے ہوئے کہا۔

”یہ کیا بد قسمتی ہے۔“ اس کی آواز سننے ہی شارق دھپ سے گرمیا اور پھر وہ ٹھٹھکا ہوا نیچے آ رہا۔ ”کیا کر رہے ہو تم یہاں۔“ کنور جیت چند قدم آگے بڑھ کر کشت بچے میں بولا اور شارق ہونٹوں کے انداز میں دونوں کو دیکھنے لگا۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

”آئی ایم سوری۔“ اس کے بعد وہ ایک بار پھر اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور ہاتھوں کے بل وہاں سے چل پڑا۔ سو یا اور کنور جیت اسے دیکھتے رہ گئے تھے۔ پندھکات میں وہ ایک بڑی چٹان کے عقب میں روپوش ہو گیا تھا۔

”عجب بد قسمتی آ دی ہے۔ یہ کہاں سے آ گیا۔“ کنور جیت نے کہا اور سو یا چونک پڑی۔

”آئیے کنور جی چلیں۔“ اس نے گھوڑے کی طرف بڑھ کر کہا۔

”وہ آپ سوڈ نہ خراب کریں۔ میں بھلا صاحب سے کہوں گا کہ اسے کنٹرول کریں۔ وہ رابٹھاری کا منہ چڑھا ہے مگر میں بد قسمتیوں کو برداشت نہیں کر سکتا۔“

”آئیے کنور جی۔“ سو یا بولی۔

”ریپر مل کر میں سو نیاتی۔“

”نہیں آپ نہیں۔“ پھر آئیے۔“ سو یا نے کہا اور گھوڑے پر سوار ہو گئی۔ مجبوراً کنور جیت کو بھی اپنا گھوڑا سنبھا مٹا پڑا اور پھر دونوں گھوڑے چل پڑے۔

”آپ کا حراج بھی میری طرح ہے۔“ کچھ دور چلنے کے بعد کنور نے کہا۔ سو یا کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر وہ پھر بولا۔ ”کام کے دوران اگر کوئی ڈسٹرب کر دے تو پھر میں بھی کام کے قائل نہیں رہتا۔“

”جی“ سو یا نے آہستہ سے کہا۔ پھر بولی۔ ”آپ نے ابھی کیا کہا تھا کہ وہ رابٹھاری جی کا منہ چڑھا ہے۔“

”جی وہ ہمارے ہیروئن ہے۔ چودہ عشق کر چکی ہے پھر حوال شروع کیا ہے اور دعویٰ ہے کہ ان کا کوئی اسکینڈل نہیں ہے۔ ان دنوں بھوں ان کے وہ اس جنگی پھول کو بیچ رہی ہیں اور دعویٰ کرتی ہیں کہ اسے صف اول کا ہیرو دینا دیں گی۔ نام رکھیں گی روپ کمار۔“ کنور جیت نے چلے کئے لیے میں کہا۔ سو یا خاموشی سے سنتی رہی اس کے ہونٹ ایک بار کھلے تھے پھر بند ہو گئے تھے۔ پھر اس نے گھوڑے کی راتھیز کر دی تمام لوگ اپنی جگہ موجود تھے، کبر شاہ نے سو یا کا چہرہ خاص طور سے دیکھا اور سو یا گھوڑے سے نیچے اتر گئی۔

”کچھ شہ صاحب۔ یہ سب کچھ کہہ لگ رہا ہے آپ کو؟“ کنور جیت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”آپ کتنی دیر یہ سلسلہ جاری رکھیں گے کنور جی؟“ اکبر شاہ نے پوچھا۔

”زندگی بھر، آپ کا سرکس سلامت رہے یہ سب کچھ یہیں تک محدود نہیں ہے۔ آپ کو علم ہے کہ بعد صاحب نے دوسری فلم پلان کر لی ہے صرف آپ لوگوں سے ملاقات کے بعد۔“ کنور جیت نے لنگھوں سے پھپھتے ہوئے کہا۔

”فی الحال کیا پروگرام ہے؟“

”بیک اپ، کام ختم۔ اب تھرے ہوں گے اور شاہ صاحب آج ہمیں کھانا آپ کھلائیں گے کیوں سوچا جی؟“

”کبریا میں ایک گھوڑا لے جا رہی ہوں تھک گئی ہوں۔“ سوچنے نے کسی قدر شک لہجے میں کہا اور آگے بڑھ کر گھوڑے پر سوار ہو گئی۔ کنور جیت نے کہا۔

”ویسے شاہ صاحب، سوچنا جی میں اداکاری کی بے پناہ ملا جلیں چھٹی ہوئی ہیں میں فلمی زندگی میں ان کا مستقبل تاجناک دیکھ رہا ہوں آپ لوگ اس کی حوصلہ افزائی کریں اور ان کا راستہ نہ روکیں۔“

”ہاں ہاں سارے فیصے شیٹا کرتا ہے کنور جی۔ ہم سب کا مستقبل اس کے ہاتھ میں ہے۔“ اکبر شاہ کا لہجہ نہ جانے کیوں تلخ ہو گیا تھا۔ کنور جیت اس کی بات پر غور کرنے لگا تھا۔ بہر حال اس کے بعد واپسی شروع ہو گئی کنور جیت یونٹ میں چلا گیا تھا اور کبرشاہ سرکس کی طرف۔ سوچا اپنے خیمے میں تھی اور آرام کر رہی تھی۔

چونکہ شو تنگ ہو چکی تھی اور بھلا صاحب نے غلام شاہ کو بتا دیا تھا کہ کام کے مناظر قلمائے جا چکے ہیں اس لئے منڈوا قائم رہنے کی ضرورت نہ تھی طے یہ کیا گیا کہ منڈوا اکھاڑا جا جائے اور دوسری صبح آگے سے شروع کر لیا جائے اس لئے شیتانے منڈوا کھڑ لپنے کا حکم دے دیا۔ سرکس والے حکم ملنے کے بعد کام میں مصروف ہو گئے۔ دوپہر تک یہ کام مکمل ہو گیا تھا۔ شو تنگ سے واپس آنے کے بعد سے اب تک سوچا اپنے خیمے سے باہر نہیں آئی تھی پھر شیر اسے تلاش کرتی ہوئی اس کے پاس آئی۔

”کیا ہو رہا ہے سوچا؟“

”آرام۔“ سوچا نے مسکرتے ہوئے کہا۔

”کہو آج کی شو تنگ کیسی لگی؟“

”تم بتاؤ۔“

”میں نے کبھی فلم ہی نہیں دیکھی اس کے بارے میں کیا جانوں؟“

”بس وہ لگ لگ دنیا ہے جس کا ہمارے فن سے بہت مختلف۔ ہم اپنے فن کا کہاں دکھاتے ہیں اور زندگی کی ہاری لگا کر محنت کا پیہر دھو کر دیتے ہیں وہ سب کچھ جھوٹ ہوتا ہے مصنوعی ہوتا ہے وہ لوگ حسن و عشق پیش کرتے ہیں رشتے و ران سے نفیس پیش کرتے ہیں جھوٹ کو حق کر کے بولتے ہیں جب کہ اس سچ سے ان کا ذہنی رابطہ نہیں ہوتا اس لحاظ سے وہ کام بہت مشکل ہے انسان دوسرے کو دھوکا سے سکتا ہے شیر انیس خود کو دھوکا دینا آسان نہیں ہوتا۔“

”ہم اس مصنوعی دنیا میں سما سکتے ہیں سو نیا؟“

”نہیں بالکل نہیں۔“

”پھر یہ سب کیوں ہو رہا ہے۔ شیخا بھی عجیب ہے سب سے متاثر ہو رہا ہے ہر ایک کے لئے سب کچھ کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔“

”وہ لوگ شیخا کی کمزوری سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔“

”کمزوری؟“

”ہاں بھلا انکس سرکس کے بارے میں کچھ جانتا ہے اور شیخا اس کے ذریعہ اس کا سرٹا چاہتا ہے۔“

”کوئی بھی چارہ آدھی شیخا کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ سو نیا یہ سب کچھ فیک نہیں ہے حقیقت سے شیخا کو سمجھو۔“

”بہت دقت پڑا ہے شیخا خود ہی سب کچھ سمجھ جائے گا۔ دیتے بھی یہ لوگ ہمیں ہماری مرضی کے خلاف مجبور نہیں کر سکتے سرکس کے کچھ مناظر بنائے ہیں انہوں نے اس سے آگے کچھ نہیں ہوگا۔“

”مگر تم تو بہت متاثر ہو ان لوگوں سے۔“ شیرا نے کہا۔

”ہرگز نہیں۔ اس سفر میں کچھ دلچسپیاں مل گئی ہیں ایک نیا شعبہ تھا میں بھی دلچسپی لینے لگی۔ اس سے زیادہ کیا ہے۔“

”سچ بول رہی ہو۔“ شیرا نے کہا اور سو نیا چہک کر سے دیکھے لگی۔ پھر اس نے کہا۔

”میں صرف سچ بولتی ہوں، مگر شیرا تیری باتیں عجیب ہیں۔“

”ہاں سو نیا وہ آدھی کنور جیت، وہ اچھا آدھی نہیں ہے۔ کئی نگاہ میں وہ مجھے بہت برا لگا تھا تمہارے بارے میں اس کے ارادے اچھے نہیں لگتے۔“

شیرا نے کہا اور سو نیا مسکرا پڑی۔

”اور میں تو جیسے موم کی بنی ہوں ایسا درست کروں گی۔ اسے کہ زندگی بھر یاد رکھے گا ویسے اس نے ایک دلچسپ خبر سنائی ہے۔“

”شارق بھلا صاحب کے پاس پہنچ گیا ہے اور میرا دن رات جگمگاتی اس سے عشق شروع کر چکی ہے۔ چند دھڑکن عشق، اس نے شارق کو ہیرا بنائے کی قسم کھائی ہے اور شارق کا فلمی نام ہوگا روپ کمار۔“ سونیا کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ شیر نے ٹپکنا ہوٹ دانتوں میں دہانیاں پھر بولی۔

”ایک بات کہوں برا تو نہ مانو گی؟“

”کہو۔“

”شارق کے بارے میں بڑے دعوے کر رہی ہوں میں، وہ ایک انسانی چٹان ہے میں نے اسے پتھر کی چٹان نہیں کہا پتھر کی چٹانوں پر ہر ضرب ایک نشان بنا سکتی ہے لیکن انسانی چٹان پر ایک ہی نشان چڑتا ہے اس کے دس میں صرف تیرا نقش ہے سونیا وہ کوئی دوسری ضرب قبول نہیں کرے گا۔“

”بہت غور کیا ہے تو نے اس پر۔“ سونیا مسکرا کر بولی۔

”وہ ہے ہی غور کرنے کے قابل، اور تجھ سے محبت کی ہے اس نے اور ہر تکلیف اٹھا رہا ہے۔ شفا کتنی بے عزتی کر کے اسے سرکس سے نکالا ہے۔ میرے آنسو آگئے تھے۔ بڑا مشکل ہو گیا تھا وہ، شفا نے اسے وہ ہیرا دیا جس کی تو بولا۔“ اسے ان دونوں کی قیمت سمجھ لو جو میں نے یہاں کھائی ہیں۔“

”اوپر اچھی طرح باتیں ہو گئی تھیں۔“

”اس سے زیادہ تلخ، شیر نے کہا۔ سونیا خاموش ہو گئی تھی شیر اچھی مگر سونیا شارق کے بارے میں سوچتی رہی ایک عجیب سا احساس ہو رہا تھا اسے۔ وہ وہاں کیسے آ گیا تھا۔ اس نے کچھ عجیب سے کیفیت میں دیکھا تھا اسے اور کور کو۔ نتیجہ اخذ کیا ہوگا اس نے نہ جانے کیا سمجھ ہوگا وہ۔

پورا دن انہی سوچوں میں گزر گیا۔ رات کو بھی اسے نیند نہیں آئی تھی خاصی رات گئے وہ غصے سے ہار نکل آئی چاروں طرف گہری خاموشی کا راج تھا مگر کچھ کا صلے پر کوئی نظر آ رہا تھا۔ وہ آگ کے یک چھوٹے سے لاؤ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ لاؤ سے دھواں بلند ہو رہا تھا اور ایک عجیب سے خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ ”کون ہے یہ۔“ اس نے سوچا اور آگے بڑھ گئی۔ جب اس نے شارق کو دیکھا اس کے پاس بہت سے سرخ گلاب کے پھول تھے وہ ایک ایک پھول کو لاؤ میں ڈال رہا تھا سونیا لرز گئی اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن آواز غلق میں الجھن مچی جلتے گلاب اسے اپنے سینے پر انگارے لگے تھے اس کی ہلکی سی آواز پر شارق نے چونک کر سے دیکھا اور پھر سارے گلاب آگ میں جھونک دے اور ٹھہ کر وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ دھند جاتے کب تک ان پھولوں کا دھواں دیکھتی رہی تھی۔

دوسری صبح سرکس اور فلم یونٹ وہاں سے چل پڑا۔ تمام گاڑیوں ایک ساتھ سڑک پر رہی تھیں تقریباً دو گھنٹے کا سفر ہو چکا تھا کہ راجکمار کی جیب اس جیب

کے برابر آگئی جس میں شیخا، اور بعد صاحب ایک ساتھ بیٹھے ہوئے تھے راجک ری نے بے چین لہجے میں کہا۔

”بھلا جی۔ شارق کہاں ہے وہ کسی گاڑی میں نہیں ہے نہ سرکس کی کسی گاڑی میں ہے اور نہ ہمارے ساتھ۔ صبح ہی سے غائب ہے وہ۔“

”رے کہاں گیا؟“ بھلا صاحب نے چونک کر کہا۔

غلام شاہ نے بھی چونک کر راجک ری کو دیکھا تھا۔ ڈرائیور نے جیپ روک دی تھی۔

بھلا صاحب نے کہا۔ ”آپ نے خود تمام گاڑیوں میں اسے تلاش کیا ہے۔“

”ہاں..... وہ کسی گاڑی میں نہیں ہے۔“

”تلاش کرنا ضروری ہے شاہ صاحب۔ ہو سکتا ہے وہیں رہ گیا ہو۔“ بعد صاحب نے کہا غلام شاہ نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ ان کی جیپ رکتے ہی دوسری تمام گاڑیاں بھی رکت گئی تھیں۔ بھلا صاحب نیچے قرآئے اور پھر دوسری گاڑیوں میں شارق کے بارے میں پوچھنے لگے۔ اکبر شاہ اپنی جیپ ریورس کر کے غلام شاہ کے پاس پہنچ گیا اس جیپ میں سونیا بھی تھی۔

”کیا باسٹا ہے شیخا؟“ اکبر شاہ نے پوچھا۔ غلام شاہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموشی سے سامنے دیکھتا رہا۔

”کیا ہو گلاب صاحب۔“ اکبر شاہ نے جیپ ڈرائیور سے پوچھا۔

”وہ شارق گاڑیوں میں نہیں ہے؟“

”نہیں ہے کہاں گیا؟“ اکبر شاہ چونک کر بولا۔ سونیا کے چہرے پر بھی عجیب سی کیفیت نظر آئے گی تھی۔

”چہ نہیں بھلا صاحب تلاش کر رہے ہیں۔“ گلاب خان نے جواب دیا۔ بھلا صاحب ایک ایک گاڑی جھانکتے پھر رہے تھے لوگ گاڑیوں سے اترنے لگے تھے ادھر راجک ری کی جیپ بھی ہر گاڑی کے پاس جا کر رکتی تھی بھلا صاحب مایوس ہو کر غلام شاہ کے پاس پہنچے۔

”وہ واقعی نہیں ہے ہو سکتا ہے کہ اس وقت وہ کہیں دور نکل گیا ہو جب ہم چلے گئے، کیا کرنا چاہئے شاہ صاحب۔“

”ارے مارو سروسو کو روکو اسو گواہا رکو ٹھیک رہے۔“ غلام شاہ جھلاتے ہوئے لہجے میں بولا۔

”لیکن شاہ صاحب، دور دور تک کوئی آبادی نہیں ہے سر کرنے کا کوئی وسیلہ نہیں ہے اس کی زندگی کو خطرہ پیش آ سکتا ہے۔“

”تو کھو دیول بھائی ہم کا کریں۔“

”میں جیپ لے کر وہاں جانا ہوں اسے تلاش کروں گا۔“

”جو تیری مرگی ہو کر ہم کا بنیں۔“

”آپ چاہیں تو آہستہ آہستہ آگے بڑھیں میں اسے لے کر پہنچ جاؤں گا۔“ بھلا صاحب نے کہا۔ راجکمار کی جیب پھر قریب آگئی تھی۔
”کوئی پتہ چل بھلا صاحب۔“

”نہیں۔ میں اسی جگہ جا رہا ہوں جہاں سے سرکس چلا تھا ممکن ہے وہ وہاں رہ گیا ہو۔“

”میں بھی چل رہی ہوں۔“ راجکمار نے کہا اور اپنی جیب سے اتر کر بھلا صاحب کے پاس آ بیٹھی بھلا صاحب کی جیب چل پڑی تھی۔ وہ دور دور تک اسے جاتے دیکھتے رہے تھے۔ اکبر شاہ نے کہا۔

”وہ شرفِ فطرت انسان ہے پہلے بھی اس نے چھپ کر ہمارے ساتھ خرکیا ہے۔“

”ہاں رہے بھائی اس سرکس میں جو لوگ کام کرتے رہیں او گہرت مند ہیں ہا جہر کے سر جتے ہیں سارے کے سارے بے گہرت ہیں دھنگارو پھنگار
دو پٹھے رہیں گے ہمارے۔“ اکبر شاہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ غلام شاہ جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ ”گاڑیاں آگے بڑھاؤ بھائی سی بکھر مارا
پوری جلدی بھاریو گا۔“ گاڑیاں سسٹ روٹی سے آگے بڑھے گئیں۔ اکبر شاہ نے کہا۔

”کیا وہ اس طرح کہیں جاسکتا ہے؟“

”پتہ نہیں۔“ سونیا بھاری لہجے میں بولی۔

سسٹ رفتاری سے سفر کرتے ہوئے بھی وہ کافی دور نکل آئے تھے۔ بھلا صاحب کی جیب دو پہر آدھے دوسری گاڑیوں کے پاس پہنچی تھی اور اس میں
شارق موجود نہیں تھا۔ بھلا صاحب نے غلام شاہ کے پاس آ کر کہا۔

”دور دور تک کا علاقہ چھان مارا کوئی پتہ نہیں چلا۔“

”بھڑ میں جان دے سر کو۔“ کا کر سکت ہیں ہم لوگ۔“

”آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں شاہ صاحب۔ کیا وہ انسان نہیں ہے آپ لوگ اسے ان میں سمجھتے۔“ راجکمار نے ٹپ کر کہا اس کا لہجہ بہت
خراپ تھا سب لوگ چونک کر اسے دیکھنے لگے لیکن غلام شاہ نے نرم لگا ہوں سے راجکمار کی کو دیکھا تھا۔ پھر وہ بولا۔

”دبول کا کنارہ ہے بیٹا۔ سب کی آنکھوں میں ہنسنے رہے تھے سر کو تو اس کا ساتھ رکھنے کے لئے تیار تھی تھاتے ہی کہیں کر لیتی دکا و
سر کو تو ان کا سمجھتا تھا۔“

”آپ لوگوں کو اسان کی قدر رہی نہیں تھی ایک بھی اس جیسے نہ تھا آپ کے سرکس میں، وہ سرکس کا سب سے شاندار فنکار تھا، حسن و جمال کا پیکر۔“
 راجکماری نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔ غلام شاہ نے کوئی جواب نہیں دیا تھا، راجکماری منہ پھیرتی ہوئی بولی۔
 ”آپ لوگوں نے، آپ لوگوں نے۔“ وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر خاموش ہو گئی تھی، غلام شاہ نے بھلا سے کہا۔
 ”بھائی بھئی اب اسی سفر جراتیجی سے کر لے بھائی، دل اکتائی گیا ہے اس سرسبز جگہ سے۔“ بھلا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ گاڑیاں آگے بڑھتی ہی
 تھیں، مونیہ نے اس دوران کھل خاموشی اختیار کر لی تھی، بہر طور دو پہر تو داخل ہی چکی تھی، شام ہو گئی پھر دن ہی سفر جاری رہا تھا، گویا وہ تیز رفتاری
 سے نہ تھا لیکن پھر بھی وہ کافی دور نکل آئے تھے اور اس وقت جہاں رات ہوئی یہ جگہ اجاڑی تھی۔ تمام گاڑیاں ایک دائرے کی شکل میں کھڑی
 ہو گئیں، یہی طریقہ کار تھا کوئی غیرہ نہیں لگا دیا گیا تھا، غلام شاہ نے حکم دیا کہ نیچے دھیرہ کی صلاش نہ کی جائے اور گاڑیوں میں ہی وقت گزارا
 جائے، چنانچہ اس کے حکم کی تعمیل ہوئی تھی، اس حکم کی وجہ یہ تھی کہ غلام شاہ اب آگے کا سفر جیز رتی سی سے کرتا چاہتا تھا لہذا راجکماری نے بھلا صاحب
 سے کہا۔
 ”یہ لوگ شارق سے کوئی خاص صدا یا صلہ رکھتے ہیں۔ آپ نے دیکھا بھلا صاحب کیا عجیب سا انداز ہے اس کا، کسی کو دکھ ہی نہیں ہے اس کے گم
 ہو جانے کا۔“ بھلا صاحب پر خیال انداز میں تھوڑی دیر کھاتے ہوئے بولے۔
 ”اس شارق کے سلسلے میں یہاں کچھ عجیب سے کیفیت پائی جاتی ہے اس دوران تم نے محسوس کیا ہوگا کہ کوئی بھی اس سے مخاطب نہیں ہوتا اور وہ سب
 سے عموماً الگ تھلک رہتا تھا۔“
 ”ہم نے اسے اپنے پاس بلا دیا تھا اس کے بعد ان لوگوں کا کوئی تعلق نہیں رہ جاتا تھا، بھلا صاحب آپ یقین کریں مجھے اس کی گمشدگی کا اچھائی دکھ
 ہے، کوئی ایسی ترکیب ہو سکتی ہے کہ اسے تلاش کیا جاسکے۔“
 ”راجکماری جی آپ کے ذہن میں کوئی ترکیب ہے، اگر ہے تو آپ یقین کریں میں اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہوں۔“ بھلا صاحب نے کہا۔
 راجکماری نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ نہ جانے کیوں ایک عجیب سی دای، ایک عجیب سی خاموشی ہر شخص پر مسلط تھی، اس کی وجہ کوئی بھی جان نہیں کر سکتا
 تھا، حالانکہ شارق سے کسی کو کوئی خاص دلچسپی نہیں پیدا ہوئی تھی، لہذا اس طویل قربت کے دوران اس کی حرکتوں نے، اس کے فن نے، اس کی شوخ
 فطرت نے سب کو متاثر کیا تھا، لیکن سب ہی یہ اندازہ لگا چکے تھے کہ اس کی سرکس میں موجودگی کو چھٹی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا تھا اس لئے کوئی بھی اس
 سے بہت زیادہ قریب نہیں ہوسکتا تھا، لہذا اس وقت یوں محسوس ہوتا تھا جیسے سب ہی کو اس کے گم ہو جانے کا افسوس ہو لوگ آپس میں اس سلسلے میں

ہاتھیں بھی کر رہے تھے۔ ابدتہ ایاز نے سانونی سے کہا۔

”میرا دعویٰ ہے کہ وہ جان بوجھ کر سب سے الگ ہو گیا ہے۔“

”ہوں، کیا تمہیں اس بات کا اندازہ ہے ایاز کہ وہ سونی کی جانب متوجہ تھا۔“

”اندازہ کیوں نہ ہوگا۔“

”اور سونیا کی سہ رفتی نے اسے ہر دل کر دیا، حالانکہ فلم یونٹ کی ہیروئن راجکری اس کی جانب بہت زیادہ متوجہ نظر آتی تھی، اس وقت بھی تم اس کی کیفیت دیکھ سکتے ہو لیکن لیکن۔“ سانونی خاموش ہو گئی، اکبر شاہ اس کی طرف آ رہا تھا، قریب پہنچ کر اکبر شاہ نے کہا۔

”شارق کے سسے میں ذہن کچھ عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گیا ہے، یوں لگتا ہے جیسے یہ سارے لوگ اس سے متاثر ہوں، دیکھو سب پر کیا ہوگیا۔“

”ہاں تو دکھ کی ہے اکبر شاہ۔ تم خود سوچو انسان تو تھا وہ؟“

”رے ہا تو کیا ہم لوگوں نے اسے جپ سے نیچے تار یا اب اپنے ہاتھ پرے کا وہ خود ڈارہ دار تھا، شیخا اس طرح خاموش ہے جیسے یہ سارا جرم میں نے ہی کیا ہو۔“ اکبر شاہ نے کہا، ایاز اور سانونی نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ دھڑا ایک گاڑی میں سونیا اور اس بیٹی ہوئی تھی اس نے ٹھیک سے کھانا بھی نہیں کھا یا تھا شیر اس کے پاس پہنچ گئی۔

”وہ چلا گیا سونیا۔“ شیر نے کہا، اور سونیا چونک کر شیر کو دیکھے گی، پھر اس نے جھٹلے ہوئے انداز میں کہا۔

”تو میں کیا کروں؟“

”تمہیں اب کوئی افسوس نہیں ہے؟“

”شیرا میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا کہ دوستی کی بھی کچھ حد دو ہوتی ہیں، تم نے جانے کیوں اس سسے میں مجھ پر تسلط جانے کی کوشش کرتی ہو، جو کچھ ہوا ہے اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے وہ چاہا گیا سو چلا گیا، نہ چاہا تو نہ جاتا، ہم لوگوں نے ربر دیتی اسے بچے ذہنوں پر مسلط کر لیا ہے۔“

”دل پر ہاتھ رکھ کر بات کرو سونیا، کیا تمہیں اس کی کوئی پروا نہیں ہے؟“ جواب میں سونیا کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ پھر اس نے کہا۔

”میں پروا کر کے کیا کرتی، بتاؤ تم مجھے جواب دو کیا شیخا کی باہر کے آدمی کو اپنے درمیان جگہ دے سکتا ہے، کیا اس کے ہاتھ ہوئے اصول ہماری گردنوں کی، رنج نہیں بن گئے ہیں، وہ میری جانب متوجہ ہوا تھا، مجھے بھی اچھا لگا تھا، لیکن بعد میں۔ بعد میں، میں نے تمام باتوں کو سوچا، ذہن کو الجھوں میں گرفتار کرنے سے کیا ملتا مجھے، جواب دو شیرا جواب دو اگر میں اگر میں اس کی باتوں کا جواب دیتی تو مصیبت میں گرفتار نہ

ہو جاتی، کیا مل جاتا مجھے، نہ قسم ہاتھ سے۔“ سوینا نے کہا اور شیرا چونک کر اسے دیکھنے لگی، سوینا کے رخساروں پر آنسو بہ رہے تھے، شیرا نے افسوس بھرے لہجے میں کہا۔

”تم سے غلطی ہوئی ہے سوینا، تم نے غلطی کی ہے۔“

”کیا غلطی کی ہے میں نے، ماما مجھے، جواب دو، کیا غلطی کی ہے میں نے۔“

”کم، کم تمہیں اس کی دل جوئی تو کرنی تھی، وہ بہت تیز، چالاک، پھرینا آدمی تھا، میں دعوے سے کہتی ہوں کہ اگر اسے تمہاری توجہ مل جاتی تو وہ کسی طور شیخا کے دل میں جگہ بنانے میں کامیاب ہو جاتا۔ شیخا نے اسے جو مراعات دی تھیں وہ بھی تو اس کے اصولوں کے خلاف تھیں۔“

”اور اکبر بھیا جو اسے عزت کا مسئلہ بناتے تھے تھے وہ جو اس سے بے پناہ نفرت کرنے لگے تھے۔“

”تمہارے اندر اگر چلک ہوئی تو اکبر بھیا بھی، نرم پڑ جاتے، وہ نرم ہو جاتے سوینا۔“

”خیر کچھ نہیں ہوتا، میں جانتی ہوں کچھ نہیں ہوتا مجھے تنگ خاندان قرار دے دیا جاتا، اور بس۔ میرے لئے نظریں شروع ہو جاتیں، بے حیا، بے غیرت کہا جاتا، سرکس گرں کہا جاتا، سمجھیں تم۔“

”سوینا تمہیں اس کے جانے کا دکھ ہے؟“

”ہاں ہے۔“ سوینا نے جواب دیا اور پھر سسکتی ہوئی آواز میں یوں۔ ”وہ کم بخت کنور جیت، وہ کتا، وہ ڈیل اس کا باعث بنا ہے۔“

”کیسے، میں سمجھتی نہیں۔“

”بس میں اس سے زیادہ سمجھا بھی نہیں سکتی۔“ سوینا نے کہا اور شیرا سے قہقہے سے دیکھنے لگی، پھر یوں۔

”میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ اس آدمی کو ضرورت سے لپاؤ، گھاس مت ڈالو، ظاہر ہے ہمارا اور اس کا ماحول مختلف ہے مگر مجھے تاؤ تو سہی سوینا آخر ہر کیا تھا؟“

”کچھ نہیں ہوا تھا، وہ مجھے ریپرسل کے بہانے لے گیا تھا، ور وہاں، وہاں اس نے قلم کے کچھ سین ریپرسل کرنے کی کوشش کی اور۔ اور شارق بھی اہل موجود تھا، وہ عجیب سے انداز میں وہاں سے چل آیا اور اس کے بعد، اس کے بعد وہ رات کو اٹاؤ چلا کر اس میں گلاب کے پھول پھینکا رہا۔“

”کیا۔۔۔“ شیرا نے حیرت سے لہجے میں پوچھا۔

”ہاں میں نے گلاب کے پھولوں کا ڈھیر آگے میں بھونک دیا، یہ اس کی طرف سے تھا، یہاں ہی تھا، یا انہماک نفرت تھا، تم جانتی ہو وہ گلاب کے پھول

مجھے دیا کرتا تھا میں نے اسے ہمیشہ ٹھکرایا، لیکن، لیکن وہ براما نے بغیر مجھے پھوس دیتا رہا جب بھی اور جہاں بھی موقع ملا اس نے مجھے گلاب کے پھول دیے، شیرا لیکن بچھلی رات کو بچھلی رات کو اس نے گلاب کے وہ سارے سرخ پھول آگ کی بھٹی میں جھونک دیے، اس نے مجھ سے دیوی اور نغرتہ کا اظہار کیا تھا۔“

شیرا متا سب ٹکا ہوں سے سو نیا کو دیکھتی رہی، پھر اس نے سو نیا کو نگلے لگاتے ہوئے کہا۔
 ”دکھی نہ ہو سو نیا، مگر تیرے دل میں بھی اس کی محبت چاگ اٹھی ہے تو کہیں نہ کہیں، کسی نہ کسی جگہ وہ ضرور مل جائے گا۔“
 ”نہیں ملے گا، وہ مجھے اب کبھی نہیں ملے گا۔ سو نیا بری طرح سسک پڑی۔
 ”لیکن کیوں، سو نیا کیوں؟“

”میں، میں اسے جانتی ہوں، اچھی طرح جانتی ہوں جب تک اس کا دس نہیں ٹوٹا تھا، وہ ساری دنیا سے ٹڑتا رہا تھا جو کچھ بھی ہو اس کے ساتھ، وہ سے برداشت کرتا رہا، وہ سب کچھ خندہ پیشانی سے برداشت کرتا رہا لیکن، لیکن کنور سے میری یہ قربت وہ برداشت نہ کر سکا۔“ سو نیا نے کہا اور سسکنے لگی، شیرا اسے تسلیاں دیتی رہی تھی، پھر اس نے کہا۔

”سو نیا حوصلہ رکھو، اب یہ سب کچھ بعد از وقت ہے بلا وجہی کو روک لگانے سے کچھ نہیں ملے گا، حوصلہ رکھو، ہاں اب اگر وہ مل جائے تو تمہیں اپنا رویہ تبدیل کرنا پڑے گا۔“

”نہیں ملے گا، اب وہ کبھی ہمارے سامنے نہیں آئے گا۔“ سو نیا نے کہا اور شیرا خاموش اسے دیکھتی رہی۔ دوسری طرف اکبر شاہ اور غلام شاہ شارق کے سیٹے میں بات کر رہے تھے، غلام شاہ نے کہا۔

”اکبر، اب جنگوں کا یہ پتھر کھتم کر دے بھائی، یہ مگر بچی چاد، کل دن میں پورا دن بھر کریں گے اور ہوسکا تو رات کو بھی، یہ اپنا بھائی بھلا جو ہے چھپا آوی ہے۔ سب سے بڑی بات ای رہے کہ اسے انگلیس سرکس کے ہارے میں جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے اکبر کہ اس کے جڑیئے ہمارا کام پورا ہوئی جائے، بس یہی ہمارے اس کے ساتھ بھر کر آئی ہے، مگر اب دیر نہ لگائی ہے جلدی بھر کر دھیا، دل اتن مہیا کی سر بھگ دوڑ سے۔“

”جی شیخا، لیکن شارق کے ہارے میں آپ نے کیا سوچا؟“

”رے سارک، سارک کی رشتہ تم لوگوں نے کالگ رکھی ہے، جراسوچو، ہمارا اس سے کارستہ ہے بھائی، بس بد وجہ چھوڑوان باتوں کو، اب کارکھا ہے ان باتوں میں۔“

”شیخا یک سوال کرنا چاہتا ہوں آپ سے۔“

”ہاں کرو، دیکھ سے سوالوں کے علاوہ اور کاکر سکت ہو تم بھائی۔“

”گر ہم لوگ اس کی مخالفت نہ بھی کرتے تو شیخا تو کیا آپ اسے سرکس میں جگہ دے سکتے تھے، اپنے درمیان رکھ سکتے تھے۔“ اکبر شاہ نے سوال کیا اور شیخا اسے دیکھنے لگا، پھر بولا۔

”دیکھ کبیرا، بات ای رہو سے بڑا، ہم اپنے کنبے کو اکٹھا کر کے ای سرکس بنائی رہے، ہم چانت رہیں کہ ی کنبے ہاں سب ہمارے اپنے بچے رہیں، سب ہمارے، پھار رہیں، کوٹو ہر کا آدمی ہمیں نقصان بھی پہنچا سکت رہا ی، مارے ہم ای پابندی لگائے رہیں، پر ہڈ ای بھی تو ہو سکت کہ کوٹو اچھا آدمی ہمارے پاس آ جائے ہے، انسان تو بڑا سب انسان ہی ہوت ہیں، ہم چلی بات کا ہے کریں۔“

”ہوں گویا آپ کے پاس گنجائش تھی اس کی۔“

”رے چھوڑو بڑا، اب کا ہے کو ہمارے کان کھات رہے، جو ہو گیا سو گیا۔“ غلام شاہ نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا اور اکبر شاہ خاموش ہو گیا۔ نجائے کیوں اس کے دل میں بھی تھوڑی سی کسک تھی، حالانکہ اب تک جو وہ شارق سے نفرت کرتا رہا تھا صرف اس تصور کے ساتھ کہ شارق سوئے کو تنگ کرتا تھا لیکن اکبر شاہ بے وقوف نہیں تھا۔ سوئی کی کیفیت بھی دیکھ رہا تھا وہ بہت اس نظر آ رہی تھی، عجیب لہجے میں پھنس گئے تھے سب کے سب۔

بہر حال یہ رات گزاری گئی اور دوسری صبح سفر کا آغاز پھر سے ہو گیا۔ غلام شاہ کی بدعت پر تمام گاڑیاں بڑی تیز رفتاری سے چلائی جا رہی تھیں، راستے کے پارے میں گفتگو ہوئی تھی یہ دلی زیادہ دور نہیں رہی تھی اگر یہ لوگ تیز رفتاری سے سفر کرتے تو اب تک شاید بیوہ لی کے قریب پہنچ چکے ہوتے۔ لیکن اب اس کا اندازہ تھا کہ ایک یا دو دن کے سفر کے بعد وہ بیوہ لی کے پاس پہنچ جائیں گے اس سلسلے میں بھی گفتگو کرنا ضروری تھا اور غلام شاہ نے اکبر شاہ سے بات بھی کی تھی۔

”وہاں پہنچ کر ہمیں بھلے کا سہارا لینا ہوئی گو، کبیرا اسے بعد ہمارے لئے بہت کام کا آدمی بہت ہو سکت ہے کی مارے ہم دکا ساتھ پکڑی لے، دے سے بھی اچھا آدمی ہے۔“

”ہاں شیخا بھلا ہمارے کام آ سکتا ہے۔“ غلام شاہ نے جواب دیا۔

آج کا سفر واقعی طوفانی سفر رہا تھا اور انہوں نے طویل ترین فاصلہ طے کر لیا تھا۔ بھلا صاحب نے قرب و جوار کے مکانات دیکھتے ہوئے شیخا سے کہا کہ بیوہ لی اب زیادہ دور نہیں ہے اور انہیں جھاطر رہنا پڑے گا۔

”ی کا مطلب ہوئی ہر؟“ غلام شاہ نے پوچھا۔

”میرا مطلب ہے شاہ صاحب کہ نیا گھر کے حالات کچھ گڑبڑ ہے، وہاں آپس کی خانتیں بھی چل رہی ہیں۔ وہاں کے بارے میں مجھے معلومات حاصل ہوئی تھیں، چنانچہ ہمیں تھوڑی سی احتیاط کرنا پڑے گی، خصوصاً ہمیں جگت سنگھ کے علاقے میں پہنچنا ہے، بیادنی ندی کے کنارے کنارے کچھ ایسے معاملات بھی ٹکھڑے ہوئے ہیں جو ہر دنیائے لوگوں کے لئے مشکل ثابت ہو سکتے ہیں، میں نے اپنے پونٹ کے لوگوں کو جس جگہ کا پتہ دیا تھا، وہ اب یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے اور ہمیں اس سے نشان ڈالنے میں رکھنا ہوں گے۔“

”ٹھیک ہے بھو، جیسے حیر دل چاہے کر، ہم تو حیرے ساتھ ہیں۔“ غلام شاہ نے جواب دیا کہ سب لگا دیا گیا تھا، وہ کیونکہ پچھلے دن کی نسبت آج غلام شاہ ذرا معتدل تھا اس لئے اس نے خیمے لگانے کی اجازت دے دی تھی۔ پچھلے تمام سفر کے دوران کنور جیت بھی حیرت انگیز طور پر سونیا سے کچھ دور دور رہا تھا لیکن اس کی کوئی خاص وجہ نہیں تھی بس کچھ ایسا ہی سلسلہ جاری رہا تھا کہ کنور جیت کی سونیا سے کوئی تفصیلی بات چیت نہیں ہو سکتی تھی۔ لیس اس وقت شام کے کھانے پینے کے بعد وہ سونیا کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ سو بڑا اس وقت اپنے خیمے میں تھی۔ کنور جیت نے اس کے بارے میں کسی سے پوچھا اور پھر وہ سونیا کے خیمے کا پردہ ہٹا کر اندر داخل ہو گیا، سونیا ہستر پر دراز تھی۔

”ہیلو سونی۔“ کنور جیت نے اسے پکارا اور وہ چھل چڑی۔ دوسرے لمحے وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ کہاں ہو بھئی جانتی ہو کہ سونیا سے ملاقات نہیں ہوئی۔ راجک ری کا خرگوش پنجرے سے نکل کر کیا بھاگا ہے سب بدحوال ہو گئے۔ میں کہتا ہوں دوسروں سے اس کا کیا تعلق ہے؟“ سونیا کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا وہ متحیرا ہوا۔

”کنور جیت ہوں سونیا جیت کو دیکھ رہی تھی۔“ مجھے تو تم بھی اس معلوم ہوتی ہو۔“

”کنور جی، کون سے جنگل کے جانور ہیں آپ؟“ سونیا کی ٹھٹھے سے لرزتی ہوئی آواز ابھری۔

”کیا؟“ کنور کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

”کیا جنگل میں زندگی گزار رہی ہے آپ نے۔“

”میں سمجھا نہیں۔“

”آپ بلا اجازت میرے خیمے میں کیسے داخل ہوئے؟“

”واہ کس نے کیا؟ مجھے تو تمہارے خیمے میں اجازت سے کرنا تھا۔“ سونیا نے ضرورت ہے؟“

”کیا سمجھتے ہیں آپ خود کو؟“ سونیا غرائی۔

”سو نیا کیا ہو گیا نہیں۔ موڑ کچھ خراب ہے کیا، اب میرے تمہارے درمیان کوئی ٹکلف رو گیا ہے؟“

”ہمارے درمیان کوئی بے ٹکلفی ہے؟“ سو نیا خردی۔

”نہ جانے کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ کیا بات ہے سو نیا؟“

”فوراً برنگل جائے ایک لمحہ بھی آپ یہاں رکے تو۔“

”تو کیا ہو گا؟“

”آپ کی صورت نہ پہچانی جائے گی۔ آپ اپنے پارے میں کسی غلط جہی کے شکار ہیں صرف شیخا کی دلچسپی کی وجہ سے آپ کو جتنی ہیبت دی گئی ہے وہ نہ دو کوڑی کے آدمی ہیں آپ سمجھے۔“

”تم اپنے سنہرے مستقبل پر لات مار رہی ہو سو نیا، عزت و دولت شہرت کو ٹھکر رہی ہو تم نہیں جانتی ہو میں کیا ہوں؟“

”آپ ابھی تک یہاں موجود ہیں؟“ سو نیا بستر سے اتر آئی۔ اس کی آنکھوں میں بھوکی شیرینی جھپک چکی تھی۔

”کیا کر سکتی ہو تم میرا۔“ سنو رجیٹ نے کہا، اس وقت عجب سے کسی نے سنو رجیٹ کی گردن دیو بچا لی۔ ورا کبر شاہ کی آواز سنائی دی۔

”اس کی ہا۔ جی بہت بعد میں آئے گی سنو رجیٹ جی۔ پہلے تمہیں بندروں اور کتوں کے حوالے کیا جائے گا ان سے بچ گئے تو پھر بھی بہت سے جانور ہیں۔ نساووں کی تو باری ہی نہیں آئے گی۔“

”ارے شاہ صاحب آپ بھی۔ میری گردن تو چھوڑیے۔ میری سمجھ میں کوئی بات نہیں آ رہی۔“

”ہو سکتا ہے قصور آپ کا نہ ہو بلکہ اس ماحول کا ہو جس میں آپ نے زندگی گزارنی ہے یہ سرکس ہے یہاں پر فنکار چان کی بازی لگا کر عزت کی روزی کھاتا ہے ہمارا ”سنہرا“ مستقبل ہماری منگی میں ہوتا ہے کسی اور سنہری چیز سے ہمیں کوئی دلچسپی نہیں سمجھے آپ!“ اکبر شاہ نے اس کی گردن چھوڑے ہوئے کہا۔

”میں اس رویے کی وجہ جاننا چاہتا ہوں۔“

”عزت کے معنی سمجھتے ہیں آپ؟“

”کیوں نہیں۔“

”ہمارے یہاں سب سے قیمتی چیز عزت ہوتی ہے، شیخا نے آپ لوگوں سے رنجش کا اظہار کیا ہم سب نے آپ کی عزت کی اور اسی رشتے سے ہم

آپ کو اہمیت دیتے رہے لیکن آپ غلط فہمی کے شکار ہوئے۔“

”ہاں صرف اتنی سی بات کہ میں بڑا اجازت اس خیمے میں داخل ہو گیا۔“

”بہت بڑی بات ہے یہ۔ یہ ایک لڑکی کا خیمہ ہے۔“ اکبر شاہ نے کہا اور کنور جیت اپنا کاردر دست کرنے لگا اس کے دس میں شد یہ نفرت ابھر آئی تھی۔ وہ کوڑی کے لوٹ اور اچھے بڑے ہیرو کی بے عزتی۔ میں لاکھوں دلوں کی دھڑکن تھا وہ جس کی تصویریں حسین لڑکیوں کے ٹکڑوں کے نیچے پائی جاتی تھیں۔ لیکن موقع تلاش تھا اور چاہتا تھا کہ اس طرح نقصان اٹھا سکتا ہے چنانچہ اس نے کہا۔

”آپ لوگوں نے بہت بے تکلفی کا ماحول پیدا کر دیا تھا شاہ صاحب، کوئی غیریت ہی محسوس نہ ہوتی تھی اس سے یہ احساس نہ رہا آپ درست کہتے ہیں مجھے واقعی آواز دے کر اندر آنا چاہیے تھا معافی چاہتا ہوں۔“

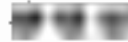
”مید ہے آئندہ ہر طرح کا خیال رکھیں گے۔“ اکبر شاہ نے کہا۔

”جی بے شک۔ ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں۔“

”فرمائیے۔“

”اس غلطی کو ابھی معاف کر دیا جائے۔“

”جی“ اکبر شاہ نے کہا اور کنور جیت باہر نکل آیا۔ اس کا تن بدن جھلس گیا تھا پورے وجود میں آگ لگ رہی تھی ایسی بے عزتی کا اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔ بھلا صاحب پر دباؤ ڈال کر وہ ان لوگوں سے کنارہ کش ہو سکتا تھا لیکن اس طرح اس بے عزتی کا انتقام تو نہ لیا جاسکتا تھا اس کے لئے تو اسے بہت کچھ کرنا تھا بہت کچھ۔



کوئی عام انسان اس ہونا ک قید خانے سے نکلے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ یہاں زبردست انتظامات تھے لیکن چنگو پر کچھ کر دکھانے کی دھن سوار تھی۔ اس نے اپنے ننھے سے وجود سے پورا پورا فائدہ اٹھایا تھا۔ پھر پورا اگر کسی تحریک پر نگاہ رکھتے تھے تو کم از کم انسانی قد و قامت ان کے دھن میں ہوتا تھا وہ اس ننھی تحریک پر توجہ نہیں دے سکے اور چنگو قید خانے سے باہر نکل آیا اس کے بعد اسے پاب سنگھ کے بتائے ہوئے راستے پر اس کا سفر جاری ہو گیا تھا۔

عجیب اجازت اور ویران علاقہ تھا راستے میں کہیں کہیں درخت نظر آئے تھے لیکن خشک اور ویران ان پر قدرتی سبزہ بھی نہیں تھا پھنکار میں رہی تھی ماحول

پر۔۔۔ اور اس کی وجہ معلوم تھی اس علاقہ پر ایسے حکمران مسلط کر دیئے گئے تھے جو ظہرے تھے پتہ نہیں آبادیوں کا کیا حال تھا لیکن وہ بھی اس سے مختلف نہ ہوں گی چٹکو کا سفر جاری رہا دو تین ہزار اس نے گھڑ سواروں کو آتے جاتے دیکھا اور ان کی نگاہوں سے بچنے کے لئے چھپ گیا پھر کئے ہوئے درختوں کا جنگل اسے نظر آ گیا۔ یہ جنگل کے بجائے درختوں کا قبرستان معلوم ہوتا تھا کسی زمانے میں یہاں سرسبز و شاداب درخت ہوں گے لیکن ان درختوں کو بے شکے انداز میں کاٹ کر چاچا دیا گیا تھا۔ راون سنگھ اور اس کے ہر کارے ہر چیز کو تباہ کر رہے تھے۔ عوام سے سب کچھ چھینا جا چکا تھا اور اپنے قبیلہ پر لٹا دیا گیا تھا درختوں کے ان تنوں کے پاس سے گزرتے ہوئے اچانک چٹکو کو رکنا پڑا چار گھڑ سوار گھوڑے دوڑاتے ہوئے اسی طرف آ رہے تھے چٹکو ان تنوں کے درمیان خود بھی ساکت ہو گیا۔ گھڑ سواروں کو گھن بھی نہ ہو سکا تھا کہ قیروں کے کتے جیسے نظر آنے والے ان تنوں میں ایک انسان بھی پوشیدہ ہے۔ والا خراسے دور سے آبادی نظر آ گئی ہو رہے بعدے غیاے مکانات نکھرے ہوئے تھے وراں پر خاموشی مسلط تھی رعوی کی کوئی رونق یہاں نظر نہ آتی تھی۔

بستی کے پہلے گھر کے سامنے چٹکو رک گیا گھر کی درودیاں رہیں گری ہوئی تھیں اور ان کے گر جانے سے اندر کا پورا منظر عیاں تھا۔ ایک مٹی کی مٹی سی عورت اینٹوں کے ڈھیر پر مٹی کی ہانڈی رکھے ہوئے کچھ پکاری تھی تینا داغر بچے اس کے آس پاس بیٹھے ہوئے نہ دیکھی نظروں سے ہانڈی کو دیکھ رہے تھے۔ چٹکو یک گری ہوئی دیوار کی آڑ میں کھڑا ہو گیا اس نے دور سے دو گھڑ سواروں کو اس طرف آتے دیکھ لیا تھا اس لئے اس نے اپنے آپ کو پوشیدہ کر لیا۔ گھڑ سوار سیدھے چارہ تھے پھر نہ جانے کیوں انہوں نے اپنے رخ بدل لئے اور اسی طرف آنے لگے۔ عورت نے بھی انہیں دیکھ لیا تھا۔ وراں کے چہرے پر اضطراب کے آثار پھیل گئے۔ اس کے خشک ہونٹ کپکپانے لگے اور وہ سبکی ہوئی لگا ہوں سے ان گھوڑے سواروں کو دیکھے لگی۔ جو قریب آ کر گھوڑوں سے نیچے تر گئے نیچے ہم کر ایک دوسرے سے ہٹ گئے تھے گھڑ سواروں میں سے ایک نے پوچھا۔

”کیا پک رہا ہے؟“ اس کے انداز میں تھکیک تھی۔

”کچھ نہیں کچھ نہیں بھائی بس زمین میں گڑی ہوئی گانٹھوں کو کھود کر نکال لیا ہے اور انہیں ابل رہی ہوں بچوں کے لئے کئی دن کے بھوکے ہیں یہ۔۔۔“

”زمین میں گڑی ہوئی گانٹھوں کو، کیسی گانٹھوں کو؟“ دوسرے گھڑ سوار نے پوچھا۔

”بھائی زمین میں کچھ خود رو پودوں کی جڑیں ہوتی ہیں پودے سوکھ جانے کے بعد یہ جڑیں زمین میں رہ جاتی ہیں میں نے وہی جڑیں کودی ہیں۔۔۔“

”ہوں۔۔۔ ہانڈی کھول کر دکھاؤ۔“ ان میں سے ایک نے ہانڈی کے قریب آ کر کپ اور عورت نے جلدی سے گرم ہانڈی کا ڈھکن اس پر سے ہٹا دیا۔

گھڑ سواروں میں سے ایک نے اندر ہاتھ ڈال کر پانی میں سے گول گول سی کوئی چیز نکالی وراں سے قریب کر کے دیکھنے لگا پھر اس نے اسے دبا کر دیکھا

دوسرے لگا ہوں سے دوسرے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”لو رانا سے ٹھنڈ کر کے چھیل کر دیکھ، کیسی ہے؟“

”دوسرے ساتھی نے اپنے ساتھی کی ہدایت پر عمل کیا اور اس جڑ کو چھیل کر تھوڑا سا پتھر کر دیکھا پھر منکر، تانا ہوا بولا۔

”بڑے کہنے ہیں لوگ ایسی ایسی غصہ چریں ابھا دگرتے ہیں کہ ہمیں پتہ تک نہیں لگ پاتا یہ تو بہت مزیدار ہے۔“

”ہوں یہ عورت کتنی ہے کہ اس نے اسے زمین سے کھود کر نکالا ہے۔“

”سچ کہتی ہوں بھائی جگہ جگہ ایسی جڑیں بکھری پڑی ہیں تم خود دیکھ لو، کھودو زمین نکال لو جگہ جگہ مل جائیں گی۔“

”آئندہ جنہیں ملیں گی اطمینان رکھو، چلو ساری جڑیں نکال کر انہیں دو اور دفن کر دیتاؤ یہ کیسی زمین ملتی ہیں؟“

”یہ تو جانور بھی نہیں کھاتے بھائی تم لوگ ان کا کیا کرو گے میرے بچے کی دن کے بھوکے ہیں اگر مناسب سمجھو تو انہیں چھوڑ دو ان کے پیٹ بھر جائیں گے۔“

”ورہا رے پیٹ کوں بھرے گا آنے والا وقت بتا رہا ہے کہ ہمارے اپنے لئے بہت سے مسئلے پیدا ہو جائیں گے تم نے اچھا کیا کہ ان جڑوں کی

نشت بندی کر دی۔ اب یہ ساری جڑیں کھود کر نکال لی جائیں گی۔“

”چلو دیر ہو رہی ہے۔“ دوسرے آدمی نے کہا۔ ”ورائی ہوئی جڑیں ایک کپڑے میں رکھ کر وہ اپنے گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور وہاں سے واپس چل

پڑے بچے رونے لگے تھے عورت کی آنکھوں سے بھی آنسو نکل آئے تھے پھر اس نے بچوں کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

”فکرت کرو میں ابھی دوسری جڑیں کھود کر تمہارے لئے پال رہی ہوں۔“

”چنگو خاموشی سے یہ سب کچھ سن رہا تھا اس معمولی سے واقعے سے اس آبادی کی صورت حال اس کی نگاہوں میں واضح ہو گئی تھی اسے پال سکھانے

عظمت نہیں کہ تھا یہاں جو کچھ ہو رہا ہے اگر اس میں اسے کامیابی حاصل ہو جائے تو زندگی کی باری لگا کر بھی ان انسانوں کو مدد رکھنے کے لئے یہ برا نہیں

ہوگا۔ اس واقعے نے اس کے دل میں حوصلے پیدا کر دیئے تھے وہ آہستہ آہستہ دیوار کے قریب سے آگے بڑھا اور عورت کے سامنے پہنچ گیا عورت

سے دیکھ کر سہم گئی۔ بچاری شاید ہر جاندار شے سے سہم جاتی تھی چنگو نے ہوردی سے کہا۔

”مجھ سے ڈرو نہیں میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا مگر چاہو تو ایسی جڑیں کھودنے میں، میں تمہارے مدد کروں۔“

”کک۔۔ کون ہو تم، کون ہو بھائی۔۔۔؟“

”تمہارے جیہا انسان ہی ہوں کچھ بولا سا چھوٹا ہوں، اچھا اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ یہاں سری رام مندر کس جگہ ہے؟“

”سیدھے چلے جاؤ ہاں اٹکل، آخری سرے پر تمہیں سری رام مندر مل جائے گا اس کے کلس پر چاند کا نشان بنا ہوا ہے وہی سری رام مندر ہے۔“

”ٹھیک ہے مگر بارے میں کسی کو کچھ بتانا نہیں میں تم لوگوں کے لئے جدوجہد کر رہا ہوں۔“

بات عورت کی سمجھ میں نہیں آ سکتی تھی بہر طور ہنگو وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ بستی سے گزرتے ہوئے اسے یہ ہی محسوس ہوا تھا جیسے کوئی آسیب ردوبستی ہو، دکانیں تھیں مگر خالی پڑی ہوئی تھیں، ان کے دروازے کھلے ہوئے تھے اور اندر کچھ بھی نہ تھا، لوگ گلیوں، سڑکوں اور بازاروں میں مارے مارے بھاگ رہے تھے، ہر ایک کسمپرسی کا شکار نظر آتا تھا، ان کے جسموں پر پتھر سے جھول رہے تھے، ایک شخص کا بھی ہاس ثابت نظر نہیں آیا تھا۔ ہاں ان کے درمیان ویسے ہی گھڑ سوار دنگناتے پھر رہے تھے ان کی رنگ رلیاں صاف لگا ہوں میں آ جاتی تھیں۔ ہنگو کا دل رونے لگا بہر طور وہ کسی نہ کسی طرح سری رام مندر تک پہنچ گیا تھا۔ مندر کے ”خری سرے“ پر کسی دھات کا بنا ہوا چاند کا نشان، سے صاف نظر آ گیا تھا۔ مندر کے دروازے پر پتھر کے بعد اس نے چاروں طرف دیکھا اور پھر دروازے سے اندر داخل ہو گیا مگر کچھ پنڈت پجاری موجود تھے ان میں سے ایک نے اس سے پوچھا۔

”کیا تم مجھے پنڈت دھابے رام جی کے بارے میں جانتے ہو؟“ پجاریوں نے حیرت سے اس چھوٹے سے ننھے سے انسان کو دیکھا اور پھر ان میں سے ایک اسے ساتھ سے ہوئے اندر چل پڑا۔ اسے پنڈت دھابے رام جی کے سامنے پہنچا دیا گیا تھا۔ پنڈت جی جیجی جسامت کے ایک عجیبہ شکل کے آدمی تھے۔ انہوں نے اس سے پوچھا۔

”کو بھائی کیا کام ہے، مجھ سے؟“

”بہت دور سے آ رہا ہوں پنڈت جی اکیلے میں آپ سے بات کرنی ہے۔“

”آؤ میرے ساتھ اندر آ جاؤ۔“ پنڈت دھابے رام سے کہا اور ہنگو ان کے ساتھ اندر پہنچ گیا۔

”کو کیا بات ہے کون ہو تم، میں نے پہلے تمہیں کبھی اس بستی میں نہیں دیکھا۔“

”میں اس بستی کا ہاشمہ نہیں ہوں قید خانے سے آ رہا ہوں۔“

”نازہ کے قید خانے سے۔“ پنڈت جی نے پوچھا۔

”ہاں، جہاں سچے پالنگھ اور رگھی کرننگھ قید ہیں۔“ پنڈت جی نے مضطربانہ نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا پھر بولے۔

”حق۔۔۔ تم تم بچ کہہ رہے ہو کیا؟“

”ہاں پنڈت جی کرننگھ بہت رگھی ہے اسے دواؤں کی ضرورت ہے ورنہ پالنگھ نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ میں آپ سے کہوں کہ یہ

دوائیں آپ صبراً کر دیں کیونکہ اس پاس کہیں بھی نہیں ہیں۔“

”گنگ کیسی باتیں کر رہے ہو تم کون اسے پال نگلے کون کرن نگلے میں کچھ نہیں جانتا تم مجھ سے یہ باتیں کیوں کر رہے ہو بھائی؟“

”سرخ سویرا جاگ رہا ہے پنڈت جی، سرخ سویرا جاگ رہا ہے۔“

”اے پنڈت جی چونک کر اسے دیکھنے لگے پھر آہستہ سے بولے۔

”اگر تم سچے ہو تو بھگوان تمہیں خوش رکھے اور اگر جھوٹے ہو تو جو بھگوان نے تم پر میں لکھا دیا ہے وہ تو ہو کر ہی رہے گا۔“

”دوائیں کا یہ پرچہ ہے مجھے یہ دوائیں فوراً درکار ہیں۔ کرن نگلے کی حالت خطرے میں ہے اگر یہ دوائیں نہ ملیں تو اس کی زندگی بھی جاسکتی ہے۔“

”بھگوان نہ کرے ڈرا دکھاؤ کون کون سی دوائیں ہیں؟“ پنڈت جی نے کہا، ”ورجھو نے وہ پرچہ نکال کر ان کے سامنے کر دیا پنڈت جی پرچہ پڑھتے

رہے پھر آہستہ سے بولے۔

”دوائیں مل جائیں گی مگر مجھے کیسے یقین آئے کہ تم سچے ہو؟“

”مگر سرخ سویرا پر بھی تمہیں یقین نہیں ہے تو میرے پاس اور کوئی ذریعہ نہیں ہے پنڈت دھاپے رام جی۔“

”نہیں نہیں یہ بات، یہ بات اچھا ٹھیک ہے مگر تم یہ بتاؤ کہ قید خانے سے کھل کیسے آئے؟“

”بچے اس چھوٹے قید و قامت کی وجہ سے میں نے زندگی کی بازی گاہ کر یہ شعر مول لیا ہے۔“

”ہو شہر دس تمہیں کچھ کھانا پلاتا ہوں یہاں کچھ نہیں ہے بھائی پر جو کچھ ہے مہمان کے لئے وہی پیش کئے دیتا ہوں۔“

”چکو نے کوئی جوپ نہیں دیا بیچارے پنڈت جی بے ستو کا ایک گلاس بنا کر اسے دیتے ہوئے کہا۔

”یہ ہماری آخری پونجی ہے بھائی اسے سو بیکار کرو۔“ چکو نے کوئی اعتراض نہیں کیا اسے خود بھی بھوک محسوس ہو رہی تھی بہر طور اس سے نارغ ہونے

کے بعد پنڈت جی نے آہستہ سے کہا۔

”دوائیں میں تمہیں دے دیتا ہوں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی ایک پیغام بھی دیتا چاہتا ہوں ڈاکٹر اسے پال کے لئے۔“

”ہاں ضرور دیجئے پنڈت جی وہ کیا؟“

”پرسوں رات، پرسوں رات ہم قید خانے پر حملہ کر رہے ہیں یہاں کی صورتحال بہت زیادہ خراب ہو گئی ہے اور اب ہمارے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ ہم ٹولے کے ساتھ یہاں سے نکل کر سرحد پار کرنے کی کوشش کریں۔ سرحد پر بندوبست کر لیا گیا ہے کہ ان گتھ جی کو بھی تیار رکھنا، گتھ کرنا ہے پال گتھ سے کہنا کہ جس طرح بھی بن پڑے کرس گتھ کو سنبھال کر اپنے ساتھ لے جانے کی کوشش کرے اس کے علاوہ ہمارے چارہ کار نہیں ہے۔ ہمارے نشانہ بنی ہو چکی ہے اور کوئی بھی سے ایسا آسکتا ہے کہ راون گتھ کے آدمی ہم پر ٹوٹ پڑیں۔“ ہنگو نے بہت غور سے یہ تفصیل سنی پھر اس نے کہا۔

”پرسوں کی رات کو کس وقت قید خانے پر حملہ کیا جائے گا؟“

”پرسوں کی رات کا لی ہے کسی بھی سے یہ کام ہو سکتا ہے لیکن بھائی گر ہنگو ان نے میرے سینے میں دس رکھا ہے تو ہمارے ساتھ کوئی دھوکا نہ کرنا یہاں انسان انسانوں کی طرح نہیں کتوں کی طرح جی رہے ہیں ہم ایک آخری جدوجہد کر رہے ہیں کہ گتھ کر جگت گتھ کو کسی بھی طرح یہ تمام صورتحال بتا کر دہائی دیں فریاد کریں ان سے کہ ہمیں اس عذاب سے نکال لے۔“

”ٹھیک ہے پڈت جی آپ وہ دوائیں مجھے دے دیں اس کے بعد میں یہاں سے وہی کا سفر طے کروں گا۔“ پڈت جی اسے بٹھا کر اندر چلے گئے تھے نہ جانے دو دن کی فراہمی کا کیا ذریعہ تھا۔ ان کے پاس واپسی میں کافی دیر لگی تھی تمام دوائیں کپڑے کی تھیلی میں رکھی ہوئی تھیں پڈت جی نے کہا۔

”تمہاری واپسی کے لئے کیا کیا جائے؟“

”کچھ نہیں یہاں تک آتے ہوئے میں نے جو کچھ دیکھا ہے وہ کافی ہے میں چلا جاؤں گا۔“ ہنگو نے کہا۔

”ہم تمہارے لئے دھاؤں کے علاوہ اور کچھ کر بھی نہیں سکتے بھائی ہنگو ان تمہاری سہانکا کرے۔“

ہنگو وہاں سے رخصت ہو گیا اور انہیں اس نے بڑی احتیاط سے اپنے پاس میں چھپائی تھیں جو کچھ اس کی آنکھوں نے دیکھا تھا اس سے اس کے دل میں ایک جذبہ پیدا کر دیا تھا جہاں انہوں نے زندگی اتنی مشکل کر دی جائے کہ وہ گھاس پھوس بھی نہ کھا سکیں وہاں کیا کچھ نہیں ہو سکتا ان جیتے جاگتے انسانوں کے لئے زندگی بخوشی قربان کی جا سکتی ہے۔ واپسی کے سفر میں بھی کم مشکلات نہ پیش آئیں لیکن ان کے جذبہ ہم سفر تھے اس لئے یہ مشکل آسان لگ رہی تھی البتہ قید خانے کی حدود میں داخل ہوتے ہوئے اسے دیکھ بول گیا اور بھاگ دوڑ شروع ہو گئی ہنگو کو اس خوفناک صورتحال سے غفلت کے لئے انتہائی کوشش کرنی پڑی تھی۔ وہ اپنی تمام تر مدد جیتوں سے کام لے کر ان لوگوں کے نرغے سے بچتا ہوا تھا اور اس نے انتہائی کوشش کی تھی کہ وہ کسی صورت نہ دیکھا جاسکے وہ پوری ذہانت سے ان لوگوں کو چکر دیتا ہوا اندر داخل ہوا تھا دھڑاندھ بھی اسی بھاگ دوڑ کا حال ہو گیا تھا۔ اور سب سے پہلے وہ تھے ہنگو قید خانے کے روشندان سے کودا تو وہاں کھینچی گئی وہ دوڑتا ہوا سلاخوں سے اندر داخل ہو گیا پہلے اس نے دوائیں پوٹیدہ

کیس پھر منٹکو کو مختصر تفصیل بتا کر ہسٹری میں چاٹھا۔ اس دوران منٹکو اس ہسٹری کو اس طرح بچھائے ہوئے تھا جیسے کوئی سورہا ہو چٹکو کو کچھ جاننے کا موقع نہ مل سکا اور بے شمار لوگ قید خانے میں گھس آئے۔ منٹکو صورت حال سمجھ گیا تھا وہ فکر مند ہی شکل بنا کر سلاخوں کے پاس آ بیٹھا۔

”تمہارا دوسرا ساتھی کہاں ہے؟“ قید خانے کے داروغہ نے کڑک کر پوچھا۔

”کیوں۔ کیا تم اسے سیر کرانے لے گئے تھے۔“

”نیکو اس کی تو کینے کی موت مار دوں گا۔ دوسرا ساتھی کہاں ہے تمہارا۔“

”میں نے تمہارے سپاہیوں کو بتایا تھا کہ وہ بیمار ہے وہ تمہیں نظر نہیں آیا۔“

”منٹکو نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”اٹھاؤ اسے ہم دیکھنا چاہتے ہیں۔“ منٹکو گردن نیچھی کر کے اٹھا اور اس نے چٹکو پر سے چادر ہٹا دی، داروغہ کے پہریڈار پر الجھن کے آثار نمودار ہو گئے اس نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔

”تمہارے جیسے قدرہ قیامت کا تمہارا کوئی اور ساتھی بھی ہے۔“

”آؤ۔۔۔ وہ میرا تیسرا بھائی ہے۔ کہاں ہے وہ۔“ منٹکو الجھل کر بولا چٹکو بھی ٹھٹھ کر بیٹھ گیا تھا اس کے حلق سے آواز نکلی۔

”منٹکو میرا بھائی کہاں ہے وہ ہمیں اس سے ملا دو کہاں ہے میرا بھائی۔“

”وہ تیسرا ہے آؤ اسے تلاش کریں۔“ داروغہ نے کہا اور وہ لوگ بھاگتے ہوئے یہاں سے نکل لئے تمام قیدی سلاخوں سے لگے کڑے تھے انہیں چٹکو کے مشن کے بارے میں معلوم تھا اسے پاں لگھنے نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

”کیا تم کامیاب ہو گئے؟“

”ہاں میں دوائیں لے آیا ہوں اور ساتھ ہی پنڈت دھابے رام جی کا پیچھا بھی۔“ چٹکو نے کہا اور دوائیں کا ٹھیلہ لے کر سلاخوں سے باہر نکل آیا۔ اسے پاں لگھنا چہرہ مسرت سے سرخ ہو گیا تھا۔

قید خانے کی فصلا میں بڑی سنسنی پھیلی ہوئی تھی تمام ہی قیدیوں کو غیر معمولی نئے نئے نوں کے بارے میں معلوم ہو چکا تھا اور وہ چٹکو کی کامیابی کے منتظر تھے پھر اس کی دلہن پر انہیں خوشی ملی تھی اور اس کے بعد جب قید خانے کے سپاہی چٹکو کی تلاش میں آئے تو وہ دم بخود رہ گئے تھے۔ انہیں خطرہ ہوا تھا کہ اب وہ دونوں مصیبت کا شکار ہو جائیں گے لیکن انہوں نے کامیابی سے سپاہیوں کو بے وقوف بنا کر دوائیں کر دی تھیں۔

بے پال نگہ نے دودھوں کا تھیلا چٹکو سے لے لیا اور انہیں دیکھے لگا پھر اس نے رزقی آواز میں کہا کرن نگہ کی زندگی بچانے کے لئے تم نے جو کارنامہ سر انجام دیا ہے اسے ہم لوگ بھی نہ بھولیں گے اگر وقت نے مہلت دی تو ہم تمہارا یہ احسان اتارنے کی کوشش کریں گے۔ وہ کچھ آہستہ محسوس ہو رہی ہے تم اپنی جگہ چلے جاؤ شاید اب لوگوں نے تمہیں دیکھ لیا ہے وہ کسی تمہارے جیسے کی تلاش میں ناکام ہو کر دوبارہ یہاں آئیں گے۔“

چٹکو کے حساس کانوں نے بھی آنہیں محسوس کر لی تھیں چنانچہ وہ برقی رفتار سے واپس پٹا اور انتہائی آسانی سے سڑکوں سے اندر پھسل گیا سپاہی دوبارہ آ رہے تھے دورانِ کارخ کوٹھری کی طرف تھا انہوں نے خوشخوار انداز میں انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

”وہ ہمارے ہاتھ نہیں آ سکا ہے اور کسی ایسی جگہ پھسپ گیا ہے جہاں ہم اسے دیکھ نہیں سکتے لیکن اگر وہ ہمیں نظر آ گیا تو ہم سے گولی مار دیں گے۔“

”نہیں تم ایسا نہیں کرو گے تم جانتے ہو کہ ہم ٹھکانے پر بیٹھ کر نگہ کے سپاہیوں نے ہمیں ایک خاص مقصد کے تحت یہاں لاکر رکھا ہے ہمارا تیسرا بھائی فرار ہو گیا تھا اس لئے وہ یہاں نہ آیا اب اگر وہ آ گیا ہے تو تم اسے گرفتار کر کے یہاں لے آؤ، اگر تم نے اسے کوئی نقصان پہنچایا تو اس کا جواب دینا پڑے گا تمہیں۔ وہ ضرور ہماری تلاش میں یہاں آیا ہو گا اسے کوئی نقصان نہ پہنچانا۔“ منکونے عاجزی سے کہا۔

”تم اگر چاہو تو ہمیں یہاں سے نکال کر سٹے جاؤ ہم اسے آواز دے کر بلا لیں گے وہ تمہارا بھائی بھی کیا سکتا ہے وہ تو ہم سے بھی زیادہ کمزور ہے۔“

چٹکو نے ہنسنے سے روک لیا۔

”یہ کرو اور ام چرن۔“ ایک سپاہی نے دوسرے سے کہا۔

”دماغ خراب ہوا ہے تمہارا انہیں قید خانے سے نکال کر مصیبت میں پڑنا ہے۔“ اس کے بعد وہ پھر واپس چلے گئے تھے۔

چٹکو نے مسکرا کر منکونے کو آنکھ مار لی۔ ”اب تو ایسا لگتا ہے جیسے واقعی ہمارا ایک اور بھائی پیدا ہو گیا ہے۔ منکونے منہ بٹالیا تھا پھر اس نے پوچھا ہاں ہر کے کیا حالات ہیں؟“

”اے منکونے اگر تم دیکھو تو آسو نہ روک سکو۔“ چٹکو اسے عورت کا اٹھٹھٹانے لگا۔

”مگر ہم کیا کر سکتے ہیں ان کے لئے؟“

”جو کچھ بن پڑے گا کریں گے ویسے ایک اطلاع دینی ہے اب بے پال نگہ کو۔“

”کیا؟“

”پرسوں راست قید خانے پر حملہ ہونے والا ہے وہ لوگ قیدیوں کو آزاد کرانے کی کوشش کریں گے۔“

”کون ہوگا؟“

”اُن میں ایک مندر کا بچاری دھا ہے ر م ہے دوسرے یقیناً اس کے ساتھ ہوں گے اس کا ارادہ ہے کہ ان قیدیوں کو رہا کر کے وہ سرحد پار کریں گے اور جگت سنگھ کے عدتے میں چلے جائیں گے جہاں وہ لوگ راون سنگھ کے خلاف کام کرنے میں ناکام رہے ہیں۔“

”میں یہ نہیں جانتی کہ یہ قیدیوں کے قید خانے پر حملہ ہو گا تو ہم کیا کریں گے۔“ منکونے کہا۔

”اُھوں بھائی گے نہ جانے تمہیں کیا ہو گیا ہے منکونتم سنے بزدل تو کبھی نہ تھے۔“

”اس میں بزدلی کی کیا بات ہے ہم ایسے جال میں گرفتار ہو گئے ہیں جس سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔“

”تعلق ہے منکویہاں جیتے جاگتے ان لوگوں کا جو حال ہے وہ دیکھ نہیں جاتا سوچو اگر ہمارے غمے وجود جو عام انسانوں سے کمتر ہیں ان لوگوں کی مدد

کر سکے تو کیا یہ ہماری زندگی کا مقصد نہ ہو گا کیا یہ ہمارا کارنامہ نہ ہو گا؟“

”تم کیا کرنا چاہتے ہو؟“

”اس فرار میں ان کی مدد اور ہم خود بھی ان کے ساتھ نکل چلیں گے۔“

”دو ہتھ سنگھ کے ساتھ رہ کر شیخا کی مدد کے بارے میں جو سوچا تھا۔“

”اس سے کیا فرق پڑتا ہے اگر کسی طرح شیخا ہمیں مل جائے تو اسے ہوشیار کیا جاسکتا ہے۔ دوسری صورت میں کون جانے کہ مخوں میں ہر کس طرح

شیخا کے خلاف استعمال کرے گا ہم ان کے ہاتھوں بھی مجبور ہوں گے اور وہ ہم سے اپنی مرضی کے مطابق کام لے سکتا ہے۔“

”تم کوئی نہ کوئی جوار نکال لیتے ہو بہر حال اس سلسلے میں اسے پال کو جو اطلاع دینا چاہتے ہو وہ تو دے ہی دو لیکن ہمارا اپنا کیا پروگرام رہے گا۔ یہ

ہمارے درمیان طے ہو جانا چاہئے۔“ چنگو کچھ سوچنے لگا پھر اس نے کہا۔

”پرسوں رات قید خانے پر حملہ ہو گا اگر بیرونی طور پر قید خانے کے سپاہی حملہ آوروں کی طرف متوجہ ہو گئے تو اس بات کے امکانات بھی ہیں کہ

بیرونی طور پر قید خانے کے تحفظ کے لئے مسلح سپاہی یہاں پہنچ جائیں گے اور ہمیں بد وقتوں کے روبرو لے لیا جائے گا۔ یہی صورت میں باہر سے

حملہ کرنے والوں کو کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی کیونکہ سپاہیوں کا جو رویہ تم نے دیکھا ہے اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اگر بیرونی طور پر حملہ آوروں کی

مدد سے انہیں ناکامی ہوئی تو وہ اندر موجود قیدیوں کو بھون کر رکھ دیں گے کیا خیال ہے تمہارا کیا ایسا ممکن نہیں ہے؟“

”اگر ہے بھی تو ہم کیا کر سکتے ہیں؟“

”اندرونی طور پر مقابلہ کرنے کی تیاریاں۔“ چنگو نے جواب دیا اور منگو ہنس پڑا۔

”تو باقاعدہ فوجی کمانڈر بننے کی کوشش کر رہے ہو۔“

”نہیں منگو میں صرف اپنا سانی فرض پورا کرنا چاہتا ہوں ہماری کروڑوں رعایاں سرکس میں انسانوں کے دل بہانے میں اب تک صرف ہوئی ہیں اگر ہم صرف پیٹ کیلئے زندہ رہے ہیں تو بہر طور یہ کوئی کارنامہ نہیں ہے اگر انسانی زندگیوں کو مصیبت سے نکالتے ہوئے ہماری بیکار زندگیاں کام بھی آجائیں تو ہماری روح کو خوشی ہوگی دنیا میں کچھ کر کے مرنا بھالے کتنوں کی خوش ہوتی ہے لیکن انہیں موقع نہیں ملتا اگر ہمیں یہ موقع مل رہا ہے تو ہم اس سے منہ نہیں موڑ سکتے قید خانے میں اپنی جہوں کی طرح پڑے رہنا ہمارے شایان شان نہیں ہے کیونکہ ہماری تربیت شیخانے کی ہے اگر ہم معمولی قیدیوں کی طرح کبھی شیخا کے سامنے پہنچ گئے تو اس کی گردن شرم سے جھک جائے گی اور وہ کہے گا کہ تم نے مجھ سے کچھ نہ سیکھا۔“

”میں بس کمانڈر بننے کے ساتھ ساتھ تو مستر بھی بننا چاہ رہا ہے مگر یہ توقف آدمی یہ تو بتا اندرونی طور پر ہم ان سے مقابلے کے بارے میں کیسے سوچ سکتے ہیں اور کیا کر سکتے ہیں؟“

”دیکھو کام بہت مشکل ہے لیکن ہمیں کرنا ہوگا آج کی رات اور کل کا دن ہے ہمارے پاس ہم یہ کوشش کریں گے کہ یہاں اس قید خانے کا سحر حاصل کر کے اپنے قبضے میں لے لیں تاکہ جب بیرونی طور پر حملہ ہو تو ہم اندرونی طور پر سپاہیوں سے مقابلہ کرنے کے لئے اور حمدا دروں کی مدد کے لئے تیار رہیں۔“

”اور جیسے یہ کام آسان ہوگا۔“

”ہم آسان کام کرنے کے لئے تو اس دنیا میں نہیں آئے۔ ذرا غور کرو سوچو ہمارے لئے کیا کیا آئٹم تیار کرتی تھی ہم صفوں میں اڑتے پھرتے تھے ہم گیند کی شکل اختیار کر رہے تھے اور گیند ہی کی مانند پھرتی سے اچھلتے کودتے پھرتے تھے کیا عام انسان یہ کام کر سکتے ہیں جب ہم وہ سب کچھ کر سکتے ہیں تو پھر یہاں ایک اہم مسئلے میں ہمارے اندر یہ بردلی کیوں پیدا ہوئی ہے۔“

”مگر میرے بھی فرض کرو اگر تم اسلحہ خانہ تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے تو اسے پوشیدہ کہاں کرو گے اور پھر سلاخوں کے پیچھے موجود قیدی مقابلہ کرنے کے لئے باہر کیسے آئیں گے؟“

”یہ ذمہ داری چنگو پر چھوڑ دی جائے۔“

”لھیک ہے میں نے کبھی تم سے خرافات نہیں کیا ہے جواب کروں گا۔“ منگو نے محبت بھری نگاہوں سے اپنے بھائی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

باہر سکون پھیل گیا تھا اور سامنے کی کوٹھڑی میں ڈاکٹر اپنے پال گئے بچے بھی لے کر ننگے کدو دو انہیں استعمال کر رہا تھا جس کی اسے ضرورت تھی کافی دیر تک یہ دونوں بیٹھے ڈاکٹر اپنے پال گئے بچے کے کام ختم ہونے کا انتظار کرتے رہے۔ اپنے پاس گئے کچھ دیر کے بعد اس کام سے فارغ ہو گئے اور سلاخوں کے پاس آکر کھڑا ہوا۔ وہ عجیب لگا ہوں سے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا قیدیوں میں ایک پراسرار سی خاموشی چھائی ہوئی تھی وہ سب ایک دوسرے کے دکھ سے آشنا تھے اور ہر صورت حاب میں برابر کے شریک۔ ڈاکٹر اپنے پال گئے بچے کے انداز میں کہا۔

”چلو میری بات سنو۔“ اور چکو اور منگو سلاخوں کے پاس آکر بے ہوش ڈاکٹر اپنے پال سے کہا۔

”میں کس دس سے تمہارا شکر یہ ادا کروں، کس زبان سے وہ الفاظ ادا کروں جو میرے دل میں تمہارے لئے ہیں۔ میرے بھی لے کی زندگی بچانے میں تم نے جو سخت اور مشکل کام کیا ہے وہ حقیقت وہ کسی انسان کے بس کا روک نہیں تھا۔ میں نہیں جانتا کہ تمہارے اندر یہ شاندار صلاحیتیں کہاں سے پیدا ہوئیں لیکن اتنا میں ضرور جانتا کہ تم آکاش سے دھرتی پر صرف اس لئے اترے ہو کہ ہماری مدد کر سکو۔ میرے دوست بہادر دل چاہتا ہے کہ اپنی جان تم پر بچھا دے کروں میری بھی لے کر بنگلہ اب یقیناً زندگی کی جانب لوٹ آئے گا۔“ چکو نے گردن خم کرتے ہوئے کہا۔

”ڈاکٹر سب پال گئے ہم ننھے ننھے سے وجود اس دنیا میں معطلہ خیز لگا ہوں سے دیکھے جاتے تھے اور لوگ ہمارے بارے میں بس یک ہی تصور رکھتے ہیں کہ ہمارے چھوٹے قدم کو دیکھیں، ہماری ”کتوں کو دیکھیں، مسکرائیں اور خوش ہوں چٹا چٹے بچے ہو کہ ہم نے اپنی ان جسمانی قوتوں سے بغاوت کی اور اپنے آپ کو عام انسانوں سے برتر ثابت کرنے کی کوشش میں مصروف ہو گئے۔ خیر یہ دیگر بات ہے کہ میں اب تمہیں دھماکے پر آم جی کا ایک پیغام دینا چاہتا ہوں کیا یہ پیغام سب کے سامنے دیا جاسکتا ہے؟“

”یہاں ان کوٹھڑیوں میں جو لوگ موجود ہیں وہ سب ایک ہی عذاب میں گرفتار ہیں شاید تم نے باہر نکل کر اس آبادی کو دیکھا ہو جو ناز و کھلاتی ہے صرف اسی آبادی کی بات نہیں ہے میرے دوست اس علاقے کی تمام آبادیوں میں اس وقت زندگی اور موت کی کشمکش ہو رہی ہے۔ ٹھہر کر جلت گئے جی نے اپنا فرض تو پورا کر دیا اور اپنے آپ کو ایسی مدد فراہم کرنے کے لئے اپنے پیچوں کو ان کے حصے دے دیئے لیکن اس طرح انہوں نے انسانوں پر جو قہر نازل کیا ہے اس کے لئے بھگوان انہیں کبھی معاف نہیں کرے گا۔ ان بستیوں میں نہ خوراک ہے، نہ لباس، زندگی کا کوئی وجود نہیں ہے یہاں کھیت اگتے ہیں تو ان گئے کے آدمی نہیں کاٹے جاتے ہیں اور کالی اڈیاں باقی رہ جاتی ہیں جنہیں انسان چہرہ ہے جس کے پاس جو کچھ تھا لوٹ لیا گیا ہے اور راون گئے کے ہموٹے میں تقسیم کر دیئے گئے ہیں اب کسی گھر میں نہ لباس ہے، نہ اناج ہے، نہ ضرورت زندگی کی کوئی چیز ہے ان سے انسانوں کا حق چھین لیا گیا ہے ہم اس حق کے حصول کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں ہماری پیساری کوششیں اب تک راون گئے کے آدمی کا کام

بتاتے رہے ہیں کیونکہ ہمارے پاس وسائل ہی نہیں ایسی شکل میں اگر تہا ری مدد سے ہم اپنا مقصد حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو یہ اساتذہ کی بہت بڑی آہادی پر بہت بڑا احسان ہوگا۔“

”دھاپے رام جی نے اطلاع دی ہے کہ پرسوں رات قید خانے پر حملہ ہوگا۔ قیدیوں کو آراء و کرائے کی کوشش کی جائے گی۔ انہوں نے آپ کے لئے پیغام دیا ہے اے پال سنگھ جی کہ آپ کرن سنگھ کو لے جانے کے لئے تیار رہیں۔ وہ لوگ جان کی بازی لگا کر قید خانے پر حملہ کریں گے اور آپ کو چھڑانے کی کوشش کریں گے اس کے بعد ان کا خیال ہے کہ وہ سرحدی راستے کی طرف جا کر سرحد پار کریں گے اور جگت سنگھ جی کے علاقے میں داخل ہو جائیں گے۔“ اے پال کے چہرے پر یک بار پھر حیرت اور جوش نظر آنے لگا تھا، وہ تھوڑی دیر سلاخوں کے پاس کھڑا اپنی تھوڑی کھپاتا رہا پھر اس نے کہا۔

”دھاپے رام جی نے یہ فیصلہ یقیناً سوچ سمجھ کر کیا ہوگا۔ درمیں بھی کہتا ہوں کہ ان عمارت میں ہماری بغاوت جاری نہیں رہ سکتی۔ کچھ بھی تو نہیں ہے ہمارے پاس نہ لانے کے لئے، نہ کھانے کے لئے ہم صرف جان دے سکتے ہیں لیکن کیوں نہ یہ جان کا رآء مقصد کے لئے دی جائے تو پرسوں رات دھاپے رام جی کس وقت قید خانے پر حملہ کر رہے ہیں؟“

”جو وقت انہیں میرا وقت کا تعین نہیں کیا گیا ہے۔“ چکو نے جواب دیا تمام قیدی سلاخوں کے پاس آکھڑے ہوئے تھے اور یہ آداریں سن رہے تھے ان سب کے چہرے پر جوش ہو گئے تھے ان کی دلی دہی سرگوشیاں کھیوں کی ہمنوا بن گئی تھی اے پال سنگھ نے کہا

”آہ کاش کسی طرح ہمیں بھی وہ ذریعہ حاصل ہو سکتا جس سے ہم ان لوگوں کی مدد کر سکتے آہ کاش“ چکو نے منگو کی طرف دیکھ اور منگو نے گردن ہٹا کر جیسے منگو کو اجازت دی کہ وہ جا ہے تو اے پال سنگھ کو اپنا منصوبہ بتا سکتا ہے چکو بولا۔

”خاکرا اے پال سنگھ ہم دونوں اس سلسلے میں تہا ری مدد کرنے کی کوشش کریں گے کیونکہ ہماری کوششیں یقینی حیثیت نہیں رکھتیں اس لئے، ابھی ہم جنہیں ان کے بارے میں تفصیلات نہیں بتائیں گے۔ اے پال سنگھ نے کوئی جواب نہیں دیا وہ دیر تک ساکت و جامد سلاخوں کو پکڑے کھڑا سوچتا رہا تھا پھر اس نے گہری سانس لے کر کہا۔

”جنہیں تھوڑی سی تکلیف اور کرنا ہوگی میرے دوست چکو۔“

”ہاں ہاں کہو کیا؟“

”یہ پیغام تمام کونٹریوں تک پہنچانا ہوگا کیونکہ ہم چنچ کر بات نہیں کر سکتے۔“

”میں یہ کام کروں گا کچھ دیر صبر کرو دراصل ان لوگوں نے مجھے قید خانے میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ لیا تھا درمیں نے اندازہ لگایا ہوگا کہ وہ میری

حالات میں سرگرداں ہیں جس ذرا ان کی جدوجہد ختم ہو جائے اس کے بعد یہ کام کر لوں گا۔“ ٹھا کر اسے پاؤں تلے گھونٹنے لگا۔ گردن ہلا دی تھی پھر وہ انتظار کرتے رہے اور جب یہ یقین ہو گیا کہ اب سہا ہیوں کی آمد کا کوئی خطرہ نہیں ہے تو چٹکوسناخوں کے غلا سے باہر نکل آیا تھا۔ اسے پاؤں تلے کہا۔

”گردن تلے گھونٹنے پر وہ اذی کے بہترین، ثرات ہوئے ہیں اس کی حالت میں نمایاں فرق نظر آ رہا ہے مجھے یقین ہے کہ یہ واقعہ اس کی حالت اور بہتر کر دے گا۔ بہر حال تم ان سب کو دھا ہے رام جی کا پیغام دے دو۔“

”ایک بات بتا دو ٹھا کر کیا جی جلدی نہیں یہ پیغام دے دینا مناسب ہوگا۔“

”کیا مطلب...؟“ اسے پاؤں تلے پوچھا۔

”مجھے وہ قیدی یاد ہے جسے یہ لوگ پکڑ کرے گئے تھے۔ یہ تم ہی جانتے ہو گئے کہ انہوں نے اسے کیوں پکڑا تھا اور اس کے ساتھ کیا سلوک کیا ہمیں ایسے کسی خطرے کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے اگر کوئی قیدی ان کے ہاتھ لگ گیا تو ہمارا راز رکھ بھی سکتا ہے۔“

”تم ٹھیک کہتے ہو میرے دوست یہ بات میرے ذہن میں نہیں آئی تھی لیکن تمہارا خیال درست ہے ہم نہیں ابھی کچھ نہیں بتائیں گے بلکہ پرسوں رات ہی کون پر یہ کشمکش کریں گے۔“

”تو پھر میں جاؤں۔“ چٹکونے پوچھا۔

”تم نہایت دین اور ہوشیار آدمی ہو۔“ ٹھا کر اسے پاؤں تلے کہا۔ درجنگو واپس اپنی جگہ آ گیا منگو کو بھی اس نے صورت حال بتا کر مطمئن کر دیا تھا وقت گزرتا رہا رات گہری ہوئی تھی قیدیوں کو کھانا ملا اس لوگوں کے لئے بھی آج وہی کھانا تھا۔

”داروغہ سے کہنا کہ تم ٹھا کر باہر نکلنے کے خصوصی احکامات بھولتے چارہ ہے ہوا سے یہ بھی بتا دینا کہ ٹھا کر ہم لوگوں سے ایک اہم کام لینا چاہتے ہیں اگر خراب کھانے سے ہم بچا رہو گئے تو ٹھا کر کا کام نہ ہو سکے گا اور اس کی ذمہ داری تم لوگوں پر ہوگی۔“

”ابھی جوتی رہا ہے اسے صیبت سمجھو دوسروں کو تو یہ بھی نہیں مل رہا۔“ ایک سپاہی نے کہا لیکن شاید کسی سپاہی نے یہ بات داروغہ تک پہنچا دی تھی کیونکہ ریا دودیر نہیں گزری تھی کہ داروغہ چار سپاہیوں کے ساتھ اندر داخل ہو گیا دو سپاہی کچھ سامان ڈھائے ہوئے تھے داروغہ نے کہا۔

”یہ حرام خورد سب خود کھا جاتے ہیں میں اب خود تمہاری خوراک کا خیال رکھوں گا کوئی اور چیز تمہیں چاہئے تو بتا دو۔“

”چاہئے نہیں بی ہم نے یہاں۔“

”مل جائے گی دیکھو یہ دو دوہ ور پھل ہیں اس وقت ان پر گزارہ کر دینا تمہارے لئے چاہئے بھجوا دوں گا۔ لالت پال یہ تمہاری ذمہ داری ہے ان

لوگوں کو ابھی بھائی ترکاری ملنی چاہئے دودھ اور پھل بھی پہنچتے رہو خبردار اس میں کمی نہ ہو ورنہ تھک کر کھال کھجوا دے گا ہم سب کی۔“

”جی مہاراج، آئندہ میں خود خیال رکھوں گا۔“

”انہیں کوئی تکلیف نہیں ہونی چاہئے ہاں ورتھارے تیسرے بھائی کا کیا قصہ ہے انہوں نے مجھے بتایا تھا منکو نے در و بھرے انداز میں اپنے تیسرے بھائی کی کہانی اسے سنائی تھی وارو نے کہا۔“ وہ ہمارے ہاتھ نہیں لگا شید باہر نکل گیا تاہم وہ دو بارہ اندر داخل ہوا تو اسے تھہرے پاس پہنچا دیا۔ چائے کا تم لوگ اطمینان رکھو۔“ وارو غصے سے کہا اور ان لوگوں کے ساتھ باہر نکل گیا۔ پھل اور دودھ چنگو نے اٹھا کر اسے پال کو دے دیئے تھے تاکہ کرن سنگھ کے کام آئیں انہیں شکریہ کے ساتھ قبول کر لیا گیا تھا۔

آدھی رات کے قریب جب تمام قیدی گہری نیند میں ڈوبے ہوئے تھے ور بظاہر منکو بھی سو گیا تھا۔ چنگو سلاخوں سے باہر نکل آیا وہ دبے قدموں اس راہداری کے آخری سرے تک گیا تھا پھر وہاں سے وہاں پٹ آیا اور پھر اس نے راہداری میں ایک لمبی دوڑ لگائی اور روشندان کے قریب پہنچ کر ایک اونچی جست ماری وہ روشندان سے دو فٹ پیچھے رہ گیا تھا۔ وہاں سے وہ اٹا گرا اور قلاباری کہا کر سیدھا کھڑا ہو گیا اسے پال جاگ رہا تھا۔ جتنی دیر میں وہ ٹھہ کر سلاخوں کے پاس آیا چنگو دوسری جست لگا کر روشندان سے چاٹکا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ روشندان میں غائب ہو گیا اسے پال کا پیروں سے ملتا تھا۔

”کیا تمہیں اس کے جانے کا علم نہیں ہے؟“

”کہاں گیا وہ۔۔۔؟“

”اس روشندان سے باہر گیا ہے۔“

”روشندان تک وہ کیسے پہنچا؟“

”دوڑ لگا کر دوسری بار اس تک پہنچ گیا تھا۔“

”وہ خطرناک مول لیے کا شوقین ہے۔“ منکو نے کہا۔

”تم دونوں نے ہمیں سخت حیرن کر دیا ہے کال کی پھرتی ہے تمہارے جیسوں میں اور بے حد مہربان ہو تم دونوں مگر وہ اس وقت کہاں گیا ہے۔“

منکو اس مول پر کچھ دیر سوچتا رہا پھر اس نے کہا۔

”اس نے ایک خطرناک فیصلہ کیا ہے۔“

”کیا؟“

”یہاں بتانا مناسب رہے گا؟“

”ہاں سب سو رہے ہیں۔“ ڈاکٹر اسجے پال نے کہا۔ ”تم نے سوچا ہے اسبے پال کہ جس وقت باہر سے تمہارے ساتھی قید خانے پر حملہ کریں گے اس وقت اندر کیا صورت حال ہوگی؟“

”اندر“ اسجے پال نے آہستہ سے کہا۔

”ہاں تم نوک بدستور کوٹھڑیوں میں ہو گے اس وقت اگر یہاں موجود ہی قلعوں نے تمہیں برقی لٹا دیا تو یہ جلد کریم پر فائر کھول دیا تو؟“

”اوہ!“ اسجے پال نے لرزے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”ہم کچھ نہ کر سکیں گے۔“

”وہ اسی کے لیے کوشش کر رہا ہے۔“

”کیا؟“ اسجے پال کھٹے کھٹے لہجے میں پوچھا۔

”یہ وہی بتائے گا۔“

”ایک سوال میں ضرور کروں گا منو تم لوگوں کے سینے میں یہودیہ کا جھنڈا رکھاں سے کھل گیا۔“

”نسا فطری طور پر انسان سے محبت کرتا ہے اور اس کی پریشانی سے اس کا دل دکھتا ہے ہمارے دل بھی تمہارے لئے دکھی ہیں اور ہم تمہارا دکھ دور کرنے کے لئے جدوجہد کرنا چاہتے ہیں۔ راون نکلے اور اس کے ساتھی راکشش ہیں ہم ان کے خلاف اپنی بساط بھر کوشش ضرور کریں گے کسی ور سے متعلق ہے لیکن ہم جس طرح کے قیدی ہیں تمہیں اندازہ ہو چکا ہو گا یہاں سے نکل چانا اور ان کی نگاہوں سے بچنا ہمارے لئے مشکل نہیں ہو گا لیکن ہم تمہیں اس دکھ میں چھوڑنا نہیں چاہتے۔“

”جے پال سلاخیں پکڑے کھڑا ہاتھ۔ اس کے چہرے پر جذبات کے سارے لرزہ ہے تھے پھر کافی دیر کے بعد اس نے مہراے ہوئے لہجے میں کہا۔

”ہم سر کر بھی تمہاری اس محبت اور احسان کا بدلہ نہیں چکا سکتے۔“ منکو نے کوئی جواب نہیں دیا۔

وقت گزرتا رہا ہے پال منکو کو اس وقت کی باتیں بتا رہا تھا جب یو نگر میں امن و سکون تھا اور یہاں بہترین روایات کا دور دورہ تھا منکو چٹو کا انتظار کرتا رہا اور رات گزرتی رہی صبح کی روشنی روشندان سے جھانکنے لگی تو منکو اسی راستے نظر آئے جو عام راستہ تھا یہ بڑی سنسنی خیز بات لیکن چٹو نے ہنستے ہوئے بتا دیا کہ اس وقت سارے محافظ گھوڑے پیچھے بغیر سو رہے ہیں پھر وہ اندر داخل ہو گیا۔

”اجازت دو تو میں بھی سو جاؤں۔“

”ہا ہر تم کیا کرتے رہے؟“ منکو بے پوچھ۔

”بعد میں بتا دوں گا۔“ چنکو نے کہا دوسرے لیٹ گیا۔

چنکو نے اعتراض نہیں کیا تھا ابنت وہ یہ ضرور سوچ رہا تھا کہ چنکا کی پوری رات کی غیر حاضری بے معنی نہ ہوگی۔ دوسرے دن کوئی خاص بات نہ ہوئی چنکو بدستور سو رہا تھا دوسرے قیدی جاگ گئے تھے وہ سب بے بسی کا شکار تھے ان کے چہروں سے شہسوار چلتا رہتا تھا کوئی معمولی سی بات ان کی اس خاموشی میں زندگی پیدا کر دیتی تھی لیکن اس کے بعد پھر وہی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔

اس وقت دن کے گیارہ بجے ہوں گے کہ اچانک محاکلوں کی بہت بڑی تعداد اندر گھس آئی وہ سب کوٹھڑیوں کے آخری سرے تک پھیلنے چلے گئے۔ قیدیوں پر بد وقتیں تان لی گئیں واروہ سب سے آگے تھا اس نے حرکت لیجے میں کہا۔

”تمام کوٹھڑیوں کی تلاشی لی جائے ہر کوٹھڑی کا تانہ کھولا جائے اس کے قیدی دیوار کی طرف مت کر کے کھڑے ہو جائیں اور اپنے ہاتھ دیوار پر رکھ لیں۔ کسی نے کوئی حرکت کی تو اسے گولی سے اڑا دیا جائے گا کوئی اس حکم کی خلاف ورزی نہ کرے۔“

آٹھ سپاہیوں پر مشتمل ایک دستے نے ایک کوٹھڑی کا دروازہ کھولا اور اس میں داخل ہو گئے۔ قیدیوں نے ان کی ہدایت پر عمل کیا اور دیوار کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ سپاہی کوٹھڑی کی تلاشی سے رہا تھا۔ سپاہی کسی چھوٹی موٹی چیز کا جائزہ نہیں لے رہے تھے۔ اس کام میں زیادہ دیر نہ لگی ورداروہ کے اشارے پر وہ سب وہاں چلے گئے۔ قید خانے پر سنا تا طاری تھا کھڑے پاس اسلحوں کے پاس آکھڑا ہوا اس نے منکو کو آواز دی۔

”کیا تلاش کر رہے تھے یہ لوگ۔“

”خدا جانے۔“ منکو گہری سانس لے کر بولا اور پھر کسی خیال کے تحت وہ چونک کر چنکو کو دیکھے لگا۔ چنکو مصحوم سی صورت بنائے بیٹھا تھا وہ چنکو کے پاس آ گیا۔

”یہ کیا تلاش کر رہے تھے چنکو؟“

”ان بے چاروں کے اسلحہ خانہ میں چوری ہو گئی ہے۔“ چنکو نے انہوں سے کہا اور منکو، جھل پڑا۔

”کیا؟“

”ہاں، بہت سی بد وقتیں اور کارٹوس خائب ہو گئے۔“

”چنگ مجھے تفصیل بتاؤ۔“ منکو غریب۔

”میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہی سچ ہے۔ اس طرف تلاشی لیے وہ احتیاطی نکل آئے ہوں گے ورنہ اتنی تعداد میں ہندو قیدی کیسے چھوڑ سکتے ہیں۔“
”گو یا تم نے کام کر لیا؟“

”ساری رات بھاگ دوڑ کرتا رہا ہوں اتنا سا کام بھی نہیں کرتا۔“

”اودھ گرہندو قیدی کہاں گئیں؟“ منکو جھنجھکا کر یوں۔

”بغل میں ہندو قیدی خائے میں جڑ گئی۔“

”یعنی؟“

”ان کو ٹھڑیوں کے بہرونی حصے میں ایک کیمن بنا ہوا ہے جس سے ملحق ایک کپاڑ خانہ ہے یہاں ان محافظوں کے ضائع شدہ لباس اور دوسری چیزیں پڑی رہتی ہیں اس کا تالا رنگ خوردہ ہے اور وہ اتنا گندہ ہے کہ یہ لوگ اس کا دروازہ بھی نہیں کھولتے اور نا کارہ، شیاؤ فوٹے ہوئے کواڑ سے اندر پھینک دیتے ہیں کس ساری ہندو قیدی وہاں احتیاط سے چھپا دی گئی ہیں۔“

”واہ میرے خدا! گو یا تم نے قیدیوں کو مسخ کر دیا۔“

”یہ بھی پتہ لگا یا ہے میں نے کہ دل تمام کو ٹھڑیوں کی چابیاں کہاں رہتی ہیں۔ ضرورت کے وقت انہیں بھی حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ میں نے ایک اسٹریچر کا سامان بھی اسی جگہ محفوظ کر لیا ہے تاکہ کرن سنگھ کو اس پر لے جایا جاسکے۔“ منکو مشددورہ گیا۔ پھر اس نے اعتراف کیا کہ وہ خود یہ سب کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ منکو نے ہنس کر کہا۔

”غلط۔“

”کیا مطلب؟“

”میں آدھا ہوں ہم دونوں مل کر ایک ہوتے ہیں منکو۔ یہ سب کچھ میں نے تمہارے بغیر تو نہیں کیا ہے۔“

منکو غاموش ہو گیا تھا۔ پورا دن سپاہیوں میں اتاری سی پھیلی رہی تھی عام دنوں کی نسبت وہ آج کئی بار تہ خانے میں آئے تھے۔ اچھے پال سنگھ گہری نظروں سے ان کا جائزہ لیتا رہا تھا۔ پھر شام ہو گئی صرف یہی لوگ سنسنی کا شکار تھے باقی قیدی معمول کے مطابق تھے۔ شام کو کچھ موقع مل تو اٹھ کر اچھے پال سنگھ نے کہا۔

”یوں لگتا ہے منکو جیسے اس لوگوں کو کچھ بھک ل گئی ہے۔ آج تم نے ان کی سرگرمیاں دیکھیں۔“ منکو کے ہونٹوں پر مسکراہٹ چھل گئی۔ اس نے کہا۔
 ”جی نہیں اس کی یہ سرگرمیاں اس لئے نہیں ہیں تھا کرا ہے پال کہ نہیں آج رات قید خانے پر ہونے والے حملے کا علم ہو گیا ہے۔“
 ”پھر...؟“

”دور اصل ان کے اسلحہ خانہ سے کچھ ہندو قیدیوں کا قوس گم ہو گئے ہیں۔“ تھا کرا ہے پال نہ سمجھنے والے دندار میں منکو کو دیکھنے لگا پھر بولا۔
 ”میں سمجھ نہیں۔“

”ہندو قیدیوں کا قوس اسلحہ خانے سے گم ہو کر رہا نے کہاں چلے گئے ہیں اور یہ اس لئے پریشان ہیں کہ یہ کیسے ہو گیا؟“
 ”مسلکین۔ لیکن یہ چیزیں حاصل کرنے لگی ہیں۔ چٹکونے پر ہی رات اس کام میں صرف کی ہے۔“ تھا کرا ہے پال کا چہرہ آگ کی طرح سرخ ہو گیا۔

”وہ چٹکئی ہوئی لگا ہوں سے منکو کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے سرسراتے ہوئے ہچکے میں کہا۔
 ”لیکن اس نے انہیں پوشیدہ کہاں کیا ہے؟“

”یہی جگہ، جہاں سے نہیں فوراً تمام قیدیوں کو تقسیم کیا جاسکے۔“
 ”لیکن ہماری کوٹھڑیوں میں تاسے لگے ہوئے ہیں۔“

”مقررہ وقت پر یہ تانے کھل جائیں گے۔“ منکو نے جواب دیا، پھر بولا۔ اس کے علاوہ چٹکونے نے ایک اسٹریچر کا بندوبست بھی کیا تاکہ کرن سنگھ کو یہاں سے لے جانے میں کوئی دقت نہ ہو۔“ تھا کرا ہے پال خاموشی سے منکو کو دیکھتا رہا پھر اس نے گردن جھٹکی اور بولا۔
 ”تمہارا شکریہ دوستو، تمہارا شکریہ۔ ویسے اب ہائی قیدیوں کو اس بات سے کس وقت آگاہ کرنا ہے؟“

”بس رات کا اندھیرا پھیل جانے دو اور سپاہیوں کو آخری گشت کے بعد چلے جانے دو۔“ اسے پال نے منکو سے اتفاق کیا تھا، کچھ دقت اور گزر گیا۔
 رات کا کھانا بہت دیر پہلے تقسیم ہو چکا تھا اور بے چارے قیدیوں نے زہر مار کر لیا تھا۔ وہ سب معمول کے مطابق کھانے کے بعد ادھکے لگے تھے، مونا تو کیا ہوتا تھا جس دقت کے لحاظ سے سب کچھ کر بیا کرتے تھے، انکے انداز میں بیزار ہوئی تھی۔ پھر چٹکونے اور منکو دونوں ہی سلاخوں سے باہر نکل آئے، تھا کرا ہے پال سنگھ اس دوران چلی تیاریاں مکمل کر چکا تھا۔ اس نے پٹی کوٹھڑی کے قیدیوں کو تفصیلات بتادی تھیں اور وہ قیدی تجسس ہو گئے تھے، ان کی نگاہیں باہر ان دو پولوں کی جانب اٹھ جاتی تھیں جو ان کے سربراہ بن گئے تھے اور نہ جانے کیا کیا کر رہے تھے۔ کرن سنگھ کے لئے تیار

خوفناک سفر طے کر کے دو انہیں لے آنا بھی ایک بہت بڑا کام تھا نہ کہ اس کے بعد ان کی یہ تمام کارکردگی جو سب کے لئے باعث حیرت تھی۔

ٹھہرا ہے پال کی اجازت سے ان دونوں کو کوٹھڑیوں کے پاس جا چا کر دھا بے رام جی کا پیغام بن لوگوں کو پہنچایا اور تمام بن قیدیوں کے بدن میں چنگاریاں بھرت گئیں۔ وہ ان قید خانوں میں موت کے منتظر تھے لیکن یہ ہے بنی کی موت انہیں نا پسند تھی، جدوجہد کے راستے گر بند نہ ہوتے تو ان میں سے ہر ایک اپنی زندگی کی بازی لگا کر یہاں سے نکلنے کی کوشش کرتا اور یہ موت انہیں بے بنی کی موت سے لپکا وہ پسند ہوتی۔ اب جب انہیں یہ خبر ملی تو وہ شدت خوشی سے چمک اٹھے، لیکن ساتھ ساتھ بن دونوں نے انہیں ٹھہرا ہے پال نگاہ کے خوائے سے یہ بھی بتایا تھا کہ کوئی بھی قیدی وقت سے پہلے کسی جوش کا مظاہرہ نہ کرے، تاکہ سپاہیوں کو کسی قسم کا شبہ نہ ہو، چند قیدیوں نے جھکو اور منکھو سے سوانحیات بھی کئے تھے۔ جن کے جواب میں اسہوں نے یہ کہا کہ فی الحال وہ اتنا ہی کریں کہ آپ کو مستعد کر لیں اور قید کو خود پر مسلط نہ ہونے دیں۔ ابے پال نگاہ اپنی کوٹھڑی سے جہاں تک ٹکا ہیں دوڑا سکتا تھا وہاں تک اس نے قیدیوں میں جوش و غلبہ کے آثار دیکھے۔ خود اس کا چہرہ جوش و سرور سے سرخ ہو رہا تھا اور پھر وقت کو لمحہ کر کے گزرتے لگا۔ وہ لوگ انتظار کرتے رہے ان کے کان باہر آئے وہ ان آہٹوں کے منتظر تھے۔ رات کا آخری پھر بہت ٹسٹ روی سے گزرتا رہا۔ پھر جھکو نے منکھو سے کہا۔

”میرا خیال ہے اب ہمیں پہلے مرٹلے کا آغاز کر دینا چاہئے۔“

”پہلے مر جیے ناقصین کیا کیا ہے تم نے؟“ منکھو نے پوچھا۔

”میں وہ چاہیوں حاصل کر کے لاتا ہوں جن سے ان کوٹھڑیوں کے نالے کھولے جاسکتے ہیں۔“

”ان کا حصول آسان ہوگا؟“

”کوشش کرتا ہوں اور پھر تمہاری دعائیں جو میرے ساتھ ہیں۔“ جھکو نے کہا اور پھر وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھتا ہوا اس جگہ پہنچ گیا جہاں سے باہر جانے کا راستہ تھا منکھو اور ابے پال نگاہ خاموشی سے اسے دیکھتے رہے ابے پال نے سرگوشی کے اندر میں کہا۔

”تمہارا یہ بھائی درحقیقت انسانی صفات سے کچھ زیادہ فی حیثیتوں کا، لگ ہے۔ شاید تمہارے یہ چھوٹے قد تمہیں دوسروں سے ممتاز بنانے کا باعث بن گئے ہیں، منکھو نے کوئی جواب نہیں دیا، وہ خاموشی سے جھکو کی دہائی کا اکتھار کرتا رہا اور تھوڑی دیر کے بعد اس نے جھکو کو سست حرامی سے اندر آتے ہوئے دیکھا۔ جھکو کے ہاتھ میں چابیوں کا ایک کچھ تھا۔ جسے وہ مدھم آواز میں گنگنا تا ہوا، بدلتا ہوا اندر آ رہا تھا۔ پھر اس نے سب سے پہلے ٹھہرا ہے پال کی کوٹھڑی کا نالہ کھولا اور نالہ کھول کر ایک طرف الال دیا۔ ابے پال کی آنکھیں وہشت سے چمکی ہوئی تھیں جھکو آگے بڑھ گیا۔

دروازوں کے تالوں میں چابیوں لگا کر وہ صبح چابی قنج کر رہا اور تالے یک ایک کر کے کھلتے رہے منکوقیدیوں کو ہدایت کر رہا تھا کہ وہ صرف وقت کا انتظار کریں اور کوٹھڑی کے دروازوں سے باہر نکلنے کی کوشش نہ کریں۔ اس سب میں شدید بچوس برپا ہو گیا تھا۔ پھر جب چٹکوں اس تمام کاموں سے فارغ ہو گیا تو وہ منکوقیدیوں کے قریب پہنچ منکوقیدیوں نے اسے دیکھ کر کہا۔

”باہر کی کیا کیفیت ہے؟“

”اب وہ لوگ مایوس ہو گئے ہیں، ویسے اس کہڑا خالے کی جانب انہوں نے توجہ نہیں کی۔ درحقیقت وہ ایسی ہی جگہ ہے جس طرف کسی کا خیال نہیں جا سکتا۔ لیکن ہم سے قریب تر۔ اور یہ سب سے جڑی آسانی ہے کہ ہم وہاں سے بندوقیدی بہ آسانی نکال سکتے ہیں۔“ چٹکو خاموش ہو گیا تھا۔ ٹھیک کر، بچے پال سنگھ اور دوسرے تمام لوگ کھڑے ہوئے تھے۔ پھر رات کا تقریباً ڈیڑھ بجایا ہو گا یا ممکن ہے اس سے کچھ زیادہ ہی وقت ہو گا، جب اسچانک ہی باہر سے شدید ترین فائرنگ کی آواز سنائی دینے لگی۔ قیدیوں میں ایک دم سے زندگی پیدا ہو گئی اور وہ بھرا مار مار کر اپنی کوٹھڑیوں کے جنگلے کھول کر باہر نکل آئے۔ ٹھیک کر اچے پاں سنگھ سب سے آگے تھا۔ اس نے دونوں ہاتھ پھینکا کر انہیں خاموش رہنے کی ہدایت کی اور اس کے بعد چٹکو اور منکوقیدیوں کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ وہی ہوا جس کی امید تھی باہر ہونے والے پگائے کی وجہ سے تمام سپاہی دوڑ کر بیرونی حصے پر پہنچ گئے تھے اور کوٹھڑیوں کے اس حصے میں کوئی نہیں تھا۔ چنانچہ اچے پاں سنگھ نے چند آدمیوں کی کوشش سے اس دروازے کو اکھاڑ کر پھینک دیا، جس کی جانب چٹکو نے اشارہ کیا تھا اور اس کے بعد قیدیوں کے ہاتھوں میں بندوقیدی آ گئیں۔ ساتھ ساتھ وہ سٹریچر کا سامان بھی حاصل کر لیا گیا جو ایک کینول اور دو ہانسون پر مشتمل تھا۔ سٹریچر تیار کر کے کرن سنگھ کو احتیاط کے ساتھ اس پر لٹایا اور پانچویں بندوقیدی میں وہ سٹریچر سے گرتے پڑے۔ خود کرن سنگھ بھی اس وقت ہوش و حواس میں تھا اور اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ قیدی بندوقیدی لئے انتظار کرتے رہے۔ باہر ہونے والی فائرنگ تیز ہو گئی تھی۔ پھر اچے پاں سنگھ نے منکوقیدیوں کو چٹکو سے مشورہ کر کے طے کیا کہ اب عقب سے سپاہیوں پر حملہ کر کے انہیں بالکل ہی مفلوج کر دیا جائے۔ چٹکو اور منکوقیدی اس بات سے متفق ہو گئے تھے۔ چنانچہ قیدی بندوقیدی منجھالے نہایت خاموشی سے یک ایک قدم آگے بڑھاتے ہوئے اس جگہ پہنچ گئے جہاں سے اندر موجود سپاہی مورچے بنائے حملہ آوروں سے مدد نصیب کر رہے تھے۔ عقب سے برسنے والی گولیوں نے سپاہیوں کو بالکل ہی بدحواس کر دیا۔ اس کی خوفناک جنگیں سنائی دیں، قیدیوں نے اپنی تمام صعوبتوں کا بدلہ لینے کی ٹھانی تھی، چنانچہ بھاگتے ہوئے سپاہیوں کو نشانہ بنایا جانے لگا۔ باہر سے چلنے والی گولیوں ایک دم تھم گئی تھیں۔ غالباً ہر دواؤں کو بھی حیرت ہوئی تھی کہ یہ اندر کیا شروع ہو گیا لیکن سپاہی بدحواسی میں جان دے بیٹھے تھے اور شاہد ہی ان میں سے چند ایسے بچے ہوں، جنہیں چھپ چھپا کر اپنی جان بچانے میں کامیاب ہو گئے ہوں بیرونی حملہ آور بھرا مار کر اندر داخل ہو گئے تھے اور

ان میں سب سے آگے پنڈت دھاپے رام تھے جو ”بچے بچے کار“ کرتے ہوئے اندر آئے تھے اور اندر سے ٹھہرا جے پاں نگھ نے بھی دن کے نعرے کا جو سب دیا اور تمام لوگ آ کر نیک دوسرے سے مل گئے۔

سب ایک دوسرے سے گفتگو کر رہے تھے۔ بہت سے لوگوں نے کرن نگھ کا اسٹریچر سنبھال لیا تھا۔ دھاپے رام جی نے اسے پاں سے پوچھا۔ ”تم لوگوں کو اندر اسکو کیسے لے گیا؟“

”بعد میں بتاؤں گا پنڈت جی۔ یہ بتائیے اب آگے کیا کرنا ہے؟“

”تمہارا وہ تنہا سہرا کارو جو میرے پاس آیا تھا بخیریت واپس آگیا تھا نا؟“

”ہاں وہ آگیا تھا۔“

”میں نے اسے تفصیل بتائی تھی۔ میرا خیال ہے اب ہمیں یہاں جدوجہد ترک کر دینی چاہئے۔ سب کچھ بگڑ چکا ہے اسے سنبھالنا ہمارے بس نہیں ہے ہم بیرونی دہلی دور کی سرحد عبور کر کے جگت نگھ کے علاقے میں داخل ہوں گے اور پھر فدا کر سہ کہیں گے کہ یہاں کے لوگوں کو رادون نگھ دور بھٹل نگھ کے قبر سے نجات دلانے۔“

”مجھے آپ سے اختلاف نہیں ہے پنڈت جی۔ اسے پاں نے کہا۔ اکا دکا گولیاں چلنے کی آوازیں اب بھی ابھر رہی تھیں۔ ہائی قید خانے کے سپاہیوں کو تلاش کر کے ہدایت کر رہے تھے۔ دھاپے رام نے کہا۔

”اب یہاں زیادہ وقت گزرا نا اچھا۔ ہوگا صبح ہونے سے پہلے ہمیں مغل کھائی کے جنگلوں میں پہنچنا چاہئے تاکہ وہاں چھپ کر دم لے سکیں۔“

”ضرور پنڈت جی۔ تو پھر چلیں۔“

”ہاں سب کو اکٹھا کر لو۔ دھاپے رام نے کہا اور اچھے پاں نگھ نے منہ سے زوردار سیٹیوں کی آوازیں لگائیں۔ اسی وقت چٹکو اور منکون کے پاس آگئے۔ اچھے پاں بولا۔

”یہ دونوں بھائی پنڈت جی۔“

”ہم اپنا تعارف اطمینان سے کرو لیں گے ٹھہرا کر یہ بتاؤ اب ارادہ کیا ہے؟“

”یہاں سے چلنا ہے ہم نے اپنے پیچھے پڑاؤ کی جگہ کا انتخاب کر لیا ہے۔“

”تمہارے پاس خوراک کتنی ہے ٹھہرا کر؟“ منکون نے پوچھا۔

”تھوڑا سا ذخیرہ کر لیا ہے بھئی۔ جو ہم ساتھ لائے ہیں۔“ دھا بے رام نے کہا۔

”خوراک ہماری اہم ضرورت ہے ہو سکتا ہے ہمارے سفر لیا ہو جائے۔ اس لئے ہم نے اس چاہیوں کے خوراک کے ٹھکانے معلوم کر لئے ہیں۔ تمہارے پاس کافی لوگ ہیں اس سب سے اگر یہ ذخیرے حاصل کر لئے جائیں تو چھا ہوگا۔“

”اگر ایسا ہو جائے تو یہ ہماری خوش نصیبی ہے کیونکہ ہمارے پاس جو ذخیرہ ہے وہ تو دو دن بھی نہ چل سکے گا۔“

”اے پال سنگھ کو بتایا گھوڑے بھی موجود ہیں، خوراک کو گھوڑوں پر ہار کر لو۔ پانی کا بندوبست بھی کر لیا جائے ہاتھی لوگوں کو تو پیدل ہی چلنا ہوگا۔“ جنگو نے کہا۔

”ٹھیک تجویز ہے میں کچھ دلوں کو منتخب کئے دیتا ہوں۔ تم ہمیں وہ جگہ بتا دو جہاں خوراک موجود ہے۔“ دھا بے رام نے کہا اور اقدامات کرنے لگے۔ جنگو اور منگو منتخب لوگوں کے ساتھ چلے گئے۔

”یہ دونوں بولے کون ہیں؟“ دھا بے رام نے پوچھا۔

”یوں سمجھ میں پنڈت جی کہ آکاش سے اترے بنگوان کے، دتار ہیں۔ انہوں نے جو کچھ کیا ہے جیسے کیا ہے میں منگوں میں نہیں بتا سکتا۔ یا مگر سے قطع نہیں ہے کسی سرکس میں کام کرتے تھے بلکہ سنگھ کے قیدی ہیں مگر انہوں نے ہماری نظریہ بدلنے کے لئے اپنے جیون کی باری لگا دی ہے۔“

منتظم جنگو منگو تھے چنانچہ تمام اقدامات غلوں اور پائیدار ہوئے اور دوسرے پہر کے اختتام سے پہلے یہ لوگ قید خانے سے باہر نکل آئے۔ سپاہیوں کی دہشتیں جا رہی پڑی ہوئی تھیں۔ سب ہی مارے گئے تھے یا اگر کچھ بچ گئے تھے تو ایسی جگہ جا پہنچے تھے جہاں انسانی آنکھ نہیں دیکھ سکتی تھی۔ کرن سنگھ کا اسٹریچر سنبھال لیا گیا تھا اور لوگ اس کے لئے بہت پر جوش تھے۔ مخالف سمت اختیار کی گئی تھی اور رفتار بہت تیز رکھی گئی تھی چنانچہ جب تھا میں اچانک اترے تو وہ طویل فاصلے طے کر چکے تھے۔ تاہم سفر کی رفتار میں کمی نہ آنے دی گئی۔ سورج نکل گیا اور ماحول اجاگر ہو گیا چاروں طرف بے آب و گیاہ چٹانیں بکھری ہوئی تھیں ہنرے کا نام و نشان نہ تھا۔ جیل کے قیدی اور دھا بے رام کے ساتھ آنے والوں کی کل تعداد ساٹھ ہینڈل کے قریب تھی سب خستہ حال تھے۔ بہر حال یہ سفر کے بغیر دو پہر کے بعد تک جاری رہا ہر چند کہ رفتار تیز تھی پھر بھی پیدل تو پیدل ہی ہوتا ہے اور پھر کرن سنگھ کو بھی سنبھالنا پڑا تھا اس کے بعد وہ تھک گئے رفتار خود بخود کم ہو گئی۔ اے پال باب نے کہا۔

”لوگ تھک گئے پنڈت جی۔“

”دیکھ رہا ہوں۔“

”اس سے زیادہ لمبا سفر نہ کر سکیں گے۔“

”کرنا پڑے گا مشکل گھاٹی تک پہنچنا ضروری ہے ورنہ خطرے میں رہیں گے۔“

”تھوڑی دیر رسکنے کی اجازت دے دی جائے۔“

”نہ اچے پال نہ۔ جو کوئی بیٹا دودھ نہ اٹھ سکے گا ویسے بھی مشکل گھاٹی اب دور نہیں ہے۔“ دھابے رام نے کہا۔ اچے پال خاموش ہو گیا۔ تھکے ماندے لوگ مفر کرتے رہے۔ کیفیت یہ تھی کہ اب وہ گرنے لگے تھے۔ اس پہاڑی دیوار کا بھی کافی فاصلہ تھا جس کے دوسری طرف مشکل گھاٹی تھی ویسے اب راستہ بھی سہاٹ ہو گیا تھا اور قدم قدم پر گہری گھنیاں اور گڑھے آرہے تھے جنہیں عبور کرنے میں مشکلات پیش آرہی تھیں۔ شام جھک آئی کسی نے کچھ نہیں کہا یہاں تھا اور رات بھر اور دن بھر کی تھکن کا شکار تھے۔ یہ صورت حال دیکھ کر دھابے رام نے کہا۔

”مجھیری ہو گئی ہے اچے۔ رکنا پڑے گا۔“

”میں بھی جیسا دیکھ رہا ہوں پنڈت جی۔“

”مگر کسی مناسب جگہ رکنا کہ چسپے رہیں۔ کسی کو دکھائی نہ دیں۔“

”آپ کو کسی کے آجانے کا خطرہ ہے؟“ اچے پاس نے پوچھا۔

”وہ تو ہے پر اردن بیت چکا ہے اور پھر کیا کہا جاسکتا ہے کہ قید خانے کے کچھ سپاہی بچ گئے ہوں اور انہوں نے نازہ چاکر خبر کر دی ہو ویسے بھی سپاہیوں کا قید خانے میں آنا ناجائز رہتا ہے۔“

”ہاں یہ تو ہے۔“ اچے پال نے کہا۔ کسی مناسب جگہ کی تلاش میں کچھ وقت اور لگ گیا۔ پھر پہاڑی دیوار کے بالکل قریب انہیں ایک دروہ مل گیا۔ جہاں بچھا کر دھابے رام نے سب کو رک جانے کا اشارہ کیا اور اعلان کر دیا کہ یہاں قیام کیا جائے گا۔ اس اعلان کو سنتے ہی چسپے لوگوں کی ٹانگوں کی جال نکل گئی جو جہاں تھا وہیں زمین پر گر پڑا۔ یہ دیکھے بغیر کہ جگہ کیسی ہے دھابے رام اور اچے پال حاسف نظروں سے انہیں دیکھ رہے تھے پھر انہوں نے ہچکو منکو کو دیکھ جو لوگوں کو پانی پلاتے پھر رہے تھے۔

”بچا جی یہ بھگوان کے اوتار ہیں۔“ اچے پال کرن ٹکھ کے پاس آیا اور دوا انہیں دیئے لگا۔

”مجھے انوس ہے اچے میں تمہاری اس جدوجہد میں تمہارے لئے مشکل بنا ہوا ہوں۔“

”جی مگر کی تھائی رک جائے بھائی ہم سب کو نیا جیون مل جائے گا۔“ اچے پاس نے کہا۔

کچھ باہت لوگوں کو کہہ سن کر اٹھایا گیا اور گھوڑوں سے خوراک اتاری گئی پھر خوراک تقسیم ہوئی۔ گہری رات پہاڑوں میں اتر گئی اور ہاتھ کو ہاتھ بھائی نہیں دے رہا تھا۔ آسمان بھی ہادوسوں سے ڈھکا ہوا تھا ہواؤں میں خنڈک تھی۔ چہ نہیں گھینے کے بعد ملنے والی خوراک نے اعصاب و شل کر دیئے ہر ایک کا ذہن سونے لگا اعضا و شل ہو گئے اور سب سبے سدھ ہو گئے۔ اچھے پال دھا بے رام اور چکو منکونے کرن سنگھ کے پاس ڈیرہ جھایا تھا۔ دھا بے رام نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

”تم لوگ سوچاؤ ہم جاگ رہے ہیں تمہارے وارے میں مجھے سب کچھ معلوم ہو چکا ہے مجھے اگر بھگون نے کبھی موقع دیا تو ہم تمہیں تمہاری اس محبت کا جواب دیں گے۔“

”ہوشیار رہنا ضروری ہے دھا بے رام جی۔“ منکونے نے کہا۔

”ہاں بے شک، دوسروں کی تو حالت بہت خراب ہے۔ تم یوں کرو کہ سوچاؤ آدھی رات کے بعد ہم تمہیں جگا دیں گے پھر ہم سو جائیں گے۔ میں اور بے جاگ رہے ہیں۔ چکو نے منکونے کا ہاتھ دباؤ مقصد یہ تھا کہ یہ تجویز قبول کرنی چائے اور منکونے بات دہان لی وو دونوں ایک بہتر جگہ منتخب کر کے لیٹ گئے۔

دھا بے رام اور اچھے پاس باتیں کرتے رہے تھے ان پر بھی اونگھ طاری ہو رہی تھی مگر وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر جاگ رہے تھے۔ اچانک وہ چھل پڑے پہاڑی دیوار سے کچھ چھروں کے لڑھکنے کی آوازیں ابھریں اور وہ وحشت زدہ ہو کر کھڑے ہو گئے۔ تھکے، ماندے لوگ گہری نیند سو رہے تھے ور پہاڑ کی بند یوں سے ایک بے غم سی روشنی ابھر رہی تھی۔ وہ سبکی ہوئی نظروں سے اس روشنی کو دیکھنے لگے۔ روشنی اب جگہ جگہ سے ابھرنے لگی تھی۔ یہ مشعلیں تھیں وراٹن کے سایوں میں گھوڑوں کے پاؤں نظر آ رہے تھے۔

مشعل برودار انہیں گھیرے میں لے رہے تھے۔ وہ دور دور تک ان پہاڑیوں میں پھیلتے جا رہے تھے اور اس کی یہ کارروائی بہت منظم محسوس ہو رہی تھی۔ نیچے موجود تمام لوگ سبکی ہوئی نظروں سے نہیں دیکھ رہے تھے۔ کسی کے منہ سے آواز نہیں نکل پائی تھی۔ پھر پندت دھا بے رام ہی آہستہ سے بولے ”اچھے پاس، دیکھ رہے ہو؟“

”بیوی ہوشیار رہی سے انہوں نے ہماری گرد گھیراؤ لا ہے میر تو خیال ہے کہ انہوں نے پہلے ہی ہمیں دیکھ لیا ہوگا ورنہ ہمارے کسی ایسی جگہ پہنچ جانے کا تھکا کر رہے ہوں گے جہاں ہم آسانی سے بے بس ہو جائیں اور اس کے لئے اس سے بہتر جگہ، در وقت، دور کوئی نہیں ہو سکتا۔“

”سب کیا کرنا ہے اچھے پال رات کے اس جھے میں یہاں سے بھاگنا بہت خطرناک ہوگا کیونکہ چاروں طرف کھنڈ اور کھانیاں پھیلی ہوئی ہیں گھور رات

میں کچھ بھی نظر نہ آئے گا۔“

”ویسے بھی پنڈت جی وہ چاروں طرف پھیل گئے ہیں اگر ہم بھی گئے تو کدھر جائیں گے۔ بھگئے کا خیاب بے کار ہے مثلاً کہنا ہوگا۔“ اچھے پال کے لہجے میں جوش بیدار ہوتا جا رہا تھا۔ دھابے رام جی نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

”پھر دیر کس بات کی ہے حملہ ہم کریں گے ان کی طرف سے مجھے کا نظارہ ہے کار ہے۔“

”چکو نے منکوسے کہا۔“ دیسے بھی میرا خیال ہے وہ اس وقت حملہ نہیں کریں گے۔“ بس انہوں نے ہمیں یہاں پٹی موجودگی کا احساس دیا ہے حملہ کرنے کے لئے صبح کا انتظار کریں گے۔“ منکو نے کوئی جواب نہ دیا۔ ادھر ڈاکٹر اچھے پال اپنے لوگوں کی تنظیم کر رہا تھا اور ایسے بڑے پتھروں کی آڑ میں سورہے بنا رہا تھا جہاں گولیوں سے بچاؤ ہو سکے۔ کرن سنگھ کو بھی ایک بڑی چٹان کی آڑ میں لٹا دیا گیا تھا۔ ہتھیار کافی موجود تھے لیکن کارتوس کم تھے اس سبب میں مسلح لوگوں کو ہدایت دی گئی تھی کہ وہ ہر فائر حقیقہ سے کریں اور اندھا دھند فائرنگ کر کے کارتوس بیکار نہ کریں۔ منکو نے کسی قدر طنز یہ انداز میں کہا۔

”تم مقابلہ نہیں کرو گے چکو تمہیں بندوق نہیں دی گئی۔“

”ڈل تو ان کے پاس ہمارے ساز کی کوئی بندوق نہیں ہے دوئم ان سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ کام ہمارا نہیں بڑے بھائی کا ہے۔“

”جان کیسے پادسے اب چھوٹے بھائی؟“

”تمہیں شینا کے اقواس یاد نہیں منکو وہ کہتا ہے۔“ ”کو تو سسر لوکانہ مار سکتا بھائی۔ جندگی بیٹا اور دینا کو تو اور کام رہے۔ ارے تم کا ہے اسی بارے میں سوچو ہو جب تم کو نوکونا مار سکتا تو دو جا بھی تھا رہ کچھ نہ بگاڑ سکتا ہے۔“

”تو پھر چلو دپر چلتے ہیں تھوڑی سی چہل قدمی ہو جائے گی۔“ منکو نے طنز یہ لہجے میں کہا۔

”صبح کو دیکھا جانے کا اس وقت مجھے یاد آ رہی ہے۔“ اسی وقت اچھے پال ں لوگوں کے پاس آ گیا۔

”تمہیں اس کی تکلیف نہیں دی جائے گی لیکن تم دونوں بھی محفوظ جگہ تلاش کرو کاش تمہیں اس مرحلے سے نہ گزرتا پڑتا۔ دیکھو وہ چٹان بہت محفوظ ہے خود کو وہاں چھپاؤ مجھے بے حد افسوس ہے۔“

جاری ہے

”ٹھیک ہے ڈاکٹر! ہے پال آپ ہماری فکر نہ کریں۔“ ہنگے نے کہا اور پھر وہ دونوں بھی تاریکی میں اس چٹان کے عقب میں ریٹک گئے تھے۔ یہ اندازہ وہ بھی لگا چکے تھے کہ اب کوئی چال نہیں چل سکتی تھی۔ یہ علاقے خفی اور خطرناک تھے پھر جس انداز میں انہیں گھیرا گیا تھا اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ لوگ ہماری طرح ان کی نقل و حرکت سے واقف ہیں۔

بیکل ڈاکٹر! ہے پال ہی کی طرف سے ہوئی تھی۔ مشعل برداروں نے پہاڑ سے نیچے اترنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ یقیناً وہ رات گزرنے کا انتظار کر رہے تھے لیکن نیچے سے گر جینے والی بندو قوس نے پہلے ہی جسے میں نہیں شدید نقصان پہنچایا کیونکہ نیچے سے تاک تاک کر نشانے لگائے گئے تھے اور مشعلوں کی وجہ سے نشانہ لینے میں دقت نہ ہوئی تھی اس لئے بہت سے شکار ہو گئے۔ گھوڑے چھپانے اور زخمی ہو کر سواروں سمیت ڈھلان پر گر چکے گئے۔ ان کے ساتھ پھر بھی لیٹ میں آ کر نیچے گرنے لگے تھے۔ باوجود بے حد خوفناک ہو گیا۔ گھوڑوں کی چیخیں انسانوں کی دم توڑتی آوازیں پتروں کے گرنے کی گڑگڑاہٹ نے رات کے پرسکوت ستارے میں ایک دہشت خیز ڈھل پھا دی تھی۔ نیچے سے مسلسل بندو قوس گرج رہی تھیں لیکن کامیابی صرف پہلے ہی جسے میں ہوئی تھی کیونکہ اس کے بعد اوپر والے سنبھل گئے تھے بہت نیچے واغوں کے لئے ایک اور مصیبت کھڑی ہو گئی تھی اوپر سے اڑ چکے والی پتروں نے وہ کام کیا تھا جو اوپر موجود لوگ نہ کر سکتے تھے۔ یہ پتھر راستے کی چٹانوں سے لکڑا کر دوپٹے اوٹھنے چل رہے تھے اور کوئی مورچوں پر آ کرے تھے جن سے مورچوں میں بیٹھے ہوئے لوگ ہنس کر رہ گئے تھے۔ نیچے بھی بہت سی دلدل و چٹانیں ابھری تھیں جن کا اندازہ اوپر واغوں نے بخوبی لگا لیا۔ وہ لوگ بھی رات کی تاریکی میں نیچے واغوں کو نشانہ بنا سکتے تھے اور شاید اندھا دھند فارنگ سے پھانچا جتے تھے لیکن نیچے سے ابھرنے والی آواروں کا ہاتھ نہ لگتا تھا۔ انہوں نے حکمت عملی سوچ لی۔ اپنی حماقت سے وہ جو نقصان اٹھا چکے تھے اب اس کا عائدہ نہیں کرنا چاہتے تھے چنانچہ جب ایک بھی مشعل روشن نظر نہیں آ رہی تھی اب اسے کچھ دیر کے بعد ہی ایک بے پناہ وزنی چٹان نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور ایک خوفناک دھماکے سے دوسروں مضبوط چٹان پر گری اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی پھر یہ ٹکڑے اولوں کی طرح نیچے موجود لوگوں پر برسنے لگے۔ دھماکے پر رام اور اس کے گردہ کے فرو چوڑی بھوس گئے کیونکہ پتروں نے ہم دوت کا کام آسان کر دیا تھا۔ بعض بڑے پتھر تو ایسے بھی تھے جنہوں نے مورچوں کی چٹانوں کو اوپر سے گر کر پاش پاش کر دیا تھا اور ان کے پیچھے پیچھے بونگ جچا بھی نہ سکے تھے۔

نتیجہ آخر اتفری کی شکل میں ظاہر ہوا۔ اور لوگ مورچے چھوڑ چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ اس کا اندازہ بھی اوپر سے لگا لیا گیا اور اب اوپر سے ترانہ اگوا بیاں چنے لگیں اسے پال ڈاکٹر تھا کما بڈ نہیں کہ کوئی بہتر منصوبہ بندی کر سکتا۔ وہ سکتے میں رہ گیا تھا اوپر والوں کی بن آئی تھی۔ وہ قلعہ دھتے سے وہ پہاڑی چٹانیں لڑھکاتے اور پھر انتظار کرتے کہ لوگ مورچے چھوڑ کر بھاگیں تو وہ نہیں نشانہ نہ بنا سکیں۔ جنگ تو انہوں نے پہلی جوا بلی کارروائی میں ہی جیت لی

تھی۔ اب تو وہ صرف کہیں رہے تھے ورنہ یہ کھیں دیر تک چاری رہا۔

آخری رات کا چاند نکل آیا اور پہاڑوں میں ہوناک مناظر اجاگر ہو گئے، پتھروں کے پیچھے جا بجی لاشیں پڑی ہوئی تھیں اور اب شاید زندہ بچ جانے والوں میں ہاتھ ہلانے کی سکت بھی نہیں تھی۔ روشنی بے نمود ہو گئی اور صبح کا آغاز ہو گیا۔ تب اوپر پہاڑوں سے گھوڑے لیے ترسے لگے تھے۔ وہ بددقیق سپر مکی کئے ہوئے تھے لیکن سچے دانے جس حاس کو پہنچ گئے تھے اب اس سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ وہ وادی میں آ گئے ان کی تعداد بھی کافی تھی۔ نیچے آ کر وہ ہر پتھر کی آڑ میں دیکھنے لگے۔ اسے پاؤں کے ساتھ ہاتھوں میں صرف تیرہ افراد و عدد بچے تھے دو یہ بڑے تھے باقی سب لوگ ہڈاں ہو گئے تھے۔ کرن سنگھ ایک اتنے بڑے پتھر کے نیچے دبا ہوا تھا کہ اس پتھر کو جھٹ دینا بھی دو چار آدمیوں کے بس کی بات نہ تھی۔ اسے پال زندہ تھا دھاپے رام بھی نظر نہیں آیا تھا۔ زندہ انسانوں کو گھیر کر ایک جگہ جمع کر رہا تھا۔ وہ نہیں غور، نظروں سے دیکھ رہے تھے پھر ان میں سے ایک نے کہا۔

”تمہارا بھڑکون ہے؟“ کوئی جواب بھی نہ دے پایا تھا کہ دوسرے آدمی نے کہا۔ ”مہاراج ملہر سنگھ تھا کہ“ چار گھوڑے پہاڑ کے دامن میں نظر آئے تھے جو اسی طرف آ رہے تھے۔ سب بچے گئے۔

چلو نے آہستہ سے منگو سے کہا۔ ”آ گیا کبھت۔“

”مجھ سے کچھ مت کرو۔“ منگو جھلائے ہوئے لہجے میں بولا اور چلو خاموش ہو گیا۔ ملہر سنگھ نزدیک آ گیا تو پیسے وہ خاموشی سے چاروں طرف کا جائزہ لیتا رہا۔ اسے پال سنگھ کے سامنے وہ رکا مسکرایا اور آگے بڑھ گیا۔ پھر اچھی طرح چاروں طرف دیکھنے کے بعد وہ اپنے آدمیوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔

’چا کر سنگھ، ہائی کہاں گئے۔ جس آدمی کو خواہب کیا تھا اس کے حلق سے آواز نہ نکل سکی بہتہ دوسرے آدمی نے کہا۔“ وہ دوسرے ملے مہاراج۔“

”کیا؟“ ملہر سنگھ دھڑکا۔ اس کی نظریں بندھوں کی طرف اٹھ گئیں؛ سلاخوں میں گھوڑوں کی لاشیں پتھروں سے لگی ہوئی تھیں اس طرح انسانی جسم بھی پتھروں میں پھنسے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

”یہ کیسے ہوا؟“ ملہر سنگھ گرجا۔ ”چا کر سنگھ یہ کیسے ہوا؟“

”مجھ سے بھول ہو گئی تھی مہاراج۔“

”کیسی بھول؟“ جگہ بپ تو ہوتا یہ کیسے ہوا۔ ”ملہر دوسرے آدمی سے بولا۔

”میں نے فیصلہ کیا تھا مہاراج کہ مشعلیں نہ جلائی جائیں۔“

”چا کر سنگھ مہاراج نے کہا کہ اس طرح وہ لوگ ہاتھ پاؤں چھوڑ بیٹھیں گے۔ یہ مشعلیں دیکھ کر ان کے حوصلے پست ہو جائیں گے تو پھر ہم انہیں ہراساں کر سکیں گے۔ صبح، راتیں گے۔ مگر انہوں نے مشعلوں پر نشانے لگانے اور پہنچے ہوئے ہیں ہمارے یہ آدمی مارے گئے۔“

بلیر سنگھ اس شخص کی طرف دیکھے لگا جسے چا کر سنگھ کہہ کر پکارا گیا تھا۔ پھر اس نے دانت نکالتے ہوئے کہا۔ ”واہ بھئی چا کر سنگھ بڑا صبا جنتی چاب چلے تو نے بہت بڑا کما خر رہے بھائی تو۔ میں نے کچھ کہا تھا تجھ سے، میں نے کہا تھا کہ میرا جو منصوبہ ہے اس سے میرا ایک بھی آدمی تک زخمی نہ ہوگا کہ تھا میں نے۔“

”جی ٹھا کر کہا تھا۔“

”پھر مشعلیں کیوں جلی تھیں؟“

”میں نے سوچا تھا کہ اس طرح ان کے حوصلے پست ہو جائیں گے مگر انہوں نے حملہ کر دیا۔“ چا کر سنگھ نے جواب دیا لیکن بلیر سنگھ نے اس کی پوری بات بھی نہیں سنی، وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ اس کا رخ چکو سنگھ کی طرف تھا۔

”تم دونوں بھی ساتھ ہو ان کے۔ شریک ہو ان کی سازش میں تم بھی۔“

”ہمارا ان سے کیا واسطہ تھا، وہ پسے تھا کرتم نے ہمارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔“ سنگھ نے شکایتی لہجے میں کہا۔

”کیا مطلب؟“

”تم نے کہا تھا کہ تم غلام شاہ کے خلاف ہمیں استعفاں کر دو گے ہم نے غلوں دل سے تم سے تعاون کا فیصلہ کر لیا کیونکہ غلام شاہ کے لئے ہمارے دل میں بھی نفرت پیدا ہو گئی ہے۔ اس کے باوجود تم نے ہمیں اس قید خانے میں ڈال دیا جہاں ہمارے ساتھ عام قیدیوں جیسا سلوک کیا گیا۔ تمہارے سپاہی ہمیں شہو کروں سے مارتے تھے۔ ہم ان سے کہتے کہ ہم خدا کر کے آدمی ہیں تو وہ ہمارا مذاق اڑاتے اور کہتے کہ خدا کرنے اپنے مہمانوں کے لئے بہت اچھا مہمان خانہ بنایا ہے۔“

”کیا۔“ بلیر سنگھ دھڑ بھڑاتے ہوئے بولا۔ ”بہت بگڑے ہیں یہ لوگ ٹھیک کرنا پڑے گا نہیں تو تم مجھے بتاؤ یہ قیدی وہاں سے کیسے فرار ہوئے؟“

”تمہارے سپاہیوں نے ان کی مدد کی تھی انہوں نے ہمارے سامنے انہیں بند و قید لا کر دی تھیں پھر امت کو ہر کوٹھڑیوں کے تارے کھول دیئے۔ نہوٹا نے بھی اندر سے گولیاں چلائیں ہم اپنی کوٹھڑی میں چھپ گئے تو یہ لوگ ہمیں مار مار کر ہر نکال لائے اور اس کے بعد بروقتی یہاں تک لے آئے۔“

بلیر نگہ عادت کے مطابق کوئی جواب دیئے بغیر واپس چھٹ گیا پھر اس نے کہا۔ ”کما ٹھ را ب“ اور چاکر لاشیں تو اٹھوا لویا انہیں شمشان بھی نہیں ملے گا۔“ صاحب چاکر تنگ تھا۔

جی جی بہا راج۔“ چاکر تنگ ٹھکھکھائے ہوئے لیجے میں بولا اور کچھ لوگوں کو اشارہ کر کے پہاڑ کی طرف دوڑ پڑے۔ تقریباً پندرہ افراد پہاڑی پر چڑھ رہے تھے نیچے بلیر تنگ قیدیوں کی لاشیں دیکھ رہا تھا پھر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اودہ اسمہا راج، دھیرا راج کرن تنگ جی سور گہاش ہو گئے۔ بڑا موسیٰ ہوا خیر یہ تو ہونا ہی تھا۔ چلے ڈاکٹر صاحب راون تنگ جی آپ سے مل کر بہت خوش ہوں گے۔ اے چلو تم لوگوں کو پاندھ لو اور چاکر چندر تم انہیں پٹی گرائی میں لے کر سورج گڑھ آ جاؤ۔ میں قید خانے جا رہا ہوں تھا کر سے کھر دینا کچھ کام کر کے“ ڈس گا۔ سارے کام ہوشیاری سے کرنا۔ وہ پٹا اور پھر چاکر چندر سے بولا۔ ”ان دونوں کا خیال رکھنا اس کے ساتھ کوئی سختی نہ ہو مگر رکھنا گرائی میں۔“

”جی بہا راج۔“

”سو ناہت، تم اپنے آدمیوں کے ساتھ میرے ساتھ آ جاؤ۔“ ان لوگوں کو چاکر تنگ سنبھال سے گا۔ ”اٹھارہ آدمیوں کا ایک مردہ بلیر کے ساتھ چل پڑا تھا۔ قیدی کیونکہ انتہائی خستہ حال ہو گئے تھے دن کے پاس اب ہتھیار بھی نہ تھے رسی سے بہا آسانی نہیں کس یہ گیا اور چاکر تنگ اپنے مردہ ساتھیوں کو کٹھا کر رہا تھا۔ اس کے بدن میں تھر تھری دوڑ رہی تھی نہ چانے تھا کر بلیر تنگ نے اسے اس غلطی پر بندہ کیسے چھوڑ دیا تھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا پھر اس نے بلیر تنگ کو واپس جاتے ہوئے دیکھ اور گہری سانس لے کر وہ کھڑ ہو گیا۔

”یہ انہونی ہوئی ہے۔“ اس نے خود سے کہا اور گردن پر ہاتھ مارنے لگا جہاں کوئی ٹھنڈی چیز لٹ رہی تھی۔ دوسری اور تیسری بار جب اس ٹھنڈی چیز نے چھوا تو اس نے اسے پکڑ لیا اور پھر اس کے حلق سے ڈری ڈری آوار نکل گئی۔ یہ ایک راتقل کی نال تھی اور راتقل ایک آدمی کے ہاتھ میں تھی جو قیدیوں کی طرح خستہ حال نہیں نظر آ رہا تھا جو بھی اس نے منہ کھولا راتقل کی نال اس کے کھلے ہوئے منہ سے چانگی۔

”آواز نہیں دوست۔ آواز نہیں۔ کوئی آواز نکلے گی تمہارے منہ سے تو وہ جو میں کہوں گا۔“ چاکر تنگ کو پکارتے ہوئے اس کے ساتھ پہاڑ پر آنے والے بھی دور دور تھے اور وہ لاشیں تلاش کرتا ہوا ان سے دور نکل آیا تھا۔ ”راتقل ہٹا لوں گرو، غ درست ہو گیا ہو تو۔“

”ہاں، ہاں۔“ چاکر تنگ پر بروقت آ پڑ تھا۔

”نیچے جن لوگوں کو پاندھا جا رہا ہے میں ان کی آزادی چاہتا ہوں۔“

”میں، میں یہ کام کیسے کر سکتا ہوں؟“ چاکر سنگھ نے کہا۔

”یہ تو تم ہی سمجھ سکتے ہو۔ وہ لوگ تو سب دشمن ہیں ان کے ساتھ اور برا سلوک نہیں ہونا چاہئے۔“

”مگر یہ نہیں ہو سکتا میرا بس نہیں ہے ان پر۔“ چاکر سنگھ کھکھکھاتے ہوئے لہجے میں بولا۔ وہ خوفزدہ نظروں سے اس سرخ و سفید نوجوان کو دیکھ رہا تھا جو
نبھانے کون تھا۔

”کیا نام ہے تمہارا؟“ نوجوان نے پوچھا۔

”چاکر سنگھ۔“

”بیٹا چاہے ہو یا مرنے کے خواہش مند ہو۔“

”بیٹا چاہتا ہوں مہاراج۔“

”تو راتوں کی آزادی ضروری ہے دیکھو یہ راتفل ہے درتہارے ہی ایک ساتھی کی بھری ہوئی ہے اور حریہ کا توں بھی میرے پاس ہیں یہ جتنے
لوگ یہاں دافیں جمع کر رہے ہیں انہیں ساتھ لے کر نیچے جاؤ اور ان سے کہو کہ وہ جتھیا رہیں رکھ دیں اور تمہارے ساتھ جلیں انہیں یہاں سے دور
لے جاؤ۔ کافی دور اور اس وقت تک ادھر کا رخ نہ کرو جب تک تمہیں یہ احساس نہ رہے کہ اس راتفل کی گولی تمہاری کمر کو چھو سکتی ہے۔ اگر تم نے کوئی
گڑبڑ کی چاکر سنگھ تو یہ یاد رکھو کہ میں نے زندگی میں ایک بھی نشانہ نہیں لگایا۔ تم ضرور مر جاؤ گے بعد میں جو ہو گا دیکھ جائے گا۔“

چاکر سنگھ کے ہوش اڑے ہوئے تھے موت نے ایسا ہتھیار گھیر لیا تھا کہ چھوڑنے کا نام ہی نہ لے رہی تھی۔ ٹھہر کر ہلیر کے بارے میں وہ اچھی طرح جانتا تھا
کہ کتنا کیسہ پرور اور ظالم انسان ہے۔ رات کو اس سے غلطی ہو گئی تھی جس کے نتیجے میں بہت سے لوگ مارے گئے تھے۔ ہلیر نے ضرور کسی مصیبت کے
تحت اسے چھوڑ دیا تھا ورنہ یہیں اس کا انجام ہو جانا مگر یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ بعد میں کیا ہوا، اور اب یہ۔

”چاکر سنگھ۔“ نوجوان کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

”جی، جی مہاراج۔“ وہ بڑبڑا۔

”وقت نہیں ہے میرے پاس گر تم یہ نہ کرنا چاہو تو پھر میں کچھ اور سوچوں۔“

”بس ایک سوال کرنا ہے آپ سے مہاراج۔“

”ہوں؟“

”کیا آپ قیدیوں کے ساتھی ہیں۔“

”ہاں کبھی سمجھو۔“

”مہاراج جو کچھ سب تک ہوا وہ مجبوری تھی۔ راؤن سنگھ کے راج میں وہی جی سکتا ہے جو ان کا غلام ہو۔ یہ غلامی مجبوری کی تھی۔ مہاراج چا کر سنگھ کو یاد رکھیں اور زندگی مل گئی تو آپ کے ساتھ آئیں گے۔ اب میں نے راؤن سنگھ کا ساتھ نہیں دوں گا مہاراج کبھی نہیں دوں گا چاہے کچھ بھی ہو جائے۔“

”چال چل رہے ہو چا کر سنگھ۔“ (نوجوان مسکرا کر بولا۔)

”جو کچھ بھی کر رہا ہوں بد وقت تو آپ کے ہاتھ میں ہے۔ غلط کروں تو نشانہ لگا دیں مجھ پر۔“ چا کر سنگھ نے کہا اور پھر وہیں پلٹ پڑا۔ تھوڑا سا نیچے آ کر اس نے زور سے آواز نکالی۔ ”ارے چھوڑ داس کام کو جلدی کرو، وہاں کان کھائی میں تھا کر دشمنوں میں گھر گئے ہیں بری ہو رہی ہے ان کے ساتھ، دوڑ دوڑ کر دوڑ دوڑے۔“ وہ خود تیزی سے نیچے بھاگنے لگا اس کی آواز پر نیچے والے بھی متوجہ ہو گئے۔ جو پہاڑ پر تھے وہ بدحواس ہو کر اس کے پیچھے دوڑ ہی پڑے تھے۔

”مزد کچھ رہے ہو سرور، وہاں کالی کھائی میں تھا کر ملیر دشمنوں میں گھر گئے ہیں میں نے اوپر سے دیکھا ہے جلدی کرو، ان کی مدد کرو ورنہ مارے جاویں گے۔“ چا کر سنگھ ایسے لہجے میں کہہ رہا تھا کہ وہ سب بھی بدحواس ہو گئے اور سوچے سمجھے نیچے دوڑ پڑے۔ بعض تو گھوڑوں پر بھی سوار تھے ہوئے تھے خود چا کر سنگھ اس میں موجود تھا وہ ہاتھ بندھا کر چل رہا تھا۔ ”جلدی، جلدی۔“ اور وہ سب دوڑتے جا رہے تھے۔

وہرے چودھویں ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور گہری نظروں سے چا کر سنگھ کو دیکھ رہا تھا سارے سپاہی بھاگ گئے تھے جب وہ دور نکل گئے تو چا کر سنگھ قیدیوں کی بدشیں کھونٹے لگا۔ دو قیدیوں کے ہاتھ کھول کر اس نے کہا۔ ”جلدی جلدی دوسروں کے ہاتھ کھول دو اس سے پہلے کہ وہ واپس آ جائیں۔“ اچھے پاں حیران رہ گیا تھا لیکن اس نے اس عمل میں دیر نہ کی اور گرفتار شدگان کو کھول کر چا کر سنگھ نے پیچ کر کہا۔

”اب کیا کروں بھئی۔“ جواب میں رائفل بردار نوجوان چنان کے عقب سے نکل آیا اس نے پیچ کر ہی جواب دیا۔

”تم سب اوپر آ جاؤ وہ لوگ وہیں آ گئے تو پتا مشکل ہو گا۔“ سب نے حیران نظروں سے اس نئی شکل کو دیکھا تھا۔ ”اچھے پاں نے ایک نگاہ سب پر ڈالی پھر اس نے بھاری سچے میں کہا۔

”چلو ساتھیو، ہم کرن سنگھ اور پنڈت جی کے ساتھ مریچکے ہیں مگر دوسروں کو بچانے کے لئے ہر وہم چارہ موقع مل رہا ہے تو یہ جدوجہد جاری رکھنا چاہئے۔“ اس نے ایک نگاہ لاشوں پر ڈالی اور پھر پہاڑ کی چٹان کی چٹان سے لگا۔ سب لوگوں نے اس کا ساتھ دیا تھا لیکن کوئی بھی نہ سمجھ پایا تھا کہ یہ سب

کیا ہوا ہے اور اوپر موجود شخص کون ہے جب وہ اوپر پہنچے تو چاکر سنگھ بولا۔

”نہ لوگوں کو پتا چاہتے تھے ناتھ، میں نے وہ کر دیا ہے اس کے بعد حالات سمجھنا تھا ہمارا کام ہے۔“
”تمہارا کیا ہوگا چاکر سنگھ؟“

”میں تمہارے ساتھ ہوں مجھ پر بھروسہ کرنا ہمارا ہی نہ کروں گا۔ مجھے یہ آسانی ہے کہ میرے پیڑھار میں کوئی سورج گڑھ میں موجود نہیں ہے سب پیش گڑھ میں رہتے ہیں اب دو جانیں اور بھگوان جانے۔ میں اس ظالم کا ساتھی نہیں ہوں گا۔“
”تم کون ہو دوست۔“ اچھے پال نے پوچھا۔

”تعارف بعد میں کر لیں گے پہلے یہاں سے نکل چلو۔ پیڑھوں میں مرنے والوں کی بددقیں آپے قہقہے میں سے ویسے ہمارے کام آئیں گی اور اس کے بعد بچنے کے راستوں کا انتخاب بھی تم ہی کر دو میں ان علاقوں سے ناواقف ہوں۔“
”اچھے پال کے اشارے پر بددقیں جمع کی گئیں اور پھر وہ لوگ تیز رفتاری سے پہاڑی پر دوسری طرف چل پڑے چاکر سنگھ نو جوان کے ساتھ تھا۔ اس نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

”یہ لوگ تمہیں نہیں جانتے۔“
”جیس۔“

”پھر تم نے ان کی عدد کیوں کی۔“

”میں پاگل خانے سے ہر گاہ ہوں۔“

”کیا مطلب؟“

”مطلب یہ کہ میں پاگل ہوں۔“ نو جوان نے جواب دیا اور چاکر سنگھ خاموش ہو گیا۔ کافی طویل فاصلے کے وہ پہاڑ کی دوسری طرف ڈھلوان پر پہنچ گئے جہاں جنگل بکھرے ہوئے تھے گودرخت زیادہ شاداب نہیں تھے اور ان پر خزاں چھائی ہوئی تھی اب اس قدر وہ قریب قریب تھے کہ ان کا تحفظ کر سکتے تھے۔ اعلان پر بھی وہ نہر کے اور آگے بڑھتے رہے۔ کچھ دیر کے بعد نو جوان نے چاکر سنگھ سے کہا۔

”کیا وہ مار چھپا کریں گے چاکر سنگھ۔“ چاکر سنگھ سوچ میں ڈوب گیا پھر بولا۔

”بھید کرنا مشکل ہے مہاراج۔ اگر ان میں کوئی زیادہ ہی عقل مند ہو تو یہ حرکت کرے گا ورنہ اس کے بعد جانے پھرنا ہوگا۔“

”کیا ہوگا؟“

”جس کا جدھر منہ اٹھے گا بھگ جائے گا ورنہ ہمیں ایک کو بھی زخم نہ چھوڑے گا۔“

چٹو نے منگو سے کہا۔ ”یہ کون ہو سکتا ہے۔“

”کیا پتہ؟“

”نہ جانے کیوں یہ مقامی باشندہ معلوم نہیں ہوتا مگر اس نے چال کیا مہلی یہ سمجھ میں نہیں آتی۔“ منگو نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس پر پھر ہڑدی غاری ہو گئی تھی۔ اچے پال کا چہرہ بچا ہو تھا کم از کم چٹو اور منگو یہ جانتے تھے کہ وہ کن کیفیات کا شکار ہوگا۔ کرن منگو کی زندگی بچاے کے لئے وہ کس قدر محنت کر رہا تھا اور کرن منگو کو وہ زخم نہ بچا سکا تھا۔ اس کے علاوہ پنڈت دھابے رام بھی مارے جا چکے تھے۔ بھرجاں یہ سفر دوپہر کے بعد تک جاری رہا۔ وہ پکا زہر سے نیچے تر چکے تھے اور در تک پھیلے ہوئے جنگلوں میں چل رہے تھے۔ یہ اندازہ تو ہو چکا تھا کہ قہر قہ کرنے کی کوشش نہیں کی گئی ہے پھر سفر کرے والے گنا شروع ہو گئے ان کی جسمانی قوتیں اس سے زیادہ مانتھ نہ دے پائی تھیں۔ اچے پال نے کہا۔

”یہ لوگ اور آگے بڑھے تو مرنا شروع ہو جائیں گے۔“

”درختوں کے چھنڈ محفوظ ہیں یہاں قیام کیا جاسکتا ہے۔“ نوجوان بولا اور ان لوگوں نے وہیں پڑاؤ ڈال دیا۔ بے ترتیب درختوں میں ناریل اور کھجور کے درختوں کی بیہات بھی نظر آ رہی تھی۔ خوراک کے لئے جو کچھ ساتھ لایا گیا تھا وہ وہیں رہ گیا تھا چنانچہ اس سلسلے میں چٹو اور منگو نے اپنی خدمات پیش کر دیں۔ پہاڑی درختوں پر وہ چھپیلیوں کی طرح چڑھتے چلے گئے اور ان میں سے کئی کھجوروں کے پچھے اور ناریل توڑ کر پھینکے گئے اور اسی وقت شاید اس نوجوان نے ان پر غور کیا تھا اس وقت اگر یہ دونوں یہ حیرت انگیز مظاہرہ نہ کرتے تو یہ قدرتی خوراک حاصل ہونا مشکل تھی۔ انہوں نے اس قدرتی غذا کے اجار لگا دیئے۔ نیچے اچے پال اور دوسرے کچھ باہت لوگوں نے ناریل وغیرہ تقسیم کرنا شروع کر دیئے۔ وہ سب جانوروں کی طرح شکم سیری کرنے لگے۔ کافی خوراک جمع ہو گئی تو وہ دونوں بھی نیچے تر آئے۔ نوجوان کسی قدر حیرت بھری نظروں سے انہیں دیکھ رہا تھا پھر وہ بھی کھجوریں چباتا ہوا ان کے پاس آ گیا۔

”تم دونوں، چٹو اور منگو تو نہیں ہو۔“

”بالکل ہیں مگر تم کون ہو۔“ چٹو نے پوچھا۔

”تم غلام شاہ کے سرکس میں کام کرتے تھے۔“ نوجوان نے کہا اور اس سوال پر یہ دونوں حیران رہ گئے۔ منگو نے پوچھا۔

”تم قلام شاہ کو کیسے جانتے ہو۔“

”پہلے تم میری بات کا جواب دو۔“

”ہاں ہم اسی سرکس میں کام کرتے تھے۔“

”میں نے تمہیں اسی سرکس میں دیکھا تھا۔ تم سونیہ کے ساتھ اس کے، کلم کرتے تھے۔“ فوجوان بولا اور چلو منکو عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گئے پہلے وہ سمجھے تھے کہ یہ فرض ممکن ہے جگت سنگھ کا آدمی ہو مگر سونیہ کا نام نے کراس نے نہیں بجا دیا تھا۔

”مگر تم کون ہو دوست ہمیں اپنے بارے میں نہ بتاؤ گے۔“ منکو نے پوچھا۔

”میرا نام شارق ہے۔“ فوجوان نے جواب دیا۔



یوں بھی بیواؤں کا فائدہ زیادہ نہیں رہ گیا تھا اور پھر قلام شاہ اس سڑ سے اٹکا گیا تھا اس لئے سڑ غیر معمولی تیز رفتاری سے کیا جا رہا تھا چنانچہ وہ بیواؤں پہنچ گئے، کچھ تو ٹھیک کے راستے بے مثال صحن کے مالک تھے، در قیام کی ہر جگہ ایسی تھی جہاں زیادہ سے زیادہ قیام کرنے کوئی چاہے لیکن کچھ ایسے واقعات پیش آ چکے تھے جس سے مختلف لوگ مختلف اجنبیوں کا شکار ہو گئے تھے۔

پھر بھلا صاحب نے چند لوگوں کا استقبال کیا۔ یہ ان کے پونٹ، شمارج، جو سن اور پیئر تھے جن کے ساتھ اور لوگ بھی تھے۔ بھلا صاحب نے ان کا بڑھ کر استقبال کیا۔ پیئر نے کہا کہ وہ لوگ دن رات ان کا انتظار کر رہے تھے اور انہوں نے دور سے انہیں دیکھ لیا تھا۔

”تم لوگ ٹھیک ہو۔“ بھلا صاحب نے پوچھا۔

”خاک ٹھیک ہیں بھلا صاحب۔ ایسی ٹوٹا ک جگہ بھیج دیا ہے آپ نے جہاں زندگی بچانا مشکل ہو گیا۔ بیواؤں پار سے مسلح لوگ آتے جاتے رہتے ہیں بحریوں کی طرح ہماری گہرائی ہوتی ہے۔“

”اوہ نہیں جو سن، یہاں کے حالات ہی ایسے ہیں میں نے تمہیں بتایا تھا اس بارے میں کسی نے تمہیں کوئی نقصان تو نہیں پہنچایا۔“

”ہاں کچھ کہا تو نہیں کسی نے، لیکن مگر اتنی بہت سخت ہے حالانکہ ہم نے آپ کا نام بھی سے دیا تھا۔“

”خیر کوئی بات نہیں، میں آ گیا ہوں، ہاں شرمندہ کا کیا حال ہے۔“

”میڈم بالکل ٹھیک ہیں بس آپ کو یاد کر کے روتی ہیں۔ مگر یہ سب کیا ہے۔“

”سرکس۔“

”آپ نے تیار کیا ہے۔ یہ تو پروگرام میں نہیں تھا۔“ جوئسن بولا۔

”نہیں ہمارا اس کا راستہ میں ساتھ ہو گیا ہے۔ تمہارے خیسے کہاں ہیں۔“

”اس چٹائی سلیس کے دوسری طرف۔“ جوئسن نے جواب دیا اور بھلا صاحب غلام شاہ کے پاس آگئے۔

”شاہ صاحب! یہ میرے پونٹ کے لوگ ہیں اگر آپ پسند کریں تو تھوڑا سا قافلہ اور بٹے کر لیا جائے۔“

”جھور بھائی بھلے۔“ غلام شاہ نے کہا اور پھر یہ لوگ وہاں پہنچ گئے جہاں پونٹ کے لوگ خیمہ زن تھے۔ سرکس کی گاڑیاں اپنے لئے مناسب جگہ تلاش کرنے لگیں۔ پھر سب لوگوں نے ایک خیمے سے گوشت کے ایک ٹودے کو لڑھکتے ہوئے دیکھا جس سے کچھ آوازیں نکل رہی تھیں۔ بھلا صاحب خود بھی اپنی جیب سے پیچھے کود پڑے تھے حالانکہ وہ مناسب جسامت کے، بالک اور پردہ شخصیت رکھتے تھے لیکن اس گوشت زادی کی اسوں نے بھی بڑے واہانہ انداز میں پنہ پڑی کی تھی اور اس کے ہونا کد جو دھیں گم ہو گئے تھے۔

”یہ ہتھی زادی کون ہے؟“ ایڈرنے سادولی سے کہا۔

”کیا پتہ مجھے۔ مگر کمال ہے اسے تو ہمارے سرکس میں ہونا چاہئے تھا۔“ کچھ دیر کے بعد بھلا صاحب اس گوشت کے ٹودے سے دور ہوئے اور اسے سمجھا بھلا کر وہاں خیمے میں بھیج دیا۔ وہ اپنے ساتھ آئے ہوئے لوگوں کو ہات دے رہے تھے۔ دوسری طرف تیز و تندہی کے بہاؤ کا چارہ لیا جا رہا تھا۔ بھلا صاحب غلام شاہ کے پاس پہنچ گئے۔

”یہاں ہاتھ بندہ قیام نہیں کیا جائے گا شہ صاحب، بس عارضی قیام کریں اس کے بعد ہم بڑی عبور کر لیں گے۔“

”بیوت مسئلہ لگے ہے رہے بھائی بھلے۔ بڑی ناؤ کی جلدورت ہوگی۔ اسی سرمدی ماں تو ہتھی کو بھی ناؤ لا چا سکتا۔“

”سب انتظام ہو جانے کا آپ فکر نہ کریں۔“

”ہاں رہے بھائی تو کاہی انجام کرنا ہوئی گا۔“

”میں نے کہا نا آپ بالکل فکر نہ کریں۔“ بھلا صاحب نے کہا۔ انہیں زیادہ انتظار بھی نہ کرنا پڑا۔ ایک لمبے کے عقب سے آٹھ گھوڑے سوار نکل کر ان کی طرف بڑھ رہے تھے۔ وہ گھوڑے دوڑتے ہوئے ان کے پاس آگئے۔ بھلا صاحب کچھ آگے بڑھ آئے تھے۔ ان میں سے ایک نے تمام گاڑیوں وغیرہ کو دیکھا اور پھر بولا۔

”یہ فوج کہاں سے آئی ہے۔“

”کیا تم لوگ غبارِ جہالتِ سنگھ کے آدمی ہو؟“

”ہاں!“ اس شخص نے کہا۔

”بھٹ جہاز، بھٹ سنگھ جی کو بتاؤ کہ اس کا دوست بھلا آیا ہے، دوران سے ملنا چاہتا ہے۔“

”غبار صاحب آپ کو جانتے ہیں۔“

”جی طرح۔“ بھلا صاحب نے کہا اور وہ لوگ واپس چلے گئے۔ سورج ڈھل رہا تھا مگر دن ابھی کافی باقی تھا۔ بھلا صاحب جانتے تھے کہ فوراً ہی دوسری طرف جانے کا بندوبست نہیں ہو سکے گا اس لئے انہوں نے عارضی نظام کرنا شروع کر دیا تھا۔ ادھر غلام شاہ کے ساتھی بھی جی مورچہ بندی کر رہے تھے۔ کبیر شاہ نے کہا۔

”شیخا! اس ندی پر کوئی بل نہیں ہے۔“

”ایسا ہی نا گھر ہے بھائی۔ بڑی لمبی ہے بہاؤں۔“

”بڑی سے بڑی کشتی میں بھی ہمارے یہ ورنی ٹرک تو ندی عبور نہیں کر سکتے۔“

”سے ہی ہم سوچتے رہیں۔“

”ٹرک اس طرف لے جانا تو ضروری ہوگا۔ یہاں نہیں طویل عرصے کے لئے نہیں چھوڑا جاسکتا ہمیں واپس بھی جانا ہے۔“

”دیکھو بیٹا! کاکا ہوتے ہیں اور بچہ ہمارا کاکا ہوتا ہے۔ بھائی نا چائیں گے ادھر تو واپس چلے جائیے۔ ہمارے کونے بالکل بالکل ہیں بھوک سے میری بونٹی گئی۔“ غلام شاہ نے جواب دیا۔ سب لوگ مختلف مشغولات میں مصروف ہو گئے تھے۔ شام کے لئے چائے تیار ہو رہی تھی۔ کنور جیت اس واقعے کے بعد محتاط ہو گیا مگر اس کے دل میں شعلے اٹھ رہے تھے۔ وہ سب سے ملتا تھا سوچا ہے بھی اس نے کئی بار بات کی تھی مگر بڑی تہذیب سے۔ وہ اسے سوچا جی کہہ کر آوارہ دیتا تھا لیکن ضدی فطرت کا، لگتا تھا اور اس نے غلے کر لیا تھا کہ اگر سوچا کو اپنے جوتے چاٹنے پر مجبور نہ کر دیا تو بیچنا بیکار ہے۔ آخر وہ سمجھتی کیا ہے خود کو دوسری طرف راجک ری جی ہا قاعدہ شارل کا سوگ منا رہی تھیں اور بھلا صاحب کھری لگا ہوں سے ان کا چائزہ لے رہے تھے۔ وہ فطرتاً بھرا سنا تھے لیکن کاروباری زندگی میں ہر طرح کے لوگوں کا ساتھ رہتا ہے کنور جیت کے بارے میں بھی جانتے تھے کہ بدکار آدمی ہے۔ راجک ری جی ہم شریف عورت نہیں تھی ان لوگوں کے نت نئے کھیل ہی اس کی شہرت کا باعث بنے ہیں اور یہ ایسے کھیلوں کے حامی ہوئے

ہیں۔ بھرط وہ ان کی اس بڑی پرد کشن کے بڑے فنکار تھے اور وہ ان سے تھوڑا بہت تعاون بھی کر جیتے تھے۔

کنور جیت نے کہا۔ ”بھلا صاحب، یہ سرکس ہم پر بوجھ نہیں بن جائے گا۔“
”کس طرح؟“

”ان لوگوں کے بے شمار مسائل ہوں گے۔ ہم اپنا کام کریں گے یا ان کے مسائل میں الجھیں گے سرکس کے کچھ شارٹ لے لئے ہیں آپ نے انہیں سے کام چلائے۔“

”کیا بات ہے کنور، کوئی بات ہو گئی کیا۔“ بھلا صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”بات کیا ہوتی ہے اوقات لوگ ہیں ایک جاہل قبیلے کے، فراورہ کی سوچ سے آگے نہیں ہے آپ تو جانتے ہیں بھلا صاحب پہلے سڑکوں پر ہارنگری دکھاتے تھے اب یہ پتھو بنائے ہیں۔“

”اوہو، بہت بگڑ گئے ہو بات کیا ہے۔“

”وہ ریسوں پر پھرد کئے دان چوبیا خود کو بہت پردقار خاقان سمجھتی ہے۔ بھلا صاحب ہزاروں صمین لڑکیاں کنور جیت کی تصویر کو دیکھ کر ٹھنڈی آہیں بھرتی ہیں۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔“

”جنس، بے شک تم لڑکیوں کے ہندیہ دھرو ہو۔“

”تھائیے یہ بات اس غلام زادی کو، اس سے کہئے اسے کوئی نہیں جانتا اس نے اپنی نظریہ پر سیای لگا ہے۔“

”کچھ کہا اس نے۔“

”چھوڑ بیٹے بھلا صاحب، ہاں میرا خیال ہے اب اس لوگوں کا ٹھکڑا چھوڑ بیٹے بلا وجہ الجھنیں بڑھیں گی۔“

”دکھو لڑکیوں میں سے اگر ایک لڑکی تمہاری طرف راغب نہیں ہوتی تو تم اسے اس قدر اہمیت کیوں دے رہے ہو۔“

”میں یہ برداشت نہیں کر سکتا بھلا صاحب۔ یہ میری تو ہیں ہے۔“

”وہ فلمی دنیا کے معیار سے ناواقف ہوگ ہیں کنور، انہیں نظر انداز کر دو تم ایک معیاری انسان ہو۔“

”پھر بھی بھلا صاحب اب ان سے کنارہ کشی بہتر ہے۔“

”یہ ناممکن ہے نامناسب۔“ بھلا صاحب نے کہا۔

”کیا مطلب۔“ کنور نے سر لمبے میں کہا۔

”غلام شاہ بہت اچھا نسان ہے میں نے اس سے کچھ وعدے کئے ہیں جنہیں پورا کرنا میرا فرض ہے۔ اس کے علاوہ ہم جس علاقے میں ہیں وہ ہے حد خطرناک ہے۔ ان لوگوں سے تو مجھے بہت ڈھارس ہوئی ہے یوں سمجھو ایک طرح سے یہ ہمارے سنے بہت ضروری ہیں۔“

”میں؟ کے سامنے مصلحتوں کو نہیں گردانتا بھلا صاحب۔“

”مصلحت اور اقدار پسندی میں فرق ہوتا ہے کنور۔“

”آپ میری یہ بات نہ مان کر مجھے کھو دیں گے بھلا صاحب۔“ کنور نے کہا۔

”بھلا سے کہہ رہے ہو یہ بات۔ ہمارا پرانا ساتھ ہے کنور، تم میری گڈ بک میں ہو، میں نے دوسروں سے بھی نقصانات اٹھائے ہیں اور انہیں برداشت کیا ہے میں نقصان اٹھانا جانتا ہوں کنور۔ مجھ سے یہ بچہ نہ اختیار کرو۔“ یہ مسئلہ گفتگو کچھ آوازوں کی وجہ سے منقطع ہو گیا۔ لوگ ایک طرف دیکھ رہے تھے۔ ساتھ ستر افراد کا ایک گروہ گھوڑوں پر سوار اسی طرف آ رہا تھا۔ بھلا دہاں سے ہٹ کر غلام شاہ کے پاس آ گیا آئے والے ان کے نزدیک پہنچ گئے تھے۔

”میں بھلا صاحب سے ملنا چاہتا ہوں اور مجھے ٹھہ کر جگت ٹکھ نے بھیجا ہے۔“

”میرا نام بھلا ہے۔“ بھلا صاحب نے آگے بڑھ کر کہا اور وہ شخص گھوڑے سے نیچے اتر گیا۔ اس کے ساتھ تمام گھوڑے سواروں نے گھوڑوں کی پشت چھوڑ دی۔ نیچے اترنے والے نے پر جوش انداز میں بھلا صاحب سے ہاتھ دیا پھر بولا۔

”کیا یہ سرکس غلام شاہ کا ہے۔“

”ہاں یہ غلام شاہ صاحب ہیں۔“ اس شخص نے نہایت احترام سے غلام شاہ سے بھی ہاتھ ملایا اور بولا۔

”میرا نام پونم ٹکھ ہے شاہ صاحب اور میں آپ سے بے حد عقیدت رکھتا ہوں۔“

”تم ہرکا لا جا تو پیر۔“ غلام شاہ معصومیت سے بولا۔

”بہت اچھی طرح جانتا ہوں غلام شاہ صاحب۔ اس کی تفصیل آپ کو بعد میں بتا دی جائے گی۔ ٹھہ کر جگت ٹکھ نے آپ لوگوں کو خوش آمدید کہا ہے اور درخواست کی ہے کہ آپ فوراً ان سے مل لیں۔ باقی لوگوں کو دریا پار لانے کے لئے آپ کے مشورے درکار ہوں گے۔ رات کو آپ ٹھہ کر

صاحب کے پاس مہمان رہیں گے صبح سے ہم باقی لوگوں کو دریا پار لے کے انتظامات کریں گے۔“

”ٹھا کر ہم سے ملنا چاہتے ہیں۔“

”وہ آپ کی آمد کے بارے میں سنتے ہیں آپ سے ملاقات کے لئے بے چین ہو گئے ہیں اور فوری انتظامات کے بعد ایک کشتی آپ کو یہے چل پڑی ہے۔“
”کہاں ہے کشتی۔“

”گھاٹ پر آنے والی ہے۔“

”ٹھیک ہے پونم جی ہمارے ساتھ کچھ دروگ ہوں تو کوئی حرج ہے۔“
”پائل نہیں۔“

”تو آپ گھاٹ پر ہمارا انتظار کریں ہم کچھ ننگائی سوچ رہے ہیں۔“

”بہت بہتر۔“ پونم نگہ نے کہا اور پھر وہ گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ دریا کی طرف چل پڑا۔ بھلا صاحب نے سگراتے ہوئے کہا۔
”بچے غلام شاہ صاحب آپ کی شہرت آپ سے پہلے یہاں پہنچ گئی جلت نگہ جی آپ سے ملنے کے لئے بے چین ہیں اب تو آپ کے بارے میں میرے لئے کچھ کہنے کی سنجائش ہی نہیں رہ گئی۔“
”خیرانی رہے ہکا بھٹی بھلے۔“ غلام شاہ نے کہا۔

”آپ انتظامات کر لیں، کسی اور کو ساتھ بیٹھا چاہیں تو بے لیں۔ میں بھی کچھ دیر کے لئے اجارت چاہتا ہوں۔“

”چرو چرو۔“ غلام شاہ نے کہا اور وہیل چیمبر دھکیلتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ بھلا اس خیمے میں پہنچا جہاں میڈم شرمیلا موجود تھیں۔ بھلا کو دیکھ کر انہوں نے منہ تپا دیا اور رخ تبدیل کر لیا۔

”شیرنی۔“ بھلا بچہ رنچرے بچے میں بولا۔

”مت بولو مجھ سے۔“ شرمیلا جی نے لچکے کی کوشش کی اور دھمک کر رو گئیں۔ بھلا آگے بڑھ کر بولا۔ ”ناراض ہو۔“

”نہیں بہت خوش ہوں۔ کتنے دن لگا دینے تم نے۔ کتنا انتظار کرنا پڑا ہے مجھے اور اب آئے ہو تو بھاگے بھاگے پھر رہے ہو۔“

”سب کچھ تمہارے لئے ہی تو کر رہا ہوں شیرنی، سوچنا ہوں تھی دوست کمالوں کہ پھر دوست کی کمی نہ رہے تمہارے لئے سوئٹزر لینڈ میں ایک خوبصورت مکان بناؤں۔ ہمارے چاروں طرف برف پوش پہاڑ ہوں جن کے دامن میں سبزہ اور برف کی سفیدی بکھری ہو، رتھیں بھول کھینے ہوں اور تم رتھیں لہاس میں ان پھولوں کے درمیان تھلی کی طرح اڑتی پھرو۔ یہی سب کچھ تو ہے میرے دل میں۔“ بھلا کے لفظ کے ساتھ ساتھ شرمیلا کے بدن میں

تھر تھراہٹ پیدا ہوتی جا رہی تھی۔ وہ غصے کے یکہ بالٹس سے لگی ہوئی تھی اس لئے پورے غصے پر رڑے کی کیفیت طاری تھی۔ اس کی آنکھیں لٹکی ہوئی جا رہی تھیں اور ن میں غو، ہناک کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

”دور پھر تم دور کھڑے ہو کر مجھے ”وازو دے رہے ہو۔“

”آواز دے کہاں ہے۔“ بھلانے لگا اٹکایا۔

”وہی وہی۔“ شرمیلانے پر مسرت ایسی جیتے ہوئے کہا۔

”مگر تم ناراض ہو جاتی ہو۔ مجھ سے تن و ن نہیں کرتیں۔“

”ایسے ہی تم یاد آتے ہو۔“

”تو تمہاری اجازت سے میں اپنا کام جاری رکھوں۔“

”ہاں!“

”میں جانتا ہوں تم بہت چچی ہو۔“ بھلانے کہا اور شیریں ہے، اختیار ہو گئی انوکھے کردار تھے ناقابلِ فہم۔ بھلا جیسا شخص عجیبہ، دور برد بار شخص نہ جانے یہ کیل کیوں بچائے ہوئے تھے۔ بہر حال کچھ دیوہاں رُک کر وہ باہر آ گیا اور کنوڑ جیت کو تلاش کرنے لگا۔ کنوڑا سے مل گیا تھا۔ بھلاے اے عکسٹ سٹکھ کی دعوت کے بارے میں بتایا اور کہا۔

”بس تمہیں میرے ساتھ چلنا ہے۔“

”صرف مجھے۔“

”تم جانتے ہو کنوڑ۔ میں تمہارا دوست بھی ہوں۔“

”ہاں ہاں کیوں نہیں۔“

”اپنا کوئی عمدہ لباس پہن لو اور تیرا ہوا چادر یا وہ وقت نہیں ہے ہمارے پاس گھاٹ پر کشتی انتظار کر رہی ہے۔“

غلام شاد نے اپنے ساتھ صرف ایڈز کو لیا اور اکبر شاہ کو اس نے یہاں کے موڑ کے لئے چھوڑ دیا تھا یہ ضروری تھا۔

بیادلی گھاٹ پر ایک شاندار کشتی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ بھلا کنوڑ غلام شاہ ورا یا ر کشتی پر سوار ہو گئے اور پھر کشتی دوسری طرف چل پڑی۔ بیادلی کے دوسرے کنارے پر ایک جیتی گاڑی ان کے استقبال کے لئے موجود تھی جس نے انہیں عکسٹ سٹکھ کی حویلی پہنچا دیا۔ محل نما حویلی میں صدر دروازے پر

ٹھا کرنے ان کا استقبال کیا تھا۔ وہ آگے بڑھ کر بھلا سے نکلے ملا تھا اور پھر اس نے نہایت گرجوٹی سے غلام شاہ کو بھی گلے لگایا تھا۔
 ”مجھے امید نہ تھی کہ شیخا سے میرا ملاقات اس طرح ہو جائے گی۔“ ہلکتے ٹنگھ نے کہا اور غلام شاہ ہنس پڑا۔
 ”رے بھائی خدا کرنے ہمیں پاگل کر گئی ہے۔“ غلام شاہ نے کہا۔
 ”کیوں شیخا۔“

”تمہارا دی کہتہ رہے کہ امی سرکس گھم سا کارہے تو ہم جہاں ہوئی گئے کہ امی ہکا کیسے جانت رہے۔ اب تو ہمیں سیکھا کہ امی پکاری ہے امی گلت
 ہوا اچھے تے تو ہمارا سر ہارے کھینے کو جانت ہے۔“
 ”آپ جیسے عظیم لوگوں کو نہ جانتا بد قسمتی ہوتی ہے غلام شاہ صاحب۔“
 ”رے بھائی بھلے۔ اب ہم گھم بھی ہوئی گئے۔ واہ رے بھائی خدا کر۔ تیرا سر یہ تے ہمیں تی عجبت دئی رے۔ بات امی رہے ہر عجبت دار امی
 دوسرے کو عجبت دیت رہے جو عجبت دار نہ ہوا دوسر کو نوکا وے سکت تیر بہت سکر یہ ٹھا کر۔“
 ”آؤ بھلا۔ پڑی بے چینی سے انتظار کر رہا تھا تمہارا۔“

مہمان خانے کے وسیع و عریض ہاں میں اس لوگوں کو پہلی ضیافت دی گئی۔ اس میں بہت سے لوگ شریک تھے۔ اس کے بعد جلالت ٹنگھ نے تجلیہ طلب کر لیا
 اور صرف پونم ٹنگھ کو اپنے پاس روک لیا۔ ہال کے دروازے بند کر لئے گئے اور پھر جلالت ٹنگھ نے کہا۔
 ”بھلا جی آپ کا اور شیخا کا ملاپ کہاں ہو گیا۔“
 ”راستے میں۔“

”شیخا بھی ادھر ہی آ رہے تھے۔“
 ”ہاں ا۔“

”میں آپ کو غلوں دل سے خوش آہ یہ کہتا ہوں غلام شاہ صاحب اور آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ ہمارے ہاں سرکس لگائیے۔ ہم آپ کو آپ کی پسند
 کی جگہ دیں گے اور آپ کی ہر ضرورت پوری کریں گے۔“
 ”ہم تو ہاں سکر یہ، ادا کرت ہیں خدا کر۔“
 ”گلے ماہ میلہ بھی ہو رہا ہے۔ پورا نیو گرسٹ آتا ہے اس میلے میں۔“

”ہاں ٹھیک رہی کے بارے میں بہت کچھ سنت ہیں ہم۔“

”تم میسے کی شوٹنگ کرو گے بھلا۔“

”میسے کی بھی کروں گا اور ٹھیک کروں کی زندگی پر بھی کچھ شاکت لیتے ہیں مجھے۔“

”اپ نہ کرنا بھلا۔“ ٹھاکر ادا اس لہجے میں بولا۔

”اوہ، مگر ٹھیک یہ کیسے یہاں کی کہانیاں تو۔“

”صرف کہانیاں وہ گئی ہیں۔ کبھی تو مگر یک خوشحال ریاست تھی۔ یہاں ہر شخص سکون سے رہتا تھا مگر اب۔“

”یہ کیسے ہوا ٹھاکر۔“

”جی کہانی ہے تفصیل سے سناؤں گا میں جانتا ہوں تم بھی سر سے جھکے ہو گے پہلے تمہارے لئے یہاں آرام کا بندوبست کروں۔ شاہ صاحب مجھے

آپ سے بھی بہت سی باتیں کرتی ہیں۔ آپ دونوں مجھے یہ بتائیے کہ مجھے آپ کے لئے کیا کرنا ہے۔“

”یہ بتاؤ ٹھاکر کہ ہم یہاں کیسے کریں گے۔ ہمارے پاس ورنی ٹرک اور بھائی سمان بھی ہے۔“

”یہ سب کچھ تو یہاں بھی ہے بھلا۔“

”اس سمان کو یہاں لاسنے کا ذریعہ کیا ہے۔“

”بھائی کا ایک گھات چوڑے پاٹ پر منتقل ہے اور وہاں یہاں بولی پھیل گئی ہے۔ اور اس کی مہرانی بالکل ختم ہو گئی ہے۔ وہاں سے چھوٹی سے چھوٹی گاڑی

بھی گزر سکتی ہے مگر وہاں میری آدمی فوج رہتی ہے صرف وہی ایک ایسی جگہ ہے جہاں سے نیوٹرو کو تھماتا ہے تاکہ جیرونی لوگ آسانی سے نہ گزر

آ سکیں۔“

”ٹھاکر یہ تو ضروری تھا۔“

”تم لوگ وہاں سے آسانی سے پناہ سب کچھ لاسکتے ہو۔ چنانچہ یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ شاہ صاحب یہ پوری آبادی آپ کی ہے۔ ہر جگہ آپ کے لئے

کھلی ہے۔ میری رائے ہے کہ آپ پہلے اپنا سرکس یہاں منتقل کر لیں اس کے بعد آپ کو وہ جگہ بھی دکھاؤں گا جہاں میسے لگتا ہے۔ اس کے علاوہ

دوسرے بڑے میدان بھی ہیں یہاں آپ میسے سے پہلے سرکس لگا سکتے ہیں۔ ہم آپ کو قیام کے لئے عمارتیں بھی دے سکتے ہیں جیسا آپ پسند

کریں۔“

”نا اے بھائی تھا کر۔ ہم تو میدان کے سیررچیں ہمیں تو کھدنی چھوڑ دے بھائی۔“

یہ آپ کی پسند پر منحصر ہے۔ شاہ صاحب میں آپ کا بے حد احسان مند ہوں اور میرا خیال ہے آپ کے قدموں کی برکت یا مگر کے بہت سے مسائل حل کر دے گی جس کا آغاز ہو چکا ہے۔“

”بھائی جگت سنگھ۔ ہم بے پڑھے لکھے آدمی ہیں۔ بچے تو کہے جرد صاف صاف کہہ ہماری کھوپڑیا سر بہت چھوٹی ہے۔“

”آپ کے یہاں آنے سے پہلے ہی آپ کا ایک احسان مجھ پر قرض ہو گیا ہے شاہ صاحب۔“ جگت سنگھ نے کہا۔

”او کیسے بڑا۔“ غلام شاہ نے پوچھا۔

”یہ احسان آپ کے دو آدمیوں نے کیا ہے مجھ پر۔ ہنگو اور منگو، دو ننھے وجود لیکن پنی ذات میں پہاڑ۔ یہ احسان نبھوں نے کیا ہے مجھ پر۔“ جگت سنگھ نے کہا اور غلام شاہ ٹپ اٹھا۔ اس کا منہ کھلا رو گیا تھا۔ ایسا بھی اچھل پڑ تھا۔

بھلا صاحب اس دوران غلام شاہ کی زبانی یہ دونوں نام سن چکے تھے اور انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ یہ دونوں سرکس سے چائیک گم ہو گئے ہیں۔ غلام شاہ تو ان کا نام سن کر عجیب سے جذبات کا شکار ہو گیا تھا، اس وجہ سے بول نہ سکا لیکن بھلا صاحب نے خواہ کہا۔ ”اوہ شاہ صاحب کیا یہ آپ کے وہ دو آدمی ہیں جو سرکس سے گم ہو گئے ہیں۔“

”ہاں بھلا صاحب اور شیطان دونوں کے لئے سخت پریشاں رہے ہیں، وہ انہیں اولاد کی طرح چاہتے ہیں۔ محاف کیجئے گا، خدا کر صاحب میں آپ سے کسی سولہ کی جرئت نہیں کرتا بس صرف اتنا بتا دیں کہ کیا وہ یہاں موجود ہیں۔ کیا وہ آپ کی تحویل میں ہیں۔“ ایسا نے پوچھا۔

”افسوس نہیں۔ وہ میری تمویذ کی غلطی کی وجہ سے گم ہو گئے ہیں، آپ لوگ یقین کریں میرے درجنوں آدمی ان کی تلاش میں مصروف ہیں، وہ ہمارے لئے، نہائی قابل احترام اور باعث عزت تھے۔“

”ارے چھوڑ بھائی، سرنام لینے کا جبرورت تھی، دل کا حکم ہر اکروٹی ہے ملے۔“ غلام شاہ نے کہا۔

”کاش میں ان کا تحفظ کر سکتا، بھر حال میں، یوں نہیں ہوں، وہ جو کچھ ہیں میں جانتا ہوں، کوئی آسانی سے ان پر قابو نہیں پاسکتا۔ آپ لوگ تھک گئے ہوں گے، اگر آرام کرنا چاہیں تو۔“

”رے کابا ت کرت رہے بھائی تھا کر، ہکان سسر کے بارے میں پوری بات تو بتائی دے۔“ غلام شاہ نے کہا۔

”ہاں تھا کر جگت سنگھ، ویسے بھی ہم تھکے ہوئے نہیں ہیں، آرام کرتے ہوئے آئے ہیں۔ تمہارے علاقے میں، اور پھر اب آرام کہاں سے کریں

گئے، ہم نے ایسے ہی منسختی خیز نکش فالت کئے ہیں۔ جہاں بات تو یہ مگر کے حالات کے بارے میں کچھ گزیر کی فواہیں سنیں تو انہیں لیکس یہ نہیں معلوم تھا کہ میرا آہنی دوست بھی اس طرح بے بسی کا تھپا رکھنے لگا، پھر چکھو، چکھو، جب تک ساری باتوں کی وضاحت نہ ہو جائے گی آرام کیسے ممکن ہے۔“ ٹکٹ ٹکٹ نے کہا۔

”ضرور تھا کہ۔“

”میں نے پونم ٹکٹ کے علاوہ تمام لوگوں کو باہر بھیج دیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جو باتیں آپ سے کرنی ہیں وہ نہایت راز داری کی ہیں، اس وقت جو فرد یہاں موجود ہیں ان پر آپ کو تو کوئی اعتراض نہیں ہے۔“

”نہیں ٹھیک صاحب یہ ہمارے قابل اعتماد ساتھی ہیں۔“ بھلا صاحب نے کہا۔

”بھلا صاحب! یا مگر میں اس وقت جو حالات چل رہے ہیں اصولاً مجھے ان کے بارے میں گفتگو نہیں کرنی چاہئے، کیونکہ یہ سب کچھ آپ سے متعلق نہیں ہے لیکن حیرت ناک طور پر ایسے واقعات بھی ہو چکے ہیں جن کی وجہ سے یہ سب کچھ آپ کو بتانا ضروری ہے، تاہم میں آپ کو مختصر ایتاؤں گا۔“ ٹکٹ ٹکٹ نے کہا اور قدم شاہ مدھی منہ میں کچھ بڑبڑا کر رہ گیا، ٹکٹ ٹکٹ بولا، ”نیا مگر میں اس وقت تک امن و سکون تھا جب تک میں کلی طور پر اس کا نظام سنبھالے ہوئے تھا، پھر میرے دو بھتیجیوں راوت ٹکٹ اور جینل ٹکٹ نے اپنا حصہ، لگا اور مجبوراً میں نے ان کے پسندیدہ حصے ان کے حوالے کر دیئے، دونوں نا اہل نکلے اور انہوں نے اپنے علاقوں میں تباہ کن حالات پیدا کر دیئے، وہاں سب کچھ برباد کر کے وہ سازشوں میں مصروف ہو گئے اور اب ان کی نگاہیں میرے علاقے پر لگی ہوئی ہیں اور وہ اس کے حصول کے لئے سب زحمیں کر رہے ہیں۔ مجھے ان کے بارے میں تھوڑا بہت اندازہ ضرور تھا اور اس کے لئے میں نے کچھ تجربہ کارانہ فیصلے کئے تھے، مثلاً یہ کہ میں نے انہیں اندرونی علاقے تک محصور رکھا اور بیادلی ندی کے تیز و صحرے و دھاروں سے آگے نہ بڑھنے دیا، جہاں بیادلی دھرم ہے وہاں میں نے سخت پہرے رکھے اس طرح انہیں ان سازشوں کی تکمیل میں کافی پریشانی لاحق ہو گئی، اگر انہیں بیادلی سہارے حاصل ہو جاتے تو وہ زیادہ خطرناک ثابت ہوتے، عقیقی حصے کوئی اور راستہ نہیں رکھتے بیادلی کے تیز دھارے کے سامنے ان کا بس اتنا چلتا تھا کہ جو کچھ وہ کرتے ہیں بہت مشکل سے کرتے ہیں۔ مختصر ایتاؤں کافی ہے اس کے بعد میں آج تا ہوں چکھو، چکھو، چونکہ وہ شاہ صاحب سے دور ہو گئے تھے اور دوبارہ ان سے نہ مل سکے لیکن مجھے نہیں نے پوری داستان سنائی تھی۔“

سب بہت خوش تھے، ٹکٹ ٹکٹ نے ایک لمحہ سوچا، پھر بولا۔ ”شاہ صاحب کچھ عرصہ قبل آپ کے سرکس میں شو کے دوران ایک قتل ہو گیا تھا۔“

”یہاں ہوئی رہے ہوئی، تو کیا دے دیا ہے۔“ قدم شاہ بولا۔

”یاد ہے شیخا۔“

”چنگو اور منکو نے قاتلوں کے چہرے دیکھے تھے مگر وہ ان کے بارے میں کچھ نہ جانتے تھے اس لئے خاموش رہے۔“

”دووی جھکا جاتی ہی پراہی بات رہے کہ ادا ان کے بارے میں کچھ نہ جانتا رہے، ہم ادا خاموش ہوئی گئے۔“ غلام شاہ نے کہا۔

”جی شاد صاحب، ان دونوں نے ان دونوں قاتلوں کے چہرے دیکھ لئے تھے اور خاموش رہے تھے اور مقتول جانتے ہیں کون تھا؟“

”اے، ارے ہکا چانت رہیں ہو، پولیس ادا کی لاش سے لگی، بات کھتم ہو گئی۔“ غلام شاہ نے کہا۔

”وہ میرا آدمی تھا غلام شاہ صاحب، وہ میرا آدمی تھا، میرا رشتہ دار تھا وہ بھی۔“

”اوائے ہوئے ہوئے۔“ غلام شاہ نے افسوس بھرے انداز میں کہا۔

”موجودہ حالات کی وجہ سے میں نے کچھ انتظامات کئے تھے کچھ اطلاعات ملی تھیں مجھے کہ میرے دووں بھتیجے بیردنی دنیا سے میرے خلاف کچھ سارشی

فرو سے رابطہ قائم کئے ہوئے ہیں اور میرا وہ آدمی ان سارشی افراد کا پتہ چلانے وہاں گیا تھا کہ اسے قسم کر دیا، بہر حال چنگو اور منکو نے قاتلوں کو

پہچان لیا تھا، لیکن وہ دوبارہ ان کے سامنے نہیں آئے تھے اور وقت گزرتا رہا، پھر کچھ عرصے کے بعد ایک دوسرے شہر میں میرا مطلب ہے جہاں سے

چنگو اور منکو غائب ہوئے، چنگو اور منکو نے ایک بار پھر ان دونوں قاتلوں کو دیکھا، وہ شوکر رہے تھے اور شو کے درمیان ہی انہوں نے قاتلوں کو دیکھ لیا

تھا۔ بہر حال جب وہ شو ختم ہوا تو وہ ان قاتلوں کا پیچھا کرتے ہوئے ان کے بارے میں معلومات حاصل کرنے نکل پڑے اور اس کے بعد ایک ایسی

جگہ جا کر قید ہو گئے جو ان کے لئے جینی تھی۔ حالات کچھ ایسے ہوئے کہ چنگو اور منکو کو ان لوگوں کے ساتھ ایک طویل سفر کرنا پڑا اور وہ لوگ نیا گریجنگ

گئے، ان کے ساتھ اور بہت سے دوسرے افراد تھے اور بھلا صاحب میں بات میں خواہ مخواہ تجسس پیدا کرنے کی کوشش نہیں کروں گا۔ یہ لوگ جن میں

ان قاتلوں کو دیکھا گیا تھا آپ کے پوسٹ کے لوگ تھے۔“ بھلا صاحب کے حلق سے ایک آواز نکل گئی تھی اور ان کے چہرے پر عجیب سے تاثرات

پھیل گئے تھے۔ جگت سنگھ نے کہا۔

”یہ لوگ راون نگہ کے لئے اسلحہ کا ایک بڑا ذخیرہ لئے کر آ رہے تھے اور اپنے بچاؤ کے لئے وہ آپ کے اس فلم یونٹ میں شامل ہو گئے تھے، چنکو، دور منگو، عقاب، طور پر ہی ان کے جاں میں بچس گئے تھے۔ اور اس بات کا موقع نہیں مل سکا تھا انہیں کہ وہ وہاں سے نکل بھی گئے اور اس کے بعد جب انہیں تھوڑا بہت موقع ملا تو وہ یا مگر کے درمیانی علاقے میں تھے، لیکن ان کے چال میں الجھائے رہے اور وہ یہ سفر جاری رکھنے پر مجبور ہو گئے، پھر جب ایک جگہ ان کا راز کھل گیا اور انہیں دیکھ لیا گیا تو وہ مجبوراً وہاں سے فرار ہو گئے، جس کے بعد جگہ پیادوں کے آس پاس کی جگہ تھی۔ یہاں سے بمشکل تمام چھپ کر انہوں نے اپنی زندگی بچائی لیکن انہیں تمام صورت حال معلوم ہو چکی تھی، یہ لوگ اسلحہ راون نگہ کو نکل کر ناپا جاتے تھے اور اس سلسلے میں ان کے راجے راون نگہ سے ہو رہے تھے۔ چنکو اور منگو ان سے کامیابی سے چھپتے ہوئے پیادوں کی صورت کر کے میرے پاس پہنچ گئے اور انہوں نے مجھے تمام صورتحال بتادی، میں نے تو یہ طے کیا تھا، غلام شاہ صاحب کے اس یونٹ پر حملہ کروں، اور ان لوگوں کو گرفتار کر لوں لیکن چنکو اور منگو نے اس سلسلے میں مخالفت کی اور مجھے ایک ایسا مشورہ دیا جس سے مجھے انتہائی کامیابی حاصل ہوئی اور وہ اسلحہ راون نگہ کے پاس پہنچنے کی بجائے میری تحریل میں آ گیا اور اس سلسلے میں تم تر کامیابی کا سہرا چنکو اور منگو کے سر جاتا ہے۔ اس ہی کی زبانی غلام شاہ صاحب میں آپ سے پوری طرح واقف ہوا، اور آپ کا نظارہ کرتا رہا، چنکو اور منگو کو میں نے بے حد عزت و احترام کے ساتھ اپنے ہاں ٹھہرایا ہو تھا کیونکہ وہ میرے لئے انتہائی کارآمد ثابت ہوئے تھے اور ان کی وجہ سے ایک بڑی مصیبت ٹل گئی تھی، یہ سطور راون نگہ کے پاس پہنچ جاتا تو صرف میرے ہی خلاف استعمال ہوتا یا یہاں اس کے درپے لوٹ مار کی جاتی۔ بہر طور وہ دونوں میرے پاس آرام سے رہتے رہے، میرا وسیع حست کے لئے بھی نکل جاتے تھے، لیکن مجھے اس بات کی امید نہیں تھی کہ انہیں کسی طرح سے نقصان پہنچایا جاسکتا ہے۔ ایک دن وہ ایسے ہی ساحت کے لئے گئے تھے کہ پھر واپس نہیں آئے، یعنی طور پر انہیں اغوا کر لیا گیا ہے اور اس کے بعد سے میرے آدمی ان کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔“ غلام شاہ کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیلے ہوئے تھے، وہ بہت ہی تنک خاموش رہا۔ ادھر بھلا صاحب کا چہرہ تاریک ہو گیا تھا جو کچھ انہوں نے سنا تھا وہ اس کے لئے بہت ہی ہولناک تھا اور وہ عجیب سی کیفیت محسوس کر رہے تھے پھر انہوں نے آہستہ سے کہا۔

”جگت نگہ صاحب، کیا آپ یہ بتا سکتے ہیں کہ میرے یونٹ کے جو افراد اسلحہ لائے تھے وہ کون ہیں؟“

”ہاں بھن اگر تم میرے اس کٹھن پر بد دل ہوئے ہو تو میں تم سے معافی چاہتا ہوں، تمام صورت حال میرے علم میں ہے تم میرے دوست ہو اور سچائی قابل اعتماد۔ کہیں یہ نہ سمجھ بیٹھنا کہ میں تمہاری طرف سے کسی شک کا شکار ہوں جس لوگوں نے یہ کام کیا ہے وہ پوری طرح میرے علم میں آ چکے ہیں۔ خاص طور سے چنکو اور منگو کی وجہ سے اور یہ بھی میں جانتا ہوں کہ باقی لوگ ان کی کارروائی سے ناواقف ہیں۔“ بھلا صاحب کے چہرے پر

ایک لمحے کے لئے اطمینان کے آثار پیدا ہوئے تھے۔ پھر اس نے کہا۔

”وہ کون ہیں۔“

”ان میں سے ایک کا نام جوئن ہے اور دوسرے کا نام ہنر اور ان کے ساتھ مزید پانچ فرد اور بھی ہیں۔“ بھلا صاحب کہتے کے عالم میں رہ گئے تھے پھر انہوں نے آہستہ سے کہا۔

”ذرا کچھ اور تفصیل بتانا پسند کریں گے ٹھیکر جگت سنگھ۔“

”ہاں کیوں نہیں۔“ جگت سنگھ نے کہا اور پھر چٹکو اور منکو کے بمکشاف، اسٹیلے کا غاروں میں منتقل کرنا، ٹھیکر جگت سنگھ کا ان سے ملنا اور باقی تمام وہ تفصیلات جو چٹکو اور منکو کو معلوم تھیں اور ان کے ذریعے جگت سنگھ تک منتقل ہوئی تھیں، جگت سنگھ نے بھلا صاحب کو بتا دیں۔ ٹھیکر جگت سنگھ کا نام س کر غلام شاہ ایک بار پھر چٹکا تھا۔

”بچ میں دھم دے رہے ہوں۔ پر جہر ایک بات بتائی وہ ہمارا۔“ غلام شاہ نے کہا۔

”جی جی شاہ صاحب۔“ ٹھیکر جگت سنگھ بیلا۔

”اے ٹھیکر جگت سنگھ، بلہر اتوند رہن۔“

”ہاں ٹھیکر صاحب چٹکو منکو نے مجھے یہ بات بھی بتائی ہے کہ ٹھیکر جگت سنگھ، ڈ کو بھی ہے، میں اس کی اس بات سے پوری طرح متعلق ہوں، کیونکہ بلہر سنگھ کا فی عرصے کے لئے غائب ہو گیا تھا اور وہ اس قسم کا آدمی ہے۔ واصل وہ بھی یہ گھر سے ہی تعلق رکھتا ہے اور ہمارا بہت دور کا رشتہ دار بھی ہے لیکن بگڑا ہوا نشان ہے اور بہت سی وارداتیں کر چکا ہے، لیکن ہمیں یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ ڈاکے بھی ڈالتا رہا ہے۔ سنا ہے آپ نے ایک بار اس کو گرفت کر لیا تھا؟“

”ہاں رہے۔“ غلام شاہ کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ پھیل گئی اس کی آنکھیں پر اسرار انداز میں چمکے لگیں، پھر اس نے کہا۔

”وہاں ہم دکان پکڑوائی رہے اور ادنیٰ سرہم کا کہتے رہے کہ گلام ساہ ہم دیکھ لیں گے تو کا۔ سو ہم سوچا کہ اس سرکار دیکھ لیں اے ہم کا، ہم ٹھیکر جگت سنگھ کے لئے دکان پکڑوائی رہے سو ہم، دھرنی گرا آ گئے بھی کی ٹھیکر۔“

”جی جی شاہ صاحب، بلہر سنگھ بہت عرصے سے میرے پاس نہیں آیا جب سے چٹکو منکو نے یہ اسلحہ پکڑ دیا ہے شاید اسے اس بات کا علم ہو گیا ہے کہ میں اس بات سے واقف ہوں کہ وہ خود بھی اسے کی سارٹ میں شریک ہے، بہر حال یہ ہے چٹکو منکو کی کہانی۔“

”بڑی بڑھیا کہانی ہے، ہمیں اے تو معلوم ہوئی گوا کہ اوروں جندہ ہیں اور سر اسنے دن جندہ ہیں تو اب کانے مر جائیں گے بھئی، جندہ ہوں گے ہمارے سر کس کے بڑے بڑھیا کا رکن تھا، آسان نار ہے ان کو مارنا کیوں رہے ایسا ہے۔“

”جی شیتا۔“

آدھر بھلا صاحب کو یہ بات معلوم ہوگئی تھکت تھکت جی تو آپ نے سسروں کو گرفتار کیوں نہیں کرایا؟“

”جولسن اور پیز کو؟“

”جی؟“

”آپ کا انتظار کر رہا تھا بھن صاحب، میں نے سوچا کہ میرا دوست آجائے تو اس سلسلے میں اس سے مشورہ کروں گا۔“

”میں آپ کو تفصیلاً بتاؤں کہ میرا اور ان کا ساتھ بہت زیادہ پرانا نہیں ہے لیکن کم بخت بہت ہی دہین اور قلم اڑھٹری سے واقف لوگ ہیں۔ انہوں نے اس طرح مجھے اپنے جال میں پھنسا کہ میں ان پر اعتماد کرنے پر مجبور ہو گیا اور انہوں نے میری کافی ذمہ داریوں سنبھال لیں، بس جس کھنکے کہ اس کے بعد سے میرا اور دن کا ساتھ ہے لیکن مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ دونوں کم بخت اتنے بڑے جرائم پیشہ ہیں، بہرحال آپ سب سے پہلا کام یہ سمجھئے کہ ہمیں گرفتار کر لیجئے اور انہیں اپنے یا اگر کے اصولوں کے مطابق سزا دیجئے، میں آپ سے ایک بار پھر معافی چاہتا ہوں تھا کہ بھگت سنگھ، میرے آدمیوں کی وجہ سے میرے پونٹ کی وجہ سے آپ کو ایک عظیم خسارے سے دوچار ہونے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا، بلکہ آپ کا ایک آدمی بھی میرے ہی آدمیوں کے ہاتھوں مارا گیا۔“

”تھ کر بھگت سنگھ نے بھن کو دیکھتے ہوئے کہا۔“

”گو یا کوئی ایسی ترکیب بھی ہو سکتی تھی کہ میں تمہیں یہ سب کچھ نہ بتاتا۔“

”سمجھا نہیں تھا کہ صاحب۔“ بھلانے کہا۔“

”بھلا میں تمہیں سب کچھ اس لئے نہیں بتا رہا کہ تم میرے سامنے شرمندگی کا اظہار کرو، ساری صورت حال میرے سامنے ہے، بھن اس میں تمہارا کیا قصور نہیں چونکہ چکو اور متکو اس کے بعد تھوڑے سے حالات کا غلبہ تمہارے سامنے ضروری تھا۔ چنانچہ اس کی تفصیل بھی مجھے بتانا پڑی۔ بہرحال اب آپ لوگ آرام کیجئے شہ صاحب آپ بھی اس میں کوئی شک نہیں کہ چکو متکو کے نکل جانے کی وجہ سے مجھے بھی دلی رنج ہوا ہے بلکہ آپ بھی اس سلسلے میں پر امید ہیں اور میری ان سے جتنی ملاقاتیں ہوئی ہیں اور میرا اور ان کا جتنا بھی ساتھ رہا ہے اس کی مناسبت سے میں بھی یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ بلاشبہ وہ دونوں کسی کے سر میں آنے والے نہیں ہیں اب ہم صبح کی ملاقات میں باقی فیصلے کریں گے، پونم سنگھ مہانوں کے آرام کا بندوبست

کیا جائے۔“ جگت سنگھ نے کہا اور پونم سنگھ اٹھ کر باہر نکل گیا جگت سنگھ دن سو گوں کو ان کی رہائش گاہوں تک چھوڑنے کے لئے آیا تھا ایک کمرے میں غلام شاہ اور ایاز کی رہائش کا انتظام کیا گیا تھا اور دوسرے کمرے میں بھلا اور کنور جیت تھے۔ بھلا صاحب کا چہرہ بدستور تاسف اور پریشانی کا آجنگا بنا ہوا تھا۔ اور کنور جیت بھی گہری سوچ میں گم تھا وہ جانے کیوں سوئیہ کے سسٹے میں بہت زیادہ شدت کا شکار ہو گیا تھا حالانکہ اس کے لئے کوئی ایک لڑکی حتیٰ اہمیت نہیں رکھتی تھی لیکن سوئیہ نے اس کی جس طرح بے عزتی کی تھی کنور جیت اسے فراموش نہیں کر سکا تھا اس کی تو غم بھری تھی کہ بھلا صاحب بھی اس کے معاملات میں پوری پوری مداخلت کرتے اور سوئیہ کو اس کی اس حرکت کا مزہ چکھانے میں اس کے معاون ہوتے۔ کنور جیت سارشی دہن کا، لگ تھا وہ ایسا چال چل سکتا تھا کہ غلام شاہ اور اس کے ساتھ یہ بھی نہ جاننے پاتے کہ سوئیہ کب وہاں سے غائب ہوئی اور اس کے بعد اس کا کیا حشر ہوا۔ لیکن بھلا صاحب نے بڑی سختی کا مظاہرہ کیا تھا اور ان کے وہ الفاظ بھی کنور جیت کبھی فراموش نہیں کر سکتا تھا جو انہوں نے داکے تھے۔ گویا انہوں نے کنور جیت سے پوری طرح غراف کیا تھا اور اس طرح کنور جیت کے دس میں بھلا صاحب کے لئے بھی رنجش پیدا ہو چکی تھی حالانکہ وہ اس کا بہت پرانا ساتھی تھا اور بھلا صاحب کی کئی فلموں میں ہیرو کا رول ادا کر چکا تھا۔ اس کے اور بھلا صاحب کے اچھے خاصے تعلقات تھے لیکن نیا نگر کی اس فضا دل میں آنے کے بعد اس پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی تھی اور اسے اپنا پر اعتماد ساتھی قرار دینا تھا لیکن کنور جیت کا دل صاف نہیں تھا اور وہ کنور جیت کو اس لئے وہاں چھوڑ کر نہیں آئے تھے کہ کہیں وہ کوئی ایسی ویسی حرکت نہ کر ڈالے جس کی وجہ سے غلام شاہ کی نگاہوں میں انہیں ڈالیں ہونا پڑے۔ کنور اپنے طور پر بہت گہری سوچوں میں گم تھا بھلا صاحب بھی اس وقت ایسی کیفیت کا شکار تھے کہ انہوں نے کنور پر توجہ نہیں دی ویسے بھی رات کو وہ پوری طور پر سو نہیں پاتے تھے اور صبح کو ان کے چہرے پر پٹیل نہیں صاف نظر آ رہی تھیں بہر طور غسل وغیرہ سے فرغت حاصل کرنے کے بعد وہ چہل قدمی کے لئے باہر نکل آئے تب انہوں نے تھا کر جگت سنگھ کو دیکھا جو شاید خود بھی صبح بخیر کی عادی تھا اور محل کے پائیل ہال میں چہل قدمی کر رہا تھا، بھلا صاحب کو دیکھ کر وہ مسکرایا اور جلدی سے تیز چیز قدموں سے چلے ہو ان کے پاس پہنچ گیا اس نے بھلا صاحب کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔

”بھلا جی میں اس بات کا حواش مند تھا کہ آپ سے تہائی میں ملاقات ہو، اتفاق کی بات ہے کہ آپ بھی صبح کو ہوا خوری کے لئے نکل آئے بہر طور میں آپ کا چہرہ بھی اچھا رہا ہو لگتا ہے ساری رات آرام کی نیند نہیں سوئے۔“

”ہاں تھا کہ صاحب بہت نیچے خیالات ہیں میرے آپ کے ہارے میں، آپ سے دوستی پر ناز کرتا ہوں اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ راستے میں جب مجھے غلام شاہ صاحب ملے اور انہوں نے اس بات کا کھرا کیا کہ یہ نگر میں وہ اپنا سر کس لگانا چاہتے ہیں لیکن ان کے لئے ان کا کسی سے راجد نہیں ہے

تو میں نے بڑے اعتماد سے ان سے کہا تھا کہ ٹھہر کر جگت نگاہ میرے دوست ہیں اور میں وہاں انہیں اپنی پسند کے مطابق اجازت دلا دوں گا، لیکن اب تو خود میری اپنی پاریشن عجیب ہو کر رہ گئی ہے۔“

”بھلا تم مجھے دلیل کر رہے ہو حالانکہ میں نے، یہی کوئی بات نہیں کی جس کی بناء پر تم مجھ سے بدلہ لینا شروع کر دو۔“

”بدلہ؟“ بھلا صاحب نے کہا۔

”ہاں میری اور تمہاری دوستی میں بھلا کیا رخنہ اندازی ہوئی ہے، ایک دفعہ جو بالکل ہی غیر متعلق لوگوں کا ہے پیش آ گیا، اور میں نے تمہیں بتا دیا تو اس کا مقصد یہ ہے کہ تم اپنے آپ ہی کو چور سمجھنے لگو، اپنے آپ کو چور سمجھنے کا مطلب یہ ہے کہ خود بھی مجرم گردانا گیا۔“ ٹھہر کر جگت نگاہ نے کہا۔

”نہیں ٹھہر کر دراصل میں یہ سوچ رہا ہوں کہ اگر بھگوان نہ کرے وہ لوگ کامیاب ہو جاتے اسلئے پہنچانے میں تو کیا تم اس بات کو نظر انداز کر دیتے کہ یہ اسلئے میرے آدمیوں کے ذریعے یہاں تک آیا ہے جس نے تمہیں نقصان پہنچایا۔“

”ہاں میں بھول کر بھی ایسی کوئی بات نہیں سوچتا کہ اس میں بھد کا کوئی ہاتھ ہوگا، کیونکہ بھلا پر مجھے مکمل اعتماد ہے۔“

”شکر یہ ٹھہر کر جگت نگاہ تم بہت اچھے انسان ہو یا شبہ تم بہت اچھے ماں ہو۔“

لیکن تم بھی ایک اچھے انسان کی عزت کرنے کی کوشش کرو بھلا، دوبارہ اس بارے میں مت سوچو کہ میں نے تمہارے سینے میں کوئی بات دل میں رکھی ہے۔“

”نہیں مجھے خود بھی اس بات کا افسوس ہے کہ میں ان کم بختوں کو کیوں نہ سمجھ سکا۔“

”ہر طرح کے لوگ ہمارے درمیان شامل ہوتے ہیں تم کیا سمجھتے ہو، کیا ہمارے درمیان بہت اچھے لوگ ہیں، بہر طور ان باتوں کو چھوڑو، بھلا دراصل بات یہ ہے کہ میں تو ابھی اس سلسلے میں تم سے بہت سے کام لینا چاہتا ہوں۔“

”مجھ سے؟“

”ہاں تم سے۔“ نیا نگر کی جو کیفیت ہو گئی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ زیادہ وقت نہیں جا رہا کہ جب یہاں کوئی آتش فشاں پھٹ پڑے گا، دراصل میں یہ نہیں کہتا کہ میرے ساتھ اچھے لوگ نہیں ہیں، نالی نیا نگر کا انتظام میں نے کمزور بنیادوں پر سمجھا لیا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی جو حالات پیدا ہو گئے ہیں ان میں مجھے کچھ لکھنیں بھی درپیش ہیں اور میں یہ چاہتا ہوں کہ کچھ ہیں لوگ میری مدد کریں۔ ہو سکتا ہے بھلا تمہیں اور غلام شاہ صاحب کو بھی اس سلسلے میں میری کچھ مدد کرنی پڑ جائے، میں تو تمہارا بے چینی سے انتظار کر رہا تھا تاکہ دل کی بات تم سے کہوں۔“

”اوہ ٹھہر کر کیا تم ہمیں اس قابل سمجھتے ہو؟“

”سمجھتا ہوں۔ پوری طرح سمجھتا ہوں اور اس لئے تم سے یہ الفاظ کہہ بھی رہا ہوں۔“ ٹھٹھ کر جگت سنگھ نے کہا اور بعد گہری سانسیں لینے لگا۔

”بہر حال میں ان لوگوں کے سلسلے میں تم سے بے حد شرمندہ ہوں تھا کہ، بھگون نہ کرے اگر وہ کامیاب ہو جائے تو میں تمہیں کیا مٹ دکھاتا۔ تاہم یوں سمجھ لو میں تمہارے کسی کام آسکا تو یہ میری خوش بختی ہوگی ورنہ غلام شاہ بھی بہت چھٹا سانس ہے ایسے سے جبرت انگیز لوگ ہیں اس کے ساتھ کہ تم تصور نہیں کر سکتے۔“

”دو ننھے ننھے انہوں کے تجربے سے گزر چکا ہوں۔ خیر اب یہ بتاؤ پروگرام کیا ہے۔“

”پہلے تم ہمارے تمام لوگوں کو یہاں منتقل کرو، ہم لوگوں کو دوسرے کنارے پہنچا دو ہم خاموشی سے وہاں جا کر تمام لوگوں کو یہاں لے آتے ہیں یہاں آ کر انہیں کون کون سی رکھ لینا انہیں ہر طرح کی سزا دینا تمہارے اختیار میں ہے۔“

”ان سے کچھ معلومات بھی حاصل کرنی ہیں مجھے۔ وہ میرے بھائی کے قاتل بھی ہیں۔“

”ضرور۔“

”میں پونم سنگھ کو ہدایت دے دوں گا۔ سارے کام تمہاری مرضی کے مطابق ہو جائیں گے۔“ درتک دو دنوں باتیں کرتے رہے تھے اور پھر سورج پوری طرح نکل آیا۔ درتک ناشتے کے بعد جگت سنگھ نے کہا۔ ”اب آپ پہلے یہاں منتقل ہو جائیں شاہ صاحب، اس کے بعد آپ کا ساتھ رہے گا۔“

”تیری مہربانی تھا کہ انتظام تو تو ہی کرے گا۔“ غلام شاہ نے کہا۔ پونم سنگھ تمام تیاریوں کے ساتھ ان لوگوں کو لے کر بیادلی کے دوسرے کنارے چل پڑا تھا۔ کئی کشتیاں اس کے پیچھے رہی تھیں۔ دوسرے کنارے پر پہنچ کر پونم سنگھ کی ہدایت کے مطابق کام ہونے لگا اور پھر پونم سنگھ اور دوسرے لوگوں

کی رہنمائی میں یہ نوگ چل پڑے۔ واپسی کا سفر کرنا پڑا تھا۔ جس جگہ سے بیادلی پار کرنے کا تھا ٹھٹھ وہ قدرت کا ایک عجیب شاہکار تھی۔ ایک ٹکڑے درہ دو طرفہ پہاڑوں کے بیچ تھا اور یہ پہاڑ دو درکی مانند میدان سے کھڑے تھے۔ دوسرا سرا بیادلی سے جاملتا تھا اور پہاڑوں کے سوراخوں میں جگت سنگھ

کے آدمیوں نے مورچے تیار کئے تھے۔ دور سے دیکھنے پر کوئی سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ یہ دریا کا پاٹ بچل گیا تھا ورنہ اتنا تھلا تھا کہ زمین نظر آ رہی تھی۔ تمام گاڑیاں یہاں سے باسانی گزر کر دریا کے دوسری سمت آگئیں اور پھر انہوں نے آگے کا سفر شروع کر دیا پونم سنگھ مسلسل ساتھ تھا۔ آبادی سے

کچھ فاصلے پر جگت سنگھ نے اس کا استہباب کیا اور پھر اس نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”آپ وسیع میدان دیکھ رہے ہیں شاہ صاحب۔ وہ میس کا میدان ہے۔ مگر ابھی خالی پڑا ہے۔“

”بڑا حیران کن ہے بھائی تھا کہ، اگر تو اچھا جت دے تو ہم تو دھری منڈوا لگائیں۔“

”بھئی سے شاہ صاحب۔“

”ہاں تو کاجات ہے یہ صلیبی کتار ہے۔ دن رات تیرا ساتھ رہے گا کو نو دور جگہ ہے۔“ غلام شاہ نے کہا۔

”جیسا آپ پسند کریں۔ چنا ہے وقت سے پہلے جنگل میں منگل ہو جائے گا۔ ویسے بعد صاحب تمہارے لئے بھی جگہ کا انتخاب کر چکا ہوں۔“

”نیک ہے۔“ بھلا صاحب نے کہا۔ جونسن اور پیٹر کو دیکھ دیکھ کر ان کی آنکھوں میں خون اتر رہا تھا مگر مصطفیٰ خاموش تھے۔ جلت نلکہ کی اجازت ملنے پر سرکس کے سارے لڑکے اور گاڑیاں اس پہاڑی میدان کی طرف چل پڑے۔ چونہا دن تھا بھلا اور اس کے شاف کے لوگ بھی ساتھ تھے۔



”چنکو اور منکوا سے بغور دیکھ رہے تھے منکوا نے کچھ دیر کے بعد کہا۔ ”کیا صرف تمنا کہہ دینا کافی ہے کہ تمہارا نام شاری ہے۔“

”وہ نہیں، میں شیخا کے بارے میں سوچنے لگا تھا۔“

”تم صرف سرکس کے ایک قشاشالی نہیں ہو سکتے کیونکہ تم سو نیا کے بارے میں بھی جانتے ہو اور غلام شاہ کو شیخا کے نام سے بھی۔“

”وہاں، میں نے کچھ عرصہ شیخا کا نمک کھا یا ہے۔ اس وقت کی بات ہے جب تم شیخا کے پاس سے غائب ہو گئے تھے۔“

”شیخا کے ساتھ رہنے کا موقع ملا ہے تمہیں۔“

”کچھ عرصہ۔“

”کس حیثیت سے۔“

”بس ایک مہمان تھا میں اس کا۔“

”یہ مگر کے پاسی ہو۔“

”نہیں۔“

”پھر یہاں کیسے آ گئے۔“

”بھٹکا ہوا، شیخا بھی تو اسی طرف آ رہا ہے اور یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے مگر تم دونوں یہاں کیسے پہنچ گئے اور شیخا کے پاس سے چاک کیوں گم

ہو گئے۔“

”شیخا ہمارے لئے پریشان ہوگا۔“ چنکو نے کہا۔

”بہت زیادہ۔“

”بس بھی شامت آئی تھی اور کیا کہا جا سکتا ہے۔“

منکونے کہا اور پھر شروع سے آخر تک کی کہانی سے سنا دی شارق حیران نظروں سے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”تب تو مجھے حوشی ہے کہ بڑ برکت میں یہاں پہنچا اور میں نے مدد کے لئے صحیح لوگوں کا انتخاب کیا مجھے بھی نیا گرویکھے کا شوق تھا کچھ عرصہ شیخا کے ساتھ رہا اور ان علاقوں کا سفر کرتا رہا پھر وہاں سے چل کر پادری کے کنارے آ گیا اسے تیر کر جوہر کیا اور اس علاقے میں آ نکلا کچھ لوگوں نے مجھے دیکھ کر میری چھپا کر میں نے انہیں چکر دے دیا، میں ان علاقوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتا یہاں کے حالات بھی مجھے معلوم نہیں تھے بس اس پہاڑ کی

بلندیوں سے میں نے کچھ خشتہ حال لوگوں کو، کچھ گھڑمواروں کو دیکھا اور اپنی بات کے مطابق ان خشتہ حال لوگوں کا ساتھ دیا۔“

”بہت کرنا ک حالات ہیں یہاں کے شارق صاحب۔ مگر آپ اندرونی علاقوں کو دیکھیں تو تڑپ اٹھیں گے۔“ منکونے کہا۔

”بہر حال تم لوگوں نے بہت کام کیا ہے ان کے لئے اب تمہارا کیا ارادہ ہے۔“

”اے پالنگھ ٹھہ کر جگت سنگھ کے پاس جانا چاہتا ہے، ہم بھی اس کے پاس تھے مگر ٹیپیرا ہمیں وہاں سے اغواء کر لایا وہ ہمیں شیخا کے خلاف استعمال کرنا چاہتا تھا۔“

”قدم شاہ کے خلاف۔“

”ہاں یہ ایک الگ کہانی ہے۔“

”بھلا کیا۔“ شارق نے پوچھا اور منکونے سے اس بارے میں بھی بتا دیا۔ شارق گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا پھر اس نے کہا۔ ”اور ٹیپیرا اور ان سنگھ کا

ساتھی ہے۔“

”ہاں ا۔“

”مگر وہ اتنی آسانی سے ٹھہ کر کے علاقے میں کیسے پہنچ گیا۔“

”اس کا راز ابھٹھ کر سے بھی ہے۔ مگر اس وقت تک ٹھہ کر اس کے اس روپ کے بارے میں نہیں جانتا تھا اب جان گیا ہے۔“

”اور اسٹو بھٹ صاحب کے لوگ لائے تھے۔“ شارق نے پوچھا۔

”ہاں ا۔“ منکونے بولا۔

”بھلا صاحب خود تو ایسے آدمی نہیں نکلتے۔“

”کیا مطلب کیا تم بھلا کو بھی جانتے ہو۔“

”ہاں یونٹ کا دوسرا حصہ اب غلام شاہ کے ساتھ ہے وہ لوگ ساتھ ساتھ ادھر آ رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے بھلا صاحب اپنے ساتھیوں کی کارروائی سے واقف ہوں، یا ہو سکتا ہے کہ وہ بہت گہرے انسان ہوں۔ بہر حال شیخا بہت عظیم انسان ہے تم لوگ ادھر کہاں جا رہے ہو۔ میرا مطلب ہے کہ کیا تمہیں راستے معلوم ہیں۔“

”اے پالنگھ جانتا ہے۔“

”آؤ! اے پال سے بات کریں۔“ شارق نے کہا اور وہ سب اے پال کی طرف چل پڑے۔ چاکرنگھ اے پال کے ساتھ تھا۔ اے پال کے چہرے پر غم داندوہ کے آثار تجھ تھے۔ شارق نے کہا۔

”ن دونوں نے مجھے تمام صورت حال بتادی ہے ٹھہر کر، تمہارے بھائی اور دوسرے لوگوں کی موت کا مجھے دکھ ہے اور خوشی اس بات ہے کہ میں نادانستہ طور پر تمہاری تھوڑی سی مدد کرنے میں کامیاب ہو گیا۔“

”سے تھوڑی سی مدد کہہ رہے ہو تم دوست، چاکرنگھ نے ساری صورت حال مجھے بتائی ہے۔ تم نے زبردست حکمت عملی سے کام لے کر حادثہ کا پانسہ پلٹ دیا۔ بہر حال ہمیں جیسے کی آرزو نہیں ہے اب ہماری زندگی کا مقصد صرف اتنا ہے جگتنگھ کے پاس جا کر اس کی موتی ہوئی غیرت کو جگائیں اور اگر وہ بھی کچھ نہ کرے تو مرجائیں۔ موت کے سوا اب ہمیں اور کچھ نہیں چاہئے۔“ اے پالنگھ نے کہا۔

”کسی مقصد کی تکمیل کے لئے مرنا بھی عظیم ہوتا ہے۔ مرنے کا فیصلہ کر چکے ہو تو پھر آئیے مقصد کے لئے موت تو بالآخر آفری سہارا ہے۔ ویسے کیا یہ راستے تمہیں جگتنگھ کے علاقے کی طرف لے جائیں گے۔“

”ہاں مہاراج، سیدہ میں چلتے رہیں تو تمہارے علاقے میں پہنچ جائیں گے۔ بس سرحد کے پاس دقت ہوگی وہاں سے چھپ کر نکلتا ہوگا۔ وہاں جانے کا جو راستہ ہے وہاں راوننگھ کے آدمی ہوں گے کیونکہ دوسرے راستے ناقابل عبور ہیں۔ راوننگھ خود اتنا دہن نہیں ہے مگر سرحدوں کی نگرانی کا کام نہ کر بلکہ نگھ نے سنبھال لیا ہے اور وہ شیطان کی طرح چالاک ہے۔“ چاکرنگھ نے کہا۔

”تم نے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا دوست۔“ اے پال نے شارق سے کہا۔

”میں یوں سمجھ لو نیک آوارہ گرد ہوں اور بھٹکتا ہوا ان علاقوں میں نکل آیا ہوں۔“

”ہماری تھوڑی مدد اور کر دے؟“

”ضرورتاً۔“

”سرخدوس تک ہمارا ساتھ دو، ہم ہم سب رنجی ہیں ٹوٹے ہوئے ہیں۔ ہمیں تم جیسے ذہین انسان کی ضرورت ہے۔ ان دونوں نے ہماری جوہر کی

”ہے اس کا احساں ہم بھلا کیا کر سکتے ہیں۔ مرتے وقت تک دعا کریں دیں گے تمہیں تم بھی ہماری مدد کرو دوست۔“

”دل و جان سے حاضر ہوں، مگر مت کرو“ شارق نے کہا۔

”تمہارا شکر یہ بھٹی۔“ اچے پال نے آنسو بھری آواز میں کہا۔ اب تک وہ لوگ نیا گھر کے حالات کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ پھر شارق

نے کہا۔

”ہنگو، ہمارے پاس دو نیکی وغیرہ تو ہیں نہیں لیکن ان غلیوں کے زخم تو دیکھئے چاکیں کچھ پٹی وغیرہ ہی کر دیں ان کی۔“

”وہ؟“ ہمیں خیال نہ رہا تھا۔ ”ہنگو منکو ٹھہ گئے، چا کرنگہ بھی ان کے ساتھ شریک ہو گئے۔ میرا آدمیوں میں صرف دو ایسے تھے جن کی حالت

خراب تھی باقی معمولی رنجی تھے۔ انہوں نے مقدور بحران کے زخموں پر پٹیاں کس دیں۔ رات ہو چکی تھی شکم سیری کے سنے تاریں اور کھجوروں کے سوا

کچھ نہیں تھا چنانچہ انہیں سے کام چلا دیا گیا تمام ٹیڈی، بچے پارنگہ سمیت بے مدد ہو گئے تو شارق رات نفل سنبھال کر ایک درخت کی طرف چل پڑ۔

”کہاں، شارق۔“ منکو نے پوچھا۔

”وہ درخت تاکا ہے میں نے، بہت اونچا ہے دور دور تک مگر نی ہو سکتی ہے یہاں سے، تم سب لوگ آرام سے سو جاؤ۔ میں جاگتا ہوں گا۔“

”ہم بھی تمہارا ساتھ دیں گے۔“ ہنگو بولا۔

”لیکن تم تھکے ہوئے ہو آرام کرو۔“

”دراصل ہمارے بدن بہت چھوٹے ہیں اور تھکن جیسی چیزیں ان پر جسامت کے حساب سے ٹانگہ ہوتی ہیں اس لئے کوئی خاص نہیں تھکے۔“

”تو پھر آ جاؤ میرے ساتھ رات گلیں اٹھا لو۔“

”ہمارے لئے بیکار ہیں کیونکہ ہم ان کا استعمال نہیں جانتے شیخا عدم تشدد کا پرچار کرتا ہے کچھ لوگ ہمارے سرکس میں رات گلیں استعمال کرتے ہیں مگر

صرف جانوروں کے شکار کے لئے۔“

”شیخا۔“ شارق نے عجیب سے لہجے میں کہا اور پھر بولا۔ ”آ جاؤ، درخت بہتر جگہ ہے۔“ ہنگو اور منکو نے اسے بھرتی سے درخت پر چڑھتے ہوئے

دیکھو، اور مٹی خیز انداز میں گردن ہلا کر ایک دوسرے کو اشارہ کیا۔ مقصد یہ تھا کہ شارق بے حد پھرتیلا انسان ہے۔ پھر وہ بھی درخت کی چوڑی شاخوں پر جا بیٹھے تھے۔ شارق بولا۔ چا کرنگھ بے شک ہمارا ساتھ دے رہا ہے مگر ہمیں اسے نگاہ میں رکھنا ہوگا۔“

”کچھ دیر قتل میں نے خود ہنگو سے یہ بات کہی تھی۔“ منکو بولا۔

سات گہری تاریکی تھی اور نیچے موجود دوگ اس طرح پڑے ہوئے تھے کہ جیسے ان میں زندگی باقی نہ ہو۔ شارق نے کچھ دیر کے بعد کہا۔

”مجھے شیخا کے بارے میں کچھ اور بتاؤ دوستو!“

”کیا معلوم کرنا چاہتے ہو؟“

”وہ حیرت انگیز انسان ہے۔ اس میں انوکھی مدد جیتیں پائی ہیں میں نے وہ یقیناً دونوں جیروں سے محروم ہے مگر“

”بظاہر اس کے پاؤں نہیں لیکن....“

”ان کہنے ہوئے جیروں سے وہ کسی گھوڑے کی رفتار سے دوڑ سکتا ہے وہ چھوٹا لگا کر اپنے کہنے ہوئے پاؤں کسی کے پیچے پر دے مارے تو قاتل کے بدن کی جھونپڑی جاہ و بر باد ہو جائے۔ ایک بھی پہلی سالم نہ رہے کسی کو پاؤں میں دبوچ لے تو سانس بند کر دے اس کا۔ تم بہت تھوڑے وقت رہے ہو اس کے ساتھ شارق اس لئے کچھ نہ چاہتے ہو گے اس کے بارے میں سرکس کے جانور تک اسے جانتے ہیں وہ ان سب کی بات سمجھتا ہے۔“

”وہ ہے کون؟“

”نٹوں کے ایک قبیلے سے تعلق ہے ہم سب کا۔ مگر مگر پھرتے تھے ہمارے باپ دادا اور کھیل تماشے دکھا کر پیٹ پالنے تھے ہم بھی شاید ہی کرتے مگر شیخا نے یہ سرکس بنایا۔ اس کا پس منظر بھی ایک کہانی ہے۔“

”اچھا مجھے بتاؤ۔“

”اس کا ایک بھائی تھا کلیم شاہ، دونوں بھائی ساتھ کھیل تماشے کرتے تھے ایک ہار یک سرکس کے لوگوں نے اس کی باری گری دیکھی، ملک نے انہیں سرکس میں کام کرنے کی پیشکش کی مگر وہ انگریزوں سے حسد کرنے لگے انہوں نے کلیم شاہ کو ہلاک کر دیا اور شیخا کی دونوں ٹانگیں کاٹ دیں جھونپڑے میں آگ لگا دی تھی انہوں نے جس سے شیخا کے بھائی کی بیوی بھی جل کر مر گئی بس یہ دو بچے بچے تھے جو کلیم شاہ کے تھے یعنی اکبر شاہ اور سونیا۔ معذرت کہ شاہ کو مشورہ دیا گیا کہ وہ بھیک، مانگ کر گزر رہ کرے اور اس کی آنکھوں میں خون اتر آ یا اس نے جدوجہد کی اور اپنے اپنا ج بدن کو ناقابل تخییر بنایا پھر قبیلے کے اس لوگوں نے اس کا ساتھ دیا اس نے انہیں قاتل کر کے یہ سرکس بنالیا اس کی زندگی کا صرف ایک ہی مقصد ہے۔“

”کیا؟“ شارق نے سرسراہٹے بچے میں پوچھا۔

”پیڑ رو کو تلاش کر کے قتل کروے اور اپنے بیٹے بھائی کا بدلہ لے۔“

”کسے؟“ شارق بول اٹھا۔

”پیڑ رو تھا ان میں سے ایک کا نام اور دوسرے کا۔“

”کاسٹر۔“ شارق بول اٹھا۔

”ہاں، یہی نام تھا مگر“ منکو نے چونک کر پوچھا۔

”اور سرسرس انگلیں سرسرس کہتا تھا۔“ شارق نے کہا اور چٹو منکو حیرانی سے اس کی صورت دیکھنے لگے۔ شارق کا چہرہ مگر اس طرح ہو گیا تھا مگر رات کی تاریکی میں وہ دونوں اس کا یہ رنگ نہ دیکھ سکے تھے۔

”تم کیسے جانتے ہو اس کے بارے میں۔“ منکو نے پوچھا مگر شارق نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ منکو نے دوبارہ اپنا یہ سوال دوبارہ تودو آہستہ سے بولا۔

”مشہور سرسرس تھا کسی زمانے میں، اس کا نام سنا تھا میں نے۔“

”بس شیخا کو اسی کی تلاش ہے۔ وہ بے حد رحیم اور نیک فطرت انسان ہے بے کس بخونہ کو بھی نقصان نہیں پہنچاتا چاہتا۔ اس پیڑ رو کی جان کا دشمن ہے۔ پوری زندگی اسی آرزو میں گزار دی اس نے، پیڑ رو اسے مل جائے۔ اسی احساس نے دنیا پر سے اس کا غبار اٹھا دیا ہے۔ وہ باہر کے کسی آدمی کو سرسرس میں شامل نہیں کرنا سارے کام اپنے قبیلے کے لوگوں سے لیتا ہے اس کی عجیب شخصیت کی یہی وجہ ہے۔“

شارق خاموش بیٹھا تاریکی میں گھورتا رہا منکو نے پوچھا۔ ”بہتر آ رہی ہے۔“

”نہیں، میں شیخا کے بارے میں سوچ رہا تھا ممکن ہے وہ یہاں آچکا ہو یا پہنچنے وال ہو۔ یہ علاقہ تھا کروں کا ہے بلکہ سنگھ یہاں بہت خطرناک طاقت ہو سکتا ہے اس لئے اس علاقے میں شیخا کا بہت خیال رکھنا پڑے گا۔“

”ہمیں اس کا احساس ہے۔“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”تم دونوں خاص طور سے ہوشیار رہو گے۔“

”یقیناً، ویسے تم شیخا کے پاس سے کیوں چلے آئے۔“

”میں بہت دن رہا لیکن اس کے پاس۔“

”وہ مشکل سے کسی کو مہمان بلاتا ہے مگر اس کی وجہ بھی میں نے تمہیں بتائی ہے۔“

”میرے ساتھ اس کا سلوک بہت اچھا رہا ہے۔ تم نے اسے متاثر کر لیا ہو گا ورنہ وہ بہت خشک مزاج ہو جاتا ہے بعض اوقات۔“ منکونے کہا، شارق بہت کم بول رہا تھا اس پر گہری سوچ جاری ہو گئی تھی۔

صبح کو سورج نکلنے سے قبل تمام لوگ جاگ گئے دن کے آرام نے انہیں کچھ طاقت بخشی تھی۔ چلو اور منکونے ناریل اور سمجوروں کے کنارے لگا دیے، جنہیں دھیرہ کر لیا گیا ان سے پانی بھی مل رہا تھا اور خوراک بھی۔ شارق سرگرم تھا چنانچہ سفر کا آغاز کر دیا گیا چاکر سنگھ بھی شاید غلطی سے ہو گیا تھا وہ ان کی رہنمائی کر رہا تھا راستہ تک رکے بغیر یہ سطر جاری رہا اور پھر چاکر سنگھ نے اچانک کچھ روشنیوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”یہ راج وہ سرحدی چھاؤنی ہے۔“ یہ روشنیوں گہرائیوں میں نظر آ رہی تھیں اور ان کی چھاؤں میں نیچے لگے ہوئے تھے۔ شارق نے کہا۔
”ان کا پھیلاؤ دور تک نہیں ہے۔“

”ان کے سپردھے ہاتھ پر آپ پہاڑوں کی دیوار دیکھ رہے ہوں گے۔ اگر اس طرف بڑھیں اور فرض کرو یہاں ڈکی چڑھا یاں چڑھ بھی لیں تو نیچے اتر کر اس وادی میں پہنچیں گے جہاں وہ موجود ہیں آگے بڑھتے ہوئے ہمیں دیکھ سکا جائے گا۔“

”وہ اس طرف کیا ہے؟“ شارق نے پوچھا۔

”سمبرے گہرے کھڈ اور پھر نانہ بھاگل کڑا۔“ چاکر سنگھ نے جواب دیا۔

”یہ بھاگل کڑا کیا ہے؟“

”پہاڑی نام۔ مہاراج، اتار و دردار ہے کہ چٹان بھی گر پڑے اس میں تو نیچے کی طرح بہہ جاتے۔“

”اسی طرف چلنا چاہئے۔“ شارق نے کہا۔

”ناٹا مل عبور راستے کھداتے ہیں۔“ اچے پال نے کہا۔

”ہمیں زندگی سے دلچسپی ہی کہاں ہے اچے، ممکن ہے ادھر کوئی موقع نکل آئے۔“ شارق نے کہا۔

”مجھے اعتراض نہیں ہے چلو۔ ویسے بھی ادھر تو کوئی موقع ہی نہیں ہے۔“ اچے پال کے ساتھیوں نے بھی ہمت نہیں ہاری تھی وہ دوگ رات کی تاریکی میں بڑی بڑی کھائیوں اور کھڈوں سے گزرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے پھر چاند انہیں راستہ کھانے لکل آیا اور یہ سفر اس حد تک آسان ہو گیا کہ وہ حوٹاک گڑھوں کو دیکھ سکیں۔ گو سفر کی رفتار بہت سست تھی لیکن وہ چل رہے تھے اور اس وقت صبح کی روشنی نمودار ہو رہی تھی۔ جب انہوں نے بھاگل

کڑا دیکھ اس روردار تالے کی آوازیں تو وہ دور سے ہی سن رہے تھے دیکھا اب تھا۔ پانی تھا کہ قیامت، ایک لمبی کلیں کی شکل میں پانی کی دھند پھیلی ہوئی تھی جو تیز رفتاری کی وجہ سے تھی۔ دونوں طرف درختوں کی بہتات تھی جو کنارے تا حد نگاہ پھیلے ہوئے تھے۔ اس تالے کو واقعی عبور نہیں کیا جاسکتا تھا۔ شارق اس کے قریب پہنچ گیا۔ وہ تالے کے ساتھ ساتھ دور تک آگے بڑھ گیا تھا۔ ایک لمبا چکر لگا کر وہ وہاں آ گیا۔

”میں ہلکو سٹلو کیا خیال ہے؟“ اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔
 ”ہاں ممکن۔“

”نہیں، یہ لفظ بے معنی ہے۔ میں دوسری طرف جا رہا ہوں دھر کچھ اُمید نظر آتی ہے۔“
 ”کیسے؟“

”میں نے دیکھ لیا ہے مگر نہیں کچھ دیر نظر کرنا ہوگا۔“ شارق نے کہا۔
 ”تم دوسری طرف کیسے جاؤ گے۔“ اچھے پانے پوچھا۔

”ایک قدم اور آگے ہوئے طریقے سے۔“ شارق نے جواب دیا اور پھر اس نے وہ طریقہ بھی انہیں بتا دیا اس نے درخت کی ایسی شاخ دریافت کی تھی جو لمبی اور ٹپک دار تھی۔ چنانچہ اس کی ہدایت پر بہت سے لوگوں نے اس شاخ کو پکڑ کر بھٹایا اور وہ زمین سے آگے پال چا کر نکلے۔ دوسرے قومی چھوڑ رہے تھے مگر شارق پر اُمید تھا وہ شاخ پر چڑھ گیا پھر اچانک شاخ چھوڑ دی گئی اور شارق پختیق سے پھینکے ہوئے پتھر کی طرح بلند ہو گیا۔ ٹپک جھپکتے وہ دوسرے کنارے پر جا کھڑا ہو۔ دوسرے لوگوں کے تو سانس بند ہو گئے تھے لیکن ہلکو سٹلو مطمئن تھے۔ سٹلو آہستہ سے بولا۔
 ”جب وہ گھنٹی رات پہرہ دینے کے لئے درخت پر چڑھا تھا تو میں نے اس کے بدن میں ایک عجیب سی پھرتی محسوس کی تھی۔“

”مگر عام لوگ تو اس طرح دوسری طرف نہیں جاسکتے۔“ ہلکو نے پر تشویش لہجے میں کہا۔ دوسری طرف کا کچھ نندارہ نہ ہو پارہا تھا کہ وہ کیا کر رہا ہے پانی کی دھند حائل تھی۔ انہیں طویل انتظار کرنا پڑا پھر اس کے بعد انہوں نے تالے کے کنارے ایک درخت کو اپنی طرف گرتے دیکھا تو وہ اچھل کر پیچھے ہٹ گئے۔ ٹڈ منڈ درخت کا تالے کی مہاکی سے کہیں زیادہ لمبا تھا چند ہی منٹ کے بعد انہوں نے شارق کو درخت کے تنے پر آتے ہوئے دیکھا اور وہ ان کے قریب پہنچ گیا۔ وہ سب پھٹی پھٹی نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

”یہ درخت گرا کیسے؟“ چا کر نکلے سے پوچھا۔

”دوسرے کنارے پر کسی ایسے درخت موجود ہیں جن کے تنے پانی کے قریب ہونے کی وجہ سے گل گئے ہیں۔ مجھے اپنی توقع سے کہیں کم محنت کرنی

پڑی۔ یہ غم لوگوں کا کام ہے کہ احتیاط سے اس جتنے کو عبور کرو۔“ سب سے پہلے چنگ اور منکو اس جتنے پر دوڑتے ہوئے دوسری طرف جا کھڑے ہوئے تھے لیکن دوسروں کے لئے یہ اتنا آسان کام نہ تھا۔ کھب جگر ہونے کے باوجود وہ بڑے خوف و ہراس کے عالم میں دوسری طرف پہنچے تھے اور جب وہ سب اس طرف آگئے تو ان کے جسموں میں نئی زندگی دوڑ گئی۔ اصولی طور پر انہوں نے وہ ہونا تک سرحد عبور کر لی تھی جو بظاہر ناممکن تھی۔

بچے پاں تلگہ آنکھیں چھاڑ پھاڑ کر اس علاقے کو دیکھ رہا تھا۔ اب تک وہ جیسے سحر میں گرفتار رہا تھا اور جب تک وہ خود درخت کے لرزتے ہوئے جتنے کو عبور کر کے دوسرے کنارے تک نہ آگیا۔ اسے اس مختصر اور انوکھے سفر کا یقین نہیں آیا تھا۔ اس کے ساتھی بری طرح ہانپ رہے تھے اور پانی میں شربور ہو گئے تھے۔ وہ بے چارے تو رٹھی بھی تھے لیکن انہوں نے بھرپور دیر کی کاشت دیا تھا اور اپنے زخموں سے ہار نہ مانی۔ اہلہ ایک بار پھر ن کا ہمت جواب دے گئی تھی کیونکہ ان حشر مابں راستوں کا سفر سارا دن اور ساری رات جاری رہا تھا۔ وہ سب ٹالے کے آس پاس کی کھردری زمیں پر لمبے سینٹ گئے۔ ٹھا کر اچھے پال تلگہ کچھ دیر آس پاس کے علاقوں کا جائزہ لیتا رہا اور پھر اس نے اپنے آدمیوں کی یہ کیفیت دیکھی تو ایک ایک کے پاس بیٹھ کر بھر دی۔ اس کی خیریت معلوم کرنے لگا۔ وہ سب ٹھکن سے چور ہو گئے تھے۔ اس کے علاوہ اور کوئی خاص بات نہیں تھی تب ٹھا کرنے شارق کو مخاطب کر کے کہا۔

”شارق جی کیا یہاں تھوڑی بہت ویراں آرام کیا جاسکتا ہے یا ہم یہاں سے آگے بڑھیں؟“ اچھے پال کی یہ بات سن کر شارق کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اس نے کہا۔

”اچھے پال جی میں تو خود اس جگہ سے اتنا ہی وقف ہوں کہ کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔ میرا خیال ہے چا کر اس بارے میں بہتر بتا سکیں گے۔“ چا کر تلگہ نے کہا۔ انہیں مہاراج یہ جگہ تو بالکل محفوظ ہے کوئی سوج بھی نہیں سکتا کہ اس بھی تک علاقے میں کسی نشان کے قدم پہنچ سکتے ہیں اور کوئی اس ٹالے کو عبور کر سکتا ہے۔ یہ تو ایک ایسا کام ہوا ہے جسے اگر ہم لوگوں کے سامنے بیان کریں گے تو کوئی یقین نہیں کرے گا۔ میرا خیال ہے ان سب کو یہاں آرام کرنے دیجئے۔ کوئی اس طرف متوجہ نہیں ہوگا۔ ویسے بھی آپ نے دیکھا کہ چھاؤنی یہاں سے میلوں دور ہے اور چھاؤنی واے اس طرف آلے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ میرے خیال میں یہ جگہ بالکل محفوظ ہے۔“ تب ٹھا کر اچھے پال نے گردن ہلائی اور خود ایک پتھر سے ٹکے لگا کر بیٹھ گیا۔ چنگ اور منکو شارق کے پاس ہی موجود تھے اور معمول کے مطابق انہوں نے اپنے انداز میں کسی ٹھکن کا احساس نہیں پیدا ہونے دیا تھا۔ اچھے پال نے پھکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ان تینوں کو دیکھا اور کہنے لگا۔

”آپ تینوں ہی یا مگر سے باہر کی دنیا کے لوگ ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ مگر سے دور رہنے والے لافانی قوتوں کے مالک ہیں۔ چنگو اور منکو نے قید

خانے میں حشر برپا کر رکھا تھا اور ایسے ایسے کارنامے سرانجام دیئے تھے کہ ہم پتھر کی ہوئی آنکھوں سے انہیں دیکھتے تھے اور اب شارق جی طے تو وہ ان سے بھی چار قدم آگے ہی نکلے۔ ”منکو نے ہنستے ہوئے کہا۔

”اس کی وجہ آپ نہیں جانتے اجے پال جی۔“

”جانتا چاہتا ہوں۔“

”شارق جی کچھ عرصے سرکس کی روٹی کھا چکے ہیں۔“

”دوہو، چھا چھا تو یہ بات ہے شارق جی کا تعلق بھی سرکس سے ہے۔“

”تعلق نہیں ہے بلکہ یہ کچھ عرصے غلام شاہ کے مہمان رہے ہیں اور سرکس کی ہوائیں کھاتے رہے ہیں۔“ اجے پال نے ہنستے ہوئے کہا۔

”جب تو منکو بھی اگر کچھ روز ہمیں بھی سرکس کی روٹیاں مل جائیں تو شاید ہم بھی ناقابل یقین کارنامے سرانجام دیے لگیں۔“ اس تصور نے اجے پال نگلہ کے دل میں خوشی کی ہر بیدار کردی تھی کہ اب وہ اپنے بچے کچھ ساتھیوں کے ساتھ نگلہ کے علاقے میں ہے اور اپنا مقصد جگت نگلہ تک پہنچانے میں اب اسے کسی بڑی وقت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ پیچھے جو کچھ ہو چکا تھا اسے تو دابیں لیاری نہیں چا سکتا تھا لیکن اس کے دس میں تھوڑی سی خوشی کی ہر بیدار ہوئی تھی جس کا نتیجہ یہ الفاظ تھے، چنکو منکو ہنسنے لگے۔ شارق بھی مسکراتا رہا تھا، اجے پال نگلہ بے درخت کے تنے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”میں نے مانا کہ یہ درخت کنارے پر اگے ہوئے ہیں اور ان کے تنے پانی سے گل کر سیاہ ہو چکے ہیں لیکن پھر بھی ایک ایسے درخت کو اس کی جگہ سے اکھاڑ دینا جہاں وہ سیدھا کھڑا ہوا ہو ایک مشکل کام ہے کیوں چنکو تم بڑے کارنامے سرانجام دیتے ہو کیا کسی درخت کو اکھاڑنا تمہارے لئے ممکن ہے؟“

”نہیں، مارکھا جاتے، اجے پال جی کیونکہ اس طرح درخت کی شاخ کے ذریعے نالہ پار کر لینا تو ہمارے لئے بھی مشکل نہیں تھا لیکن اس درخت کو بڑے سے اکھاڑنا اور سب سے بڑی بات یہ کہ دوسرے کنارے سے اس کے بارے میں اندازہ لگانا ایک مشکل کام تھا۔“

”اس میں کیا شک ہے کیوں شارق جی آپ کو پانی کے اندر سے یہ گلے ہوئے درخت کیسے نظر آ گئے؟“

”یہ کوئی جادوئی کام نہیں ہے، اجے پال نگلہ جی آپ نے دیکھا تھا کہ میں ٹائے کا جائزہ لے رہا تھا۔ درخت اس پار بھی ہیں لیکن اس پار جیسے نخل وہاں درخت ٹائے کے کنارے سے فاصلے پر بھی ہیں اور پھر چھوٹے چھوٹے ہیں لیکن یہ اونچے درخت اسی سمت سے نظر آ رہے تھے اور اب اگر آپ نہیں دیکھیں تو ان کے سرے تو بہت اونچے ہیں پانی کی دھند سے کافی اونچے اور ان کے سروں پر جو پتے وغیرہ لگے ہوئے ہیں وہ بالکل سوکھے ہوئے

ہیں۔ اس سے یہ اندازہ ہو جاتا تھا کہ ان کی جڑیں ناکارہ ہو گئی ہیں۔ میں نالے کے ساتھ ساتھ دور تک نکل گیا تھا اور وہیں سے یہ خلیں میرے دروازے میں آ گیا کہ اگر رحمت کی جائے تو درخت کے ایک تنے کو جگہ چھوڑے پر مجبور کیا جاسکتا ہے۔ لہائی کا عرازہ میں لگا ہی چکا تھا بس بہت کر ڈلی میں نے۔ اب آپ درخت کے اس تنے کو دیکھئے جسے میں نے اس کی جگہ سے کھاڑا ہے۔ اس میں کسی جڑ کا نام نہیں ہے اسے تلاش کرنے میں ڈرامی وقت ہوئی تھی اور اس کے بعد میں نے تنے کے آس پاس سے پھر کھاڑنے شروع کر دیے اس کے لئے بھی میں نے نوکیلے پتھروں ہی کا سہارا لیا تھا۔ درخت تو جیسے جڑ چھوڑنے کے لئے تیار ہی تھا۔ میں نے تھوڑا سا پتھروں کا حصہ حابی کیا اور اس پر زور لگایا تو خود ہی مجھے مچل کر پیچھے ہٹ چاہا پڑا کیونکہ درخت یک دم گرنے لگا تھا اور اس کا یہ دوسرا سر مچل کر پیچھے آ گیا تھا۔ اس سے میرے چوٹ بھی لگ سکتی تھی۔“

”بہر حال بڑی بہت اور سمجھداری کا کام تھا۔ آپ نے ہمیں پار لگا دیا شارق جی۔“ شارق مسکرتا رہا تھا۔ وہ لوگ کافی دیر تک وہاں آرام کرتے رہے تھے۔ آس پاس چھوٹے چھوٹے چھوڑے چھوڑے پھر رہے تھے ویسے بھی نالے کی وجہ سے دور دور تک کی روئیدگی پھیل گئی تھی اور علاقہ خاص سرسبز تھا لیکن یہاں پھلدار درخت موجود نہیں تھے جو ان کے کام آسکتے۔ تقریباً دو گھنٹے تک آرام کیا گیا۔ پھر ابے پاؤں نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ کیا وہ آگے بڑھنے کی سکت رکھتے ہیں تو وہ سب تیار ہو گئے۔ سنے یہ کہہ گیا تھا کہ دن میں زیادہ سے زیادہ سفر کر لیا جائے اور اس کے بعد اگر رات ہو جائے تو پھر آرام کے لئے کوئی بہتر جگہ تلاش کر لی جائے گی۔ چاکر نگہ نے ابتر راستے میں کہا کہ اگر اس کا اندازہ غلط نہیں ہے تو ان سارے نالے پہاڑی نیوں کو عبور کرنے کے بعد دوسری طرف انہیں ہستی کے آثار نظر آ جائیں گے۔ اس نے بتایا کہ وہ خود بھی اس علاقے میں آیا نہیں ہے لیکن اندازے کی بناء پر یہ بات کہہ سکتا ہے کہ یہ تھا کہ گت نگہ کے علاقے کا وہ حصہ ہے جو ناقابل عبور تصور کیا جاتا ہے اور اس کے دوسری جانب ہر وہاں پار کرنے کے لئے وہ چوڑا گھاٹ پھیلا ہوا ہے جہاں سے آنے جانے کے راستے بنتے ہیں۔“ اے جے پل نے شارق سے کہا۔

”در اصل شارق جی میں نے میڈیکل کی تعلیم حاصل کی ہے اور ڈکٹر بن چکا ہوں۔ میں زیادہ تر بپا نگر سے دور رہا ہوں اور بہت عرصے کے بعد تعلیم مکمل کر کے یہاں واپس لوٹا تھا لیکن جب میں یہاں پہنچا تو یہاں کے حالات وہ ہو چکے تھے جن کی تھوڑی بہت تصویر آپ کے سامنے آ چکی ہے۔ چنانچہ اپنا کام جاری کرنے کے بجائے اور وہ جذبہ جو اپنے سینے میں چھپائے ہوئے میں اپنے دلیں میں داخل ہو تھا جس پشت ڈاں کر میں دن دلی نساؤں کی خدمت میں مصروف ہو گیا جو راون نگہ کے ہاتھوں میں کمرہ گئے تھے۔ اس لئے ان علاقوں سے بھی مجھے زیادہ واقفیت نہیں ہے۔“ شارق نے گردن ہادی تھی۔ اب ان لوگوں میں کافی ہمت پیدا ہو گئی تھی حالانکہ حاکم کا اندازہ ان کے چہروں سے اور ان کی چال سے لگایا جاسکتا تھا لیکن بہر طور وہ یک لنگ میں آگے بڑھ رہے تھے اور ان کے سینوں میں جو جذبہ پوشیدہ تھے وہ انہیں ہر محسوس سے بے نیاز کر چکے تھے چنانچہ یہ طویل و

عریض فاصد دھیر کو سورج چڑھے تک طے کر لیا گیا اور اس کے بعد وہ ان ٹیلوں کی بلندیوں میں دوڑ کر گئے جس کی دوسری جانب امیدوں کی نیک دنیا آباد تھی جب وہ ٹیلوں کی بلندی پر پہنچے تو سب سے آگے چٹو، منکوحے اور چٹو، منکو نے دوسری جانب دیکھا تو دفعتاً ہی ان پر سکتے کی سی کیفیت طاری ہوئی ان کے پاس سب سے پہلے پہنچنے والا شارق تھا، چٹو اور منکو عروہ سے نظر آ رہے تھے۔ انہوں نے انگلی اٹھا کر بیک وقت کہا۔

”شیٹا، شیٹا، سرکس، سرکس۔“ شارق نے متحیرانہ انداز میں سامے دیکھا وہ تنہا اور اس کے اطراف میں لگے ہوئے خیمے شارق کے لئے بھی اجنبی تھے۔ وہ اب ان میں سے ایک ایک جز کو پہچانتا تھا لیکن حیران کن بات یہ تھی کہ شیٹا کا سرکس یہاں آباد نہ تھا۔ چٹو، اور منکو کے چہرے جوش و مسرت سے سرخ ہو گئے اسی اثناء میں ٹھکرا جے پال سنگھ بھی وہاں پہنچ گیا تھا اس نے ان تینوں کو دیکھتے ہی کہا۔

”رے یہ کیا، یہ ہستی تو نہیں ہے؟“

”یہ ہمارا سرکس ہے ٹھکرا جے پال سنگھ جی، اس میں ہمارا شیٹا موجود ہے۔ یہ ہمارا گھر ہے، یہ ہمارا گھر ہے، ہم اپنے گھر پہنچ گئے، ہم اپنے گھر پہنچ گئے۔“ وہ جوش و مسرت سے بے قابو ہوئے جا رہے تھے تھوڑا سا اخلاق مائع تھا ورنہ شاید ڈھلانوں پر دوڑتی لگا اپنے پھر چٹو نے کہا۔

”اب کوئی فکر نہیں ہے ٹھکرا، اب کوئی فکر نہیں ہے تم لوگ دو کہ تمہیں یہ طویل فاصد سے کرنا مشکل ہو جائے گا ہم لوگ سرکس میں جا رہے ہیں۔ ابھی گاڑیاں بھیجے ہیں تمہارے لئے تم گاڑیوں میں آ جانا ہم جا رہے ہیں تمہارا ہم جا رہے ہیں۔ فکر نہ کرنا ہم ابھی تمہارے لالے کے لئے گاڑیاں بھیجے ہیں۔“ ان دونوں نے کوئی بات سننے بغیر ڈھلانوں میں چھٹنگ لگا دی۔ دو ٹھکی ٹھکی گیندیں جیسے تھا میں پر داز کرتی ہوئی نیچے تر رہی تھیں۔ چٹو اور منکو کی ترقی رہی اتنی تیز تھی۔ ٹھکرا جے پال کے ساتھ دوسرے تمام لوگ بھی آکھڑے ہوئے تھے۔ اپنے پال سے انہیں دیکھتے ہوئے حسرت بھرے لہجے میں کہا۔

”ہاں اپنا گھرا تھا ہی یا رہا ہوتا ہے اتنی ہی محبت ہوتی ہے اپنے گھر سے۔“ شارق نے کوئی جواب نہیں دیا وہ لوگ چٹو اور منکو کو دوڑتے دیکھتے رہے حیرت انگیز طور پر ان کی رفتار اتنی ہی تیز تھی۔

اور انہوں نے یہ فاصلہ ناقابل یقین وقت میں طے کیا تھا اور سرکس کی طرف سے بھی چند لوگ دوڑتے ہوئے ان کی طرف آ رہے تھے۔



نیکٹ سنگھ نے ہل کو بتایا۔ ”میلے کا یہ میدان انسانوں سے اتنا بھرا ہوتا ہے کہ تم آس پاس کی پہاڑیاں دیکھ رہے ہو، وہاں بھی تل دھرنے کی جگہ نہیں ہوتی۔ ان پہاڑیوں میں بے شمار غار نکھرے ہوئے ہیں۔ لوگوں نے ان غاروں کو صاف ستھرا کر لیا ہے اور ان میں قیام کرتے ہیں لیکن پچھلے سال

یہاں بہت کم لوگ آئے تھے اس سال نہ جانے کیا ہو۔“

غلام شاہ نے ایک جگہ منتخب کر لی اور تمام گاڑیاں معمول کے مطابق رگ لگیں۔ سب جانتے تھے کہ کہاں کیا کرنا ہے۔

”بہت بڑا سرکس ہے۔ نیا مگر کے میوں میں کئی بار سرکس آئے ہیں لیکن وہ اتنے بڑے کبھی نہیں ہوئے۔“ ویسے یہ غلام شاہ بھی، چچا آدمی معلوم ہوتا ہے۔“ بھلا جگت سنگھ کو غلام شاہ کے بارے میں بتاتے لگا۔ پھر بولا۔ ”ان دونوں کتوں کو رکھ کر میری آنکھوں میں خون اتر آ رہا ہے جگت میری طرف سے پوری طرح اجازت ہے انہیں فوراً گرتا کر لو۔“

”جلدی مت کرو بھلا۔ یوں لگتا ہے کہ بعد میں ان کا رابطہ راون سے نہیں ہو سکا اور یہ نہیں جانتے کہ کیا ہو چکا ہے۔ بہر حال ہمیں دن سے اور بھی تفصیلات معلوم کرنی ہیں۔ پہلے ہم غلام شاہ کی ضروریات پوری کر دیں۔ اس کے بعد اطمینان سے یہ کام کریں گے۔ ویسے میرے خیال میں تم اپنے تمام لوگوں کو تلسی نو اس میں ٹھہرا دو۔“

”تلسی نو اس۔“

”ہماری پرانی حویلی ہے ٹی کے بالکل پیچھے بہت بڑی عمارت ہے جنہیں ہر طرح سہولت رہے گی۔ اطمینان سے شوٹنگ کا پروگرام بنایا جاتا جلدی نہیں جانے دوں گا جنہیں، میں بڑے مساکل میں گھرا ہوا ہوں۔“

”مجھے کوئی جلدی نہیں ہے جگت۔“ بھلا صاحب نے کہا۔

”کیا خیال ہے یوں کریں، جہاں رہے آدمیوں کے ساتھ پونم سنگھ کو تلسی نو اس بھیج دوں۔ یہ لوگ وہاں آرام کریں گے۔ ہم کچھ وقت غلام شاہ کے ساتھ گزار کر اور اس کی ضرورتیں معلوم کر کے یہاں سے چلیں گے۔“

”ہاں ان لوگوں کا یہاں کوئی کام نہیں ہے۔ غلام شاہ کے لوگ اپنے کام کے باہر ہیں، ابھی تم دیکھو گے کہ آن کی آن میں یہاں غیموں کا شہر آباد ہو جائے گا اس کے ہاں زبردست تنظیم ہے۔“

”تو میں پونم سنگھ کو ہدایت دے دوں؟“

”بالکل!“ بھلا صاحب نے کہا اور غصہ کرتے پونم سنگھ کو اشارے سے بلا کر پھر وہ پونم سنگھ کو تلسی نو اس کے بارے میں ہدایات دے لگا۔ پونم سنگھ کو سب کچھ سمجھانے کے بعد جگت سنگھ نے بھلا صاحب سے کہا کہ وہ اپنے آدمیوں کو ہدایت دے دیں۔ یہ لوگ اپنی گاڑیوں سے کر پونم سنگھ کے ساتھ چلے جائیں۔ بھلا صاحب نے کنور کو طلب کیا۔ کنور جیت بھی غلام شاہ کے فیصوں کو لگوانے کی گھرانی کر رہا تھا۔ بھلا صاحب کی ٹہنی پر وہ ان کے پاس پہنچ گیا

”مسٹر کنور یہ جگہ واقعی بہت خوبصورت ہے اور یہاں آنے کے بعد یہ احساس ہوتا ہے کہ قدیم طرز تعمیر کتنا حسین ہوتا ہے۔“

اس کا حسن بہت جلد تنہا ہی لگا ہوں میں بڑھے والا ہے۔ کنور جیت نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

”کیا مطلب میں سمجھا نہیں۔“ جونس بولا۔

”سمجھانے کے لئے ہی تو میں یہاں آیا ہوں مائی ڈیز مسٹر جونس، اور مائی ڈیز مسٹر پیٹر۔“ کنور جیت کا سچا طرز یہ تھا دونوں عجیب سی لگا ہوں سے اسے دیکھتے تھے۔ کنور جیت سے انہیں اشارہ کیا اور ایک گوشے میں لے گیا۔ ”تم لوگوں کو حساس نہیں ہے کہ بہت جلد تم کس قدر ہولناک حادثات کا شکار ہونے والے ہو۔“

”آپ ہمیں ڈرا رہے ہیں مسٹر کنور جیت۔“

”ہاں ڈرا رہا ہوں تمہیں اس وقت سے جو تم پر نازل ہونے والا ہے۔ ثبوت کے طور پر تنہا رہے سامنے ایک چھوٹی سی کہانی پیش کروں گا۔ ذرا غور کر کے بتانا کہ اس کہانی میں کہاں تک صداقت ہے۔“ جونس اور پیٹر کا چہرہ زرد ہو گیا تھا۔ کنور جیت نے کہا۔

”کیا یہ سچ نہیں ہے مائی ڈیز مسٹر جونس کہ تم صرف اس لئے بھلا صاحب کے ساتھ شامل ہوئے تھے کہ نیا مگر تک کا سفر کرو اور اسلئے کی پدائی کا وہ آرڈر پورا کرو جو تمہیں بنگلہ سے موصول ہو ہے کیا اس سلسلے میں ایک ایسے شخص کو قتل نہیں کیا تم نے جس پر تمہیں شبہ تھا کہ وہ تنہا ہی تاک میں ہے۔ بتاؤ مائی ڈیز مسٹر جونس اور مسٹر پیٹر کیا یہ سب کچھ درست نہیں ہے کہ تم اسلئے لے کر یہاں پہنچے اور اس کے بعد وہ اسلئے تم نے پروگرام کے مطابق ان لوگوں کے حوالے کر دیا جنہوں نے تمہیں اس کا آرڈر دیا تھا۔ کیا تم ان تمام باتوں سے انحراف کرو گے۔ مائی ڈیز مسٹر جونس اور مسٹر پیٹر کیا میں تمہیں یہ بھی بتاؤں کہ تمہارے یوٹ کے دوسرے فرد تمہاری ان کوششوں سے واقف نہیں ہیں حوالے تمہارے چند خاص آدمیوں کے جس کی تعداد محدود ہے۔“ ان کے جیسوں سے جیسے غن لال لیا گیا تھا۔ وہ دہشت زدہ لگا ہوں سے کنور کو دیکھنے لگے تو کنور نے ہاتھ اٹھا لئے ہوئے کہا۔

”نہیں مائی ڈیز مسٹر جونس میں تم لوگوں کو ہراساں کرنے کے لئے یہ بات نہیں کہہ رہا۔ مجھے یہ سب کچھ تم سے نہیں کہنا چاہئے تھا لیکن تمہاری خوش خوشی ہے کہ میرے دل میں تمہارے لئے دوستی کا جذبہ جاگ اٹھا ہے جو واقعات میں نے تمہیں بتائے ہیں ان سے تم یہ اندازہ لگا لو کہ یہ معلومات کس حد تک دوسرے لوگوں کو حاصل ہو چکی ہیں۔ دوسرے لوگوں سے میری مراد بعد صاحب بھی ہیں اور نیا مگر کا حکمران جگت سنگھ بھی اور سب تم نیا مگر کی آبادی میں ہو۔

یہاں سے باہر جانے کے لئے ایک ہیڑا مندری عیار کرنا پڑتی ہے اور اندرونی علاقوں کے بارے میں تمہیں کچھ معلومات حاصل نہیں ہیں۔ تم سوچ لو تم

کس قدر مصیبت میں گرفتار ہو چکے ہو اور یہ بھی بتا دوں میں تمہیں کہ غلام شاہ کے سرکس میں تم نے جس شخص کو قتل کیا تھا وہ جگت سنگھ کا ایک بہت قریبی رشتہ دار تھا۔ اس طرح تمہارے خلاف انتقام کی آگ جس شکل میں بھڑک رہی ہوگی تمہیں اس کا اندازہ بھی ہو جانا چاہئے۔" جوئسن اور پیٹر کی کیفیت اس قدر خراب ہو گئی تھی کہ ان کے لئے کھڑے رہنا مشکل ہو گیا ان کی ٹانگیں لرز رہی تھیں تو کنور جیت نے کہا۔

"تمہیں اس قدر خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تمہارا ہر طرح سے ساتھ دینے کے لئے تیار ہوں وقت سے پہلے مجھے تمہیں ہوشیار کرنے کا موقع مل گیا ورنہ انتہائی کوشش کے باوجود مجھے یہ موقع نہیں مل پاتا تھا اور اب جب یہ صورتحال تمہارے علم میں آ گئی ہے تو ہوش کھولنے کی ضرورت نہیں بلکہ صحت سے کام لے کر اپنا بچاؤ کرنا ہے۔"

"مسٹر کنور جیت، مسٹر کنور جیت۔" جوئسن کے منہ سے دہشت بھری آواز نکلی۔

"بھلا صاحب اور ٹھیکر جگت سنگھ ابھی غلام شاہ کے سرکس کے پاس ہیں اور ان کی دائی میں شاید کافی وقت لگ جائے اس کے بعد تمہیں گرفتار کر لیا جائے گا۔ دیکھو کیا تم میرے سامنے اپنی ان تمام کوششوں سے انحراف کرو گے؟"

"اب انحراف کا کیا سول، جس قدر تفصیل سے یہ باتیں آپ کو معلوم ہوئی ہیں مسٹر کنور جیت اس کے بعد ان سے انحراف حماقت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے کیونکہ جو کچھ آپ نے بتایا ہے وہی ہوا ہے ہم اس سے منحرف نہیں۔"

"ہوں، فیصلہ یہ کرو کہ اب تم اپنے پاپؤ کے لئے کیا کر سکتے ہو؟"

"یہ سب کچھ تو تم نے خواہی کہہ دیا بھلا نیا نگر کی ان آبادیوں سے ہم کہاں جا سکتے ہیں، جو کچھ ہوا مسٹر کنور جیت ہمیں اس بات کا یقین تھا کہ وہ کبھی منظر عام پر نہیں آ سکے گا اور ہم بھلا صاحب کے ساتھ ہی یہاں سے واپس بھی جائیں گے لیکن اب ہمارے سامنے کوئی راستہ نہیں ہے۔"

"لیکن، ابھی ہمارے پاس تھوڑا بہت وقت ہے، لی ڈیڑ مسٹر پیٹر اور مسٹر جوئسن اس دوران تم کوئی فیصلہ کر سکتے ہو اور میں اس سلسلے میں تمہاری پوری پوری مدد کرتا ہوں۔"

"ہم آپ کا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولیں گے مسٹر کنور جیت۔"

"حسان نہیں مجھے خود بھی تم سے کچھ کام لینا ہے ورنہ یہ کام سرانجام دے سکتے ہو۔ کچھ مختصر الفاظ میں، میں تمہیں یہ بتا دوں کہ یہاں یہاں گھر میں آج میں ہی میں کچھ دشمنیاں چل رہی ہیں راؤن سنگھ درہیل سنگھ، جگت سنگھ کے خلاف ہیں وہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں اگر تم ان میں سے کسی کے پاس پہنچ جاؤ۔ ویسے شاید تمہیں یہ علم نہیں ہے کہ وہ اسو راؤن سنگھ کے پاس نہیں پہنچا بلکہ جگت سنگھ کے پاس آ چکا ہے!" کنور نے مختصر الفاظ میں انہیں تفصیل

بتائی۔ ان کے چہرے کی مردانی کچھ درجہ گھٹی تھی۔

”آؤ ہم بری طرح پھنس گئے ہیں کیا کریں ہم اب کیا کر سکتے ہیں۔“ پیٹر بولا۔

”اس کے لئے تمہیں سخت جدوجہد کرنا ہوگی۔“

”مگر ہم یہاں سے نکل سکیں تو کچھ جدوجہد کی جاسکتی ہے لیکن ظاہر ہے یہ علاقہ مختصر نہیں ہے اور ہمارے پاس اتنا وقت بھی نہیں ہے کہ ہم تیزی سے طویل فاصلے طے کر لیں ہم ن علاقوں سے وقفہ بھی نہیں ہیں۔ یہ ساری مشکلات کیا ہمارا راستہ نہیں روکیں گی؟“

”ہوں اس کے لئے میرا ذہن ایک اور ترکیب سوچ رہا ہے۔ اگر تم اس سے اتفاق کرو یہ بتاؤ جو لوگ تمہارے ساتھ کام کر رہے ہیں، ان سے تمہیں کوئی گہری دلچسپی ہے؟“

”اپنی زندگی سے زیادہ کسی اور کی زندگی سے دلچسپی کا اظہار کرنا طاقت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے مسٹر کنور جیت۔“ پیٹر نے کہا۔

”تو ان پانچ آدمیوں کی نشاندہی مجھے کر دو میں یہ ایک خاص مقصد کے تحت کہہ رہا ہوں ان لوگوں کو گرفتار کر دینا ضروری ہوگا تاکہ میری پوزیشن بھی محفوظ رہے اس کے علاوہ تمہیں یہاں سے فرار ہونے کے لئے کوئی لمبا راستہ چھپ نہیں کرنا چاہئے اس وقت تک جب تک تمہاری تلاش کا سلسلہ ختم نہ ہو جائے۔ یہ وسیع و عریض عمارت بہت کارآمد ہے۔ اتفاق سے میں اس کے مختلف گوشے دکھ چکا ہوں سب سے پہلے انتہائی برقی رفتار سے کام لے کر اپنے لئے کوئی ایسی مناسب جگہ تلاش کرو جہاں تم پوشیدہ رہ سکو اور یہ جگہ مجھے بتا دو تاکہ میں وہاں تمہاری خبر گیری کر سکوں اور تمہیں کھانسنے پینے کی اشیاء فراہم کر سکوں۔ تم ایک مخصوص وقت تک وہاں پوشیدہ رہو گے میں خیال یہ رکھتا ہے کہ دوسروں کی نگاہوں سے محفوظ رہو اور اس کے بعد جب راستے صاف ہوں گے تو میں تمہیں صحیح سمت بتا سکوں گا تمہیں کہاں اور کس طرح جانا ہے۔ تمہارے لئے دوسرے نظامات کرنا بھی میری ذمہ داری ہے۔“ جو سن اور پیٹر حیرت بھری نگاہوں سے کنور جیت کو دیکھ رہے تھے پھر جو سن نے کہا۔

”تمہارے عمدہ تدبیر ہے ہم اس طرح اپنا مختصر سامان لے کر روپوش ہو جائیں گے اور لوگ یہیں تمہیں گے کہ ہم رات سے باہر نکل گئے ہیں کوئی سوچ بھی نہیں سکے گا کہ ہم یہاں مقیم ہیں مگر مسٹر کنور جیت آپ کے اس احسان کے بدلے میں ہم آپ کو کیا دے سکیں گے؟“

”اس کا فیصلہ بعد میں ہو جائے گا کہ تم مجھے کیا دے سکتے ہو پس نے چاؤ کا بندوبست کر لو۔“

”آپ اس سلسلے میں ہماری کوئی مدد کر سکتے ہو؟“

”تمہارے پاس صرف اتنا وقت ہے کہ بھلا صاحب یہاں پہنچ جائیں، اس دوران تمہیں اپنے لئے کوئی محفوظ مقام تلاش کر لینا ہے۔ میں اس

کسے زیادہ اور کچھ نہیں کر سکتا۔ بعد میں تم مجھے اس جگہ کے بارے میں تفصیل بتا دینا تاکہ میں ہاہر کے معاملات سے تمہیں ہوشیار رکھوں۔“ جوئسن اور پیٹر باور خواستہ تیار ہو گئے تھے اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ ان کے حواس جواب دے چکے تھے اور اس وقت وہ اپنے آپ کو ہانگن بے بس محسوس کر رہے تھے۔ یہ نگرانی ان آبادیوں سے ہاہر نکل جانا بھی ایک مشکل کام تھا کیونکہ یہاں انہوں نے جو کچھ دیکھا تھا اس سے بخوبی اندازہ لگایا تھا کہ موجودہ حالات کے تحت ہر شخص کو شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور ذرا سی لغزش موت سے ہمکنار کر سکتی ہے۔ اس تصور نے ان کے ہاتھ پاؤں پھل دئیے تھے تاہم زندگی بچانے کی جدوجہد میں وہ مصروف ہو گئے اور خوش بختی سے انہیں ایک ایسی جگہ بھی دستیاب ہو گئی۔ قدیم حویلی میں ایک نوٹے پھونے مقام پر ایک زمین دوڑتہ خانہ سا تھا جو بہت وسیع و عریض تھا حالانکہ اندر سے نہایت گندا اور بدبودار تھا لیکن زندگی کی جدوجہد کے لئے باقی تمام چیزوں کو بھی نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔ جوئسن اور پیٹر نے وہ جگہ کنور جیت تو بھی دکھائی ور کنور جیت نے نہایت اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اس طرف کسی کی توجہ بھی نہیں جائے گی۔ پھر اس کے بعد باقی منصوبوں پر گفتگو ہوتی رہی اور تھوڑی دیر کے بعد دوسرے نوٹوں کی لگائیں پھر کر جوئسن اور پیٹر اپنا مختصر سامان لے کر اس تہہ خانے میں منتقل ہو گئے، کنور جیت نے نہیں بتایا کہ کس طرح وہ ان سے رابطہ قائم رکھے گا اور نہیں ضروریات کی اشیاء فراہم کرتا رہے گا، جوئسن نے کنور جیت کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

”مگر آپ ہمارے خلاف کچھ کرنا چاہتے مسٹر کنور جیت تو ہمیں اس طرح تنگ نہ دیتے لیکن فی الحال ہماری زندگی کا دار و مدار آپ پر ہے اور ہم آپ کے لئے ہر وہ کام کرنے پر تیار ہوں گے جس کے قابل آپ ہمیں سمجھیں گے۔“

”مجھے ان پانچوں کی نشاندہی بھی کر دینا نہیں گرتا۔ کرنا ضروری ہو جائے گا کیونکہ اس راز سے صرف میں واقف ہوں اور کوئی نہیں ہے چنانچہ اپنا پوزیشن صاف رکھنا بھی بے حد ضروری ہے۔“ جوئسن اور پیٹر نے اسے اپنے ان ساتھیوں کے بارے میں تفصیلات بتا دی تھیں اور کنور جیت نے گردن ہلاتے ہوئے کہا تھا۔

”بس تو ٹھیک ہے اب تم یہاں اس مختصر وقت میں اپنے لئے کسی آرام گاہ بناؤ جو تمہیں بہت زیادہ تکلیف نہ دے سکے۔ اس دوران چند اشیاء میں تم تک پہنچائے دیتا ہوں لیکن خبردار ہوشیاری شرط ہے۔ غیر ضروری طور پر یہاں سے نکلنے کی کوشش بھی نہ کرنا ورنہ نقصان اٹھا چاؤ گے۔“

”مسٹر کنور جیت اب تو محلہ لہہ ہم آپ کی مدد کے سہارے زندہ رہیں گے ورنہ ہمارے پاس اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔“ کنور جیت نے گردن ہلا کر بھی اس کے بعد وہاں لوگوں میں آکر شامل ہو گیا، کسی کو شبہ کا موقع نہ دینے کے لئے ضروری تھا کہ وہ بھی یہاں ان انتظامی امور میں شامل ہو جائے جن میں دوسرے مصروف تھے لیکن اسے اپنے اس منصوبے پر بے حد خوشی تھی۔ یہ سارا معاملہ کسی بھی طور ان لوگوں کی ذات سے تعلق نہیں رکھتا تھا نہ

تھی اس میں بھلا صاحب کا کوئی بہت بڑا نقصان تھا لیکن سو یا کے سلسلے میں بھلا صاحب نے جس صدمہ تھا اس کا مظاہرہ کیا تھا، کنور جیت ان سے اس کا
 بھرپور انتظام کرنا چاہتا تھا اور اس کے دہن میں ایک اہم منصوبہ پروان چڑھ رہا تھا۔
 بھلا درجہ تک سنگھ سے بھی غلام شاہ کے ساتھ زیادہ وقت صرف نہ کیا تھا۔ کنور جیت ان کی واپسی کے لئے تھا اس نے اپنے کمرے کا دروازہ اندر
 سے بند کر لیا تھا اور بس تہہ میل کر کے آرام کرنے بیٹ گیا تھا۔ کافی دیر گزری، اس کے بعد کسی نے اس کے کمرے کا دروازہ بجا یا تھا۔ کئی بار
 دروازہ بجانے کے بعد کنور جیت نے دروازہ کھولا تھا۔
 ”کنور جی بھلا صاحب جا رہے ہیں۔“ بھلا صاحب کے ایک آدمی نے کہا۔
 ”تم نے بتایا نہیں کہ میں سو رہا ہوں۔“ کنور نے جھلائے ہوئے بچے میں کہا۔ اسی وقت بھلا پیچھے سے آگیا۔
 ”تم جاؤ۔“ اس نے اس شخص سے کہا جسے اس نے یہاں بھیجا تھا اور پھر وہ خود کنور کے سامنے آگیا۔
 ”سوری بھلا جی۔ دراصل سونے لیٹ گیا تھا اکیلے واپس آگئے آپ۔“ کنور نے آنکھیں ملنے ہوئے کہا۔
 ”بہت برا ہو گیا کنور۔ بہت ہی برا ہو گیا۔“ بھلا صاحب نے پریشانی سے ہاتھ ملنے ہوئے کہا۔
 ”ارے خیر جیت، کیا ہوا۔“
 ”جوسن اور پیٹرنگل مجھے ان کا ساماں بھی غائب ہے۔“
 ”ارے، کنور مچھل پڑا داکاری اس کے لئے کوئی مشکل چیز نہیں تھی اس نے حیرت ہونے کی بہترین داکاری کی تھی۔
 ”دکڑی کے ہو گئے ہم جگت کی لگاؤ میں ساری عزت خاک میں مل گئی۔ مگر نکل کر کہاں جائیں گے تباہ آساماں نہیں ہو گا۔“ بھلا صاحب نے کہا۔
 غلام شاہ تمام کام کی نگرانی معمول کے مطابق کر رہا تھا اس کے تربیت یافتہ آدمی اس کام کے ماہر تھے چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے پورا سرکس تیار ہو گیا
 صرف اندر کام جاری تھا جو آہستہ آہستہ ہو سکتا تھا۔ کھ کر جگت سنگھ اور بھلا صاحب بھی آس پاس ہی موجود تھے اور غلام شاہ شرمندہ ہو رہا تھا
 بہر حال کھ کر بہت بڑا آدمی تھا جس کا اندازہ غلام شاہ کو تھا۔
 ”رے بھائی کھ کرتے نے تو ہمیں شرمندہ کر دی ہے، حیرت بہت تھی رہے اتنا کا بھی ہے کہ تے نے ہمارا اتنا کھیا کیا۔“
 ”آپ میرے جذبات سے واقف نہیں شاہ صاحب آپ نے اپنی آمد سے پہلے ہی یا نگر پورا احسان کر لیا ہے میں اسے کبھی نہ چکا سکوں گا میری

خدا ہنس ہے کہ آپ کو یہاں کوئی تکلیف نہ ہو۔“

”تیری مہربانی تھا کہ، تے نیا مگر کاراجہ ہی نار ہے بہت بڑا، انہ نا بھی رہے۔ انسان راجہ سے بڑا ہوت ہے سو تو ہے تیری ہر کھمت کر کے ہمیں کھوی ہوگی اور ہاں میرے مولا کے کرم سے ہمارے پاس سب کچھ موجود رہے پر کوئی جلدورت ہوئی تو ہم تو کا نادریں گے۔“

”ضرورت و صاحب“

”اور ہاں تھا کہ، منہ ڈا تیار کرئی ہے پہلا تھیں ہم تو ہاں واسے کریں گے۔ تیرے ہاں بچے و دوسرے لوگ ہمارے مہمان ہوں گے منہ ڈا تیار کر کے ہم تو کا دعوت دینے آئیں گے۔“

”بہت بہت شکریہ شاہ صاحب ہم ہاں رہے ہیں مگر ہمارے چار آدمی آپ کے پاس رہیں گے کسی بھی کام کے لئے کوئی ضرورت ہو تو آپ انہیں حکم دے دیں۔“

”ٹھیک ہے اور ہاں بھائی بھئی، تیرا بڑا ساتھ رہا بھائی مگر روج ملتا ہو گا ہم سے کہیں ڈوب ہی نہ جانیو بھائی۔ بڑی حقے داری ہے تیرے اوپر ہماری۔“

”خادم ہوں آپ کا شاہ صاحب۔ ذرا تنکات کروں اس کے بعد حاضری دوں گا۔“ بھلا اور جگت تھکے چلے گئے غلام شاہ و تہہ کاموں کی مگر فی کرتار ہاں اور شاہ تک یہ ہوگ۔ بند کی کاموں سے فارغ ہو گئے۔ غلام شاہ نے اکبر شاہ اور سوہیہ کو طلب کر لیا۔

”رہے بھائی اکبر! حیر کام ہوئی گیا حیر! پر یہاں تو بڑی یکٹ کہنیاں پھیلی رہیں۔ یا ج تو کا کچھ بتائی رہے؟“

”نہیں شیخا کوئی بات ہی نہیں ہوئی یا نہ سے۔“ اکبر شاہ نے جواب دیا۔

”بڑے جھگڑے چلت رہیں ہو، ٹھکرا میں۔“ میں ایک کھمر ستائے رہے تھا کر جگت تھکے کھوی بھی ہوئی ہے اور پر یہانی بھی۔“

”کی شیخا۔“

”چنگ منک یہاں آئے رہے، بڑے کارنامے کر رہے مگر، پھر گا ب ہوئی گئے۔“

”کیا؟“ اکبر شاہ اور سوہیا جھل پڑے غلام شاہ نے بچے مخصوص انداز میں پوری تفصیل ان دونوں کو سنائی اکبر شاہ اور سوہیا انگشت بدندان رہ گئے تھے۔

”مگر وہ گئے کہاں شیخا؟“

”انہواہ کر لئے گئے۔ مولا رحم کرے ان پر۔“

”تو بلکہ بھی یہاں موجود ہے۔“ اکبر شاہ نے پر نیوہ انداز میں کہا۔

”ہاں، بڑا، ہماری معلومات گھٹ مار رہی تھیں ہم ادا کا بارے میں پتہ لگاتی ہے۔ پتا چلا آئے گا کیر مگر بڑا ہو یا ر ہنے کی ضرورت ہے ہم ہی کے بارے میں کام کریں گے۔“

”کیا شیخ؟“

”ایک بات تو کاٹنا نہیں کبرا، براست مانتو، کبھی کبھی انسان سے زیادہ جانور کام آئے رہیں انسان سے لا پر دانی ہو جاتی ہے مگر جانور سرے سیدھے ہو دیں ہیں جو کام انہیں دیدہ پورا کریں ہیں۔ دن میں تو سب ٹھیک رہے پر رات کی چوکیداری ہم بندروں کو دے رہیں۔ ان کا سمجھائی دیں گے کرا نہیں کا کرنا ہے۔“

”بندروں کو۔“ اکبر شاہ نے کہا۔

”ہاں تم سادہ دیکھتے ہو کبھی کا ہوئی ہے۔“ قدام اکبر شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ایک بات کہنا چاہتا ہوں شیخ؟“ اکبر شاہ نے کہا۔

”کا بڑا؟“

”تمہارے حکم کے مطابق، ہم نے ہر مشکل خود پر سہاری اور کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ مگر ہمیں اتنا برا دشمن ہے اور تمہاری زندگی کے لئے خطرناک ہے، مگر وہ ہمارے سامنے آتا تو ہم اس پر ہتھیار اٹھانے کے لئے مجبور ہوں گے۔“

”دیکھ جائے گا چوڑیاں ہم بھی ناسی ماکن رکھی ہیں بس جرا جلد پا جی نہ کریو۔“

”بھلا صاحب ان دونوں کو گرفت نہیں کرایا۔“ اکبر شاہ نے کہا۔

”اں کا جاتی معاملہ ہے۔ ہم کا ہے نا گنگ اڑانیں بھائی پر ہمارا چنگ منک نے ناک بڑھا دی ہمارے گنگ من کی بڑی تعریف کر رہے ہیں ایک بات ہم ضرور جاننا چاہتے ہیں، کسی سے بات کھانے دارے نہیں۔ اب ان کے بارے میں پتہ چل گئی ہے تو بہت یاد آئے رہیں۔“ نظام شاہ خاموش ہو گیا۔

رات ہو گئی۔ سرکس جنگل گانے لگا رہا، گنگ آبادی سے کافی فاصلے پر لگا ہوا تھا مگر یہاں گنگ کے پاسیوں کو اس کے بارے میں معلوم ہو گیا تھا چنانچہ جس کے پاس یہاں آنے تک کے ذرائع تھے وہ یہاں پہنچ گیا تھا۔ سرکس کے پاس مجمع لگ گیا تھا۔ لوگ سرکس، ان کے لئے بھوس وغیرہ کے تھلے لائے تھے رات گئے تک خوب روشنی رہی اور جب آخری آدی بھی چلا گیا تو جڑی بڑھ کر دیئے گئے۔

شیخا بندروں کے کنہرے کے پاس ان سے مذاکرات کر رہا تھا اس وقت سونیا بھی اس کے پاس تھی۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے آئی تھی اور اس نے شیخا کو معصوف دیکھا تھا۔ پھر غلام شاہ نے دونوں ہاتھی کھول دیے۔ دو بڑے ہندو ہاتھیل پر سوار ہو گئے اور ہاتھی چل پڑے خود سرکس والوں کے لئے بھی یہ کھیل نیا تھا اور آرام کے وقت کے باوجود وہ باہر نکل آئے تھے۔ بندروں نے مورچے سنبھال لئے وہ آزاد پھر رہے تھے۔ کچھ تنو کے سب سے وپری سے پہنچ گئے تھے کچھ کو بیٹیاں دے دی گئی تھیں اور وہ بیٹیوں میں پھونک مار مار کر انہیں بچائے جا رہے تھے۔

”ارے اور حرام کھورو بلا عجب کا ہے بیمار ہے ہو بیٹیاں مار کھاؤ گے کا کھڑے کے وقت بھائی رہے۔“ اور بیٹیاں حیرت انگیز طور پر خاموش ہو گئیں۔ اس کے بعد کوئی سیٹی نہ لگی تھی۔ ”پھوج رہے یہ ہماری جادو تم سب آرام سے سوئی جاؤ۔“ غلام شاہ نے کہا ہاتھی بے گشت پر نکل گئے تھے ہندو چاروں طرف کودتے پھر رہے تھے۔ اکبر شاہ نے گردن جھٹکی اور یا ز سے ہاتھیں کرتا ہوا نیچے کی طرف نکل پڑا۔

”بس اے بارے میں جو کچھ معلوم ہوا ہے وہ خطرناک ہے ایذا، یہ عقد اس کا ہے اور ہم اس سے، جی جی ہیں اس لئے اس سے ہوشیار رہنا ضروری ہے شیخا کی فطرت میں ایک مصیبت ہے وہ چھوٹی حرکتیں کر کے خوش ہو جاتا ہے۔ اب یہ بندروں کا معاملہ ہی ہے۔“

”ہاں ہمیں ہوشیار رہنا ہو گا۔“

”یا ز تمام لوگوں کو خفیہ طور پر ہوشیار کر دو یہ ذمہ داری ہماری ہے اگر شیخا کو کچھ ہو گیا تو تم جانتے ہو کیا ہو جائے گا۔“

”اطمینان رکھو ہم ہوشیار رہیں گے کبیر بھیا۔“ رات پر سکون گزری تھی ساری آرمی رات کے گشت کے بعد اپنے ٹھکانوں میں آگئی تھی معصومیت کا آثار ہو گیا تھا۔ دن گزر گیا بھلا صاحب اور نکتہ نگار کی طرف سے کوئی نہیں آیا تھا۔ دو پہر ڈھلے لگی جھولے وغیرہ سب درست ہو چکے تھے اور لوگ آرام کر رہے تھے کہ باہر سے کچھ چٹیں سنائی دیں اور اکبر شاہ چونک پڑا وہ برق رفتاری سے پٹی چک سے اٹھا اور ٹرپ کر نیچے رکھی رات نکل اٹھا کر باہر نکل آیا۔ سرکس کے سامنے دوسرے حصے میں کچھ دنگ چچ رہے تھے۔ اکبر شاہ نے اسی طرف چھوٹک لگا دی سامنے سے اس نے سرکس کے بہت سے لوگوں کو دوڑتے ہوئے دیکھا تھا وہ رات نکل سیدھی کر کے سامنے دیکھنے لگا اور پھر اس نے بھی وہ دیکھ لیا جو دوسرے لوگوں نے دیکھا تھا۔ اس کی بینائی بھی بہت تیز تھی اور اس نے بھی پہچان لیا تھا وہ چٹو اور مشکوئی تھے۔ اکبر شاہ انہیں دیکھ کر دنگ رہ گیا وہ اس کے بھی بچپن کے ساتھی تھے دوران کی جدائی نے اسے بھی افسردہ کر دیا تھا لیکن مجبوری تھی۔ چٹو مشکو کی طرف دوڑ کر جانے والوں نے انہیں گود میں اٹھالیا۔ وہ سب بے حد مسرور تھے اسی وقت عقب سے غلام شاہ کی آواز سنائی دی۔

”کا ہے سورج، یہ ہے اکبر؟“

”شیخ، چکو منکو۔“ اکبر شاہ نے گھٹی گھٹی آواز میں کہا۔

”کہاں رہے کدھر رہے آئی گئے۔“ آئی گئے رہے میر کے بچے بابا اورے چنگ منک رہے دوڑ آئی ہوا آئی جاؤ رہے۔“ غلام شاہ بے اختیار ہو کر چیخا اور وکیل چیز اسی طرف دوڑائے لگا۔ چکو منکو آگے بڑھ کر اس سے پٹ گئے تھے اور غلام شاہ نے انہیں سینے سے بچھڑک دیا تھا۔ تمام لوگ ان کے گرجے ہو گئے۔ غلام شاہ بالکل خاموش تھا۔ سرکس کی طرف سے دوک مسلسل دوڑے آ رہے تھے سونیا بھی وہاں پہنچ گئی تھی۔ چکو نے کہا۔

”شیخا کچھ اور لوگ بھی ہیں ہمارے ساتھ، رشتی ور خستہ حال، بہت مشکل سفر طے کر کے ہم یہاں پہنچے ہیں۔ ہماری حالت تو باہر ہے لیکن ان کی مدد کرنا ضروری ہے خدا کے لئے گاڑیاں بھجوا دیں تاکہ وہ یہاں منتقل ہو جائیں۔“

”رہے اونکی ایہ جے گاریاں بھجوائی دے ہوا آرام سے نہیں لئی آ۔ آؤ چنگ منک، بہت پریشان کر، راجہ نے حرام کھور دھکا آؤ رہے آؤ۔“ غلام شاہ وہ پس پٹ پڑا اور پھر وہ غلام شاہ کے خیمے میں آ گئے۔ چکو نے غلام شاہ سے کہا۔

”یہ پٹ کر جگت نگہ کا علاقہ ہے نا۔“

”ہاں ہوا ایہ بڑا صیار ہے جگت نگہ بڑی سخت دی ہے اس نے ہمیں۔“

”ہم خود بھی اس کے ساتھ رو چکے ہیں شیخا بڑی لمبی کہانی ہے ہماری۔“

”جانت رہیں ہم ہوا ساری کہانی معلوم ہے ہر کسب سنائی دے رہے جگت نگہ ہمیں پر حرام کھور دھکا کو بتائے مگر چا سوئی کرنے کا ہے چل پڑے تھے۔“

”بس شیخا غلطی ہو گئی مگر جو عذاب بھگتا ہے ہم نے ہمارا دل چاہتا ہے موت سے آگے چوٹی کھیتے رہے ہیں ہم لوگ۔“ چکو نے کہا۔

”ارے تے بھی نا سمجھ لئی رہے انی کا منکو، تے تو سمجھدا تھا رہے۔“

”شیخا اس نے مجھے بھی چکر دے رکھا تھا کوئی بہت بڑا کارنامہ مہر انجام دینا چاہتا تھا یہ سہ صوبہ کے لئے۔“

”کو کے لئے؟“ غلام شاہ نے کہا۔

”سہ صوبہ سے محبت کرتا ہے یہ اس سے شادی کرنا چاہتا ہے بس اس پر یہ دھن سوار تھی کہ کوئی بڑا کارنامہ انجام دے کر بڑا مقام حاصل کرے۔“

”یہ۔“ غلام شاہ کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ چکو کے حواس گم ہو گئے تھے۔ بڑا ارہ منکو نے ایسے کھول دے گا اسے امید نہ تھی شیخا امتحان کی طرح منہ کھولے اسے دیکھتا رہا سو یا منہ بند کر کے نفس پڑی تھی اکبر شاہ بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکا تھا۔ غلام شاہ چند محبت سکے میں رہا پھر اس کی ہنسی کھل گئی اس

کے بعد وہ حلق چھاڑ پھاڑ کر قہقہے لگانے لگا۔“ اور بے غیرت اورے حرام کھور اورے ادنیٰ حرام کھور۔“ سب لوگ ہنس رہے تھے پھر غلام شاہ نے کہا۔
 ”مگر تمہیں کون انصافی لے گیا تھا۔“

”بہت سے انکشافات سننے ہیں ہم نے شیخا بلبرنگ سے کیا تھا ہمیں بڑی ہی کہانی ہے پوری تفصیل سے سنانی ہوگی۔ یوں سمجھو شیخا کہ ہم نے میسرنگ کو تنگی کا تاج نچا دیا ہے۔“

”اس اے شا کر کا بھی اسے اسی کہیں مار رہے پر ہٹو جن لوگ اس کے سنے سنے نے گاڑی بھگوائی ہے کون رہیں؟“
 ”یہ نگر کے وہ مظلوم لوگ جنہیں ہم نے راوننگ کے قید سے رہائی دلوائی ہے جو کارنامے ہم نے انجام دیے ہیں شیخا وہ لوگ تمہیں ان کے بارے میں بتائیں گے وہ فریاد لے کر جکتنگ کے پاس آنا چاہتے تھے بہت سے تھے پچھلے لیکن راستے میں سب مارے گئے صرف چند زندہ بچ گئے ہیں ہم نے انہیں بلبرنگ کے قید خانے سے نکلوا دیا ہے شیخا اورے ہاں شیخا آپ شارق کو جانتے ہیں۔“ چنگو نے پوچھا غلام شاہ یکساں پھر جھل پڑا تھا اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے تھے کبر شاہ نے کہا۔

”وہ تم لوگوں کے سامنے تو یہاں نہیں آیا تھا؟“
 ”یہاں تو نہیں آیا تھا لیکن اس وقت وہ ہمارے ساتھ ہے شیخا تم اس کے بارے میں سنو گے تو جہان رو چاؤ گے ایسا ایسا موقع آ گیا تھا جب ہم سب

سے لے ہو گئے اور موت ہم سے دور نہ تھی شارق کی وجہ سے ہم سب لوگ بچ گئے۔“
 ”اکبر شاہ دیکھ رہے۔“ کی گئی وہ لوگ کا اورے اسے اسی سر پر آ گیا۔“ ذرے بعد ہاں باتیں کریں گے آ۔“ شیخا کے چہرے سے اپنی دہلی خوشی کا اظہار ہو رہا تھا وہ بے اختیار کرسی دھکیلتا ہوا ہاں ہر نکل آیا سو نیا وہیں خاموش کھڑی رہی باقی سب باہر نکل گئے پھر انہوں نے اسے پال وغیرہ کو نیچے آتے ہوئے دیکھ شیخا کی نظریں شارق کو تلاش کر رہی تھیں لیکن وہ اسے نظر نہ آیا۔

”کدھر ہے رہے او۔“ غلام شاہ نے بے چینی سے پوچھا۔
 ”نظر نہیں آ رہا۔“ چنگو نے کہا اور پھر اس نے اسے پال سے شارق کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا۔

”مجھب آدمی تھا وہ پس چلا گیا میں نے بہت روکا مگر وہ نہ مانا کہیے لگا پھر کئی ملاقات ہوگی میں سمجھتا ہوں اس نے واپس جا کر اپنی زندگی خطرے میں ڈال دی ہے۔“

اکبر شاہ نے غلام شاہ کا چہرہ ایک دم پھیکا پڑتے ہوئے دیکھا۔ چنگو منکوک و ہسی نے اسے یقیناً خوش کیا تھا لیکن شارق کا نام سن کر غلام شاہ کو جو خوشی

ہوئی تھی۔ وہ بھی کم نہ تھی اس نے بڑے مسرورہے میں کہا تھا۔ ”ارے پھر آئی گئی اور اس کے بعد وہ اس سے ملنے کے لئے ہے جیسے ہو گیا تھا۔ مگر بے پال کے الفاظ نے اسے اداس کر دیا تھا۔ مگر صرف ایک لمحہ، دوسرے لمحے وہ خود کو منہ بال کر پڑا۔

”رے کا ہے کھڑے ہو بھی کی جیسے۔ ارے اندر سے چوکنے والے گال کو اکبر، سب چارے سب کے سب برے حال رہیں۔ تم لوگ بالکل بھٹک کر نہ کرو جو پیر تم کا چاہنے پھر اہل دو۔ جاؤ رے سارے بندہ ست کرو ان کے لئے جگہ کھن کر اودھن کے آرام کے لئے۔“

”آپ لوگ آئیے۔“ اکبر شاہ نے کہا اور اپنے پال اپنے آدمیوں کے ساتھ، اکبر شاہ کے ہمراہ چل پڑا۔ اکبر شاہ نے چند قدم آگے چل کر پوچھا۔ ”وہ کتنی دیر پہلے آپ کے پاس سے گیا؟“

”کون۔ شارق صاحب؟“

”ہاں!“

”جب چلو منکو اس طرف دوڑے اور کچھ دور نکل آئے تو اس نے مسکراتے ہوئے مجھ سے کہا کہ مہارک ہوٹھا کر اسے پال تم اپنی منوں پر پہنچ گئے یہ غلام شاہ کا سرکس ہے، در غلام شاہ فرشتہ صفت انسان ہے وہ تمہاری ہر طرح سے دکرے گا اب میں چلا ہوں۔ میں نے حیرت سے پوچھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے تو اس نے کہا کہ اس کا جہاں اور ہے لیکن یہ مگر گول ہے کہیں نہ کہیں دو بارہ ملاقات ہو جائے گی۔ ہم نے بہت روکا اسے مگر بولا کہ اس کا جانا ضروری ہے۔“

”یا ز!“ اکبر شاہ نے سامنے مڑ کر دیکھا۔

”جی اکبر بھی۔۔۔“

”دھن جلدی ممکن ہو سکے چند گھوڑے لے کر اس طرف چلے جاؤ اور شارق کو تلاش کر دو مگر نظر آجائے تو ہر قیمت پر اسے لانا ہے چاہے اس کے لئے تمہیں غنی ہی کیوں نہ کرنی پڑے۔“ ایسا زکوئی دوسرا سوال کے بغیر دوڑ گیا تھا۔

”دوسری طرف غلام شاہ چلو اور منکو کو لے کر اپنے خیمے میں آ گیا۔ سو نیا وہاں موجود تھی۔ اہارے حرام کھورو۔ تم لوگوں نے کھوپ چاوسی کر ڈالی۔ گت بن گئی ہوئی سرور اسکل سے لگ رہا ہے۔“

”ہاں شیخا، ہر حال ہے ہمارا۔ اگر آپ اجازت دیں تو نہ کر لباس بدل لیں سوئی ہمارے کپڑے تو ہوں گے۔“

”کیوں نہیں تمہارا خیمہ بھی باقاعدہ لگتا ہے۔ تمہارا سامان وہیں ہے۔“ سوہنے نے جواب دیا اور چلو منکو ورازاے کی طرف چل پڑے۔

”خوڑے۔ تپا ہو کر ادھر ہی آ جاؤ۔ چاہو تو ایسے لئے ساتھ ہی بیٹھ گئے۔“ غلام شاہ نے کہا۔

”آ رہے ہیں شیخا۔“ منکونے کہا اور دونوں باہر نکل گئے۔

”دو بجی آئے رہے ان کے ساتھ، سارک کی کہت رہیں، پر اووا پس چلی گئے۔ ارے کا ہے رکتا بھائی انسان کا چھ کتا ہے گیرت ہو سکت ہے جیادہ سے جیادہ۔ کانا پوست اوکا ہم۔ اے ہو کہہ کی کہ بھست کی روٹیاں اس سے جیادہ ناطت رہیں۔ لاکھ روپے کا ہیرا دے گیا دور روٹیوں کے بدلے۔ واہ بھی بڑا مصالح کمالی ہم تو۔“

”چائے خواؤں شیخا۔“ سونیا نے کہا۔

”بٹو اے بیٹا۔“ شیخا بھاری لہجے میں بولا، اور سونیا خاموشی سے باہر نکل گئی۔ چٹکو منکونے تھوڑی دیر کے بعد آ گئے سوچا بھی نیسے میں وہیں آ گئی۔ اسی وقت اکبر شاہ بھی اندر آ گیا۔

”ان لوگوں کے لئے چورے آرام کا بندوبست کر رہا ہے شیخا۔ کھانا، کپڑے، لباس سب کچھ مہیا کر دیا ہے ان کے لئے۔“

”بیٹھ جا اکبر۔ چائے لے بٹو۔“ غلام شاہ نے کہا اور اکبر شاہ بھی بیٹھ گیا۔ ”ہاں رہے اب بولو تمہارے ساتھ کارہی ہے۔“ چٹکو منکونے شروع سے ساری کہانی سنانے لگے پھر انہوں نے کہا۔

”دور پھر شارق سنے ہمیں آزاد کرایا۔ اس وقت ہم بالکل مایوس ہو گئے تھے شیخا، اور ہمارے بچنے کی کوئی امید نہیں رہی تھی مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ شارق چلا کیوں گیا۔ ہر طرف خطرہ ہے شیخا اسے کوئی نقصان بھی پہنچ سکتا ہے۔“

”بڑا برا حال ہے بھائی یہاں تو امید سر کا لگی ہے۔ ویسے اسے تو اچھی کھیر سٹائی ہے ہمارا پورا پیٹ یہاں رہے اور اسے ہمارے آنے کی کھیر بھی ہے اکبر ہوسیار۔!“ غلام شاہ نے کہا۔

”یہ خبر تو جگت سنگھ بھی دے چکا ہے شیخا، میں نے پیٹھ اس کے استہلال کی ساری تیاریاں کرنی ہیں۔“ اکبر شاہ نے کہا۔

”ہاں بھائی جر ہوسیار کی جردری ہے۔“ غلام شاہ بولا۔

”شیخا میں بے یاز کو دوسرے چند لوگوں کے ساتھ پہاڑوں میں بھیج دیا ہے وہ لوگ شارق کو تلاش کرنے گئے ہیں۔“ غلام شاہ نے عجیب سی نظروں سے اکبر شاہ کو دیکھا اور پھر چٹکو سے بولا۔

”ہاں اسے حرام کھور سندھیا سے سادی کرنا چاہیے ہے تے۔ ارے کا ہے جیری سامت آئے رہے ارے تو حرام کھور اوکلی ٹانگ پر اب رہے۔“

”شیخا، اول، اول، اول۔“ چنگو بچوں کی طرح غلام شاہ سے پٹ گیا اور غلام شاہ پیار سے اس کے سر پر ہاتھ بکھیرتا ہوا بولا۔

”ارے بھائی، دو تیار ہو جائی ہے گا، اری، دوسو فی جراثیات کر لٹی ہے، دوسے وکا کھت ہے۔ جاؤ رے آرام کرو۔ ارے ہاں بھائی کبیرا بڑ کسی کو بھیج نکلت سنگھ کے پاس اوکو غنائی ہے کہ اوکے مہمان آئے رہیں۔“

”جی شیخا۔ اکبر شاہ نے کہا۔

”جاؤ بچو، آرام کرو سب۔“ غلام شاہ نے کہا ورسب ہا ہر نکل آئے۔



بھلا صاحب نے ٹھ کر جگت سنگھ کو جو سن اور پیٹر کے نکل بھاگنے کے بارے میں بتایا اور ٹھ کر حیران رہ گیا۔ اس نے حیرت سے کہا۔

”مگر کب، کیسے؟“

”چہ نہیں، وہ اپنے سامان کے ساتھ غائب ہیں۔“

”دوسرے لوگوں کے ساتھ نہیں آئے تھے۔“

”ہاں میرے آدمی بھی بتاتے ہیں مگر اب وہ موجود نہیں ہیں۔“

”میں پہلے ان کی تلاش کرتا ہوں بھائی۔ اس کے بعد ہم باتیں کریں گے۔“ ٹھ کر نے کہا اور بھلا صاحب نے گردن ہلا دی۔ ٹھ کر جگت سنگھ کی نگہبانی کے بعد آیا تھا۔ اس نے پہلے بھلا صاحب سے خیریت پوچھی۔

”میں تو ٹھیک ہوں، ان کے بارے میں بتائیے۔“

”بھی نیک، کچھ نہیں ہو سکا مجھے شبہ ہے کہ کسی طرح ان کا رابطہ راون سنگھ سے رہا ہے اور پھر کسی شک کا شکار ہو کر وہ نکل بھاگے ہیں۔ مگر دن کی دھوکے سے راون سنگھ کے آدمی یہاں موجود نہیں رہے اور انہوں نے خود ہی یہ کوشش کی ہے تو شاید نکلتا ان کے لئے آسان نہ ہو، کیونکہ میں نے ان تمام راستوں پر آدمی دوڑا دیئے ہیں جہاں سے وہ نکل سکتے ہیں۔ بیاوٹی پار کرنے کی کوشش کی، مگر انہوں نے تو پھر انہیں مردہ ہی سمجھو۔“

”جگت، میں بہت شرمندہ ہوں۔“ بھلا صاحب نے کہا۔

”مجھے حد شد تھا کہ تم اس طرح سوچو گے۔ بھلا تم میرے دوست ہو، مجھے تمہاری دوستی پر اعتماد ہے۔ بھگوان کے لئے اس طرح سوچ کر میرے اس اعتماد کی تو بین نہ کرنا؟“

”ایک بات کہوں بھلا صاحب۔“ اچانک کنور جیت نے اس گفتگو میں مدخلت کی اور دونوں چونک کر اسے دیکھنے لگے۔ ”پانچ ایسے آدمی میری نگاہ میں ہیں جنہیں میں نے اس دوران خصوصی طور پر جوئے اور پیئر کے ساتھ دیکھا ہے ان کے درمیان کوئی بات ضرور ہے کیونکہ میری چھٹی حس بتاتی ہے کہ وہ ضرور ان کے ساتھی ہیں۔“

”اوہ! ان کی نشاندہی کر سکتے ہو کنور۔“ بھلا صاحب نے کہا۔

”سو فیصدی کر سکتا ہوں۔“ کنور نے کہا۔

”تھ کر صاحب براہ کرم میری مدد کریں۔ بات صرف آپ کی نہیں ہے۔ میں خود بھی اپنے درمیان خطرناک لوگوں کو نہیں چاہتا میری زندگی بھری شہرت، اور عزت خاک میں مل جائے گی۔“

”بتاؤ بھلا کیا کرتا ہے۔؟“ ٹھا کرنے کہا۔

”کنور کی نشاندہی پر میں انہیں گرفتار کرنا چاہتا ہوں تاکہ ان سے معلومات حاصل کر سکوں۔“

”ٹھیک ہے بھلا، میں تمہیں آدمی بتائے دیتا ہوں۔“

ٹھا کرنے نے کہا پھر کنور نے ن پانچوں کی نشاندہی کی تھی اور بھلا صاحب کے اشارے پر ٹھا کر کے آدمیوں نے انہیں گرفتار کر لیا۔ وہ خود بھی پریشان نظر آ رہے تھے اور ان کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ بھلا صاحب ان حالات کے تحت بہت بھلائے ہوئے تھے، انہوں نے ان پانچوں کو الٹا لٹکا دیا۔

”تمہیں موت ہے کوئی نہ بچا سکے گا سمجھو۔ زندگی کے کچھ ادھکانات صرف اس شکل میں ہیں کہ تم سب کچھ بچ بچ تا دو۔ لیکن تم میرے بہت پرانے آدمی ہو، اس سارٹ میں شریک ہوتے ہوئے تمہیں شرم نہ آتی۔“

”مگر بھلا صاحب، ہمارا قصور کیا ہے۔؟“ لیکن نے کہا۔

”اس کے کی اس گنگ، جوئے اور پیئر کے ساتھ۔“

”یہ جھوٹ ہے بھلا صاحب۔ میں، میں، آپ کو کسی نے؟“

”موت لیکن صرف موت، میں نے زندگی میں کسی کو نقصان نہیں پہنچایا مگر بھگوان کی سزا میں تمہیں مار دوں گا۔ جان سے مار دوں گا لیکن۔“

”معاف کر دیں بھلا صاحب، معاف کر دیں، غلطی ہو گئی تھی۔“ لیکن سہم گیا۔

”لیکن میں تم سے وعدہ کرتا ہوں، میں تم سب سے وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں مرنے نہ دوں گا جو حقیقت ہے صاف صاف بتا دو۔“ ٹھا کر جلت نکلتے کہا۔

”ہم دولت کے لالچ میں آ گئے تھے، غصہ کر صاحب، وہ دیوانوں خطرناک آدمی تھے۔ انہوں نے ہمیں قیمتی تحائف دے کر دوست بنایا تھا۔ وہ کل بھی کر سکتے تھے انہوں نے کہا تھا کہ ہمیں اس سفر سے وہی پر اتنا مل جائے گا کہ ہم زندگی بھر پیش کریں گے۔“

”پوری تفصیل بتاؤ، لیکن پوری تفصیل بتاؤ۔“

”وہ بڑی احتیاط سے اپنے ساتھ اسلحہ لائے تھے۔ یہ اسلحہ ترکوں سے آیا تھا اور صرف ہم چائے آ رہی اس سے واقف تھے، ہم نے اسے بڑی احتیاط سے دوسرے سادھن کے ساتھ چھپایا تھا، پھر دونوں نے ہماری گفتگو سن لی مگر وہ نکل گئے۔ اسلحہ ہم لوگ احتیاط سے لے آئے اور جس لوگوں نے وہ اسلحہ منگوا یا تھا ان کے حوالے کر دیا۔“

”کس طرح۔؟“ ٹھا کر نے پوچھا۔

”کٹلی کے دریچے۔“

”معاوضہ کتنا ملا تھا۔؟“

”انہوں نے روپے ملے ہوئے تھے جو سونے کی شکل میں ملے تھے۔“

”ملے نہیں۔؟“

”پہلے سے یہ بات ملے تھی کہ یہ سونا یہاں سے چونٹ کی راہی پر ملے گا۔“

”جس لوگوں نے اسلحہ منگوا یا تھا وہ دوبارہ تم سے ملے۔؟“

”یہ نہیں معلوم۔ شاید وہ دوبارہ نہیں آئے کیونکہ پہرہ سخت ہو گیا تھا۔“

”یہ چاروں بھی نا کے ساتھ تھے۔۔۔؟“ بھلا صاحب نے لکھے ہوئے آدمیوں کے بارے میں پوچھا۔

”ہاں۔؟“

”اور کون تھا۔؟“

”بس ہم کل سات تھے، چائے ہم اور دو۔۔۔“

”وہ نہیں معلوم ہے جو نس اور پیڑ کہاں گئے۔؟“

”بھگوان کی سوگند ہمارے فرشتوں کو بھی نہیں معلوم۔“ لیکن نے جواب دیا !

بھلا گہری گہری سانسیں لینے لگا تھا۔ تھا کر جگت نگہ نے نہیں اتروایا۔ پھر اس نے کہا۔ ”میں انہیں ہندو کرائے دیتا ہوں بھلا صاحب میں دن کے بارے میں فیصلہ کریں گے۔“

”جی؟“ بھلانے کہا اور تھا کر اس بارے میں کارروائی کرنے لگا۔ بھلا صاحب کنور کے ساتھ ہر آگئے تھے۔ بہت پر ہوا ہے کنور، بہت پر ہوا۔
”جی، میں تو بڑی بے عزتی محسوس کر رہا ہوں۔“

”مگر اس میں ہمارا کیا قصور ہے بھلا صاحب، وہ جرائم پیشہ تھے ہم دھوکہ کھا گئے ہم خود تو مجرم نہیں ہیں اور پھر یہ بھی بہتر ہوا ہے کہ اسلحہ جگت نگہ کے ہاتھ لگ گیا آپ بلا وجہ پریشان ہو رہے ہیں اور پھر دن پانچ آدمیوں نے تو ہماری پریشانی بالکل صاف کر دی۔“
”تم نے واقعی شاندار کارنامہ سرانجام دیا ہے کنور، ورنہ میرے تو فرشتوں کو بھی اس کا علم نہ ہوتا کہ یہ جو سن اور پٹیل کے ساتھی ہیں۔“
”کنور سے آپ کو فائدہ ہی حاصل ہو سکتا ہے بھلا صاحب، نقصان نہیں۔“

وقت گزرتا رہا، رات بھر ری جی کی اداسی برقرار تھی۔ وہ ہر وقت غلطی آ رہی تھیں اور سب کو ان کے عشق کا علم ہو چکا تھا۔ پھر اس وقت بھلا صاحب شرمیلانی کے پاس بیٹھے ہوئے تھے جب جگت نگہ کے آدمی ان کے پاس پہنچے۔
”تھا کر صاحب سرکس جا رہے ہیں، وہاں سے بلاوا آیا ہے آپ کو بھی لے جانا چاہتے ہیں وہ۔“
”اوہ! چھ کہاں ہیں وہ؟“

”باہر موجود ہیں۔“
”میں ابھی آتا ہوں۔“ بھلا صاحب نے کہا۔ شرمیلانی کو سمجھ بھلا کر وہ ہر نکل آئے تھا کہ ایک گاڑی میں اس کا انتظار کر رہا تھا کنور جیت بھی اس کے پاس موجود تھا۔ تھا کرنے کہا۔

”معاف کیجئے بھلا صاحب غلام شاہ کے دو آدمی آئے تھے کوئی خاص بات ہے اس نے ہمیں بلایا ہے۔ اگر آپ ہند کریں تو چلیں۔“
”ضرور، میں خود بھی غلام شاہ کے پاس جانے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔“ بھلا صاحب گاڑی میں بیٹھ گئے اور اوپر گاڑی چل پڑی۔ راستے میں باتیں ہوتی رہیں اور کچھ دیر کے بعد وہ سرکس کے پاس پہنچ گئے جہاں غلام شاہ نے ان کا استقبال کیا تھا۔
”آؤ تھا کر جی، آؤ بھائی بھئی کیسی گھر رہی ہے۔“ غلام شاہ نے کہا۔
”ٹھیک ہیں شاہ صاحب۔ آپ سنا ہے۔“

”جے، ہاں بھیا، بہت بڑھیا جگر رہے، ہمارا منڈا الگ لگی ہے بڑی جلدی تو کا دعوت دی ہے۔ بڑا کام ہوئی گیا ہزارا یہاں آ کر چنک منک مل گئی ہزارا رے اوئی چنک منک، آ جاؤ رے۔“ غلام شاہ نے آواز لگائی۔ جگت سنگھ جھل پڑا تھا۔

”چنکو منکول گئے۔“ اس نے مسرور لہجے میں کہا۔ حتیٰ دیر میں چنکو منکو آ گئے تھے۔ ٹھا کرنے سے اختیار انہیں ملے لگا یہ۔ بھلا صاحب اور کنواری بچی لچپکی سے انہیں دیکھ رہے تھے جن کا بڑا نام سن چکے تھے۔

”کہاں چلے گئے تھے تم لوگ۔ کیا ہو تھا تمہیں؟ جگت سنگھ سے پوچھا۔

”تو ہر سہاں بنے گئے تھے سولے آئے۔ آؤ اندر چل کر باتیں ہوئی ہے۔“ غلام شاہ نے کہا۔ وہ انہیں سرکس کے تلو میں لے گیا تھا جہاں انتظام کیا گیا تھا۔ جگت سنگھ چنکو منکو کے بارے میں جاننا چاہتا تھا۔ اندر چل کر اس نے پھر وہی سواں کیا تھا چنکو منکو نہیں پنا حوالہ سنانے لگے۔ انہوں نے باہر سنگھ کے بارے میں تفصیل بتائی۔ پھر اس قید خانے کے بارے میں بتایا۔ کرن سنگھ اور اچے پال کے بارے میں بتایا دھابے رام کے بارے میں بتایا تو ٹھا کر جھل پڑا۔

”اوہ پنڈت دھابے رام جی؟ ناڑہ کے جے مندر کے پھاری۔۔۔۔۔“

”جی ٹھا کر صاحب۔“ منکو نے پوری داستان سناتے ہوئے کہا۔ اس نے حملے وغیرہ کی تفصیل بتائی اور پھر وہاں سے فرار کا قصہ دھابے رام اور کرتا سنگھ کی موت کی کہانی سنائی اور جگت سنگھ سخت غمزدہ ہو گیا۔ اسے پال سنگھ کے بارے میں سن کر وہ بہ چٹائی سے بولا۔

”کہاں ہیں وہ لوگ۔۔۔۔۔؟“

”بد نہیں ان کا؟“

”میں خود چلتا ہوں ان کے پاس وہ کہاں ہیں۔۔۔۔۔؟“

”ادھر ہی بلائے لیتے ہیں۔“ غلام شاہ نے کہا اور ان نرائیں نے کر بند آ گیا۔ جگت سنگھ نے انہیں دیکھ اور آگے بڑھا تو اچے پال نے کہا۔

”ہم تمہارے پاؤں چھوتے ٹھا کر، تمہارے چرنوں میں جھک جاتے مگر تم اس کا بل نہیں ہو، تم نے اپنے بھتیجیوں کے ساتھ انصاف کر کے نیا گھر کے کھوں پاسیوں کے ساتھ ظلم کیا ہے۔ تم تو چھ بن گئے لیکن ان کا حساب تمہارے ذمے ہے جو تمہارے اس انصاف سے مارے گئے۔ موت ہمیں بھی آئی ہے ٹھا کر مگر ہم بڑے ظالم کے ہاتھوں مرنا چاہتے ہیں۔ ہمیں تم مار دھا کر تاکہ خوش ہو ہمیں، ہم تمہارے ہاتھوں قتل ہوئے آئے ہیں۔“

”میرا دوش نہیں ہے اچے پال، تم سب ایک آواز تھے، تم کہہ رہے تھے کہ ٹھا کرنے اپنے بھتیجیوں کا حق مارو۔ جے جے کا کر رہے تھے تم ان دونوں

کی، جسے کر رہے تھے چسپ چسپ کر ان کے حق کے لئے بھول گئے کیا۔۔۔ عجیب ہو کر میں نے یہ سب کچھ کیا مجھے برا کہنے سے پہلے ان حالات کے بارے میں تو معلوم کر وجہ کی وجہ سے میں نے یہ فیصلہ کیا۔ میں جانتا تھا کہ یہ سب ہو گا۔ میں جانتا تھا۔ میں نے بیس دن سرحدیں علی رکھی تھیں کہا تھا تم سب سے کہ جو ادھر آنا چاہے "جائے۔۔۔ بول منع کیا تھا میں نے۔"

"ہم بے موت مارے گئے ہیں خدا کر، ہم بے موت مارے جا رہے ہیں۔ سورج گڑھ، ناڑہ، ہری پور، چکرا لیا جہاں دیکھو موت ہی موت ہے ہمارے لئے۔ ہمارے پاس کھانے کے لئے کچھ نہیں ہے پینے کے لئے کچھ نہیں ہے۔ ہر چیز حکومت کی ملکیت بن گئی ہے عوام کے لئے قانون درموت کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ہم مر رہے ہیں خدا کر ہمیں بچا دو درموت ہمارے۔"

خدا کر جگت سنگھ کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ اس نے غیظ کے عالم میں کہا۔ "کچھ نہیں کر سکتا میں تمہارے لئے، اس وقت تک کچھ نہیں کروں گا جب تک تم یا مگر کے گلی کوچوں میں جا جا کر خود یہ نہ کہو گے کہ ہم سے بھول ہوئی۔ ہم نے بھول کی تھی۔ جاؤ یا مگر کے سارے بڑوں کو لے کر میرے پاس آؤ جو کہتے تھے کہ بن باپ کے بچوں کا حق، در کر کیا جتا میں اپنے ساتھ جلاؤ گے خدا کر انہیں اس کا حق دے دو، میں نے تو حق دیا تھا جو چیز میں نے دے دی پھر اس پر نظر کیوں کرتا۔"

"ہمیں جائزت دو خدا کر ہم فریاد کریں گے۔ یہ مگر کے گلی کوچوں میں جا کر لاکھوں انسانوں کی زندگی کی بھیک مانگیں گے۔" اے پال روتا ہوا بولا درموت کر کی آنکھوں سے بھی آنسو نکل پڑے۔ اس نے گلوگیر بچے میں کہا۔

"دوڑ میر نہیں تھا ہے پاں سنگھ تم دوگ مجھے بے ایمان سمجھنے لگے تھے۔ میں کیا کرتا؟" پھر اس نے غلام شہ سے کہا۔ "شاہ جی تمہارا شکریہ، چکو منکو تمہارا شکریہ اتنا کیا ہے تم نے میرے لئے کہ کہہ پوم سنگھ انہیں لے جاؤ اپنے ساتھ، ان کی دیکھ بھال کرو، چٹامت کر اے پاں اس کتوں کو کتوں کی موت ہی ماروں گا بھگوان کی سولگند، کتوں سے بر لماروں گا انہیں، پونم تیار یاں کرو۔۔۔"

"میں جا رہا ہوں مہاراج انہیں لے جانے کے لئے گا یاں بے آؤں۔"

"گاڑیاں یہاں سے لٹی جاؤ بناؤ۔ بعد میں آجی ہیں۔ اکبر اگاڑیاں تیار کر دے دو۔" جگت سنگھ اے پال وغیرہ کے ساتھ چلا گیا تھا بھلا صاحب اور کنور صاحب رک گئے تھے۔ "بڑے جوڑے معاملے ہیں بھائی بھیلے یہاں تو لگے ہے اس بار میلہ دیا بھی نا ہوئی ہے۔"

"ہاں شاہ صاحب آپ کا تریز نقصان ہو گا۔" بھلے نے کہا۔

"رے نا بنو۔ مولا نے بہت کچھ دے رہے دس پانچ سال بیٹھ کر کھا سکتے ہیں اس کی پروانا ہوں۔ بس یہاں کی بات کر رہے ہیں۔" ہمارے

”مجھے بھی تمہارے لئے جان کی بازی ہی لگانا پڑ رہی ہے اس وقت بھلا صاحب اور نندا کر جگت سنگھ تھہری تلاش میں زمین و آسمان ایک کئے ہوئے ہیں۔ اگر کسی کو یہ پتہ چل جائے کہ میں تمہارا ساتھ دے رہا ہوں تو یوں سمجھ لو کہ ہم سے پہلے تجھے ختم کر دیا جائے گا۔ بھلا جی تو شاید میرے ساتھ کچھ رعایت کر دیں لیکن نندا کر جگت سنگھ۔“

”ہم جانتے ہیں کنور جی۔“

”دیکھو، کوئی بھی لحد ایسا آسکتا ہے کہ میں تمہیں یہاں سے نکال دوں، میں صورت حال کا جائزہ لے رہا ہوں اور جیسے ہی موقع ملا، میں تمہیں یہاں سے نکال لے جاؤں گا جو کچھ میں کہوں اس سے ذرا سا بھی مختلف کیا تو سمجھ لو کہتے کی موت مارے جاؤ گے۔“

”ہمارا کوئی دماغ خراب ہے کنور جی۔“

”بیادولی مدی عبور کر کے دوسری طرف نکل جانا تو ناممکن ہے، لیکن اگر تم کسی طرح راون سنگھ کے علاقے میں چلے جاؤ تو تمہاری جان بچ جائے گی۔“

”ہم بھی یہی چاہتے ہیں یہاں بچ، مگر وہاں تک جانا؟“

”جے تو فو میں اس پر کام کر رہا ہوں۔ کچھ لوگ راون سنگھ کے علاقے سے ادھر آئے ہیں جس راستے سے وہ آئے ہیں میں اس کی تفصیل بہت جلد معلوم کر لوں گا اور پھر تمہیں وہاں تک پہنچا دوں گا۔ جاتے ہوئے تمہیں ایک لڑکی کو اپنے ساتھ لے جانا ہوگا۔ بس یوں سمجھو تمہارے پاس وہ ہماری مانت ہوگی ورنہ اس کے سنے میں یہ سب کچھ کر رہا ہوں۔“

”آپ کے کسی کام کے لئے ہم جان کی بازی لگادیں گے کنور جی آپ اس کی بالکل نگرہ کریں جیسا آپ ہم سے کہیں گے، ہم وہی ہی کریں گے۔“

”مگر اس میں وقت کچھ لگے گا اور تم لوگ کم از کم اپنے لئے اتنا تو کر سکتے ہو کہ یہاں ہوشیاری سے چھپے رہو۔“

”ہم سانس لئے بغیر یہاں جی رہے ہیں کنور جی، ہمیں ہر وقت موت کا خوف رہتا ہے۔“

”اتنا خوف مت کرو، میں نے کسی کو یہ شبہ نہیں ہونے دیا ہے کہ تم یہاں موجود ہو، کھانے پینے کی ان چیزوں کو سنبھال کر رکھو، کوئی ایسا وقت بھی آسکتا ہے جب میں یہاں نہ پہنچ سکوں، بڑی احتیاط سے میں ادھر آتا ہوں اور سناؤ بغیر کھائے پئے تمہاری حالت زیادہ خراب ہو جائے گی اس لئے جو کچھ میسر ہو کھاتے پیتے رہو۔“ کنور ان لوگوں کو سمجھا سمجھا کر یہاں سے واپس چل پڑا۔ جو منصوبہ اس کے ذہن میں تھا اس کی تکمیل نہایت مشکل تھی، لیکن بس دیوالگی ہی ظاری تھی اس پر اور ہر قیمت پر وہ کام کر لینا چاہتا تھا جس کا اس نے بیڑا اٹھایا تھا، سونیو نے اس کی جو بے عزتی کی تھی وہ اسے برداشت نہیں کر پا رہا تھا اور اس کے لئے زندگی داؤ پر لگانے پر تل گیا تھا۔ پھر وہ اپنی آرام گاہ میں آکر سو گیا جب تک کوئی بہتر راستہ نہ مل جائے کوئی

قدم ٹھٹھا ہے اور بہتر راستوں کی تلاش میں اس نے اپنے ذہن میں منصوبہ بندی کر لی تھی چنانچہ دوسرے ہی دن سے اس نے ان کا آغاز کر دیا۔ جیپ لے کر وہ غلام شاہ کے سرکس کی جانب چل پڑا تھا۔ درمیان میں بہت دیر تک اکبر شاہ، غلام شاہ اور دوسرے لوگوں سے باتیں کرتا رہا۔ کنور نے وہ دن ان کے ساتھ ہی گزر رہا تھا، وہ دیر تک باتیں کرتے رہے تھے، کنور نے کہا۔“

”شاہ صاحب، میں تو یہ سوچتا ہوں کہ آپ یہاں سرکس لگا کر نقصان میں نہ رہیں، ہمارا اتفاقاً نہ ہو گیا اور پھر صاحب نے آپ کے سرکس کے مناظر سلوانا بیڑ پر اتار لئے لیکن آپ۔۔۔“

”رے نا ہوا، میرے بھلا صاحب سے بھی ہماری بات ہوئی رہی، ہمیں کمائی نا کرنی، بس یہ سب کچھ دیکھو، یہ حیار ہے ہمارے لئے۔“ غلام شاہ نے جواب دیا۔ سونیا سے بھی کنور کی ملاقات ہوئی لیکن سونیا کا رویہ کنور کے ساتھ خشک ہی رہا تھا۔ کنور نے سونیا سے کہا۔

”سونیا جی یہ بری بات ہے کہ آپ مجھ سے اس قدر ناراض ہو گئی ہیں، جو کچھ میں نے آپ سے کہا، ہو سکتا ہے آپ کے مزاج کے خلاف ہو، لیکن آپ یقین کیجئے اس میں شاید صرف اتنی سی بات ہے کہ میرا تعلق زندگی بھر شوبہ سے رہا ہے، ہمارے ہاں ذرا مختلف طریقہ کار ہوتا ہے میں نے اس پر غور نہیں کیا۔ ورنہ جب آپ کو ناراض کر دیا۔ بہر حال جو باتیں میں آپ سے کہہ چکا ہوں اگر آپ کو ناگوار گزری ہیں تو آپ انہیں نظر انداز کر دیں، یوں سمجھ لیں کہ ان باتوں میں کوئی گہرائی نہیں تھی، بس ایک ماحول کا فرق تھا۔“ کنور جیت نے کہا۔

”ٹھیک ہے کنور جیت صاحب، لیکن ایک درخواست کرنا چاہتی ہوں میں آپ سے۔ وہ یہ ہے کہ ہم لوگ جی ڈیو میں مست رہنے کے عادی ہیں۔ باہر کے لوگوں سے بے تکلفی ہمارے لئے ممکن نہیں ہوتی ہو سکتا ہے کہ آپ یہ بات درست کہہ رہے ہوں لیکن بہتر یہ ہوگا کہ آپ صرف ضرورت پڑنے پر مجھے غائب کریں، میں دوستیوں کی تحمل نہیں ہو سکتی۔“

”بہتر ہے، میں آپ کے جذبات کا خیال رکھوں گا۔“

کنور نے نرم لہجہ میں کہا اور اس نے سونیا کے چہرے پر بھی رمی کے آثار پائے۔ بہر طور کنور نے سرکس میں اپنا جو مقام خراب کر لیا تھا اس کی بحالی بے حد ضروری تھی۔ چنانچہ وہ اس میں مصروف رہا اور اس کے بعد جب اس میں اسے کسی حد تک کامیابی حاصل ہو گئی تو اس نے جھکو اور منکو کو تازہ جھکو اور منکو کے آجائے سے سرکس کا ہر شخص خوش ہوا تھا، زیادہ تر وہ دونوں سرکس کے افراد میں گھرے رہے تھے، مثل شروع ہو چکی تھی، غلام شاہ کے لئے کوئی مسئلہ اتنی اہمیت کا حامل نہیں تھا کہ اس پر غور ظاہر ہو جاتا ہے۔ بھلا صاحب اور موقع ملنے ہی جگت سنگھ غلام شاہ سے ملاقات کر سٹے اور اسے اپنی اپنی کارروائیوں کے بارے میں بتائے، جگت سنگھ نے غلام شاہ سے کہا تھا کہ بہت جلد وہ یہاں کے حالات بہتر کرنے میں کامیاب

ہو جانے گا۔ فی الحال میرے کی بیماریاں ہو رہی ہیں اور وہ ان لوگوں سے گفت و شنید کر رہا ہے جو راون سنگھ کی سرحدوں سے آئے ہیں۔ کوئی فیصلہ کرنا بھی دو طلب بات ہے چنانچہ میرے کا وقت نکالنے کے بعد ہی کوئی کارروائی کی جاسکتی ہے۔ غلام شاہ نے جگت سنگھ سے بھی کہا تھا کہ اس نے نیا نگر دیکھ لیا جس تنازعہ کافی ہے باقی جو کام اس کا ہے وہ کر رہا ہے اور درحقیقت غلام شاہ کے ذہن میں بلیر اتھا اس نے اکبر شاہ سے گفتگو کرتے ہوئے کہا تھا کہ یہ ابھی بات ہے کہ بلیر کو اس کی آمد کے بارے میں معلوم ہو گیا ہے، گویا اس نے اپنا فرض پورا کر دیا اور بلیر کی سرحدوں میں آ گیا۔ اب یہ بلیر کی اہمیت کی بات ہے کہ وہ غلام شاہ کا سامنا کرے یا نہ کرے، اکبر شاہ نے اس سے کہا۔

”شیخاگر بلیر اتھا رہے سامنے نہ آیا تو تم کیا کرو گے؟“

”ارے کا کری رہے ہو؟“ بس وہ پردل کر رہا رہے سامنے نہ آئے تو اس میں ہمارا کا قصور، ہم اسی تو کہہ سکتے کہ دیکھو رہے تھا کرتنا بدول (۱۵)۔“

غلام شاہ نے مستانہ لہجے میں جواب دیا تھا۔

بہر طور ادھر کی کارروائی اس طرف، لیکن کنور جیت بڑی ہوشیاری سے چکو اور منکو سے راون سنگھ کے علاقے کے بارے میں معلومات حاصل کر رہا تھا اور اس نے بڑی دلچسپی کا نگاہ رکھتے ہوئے دن دنوں کو پیشے میں اتار لیا تھا۔ چکو منکو نے کنور جیت کو تمام تفصیلات بتائیں شارق کے بارے میں بھی بتایا اور کنور جیت کے ہونٹ سڑ گئے۔ یہ بات اس کے لئے باعث تشویش تھی کہ شارق انہی علاقوں میں گم ہو گیا ہے۔ بہر طور اپنی ان کوششوں میں وہ دو تین دنوں میں ہی کامیاب ہو گیا تھا اور ان دو تین دنوں میں اس نے صرف دو بارہ جنسن اور پیٹر سے ملاقات کی تھی۔ یہاں تک کہ اس سلسلے میں اسے تمام معلومات حاصل ہو گئیں، بھلا صاحب اپنے کاموں میں مصروف تھے، ایک آدھ بار یہاں کے مختلف علاقوں میں شوٹنگ بھی کی گئی تھی اور تھوڑے تھوڑے میں قتل لئے گئے تھے۔ ویسے بھلا صاحب ٹھہر کر سے کسی قدر مشغول ہی رہتے تھے ورنہ سب جنسن اور پیٹر کے نکل جانے کی وجہ سے تھا۔ سر رانکام بگڑ گیا تھا۔ راجکمار کی انگ بوریٹ کا شکار جتنی تھی۔ ایک دن اس نے کنور سے کہا۔

”یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے کنور۔ اس طرح تو یوں لگتا ہے جیسے بہت وقت لگ جائے گا۔ بھلا صاحب کو کام ختم کر کے واپس چلنا چاہئے۔“

”میر خود بھی یہی خیال ہے راجکمار، بھلا صاحب سے بات کر لو بہتر رہے گا۔ میں خود آج ہی ان سے بات کروں گا۔“ کنور نے بھلا صاحب کو حاش کر لیا۔

”آپ نے خود پر بلا وجہ یہ شرمندگی طاری کر رکھی ہے بھلا صاحب، وہ مجرم تھے ہماری لاعلمی میں یہ سب کرتے رہے ہم تو اس میں شریک نہ تھے میری رائے ہے آپ اپنا کام کریں، ہم زیادہ سے زیادہ کام کر کے یہاں سے نکل چلیں اب دیکھئے نامیرے اور راجکمار کے کچھ دوسرے کنٹریکٹ بھی

ہیں۔ مگر ہمیں یہ سب زیادہ دیر لگ گئی تو ہمارا نقصان ہوگا۔“

”خیر تمہارے شیڈول کے مطابق تو ابھی ہمارے پاس بہت وقت ہے۔ میں پہلے کے سبیل ضرور بناؤں گا ورنہ اب اس میں زیادہ وقت نہیں ہے۔“

”آپ ضرور بنائے میں کب۔ ٹکار کر رہا ہوں۔ مگر آپ نے جو کیفیت خود پر طاری کر رکھی ہے مجھے اس سے اختلاف ہے۔“

”میں میں ٹھیک ہوں۔ بس یہ سب کے حالات سے تھوڑا سا متاثر ہو گیا ہوں۔ ارے ہاں وہ فقیر دین چوچہ رہے تھے کہ کہانی کی رد و بدل کا کیا رہے گا؟“

”بھئی بھلا صاحب، ہم ذرا عاشق حرج و مرج پر مست قسم کے آدمی ہیں، سو نیا پرل آگیا تھا مگر وہ جنگلی لڑکی ہے ہمارے داؤ میں نہیں آئی، نہ سکی، اب

اپنے لئے آپ کا نقصان تو نہیں کریں گے بھول گئے سب کچھ، وہ کہانی میں کوئی بڑا حصہ نہیں لے رہی۔ سہی تھوڑا بہت کام ہو گیا ہے اسی سے کام چلائیے۔“

”اوہ وری گند، یہ ہوئی سردوں والی بات۔ تمہارا فیصلہ بالکل درست ہے کنور۔“ بھلا نے خوش ہو کر کہا۔

”اس سے زیادہ حسین لڑکیاں کنور کی دیوانی ہیں۔ میرے لئے وہ بھلا کیا حقیقت رکھتی ہے۔“

”سو فیصدی، میر خیال ہے کہانی اسی انداز میں چلتے دی جائے اس میں ہم سرکس کے چلے پھلے سین ڈال لیں گے ووٹ رتی بھی کمبخت بھاگ گیا۔ وہ

بڑے کام کا لڑکا تھا خیر جو ہو گیا سو گیا۔ اب میں زیادہ مطمئن ہوں۔“

”آپ کام جاری رکھیں بھلا صاحب۔“

”بالکل جاری رکھ دیتا ہوں کنور وہ کمبخت جو نس اور پیٹر کام سیکھ گئے تھے مگر دھوکہ دے کر فرار ہو گئے۔ کنور میں درجی دہمہ داریاں سوچنا چاہتا ہوں تمہیں۔“

”جی فرمائیے بھلا صاحب۔“ کنور جیت سے کہا۔

”کچھ عمدہ قسم کی لوکیشن تلاش کرو وہاں ہم شوٹنگ کریں گے۔“

”یہ کام آپ کو بہت پہلے میرے سپرد کر دینا چاہئے تھا۔“

”اب سکی۔“ بھلا صاحب نے کہا۔

”تو بس یوں کچھ لیجئے کام جاری، یک گاڑی مجھے دلوادی جائے۔“ کنور نے کہا آج کی اس گفتگو سے اسے اتنا روبرو مست فائدہ پہنچے گا اس نے سوچا

بھی نہیں تھا۔ بہر طور کنور کو گاڑی مل گئی اور اس کے ساتھ ساتھ ہی بھلا صاحب کا پروانہ بھی۔ یوں اسے اچانک اپنا کام کرے میں آسانی ہو گئی تھی۔

بھلا صاحب نے جگت سنگھ سے بھی اس بارے میں کہہ دیا تھا جگت سنگھ کو بھلا کیا، حیران ہو سکتا تھا۔ چنانچہ اب کنور، جو نس اور پیٹر کے لئے راہ تلاش

کرنے میں زیادہ مستعد ہو گیا۔ اس کی جیب یا مگر کی آبادی کے ارد گرد چمکتی رہتی تھی۔ اس راستے کو بھی اس نے ذہن میں رکھا تھا۔ جدھر سے جنگلو

مٹکوں بگوں کے ساتھ یہاں پہنچے تھے اور پھر ایک دن وہ اسی راستے پر چل پڑے جوں جوں وہاں سے اس کا خیال رکھتا تھا کہ کوئی اس پر مسلط نہ ہونے پائے بالآخر آج خصوصی طور پر اس نے اسی سمت کا رخ کیا تھا جدھر سے چٹو مٹکوں اور ننگے کا علاقہ عبور کر کے یہاں پہنچے تھے۔ جیب ڈھانوں کو عبور کر کے دوسری طرف پہنچ گئی۔ بڑا حیرت ناک ماحول تھا۔ ہر طرف چٹانوں اور غاروں کا سمندر تھا نہیں مادیات تھیں۔ ان غاروں سے کنویر جیت کو دیکھی جیڑا ہو گئی۔ اگر جوئسن اور پیٹر کو یہاں لاکر چھپا دیا جائے تو کم از کم انہیں اس عمارت سے آزادی مل سکتی ہے اور پھر وہ یہاں سے آگے کے راستے تلاش کر سکتے ہیں۔ چنانچہ اس تصور کے تحت کنویر جیت ان غاروں کے درمیان کافی دور تک نکل آیا، اوپنی لچکی چٹانوں کے درمیان راستے بنے ہوئے تھے کنویر کسی ایسے غار کی تلاش میں تھا جو یہاں سے فاصلے پر بھی ہو اور جہاں وہ جوئسن اور پیٹر کو لاکر چھپا سکے۔ اب یہ کام اس کے لئے بہت زیادہ مشکل نہیں تھا۔ اس کے ذہن میں منصوبے بنے رہے پھر ایک جگہ اس نے جیب روک دی۔ اسے یہاں گھوڑوں کی لید پڑی ہوئی نظر آئی تھی۔ کنویر نے جیب کا فجن بند کیا اور نیچے اتر آیا، یہ پید اس کے لئے حیرت ناک تھی، یہاں کون آ سکتا ہے، اس نے سوچا اور پھر اس کے ذہن میں گمان گزرا کہ ہو سکتا ہے وہ لوگ یہاں آئے ہوں جو پیٹر اور جوئسن کی تلاش میں سرگرداں تھے، وہ اس لید سے یہ نتیجہ اخذ کر سکتا تھا۔ لیکن دفعۃً ہی اسے کچھ سرسراہٹیں سنائی دیں اور دوسرے لمحے کوئی چیز اس کے شانوں پر آ کر پڑی اور کنویر کا دم گھٹنے گاڑی کا ایک پھندا تھا جو مخصوص انداز میں پھینکا گیا تھا اور وہ سیدھا شانوں سے گزرا کنویر کی گردن میں آ پھنسا تھا، ایک جھٹکے سے کنویر پیچھے زمین پر گر پڑا اور رسی کے حلقے کو اپنی دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر گردن پر ڈھیل کرنے لگا۔ اس کی پھٹی پھٹی نظروں نے ایک چٹان کی بلندی پر چند لوگوں کو دیکھا اور وہ اشاروں سے نہیں سمجھا نے لگا کہ اس کے ساتھ یہ زیادتی نہ کی جائے۔ گردن اس طرح کھنٹی تھی کہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں سب ہوئی جا رہی تھیں بمشکل تمام اس نے اتنی جگہ پیدا کر لی کہ گردن کی تھکن سے تھوڑی سی نہایت مل جائے۔

دوسری طرف دو گھوڑوں کی آوازیں اس کے کانوں میں گونجیں اور یہ گھوڑے ایک چٹان کے عقب سے نکل آئے۔ دو سوار اس کے سامنے پہنچ گئے تھے۔ باقی ایک آدمی اس چٹان پر اس کا سرا پکڑے کھڑا ہوا تھا جہاں سے یہ رسی کنویر کی گردن پر جھنگی لگی تھی، آلے والوں نے گھوڑوں سے اتر کر کنویر کا جائزہ لیا اور ان میں سے ایک بوس پڑا۔ ”ارے لہ کر یہ تو قلم کھنی کا آدمی ہے قلموں میں کام کرتا ہے، میں نے اس کی ایک قلم دیکھی تھی۔“ ”ہوس، رسی ڈھیل کر واس کی۔“ دوسرے آدمی نے کہا۔ جو چہرے سے کافی خوفناک نظر آتا تھا، پہلے آدمی نے آگے بڑھ کر کنویر کی گردن کے گرد اس کی گرہ ڈھیلی کر دی۔ وہ دونوں ہی مسخ تھے اس کی گرہ ڈھیلی کرتے ہی اس نے کنویر کے لباس کی تلاشی سے ڈالی مگر کنویر کے لباس میں کوئی چیز موجود نہیں تھی لیتہ کنویر کی حالت کافی خراب ہو گئی تھی اس شخص نے مگر بان پکڑ کر کھڑا کر دیا۔

”کیوں رہے۔ قلم کینی کا آدمی ہے نا تو۔“

”ہاں، ہاں۔“ کنور پھنس پھنس کر آواز میں بولا۔

”اس طرف لے آؤ رے۔“ دوسرے آدمی نے کہا اور گھوڑے پر سوار ہو کر اس چٹان کی جانب چل پڑا۔ جدھر سے وہ نمودار ہوا تھا، کنور کی گریبان سے پکڑ کر اس طرف لے جایا گیا، گھوڑا اس موقع ملتے ہی کنور کے ذہن نے تیزی سے کام شروع کر دیا تھا۔ خدا کر کے نام پر اسے صورت حال کا کچھ اندازہ ہوتا چار ہاتھ درودہ سمجھتا تھا کہ یہ صورت حال اس کے حق میں بری نہیں ہے، بشرطیکہ وہ ان لوگوں کو اپنے آپ پر یقین دلانے میں کامیاب ہو گیا۔ چٹان کے دوسری جانب ایک وسیع اور کشادہ غار تھا۔ پہلا آدمی اس غار کے سامنے اتر کھڑا رہا تھا۔ اس کا گھوڑا دوسرے دو آدمیوں نے سنبھالا ہوا تھا دوسرے آدمی نے کنور کو اس کے سامنے لا کر کھڑا کر دیا، اور پہلا آدمی بغور دیکھتا ہوا بولا۔

”مجھے جانتا ہے۔“ اس شخص نے پوچھا۔

”جانتا نہیں ہوں خدا کر، لیکن اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو آپ خدا کر بھیہر اسٹگہ ہیں۔“

”حیراندارہ، کیسے لگتا تو نے یہ اندازہ۔“

”کیونکہ انا دنوں آپ کا نام سنتا ہوں خدا کر بھیہر اسٹگہ، غلام شاہ کے سرکس میں بھی، بہلا صاحب کی قلم کینی میں بھی اور خدا کر جگت اسٹگہ کی زبان پر بھی۔ کنور نے اپنے آپ کو پوری طرح سنبھال کر کہا۔

”واہ تو بڑا جانتا لگتا ہے رے۔“

”ہاں خدا کر تم میری بات کو چا پلو ہی نہ سمجھو اور جان چانے کی کوشش تصور نہ کرو تو میں اتنا جانتا چا نکار ہوں جہاں رے لے کر تم بھی کس کر خوش ہو جاؤ گے۔“

”چھا، ہمیں تو جو ملتا ہے، ہمارا، قاداری ملتا ہے، چل ٹھیک ہے تو بتا کیسے آیا تھا ادھر۔ اور رے ہاں سنو، اس کی گاڑی دھری لے آؤ اور دروازے پر اس پر نظر رکھو، کوئی آ نہ جائے۔“ خدا کر نے دوسرے لوگوں کو حکم دیا اور اس کے آدمی وہاں سے واپس پلٹ گئے جب خدا کر بھیہر اسٹگہ نے کہا۔

”کیا نام ہے حیرا۔“

”کنور جیت اسٹگہ اور یہ بھی سچی بات ہے خدا کر کہ آپ کا ایک آدمی مجھے ایک فلمی اداکار کی حیثیت سے پہچانتا ہے۔ دیکھو، خدا کر بھیہر اسٹگہ میں تمہارے قبضے میں ہوں، تم جو سلوک چاہو میرے ساتھ کر سکتے ہو، لیکن ایک بات ذہن نشین کرو میں تمہارے لئے تمنا کا رآمد ثابت ہو سکتا ہوں کہ تم سوچ بھی نہیں سکو گے۔“

”زیادہ باتیں مجھے بری لگتی ہیں، کام کی بات کہو صرف کام کی بات، جو تیری جان بچا سکے۔ میرے کام کے لئے جتنے لوگ جو کچھ طاقت ہو سکتے ہیں، مجھے معلوم ہے۔“ بلہر اسٹگ نے کہا۔

”ٹھیک ہے ٹھہر کر بلہر اسٹگ، میں تمہیں مختصر الفاظ میں اپنی ان معلومات کے بارے میں بتاتا ہوں جو تمہارے کام آ سکتی ہیں، میں جانتا ہوں ٹھہر کر کہ تمہاری اور غلام شاہ کی دشمنی چل رہی ہے میں یہ بھی جانتا ہوں کہ غلام شاہ تمہارے لئے یہاں آیا ہے کیونکہ تو نے چپاؤنی دی تھی، مجھے یہ بھی معلوم ہے ٹھہر کر کہ تم نے راونا اسٹگ کے لئے جونس اور پیٹر سے اسلحہ منگو پا تھا جو سرکس کے دو بونوں کی وجہ سے تمہاری بجائے جگت اسٹگ کے ہاتھ لگ گیا۔ مجھے معلوم ہے ٹھہر کر کہ تمہارے کچھ قیدی فرار ہو کر ب جگت اسٹگ کے پاس آ گئے یہ ہیں میری معلومات۔“

”بہت ہیں، بہت زیادہ ہیں۔ کام کا آدمی لگا تو ہمیں کیا تھا کروغلام شاہ کو قلم و سوں کے بارے میں معلوم ہو گیا کہ وہ ہمارے لئے اسلحہ لائے تھے۔“

”ان کا کیا حشر ہوا؟“

”دونوں کی گرفتاری کا ارادہ تھا مگر میں نے انہیں چھپا دیا میں نے انہیں ان کے ہاتھ نہیں لگنے دیا۔“

”تو نے۔“ بلہر اسٹگ چونک پڑا۔

”ہاں ٹھہر کر میں نے، مگر میں زیادہ دیر اس کی حفاظت نہیں کر سکیں گا۔“

”کہاں ہیں وہ؟“ بلہر اسٹگ نے پوچھا اور کنورا سے ساری تفصیل بتانے لگا۔ ٹھہر کر کنورا کی تفصیل سن رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔ ”اب یہ بتا دے تو نے ایسا کیوں کیا۔“

”ہاں ٹھہر کر یہی سب سے ہم بات ہے غلام شاہ کی بیٹی کے بارے میں جانتے ہو کچھ۔“

”کس کے بارے میں ہم کیا جانتے ہیں اسے رہتے دے۔ اپنی کہتا رہ۔“

”سنو ٹھہر کر، اس لڑکی کو میں بچا دکھا تا چاہتا ہوں میں اسے اغواء کر کے تمہارے پاس پہنچانا چاہتا ہوں اگر تم اکبر شاہ اور سونیا کے بارے میں نہیں جانتے تو مجھ سے اس دو جہیں حوشی ہوگی ان دونوں میں غلام شاہ کی جان ہے اگر لڑکی تمہارے قبضے میں ہے تو کچھ ہو کہ غلام شاہ بے بس ہو گیا اور اسے میں تمہاری تحویل میں پہنچاؤں گا تم اپنا کام کرنا ٹھہر کر ور میں اپنا۔ میں اس کے اغواء میں پور پور تعاون کروں گا اس کے ساتھ ہی اس دونوں کو بھی تمہارے پاس لے آؤں گا اب یہ تمہاری مرضی ہے کہ تم کیا فیصلہ کرتے ہو۔“

”بلیر سنگھ گہری سوچ میں ڈوب گیا پھر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”تو نے سوچ لیا ہے، اس بارے میں کنور، یہ ہمارا اعلان ہے اور تم لوگ باہر کے آدمی ہو، دھوکہ دہا تو سزا سے بچ سکو گے۔“

”تم اسے ہی نہیں جھٹے بھی اغوا کر دو گے ٹھیکر اگر ایسا نہ ہو تو میرا کام کیسے چلے گا میں بھی ایک بے عرصے تمہارے پاس ہی رہوں گا جب تم اپنا کام کر دو تو مجھے آزاد کر دینا پھر ضروری کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔“ کنور نے کہا اور ٹھیکر اسے قہر مانی نظروں سے دیکھنے لگا پھر بولا۔

”بڑا شاطر ہے تو بھائی ملا ہاتھ دوستی ہو گئی تھی۔“ اور کنور نے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

ٹھیکر بھیہر سنگھ نے کنور جیت کا ہاتھ گرم جوشی سے دبا یا پھر بولا۔ ”سنو کنور جی ہم بہت سوچ سمجھ کر کسی سے ہاتھ ملتے ہیں۔ بات واقعی ضرور ہے گی کہ تمہارے اور ہمارا کام ہو جائے اب یہ ہاتھ ملے ہیں تو یوں سمجھو تمہارے دشمن ہمارے دشمن ہو گئے اور ہمارے دشمن تمہارے۔ غلام شاہ سے میری دشمنی ہے اور گیدڑ خورشیدی کی طرف آ گیا ہے، وہ تو ہمارا ہی جائے گا مگر تم جب تک نیا گھر میں ہو تمہیں ہمارے لئے اور بھی کچھ کام کرنے ہوں گے۔

”کنور بھی دوستوں کا دوست ہے ٹھیکر، بالکل فکر نہ کرو، جو تم چاہو گے وہ ہو گا۔ بتاؤ تمہارا کیا کام ہے۔“

”اتنی جلدی نہیں کنور، ایسی جلدی نہیں ہے ٹھیکر کی کہ میں گے، تعلقات بڑھنے دو بعد میں ایک دوسرے سے دس کی باتیں کریں گے۔“

”جیسا تم پسند کرو ٹھیکر ویسے ایک بات بتاؤ وہ دونوں تمہارے لئے ضروری ہیں یا نہیں۔ میری مراد جو اس اور پیڑ سے ہے؟ ٹھیکر بھیہر سنگھ کچھ سوچ کر رہا پھر بولا۔

”تم نے یہ کیوں پوچھا ہے کنور؟“

”گر وہ تمہارے لئے ضروری ہوں تو میں نہیں یہاں تک لانے کا خطرہ مول لوں اور اگر ضروری نہ ہوں تو پھر میں انہیں جگت سنگھ کے حوالے کر کے بیٹھا جاؤں، ان کی حفاظت کی کوشش میرے لئے خطرناک بھی ہو سکتی ہے۔ سپید کی بات دوسری تھی۔ پہلے میں سونیا کے خواء کا کام ان سے لینا چاہتا تھا لیکن اب تمہارا سہارا مل گیا ہے اس لئے وہ دونوں میرے لئے بیکار ہو گئے ہیں۔“

بلیر سنگھ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ”تو قلم ایکٹر ہے کنور، تجھے تو ہمارا سا تھی ہونا چاہئے تھا۔ مجھے ایسے ہی لوگ پسند ہیں جو صرف کام کی چیزوں کے بارے میں سوچتے ہیں اور بیکار چیزوں کو پھینک دیتے ہیں۔ تو انہیں میرے پاس پہنچا رہے کنور، ہو سکتا ہے وہ آگے میرے کام آجائیں؟“

”ٹھیک ہے ٹھیکر ایسا ہو جائے گا۔ مگر اس لڑکی کو یہاں لانے کا کام لیزنا ہے۔ تم یہاں موجود ہو، تم نے دیکھا ہو گا کہ غلام شاہ نے تم سے حفاظت کے لئے کیا کیا بندوبست کئے ہیں وہ سرکس کا آدمی ہے اور اس کے جانور بھی تربیت یافتہ ہیں، آدمیوں کو تو ہم نے دیکھ لیا ہے۔“

”ہاں! وہ دونوں بڑے، چھوڑوں گائیکس انہیں، بڑ نقصان اٹھایا ہے ان کے ہاتھوں“ بلیر اس کے لہجے میں تھلاہٹ تھی۔

”قریبیت یافتہ بندہ پیرے داری کرتے ہیں اور یقیناً وہ خطرناک ہوں گے؟“

”بلیر ابھی ہے اذوق نہیں ہے۔ سنو کنورجی۔ تم یوں کرو کہ پیسے ان دونوں کو یہاں پہنچا دو پھر میں تمہیں بتاؤں گا کہ غلام شاہ کی بھتیجی کو اٹھانے کی کیا ترکیب ہو سکتی ہے۔“

”جیسا تم کو تھا کر پھر تم سے رابطے کیسے ہوگا؟“

”سارے کام مجھ پر چھوڑ دے کنور، تو پرانی حویلی میں رہتا ہے نا!“

”ہاں!“

”سرکس بھی آتا رہتا ہے“

”ہاں ٹھیک۔“

”بس وقت آنے پر تجھے خبر دے دی جائے گا ان دونوں کو جتنی جلدی ہو سکے یہاں پہنچا دے۔“

”میں پورے اعتماد سے یہ کام کروں گا۔“ کنور جیت نے کہا اور ٹھیک کر بلیر سگھ نے یک ہار پھر اس سے ہاتھ دیا۔ اس کے بعد کنور کو واپسی کی چارٹ مل گئی تھی۔ کنور جیت وہاں سے واپس چل پڑا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ سوچا سے انتقام کی بھٹی اس کے سینے میں سگ رہی تھی اور اس کے لئے اس نے بڑے خطرات مول لئے تھے۔ بلیر اچھے خطرناک آدمی کا ساتھ بھی خطرناک تھا، اور پھر یہ کام غلام شاہ جیسے پراسرار انسان کے خلاف ہو رہا تھا۔ دو طرفہ دشمنی مول لے رہا تھا وہ، اس کے نتائج خطرناک بھی ہو سکتے تھے لیکن اسے لگ رہا تھا۔ جب یہ سب کچھ کر ہی گیا تھا۔ اس کی تکمیل ضروری تھی وہ سرکس پہنچا تو بھلا صاحب سرکس میں ہی تھے۔ نیا گھر کے لوگ بھی سرکس کے پاس منڈلاتے نظر آ رہے تھے۔ روزانہ بے شمار لوگ یہ قصبے عبور کر کے یہاں آتے تھے اور حیرت و دلچسپی سے سرکس کے بوگول اور سرکس کے چانوروں کو دیکھتے تھے۔

”تھوڑی دیر کے بعد بھلا صاحب کنور کے ساتھ واپس چل پڑے۔ کوئی عمدہ جگہ تلاش کی کنور؟“

”علاقے بے مثال ہے بھلا صاحب، ایسے ایسے مناظر ہیں کہ میری تو عقل حیراں رہ گئی ہے۔ یہاں آ کر تو دل چاہتا ہے کہ ایک الگ ہی فلم بنوا دی جائے۔“

”اس خیال کو ذہن میں رکھو کنور، سارے پاس فلم بہت ہے۔ سارے فیتے استعمال کریں گے کچھ مناظر ترتیب دے لو جنہیں بعد میں کہانی میں شامل کر لیا جائے۔ میرا خیال ہے راج کمار کی کو بھی شامل کر لو بہت بور ہو رہی ہے بے چاری۔“

”اس کی نار برداریاں میری ذمہ داری تو نہیں ہیں بھلا صاحب۔“ کنور نے ناگوار سی کہا۔

”ارے نہیں نہیں بھئی، ایسی کوئی بات نہیں تھی میرے دل میں، بس میں یہ کہہ رہا تھا کہ یہاں آ کر کچھ عجیب سا احساس ہو رہا ہے، ہمارا کام قحط کا شکار ہو گیا ہے، میں نے تو یہ سوچا تھا کہ یہاں آ کر پوری ذمہ داری سے دو مناظر شوٹ کروں گا جن کے سنے میں نے ادھر کا رخ کیا تھا۔ لیکن کچھ ایسے حالات پیدا ہو گئے ہیں کہ مجھ پر غرا بدولی طاری ہونے لگی ہے۔ تمہاری باتوں پر میں نے غور کیا، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ کنور کہ جلت گھ میرا بہت پرانا دوست ہے اور جن حالات کا وہ شکار ہے ان کے تحت اس کی پریشانیوں پر مجھے بھی افسوس ہے، لیکن ہم ظاہر ہے اس زندگی سے متعلق نہیں ہیں اور پھر یہ نیا نگر کے اندرونی معاملات ہیں۔ باہر کا کوئی آدمی جہاں میں کیا بدھت کر سکتا ہے۔ نہ ہم جنگ و جدل سے واقف ہیں اور نہ ہی یہ ہماری لائن ہے، جلت گھ سے بھی بات ہوئی تھی، کہنے لگا کہ حالات زیادہ سے زیادہ خراب ہوتے جا رہے ہیں۔ خدا کرا جے پال کے آنے سے اور یا نگر کے دن دونوں علاقوں کے حالات کو معطوم کر کے جلت گھ مزید پریشان ہو گیا ہے اور وہ یہ فیصلہ نہیں کر پا رہا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ مجھ سے بات ہوئی تو کہنے لگا کہ اسے تو بس ایک بات کا افسوس ہے کہ ایسے موقع پر میرا یہاں آنا ہو جب نیا نگر ان حالات کا شکار ہے، ورنہ وہ میرے لئے بہت کچھ کرتا، میں نے اس سے یہ بھی کہا کہ اگر اس وقت یا نگر میں ہماری موجودگی غیر مناسب ہو تو ہم لوگ بعد میں بھی کبھی یہاں شوٹنگ کا پروگرام رکھ میں گے۔ اس بات پر وہ آرزو ہو گیا اور کہے لگا کہ میں اسے ان مشکل حالات میں چھوڑ کر چے جانا چاہتا ہوں۔ بمشکل تمام میں نے اسے اس بات کا یقین دلایا کہ میرے دل میں یہ سب کچھ نہیں ہے بلکہ میں تو اس پریشانی کے پیش نگاہ یہ بات کہہ رہا تھا۔ فریڈک کنور کہ حالات کی ڈور کچھ ایسے الجھتی ہے کہ اسے سلجھنا میرے بس میں نہیں رہا ہے، ہم ان سارے معاملات کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتے چنانچہ بہتر یہی ہے کہ جس مقصد کے لئے ہم نے اتنا طویل سفر طے کیا ہے اس کی تکمیل کے بعد یہاں سے واپس نکل چلیں۔“

”اور غلام شاہ۔“ کنور جیت نے بھلا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”غلام شاہ کی اپنی مرضی پر منحصر ہے۔ وہ اگر یہاں میڈیکل ناچا جاتا ہے تو بھلا ہم اسے کیسے روک سکتے ہیں، اور پھر ہمارا اس کا ساتھ بھی بس یونہی راستے میں ہو گیا ہے۔ ہم دونوں کے مفادات، ایک دوسرے سے منسلک تو نہیں ہیں، غلام شاہ کے ایک مقصد کے لئے میں نے کام کرنے کا وعدہ کیا ہے تو ہر طور اس کے لئے غلام شاہ کو دعوت دے دوں گا وہ جب بھی یا نگر سے واپس آئے مجھ سے ملے۔ مجھے تلاش کرنا تھا مشکل کام تو نہیں ہوگا۔ اس دوران میں اس کے لئے تھوڑی بہت معلومات بھی حاصل کر کے رکھوں گا۔ کبھی عام حالات ہوتے تو ہم دوستیاں جھانے کی کوشش کرتے، لیکن یہاں تو ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔ کسی کی مجھ میں ہی یہ بات نہیں آ رہی کہ وہ کیا کرے۔“

کنور جیت خاموشی سے گردن ہلانے لگا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

”بہر حال بھلا صاحب اب یہاں آئے ہیں تو کچھ مقصد تو حاصل کرنا ہی ہوگا۔ میں بہت سی ایسی جگہوں کو دیکھ چکا ہوں جہاں شوٹنگ کی جاسکتی ہے، بہت جلد آپ کو اس بارے میں پوری تفصیلات بتاؤں گا۔ میرا خیال ہے آپ خود بھی میرے ساتھ چل کر دیکھ لیجئے، آپ کو بھی یہی شک نہیں پڑے گی۔“

یقیناً جلد ہی کوئی پروگرام بنائیں گے۔ ویسے غلام شاہ نے اپنے سرکس کو نکس کر لیا ہے اور میرا خیال ہے ایک آدھ دن میں وہ جگت نگہ وراس کے اہل خانہ کو سرکس میں بلائے گا اور ان کے سامنے شو پیش کرے گا۔“

کنور جیت کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ بہر طور بھلا صاحب سے اس نے کچھ نہ کہا، بھلا صاحب خود اس کے لئے ہلک لسٹ ہو گئے تھے، کیونکہ انہوں نے نہایت ترش روئی سے کنور کو سونپا کے خلاف کچھ کرنے سے منع کیا تھا اور اس بات کا اندازہ نہیں لگا سکے تھے کہ کنور اس سلسلے میں کس قدر جذباتی ہو گیا ہے چنانچہ اب اسے بھلا صاحب سے بھی کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی ویسے بھی بھلا صاحب سے اس کا تعلق صرف ایک اداکار اور فلم ڈائریکٹر کا تھا، کوئی دینی رشتہ تو تھا نہیں اور جہاں تک راج کمار کی معاملہ تھا، راج کمار کی بھی ایک فلم آرٹسٹ تھی جس پائے کا کنور جیت تھا اسی پائے کی راج کمار کی بھی تھی، دونوں کو ایک دوسرے سے صرف کمرے کے سامنے دلچسپی ہو سکتی تھی اس کے بعد شاید ان کے ذہنوں میں ایک دوسرے کا کوئی تصور بھی نہ ہوتا ہو۔

وہ دنگ پرانی حویلی واپس آ گئے اور یہاں آ کر بھلا صاحب اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے، کنور جیت یہ فیصلہ کرنے لگا کہ جونسن اور پیٹر کو کس طرح یہاں سے نکل کیا جائے۔ جلد بازی بھی خطرناک ہو سکتی تھی منصوبہ ایسا ہی ہونا چاہئے کہ اس میں کوئی دقت نہ ہو اور اس رات اس نے دیر تک اس منصوبے پر غور کیا۔ رات کی تاریکی میں یہ کام خطرناک ہو سکتا تھا۔ دن کی روشنی میں اس لا پرواہی سے کام کیا جائے کہ کسی کو کوئی شبہ نہ ہونے پائے اور اس کے لئے اس نے بھلا صاحب کی ایک ایسی گاڑی کا انتخاب کیا تھا جس میں جونسن اور پیٹر کے چھپنے کے لئے بھی جگہ ہو سکتی تھی، دوسرے دن صبح کو بھلا صاحب سے اس نے گاڑی کی چابی مانگ لی۔“

”اس کا کیا کرو گے۔“

”میں وہ دوسری گاڑی لے کر جاؤں گا اور آج کچھ کام کر کے ہی واپس آؤں گا۔“ بھلا صاحب نے بغیر کسی تردد کے چابی اس کے حوالے کر دی تھی اور کنور جیت نے گاڑی کو چھٹی طرح چیک کر لیا تھا، اس کے منصوبے کے تحت یہ گاڑی اس کے لئے بہتر ثابت ہو سکتی تھی۔ بھلا صاحب جگت نگہ کی طلب پر غی حویلی کی جانب چل پڑے۔ راج کمار کی بھی ان کے ساتھ ہی چلی گئی تھی، کنور جان بوجھ کر یہاں رہ گیا تھا، اسے ایک اجازت تو مل گئی تھی

نوکیشن کی تلاش اور اس سے اس نے بھرپور فائدہ اٹھایا اور اس وقت بھی وہ اس سے فائدہ ہی اٹھانا چاہتا تھا۔ گاڑی کو ڈر، ٹیوکر کے وہ اس جگہ سے گیا جہاں ٹوٹے کنڈرات بھی موجود تھے اور جہاں جوئسن اور پنٹر چھپے ہوئے تھے۔ اطراف کے ماحول پر اس نے نگاہ رکھی تھی کسی نے کنور کی اس حرکت پر توجہ نہیں دی تھی۔ بہر طور کنور نے یہ اطمینان کرنے کے بعد کہ اسے دیکھے و لاکوئی نہیں ہے، جوئسن اور پنٹر سے رابطہ قائم کیا۔ دونوں کی حالت خراب سے خراب تر ہوتی جا رہی تھی اور اب ان کے چہروں پر تپتی برقی ہوئی نظر آتی تھی، کنور جیت نے نہیں دیکھا اور مسکراتا ہوا بولا ”کہو دوستو! کیا حال ہے تمہارا۔“

”بس زندگی اور موت کی کنکاش کا شکار ہیں کنور جی۔“ جوئسن نے کہا۔

”چلو میں اس مشکل سے تمہاری آرا دی دلاتے ہوں۔“

”کیا! دونوں اچھل کر کھڑے ہو گئے۔“

”ہاں میں جا رہا ہوں، ذرا اندر رات کا چائہ ہوں گا، ہا ہر گاڑی کھڑی ہوئی ہے، تم نے اس کی آواز سن ہی لی ہو گی، یہاں سے نکل کر خاموشی سے اس گاڑی کی سیٹوں کے نیچے چھپ جاؤ، تھوڑی دیر کے بعد میں تمہیں لے کر چلوں گا۔“

”مم مگر کہاں کنور جیت نکلیں۔“ پنٹر نے پوچھا۔

”یہ تفصیلات بھی بعد میں ہی بتادی جائیں گی ویسے تم فکر مت کرو۔ میں نے تمہارے لئے جو کچھ کیا ہے اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔“ کنور نے کہا اور جوئسن اور اور پنٹر شکر گزرا کر انہوں سے اسے دیکھے گئے، پھر انہوں نے کہا۔

”ہم نہیں سمجھتے کنور جیت کہ تم ہماری کون سی ٹیکنی کا پھل ہو۔ اگر تم نہ ہوتے تو شاید اب تک ہم اس دنیا سے جا چکے ہوتے۔“

”میرا احسان دس میں محسوس کرو تو میرے لئے بھی کام کرنا اور نہ تمہاری مرضی ہے، یوں سمجھ لو میں نے بے لوث تمہاری مدد کی ہے کوئی فائدہ نہیں حاصل کیا ہے میں نے اس سے، لیکن اتنا بڑا خطرہ مول لیا ہے کہ اگر کسی کو معلوم ہو جائے تو تمہارے ساتھ ساتھ میری زندگی بھی ختم کر دی جائے۔“

معاذ یہاں بہن صاحب کا نہیں ہے بلکہ ان لوگوں کا ہے جنہیں تمہاری وجہ سے نقصان پہنچا ہے۔“

”یہ بات ہم دونوں جانتے ہیں کنور صاحب۔“

”بہر طور زیادہ وقت نہ ضائع کرو، تمہیں نہایت خاموشی سے اپنا یہ کام کرنا ہے، گاڑی کے پچھلے دروازے کا تار کھد ہوا ہے احتیاط سے پنا کام کرو،

میں چلا ہوں۔“

کنور وہاں سے وہیں چل پڑا، کچھ جائزے بھی لے رہا تھا وہ اور اس کے ساتھ ساتھ اسے کچھ بتا رہا تھا۔ یاں بھی کرنا تھیں کیونکہ تھا کر بلیر سنگھ سے بات یہ سنے نہیں تھی کہ ان دونوں کو آج ہی وہاں پہنچا دیا جائے گا۔ بہر طور اتنا اندازہ بھی تھا اسے کہ خیر بلیر سنگھ اس علاقے پر نگاہ رکھے ہوئے ہے اور اس نے غلام شاہ کو بھی نظر انداز نہیں کیا ہے۔ دونوں مد مقابل ایک دوسرے کے سنے بلیر پور تیاریاں کئے ہوئے ہیں۔ کنور جیت غلام شاہ کے ہارے میں بھی چلتا تھا کہ وہ معمولی شخصیت کا مالک نہیں ہے اور تھا کر بلیر سنگھ کو دانتوں پیسہ آجائے گا، ایک آدھ ہار اسے یہ تشویش پیدا ہوئی تھی کہ اگر غلام شاہ بلیر پر غالب آ گیا تو خود اس کی کیا کیفیت ہوگی لیکن بہر طور وہ اپنے مقصد کی تکمیل کر دینا چاہتا تھا۔ نفع نقصان تو زندگی کے ساتھ ہے۔ بعد میں جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ کافی کا تھرا ماس، کھانے پینے کی کچھ چیزیں لے کر وہ لینڈ روور میں آ بیٹھا اور اس کے بعد اس نے لینڈ روور اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ یہ بھڑ تھا کہ بھلا صاحب اس وقت یہاں موجود نہیں تھے ورنہ ہو سکتا ہے وہ بھی ساتھ جانے کی پیشکش کر دیتے، چنانچہ کنور جیتیزی سے وہاں سے نکل آیا اور اس کی گاڑی اس سمت دوڑنے لگی جہاں سرکس لگا ہوا تھا۔ سرکس کو نظر انداز کر دینا ضروری تھا حالانکہ اس بات کے امکانات نہیں تھے کہ وہاں سے کوئی اس کا ساتھ حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ وہ لوگ ردا روی میں اس سے ضرور ملتے تھے لیکن سرکس کے کسی بھی شخص کو کنور سے براہ رست کوئی دلچسپی نہیں تھی، کسی اور کا کوئی مسئلہ نہیں تھا اگر سونے کنور کا ساتھ دیتی تو اس وقت حالات بدے ہوئے ہوتے لیکن اب تو جو کچھ کیا جا رہا تھا، سو ہی سے انتقام لینے کے لئے کیا جا رہا تھا اور کنور جیت اس سلسلے میں تقریباً نیم پاگل ہو گیا تھا۔ اس سے بڑی بہ عرقی برواشت نہیں ہو رہی تھی جو سونے کی تھی۔

لینڈ روور دوڑاتا ہوا دوسرے کے پاس پہنچا، اس دوران لوگوں سے کوئی گفتگو نہیں ہوئی تھی اور وہ سیٹ کے پیچھے پیچھے رہے تھے، کنور نے ان سے بات کر کے ان کی موجودگی کا اطمینان بہر حال کر لیا تھا۔ پھر چند محلات وہ سرکس کے پاس رکا، سرکس والے اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے، کنور جیت نے دیکھا کہ میدان کے دوسرے حصوں میں کچھ اور لوگ بھی اپنے سارے سامان کے ساتھ پہنچ گئے ہیں، غالباً میلے میں دکانیں وغیرہ بنانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں، لکڑیوں کے تختے، ٹین کی چادریں اور ایسی ہی بے شمار چیزیں وہاں کی چارے تھیں اور مزید لوگ یہ چیزیں وہاں رہے تھے، کنور خاموشی سے لینڈ روور ڈرائیو کرتا ہوا وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ رفتار سست ہی رکھی تھی اس نے اور عقب نما آئیے میں عقب کا اور ادھر دھر کا جائزہ بھی لیتا جا رہا تھا لیکن کوئی مداخلت نہ ہوئی تھی۔ بالآخر وہ ان بلند یوں کو عبور کر کے دوسری جانب پہنچ گیا اور پھر غاروں کے اس طویل سلسلے کی جانب چل پڑا جو اس جگہ سے کچھ فاصلے پر تھے اور جس میں سے اس نے ایک غار کا انتخاب کر لیا تھا۔ اس طرف بالکل ویرانی اور شالٹا تھا، چنانچہ کنور نے آہستہ سے کہا۔

”بہ تم لوگ باہر نکل آؤ جو سن اور پٹر!“

”گگ، کیا خطرہ لگ گیا ہے؟“

”ہاں میں تمہیں اس علاقے سے نکال لایا ہوں جو تمہارے لئے خطرناک ہو سکتا تھا اور یہ کام میں نے جتنی مشکل سے کیا ہے تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔“ جو سن اور پٹر بیٹوں کے نیچے سے نکل آئے تھے۔ وہ کمڑکیوں سے باہر کے مناظر دیکھنے لگا، پھر انہوں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

”آؤ! یہ تو بالکل ویران جگہ ہے لیکن مائی ڈیز مسٹر کنور کیا تم ہمیں یہ بتانا پسند نہیں کرو گے کہ یہاں سے ہماری گلوفا صی کے کیا انتظامات ہو سکتے ہیں۔“ کنور بینڈر روڈ رائج کرتا رہا اور پھر اس نے وسیع دھریض غار کے سامنے لینڈ روور روک دی، جس کا تیس وہ پیسے سے کر چکا تھا۔ اس نے جو سن اور پٹر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”یہ غار جو تم سامنے دیکھ رہے ہو اندر سے بالکل صاف ستھرا ہے اور تمہارے رہنے کے لئے نہایت موزوں۔“ مل، لیکن یہاں۔۔۔ یہاں ہم !“ مائی ڈیز جو سن اور مائی ڈیز میز تمہارے لئے، بہت سی خطرہ مول لے کر میں تھا کر ہمیں گگ سے ملا ہوں اور ہمیں گگ کے بارے میں تمہیں کچھ بتانا ہے۔“ دقنی کی بات ہے۔۔۔ تھا کر ہمیں گگ کو تمہاری بے گن ہی کا تیس دلا یا ہے۔ میں نے ور یہ بتایا ہے کہ تمہارے ساتھ غلام شاہ کے سرکس کے دونوں بونوں نے زبردست دھوکا کیا اور اس کی بناء پر اسے راول گگ کے آدمیوں کے ہاتھ نہ لگ سکا۔ میں نے زبردست کوشش کر کے تھا کر ہمیں گگ کو اس بات کا یقین دلا ہے کہ تم بے گناہ ہو اور تھا کر ہمیں گگ تمہیں اپنے ساتھ رکھنے پر رضامند ہو گئے ہیں۔ یہ بات بھی میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ بہر طور یہ لوگ بالکل ہی محصور نہیں ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ ان کے پاس باہر نکلنے کا باقاعدہ ذریعہ نہیں ہے لیکن پھر بھی ان کا رجحان دقنی دقنا سے کسی نہ کسی حد تک رہتا ہے۔ چناں چہ تھا کر ہمیں گگ تمہیں بہ آسانی یہاں سے باہر نکال دیں گے۔ اب یہ تمہارے اور ان کے درمیان کا مسئلہ ہے۔ یہ غار تمہارے لئے بہتر پناہ گاہ ہے۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا تھا کر ہمیں گگ کو فوراً ہی تمہارے بارے میں معلومات حاصل ہو جائیں گی لیکن بہر طور وہ تم تک پہنچ جائیں گے اور اس کے بعد تم ان کی تحویل میں ہو گے بعد میں تم ان سے کیا گفتگو کرتے ہو یہ تمہارا اپنا کام ہے۔

”لیکن کنور جی، آپ نے کہا تھا کہ آپ کو ہم سے بھی کوئی کام لینا ہے۔“

”بہت کم میں دوسروں سے کام لیتا ہوں، زیادہ تر دوسروں کے کام ہی آجاتا ہوں۔“ کنور جیت نے مسکراتے ہوئے کہا، اور اس وقت اسے گھوڑوں کے ناپوں کی آوازیں سنائی دیں وروہ چونک کر دھڑکیے گا پھر اس نے جو سن اور پٹر سے کہا۔

”تمہاری گفتیر بہت اچھی ہے، پھر انہیں ہے تھا کر ہمیں گگ کے آدمی آگئے ہیں اور اب تمہیں زیادہ مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔“ آنے والے

دوسرا، جو پوری طرح مسلح تھے ان لوگوں کے پاس پہنچ گئے۔ انہوں نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کنور جیت کو پر نام کیا تھا پھر ان میں سے ایک نے کہا۔
 ”ٹھا کرنے پوچھ ہے کہ یہ وہی دونوں آدمی ہیں جنہیں تم ان کے حوالے کرنا چاہتے تھے۔“
 ”ہاں یہ وہی دونوں ہیں۔“ کنور جیت نے جواب دیا۔

”تو ٹھیک ہے تم انہیں ساتھ لئے جاتے ہیں اس وقت ٹھا کر تم سے مل نہیں سکتے، معروف ہیں وہ، انہوں نے ایک بات اور بھی کہی ہے۔“
 ”کیا؟“

”انہوں نے کہا ہے کہ ان لوگوں کو یہاں پہنچانے کے لئے آپ کا یہاں آنا مناسب تھا لیکن اس کے بعد بہتر یہ ہوگا کہ آپ جلدی جلدی ادھر کا رخ نہ کریں، کسی کو شبہ بھی ہو سکتا ہے، دوسری بات یہ کہ اگر کوئی مجبوری بھی ہو ادھر آنے کی تو گاڑی آپ ایک ہی استعمال کریں یا تو یہ جو اس وقت یہاں لائے ہیں یا پھر وہ گاڑی جس میں پہلے آپ آئے تھے کیونکہ اس علاقے کو ہم لوگ چوری طرح لگا ہوں میں رکھے ہوئے ہیں اور یہاں کسی عطا آدمی کے ساتھ کوئی غلط سوچ بھی کیا جا سکتا ہے۔ آپ کی پیپس کی گاڑی ہونی چاہئے ورنہ آپ کو دور سے کوئی نقصان بھی پہنچ سکتا ہے۔“
 ”ادھونٹیک ہے، اول تو میں اب ادھر آنے کی کوشش نہیں کروں گا دوسری بات یہ کہ اگر ایسی کوئی ضرورت پیش بھی آگئی تو وہ پہلے ہی وہ گاڑی استعمال کروں گا۔“

کنور جیت نے گھبرائے ہوئے بچے میں کہا۔

”بس یہی کہا ہے ٹھا کرنے ہم ان لوگوں کو لے جائیں؟“

”اے میں اس ضرورت میں میں وہاں چاؤں میرا مطلب یہ ہے کہ میری ملاقات ٹھا کر سے ضروری ہے۔“

”نہیں مہاراج، ہم تو پیسے ہی بنا چکے ہیں آپ کو کہہ کر معروف ہیں اور اس لئے آپ سے نہیں مل سکتے۔“

”ٹھیک ہے تم ان لوگوں کو لے جاؤ۔“ کنور نے کہا اور آنے والوں نے جونسن اور پیٹر کو اپنے ساتھ ہی گھوڑوں پر بٹھایا۔ کنور نے بادل ناخواست لینڈر وور اسٹارک کے ساتھ واپس موڑ دی۔ بہر حال یہ اچھا ہوا تھا، جونسن ورنیٹر اس کے لئے بھی خطرہ تھے۔ اگر پکڑے جاتے تو وہ پوری طرح ٹوٹ ہو جاتا۔ اب وہ جائیں اور پلیر سنگھ، کنور کو ان کے عجبام سے دلچسپی نہیں تھی۔

واپس میں سرکس کے پاس سے گزرا تو وہاں رک گیا۔ شیخانے اسے دیکھ لیا تھا۔ ”کہاں ڈوٹ پھرے ہے رہے بھائی کنور جیت؟“

”بس شیخا، ایسے ہی آوارہ گردی کر رہا ہوں آپ سناہے کب شروع کر رہے ہیں اپنا سرکس؟“

”بس ہوا تیار ہو گئی ہے۔ تھوڑا وقت گئے گا۔“ شیخا سے ہاتھیں کر کے کتور جیت وہاں سے بھی چل پڑا۔ لینڈ روڈ اس نے اس کی جگہ کھڑی کر دی اور یہ اطمینان کر کے کہ حالات پر سکون ہیں اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اس کے فرشتوں کو بھی نہ معلوم ہوسکا تھا کہ لینڈ روڈ کے پچھلے حصے سے کوئی شرابی ہے اور کھنڈرات میں روپوش ہو گیا ہے۔ یہ شارق تھا۔



نہا کر جگت سنگھ کو غلام شاہ کا دعوت نامہ ملا تھا۔ اس نے بڑے خلوص سے پیشکش کی تھی کہ نڈھ کرا اپنے اہل خاندان کے ساتھ سرکس کا ہنگام میں ہونے والا پہلا شو دیکھے، جس وقت اکبر شاہ نے یہ پیغام نہا کر کو دیا بعد بھی وہاں موجود تھا۔ نڈھ کرنے بہت شکر یہ کے ساتھ یہ دعوت قبول کر لی تھی۔ اکبر شاہ کے چالے کے بعد اس نے کہا۔

”میں آپ کی اپنی کیفیت جانتا ہوں نہا کر، آپ ان دنوں بہت پریشان ہیں غلام شاہ بہت سادہ لوح انسان ہے مگر آپ خود کو ابھی اس کھیل تماشے کے لئے ذہنی طور پر تیار نہ پاتے ہوں تو میں غلام شاہ کو سمجھ دوں گا۔“

”نہیں بھلا ہا نکل نہیں۔ میں اس سادہ دہ انسان کی بے حد عزت کرتا ہوں وہ بے بھی بہت دن ہو گئے اسے آئے ہوئے اس کا کاروبار جاری ہو جانا چاہئے۔ یہاں کے لوگوں کو ابھی میں بڑے ذوق و شوق سے سرکس کے ٹکرا گاتے دیکھتا ہوں۔ میرے خیال میں غلام شاہ کا کاروبار شروع ہو جانا چاہئے۔“

”میں نے آپ کی پریشانی کی وجہ سے یہ بات کہی تھی نہا کر، میں جانتا ہوں جب انسان کا دل پریشان ہو تو اسے ایسی کسی تفریح میں لطف نہیں آ سکتا۔“

”تم ٹھیک کہتے ہو بھلا عجیب الجھنوں کا شکار ہو گیا ہوں ویسے بھی مجھے ان دنوں کنوں کے علاقے کا حال معلوم تھا۔ انہوں نے میری مگری کے ماسیوں کو زندہ گی سے محروم کر دیا ہے۔ اسنے ہی بڑے تھے وہ۔ بڑے نہ ہوتے تو میرے ساتھ دل جل کر رہتے۔ کیا ضرورت تھی اپنا اپنا علاقہ لینے کی۔

بہر حال سب ان باتوں میں کچھ نہیں رکھا۔ اسے پال نے مجھے جو حالت بتائے ہیں انہیں سن کر میرا دل خون کے آنسو روتا ہے اور میں سوچتا ہوں کہ غلطی مجھ سے ہوئی ہے یا نہیں۔ انہیں اس کا حصہ نہ دینا تب بھی بات مجھ پر ہی آتی اور اب حصہ دینے کے بعد وہاں کے رہنے والوں کا جو حال ہوا ہے وہ بھی مجھ سے ہی مسئلہ کر دیا گیا ہے۔ دراصل ہلاکی میں غور نہ کی نہیں جانتا یہ سب وہ لوگ ہیں جو پہلے میرے اپنے آدمی تھے میرے لئے جانا دینے پر آمادہ ہوتے تھے میں جانتا ہوں کہ دن اور راتیں نے انہیں بری طرح باغ و پا ہے اور اب وہ خود بھی یہ سمجھتے ہیں کہ مجھ سے جنگ کئے بغیر ان کی زندگی ممکن نہیں ہے۔ میں کوئی قدم اٹھاؤں گا بھلا تو اس کے نتیجے میں جنگ ہوگی۔ سب لوگ آپس ہی میں لڑیں گے میرے اپنے آدمی بھی تو مارے جائیں گے۔ وہ تو سرے سرے ہیں اور ہر نیوں کی جانب مائل ہو گئے ہیں لیکن میرے اپنے بھی آدمی ہیں۔ جنہوں نے کبھی ان علاقوں میں

جنگ نہیں کی۔ ہمارے ہاں جھگڑوں کا تصور ہی نہیں تھا، درہج، فو بھلا تو اسی جھگڑے سے بچنے کے لئے میں نے ان دونوں کو ان کی پسند کے علاقے دے دیئے تھے مگر دونوں ٹکے نکلے بس اس سوچ میں گم رہتا ہوں کہ کوئی ایسی ترکیب ہو جائے کہ ان دونوں کو گرفتار کر لیا جائے اور اس کے بعد جھگڑے کے بغیر اس مسئلے کا تسفیہ ہو جائے۔ میں اپنے آدمیوں کی رعایا نہیں کھونا چاہتا ورنہ ایک بات میں جانتا ہوں کہ جب میں ان پر نظر رکھی کروں گا تو وہ میرے جسے کی تاب نہ لاتیں گے۔ کون ان کا ساتھ دے گا صرف گئے چنے سپاہی لیکن وہ سسرے بھی میرے اپنے ہی ہیں۔ کیا ترکیب ہو ان کے سنبھالنے کی بس اس سوچ میں ڈوبا رہتا ہوں، ویسے بھلا مجھے اس فیصلے میں بہت وقت لگ جائے گا میری خواہش ہے کہ تم اپنا کام کرو، غلام شاہ اپنا سرکس لگا کر اپنی کمائی شروع کر دے آس لے کر آیا ہے یہاں نریش واپس نہیں جانا چاہئے اس کو۔ ہمارے لوگ بڑے خوشحال اور سرکس سے پوری پوری دلچسپی رکھتے ہیں۔ غلام شاہ کو باطریقہ قاندہ حاصل ہو گا بس مجھے صرف یہی دکھ ہے کہ اتنی دلچسپی سے میں تمہارا ساتھ نہیں دے پا رہا یعنی دلچسپی مجھے لینا چاہئے تھی۔ ویسے اب میلے کے دن بھی آگئے ہیں اور میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ اس بار میسے کی کیا کیفیت رہتی ہے۔ بہت سے اندازے ہو جائیں گے ہمیشہ کی طرح اگر ان عداوتوں سے لوگ آئے تو میں ان سے بات کر دوں گا ان سے پوچھوں گا کہ وہ لوگ راؤن اور تیل کے سیٹلے میں میرا کیا ساتھ دے سکتے ہیں۔ اتفاقاً میں بھی جانتا ہوں کہ میسے میں آنے والے وہ لوگ نہیں ہوں گے جو وہاں کے مفہوم یا شہدے ہیں بلکہ وہی ہوں گے جنہیں راؤن اور تیل کی سمیت حاصل ہوگی۔ جو حالات آجے پار نے مجھے بتائے ہیں ان کے تحت اب بھلا اب اس بات کی کیا گنجائش ہے کہ وہاں کے لوگ میسے ٹیلیوں میں دلچسپی لیں؟ بہر حال تم غلام شاہ سے کوئی بات مت کرنا میں نے اس کی دعوت قبول کر لی ہے اور آج رات ہم سرکس کا شو دیکھیں گے تم لوگ بھی آ جاؤ، ہمارے ساتھ ہی چلتا بھلا۔“ جگت سنگھ نے کہا اور بھلا صاحب خاموش ہو گئے۔ جگت سنگھ بہت اعلیٰ انسان تھا اور دوست نو ذی جانتا تھا، رت کو ایک بہت بڑا کالڈر، جس میں جگت سنگھ کے ال خاندان تھے، پیم سنگھ اور دوسرے مشیر تھے بھلا صاحب اور ان کے آدمی تھے غلام شاہ کی جانب چل پڑا، غلام شاہ نے آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا تھا، سرکس کی تمام تیاریاں بالکل مکمل تھیں۔ اس وقت بھی یہ منکر کے بہت سے شائقین سرکس کے آس پاس جمع تھے اس کے علاوہ اب دستیغ پیانو پر بہت سے لوگ بیٹے کی جیار یوں کے سیٹلے میں یہاں اپنے ڈیسے بنا چکے تھے۔ دکانیں تعمیر کی جارہی تھیں اور بہت سے کام ہو رہے تھے۔ یہ سب بھی فرصت ملنے پر سرکس کے آس پاس اکٹھے ہو جایا کرتے تھے اور کچھ نہیں تو جانوروں کی کودیکھا کرتے تھے غرضیکہ خوب رونق تھی یہاں، غلام شاہ ٹھاکر جگت سنگھ کو پنڈاس میں لے گیا اور یہاں پہلے ان لوگوں کی پھلوں اور مٹی کی سے تواضع کی گئی۔ غلام شاہ نے بھلا صاحب کو یہ بات بتادی تھی کہ یہ مٹی کی خصوصیات منکر کے دکانداروں سے حاصل کی گئی ہے اس لئے اس سے پرہیز نہ کیا جائے۔ یہ بات بھلا صاحب نے ٹھاکر جگت سنگھ کو بھی بتادی تھی اور جگت سنگھ نے غلام شاہ سے اظہارِ ممنونیت کیا تھا۔ اس کے بعد غلام

شاہ نے ٹھاکر جگت سنگھ سے اجازت لی اور کہا۔

”ٹھاکر جگت جی تو ہارستی کے بہت سے لوگ پیارے بہت دنوں سے ادھر آئے رہے آج بھی ادھر سرکس کے ہاہر موجود ہیں اگر تو بار، جاہت ہوئی، او، اوکا بھی ندر بلائی لے۔“

”بالکل بلا دیجئے غلام شاہ صاحب میری اجازت کی کیا ضرورت ہے؟“ غلام شاہ نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا اور ہاہر موجود تمام لوگوں کو سرکس دیکھنے کی دعوت دے دی گئی۔ سرکس کا پنڈل پوری طرح بھرے لگا تھا۔ جگت سنگھ وغیرہ کے لئے سب سے آگے بندوبست کیا گیا تھا اور ان کے اہل خانہ کو ایک الگ جگہ دی گئی تھی۔ ادھر بھلا صاحب بھی موقع سے فائدہ اٹھانے کے لئے اپنے کیمرو مینوں کو ساتھ لے آئے تھے اور کیمرو مین برق رفتاری سے جگہ جگہ، پنے کیمروے فکس کر رہے تھے پھر سرکس کا آغاز ہوا۔ ٹھاکر جگت سنگھ بھی کچھ دیر کے لئے اپنی پریشانی بھول گیا تھا اور سرکس کے رنگ برنگے لباسوں میں بیس لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔ ہلکے پھلکے آنکھ میں جگت سنگھ نے جو مختلف چیزوں کو چھال کر بیلنس کا مظاہرہ کرنے کے لئے تھے لیکن لوگ بڑے پر جوش انداز میں تالیاں بجا رہے تھے۔ ان کے لئے یہ سب کچھ ہی بہت حیرت ناک تھا۔ اس کے بعد دوسرے آنکھ میں جگت سنگھ کے لئے جگت سنگھ کے اعزاز میں خصوصی اہتمام کیا گیا تھا۔ سب ہی بہت دن کے بعد پبلک کے سامنے اپنے شو کا مظاہرہ کر رہے تھے اس لئے بہت خوش تھے اور ان کے انداز میں ضرورت سے زیادہ بھرتی آگئی تھی۔ گھوڑوں کا آنکھ میں کیا گیا اور اس کے بعد دوسرے پروگرام میں جگت سنگھ کے لئے۔ سونی نے نہائی حسین لباس پہنا ہوا تھا۔ چٹلی ہار اس نے بندروں کا ایک شو پیش کیا جس میں بندر مختلف لباس پہنے ہوئے اپنے اپنے کتب دکھا رہے تھے لوگوں کا ہنسنے ہنسنے پر حال تھا۔ سونی نے یہ آنکھ خصوصی طور پر تیار کیا تھا۔ اس میں تفریح بھی تھی اور کمالات بھی۔ بندروں کے عجیب و غریب لباس بہت قہج چیز لگ رہے تھے اور کبھی کبھی تو یہ احساس ہوتا تھا جیسے وہ انسان ہی ہوں اس آنکھ کو بہت زیادہ سراہا گیا تھا۔ خود اکبر شاہ نے بھی اسے پسند کیا تھا پھر سونی نے تمام بندروں کو اکٹھا کر لیا، دراپنی خوبصورت آوار میں بولی۔

”حضرات آپ نے ان جانوروں کو دیکھا ان کی حرکات دیکھیں، زمانہ قدیم میں یہ بھی انسان تھے یا پھر، انسانوں کے جدا جدا تصور کئے جاتے تھے۔ آج تک یہ اپنی وہ حیثیت برقرار رکھے ہوئے ہیں اور کسی بھی طرح انسانوں سے کم نہیں لیکن ایک فرق کو میں واضح کرنا چاہتی ہوں کیا آپ نے ان بندروں میں کسی قسم کا فرق محسوس کیا۔ براہ کرم جواب دیجئے؟“ لوگوں نے زور زور سے ”نہیں نہیں“ کہا تھا تب سونی نے چٹلی بھائی اور دو بندر باقی بندروں سے علیحدہ ہو کر آگے ہو گئے۔ انہوں نے اپنے چہروں سے ایک نقاب اتار دیا، چٹکو اور منکو تھے لوگوں نے انہیں دیکھ کر ہر دست تالیاں بھائی تھیں اور غلام شاہ حیرت سے بولا تھا۔

”وے تو ہمارے مکتور ہیں کاسر بند رہی ہیں گلے سے وارے بھائی اے کج بچہ بدترین کے دکھائی دے آج۔“ وہ خود بھی حیران رہ گیا تھا کیونکہ پورے آئٹم کے دوران ایک ایک جگہ بھی، بندہ نہیں ہو سکا تھا کہ ان بندروں میں دو تیسے انسان بھی چھپے ہوئے ہیں۔ جگت سنگھ نے پر جوش انداز میں تالیوں بجاتی تھیں۔ چنگو اور منکو سے اس کا براہ راست واسطہ نہ چکا تھا اور وہ ان دونوں بونوں کی بے پناہ صلاحیتوں سے پوری طرح واقف تھا۔ آج اسے اس بات کی خوشی بھی ہو رہی تھی کہ سرکس سے بھٹکے ہوئے یہ دونوں انسان بہر طور اپنے قہیے سے آئے تھے۔ دوسری جانب کنور بھی جلتی لگا ہوں سے سونیا کو دیکھ رہا تھا اور اس کے تن بدن میں آگ سلگ رہی تھی۔ سو تو سرکس کے اس لباس میں نبھائے کیا نظر آ رہی تھی بے شک وہ دہیے ہی حسین تھی لیکن اس وقت تو آتش نئی ہوئی تھی، خود اس کا موڈ بھی بے حد خوشگوار تھا اور اس نے جگت سنگھ کے اعزاز کی شکر کے لئے اپنے آپ کو خوب بنایا سوار تھا اور اس وقت بات بات پر ہنسی ہوئی نظر آ رہی تھی لیکن کنور جیت کے کانوں میں اس کے وہی الفاظ گونج رہے تھے وہی زہریلے الفاظ۔

”کنور جی معاف کیجئے آپ ہم لوگوں کو سمجھ نہیں پاتے اس لئے کہ آپ بیوقوف ہیں اگر میں ان بندروں کو آپ پر چھوڑ دوں تو وہ آپ کے ہاتھ پاؤں توڑ کر آپ کے بغل میں دے دیں ہمارے یہاں مرد ہوتے ہیں آپ جیسے لوگ نہیں جن کے بارے میں فیصلہ ہی نہ کیا جاسکے کہ آپ ہیں کیا چیز۔“ یہ الفاظ کنور کے تن بدن میں سلگ رہے تھے اور وہ دس ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ حسین لڑکی وہ وقت زیادہ دور نہیں ہے جب تیر یہ غرور میرے سامنے سرنگوں ہو جائے گا۔ شو جاری رہا۔ اس کے بعد بھاری آئٹم پیش کئے جانے لگے اور یہ سارے آئٹم انتہائی خصوصی تھے چونکہ یہ نگر کے حکمران کے سامنے پیش کئے جا رہے تھے۔ ہر شخص اپنی مہارت کا زیادہ سے زیادہ ثبوت دے رہا تھا جگت سنگھ نے ہلا کے کان میں کہا۔

”بھلا جی یہ انسانوں کے نام تو نہیں ہیں، میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اگر اس سرکس ہی کو راویں اور تہیل سنگھ کے مقابلے پر چھوڑ دیا جائے تو نایاب نچا کر رکھ دیں گے یہ لوگ۔“

”ہاں جگت سنگھ جی واقعی بڑے حیرت ناک لوگ ہیں یہ اور انسان ہی ہیں اور شینا کے بارے میں ایک بات میں خاص طور سے آپ کو بتا دوں کہ وہ عدم تشدد کا پیاری ہے کسی جانور تک کو نقصان پہنچانا پسند نہیں کرتا میں نے بارہا اس کے مظاہرے دیکھے ہیں کوئی جانور تک بیمار ہو جاتا ہے تو شینا خود اپنے آپ کو پتھر محسوس کرنے لگتا ہے اس لئے۔“

”جی نہیں بعد میں نے تو آپ سے ہی ایک بات کہی تھی یہ لوگ واقعی ہاتھ پاؤں ہیں۔“

فریسیک پر دو گرام جاری رہا سونیا بھی آج بہت ہی زیادہ خوشگوار موڈ میں تھی چنگو اور منکو بھی جو وہاں آگئے تھے یہ دونوں اس کے خاص آدمی تھے اور سونیا ہمیشہ ان کے ساتھ خوشگوار کیفیت محسوس کرتی تھی۔ وہ اپنے بہترین آئٹم انہی دونوں کے ساتھ پیش کرتی تھی اور ان تینوں کے درمیان بہترین

یعنی ہم آہنگی تھی۔ بہر طور اس کے بعد جھوٹے کام شروع ہو گیا۔ پہلے ساولی اور ایوانے پنا کام دکھایا پھر دوسرے کچھ لوگوں نے اور آخر میں سونیا جھوٹے پر پہنچ گئی۔ اس نے آج کے اس پروگرام میں بھی نئی جھوٹے پر ناقابل یقین فنکاری دکھائی اور بار بار جھٹکتے لگے کے ہونٹوں سے خوف بھری آور لکل گئی۔ سونیا کے تمام آنظم بے حد خطرناک تھے وہ آج اپنی تمام مہارت کو سرکس میں پیش کر دینا چاہتی تھی کئی آنظم پیش کرنے کے بعد اس نے ایک کرنے سے اس بارے میں سوچا اور پنڈل میں بیٹھے ہوئے لوگوں پر نگاہ دوڑائی جو سب سناکت و جامہ دم رو کے اس کی جانب دیکھ رہے تھے ان دم بخود چہروں کو دیکھ کر سونیا ہمیشہ خوش ہو کرتی تھی لیکن پھر ان دم بخود چہروں میں اسے ایک اور چہرہ نظر آیا جسے دیکھ کر وہ خود دم بخود ہو گئی۔ ناقابل یقین سی بات لگ رہی تھی لیکن نبھانے کیوں سونیا کی نگاہوں میں اس چہرے کے نقوش ان دنوں زیادہ نمایاں ہو گئے تھے یقیناً یہ شارق ہی تھا۔ شائقین کے ساتھ ایک گوشے میں بیٹھ ہوا تھا سونیا کو اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا کیسے جو کچھ دیکھ رہی تھی وہ بھی غلط نہیں تھا۔ اس کے بعد اس کی کیفیت بگڑنے لگی۔ شارق سرکس میں موجود ہے یقیناً دوسرے لوگوں نے اسے نہیں دیکھا ہوگا۔ یقیناً اس نے عموں کو اجازت ملنے سے فائدہ اٹھایا ہوگا۔ عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گئی وہ اور اس کے بعد اس نے صرف ایک دو ہلکے پھٹکے آنظم پیش کئے اور اسے سے نیچے تر آئی اس کی جگہ فوراً ہی دوسرے لوگوں نے سے نئی شو کو ابھی جاری رہنا تھا۔ سونیا پردے کے پیچھے پہنچ گئی اصولاً اسے وہاں رکنا چاہئے تھا لیکن وہ وہاں نہ رہی اور اپنے نیچے کی جانب چل پڑی یہاں آ کر اس نے فوراً ہی اپنا لباس تبدیل کیا عجیب سی سنسنی مٹ ہو رہی تھی جسم میں کچھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ لباس تبدیل کر کے وہ نیچے سے باہر نکل اور پھر وہاں نیچے میں چلی گئی۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد وہ دوبارہ اس جگہ پہنچ گئی جہاں سرکس کے فنکار اپنے اپنے لباسوں کی تیاریاں کر کے، غور جاتے تھے۔ اس نے شیر اکو اشارے سے بلا دیا اور شیر اس کے پاس آ گئی۔

”اگر سنے تم سے لباس تبدیل کرنا میرا مطلب ہے یہ تمہارا دوسرا لباس ہے۔“

”ہاں شیر اب میں کسی آنظم میں صبر نہیں لوں گی۔ اس وقت مجھے تم سے ایک کام ہے دیکھ مجھ سے کوئی سواں مست کرنا، اگر تو نے کوئی سول پوچھا مجھ سے تو میرا داغ خراب ہو جائے گا کوئی سول نہ کرنا مجھ سے شیرا جو کچھ میں کہہ رہی ہوں تجھے وہی کرنا ہے، وہی کرنا ہے تجھے شیر سمجھ رہی ہے نا میری بات۔“

”سو نہ کیا ہو گیا ہے تجھے کیسے ہو رہی ہے تو؟“

”شیر! کچھ کچھ خراب ہو گئی ہے میری حالت، مگر تو جلدی سے ایک کام کرے وہ پنڈاں میں وہ پنڈال میں شارق بیٹھا ہوا ہے پیچھے سے تیسری رو میں ہے وہ وہ اپنی سمت کو۔“

”اوہ! چھو بھر۔“

”اس کے پاس چا جس طرح بھی ہو سکے اس کے پاس جا اگر اس میں کوئی دقت محسوس کرتی ہے تو تو ان لوگوں کے ہا ہر ٹکے کا نظارہ کر مگر سرس ابھی دیر تک جاری رہے گا تو شارق کے پاس جا اس سے یہ کہنا کہ کہیں جانے کی ضرورت نہیں رات کو وہ میرے خیمے میں آئے۔ میں سرس کے تمام لوگوں کے سو جانے کے بعد اس کا انتظار کروں گی تو اس سے ضرور یہ بات کہہ دے شیر! براہ کرم میرا یہ کام ضرور کر دے۔“ شیر عجیب سی نگاہوں سے سو نہ کر دیکھ رہی تھی پھر اس نے کہا۔

”ایک بات کا جواب دو گی سو نہ۔“

”مجھ سے کوئی سوال مت کر براہ کرم مجھ سے کوئی سوال مت کر۔“ سو نہ نے تیز تیز سانس لیتے ہوئے کہا اور شیر نے گردن ہلا دی۔

”لھیک ہے بعد میں تجھ سے بات کروں گی۔“

”ہاں بعد میں تیر، جو دل چاہے بات کر لینا مجھ سے، جا کہیں وہ غائب نہ ہو جائے۔“ سو نہ نے کہا اور شیر گردن ہلا کر دہاں سے ہا ہر ٹکے کی۔ سو نہ کا دل تیر تیز دھڑک رہا تھا اس کی حالت عجیب ہو گئی تھی۔ شارق اسے بہت یاد آتا تھا۔ ہر وقت یاد آتا تھا۔ اس کے بارے میں سو نہ جتنی تو دم گھٹنے لگتا تھا۔ وہ اپنی ذات میں بے مثال تھا، شیخ کو اس نے بنا، پوانہ بنا یا تھا۔ اسی انوکھی شخصیت تھی اس کی کہ کوئی اس سے انحراف نہیں کرتا تھا سب کو دنگ کر کے رکھ دیا تھا اس نے، مگر اس کی اتنی مخالفت کی گئی کہ بالآخر شیخانے اسے لگا دیا۔ لیکن اس کے جانے کے بعد سو نہ کو اپنی زندگی میں ایک غلامحسوس ہوا تھا۔ اس کے دل نے اسے احساس دلایا تھا کہ اس نے اس کی بات سمجھی ہی نہ تھی وہ شارق سے نفرت نہیں محبت کرتی تھی۔ شاید اسی دن سے جب اس نے اسے پہلا گلاب پیش کیا تھا۔ چلے ہوئے گلاب کے پھول اس دن کے بعد سے آج تک اس کے دل میں جھپٹتے رہے تھے۔ اگر اس دن شارق کنور کو اور اسے اس رنگ میں نہ دیکھ لینا تو شاید وہ یہاں سے نہ جاتا۔ سب کچھ برداشت کر لینا اور وہ برداشت کر رہا تھا سب کچھ اس کے لئے۔ اس کی آنکھیں شارق کو ڈھونڈتی رہتی تھیں اسے گمان ہوتا تھا وہ زیادہ دور نہیں ہے اچانک پھر نمودار ہو جائے گا پہلے کی طرح۔ لیکن پہلے اور بات تھی، کنور کی حرکت نے اس کے دل پر ضرب لگائی تھی اسی وجہ سے سو نہ کو کنور سے چڑ ہو گئی تھی وہ اس کے سامنے سے چلنے لگی تھی۔ اس دن چٹو منگو

کی وہ جی پر اس نے شارق کے بارے میں سنا تھا اور اس کے دل کی دھڑکنیں جیز ہو گئی تھیں۔ وہ انتظار کر رہی تھی۔ لیکن پھر شارق نہ آیا اور وہ بچھ گئی تھی۔ آج شاید غیر شعوری طور پر اسے شارق کی قربت محسوس ہوئی تھی اور اس کے اندر جو نئی پید ہو گئی تھی۔ پھر اس نے شارق کو دیکھ پرتھا اس کے بعد وہ خود پرتا بوند رکھ سکی تھی۔ اور شیر اس کے ہاتھ اس نے شارق کو پہنچا م بھیج دیا تھا۔

شیر انے خیمے کا پروہ ہٹایا اور اندر آ گئی۔ سونیا نے محرو دوی لگا ہوں سے اسے دیکھا شیرا کے تھا ظا اس کے لئے دھا کہ ثابت ہوئے تھے۔ ”تمہیں عطا تھی ہوئی ہے سوئی۔ شارق پٹا ال میں نہیں ہے۔“

”نہیں وہ ہے؟“

”میں نے شاید ایک ایک فرد کو دیکھ یا ہے۔ ویسے بھی پٹا ل میں رہا وہ لوگ نہیں ہیں۔“

”اور میرے ساتھ آ میں تجھے دکھاتی ہوں آ میرے ساتھ تھی ہے تو۔“ سونیا اسے ساتھ نے کر سر کس کے تھی جسے سے اندر داخل ہو گئی۔ پھر اس نے وہاں نظر دوڑا کی جہاں شارق کو دیکھا تھا۔ وہ نہیں تھا۔ شیرا کا کہنا ٹھیک تھا وہ چلا گیا تھا شیرا اس کا جائزہ رہی تھی۔ اس نے کہا۔

”نہیں ہے نا؟“

”تھا۔ چلا گیا۔“ سو یا، یوسی سے بولی اور دونوں وہاں سے چلی آئیں۔ شیرا نے خیمے میں داخل ہو کر کہا۔

”سوئی تڑپ رہی ہے نا اس کے لئے۔“

”ہاں شیرا تڑپ رہی ہوں، ہاں شیرا میں اس سے محبت کرنے لگی ہوں۔“

”سمجھایا تھا میں نے تجھے اس سوئی محبت کو سمجھنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ تجھے یقین ہے کہ تو نے اسے وہاں دیکھا تھا۔“

”ہاں شیرا۔“ وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی۔

”تو بھر دکھ نہ کروہ آس پاس ہی ہے ضرور ملے گا۔ تیرے پاس تو شاید نہ آئے لیکن تجھ سے دور بھی نہیں رہا جا رہا اس سے۔ تو اطمینان رکھ سونیا میں سے تلاش کروں گی۔ حیرا پیغام اسے ضرور دے دوں گی۔“

”اس سے یہ ضرور کہہ دینا شیرا، اس سے یہ ضرور کہہ دینا کہ سونیا کہتی ہے کہ جو کچھ اس نے دیکھا تھا۔ اس سے ضرور کہہ دینا شیرا۔ یہ ضرور کہہ دینا اس سے۔“

”ہاں کہہ دوں گی۔“ شیرا نے تشویش بھرے لہجے میں کہا۔ وہ سونیا کے شفاف رخساروں پر لڑھکتے آنسو دیکھ رہی تھی۔

باہر سرکس جاری تھا، کنور بھی موجود تھا آج سونیا کو دیکھ کر اس کا دل بے قابو ہو گیا تھا لاکھوں میں ایک تھی کوئی اس جیسی نہیں تھی۔ وہ اسی سوچ میں گم تھا کہ برابر بیٹھے ہوئے شخص نے اس سے کہا۔

”کنور جیت جی، میرا نام کچھ چندر ہے۔“ کنور جیت چونک کر اسے دیکھے لگا وہ شخص پھر بولا۔ ”ہم لوگ یہاں پہلے ہی گھوڑے بیچنے کے سہ جگہ ہیں دن میں دیکھو گے۔ تو سرکس کے ہائیں سمت دس بارہ گھوڑے نظر آئیں گے۔ کل دوپہر کو وہاں آ کر مجھ سے مل لینا۔ تھا کر بلہر نگلے نے تمہارے منصوبے پر عمل کرنے کے لئے کل کا ان مقرر کیا ہے۔ کل سرکس کے مالک کی بیٹی کو ٹھالیا جا سگے گا۔ یاد رکھنا میرا نام کچھ چندر ہے کل جب وہاں آؤ تو میرا نام پوچھ لینا۔“ کنور جیت نے خشک ہونٹوں پر زبان بھیرتے ہوئے گردن ہلا دی تھی۔



جگت نگلے کے حجاز میں سرکس کا یہ شو بہت شاندار رہا تھا۔ بہترین آکٹم پیش کئے گئے تھے اور جن لوگوں نے یہ سرکس دیکھا تھا وہ دوسروں سے اس کی تعریفیں کرتے پھر رہے تھے۔ خواجگت نگلے نے بھی سرکس کی بہت تعریف کرتے ہوئے کہا تھا کہ سرکس والے اس دھرتی کے لوگ نہیں لگتے۔ سرکس کے اختتام کے بعد کنور جیت بھی بھلا، غیرہ کے ساتھ شریک ہو گیا تھا لیکن اس کی کیفیت زیادہ بہتر نہیں تھی۔ اسے وہ شخص یاد آ رہا تھا جس نے اسے کل کے لئے پیغام دیا تھا۔ سب لوگوں کے ساتھ وہ بھی واپس آ گیا مگر رات کو اسے نید نہیں آئی تھی۔ اس سے پہلے ایسی کسی سارٹ میں حصہ نہیں لیا تھا بعض اوقات تو اس پر گھبراہٹ جاری ہونے لگتی تھی اور وہ سوچتا کہ لعنت بھیجے سو یا پر آ خرا یک لڑکی سہ ہے۔ نہ جانے کیا حالات پیش آئیں کہیں جان پر ہی نہ بن جائے سرکس کے لوگ بہت خطرناک تھے۔ مگر سو یا کو دیکھ کر اس کے احساسات پر تازہ پانے لگتے تھے آج پھر اس کی وہی کیفیت ہو گئی تھی۔ سو یا اتنی حسین لگ رہی تھی آج کہ وہ دل تھام کر رہ گیا تھا۔ پھر اس پیغام نے اسے تھہر دیا، کر دیا تھا سب بام و دو چار ہی ہاتھ رہ گیا ہے ہمت کر ڈالسی چاہئے۔ دوسرے دن بھی وہ اسی کشش کا شکار رہا تھا پھر اس نے اس خطرناک شخص بلہر ا کے بارے میں سوچا تھا۔ اب معاملہ صرف اس کے بس میں نہیں تھا بات آگے بڑھ چکی تھی اور بلہر ا نے اسے اپنا ساتھی بنایا تھا اگر وہ انحراف کرتا ہے تو بلہر ا اسے نہیں چھوڑے گا۔ اس نے خود کو تسلی دی اور یہی فیصلہ کیا کہ اب جو ہو گا دیکھ جائے گا۔ مقررہ وقت سے پہلے وہ سرکس چل پڑا تھا۔ یہاں آج بہت جھوم تھا جن عام بوگوں نے خوش قسمتی سے وہ سرکس دیکھ لیا تھا۔ انہوں نے دوسرے بوگوں میں اشتیاق بھڑکایا تھا اور یہ مگر کے لوگ بہت بڑی تعداد میں یہاں جمع ہو گئے تھے۔ غلام شاہ نے ان سے کچھ وعدے کئے تھے۔

کنور جیت غلام شاہ وغیرہ کے پاس نہ گیا بلکہ دور دور کے علاقوں میں جیپ دوڑاتا رہا۔ اس نے دور سے ہی وہ جگہ دیکھ لی تھی جہاں گھوڑوں کے باجر

سپنے لئے اطمینان دیتا رہے تھے تاکہ میسے میں گھوڑے فروخت کر سکیں۔ سرکس کے یہاں لگ جانے کے بعد میسے میں ماں واسباب فروخت کرنے والوں نے پنا کام بھی شروع کر دیا تھا اور اب کافی لوگ وہاں آ چکے تھے۔ کنور اطرف کا بھی طرح جائزہ لے کر بالا فروہاں پہنچ گیا۔ جیب روک کر وہ نیچے اترا اور پھر وہ کسی سے کچھ پندر کے بارے میں پوچھنے ہی والا تھا کہ کچھ پندر خود اس کے پاس آ گیا۔

”آپ کنور جی“ اس نے کہا، ”کنور جیت کو یک خیمے میں لے گیا۔“ کہنے کنور جی سب ٹھیک ہے نا؟“

”ہاں!“ کنور نے آہستہ سے کہا۔

ہم بلھر نگہ جی کے لوگ ہیں۔ کئی دن سے ہم سرکس کی عمرانی کر رہے ہیں اور بہت سی معلومات حاصل کر چکے ہیں۔ وہ لڑکی جو غلام شاہ کی بیٹی ہے روزانہ شام کو سورج چھپنے سے پہلے اس میسے کے پاس جاتی ہے جو سامنے نظر آ رہا ہے اس کے ساتھ ایک ورلڈ کی بھی ہوتی ہے وہ پیدر وہاں جاتی ہے اور کوئی اس کے ساتھ وہاں نہیں ہوتا۔ آج شام ہمارے آدمی وہاں سے اس کی گھاسٹ میں ہوں گے۔ موقع ملے ہی وہ اسے کہیں میں لپیٹ لیں گے اور اسے سٹل بوٹی سنگھادی جائے گی جس سے وہ بے ہوش ہو جائے گی۔ آپ کے لئے بلھر اچی کی ہدایت ہے کہ آپ بھی تاک میں رہیں اور جب ہمارے آدمی یہ کام کر رہے ہوں تو وہاں پہنچ جائیں دوسری لڑکی کو دکھانے کے لئے آپ جنگ کریں ہمارے آدمی آپ کو بھی ٹھکانے لگا دیں گے۔“

کچھ چند خاموش ہو تو کنور ٹھہرا کر بولا۔

”کیا مطلب؟“

آپ تو ظلم دے ہیں کنور جی۔ ایسے بہت سے کہیں کر چکے ہوں گے مطلب یہ ہے کہ دوسری لڑکی دوسرے لوگوں کو بتائے گی کہ آپ نے ان کی مدد کی کوشش کی تھی اور رخصتی ہو گئے تھے آپ کی عزت بڑھ جائے گی اور آپ کو بھی اغوا کر لیا جائے گا۔ بعد میں آپ بلھر نگہ جی کی کہانی لے کر واپس بھی تو آئیں گے۔

”اوہ اچھا میں سمجھ گیا۔“ کنور نے تھوک نکلتے ہوئے کہا۔

”بس یہی تفصیل بتانی تھی آپ کو۔ اگر کوئی خاص بات سچ میں نہ ہوئی تو یہ سارا کام ایسے ہی ہوگا۔“

”ٹھیک ہے میں ہوشیار رہوں گا۔“

”بس کنور جی آپ جانیے۔ زیادہ یہاں رکنا اچھا نہیں ہوگا۔“ کنور جیت بادل غواستہ وہاں سے نکل کر چل پڑا تھا۔ دل میں پچھتے لگے ہوئے تھے اور بدن ڈھلا جا رہا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے وقت کہاں گزرا جائے۔ یہ خطرہ بھی تھا کہ کسی کو اس کی کیفیت پر نہ شہر ہو جائے۔ بہر حال

واپس نہیں گیا اور سرکس میں پہنچ گیا پھر غلام شاہ کے ساتھ ہی وقت گزرتا اور اس سے دیکھا جہاں کی باتیں کرتا رہا۔ غلام شاہ اس سے بہت اچھی طرح پیش آتا تھا ویسے بھی کنور چانک تھا اور غلام شاہ کی کنزور پاں جانتا تھا۔ اس نے کہا۔

”شیخا تمہارا کیا خیال ہے، کیا ظہر اتمہا رے ما سے آٹنے کی بہت کرے گا اس نے تمہارے انتقامات دیکھے ہوں گے۔ یہ بھی دیکھا ہوگا کہ سرکس کے لوگ کتنے جیلے ہیں اور ہر طرح کے حادثات کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں اور پھر بھی کر جکت بھی تمہارے ساتھ ہے ان حالات میں میرا تو خیال ہے کہ وہ تمہارے بلے میں خاموشی اختیار کرے گا۔“

”ناہوا، ایسا ناہوئی ہے بات اسی رہے کہ دوسرے بھی تھا کر بے کو تو پتہ جات کا ہوتا تو چپ سادہ جاتا۔ اور ہمارے سامنے جو رو آئے گا۔“

”مگر وہ چالاک ہے۔“

”جا، کی کا جواب جا، کی سے اور بہادری کا جواب بہادری سے دیا جائے گا۔ بے وکوف تو ہم اوتا ہیں رے۔“

”شلاقم کیا کرو گے شیخ“

”رے چپ کر ہا دلے دشمن کے خلاف جو چال ہوئی ہے اور کو نہ بتائی جاوے ہے اور بتانا ادا چاہئے ہوا، دیو راہ کے ادا کان ہوت ہیں۔“ کنور نے بھی زیادہ کریدنا مناسب نہیں سمجھا تھا پھر بھلا صاحب آگئے اور کنور کو دیکھ کر بولے۔

”ہلو کنور آج صبح سے غائب ہو؟“

”ہاں اپنا کام کرتا پھر رہا تھا۔ بہت دیر سے شیخا کے ساتھ ہیں۔“

”کل ہم نیا ٹکری آدا دیوں میں شینگ کریں گے، ٹھہ کر سے اجازت لے لی ہے۔“

”ٹھیک ہے میں ساتھ رہوں گا۔ اچھا شاہ صاحب اب آپ کے دوست آگئے ہیں میں چلا ہوں۔“ وہ باہر نکل آیا۔ بالکل صحیح وقت پر باہر نکلا تھا سورج ڈوب رہا تھا اور کچھ فاصلے پر شیر اور سوہیا اس ٹیلے کی طرف جا رہی تھیں جس کے ہارے میں سکھ چند نے بتایا تھا۔ کنور جیت دل کی دھڑکنوں پر قابو پانے کی کوشش کرتا رہا، پھر حواس مجتمع کر کے وہ جیب میں بیٹھا اور جیب اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ اس نے ایک لمبا چکر کاٹ کر ایسا راستہ اختیار کیا جو ٹیلے کے عقب میں نکلتا تھا۔ وہاں پہنچ کر اس نے دور سے دیکھا شیر اور سوہیا نظر آتی تھیں۔ اس نے جیب ایسی جگہ روکی جہاں سے وہ دونوں اسے نہ دیکھ سکیں۔ اس کا دل کنیٹیوں میں دھڑک رہا تھا۔ بدن پسینے سے بھیگ چکا تھا۔ پھر اس نے دھندلائی ہوئی نظروں سے وہ منظر دیکھا جس کے بعد اسے جیب اس طرف دوڑنی تھی۔ چند لمحوں نے اچانک ٹیلے کے دوسری طرف سے نمودار ہو کر لڑکیوں پر حملہ کیا تھا۔ کنور جیت نے

جیپ اسٹارٹ کی اور اسے برقی رفتار سے دوڑاتا ہو نیلے کے قریب پہنچ گیا۔ اس کے حلق سے لڑتی ہوئی آواز نکلی۔

”خبردار خبردار گولی باروں گا۔ چھوڑ دو اسے۔“ وہ جیپ روک کر نیچے کودا اور پاؤں کے ابھ جانے سے اونکھ مٹنے لگا۔ دو آدمیوں نے سونیا کو مونے کیل میں پکڑ لیا تھا اور بری طرح سے دیوہے ہوئے تھے۔ مزید دو نے شیراکو قابو میں کر لیا تھا اور اس کا منہ پھینکا ہو تھا۔ لیکن شیراکو نے اس کے سر پر پتھر سے ضرب لگائی اور شیراکو کا بدن ڈھیل پڑ گیا۔ اسی دیر میں کنور اٹھ کر ان لوگوں سے پٹ گیا جو سونیا کو دیوہے ہوئے تھے مگر دو آدمیوں نے کنور کو پکڑ کر تھکیٹ لیا اور پھر اس کے سر پر بھی پتھر سے مصنوعی ضرب لگائی گئی۔ کام بن گیا تھا کیونکہ شیراکو بے ہوش ہوتے ہوئے بھی یہ منظر دیکھ لیا تھا پھر وہ بے سرحہ ہو گئی تھی۔ کیل میں بھی اب کوئی تحریک نہیں تھی کیونکہ سونیا کو کوئی خواب آ رہا تھا اور بوٹی ٹکھادی گئی تھی سکھ چندر بھی ان لوگوں میں شامل تھا اس نے اپنے آدمیوں سے کہا۔

”پھرتی کرو، آئیے کنور جی۔ کنور ان لوگوں کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ سارے نظامت کر لئے گئے تھے کئی گھوڑے کھڑے ہوئے تھے۔ سونیا کے بے ہوش بدن کو ایک گھوڑے پر ڈال دیا گیا اور ایک آدمی نے اسے سنبھال لیا۔ کنور کو بھی گھوڑا دے دیا گیا تھا۔ باقی لوگوں کو یہاں رکنا تھا چنانچہ وہ اس ٹیپے پر چڑھ کر کھڑائی کرنے لگے سکھ چندر بھی ساتھ تھا۔ گھوڑے مناسب رفتار سے سفر کرنے لگے اور ایک ایسے راستے پر لگ گئے جو اس سے پہلے کنور نے نہیں دیکھا تھا یہ راستہ ایک پہاڑی میں دیوار میں لگی ہوئی لمبی گھاٹ کے پیچھے چھپا ہوا تھا اور اس کے دوسری طرف ایک طویل درہ نظر آتا تھا جس کا اختتام اٹنی غاروں کے پاس ہوتا تھا مگر گھوڑے وہاں نہر کے بلکہ سفر رات تک جاری رہا تھا اور یہاں سے کافی فاصلے پر غاروں کے ایک اور سلسلے پر اس کا اختتام ہوا تھا۔ یہاں پہنچ کر وہ سب رک گئے دوسرے کچھ لوگوں نے آگے دابوں کے گھوڑے سنبھال لئے تھے بے ہوش سونیا کو کسی غار میں منتقل کر دیا گیا اور کنور کو ایک وسیع و عریض غار میں رکھا گیا۔ سکھ کے پاس پہنچ دیا گیا۔ غار بہت کشادہ تھا اور وہاں موٹی شمعوں نے روشنی کر رکھی تھی یہ غار شاید باقاعدہ استھان ہوتا تھا کیونکہ اس میں عمدہ فرنیچر بھی نظر آ رہا تھا۔

”آؤ کنور جیت بیٹھو، کیا کام تمہاری مرضی کے مطابق ہوا ہے یا نہیں۔“ سکھ سکھ نے کہا۔

”تھا کر سکھ کی ذہانت اور طاقت کے بارے میں میرا اندازہ غلط نہیں تھا اور مجھے تھا کر کی دہشتی حاصل کر کے فخر ہے۔“ کنور نے کہا۔

”مناؤ ہمارے دوست غلام شاہ کا کیا حال ہے۔۔۔؟“

”آپ کا انتظار کر رہا ہے کہتا ہے طاقت کا جواب طاقت سے اور چالاک کا جواب چالاک سے دے گا۔ سکھ اپنے لگا بھر بولا۔

”ہم بھی اسے سارے مواقع دیں گے طاقت آزمائی کے بھی اور دہانت آزمائی کے بھی اور تم کنور؟ تم ہمارے خاص آدمی ہو گے جو اس کے اقدامات سے ہمیں آگاہ کرو گے۔“

”کنور ٹھہر کر کاغذام ہے۔“ کنور نے گردن جھکاتے ہوئے کہا۔

”تم جاؤ اور اپنا کام کرو، دوسرا کام ہم اس وقت تمہارے حوالے کریں گے جب تمہیں فرصت ہو جائے گی۔“

”سبہ حد شکر یہ تھا کہ اس کے سنے مجھے آپ کے ساتھیوں کا تقوٰن درکار ہوگا۔“

”سب تم سے تقوٰن کریں گے۔ میں نے ہدایت کر دی ہے۔“ اہلبرنگ نے جواب دیا۔



میہ کی تیاریاں بہت سے لوگ کر رہے تھے اور یہ دور دور تک علاقے میں پھیلے ہوئے تھے۔ ایسے ہی چند غیر متعلقہ لوگوں نے رنجی شیراکو دیکھا جو بے ہوش پڑی ہوئی تھی۔ ان لوگوں سے اسے فوراً پہچان بیا کہ وہ سرکس کی لڑکی ہے فوراً ہی چند لوگ سرکس کی طرف دوڑ گئے اور وہاں پہنچ کر انہوں نے تمام صورتوں بتائی۔ محب خان نے اکبر شاہ کو آنے والوں کے بارے میں بتایا اور اکبر شاہ متحش ہو گیا۔ اسے علم تھا کہ سونیا شام کی سیر کے لئے گئی ہے۔ وہ دو نوں کی طرح جیب لے کر دوڑ پڑا۔ ادھر گلاب نے غلام شاہ کو بھی یہ بات بتا دی اور غلام شاہ خود بھی دیوانہ ہو گیا۔ ذرا سی دیر میں سرکس کا ہر آدمی ادھر ہی دوڑ رہا تھا۔ بھلا بھی تک غلام شاہ کے ساتھ ہی تھا وہ بھی ادھر ہی چل پڑ تھا۔

سب سے پہلے اکبر شاہ نے شیراکو دیکھا تھا، اور اس کی ٹکا ہیں سونیا کی تلاش میں بھٹکے گی تھیں، اسی دوران اس نے کنور کی جیب بھی دیکھی جو وہاں کھڑی تھی۔ کچھ دگوں نے شیر کے سر کے زخم پر پٹی کسی اور اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگے۔ اکبر شاہ دیوانہ وار سوچا کہ تلاش کر رہا تھا اس نے سرکس کے لوگوں سے سونیا کے بارے میں پوچھا بھی تھا، اور بہت سے لوگوں نے تصدیق کر دی تھی کہ سونیا بھی شیراکے ساتھ ادھر آئی تھی۔ پھر غلام شاہ یہاں پہنچا ہی تھا کہ شیر ہوش میں آ گئی۔

”سونیا، شیجا، سونیا۔“ شیرانے خوفزدہ لگا ہوا سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا شیجا، ”سونیا کہاں ہے وہ مل گئی کیا؟“

”سونیا کہاں ہے شیرا۔“ اکبر شاہ نے قریب آ کر کہا۔

”وہ لے گئے وہ لوگ اسے لے گئے اکبر بھیا۔ آہ وہ وہ لوگ سونیا کو لے گئے۔“ پھر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

”کانوں سر لے گیا ری۔ ارے بولنت کا ہے نا ہے کونئی گیا ہمارا بیٹا کو۔“ غلام شاہ غراہا۔

”سو نیا کو اغوا کر لیا گیا شاہ صاحب۔“

”ہاں رے بھائی جگت سنگھ، سوچا ای قہ سرسٹھ کر محبت والے ہو نہیں ہیں، دشمنی اپنی جگہ، سارے کھیل قمار سے اپنی جگہ پر کسی کی محبت پر ہاتھ ڈالنا، نا، ٹھنڈا کر یہ نہ کری ہے پرے سے نہیں بیٹا بھائی جگت ای سرسٹھیر اٹھ کر رہے بھی کہنا۔“

”غلام شاہ صاحب بلیر ایسے لوگوں کا ساتھ ہے جنہوں نے انسانوں پر زندگی حرام کر دی ہے۔ برے لوگوں کا ساتھی کتنا برا ہو سکتا ہے آپ خود سمجھ سکتے ہیں اور پھر آپ ہی سے لوٹیں گے یہ اطلاع بھی دی تھی کہ وہ ڈاکے بھی، راتوار ہا ہے خیر یہ کام بہت سے لوگ کر لیتے ہیں لیکن کچھ معیار کے ساتھ جہاں تک بلیر کا تعلق ہے تو اس نے اپنا کوئی معیار نہیں رکھا انہوں ہم اسے سمجھ نہیں پائے تھے۔ بہت دن تک وہ ہمارے ساتھ رہا لیکن شاہ صاحب ایک بات ذرا قابل غور ہے وہ یہ کہ کیا یہ کام بلیر اسے ہی کیا ہے۔“

گفتہ تو یہ ہی ہے ٹھنڈا کر، پر تو بات سن ہمارے تو رہے ہیبت جس کا معاملہ رہے ہم، کچھ چاہیں تو سے تو رے ساتھ بھی رعایت نہ کریں گے۔ بھائی جگت دیکھ ہم تیرے گلام ہیں جو کہے گا سو کریں گے پر محبت کی قیمت جرد و وصول کریں گے ہم سوچی رہے کہ اب تو ہم کا جاذب دے کیسے سرکس کا ہے کاسرکس، سرکس یا تو تالا پڑ گئی ہے۔ ہم ادھر جاتی ہے جدھر تھرا بلیر اڑ رہا ہے۔“

”وہ راون سنگھ کے علاقے میں رہتا ہے۔“

”مالک کی قسم، اس راون کی نکانہ چوٹی دے ہم تو ہمارا نام بھی گلام ساہندر ہے، ہجسم کر دی ہے، ن سب کو رو تو دیکھ رہا ہے کہ ہم کیسے آ دی ہیں۔“

”شاہ صاحب میں آپ کے ساتھ ہوں، سو نیا آپ کی نہیں میری بھی بیٹی ہے میری بھی عزت ہے۔ یقین کر سکتے ہیں تو یقین کر میں کہ میں آپ کی عزت کو اپنی عزت سمجھتا ہوں، آپ جو کچھ بھی چاہیں گے، میں وہی کروں گا۔ بس یہ سوچ رہا ہوں کہ خون خرابہ نہ ہو نہ نگر میں اگر فحش کی وہاں چھیل گئی تو پھر یہ دیارو کے جنس رو کی جائے گی۔ شاہ صاحب، میں ہی دبا کو روکتا چاہتا ہوں کوشش کر رہا ہوں کہ ملے کا وقت آ جائے تاکہ فیصد ہو جائے ہمارے بہت سے لوگ کوئی مل نکالنے میں مصروف ہیں آپ کا معاملہ بلیر اسے براہ راست ہے۔ میں یہ کرتا ہوں کہ اگر آپ اجازت دیں کہ چند لوگوں کو راون سنگھ کے پاس بھیج دیتا ہوں اور اسے یہ حکم دیتا ہوں کہ بلیر اسو یا کو ساتھ لے کر فوراً میرے پاس آ جائے ورنہ اس کا نتیجہ برا ہوگا۔ اس طرح غلام شاہ صاحب یہ بات بھی چھ چل جائے گی کہ راون سنگھ بالکل ہی اندھا ہو گیا ہے یا بچی کی بات کا مان رکھتا ہے۔ ایک بات اور کہوں بس آپ سے غلام شاہ صاحب وہ یہ کہ بلیر کا براہ راست معاملہ آپ سے ہے۔ راون سنگھ کو آپ سے غرض نہیں ہوگی، ہاں بس ایک مسئلہ ہے اس میں اور وہ ہے اسلئے والا بہر طور آپ اگر کچھ دن کی اجازت دے دیں تو میں یہ کام کروں ورنہ دوسری صورت میں مگر آپ راون سنگھ کے علاقے میں

چائیں گے تو اکیسے نہیں جائیں گے شاہ صاحب میرے مسئلہ فوجی بھی آپ کے ساتھ چائیں گے اور اس کے بعد ہم صرف چاہی چائیں گے جو کسی سامنے آئے گا وہ ہمارا نشانہ بن جائے گا۔ میں سب لوگوں کے سامنے آپ سے یہ بات کہہ رہا ہوں شاہ صاحب، دوست ہیں آپ ہمارے بھائی ہیں، مہمان ہیں اور ٹھہرا رہے ہیں غیرت نہیں ہیں کہ اپنے مہمانوں کی کسی پریشانی پر کان بند کر کے بیٹھ جائیں اور ان سے کہیں کہ اپنی پریشانی کا حل خود تلاش کرو نہیں شاہ صاحب ایسا نہیں ہوگا۔“

”پر ایک بات سن لے بھائی تھا کہ ہمارے کو کوئی نقصان پہنچ سکتی ہے۔“

”تھام شاہ صاحب وہ لوگ سوچنا کو اغواء کر کے لے جا چکے ہیں نقصان پہنچنے کے لئے کوئی طویل وقت درکار نہیں ہوتا اگر آپ راون سنگھ کے علاقے میں جائیں گے بھی تو راون سنگھ فوراً ہی آپ کا سودا گت نہیں کرے گا۔ بلکہ آپ کا راستہ روکنے کے لئے ضرور تیار ہوگا اور جہاں تک میرا اندازہ ہے راون سنگھ بلکہ اس کے ساتھ ہی یہ کھیل کھیل رہا ہے وہ اس کی مدد کرے گا شاہ صاحب اور آپ کو مشکلات سے گزرتا ہوگا۔ اس لئے میں یہ چاہتا ہوں کہ اب جو حادثہ پیش آ گیا ہے وہ تو آ ہی گیا ہے ہم لوگ پہلے آپے طور پر کوشش کریں اور اس کے بعد اگر بات نہ بنے تو پھر دوسری کارروائی کی جائے گی۔“

علامہ شاہ نے اکبر شاہ کی طرف دیکھا اور پھر بعد کی طرف پھر بولا۔

”کیا کہتے رہے اے، کبر، تے جو بے دے بھائی۔“

”میرا خیال ہے شیخا جگت سنگھ کی بات مان لی جائے، جگت سنگھ اپنے جن آدمیوں کو وہاں بھیجے گا ان کے ساتھ میں بھی شامل ہوں گا اور خود ہی راونا سنگھ سے بات کروں گا۔ بات اگر بن جاتی ہے تو ٹھیک ہے ورنہ تو لکھ نہ کرنا شیخا، تو نے ہماری تربیت کی ہے۔ ہم اتنی آسانی سے کوئی نقصان اٹھانے کے لئے تیار نہیں ہو جائیں گے۔“

کبر شاہ کے کہنے پر غلام شاہ سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

”ٹھیک ہے رے کرلو یہ کام، مگر اس کا نتیجہ اچھا ہی نکلتا چاہئے۔ سنا تو نے بھائی جگت، ما بھی دینا ہم کو اگر ہم تیری مٹری میں اندھیر مٹری چکی دے رہت۔“ جگت سنگھ خاموش ہو گیا تھا۔



کنور جیت غار میں داخل ہو گیا سوچنا ابھی تک بے سود پڑی ہوئی تھی اسے ہوش نہیں آیا تھا، کنور جیت نے مسکرتی ہوئی ٹکا ہوں سے اسے دیکھا اور پھر اس نے خود بھی پناہ خراب کر لیا۔ چہرے پر کچھ ہلکی پھلکی حراشیں بھی ڈال لیں اور اس کے بعد سوچ کے قریب ہی زمین پر دراز ہو گیا، اس کے

دہن میں شیطانی منصوبے بن رہے تھے۔ کافی دیر اسی طرح گزر گئی اور اس کے بعد اس نے سویا کی ہلکی سی کراہ کی آواز سنی اور آنکھ بند کر کے بے سدا ہو گیا۔ سوئیا ہوش میں آ رہی تھی۔

کنور جیت آنکھوں میں ہلکی سی جھری پیدا کر کے سوئیا کی کھیت کا اندازہ لگانے لگا۔ سوئیا متحش لگا ہوں سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی اور پھر صورتوں کا اندازہ لگاتے ہی اس کے حلق سے ایک غراہٹ سی نکلی اور وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کی نظر شدید کنور جیت پر پڑ گئی تھی اور وہ کنور جیت کو پہچان نہیں پائی تھی۔ چنانچہ وہ دوسرے لمبے چیل کی طرح کنور جیت پر چھٹی اور اس کے قریب پہنچ گئی۔ اس نے کنور جیت کو ایک جھٹکا دیا اور کنور جیت ڈھیلے احوالے انداز میں سیدھا ہو گیا۔ سوئیا نے اسے پیچھا کیا تھا۔ چند لمحات کنور جیت کا چہرہ دیکھتی رہی اور اس کے بعد اس کی لٹکا ہوا غار کے دروازے کی جانب اٹھ گئیں جس پر سلاخوں دار جنگلا لگا ہوا تھا اور وہاں سے نکل جانا ممکن نہیں تھا۔ وہ ایک لمبی جھٹکا لگا کر جنگل کے بالکل قریب پہنچی اور اس کی موٹی سناخوں کا اندازہ لگانے لگی۔ باہر شاید کوئی موجود نہیں تھا لیکن باہر کی سمت ایک موٹا بال پڑا ہوا تھا جس کے بارے میں کنور جیت کو معلوم تھا۔ سوئیا چند لمحات وہیں کھڑی رہی اور اس کے بعد آہستہ آہستہ واپس آ کر اپنی جگہ بیٹھ گئی۔ کنور جیت کا خیال تھا کہ وہ اسے جنگل کی کوشش کرے گی لیکن سوئیا نے اس پر توجہ نہیں دی تھی۔ وہ خاموش بیٹھی سرد لگا ہوں سے غار کے جنگل کو گھورتی رہی۔ پھر کنور جیت نے خود ہی کراہ کر روٹ پڑی تھی اور پھر ایک حیران آدی کی اداکاری کرنا اس کے لئے مشکل نہیں تھا۔ وہ دونوں ہاتھ زمین پر ٹکا کر اٹھ گیا اور سوئیا کا چہرہ دیکھنے لگا۔ پھر اس کے حلق سے بھرائی ہوئی آواز نکل۔

”سوئیا جی آپ۔۔ آپ ا“

سوئیا خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی تھی۔ کنور جیت نے چہرے پر ایسے آثار پیدا کر لئے، جیسے حالات پر غور کر رہا ہو اور ایک بار پھر وہ بوکھلے ہوئے انداز میں بولا۔

”تو وہ لوگ وہ ہوگ آپ کو غراہ کرے میں کامیاب ادا کی گاڑ، ادا کی گاڑ۔“ سوئیا اب بھی خاموش رہی تھی۔ کنور جیت اٹھ کر اس کے پاس آ بیٹھا۔

”آپ کو واقعات کا کچھ اندازہ ہے سوئیا جی۔“ سوئیا نے لٹکائیں اٹھا کر اسے دیکھا اور آہستہ سے بولی۔

”تم ان کے جال میں کیسے پھنس گئے کنور۔“

”ان لوگوں نے آپ پر کھیل ڈال کر آپ کو پکڑ لیا تھا آپ کی ساتھی لڑکی کو انہوں نے پتھر مار کر زخمی کر دیا۔ میں ادھر سے گزر رہا تھا۔ میں جیب سے کر ان پر پتھر دوڑا۔ لیکن ان کی تعداد بہت زیادہ تھی سوئیا جی، مجھے انتہائی دکھ ہے کہ میں اپنی سخت ترین کوشش کے باوجود آپ کو ان کے ہنگل سے نہ

”کاب سکا بلکہ خود بھی ان کے چال میں پھنس گیا۔“

”سونیا نے کوئی جواب نہیں دیا وہ خاموشی سے سلاخوں دار چنگے کو دیکھتی رہی تھی۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

”آپ کے خیال میں یہ لوگ کون ہو سکتے ہیں کنور جی۔“

”جھگوان ہی جانے، میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔“ کنور جیت نے پریشان بھجے میں جواب دیا اس کے بعد سونیا نے ویر تک اس سے کوئی گفتگو نہیں کی تھی۔ کنور جیت بھی خاموشی سے سوچ میں ڈوبا رہا تھا۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

”سونیا جی آپ بالکل چٹانہ کریں، یہ اچھا ہو کہ آپ کے ساتھ وہ لوگ مجھے بھی تھا کرے آئے کم از کم ایک سے دو ہو گئے ہیں ہم، میں پٹ جانا کی باری لگا دوں گا ورنہ آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے دوں گا، یہ وعدہ کرتا ہوں آپ سے۔“ سونیا خاموشی سے اسی طرح بیٹھی رہی اس نے کنور جیت پر ابھی تک کوئی توجہ نہیں دی تھی، بس اس کے چہرے پر غم و غصے کے آثار نظر آ رہے تھے، یقینی طور پر وہ پریشان ہوگی۔ کنور جیت کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب وہ کیا کرے جو طریقہ کار اس نے اختیار کیا تھا اس کے خیال میں وہ ناکام ہو چکا تھا۔ سونیا اس پر توجہ دینے پر آمادہ نہیں تھی حالانکہ کنور جیت کا خیال تھا کہ اس طرح وہ سونیا کی توجہ حاصل کرے گا، بہر طور ابھی، انتظار کرنا ضروری تھا۔

کافی دیر اسی طرح گزر گئی اور پھر دروازے پر مدھم روشیاں نظر آئیں جو مشعل کی سی روشیاں تھیں۔ غار میں بھی مشعلیں روشن تھیں جن سے، جھجی خاصی تیز روشنی ہو رہی تھی آنے والے سلاخوں دار دروازے کے قریب پہنچ کر رک گئے اور پھر ان میں سے ایک نے دروازہ کھولا اور دو آدمی ہاتھوں میں تھالے آئے اندر آ گئے۔ ان میں سے ایک نے کمرخت لہجے میں کہا۔

”قم لوگوں کے لئے رات کا بوجھن آیا ہے کھاپی لو اور آرام سے سو جاؤ، صبح کو تمہیں تھک کر بلہر سنگھ کے سامنے پیش کیا جائے گا۔“

سونیا یہ نام سن کر ایک لمحے کے لئے چوکی تھی اور پھر اس کے چہرے پر عجب سے تاثرات نظر آنے لگے تھے وہ خاموشی سے ان لوگوں کو اندر آتے دیکھتی رہی۔ کھانا لانے والوں نے تھالے ایک جگہ رکھا اور پھر ب لگاری سے واپسی کے لئے پٹے لپکے اندازہ نہیں تھا کہ ان پر کیا قیامت ٹوٹنے والی ہے۔ سونیا نے پیٹھے پیٹھے ایک لمبی چھد تک لگائی اور ان دونوں کو پیٹ میں ہتی ہوئی نیچے جا گری تھی۔ یہ ایک باقاعدہ داؤ تھا جو ان پر استہسا کیا گیا تھا۔ ان دونوں کی پیشانیوں سنگاخ زمین سے ٹکرائیں تو ان کی کمرہاں جھپٹیں گونج گئیں، کنور جیت بھی اچھل کر کھڑ ہو گیا تھا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ یہ جو کچھ ہوا تھا اسے خود اس کی توقع نہیں تھی۔ بے اختیار انداز میں وہ دروازے کی جانب بھاگا اور کھلے دروازے سے باہر نکل گیا۔ باہر وہ شخص بھی موجود تھا جو ان دونوں کے ساتھ ساتھ آیا تھا۔ کنور جیت نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

”جلدی کرو، دوسروں کو بددور نہ یہ نکل جائے گی۔“ اور وہ شخص چیزی سے سامنے کی سرنگ کی جانب دوڑا چلا گیا۔ کنور جیت نے الفاظ سرگوشی کے اندر کہے تھے اور سونیا نہیں سنی تھی، اس نے اندر موجود دونوں آدمیوں کو ٹھوکریں مار مار کر اوجھڑوا کر دیا تھا اگر دس بارہ آدمی بیک وقت دوڑتے ہوئے اندر نہ آ جاتے تو یقینی طور پر سونیاں کا خاتمہ کر دیتی۔ ان دونوں کو شدید زخمی حالت میں وہاں سے اٹھایا گیا تھا اور سونیا کو بمشکل دم سب نے لے کر قابو میں کیا تھا۔ وہ درحقیقت ایک خونخوار شیرینی ہی نظر آ رہی تھی اور ان لوگوں میں سے بھی اس نے دو تین کو شدید زخمی کر دیا تھا وہ تو شکر تھا کہ ہاتھ میں کوئی ہتھیار نہیں تھا ورنہ شاید ان میں سے کچھ نوک ہلاک بھی ہو جاتے۔ بہر طور سونیا کو قابو میں کر کے انہوں نے اس کے ہاتھ اور پاؤں رسیوں سے باندھ دیئے اور اس کے سسے میں کافی حق پرتی۔ کیونکہ ان کے دو آدمی شدید زخمی ہو گئے تھے۔ کنور جیت کے اوسان خطا ہوئے جا رہے تھے۔ اس نے ایک لمحے کے لئے پریشانی سے سوچا کہ اگر یہ لڑکی آسانی سے قابو نہ آتی تو کم از کم وہ تھا اس کے ساتھ کوئی خفی کا سلوک نہیں کر سکتا ہے، وہ تو اس کا تپا پاٹھ کر کے رکھ دے گی اس احساس نے کنور جیت کو چھ خام غصاں نہ حاک کر دیا تھا۔ اس لوگوں نے کنور جیت کے ہاتھ پاؤں نہیں باندھے اور اسے یونہی چھوڑ دیا۔ کنور جیت سونیا کو دیکھ رہا تھا۔ جس کا ہاں جگہ جگہ سے ٹپک گیا تھا اور ان لوگوں سے چھین چھنی میں اس کے بازو اور رخصت پر خراشیں بھی آئی تھیں، کنور جیت درد مند نہ انداز میں اس کے پاس پہنچا اور اس نے آہستہ سے کہا۔

”آپ نے غلطی کی سونیا جی، کم زخم ہمیں ان لوگوں کے بارے میں اندازہ تو ہو جانا چاہئے تھا کہ یہاں ان کی تعداد کتنی ہے یہ سب کچھ کر کے آپ نے نقصان ہی اٹھایا ہے وہ سونیا کے رخصت پر انگلی پھیر کر اس کا خون صاف کرنے لگا تو سونیا نے خونخو رنگا ہوں سے اسے دیکھا اور آہستہ سے بولی۔

”کنور جیت فاصلہ برقرار رکھو۔۔۔۔۔“

”اوہ سونیا۔ سونیا تمہیں کیا معلوم کہ تمہاری اس کیفیت سے میرے دل پر کیا گزری ہے کاش میں زندگی کی ہازی لگا کر تمہیں ان کے چنگل سے نجات دلا سکتا۔“

”اس کے باوجود کنور جیت اپنے اور میرے درمیان فاصلہ برقرار رکھو۔“ سونیا کی آواز میں ایک خونخاک غراہت تھی، کنور جیت کو بری طرح جھنجھلاہٹ ہونے لگی لیکن بہر طور اس نے خود کو سنبھالا تھا۔ پھر وہ آہستہ سے بولا۔

”آپ کو کچھ دیر نظر رکھ لینا چاہئے یقینی طور پر آجے والا وقت ہمیں بہتر حالت ضرور دے گا۔ جو کچھ بھی قدم اٹھانا ہے۔ سونیا جی سوچ سمجھ کر اٹھانا ہے کوئی جذباتی قدم یا ایسی کوئی کوشش نقصان کے علاوہ اور کچھ نہیں دے سکتی۔ آپ نے طویل نگاہ کا نام سنا میرا خیال ہے یہ نام میں شفا کی زبانی سن چکا ہوں۔ وہی ڈاکو طویل نگاہ جس کا ذکر شینا کرتے رہے ہیں۔ سونیا نے اب بھی کوئی جواب نہ دیا تو کنور جیت کسی قدر جھنجھلا کر بولا۔

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میری آپ سے کیا دشمنی ہو گئی ہے سونی جی، میں نے تو ہمیشہ ہی آپ سے دوستی اور تعاون کا ثبوت دیا ہے۔“

”کنور جیت میں نے پہلے بھی تم سے کہا تھا تمہارا تعلق جس دنیا سے ہے ہم اس سے بہت دور کے لوگ ہیں تم ایک اچھے انسان کی حیثیت سے ہمارے سامنے آئے تھے۔ ہم نے سادہ دلی سے تمہارا استقبال کیا اس سادہ دلی سے تم غلط فہموں کا شکار ہو گئے اور تم نے چند ایسی حرکتیں کیں جس سے تمہاری اصلی شکل میری نگاہوں میں آ گئی اور اس کے بعد کنور جیت تم میری نگاہوں میں وہ نہ رہے جو تھے۔“

”یہ سنا ہے سونی جی آپ میری کسی بات کا برا مان گئی ہیں، لیکن میں قسم کھاتا ہوں کہ آپ کو دیکھ کر پہلی ہی نگاہ میں میں گھٹا نہیں ہو گیا تھا۔ میں نے دل میں سوچا تھا کہ جب زندگی گزرے تو صرف آپ کے ساتھ، میں نے آپ کے بہتر مستقبل کے لئے اصلی قلم کی کہانی میں اسٹوری رائٹر سے ایسا جدید یس کرائیں کہ آپ قلم پر چھ جائیں۔ راجک ری ٹیل ہو جائے آپ کے سامنے مگر آپ نے میری ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا۔“

”تم نے یہ سوچا تھا کنور جیت کہ تمہاری زندگی میرے ساتھ گزرے گی۔“

”ہاں سونی جی۔“

”کیسے کنور جیت، ہمارے تو مذہب بھی یک نہیں ہیں کس حیثیت سے تمہارے ساتھ رہتی۔“

”گلا کا کوئی تہ جب نہیں ہوتا تو کاروان ساری باتوں سے دور ہوتا ہے ہم دوست بن کر رہتے ہیں دوسرے کے پریمی بن کر رہتے پریم بیچ میں ہوتو پھر کیا رو پاتا ہے سنسار میں سارے مذہب پریم کی شکستہائی تو دہیٹے ہیں۔“ کنور نے کہا۔

”مگر تم نے یہ کیسے سوچا یا کنور کہ اگر تم مجھ سے محبت کرتے ہو تو میں بھی تمہاری محبت کا جواب محبت ہی سے دوں گی۔“

”کیا خرابی ہے مجھ میں کوئی برائی ہے آپ نہیں جانتے میرے ایک اشارے پر کیا ہر ہلکتی ہیں۔“

”آپ سے پہلے میں کسی اور سے بھی تو محبت کر سکتی تھی کنور جی۔“

”کیا ایسی کوئی بات ہے۔“

”ہاں کنور جی ہے۔ ایک مقدس جتن ہے جسے میں چاہتی ہوں، آپ سے بہت پہلے سے چاہتی تھی مگر اطوس میں نے اس کا دس توڑنے کا گناہ کیا ہے میں نے اس کے ساتھ جو کچھ کیا ہے کاش اس کا کفارہ ادا کر سکوں ایک دہائی ایک بار وہ مجھے مل جائے تو میں کفارہ ادا کر دوں۔ صرف ایک بار۔“

”کہاں ہے وہ۔“

”بس ہے۔ کیا تاؤں آپ کو۔“ سونی نے کہا اور کنور کے چہرے پر سرخی آ گئی۔ سونی کے ہاتھ پاؤں کس نہ ہرے ہوئے تھے اس سے کوئی

خطرہ کم از کم اس حالت میں نہیں تھا اس احساس نے اسے ایک بار پھر دیوانہ کر دیا کہ سونیا اس سے صرف اس لئے نفرت کرتی ہے کہ اسے کسی ورثہ بہت ہے۔ اس دیوانگی کے عالم میں اس نے کہا۔

”اب مجھے حق حاصل ہو گیا ہے سونیا کہ میں تجھ پر ہر طرح کے حقوق حاصل کروں۔ جو منت میں نے تجھ پر کی ہے اس کا صلہ حاصل کروں۔ تجھے یہ پس کر خوشی ہوگی حسین لڑکی کہ تجھے میں نے اغواء کر لیا ہے تھا کہ بلیمہ نگہ کی دوسرے بڑا الب جال پھید یا ہے میں نے تیرے لئے۔ اس حال میں تو ہی نہیں خیر وہ اپنا جچ چکا بھی پھینکے گا، میں صرف شو بڑ کا آدمی ہی نہیں ہوں ایک ذہین سیاستدان بھی ہوں۔ یہ سب کچھ میرے ایمان پر ہوا ہے اور اس کے بعد بھی جو کچھ ہوگا وہ میرے ہی ذریعہ سے ہوگا جانتی ہو میں کب سے تجھ پر کام کر رہا ہوں۔ اس دن سے جب تو نے میری تہی کی تھی۔ میں نے کنور جیت بے نفرت بچے میں اپنے کارناموں کی تفصیل دہرانے لگا جوش کے عام میں اس نے جوش اور پینر سے لے کر اب تک کی کارروائیوں کی پوری داستان سونیا کو سادی پھر بولا اور اب میں تیرے مفرد و حس کو شکست دے گا۔ تیرے تصور سے کے سارے بت گرا دوں گا تو نے مرد کی قوت کا غلط اندازہ لگایا تھا سونیا اب مجھے تجھے سے کوئی بھر دی نہیں ہے۔“

سونیا بھٹی بھٹی نظروں سے کنور جیت کو دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے بے بسی سے اپنے بندھے ہوئے ہاتھ پاؤں دیکھے اور کنور جیت شیطانی انداز میں ہنس پڑا۔ پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑ ہو تھا۔



غلام شاہ پھنکارنا پھر رہا تھا اس کی ہلکوں نے بھپکنا پھوڑ دیا تھا۔ وہ رو کر وہ خراٹا شروع کر دیتا تھا۔ ”دھت جیرے کی حرام کھور، ارے ایسے ہوت رہیں تھا کر، بڑے نام سننے سے رے رے عورت کے پیچھے چھپ کر لڑو گے رے۔“ ہارے تھا کہ بلیمہ نگہ کا گالی دیں رہے تو کا۔“ اکبر شاہ کا چہرہ انگ کا لہجہ ہو تھا وہ مصلحتاً جگت نگہ کا آدمی بن گیا تھا لیکن اس کے ذہن میں جانے کیا کیا منصوبے جنم لے رہے تھے اس سلسلے میں اس نے اپنے ساتھ لے جانے کے لئے پانچ افراد کا انتخاب کیا تھا جن میں چنگو اور منگو بھی شامل تھے۔ یا ز اور نگاہ کو بھی اس نے اپنے ساتھ رکھا تھا ورنہ تو کوئی تفصیلات سمجھا دی تھیں کہ انہیں کیا کرتا ہے اکبر شاہ ہر قیمت پر سونیا کو زندہ سلامت اور با عزت و امن لانا چاہتا تھا دل میں پتہ نہیں کیا یا دوسرے آرہے تھے اور یہ دوسرے اس کے خون کی روانی کو تیز کیے ہوئے تھے اور حرکت نگہ بھی وہیں پہنچنے کے بعد مستعد ہو گیا تھا۔ بعد کو وہ اپنے ساتھ ہی لے گیا تھا پونم نگہ کے ساتھ مل کر اس نے کچھ مشورے کئے اور بھلا کو بھی ان مشوروں میں شریک رکھا اس نے پونم نگہ کو ہدایت دی کہ میں افراد کا قافلہ تیار کر کے وہ راہوں نگہ کے علاقے میں جائے اور دونوں نگہ سے ملاقات کی خوشی کا اظہار کرے راہوں نگہ اگر اسے مل جائے تو جگت نگہ کا پیغام، سے دے دے

یہ بیٹا جگت سنگھ نے پونم سنگھ کو سمجھ دیا تھا غرضیکہ تمام جیڑیاں بہت ہی برق رفتاری سے ہوئیں اور اس کے بعد میں جوان پوری طرح تیار ہو کر سرکس کی جانب چل پڑے جہاں سے غلام شاہ کے بچے کبیر شاہ کو بھی ساتھ لینا تھا۔ اکبر شاہ نے اپنے ساتھ جس لوگوں کو تیار کیا تھا وہ تین گھوڑوں پر سوار موجود تھے چکو اور منکو، ایار اور گلاب کے ساتھ ان گھوڑوں پر بیٹھے ہوئے تھے دور سے، انہوں نے جگت سنگھ کے آدمیوں کو پونم سنگھ کی رہنمائی میں آتے ہوئے دیکھ لیا تھا پونم سنگھ پاس پہنچا تو غلام شاہ دہر نکل آیا اور اس نے پونم سنگھ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”سن رہے بھی کی تو جو کس کسے رہے او حیر ہے ای آدمیوں کے لئے بھلی رہے نا تو خدا کرے کہہ کہ ہمیں اجابت دے دے ہم کو دو کام کر لئی ہے۔“
 ”میں شاہ صاحب مجھے جو حکم ملا ہے میں اس کے تحت کام کرنا چاہتا ہوں آپ کے جو آدمی میرے ساتھ جانے کے لئے تیار ہوں ان کے لئے میں گھوڑے لایا ہوں۔ یہ خالی گھوڑے آپ کے آدمیوں کے لئے ہیں شاہ کر جگت سنگھ نے کہا ہے کہ آپ جسے بھی میرے ساتھ بھیجنا چاہیں میں اسے عزت و احترام سے اپنے ساتھ لے جاؤں۔“

”ہم پانچ آدمی آپ کے ساتھ چل رہے ہیں شاہ کر پونم سنگھ اور ہم اپنے ہی گھوڑوں پر جائیں گے آپ ان گھوڑوں کو داجیں کر دیجئے۔“
 ”جیسا آپ پسند کریں اکبر شاہ صاحب شاہ کر جگت سنگھ نے کہا ہے آپ کی کسی بات سے انحراف نہ کیا جائے۔“

غلام شاہ نے ایک لمحے کے لئے اکبر شاہ کی طرف دیکھ اور خاموش ہو گیا اس نے اکبر شاہ کے معاملے میں دھڑ نہیں دیا تھا حالانکہ یہ بات اس کے علم میں نہیں تھی کہ یہاں سے پانچ افراد جا رہے ہیں کبیر شاہ نے اپنے ساتھ مختصر سامان بھی لیا تھا جو عجیب و غریب چیزوں پر مشتمل تھا لیکن اس میں ہتھیار نہیں تھے۔ پونم سنگھ نے وہاں سے آگے بڑھنے کے بعد کہا۔

”اکبر شاہ صاحب کیا آپ کے پاس آنکھیں ہتھیار ہیں؟“

”میں ہم سرکس کے لوگ کھیل تماشے دکھا کر دنوں کا پی بھلاتے ہیں اور اپنے لئے روزی حاصل کرتے ہیں اسلئے دغیرہ ہم اپنے ساتھ نہیں رکھتے سوائے حکار کی ضروریات کے۔“

”شاہ صاحب نے بھی ہم لوگوں کو مسخ نہیں کیا ہے یہ اتنی رویت ہے کہ اگر ہم کسی امن مشن پر جاتے ہیں تو اسلئے ساتھ نہیں لیتے ہاں اس کے باوجود اگر دوسری طرف سے اسلحہ کا استعمال ہوتا ہے تو اس کا مقصد اعلان جنگ سمجھا جاتا ہے اور اس کے بعد دشمن کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی جاتی۔“ اکبر شاہ نے کوئی جواب نہیں دیا بلکہ گھوڑے طوفانی رفتاری سے سفر طے کرنے لگے اور یہ سفر بہت زیادہ طویل نہیں ثابت ہو گا اس علاقے کی سرحدیں جہاں باقاعدگی سے ایک دوسرے سے ملتی تھیں وہاں تک کے راستے ہموار تھے سوائے اس کے کہ دونوں سرحدوں پر گراں فنی رہا

کرتے تھے چنانچہ تھوڑی ہی دیر کے بعد پونم سنگھ نے اپنی سرحد میں عبور کر راون سنگھ کے علاقے میں داخل ہو گیا تھا تھوڑے ہی فاصلے پر راون سنگھ کی فوجی چھوٹی نظر آ رہی تھی جہاں اس کے آدمی پہرے پر موجود تھے تقریباً اسی افراد جو پوری طرح اسلحے سے لیس تھے ان لوگوں کے سامنے آ کھڑے ہوئے اور پونم سنگھ نے اپنا گھوڑا روک دیا اس کے ساتھ ہی باقی لوگ بھی رک گئے تھے تب ان لوگوں میں سے ایک نے آگے بڑھ کر کہا۔

”مہاراج آپ سرحد عبور کر کے راون سنگھ جی کے علاقے میں داخل ہوئے ہیں آپ کا تعلق دوسری طرف سے ہے کیا آپ جانتے ہیں کہ کیسے آنا ہوا؟“

”ہم شاہ کر جگت سنگھ کا بیٹا ہوں راون سنگھ جی کے پاس جا رہے ہیں تم میں سے، مگر کچھ لوگ ہمارے ساتھ آنا چاہیں تو آ سکتے ہیں۔“

”نہیں مہاراج شاہ کر راون سنگھ کا حکم نہیں ہے کہ ان کی اجازت کے بغیر اتنے لوگوں کو سرحد پار کر کے راون سنگھ جی کے علاقے تک جانے کی اجازت دی جائے آپ اگر ایک آدمی ادھر جانا چاہتے ہیں تو اپنی تلاشی دے کر وہاں جا سکتے ہیں ورنہ دوسری صورت میں آپ سب کو یہاں رکتا پڑے گا ہم راون سنگھ جی کو اطلاع دیتے ہیں اگر انہوں نے آپ کو اپنے پاس آنے کی اجازت دے دی تو ہم آپ کا راستہ نہیں روکیں گے ورنہ دوسری صورت میں آپ کو وہاں سے روک دیا جائے گا۔“ پونم سنگھ ایک لمحے کے لئے سوچ میں ڈوب گیا پھر اس نے کہا۔

”ٹھیک ہے ہم انتظار کئے بیٹے ہیں لیکن یہ انتظار زیادہ لمبا نہیں ہو گا تم فوراً اٹھ کر راون سنگھ کو جا کر اطلاع دو کہ ان کے چاہا جگت سنگھ جی نے پونم سنگھ کو ان کے پاس ایک خاص کام سے بھیجا ہے اور وہ فوراً ہی پونم سنگھ کو اپنے پاس بلانے کا بندوبست کریں یا پھر خود یہاں آ کر مجھ سے بات کریں۔“

”اطلاع بھی بھجودے دی جائے گی مہاراج آپ اس طرف آ جائے اور اپنے گھوڑوں سے تر آئیے اور یہ بھی بتا دیجئے کہ آپ کے پاس اسلحہ تو نہیں ہے؟“

”نہیں ہم غیر مسلح ہیں۔“ جس شخص نے یہ بات کی تھی اس نے فوراً ہی چار گھوڑے سوار اندرونی علاقے کی جانب دوڑ دیے اور پھر انہیں سرحد کے قریب ہی کچھ فاصلے پر ایک گھاٹی میں گھوڑوں سے تاروڑا گیا ان کے ساتھ کوئی عطا سلوک نہیں کیا گیا تھا بلکہ وہ لوگ احترام کے ساتھ ہی پیش آ رہے تھے اکبر شاہ اور دوسرے لوگ بڑے بڑے پتھروں پر بیٹھ گئے۔ ایذا، اکبر شاہ کے ساتھ ہی تھا اس نے سر دیچے میں کبر شاہ سے کہا۔

”اکبر بھی یہاں کے حالات دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ کتنی سیدھی ٹھیکوں سے نہیں نکلے گا۔“ اکبر شاہ نے آہستہ سے کہا۔

”یقیناً ایذا ہم سیدھی ٹھیکوں سے کتنی نکالنے کے لئے آئے بھی نہیں ہیں لیکن جو کچھ بھی کرتا ہے بہت احتیاط سے۔ میں صورت حال کی نزاکت کو دیکھ کر تمہیں اشارہ کروں گا اور اس کے بعد ہمیں اپنا کام سرانجام دینا ہے۔“ ہنگو منگو اور گلاب بھی اکبر شاہ کے قریب ہی بیٹھے ہوئے تھے اور وہ لوگ بہت دیر تک ان میں سرگوشیاں کرتے رہے تھے۔ ان کی نگاہیں دور دور تک کا جائزہ لے رہی تھیں۔ پونم سنگھ اپنے آدمیوں سے ہاتھیں کر رہا تھا۔ ایذا نے پھر سرگوشی کی۔

”اور اگر ہمیں احمد بلا دیا گیا تو؟“

”اس کے مکانات کم ہی نظر آتے ہیں بہر حال تم دونوں پر دگراموں سے واقف ہو۔ راستے ذہن نشین کر لئے ہیں تم نے؟“

”ہاں پوری طرح۔“ ایار نے جواب دیا۔ وقت گزرتا رہا چھاؤنی کے سپاہی پوری طرح مستعد تھے اور ان پر کڑی نگاہ رکھ رہے تھے پھر ان میں بچل سی بچل مٹی اور وہ بھاگ دوڑ کرنے لگے بہت دور سے کچھ گھوڑے سوار نظر آ رہے تھے۔ اکبر شاہ نے چٹکو اور منٹو کو اشارہ کیا اور وہ آہستہ آہستہ ایک طرف ریٹکے لگے جتنے چھوٹے چھوٹے تھے وہ کہ ان پر پوری توجہ بھی نہ دی جاسکتی تھی نہ جانے اکبر شاہ کا کیا منصوبہ تھا۔“

سات گھوڑے سوار ان کے قریب آ گئے پونم سنگھ نے آہستہ سے کہا۔ ”وہ راون سنگھ ہے۔“ اس نے جس شخص کی طرف اشارہ کیا تھا وہ درمیانی جسامت کا ایک اٹھائیس سالہ جوان تھا چہرے سے ہر سے میں کوئی خاص بات نہیں نظر آتی تھی۔

”اس کا حمد یہاں آج نا اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ یہ ہمیں اپنے اندرونی علاقے کی حاست زار نہیں دکھانا چاہتا۔“ پونم سنگھ نے پھر کہا۔ اکبر شاہ، یاز یا گل ب خان نے جواب میں کچھ نہیں کہا تھا۔ البتہ جب پونم سنگھ اپنی بات پوری کر کے پھر طرف متوجہ ہو گیا تو اکبر شاہ نے سرگوٹی کے انداز میں یاز سے کہا۔

”تقدیر نے ہمارا ساتھ دیا ہے ایاز جو کام دوسری حکومت میں ہمارے لئے مشکل تھا اب بہت آسان ہو گیا ہے اندرونی علاقوں میں اپنا کام کر کے ہمارے لئے یہاں تک سفر کرنا مشکل ہوتا لیکن اب۔“

”ہاں اکبر بھیا۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔“

”تم اشارے دے دو۔“ اکبر شاہ نے کہا۔

”کیا کہہ دوں۔؟“

”ان سے کہو کہ ہوشیاری سے دوسرے اشاروں کا انتظار کریں۔“ اکبر شاہ نے کہا اور یاز اپنی جگہ کھڑا ہو گیا۔ اس نے غلام میں ہاتھ ٹپا کر شروع کر دیئے گو یہ ایک عجیب حرکت تھی اور نا، قہ لوگوں کو اس پر حیرت ہو سکتی تھی لیکن اس وقت سب راون سنگھ کی طرف متوجہ تھے اس لئے یاز کی اس نوکی حرکت پر کسی نے توجہ نہ دی۔ لیکن جن کے لئے یہ اشارے دیئے گئے تھے وہ بخوبی یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ یہ منٹو اور منٹو تھے جو ان لوگوں سے علیحدہ ہو کر درے کی چٹانوں کے پیچھے چھپے تھے۔ منٹو نے کہا۔

”پیچھے دور پیچھے پناہوں کے پاس، نہیں گھبراؤ میں، اوہ ہاں ان کے ٹھکانے پر سمجھ گیا۔ وہاں جہاں ان لوگوں کا ساز و سامان ہے۔ ہاں او

رائد اردگانا ہے رکنا ہے تیاریاں کرنا ہے۔ انتہا رکنا ہے۔ خوب سمجھ گئے؟ سمجھ گئے نا۔“

”ہاں منکو بھیا۔“ چٹکونے جواب دیا۔

”آؤ منکو نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔ ور پھر وہ ایک پتلی سی دراڑ میں ریگ گئے۔ دراڑ ڈیڑھ دو فٹ سے زیادہ چوڑی نہیں تھی۔ عام لوگ اس میں اخل ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے لیکن یہ دونوں اپنی مٹھی جسامت سے فائدہ اٹھا کر وہاں تک پہنچ گئے جہاں دراڑ ختم ہوتی تھی۔ یہاں چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں نظر آ رہی تھی جو ان کے خیموں کو چھپانے کے لئے کافی تھیں۔ جھاڑیوں کی آڑ میں رک کر انہوں نے اس طرف دیکھا جہاں سمورے ریگ کے بے شمار خیمے نظر آ رہے تھے یہ چھوٹی دونوں کا امیر تھا یہاں چار گاڑیاں بھی نظر آ رہی تھیں اب اسے کسی انسان کا وجود نہ تھا ویسے یہ خیمے ایسے محفوظ مقام پر تھے کہ ان پر کسی طرف سے حملہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ وہاں انہوں نے خیموں سے بچاؤ کا انتظام بھی کر رکھا تھا لیکن اس وقت وہ یہ فطرتی کر گئے تھے کہ انہوں نے اس جگہ کو بالکل خالی چھوڑ دیا تھا۔ وجہ شاید یہ بھی تھی کہ عتب سے کوئی خطرہ نہیں تھا اور جو لوگ آئے تھے وہ سامنے سے آئے تھے اس کے علاوہ کسی کا نظر بچا کر یہاں آنا بھی مشکل تھا اب یہ کون جانتا تھا کہ مقابلہ ہاری گردوں سے ہے جو ہر ناممکن کو ممکن بنانے میں کمال رکھتے ہیں۔

چٹکونے اور منکو خیموں کے پاس پہنچ گئے یہاں ان کا راج ہو گیا۔ چنانچہ انہوں نے برق رفتاری سے خیموں کی تلاشی لینا شروع کر دی۔ بہت کچھ تھا لیکن انہیں صرف اکبر شاہ کے منصوبے پر عمل کرنا تھا۔ اکبر شاہ نے ان دونوں کو خصوصی طور پر ساتھ لیا تھا ہر پوزیشن کے بارے میں بتا دیا تھا کہ اگر یہ صورتحال ہو تو کیا کرنا ہوگا۔ دوسری کیفیت پیش آ جائے تو پھر کیا تبدیلی ہوگی۔ وہاں وہ اپنے کام میں مصروف ہو گئے کارتوسوں کی ایک پٹی کھول کر انہوں نے اس کے کارتوس ایک جگہ ذخیرہ کر دیے پھر یہیے خشک کپڑے ان کے گرد رکھ دیے جو آسانی سے آگ پکڑ سکتے تھے مزید یہ آسانی انہیں مٹی کے قتل کی ان بدکوں سے حاصل ہو گئی تھی جو یہاں موجود لوگوں کی ضرورت کے لئے موجود تھیں چنانچہ یہ کپڑے قیل میں بھگو دیے گئے۔ یہ کام چٹکونے کر رہا تھا منکو نے دوسرا کام کیا یعنی پتھر کے ٹکڑے کی نوک سے اس نے چند کارتوس احتیاط سے کھول لئے اور ان کا باروران کارتوسوں کے ذخیرے پر ڈال دیا وہ انتہائی محارت سے یہ سب کچھ کر رہے تھے۔ اس کام سے قاریغ ہو کر وہ وہاں سے ہٹ گئے اور کوئی ایسی بلند جگہ تلاش کرنے لگے جہاں سے اس جگہ کا نظارہ کیا جاسکے جہاں وہ لوگ موجود تھے۔ پھر ایک بلند چٹان اس مقصد کے لئے منتخب کرن گئی منکو کے ہاتھ میں ایک ہاتول نظر آ رہا تھا جو اس نے پہلیں سے منتخب کیا تھا اور اس میں کارتوس ڈال لئے تھے۔ بلند چٹان پر پہنچ کر منکو نے چٹکونے سے کہا۔

”کیا یہاں سے تم یا ز اور اکبر شاہ کو دیکھ سکتے ہو میرے خیال میں یہ مشکل ہے یہاں کیونکہ ہمیں وہ جگہ نظر نہیں آ رہی، جہاں اکبر شاہ وغیرہ موجود ہیں۔“ چٹکونے کہا۔

”میں خود بھی ملکی سوچ رہا تھا منکو بھی لیکن ایک مسئلہ درپیش ہے، ہمیں جو کچھ کرنا ہے اس کے نتیجے سے بچنے آپ کو بچانا بھی تو ہوگا، اگر یہ کارٹوس پٹنیں مگرے تو ان کی گولیوں کو ہرچائیں گی اس کا تمہیں اندازہ ہے۔ یہ چنان ہمارے لئے بہترین پناہ گاہ ہے ویسے میرا خیال ہے وہ لوگ وہاں ضرور پہنچیں گے جہاں یہ سنے، آگ آئے ہیں اس کے علاوہ آس پاس کوئی ایسی جگہ بھی تو نہیں ہے جسے ہم اپنے سے منتخب کریں۔“ منکو پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔ اور رادون سنگھ نے پہلے اپنے آدمیوں کے قریب پہنچ کر ان سے تمام صورت حال معلوم کی، جو اطلاع اس تک پہنچی تھی وہ اس کے لئے کافی دلچسپ تھی۔ خدا کر جلت سنگھ نے کبھی اس لوگوں سے کوئی رابطہ قائم نہیں کیا تھا۔ لیکن اب پہلی ہرجکت سنگھ کے آدمیوں نے سرحد عبور کی تھی اور یہ سچ بھی تھا کہ رادون سنگھ آنے والوں کو آبا دیوں تک نہیں آنے دینا چاہتا تھا اور وہاں کے حالات خدا کر جلت سنگھ سے پوشیدہ ہی رکھنا چاہتا تھا۔ حالانکہ اسے اندازہ تھا کہ ابے پائل سنگھ نے بھی طور پر خدا کر جلت سنگھ سے رابطہ قائم کر کے یہاں کی صورت حال اسے بتا دی ہوگی۔ بہرحال ابے آدمیوں سے ان لوگوں کے بارے میں معلوم کر کے اس نے اور حد دیکھا، اور پھر حکم دیا کہ ان سب کو پٹنیں پالیا جائے۔ چنانچہ دو آدمیوں نے پونم سنگھ اور دوسرے لوگوں سے کہا کہ خدا کر رادون سنگھ خود ہی ان سے ملنے آ گیا ہے، وہ اس سے بات کر لیں۔ تمام لوگ اس طرف چل پڑے جہر رادون سنگھ اپنے گھوڑے پر سوار موجود تھا۔ اس کے چہرے پر رحمت نظر آ رہی تھی گو کسی بڑی جسامت کا آدمی نہیں تھا وہ لیکن کافی مہرور معلوم ہوتا تھا خود پر۔ یہ سب وہاں پہنچے تو اس نے مسکراتی نگاہوں سے پونم سنگھ کو دیکھ کر کہا۔

”آئیے آئیے پونم جی ہاں خرم ہمارے چاچا کو خیال آئی گیا ہمارا۔ کیسے کیسے آنا ہوا؟“

”ہم خدا کر جلت سنگھ کا ایک پیغام لے کر تمہارے پاس آئے ہیں رادون سنگھ جی۔“

”کیسے ہیں ہمارے چاچا خدا کر؟ وہ تو بھول ہی گئے کہ ہمارا ان کا کوئی خون کا رشتہ بھی ہے۔“

”رشتوں کے بارے میں تو خدا کر صاحب آپ چاچا بھتیجے ہی بات کر سکتے ہیں، ویسے وہ تو بالکل ٹھیک ہیں اور آپ کی خیریت چاہتے ہیں۔“

”ہمارے ہم تو بالکل خیریت سے ہیں ہمارے چاچا خدا کر کو بتا دینا کہ کوئی تکلیف نہیں ہے ہمیں، ہاں چاچا خدا کر ہماری وجہ سے بڑی تکلیف میں ہیں اس کا ہمیں افسوس ہے۔“ رادون سنگھ نے مکاری سے کہا۔

”جو پیغام انہوں نے آپ کے لئے بھیجا ہے، ٹھہر کر دیکھنا۔ وہ یہ ہے کہ دریا پار سے ہمارے ہاں تین گھر میں کچھ مہماں آئے ہیں، ان میں ایک فلم یونٹ ہے اور ایک سرکس ہے۔ سرکس والے میچے میں حصہ لینے کے لئے آئے تھے لیکن ان کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے، ٹھہر کر کسی کو مہماں بتاتے ہیں تو اس کی عزت کی حفاظت پٹی جان سے زیادہ کرتے ہیں، اور مہاراج راون سنگھ آپ کے ہاں سے ایک ایسی کارروائی ہوئی ہے جو ٹھہر کر اس پر چبھتی نہیں۔“

”وہ کیا پونم سنگھ جی۔“

”بلیمبر سنگھ نے سرکس کی ایک لڑکی کو ٹھہرایا ہے، اور یونٹ کے ایک نوجوان کو اغواء کر لیا ہے، ٹھہر کر بلیمبر سنگھ بھی ٹھہر کر ہیں۔ ان کی کوئی دشمنی چلتی ہے سرکس والوں سے لیکن دشمنیاں ایسے تو نہیں نکالی جاتیں ٹھہر کر، ہماری تو دشمنیاں بھی مثالی حیثیت رکھتی ہیں کیا ٹھہر کر راون سنگھ یہ پسند کریں گے کہ باہر کے لوگ جب اپنی دنیا میں جائیں تو نیا نگر کے بارے میں ایسی کہانیاں لے جائیں، جن کا تعلق کبھی ٹھہر کر اس سے نہیں رہا۔“

”یہ نگر کی رعیت تو چاہا ٹھہر کر نے ہی بدلی ہے انہوں نے بھی تو ایسے کام شروع کر دیئے ہیں جو ٹھہر کر نہیں کیا کرتے تھے۔ وہ ہمارے اندرونی معاملات میں دخل دے رہے ہیں۔ پھر بتاؤ ہم لوگ اپنے بچاؤ کے لئے یہ سب کچھ کیوں نہ کریں۔ چاہا ٹھہر کر نے دنیا کو دکھانے کے لئے ہمارا حصہ ہمیں دے دیا لیکن اپنے تجربے سے فائدہ اٹھا گئے ہمیں ایسی جگہ دے دی انہوں نے جو ہمارے لئے بالکل بے کار تھی یہاں نہ تو زراعت ہے نہ کارخانے ہیں نہ ایسی دوسری جگہیں ہیں، جہاں سے ہم اپنے شہریوں کا بیٹ بھر سکیں، چاہا ٹھہر کر نے سوچ سمجھ کر یہ علاقہ ہمیں دیا تھا تاکہ ہم اپنی موت آپ مر جائیں۔ جینے کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں ہم اور اس میں سب کچھ جائز ہے دیئے گئے نہیں معلوم کہ بلیمبر نے سرکس کی کوئی لڑکی اٹھائی ہے۔ لیکن اگر اس نے ایسا کیا بھی ہے تو یہ اس کا ذاتی معاملہ ہے، بلیمبر ہمارے لئے بہت کام کر رہا ہے اگر اس کا دم نہ ہوتا تو شاید یہاں کے عوام کے بعد ہم لوگ بھی بھوکا مرنا شروع ہو جاتے، اس لئے بڑی دولت اکٹھا کی ہے ہم لوگوں کے لئے اور ہماری ستیوں کی زندگی کے لئے مسلسل جدوجہد کر رہا ہے، ایک ایسا آدمی اگر اپنی ذاتی دشمنی کے لئے کوئی قدم ٹھہر کر بھی دیتا ہے تو اسے روکنا ہمارے بس کی بات نہیں ہے۔“

”تو کیا آپ کی طرف سے ٹھہر کر جگت سنگھ کو یہی جواب دے دیا جائے؟“ پونم سنگھ نے پوچھا۔

”جواب تو ہمارے پاس بہت سے ہیں چاہا ٹھہر کر کے سے مگر کچھ آگے پیچھے کی باتیں کی جاسکتی ہیں، مگر چاہا ٹھہر کر اس کی عزت کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں تو ہمارا بھی انہیں ایک پیغام دے دیا جائے۔ وہ پیغام یہ ہے کہ سب سے پہلے اسے پال سنگھ خدو کو ہمارے حوالے کر دیں ان تمام آدمیوں کے ساتھ جو جیل سے بھاگے ہیں، جو ہمارے قیدی ہیں اور چاہا ٹھہر کر کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ انہیں پناہ دیں۔ چاہا ٹھہر کر گریہ سے جیسے تعلقات چاہتے ہیں تو پھر ان آدمیوں کو سب سے پہلے ہمارے حوالے کر دیں، دوسری بات یہ کہ کچھ اسٹوٹنگو یا ٹھہر کر ہم نے باہر سے (دورود) سٹوٹنگو نہایت چالاک

سے چا چاٹھ کرنے کی بدولی بدی کی وجہ سے اپنے قبضہ میں کر لیا۔ ہمارے پاس مگر بیادلی پار کرنے کے راستے ہوتے تو چا چاٹھ کر کو بھی پڑ نہ چلا کہ ہم ہر کی دنیا سے کیا کر رہے ہیں۔ انہوں نے ہمیں ایک طرح سے پادیدی بتایا ہے اس سلسلے میں بھی ان سے کبھی تفصیل سے بات چیت ہو جائے گی لیکن اگر تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ سرکس کی لڑکی اور لہم، لڑکا تمہیں واپس مل جائے تو چا چاٹھ کر سے کہو کہ فوری طور پر وہ سارا اسلحہ سرحد پار پہنچادیں اور اس کے ساتھ ساتھ ہی اسے پال کو بھی ہمارے حوالے کر دیں مع اس کے تمام ساتھیوں کے دور اگر ایسا کر دیا جاتا ہے تو پھر ہم تم سے تعاون کریں گے اور وہ سب کچھ تمہارے حوالے کر دیا جائے گا جو تم چاہتے ہو، دوسری صورت میں چا چاٹھ کر سے کہہ دینا کہ ان کا ہتھیار ان کی بات نہ ماننے کے لئے مجبور ہے۔“

”یہ آپ کا آخری جواب ہے نہ کرنا صواب“

”راون سنگھ ہمیشہ آخری جواب دیتا ہے اس کے جواب میں کوئی چلک نہیں ہوتی۔“ راون سنگھ نے جواب دیا۔ ایسا اکبر شہ کی جانب دیکھ رہا تھا، اکبر شہ کا چہرہ گہرا سرخ ہو گیا تھا۔ وہ چند محلات تھا کہ راون سنگھ کو دیکھتا رہا اس کی نگاہیں ادھر ادھر بھٹکتی رہیں، پھر اس نے ایسا رکواؤ سنگھ سے اشارہ کر دیا اور بار کے دونوں ہاتھ فضا میں بلند ہو گئے۔ بلا ہریوں لگ رہا تھا۔ ایسے دو پٹی آستینیں سمیٹ رہا ہو لیکن اس کے ہاتھ ایک مخصوص ڈائریکشن میں گردش کر رہے تھے اور یہ چٹکوں منٹوں کے لئے اشارہ تھا کہ وہ اپنے کام کا آغاز کر دیں پھر سنگھ نے کہا۔

”ٹھیک رہا راج کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ میں آپ کا پیغام ٹھیک کر جلت سنگھ کو دے دوں اور ان سے خود کہہ دوں کہ وہ دن سنگھ جی کی باتوں پر غور کریں اور انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کریں اس دوران آپ اچھے تعلقات کے لئے حکمت جی سے تعاون کریں دیکھئے اگر وہ لڑکی نیا گری کی ہوتی تو ساری باتیں اپنی جگہ تھیں بات مان لی جاتی لیکن مہمانوں کا تو آپ بھی احترام کرتے ہیں۔“

”بلیئر کی بات، بلیئر جانے، میں اسے خصوصی طور پر مجبور کر سکتا ہوں کہ وہ لڑکی واپس کر دے اور وہ میری بات مان بھی لے گا، مگر اس کے بغیر ممکن نہیں ہے۔“ ابھی راون سنگھ کے منہ سے بات پوری بھی نہ ہوئی تھی کہ دفعہ ایک دھماکہ ہوا اور اس کے بعد دھماکوں کا طوفان آ گیا۔ وہاں موجود تمام ہی لوگ بری طرح چونک پڑے تھے۔ ٹھیک راون سنگھ نے بھی پلٹ کر دیکھا اور دھمکیوں کے ان بادلوں پر غور کرنے لگا جو اس کی چھوٹا ہریوں سے بلند ہونے لگے تھے۔ دھماکے مسلسل ہو رہے تھے، یوں لگتا تھا جیسے بہت سے لوگوں نے ادھر حملہ کر دیا ہو۔ راون سنگھ نے غرا کر کہا۔

”دیکھو جاو کوئی چال چل دی گئی ہے، جاؤ مقابلہ کر دو۔“ کیونکہ کسی خاص آدمی کو مخاطب نہیں کیا گیا تھا اس لئے تمام ہی لوگ بھرمار کر اس طرف دوڑے۔ خود ٹھیک کرنے اپنی رائفل شانے سے اتار کر ہاتھوں میں لے لی تھی اور اپنے گھوڑے کا رخ تبدیل کرنے لگا تھا کہ دفعہ ہی اکبر شہ نے ایک

میں چھلانگ لگائی اور اتنی ہی تلی چھلانگ تھی یہ کہ وہ سیدھا اپنی جگہ سے ٹھہرا اور دن نگلے کے گھوڑے کی پشت پر پہنچ گیا۔ راؤن نگلے کو رو رو اور جھٹکا لگا تو راتفل اس کے ہاتھ سے نکل کر پیچھے گر پڑی وہ سمجھنے بھی نہ پایا تھا کہ کیا ہوا ہے کہ کبرشاہ نے اس کے گھوڑے کی لگا میں اپنے ہاتھ میں سنبھال لیں اور اس کے بعد اس کے حلق سے ایک خراکی ہوئی دھاڑ نکل۔“

”بھاگو، واپس بھاگو۔“

راؤن نگلے کے آدمی اس کا اشارہ ملتے ہی کچھ اس طرح بدحواس ہو کر اپنے چھوٹے ریلوے کی سمت لپکے تھے جیسے موت اس کا پیچھا کر رہی ہو، انہوں نے پیٹ کر بھی نہیں دیکھا تھا کہ راتفل دن نگلے کا کیا حال ہوا۔

ادھر اکبرشاہ بھی بے وقوف نہیں تھا اس نے ایک ہاتھ سے لگام سنبھالی اور دوسرے ہاتھ سے راؤن نگلے کا منہ بھیج دیا اور اس کے حرکت میں آئے ہی یا ز اور گلاب پھرتی سے اپنے گھوڑوں کی جانب لپکے ورا نہوں نے چیخ کر پونم نگلے سے کہا۔

”پونم نگلے جی فوراً وہاں سے کاسٹر شروع کر دیجئے راؤن نگلے ہمارے قبضے میں ہے۔“ اکبرشاہ نے ان لوگوں کی بات بھی نہیں سنی تھی اور اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا دی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اکبرشاہ ان سے کافی دور نکل گیا اور اس کے ساتھ ہی دوڑ پڑے تھے۔ ایسی حالت میں پونم نگلے کے یہاں رکنے کا کوئی جوہ نہیں تھا وہ گھٹکھٹکھٹکے ہوئے سے بچے میں بیٹھا۔

بھاگو اور پھر خود بھی وہ اپنے گھوڑے کی طرف لپکا تھا۔ سارے گھوڑے افراتفری کے عالم میں واپس دوڑ پڑے تھے لیکن پونم نگلے کے حواس قائم نہیں تھے یہ سب کچھ تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ ادھر راؤن نگلے مسلسل اکبرشاہ کے چنگل سے نکل جانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کسی نولاد دی شعلے میں پھنس گیا ہو اس کی کوئی کوشش کارگر نہ ہو رہی تھی۔ پھر اس کے کانوں میں اکبرشاہ کی خرابٹ بھری۔

”کچھ دیر اور بیٹھا چاہتے ہو تو خاموش بیٹھے رہو، اگر میں نے تمہیں چھوڑ بھی دیا تو گھوڑے سے گر کر تمہارے بدن کی ایک ایک ہڈی ٹوٹ جائے گی یا اگر میں نے ہاتھ کی گرفت خست کر دی تو بس تمہارا دم نکل جائے گا۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے۔“ دونوں ہی ہاتھ راؤن نگلے کی سمجھ میں آئی اور اس کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے اور گلاب بھی اکبرشاہ کے دائیں بائیں گھوڑے دوڑا رہے تھے وہ ہار پا کر دن نگلے کو پیچھے بھی دیکھتے جا رہے تھے کافی دور نکل آئے کے بعد انہوں نے رفتار سست کر دی جگت نگلے کے علاقے کی سرحد سامنے ہی تھی اور وہاں جگت نگلے کے آدمی نظر آ رہے تھے۔ سرحد میں داخل ہو کر ہی انہوں نے گھوڑے روکے تھے اور یہاں گھوڑے سے اتار کر اکبرشاہ نے راؤن نگلے کو پونم کے حوالے کر دیا تھا۔

”ہمیں کچھ دیر یہاں رک کر اپنے دونوں ساتھیوں کا انتظار کرنا ہوگا۔“ اکبرشاہ نے پونم نگلے سے کہا جب پونم نگلے کو بھٹکاو اور منکھو پاؤ آئے۔

”وہ سوئے وہ۔ وہ مہاراج وہ دونوں۔“

”آتے ہوں گے فکرمات کرو۔“ اکبر شاہ نے اعتماد سے کہا اور پھر پونم سنگھ کے استفسار پر وہ بتانے لگا کہ راویں سنگھ کے فوجی ٹیموں میں دھماکے کر کے ان بوگوں کو بدحواس کرنے والے دیہی دونوں تھے۔ پونم سنگھ کو چکر آ رہے تھے۔ اسے علام شاہ کے الفاظ یاد تھے۔

”ماہی دینا ہم کو بھائی بھتیجی اگر ہم تو پارنگری میں اندھیر مچائی دے رہے ہیں۔“

”وہ سوچ رہا تھا کہ یہ لوگ واقعی یہ سب کچھ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔“



سونیا بہت باہمت تھی لیکن اس وقت اس کے چہرے پر خوف کے آثار ابھر رہے تھے۔ وہ بے بس تھی اور اس شیطان سے بچنا چاہا نہیں کر سکتی تھی سکور نے بھی اسی لئے ہمت کر لی تھی ورنہ وہ یہ جرات نہ کر پاتا۔ سکور جیت آہستہ آہستہ اس کے قریب پہنچ گیا۔ عمار میں نصب مشعل کی روشنی میں اس کا چہرہ بھیانک نظر آ رہا تھا۔

”اگر تم سکور کی محبت قبول کر لیتیں سونیا تو شاید یہ سب کچھ نہ ہوتا جواب ہونے جا رہا ہے لیکن تم نے مجھے دو کوڑی کا اتنا کر دیا میرا وہ تمام غرور خاک میں ملا دیا تم نے جو مجھے خود پر تھا تم خود مجھے اس راستے پر لائی ہو سونیا ورنہ شاید زندگی میں میں نے کبھی اس قدر وحشت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ انسان کی رہبان انسان کو کس قدر وحشی بنا دیتی ہے اس کا اندازہ تمہیں اب ہو جائے گا۔“

”میرے ساتھ ساتھ پاؤں بندھے ہوئے ہیں سکور کی تم مردگی کا ثبوت دیتے ہوئے میرے ان ہاتھ پاؤں کو بھی ٹپکھول سکتے۔“ سونیا نے کہا۔ جب برائی میرے وجود میں ابھری آئی ہے تو پھر تم مجھ سے کسی شرافت کی توقع کیوں رکھتی ہو انفسوس تم اپنے ہاتھوں پاؤں پر عور ہی ہو سونیا بہر طور مجھے اس کا انفسوس رہے گا میں تمہارا غرور توڑنے کے بعد یہاں سے چل جاؤں گا ورنہ بڑے اطمینان سے وہ جس شیشا کے پاس پہنچ جاؤں گا اور اس سے کیوں گا کہ اسی سنگھ نے تمہیں اور مجھے اغواء کیا تھا لیکن چونکہ میرا اس سے کوئی بھگڑا نہیں تھا اس لئے بالآخر اس نے مجھے آزاد کر دیا اور سونیا تم چلی آنا کامز چھوڑو گی میرے بعد بھی بہتر سنگھ تمہیں نہیں چھوڑے گا اور ہو سکتا ہے کہ تم اس کے آدمیوں کے ہاتھوں میں کھلو بن جاؤ۔“

”دیکھو سکور جیت ہم لوگ مہذب دنیا کے باشندے ہیں ہمیں بہر طور دشمنی بھی تہذیب سے کرنی چاہئے تم مجھ سے کوئی بدتمیزی نہیں کرو گے دیکھو میں کہہ دیتی ہوں تم مجھ سے کوئی بدتمیزی نہیں کرو گے۔“ سکور جیت کے ہونٹوں پر ایک رہبر کی مسکراہٹ پھیل گئی اور پھر وہ سونیا کے بالکل قریب پہنچ گیا اس کے ہاتھ آگے بڑھے اور اسی وقت عقب سے کچھ آہٹیں سنائی دیں اور وہ چونک کر پٹا آنے والے ایک پہرے دار تھا جو ایک چشم تھا اس کی ایک

آنکھ پر کاسے رنگ کا نیپ چڑھا تھا، حلیہ بھی بگڑا ہوا ہی رہا تھا۔ کنور جیت جھلنے ہوئے انداز میں کھڑا ہو گیا اور اسے دیکھنے لگا۔

”تم یہاں کیوں آ رہے؟“ اس نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

”برس لیے آئے ہیں مہاراج کھا نا نہیں کھایا آپ نے کیا۔“ اس نے کھانے کے برتنوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”جب کھا نا کھائیں گے تمہیں پائیں گے بھاگ جاؤ۔“ کنور جیت غرایا اور پہرے دار نے دونوں شانے بلا دیے پھر سوئی کی طرف دیکھ کر بولا۔

”ارے یہ بچا ری کھا نا کیسے کھائے گی اس کے تو ہاتھ پیر ہی بندھے ہوئے ہیں۔“

”میں کہتا ہوں تم بھاگ جاؤ یہاں سے کھالے گی یہ کھا نا میں کھوں دوں گا اس کے ہاتھ پاؤں۔“

”نامہاراج کھا نا تو کھا ہی لینا چاہئے بچا ری کو ہم کھولے دیتے ہیں اس کے ہاتھ پاؤں۔ پہرے دار نے کہا اور سونیا کی جانب بڑھ گیا لیکن کنور جیت نے اس کا راستہ روکتے ہوئے کہا۔“

”تم جانتے ہو میں بھیر سنگھ کا دوست ہوں جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہی کرو بھاگ جاؤ اس کے ہاتھ پاؤں میں خود کھول دوں گا فوراً یہاں سے چلے جاؤ۔“

”نامہاراج نا آپ بھیر سنگھ کے دوست ہیں تو ہم بھی فہمی کے آدمی ہیں اور جب یہ کھا نا سامنے رکھا ہوا ہے تو پھر بھلا اس بچا ری کے ہاتھ پاؤں کیوں نہ کھولیں؟“

”یہ خوف آدمی تمہارے ساتھیوں ہی نے اس کے ہاتھ پاؤں باندھے ہیں اگر اس کے ہاتھ پاؤں کھل گئے تو یہ بہت خطرناک ثابت ہوگی تمہارے لئے۔“

”ارے چھوڑو مہاراج بہت بھارتیہ ہیں ہم غٹ لیں گے سب سے۔“ پہرے دار نے کہا اور کنور جیت کے اوسان خطا ہونے لگے پہرے دار کو

روکے کا طریقہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اس نے دروازے کی جانب دیکھا جہاں سے پہرے دار اندر آیا تھا اور پھر اپنے قدم دروازے کی جانب

بڑھا دیے لیکن پہرے دار نے پھرتی سے آگے بڑھ کر اس کا راستہ روک لیا۔“

”جا کہاں رہے ہو مہاراج نکل جا گئے نا ارادہ ہے کیا؟“

”میں خود یہاں آیا ہوں قیدی نہیں ہوں تمہارا۔“

”رے وہ۔“ پہرے دار فہم پڑا۔ ”قید خانے میں ہو اور قیدی نہیں ہو ارے یہی ہنس پاگل مت بناؤ چلو ایسا کرو تم خود ہی اس کے ہاتھ پاؤں

کھول دو چلو۔“ پہرے دار نے اسے اندر کی طرف دھکا دیا دھکا دھکا تیار دروازہ تھا کہ کنور جیت گرتے گرتے پھر اس کی حالت بگڑتی جا رہی تھی سونیا کے

ہاتھ پاؤں کھل جانے کا مطلب وہ بھی طرح جانتا تھا لیکن پہرے دار بھی بہت جاہل معلوم ہوتا تھا کوئی بات سننے پر آمادہ ہی نہیں تھا وہ پریشان

ہے اور اب تمہیں اپنے اس کئے کا سارا قصہ بیان کرنا پڑے گا۔ بعد میں جو کچھ ہو گا وہ دیکھ جائے گا جہاں تک میرا مسئلہ ہے تو ہم لوگوں کو یہ سکھایا گیا ہے کہ کونکر عزت زندگی سے زیادہ قیمتی ہوتی ہے، زندگی، عزت کے سامنے بالکل بے مقصد چیز ہے کونکر تم نے میری جو توہین کی ہے تم نے شیطان کے خلاف جو سارے کی ہے اس کا صلہ نہیں اسی عار میں تمہیں دے رہی ہوں۔“ سوئیٹا نے ایک لمبی جھنجھٹ لگائی اور کونکر جیت کے حلق سے آواز نکل گئی۔ سوئیٹا کی لالت اس کی ٹھوڑی پر پڑی تھی اور کونکر جیت دیوار سے جا ٹکرایا تھا سوئیٹا نے نیچے پاؤں رکھے اور کونکر جیت کو گریبان سے پکڑ کر ایک زوردار جھٹکا، کونکر جیت بری طرح نیچے گر پڑا تھا جب سوئیٹا اس کے پورے جسم پر چھو کر لگاتے لگاتے گئی اور کونکر جیت کے حلق سے چھپیں نکلے لگیں سوئیٹا نے اس کے دونوں ہاتھ موڑ کر پیچھے کر لئے تھے اس کا چہرہ زمین پر گڑ رہی تھی کونکر جیت چیخ چیخ کر پہریدار کو آواز دے رہا تھا۔“

”پیداو کتے اندر آ مجھے چا معصیت میرے سر پر ناری کر دی اور اب خود باہر کھڑا ہوا ہے۔“ پہرے دار نے گردن نکال کر اندر جھانکا اور ہنستا ہوا بولا۔“
”کھانا کھاؤ کونکر جی کھانا اچھا ہے حرا آئے گا تمہیں۔“ اس کے لیے میں ایک عجیب سا طرز تھا سوئیٹا غصے کے عام میں اس کی آواز کو محسوس نہ کر سکی تھی اس نے کونکر جیت کو بری طرح رگڑ کر رکھ دیا تھا کونکر جیت پٹ پٹ فحش کے لئے جو کچھ بھی کر رہا تھا وہ سوئیٹا کے سامنے بے اثر ثابت ہو رہا تھا بلاشبہ سوئیٹا جسمانی طور پر بھی بے حد طاقتور تھی پہریدار ایک پارچہ دروازہ کھول کر اندر آ گیا اس نے کونکر کی حاست دیکھی اور پھر سوئیٹا سے بولا۔“

”مرا نہیں آیا ایوی جی آپ ایسا کریں اس کی ناک کاٹ لیں اور ایک آدھ کاں بھی کاٹ دیں تاکہ اگر یہ رعد بھی بچ جائے تو ان لمحوں کو ہمیشہ یاد رکھے۔ چھری نہیں ہوگی آپ کے پاس یہ لیں مجھ سے لے لیں۔“ پہرے دار نے اپنے جاس سے ایک چھوٹا چاقو نکال کر سوئیٹا کے ہاتھ میں دے دیا۔ کونکر جیت خوف سے قہر قہر کا پسے لگا سوئیٹا کی اس وقت جو کیفیت ہو رہی تھی اس سے اسے بکی حد تک ہوا کہ اب وہ اس چھوٹے سے چاقو سے اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گی وہ وحشت زدہ آواز میں چیخا۔“

”پیداو پیداو ارے کوئی ہے مجھے پیدا۔“ لیکن کوئی نہیں تھا اس وقت جو اسے پانے کی کوشش کرتا سوئیٹا کی آنکھوں میں ایک ناگن کی سی چمک نظر آ رہی تھی اور وہ دانت پیستے ہوئے کونکر جیت کو دیکھ رہی تھی کونکر جیت شروع ہی سے مصیبتوں کا شکار رہا تھا سوئیٹا کے چکر میں پڑ کر اس نے اپنے آپ کو کیا سے کیا بنا لیا ہے حالانکہ اس تمام چیزوں کی ضرورت نہیں تھی۔ مگر چھوٹے غرور نے اسے دیو نہ کر دیا تھا اور وہ ایک کے بعد دوسری مصیبت قبول لیتا تھا۔ سوئیٹا کی آنکھوں میں اسے موت نا جتنی نظر آ رہی تھی۔ پھر سوئیٹا آگے بڑھی اور کونکر جیت کٹھنے ہوئے ہکرے کی طرح چیخا۔“

”رک جاؤ سوئیٹا رک جاؤ۔“ فطلی ہو گئی مجھ سے معاف کر دو مجھے۔ دیکھو، دیکھو میں بہت محبوس ہیرہ ہوں۔ بہت سی فلموں میں کام کیا ہے میں نے میرا چہرہ بگڑ گیا تو، تو۔ ارے رک رک جاؤ۔ وہ اٹھ کر بھاگا اور سوئیٹا کو ڈانچ دینے میں کامیاب ہو گیا لیکن جو جی وہ دروازے پر پہنچا پھرے درکار کا گھونسا

اس کے جڑے پر پڑا اور وہ اچھل کر غار کے پتھروں پہنچ آگرا۔ اس بار سونیا نے اسے موقع نہیں دیا تھا اس نے چاقو کے ایک ہی وار سے کنور جیت کا کان اڑا دیا تھا۔ کنور کے طلق سے دلخراش چیخ نکلی اور اس کی آنکھوں میں اندھیرا چھل گیا لیکن دوسرا وار اس کی ناک پر ہوا تھا۔ ناک کا ایک بڑا حصہ اس کے پیرے سے جدا ہو گیا اس کا پورا چہرہ خون میں ڈوب گیا تھا اور خون کی سرخی دیکھ کر سونیا کا خون بڑھ گیا۔ اس نے چاقو کو دستے سے پکڑ کر بند کیا وہ اسے کنور کے پیسے میں اتارنا چاہتی تھی لیکن جو جی اس کا ہاتھ پور بندھ ہوا پیچھے سے پیرے دار نے اسے پکڑ لیا۔

”نادیوی جی، اسے اس کے غرور کے ساتھ رندہ رہنے دو۔ مارنے سے کیا فائدہ۔ زندہ رہے گا اور آئندہ دیکھے گا تو اسے یاد دلے گا کہ اس نے کسی کی عزت پر حملہ کرنے کی کوشش کی تھی۔“

”چھوڑ دو میرا ہاتھ، پیچھے ہٹ جاؤ۔“ سونیا دہشت زدہ انداز میں غرائی، لیکن پیرے دار نے گرفت فاقہ راسا راویہ بدل کر اس کی کلائی کی دوسری دبا دیں اور سونیا کی انگلیوں بے جان ہو گئیں۔ چاقو خود بخود اس کے ہاتھ سے نکل گیا جسے پیرے دار نے دوسرے ہاتھ سے اچک لیا تھا۔ سونیا سیدھی کھڑی ہوئی۔ اس نے ایک نگاہ غصے سے پیرے دار پر ڈالی اور پھر کئی لمحوں کنور کے جسم پر سیدھ کر دیں۔ کنور شاید بے ہوش ہو گیا تھا کیونکہ اس ضربوں پر اس کی چیخ نہیں نکلی تھی۔

”کافی ہے، نادیوی جی کافی ہے۔ اب بعد کی بھی تو سوچو۔“ پیرے دار نے کہا اور سونیا چونک چڑی۔ ”تھوڑی دیر کے بعد دوسرے لوگ بھی آ جائیں گے اور پھر تمہاری مصیبت آ جائے گی ہم تو یہ کہہ دیں گے کہ اندر کی ہمیں کیا معلوم کنور جی نے سونیا کے ہاتھ پاؤں کھوسے ہوں گے اور نادیوی جی نے اس کی یہ درست بنا دی ہوگی۔“

سونیا عجیب سی نظروں سے پیرے دار کو دیکھ رہی تھی، پھر اس نے کہا۔ ”تم نے بیخبر اکا آدمی ہونے کے باوجود میری مدد کیوں کی۔“

”بس من میں آئی تھی نادیوی جی۔“ ایک چشم پیرے دار نے بے شکے عداوت میں دانت لگا کر کہا۔

”اگر تمہارے دل میں انسانیت آئی تھی ہے تو میری کچھ اور مدد کرو۔“

”آپ حکم کر کے دیکھو ہمارے دل میں بڑی انسانیت ہے۔“ پیرے دار بولا۔

”مجھے یہاں سے نکال دو۔“

”آ جاؤ نادیوی جی۔“ پیرے دار نے کہا اور سونیا چونک کر اسے دیکھے گی عجیب سا انسان تھا کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ پیرے دار دردارے کی طرف مڑ گیا تھا سونیا اس کے ساتھ باہر نکل آئی۔ وہ غار کے پیچ رہ چچ راستوں سے ہوتے ہوئے اس کے دہانے تک آ گئے اور پھر غار سے باہر نکل آئے۔

راست روش تھی اور آسمان پر کھلے چاند نے ماحول کو منور کر دیا تھا چاروں طرف پر اسرار سا ٹانچا یا ہوا تھا۔ پہرے دار نے ایک راستہ منتخب کیا اور اس پر آگے بڑھنے لگا لیکن ابھی چند گز سے آگے نہ بڑھے ہوں گے کہ اچانک کچھ آنکلیں کچھ آوازیں سنائی دیں اور پہرے دار نے انتہائی بھرتی سے سونیا کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف چھٹ گیا۔ عجب لگا دی وہ تھوڑے فاصلے پر ایک غار میں رہ گیا۔ سونیا نے بھی اسی برق رفتاری سے اس کا ساتھ دیا تھا کام وقت پر ملی ہو گیا تھا اگر ایک لمحے کی تاخیر ہو جاتی تو انہیں دیکھ لیا جاتا۔ چھ سات آدمی تھے اور مسخ تھے وہ باتیں کرتے ہوئے آ رہے تھے۔

دو سو دم سادھے ہوئے انہیں دیکھتے ہوئے پھر جب وہ غار میں داخل ہو گئے تو سونیا نے خشک لبوں پر رہاں پھیر کر کہا۔ ”اب ان لوگوں کو ہمارے فرار کا علم ہو جائے گا۔“

”سو تو ہے؟“ پہرے دار نے کہا۔

”وہ ہمیں تلاش کرنے نکل پڑیں گے۔“

”غفلت نہ ہو گے تو ضرور ٹھکیں گے۔“

”عجب آدمی ہو، کچھ کرو۔“ سونیا جھلا کر بولی۔

”ہاں، کچھ کرنا چاہئے۔“ پہرے دار نے کہا اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔ پہاڑی نیوں میں بے شمار غار پھیلے ہوئے تھے جن کے کھلے دہانے تاریک دھبوں کی مانند نظر آ رہے تھے سونیا نے کہا۔

”یہ جگہ خفیہ ہے۔ کیا ان میں سے کسی غار میں ہمارے لئے گنجائش نہیں نکل سکے گی۔“

”نہیں نکل سکے گی۔“ پہرے دار نے کہا اور گردن اٹھا کر غار کے، ہائے کی طرف دیکھے لگا جس میں وہ داخل ہو گئے تھے اس کے بعد اس نے سونیا کا ہاتھ پکڑا اور اسے ایک طرف کھینچنے لگا۔

سونیا نے اس کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

”کیا یہ سارے غار نکل ہیں؟“

”نہیں دیو کی بہت کشتارہ ہیں۔“

”وہ! پھر کیا بات ہے۔“

”تئی دیہ میں، جتنی دیہ میں دو جا کر وہاں آئے ہیں ہم یہاں سے نکل کر پادہ سے لیا وہ کشتی دور جا سکتے ہیں اس کا اعزاز وہ آسانی سے لگائیں گے

”اور پھر سمجھ جائیں گے کہ ہم کسی غار میں چھپ گئے ہیں اور پھر ہمیں غار میں تلاش کر لیا جائے گا۔ ادھر پہنچ کر۔“ سوہنی کو ٹھوکر لگی تھی لیکن پہرے دار نے اسے براہ سنی سنبال لیا کچھ فاصلے پر گھٹنے درخت نظر آ رہے تھے وہ اسے لئے ہوئے پہلے درخت کے پاس پہنچ گیا۔ پھر اس نے اشارہ کر کے کہا۔ ”بچہ جاؤ۔“ سوہنی نے اسے ایک سے ایک سنے دیکھا اور پھر بندر دوس جیسی پھرتی سے درخت پر چڑھ گئی۔ پہرے دار نے بھی اس کی تقلید کی تھی ایک موٹی شاخ پر پہنچ کر وہ بولا۔ ”یہاں سے سب کچھ صاف نظر آ رہا ہے ہم ان کی کارروائی دیکھ بھی سکیں گے۔“

”اس تمہارا خیال درست ہے۔ یہ جگہ غاروں سے زیادہ محفوظ ہے۔“

”بہت محفوظ ہے کیونکہ مخالف سمت میں ہے۔“

”کیا مطلب؟“

”جہاں گئے کا راستہ سامنے ہے۔ کوئی ہم گے گا تو یہی طرف بھاگے گا جہاں سے اسے نکل جانے کی اُمید ہوگی جبکہ ہم دوسرے راستے پر آئے ہیں۔ وہ ہمیں تلاش کریں گے مگر اسی طرف یا پھر غاروں میں۔“ سوہنی حیران نظروں سے پہرے دار کو دیکھے لگی۔ وہ کافی چالاک نظر آتا تھا۔ بہر حال اس کے بعد اس نے خاموشی ہی اختیار کر لی تھی۔ زیادہ دیر انتظار نہ کرتا پڑا۔ انہوں نے تمام پہرے داروں کو نعرہ دار کر غار سے باہر نکلتے دیکھا تھا۔ وہ بدحواس نظر آ رہے تھے پھر ان میں سے چند تو آگے کی سمت دوڑ گئے اور باقی اس کے اندازے کے مطابق غاروں میں گھسنے لگے۔ انہوں نے رائفلیں سپریم کی ہوئی تھیں اور ان میں سے چند کے ہاتھوں میں مشطیں موجود تھیں۔ غاروں کی تلاش نہ جاتی رہی، سوہنی اور پہرے دار دم سادھے بیٹھے ہوئے تھے۔ پراسرار چاندنی میں وہ ان لوگوں کی کارروائیوں کا بھرپور رنگہ بوں سے جائزہ لے رہے تھے، وقت آہستہ آہستہ گزرتا رہا۔ ان کی خاموشی بھی طویل ہو گئی تھی۔ پھر سوہنی نے ہی اس خاموشی سے اکتا کر کہا۔

”تم نے میرے لئے جس قدر مشقت اٹھائی ہے، میں تمہاری شکر گزار ہوں، مگر اب یہ بتاؤں کہ کیا مجھے میری منزل تک پہنچا دو گے؟“

”کوشش تو کریں گے دیوی جی، اس لئے تو آپ کو غار سے نکالا ہے، ورنہ فائدہ ہی کیا تھا۔“

”کیا تم میرے بارے میں تفصیلات جانتے ہو۔“

”کیوں نہیں، نہ جانتے تو آپ کے لئے اتنی مشکل کیوں اٹھاتے۔“ پہرے دار نے جواب دیا۔

”ان لوگوں کے پاس شاید گھوڑے نہیں ہیں۔ ورنہ یقینی طور پر گھوڑوں پر بیٹھ کر چاروں طرف پھیل جاتے۔“

”تقدیر بھی کم ہے، کچھ تقدیر آپ نے بھی کم کر دی ہے، یہ لوگ یقیناً رخصتیوں کو ہفتا سہ ہفتا نے گئے ہوں گے۔“

”سارے کے سارے ہی چلے گئے تھے۔“

”ہاں غار میں نہیں کوئی شہرہ محسوس نہیں ہوا ہوگا۔“ پھر رے دار نے جواب دیا، سو نیا ان کے نگوں کی بھاگ دوڑ دیکھتی رہی غاروں کی تلاشی سے۔ لیکن تھی اور بیگنی طور پر، مگر یہ دونوں کسی غار میں پوشیدہ ہوتے تو پھر رے داروں کی نگاہوں سے محفوظ نہیں رہ سکتے تھے۔ سو یہاں سوج رہی تھی کہ رات کی تاریکیوں میں ہی اگر یہ علاقہ چھوڑ دیا جائے تو بہتر رہے گا ورنہ دن کی روشنی میں وہ لوگ زیادہ مستعدی سے پنا کام کر سکیں گے۔ اب اس کے دل میں شدید اضطراب پیدا ہو گیا تھا، اور وہ کافی مضطرب نثر آنے لگی تھی، پھر یہ ار نے کہا۔

”ان لوگوں کو اپنی جدوجہد کرنے کے بعد تھک چائے دو، بوی جی۔ اس کے بعد ہم یہاں سے نکل چلیں گے۔ تمہارے اندر رست تو ہے۔“

”تم اطمینان رکھو، میں کٹر درختیں ثابت ہوں گی۔“

”وہ تو ہمیں اطمینان ہے۔“ پھر رے دار نے جو ب دیا اور پھر دفعۃً ہی سونپا لے، اسے اپنی جگہ سے جیش کرتے ہوئے دیکھا۔

”کہاں۔“

”مجھے جا رہے ہیں۔“

”کیوں؟“

”آپ ہا نکل چنا۔ کریں دیوی جی ابھی تھوڑی دیر میں واپس آ جائیں گے۔“

”ارے مگر۔“

”چنا نہ کریں دیوی جی، اعتبار کریں ہم پر۔“ وہ بولا، اور آہستہ آہستہ تھے سے پھسلتا ہوا نیچے نیچے گیا، سو نیا اسے اسی غار کی جانب جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ تلاش کرنے والے پھر رے دار دوبارہ غار میں نہیں داخل ہوئے تھے، بلکہ ان کی ابھی تک جدوجہد جاری ہی تھی۔ پھر ان میں سے دو آدمیوں کو سونپا نے یک طرفہ جاتے ہوئے دیکھا۔ وہ سمجھ نہیں پائی تھی کہ وہ کہاں جا رہے ہیں اور اس کا مددگار پھر یہاں اس غار میں دوبارہ داخل ہو گیا تھا۔ چنانچہ کم بحث کیا کرنے گیا تھا، کہیں مصیبت میں نہ پھنس جائے، کوئی فائدہ نہیں ہوگا، اس درخت پر کتنا وقت گزرا جا سکتا ہے، وہ لوگ بالآخر سے تلاش کر لیں گے۔ پھر رے دار اس وقت اس کا واحد مددگار تھا۔ سو نیا رتی رہی۔ پھر اس نے پھر رے دار کو انتہائی احتیاط سے واپس آتے ہوئے دیکھا۔ وہ درخت کے تنے کے نزدیک پہنچا اور اس نے آہستہ سے سرگوشی کی۔

”تر آئیے دیوی جی، صبحے اتر آئیے۔“ سونیا ایک گہری سانس لے کر درخت کے جتنے سے پھسلتی ہوئی چھپے آگئی پہرے دار کا ہاتھ پکڑا اور درخت کے بالکل قطعی حصے کا راستہ اختیار کیا، سونیا نے اس سے کوئی سوال نہیں کیا تھا کافی دور تک چلنے کے بعد وہ ایک چھوٹے سے درے میں داخل ہو گیا۔ یہاں سے انہوں نے درے میں سفر شروع کر دیا تھا، چاندنی نہ ہوتی تو شاید ایک قدم بڑھنا مشکل ہو جاتا، کیونکہ درے میں جگہ جگہ ٹوکے پتھر پکھرے ہوئے تھے، درے کا ختام ایک چڑھائی پر ہوا تھا اور یہاں سے آگے درختوں کا، سیج، عریض سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ یہاں پہنچنے کے بعد انہیں کسی قدر اطمینان ہو کیونکہ یہاں پوشیدہ رہنے کے بہترین امکانات موجود تھے۔

درختوں کے اندھیرے کی وجہ سے یہ سفر ذرا مشکل تھا۔

لیکن پہرے دار نے سونیا کو سنبھالا ہوا تھا اور جب بھی سونیا کے پاؤں لڑکھڑاتے پہرے دار کی مضبوط گرفت اسے ہمارا دیتی۔ کوئی اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا کہ کتنا وقت گزر گیا۔

پھر ایک جگہ پہرے دار رک گیا۔

”کیا ہو؟“ سونیا سہم کر پوئی۔

”کچھ نہیں دیوی جی، اب ذرا آرام کر لو۔“

”وہ نہیں آرام کا وقت کہاں ہے ہمیں صبح ہونے سے پہلے یہاں سے دور نکل جانا چاہئے۔“

”منزل پر پہنچنے کے لئے تو بھی بہت دقت درکار ہوگا دیوی جی، ہمارے پاس گھوڑے ہوتے تو شاید آسانی ہو جاتی آپ بھوکے ہوں گی بھوجن کریں۔“

”کیا۔“ سونیا چونک کر پوئی۔

”بیٹ بوجا بھی تو ضروری ہوتی ہے پیٹ بھر جائے گا تو سفر بھی تیزی سے ہوگا۔“

”مگر کہاں تاکہاں سے آئے گا؟“

”ابھی لیے کے لئے تو ہم مجھے تھے آپ کے پاس سے، قارئین سے اٹھالائے ہیں۔“ پہرے دار نے کہا۔ سونیا چپ رہ گئی تھی پہلے تو اس کے لئے فرشتہ بن گیا تھا دل میں وہ اس کی ممتون تھی پھر اس کی دی ہوئی چیزیں قبول کر لیں اور روقد کی گھیا نشی نہیں تھی اس کی پیشکش پر پہرے دار نے بھی کچھ کھا لیا تھا۔ کھانے سے فراغت کے بعد اس نے کہا۔

”اب چلنے ہیں۔ دراصل ہم یہاں سے راستے سے نہیں آئے اس لئے اصل راستے پر پہنچنے میں ہمیں بہت دقت لگ جائے گا میرا خیال ہے ہم صبح تک

سفر کرتے ہیں اور پھر دن نہیں چھپ کر گزاریں گے، دوسری رات سفر کریں گے۔“

”میں تو اس علاقے کے بارے میں کچھ نہیں جانتی تم جس طرح مناسب سمجھو۔“ سونیا نے کہا پھر پہرے دار کا کہنا اور مست تھا رات کے سفر میں تو جنگلوں کا یہ مسئلہ بھی ختم نہ ہو سکا اور پھر اچالا پھیل گیا۔ سورج کی بجلی کرن نمودار ہوتے ہی پہرے دار نے ایک درخت کا انتخاب کر لیا جو بے حد گھٹا اور پھیلا ہوا تھا۔ سونیا کے چہرے پر خوف و ہراس منجمد تھا۔ وہ ایک دوشٹے میں پھنس کر بیٹھ گئی اور اس نے آنکھیں بند کر لیں وہ بن ہزاروں سوچوں کا حامل تھا کئی بار خند کے جھوٹے بھی آئے اور کچھ دیر کے لئے بے خبر ہو گئی۔ یہ دن طویل ترین تھا۔ نہ جانے کتنے عرصے کے بعد شام ہوئی تھی اس دوران نہیں کوئی تحریک نہیں نظر آئی تھی۔ سونیا نے کہا۔

”ایک بات بتاؤ۔“ تمہیں میری منوں معلوم ہے۔“

”کیوں نہیں دیوی جی۔ تھا کر جگت تلک کا سرحدی علاقہ، مگر راستہ بھی لمبا ہے میرا پانا نہ رہ ہے۔“

”صرف اندازہ؟“ سونیا چونک کر بولی۔

”نہیں ہم، ہاں پہنچ جائیں گے۔“ پہرے دار نے جلدی سے کہا۔ رات کو انہوں نے پھر سفر شروع کر دیا اور کافی چلنے کے بعد درختوں کا یہ مسئلہ ختم ہو گیا۔ آج کی رات روشن نہ تھی آسمان پر ہول چھانے ہوئے تھے وہ سفر کرتے رہے پھر یہ علاقہ تھا ٹیپے بکھرے ہوئے تھے اور ماحول پر بیت تھا۔ اس بیت ناک ماحول میں اچانک کچھ آوازوں نے دل چیر کر رکھ دیا۔ یہ بیٹی کی آواز تھی۔ پہرے دار نے سونیا کو ایک ٹیپے کی آڑ میں قہیٹ لیا گھوڑوں کے پاؤں کی آوازیں گونج رہی تھیں سونیا کو وہاں رکنے کا ارادہ کر کے پہرے دار ٹیپے کی آڑ سے نکل گیا۔ سونیا سکوت کے عام میں تھی اس طویل ترین مشقت نے اسے تھکا دیا تھا۔ بیٹیوں کی آوازیں اس کے دل میں لرز رہیں پھر اگر وہی قہیٹ سرری طرح پکرا رہا تھا۔ پہرے دار کو گئے ہوئے کافی دیر ہو گئی تو وہ گھبرا کر ٹیپے کی آڑ سے نکل۔ لیکن جو فی اس نے باہر قدم رکھا اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ ایک سیاہ بیت ناک گھوڑا اس کے سینے سامنے تھا اور اس پر سوار شخص سے بھنی طور پر اسے دیکھ لیا تھا کیونکہ اسے دیکھتے ہی سوار نے زور سے ویسی ہی بیٹی ہی کی تھی جیسی بیٹیوں کی آوازیں وہ جگہ جگہ سے سن رہی تھی۔ اس کے لئے پہنچنے کا کوئی راستہ نہ تھا پاؤں پھرا گئے تھے اور وہ کوشش کے باوجود ایک قدم آگے نہ بڑھا سکی تھی۔ گھوڑے نے ایک لمبی چھلانگ لگا کر سونیا کے قریب آ گیا۔ سونیا کی آنکھیں بند ہو گئی تھیں۔ حالانکہ فضا ناواہی کنز درختوں تھی اور ہر طرح کے حالات کا مقابلہ کرنا چاہی تھی لیکن بے درپے واقعات اور طویل مشقت نے اعصاب پر اضطراب طاری کر دیا تھا جس کا یہ رد عمل تھا۔ گھڑ سوار نے اس کے قریب آ کر کہا۔

”معافی چاہتا ہوں دیوی جی ایک ہی گھوڑا ہاتھ آسکا۔ مگر ہمارا یہاں سے نکل جانا ضروری ہے کیونکہ اب ان کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی ہے۔ یہ آوار جنبی نہیں تھی، پہرے دار علی تھا جو اب گھوڑے پر سوار تھا۔ سو نیا نے آنکھیں کھول دیں۔ شکر تھا کہ رات کی تاریکی کی وجہ سے پہرے دار نے اس کی اس کمزوری کو نہ دیکھا ہوگا۔ وہ یاد دل تا خواست آگے بڑھی۔ پہرے دار نے اسے سہارا دے کر گھوڑے پر بٹھایا اور پھر اس نے پہاڑ کی گھٹکی گھوڑے کو آگے بڑھا دیا۔

سو نیا نے اب خود کو پوری طرح سنبھال لیا تھا۔ اس اپنی شخص نے درحقیقت اس کے لئے اتنا کچھ کیا تھا کہ وہ اس کی منوں ہوگئی تھی اور اس کے علاوہ اس نے یہ بھی محسوس کیا تھا کہ پہرے دار نہایت شریف انسان ہے حالانکہ جو ان آدمی تھا درنہایت سڈوں جسم کا، نلک تھا لیکن اس کی کسی بات میں گھٹایا پن نہیں پایا جاتا تھا۔ گھوڑے پر بھی ساتھ بیٹھے کے باوجود اس نے خود کو سنبھالے رکھا تھا۔ کافی دیر تک وہ آگے بڑھتے رہے۔ دو تین بار دور سے کچھ گھڑ سوار گزرے دکھائی دیئے تھے انہوں نے بیٹوں، بچائیں اور وہ مطمئن ہو کر آگے بڑھ گئے۔ ”رقی رہتیہ کرو۔“ سو نیا نے کہا۔

”ابھی مناسب نہیں ہے دیوی جی۔ انہیں شہر ہو جائے گا۔“

”یہ لوگ ہمیں ہی تلاش کر رہے ہیں نا؟“

”یقیناً دیوی جی۔ پہلے انہوں نے ہمیں آپس میں تلاش کیا اس کے بعد بڑے پیمانے پر یہ کام شروع کر دیا ہو سکتا ہے خود بخود بھی دن کے ساتھ ہو۔“

”کون تھا کر؟“

”بلیئر سنگھ! پہرے دار نے کہا اور سو نیا خاموش ہوگئی۔ گوان لوگوں کی رفتار سست تھی مگر مسلسل ایک ہی سمت چل رہے تھے اس لئے قاصد بہت جلد ہو گیا تھا۔ سو نیا نے کہا۔ ”راستہ درست ہے ہمارا؟“

”ابھی نہیں دیوی۔ سیدھے راستے کا اندازہ تو دس کی روشنی میں ہی ہوگا۔“

”تم اس علاقے کے رہنے والے ہو پھر بھی تمہیں اندازہ نہیں ہو رہا۔“

”علاقے کا رہنے والا ہوں جنگلوں کا رہنے والا نہیں ہوں، دیوی جی۔“ پہرے دار نے کہا اور بے وقوفوں کی طرح ہنسے گا۔

”معاف کرنا میں نے یہی کہہ دیا تھا۔“ سو نیا جلدی سے بولی۔

”اس میں معافی کی کیا بات ہے۔“

”یہ گھوڑا تم نے کیسے حاصل کیا؟“

”بس سامنے ہی آگیا تھا ہم اس پر حملہ نہ کرتے تو وہ ہم پر حملہ کر دیتا مجبوراً ٹینٹو بکرا ناپڑا، بوے بوڈے ہوگے ہیں ہم نے ٹینٹو بکرا ہی تھا کہ پٹ سے مرگیا ہم نے سوچا بھائی تیر گھوڑا ہی کام آجائے گا بس دیوی جی یہ گھوڑا اور یہ سیٹی سے آئے ہم۔“ وہ رورور سے سیٹی بجانے لگا۔

”ارے بس، بس بیٹا نہ بھاؤ۔ اب تو وہ لوگ کافی پیچھے رہ گئے ہیں ان کی سیٹیوں کی آوازیں بھی نہیں آ رہی ہیں۔“ سوہی گھبرا کر یولی اس نے سیٹی منہ سے نکال کر سوہیا کو دیتے ہوئے کہا۔ ”آپ بھی بھاؤ دیوی جی۔ بڑی چھٹی لگتی ہے۔“

”نہیں شکریہ، جیب میں رکھ لیا ہے۔“ اس نے سعادت مندی سے اس ہدایت پر عمل کیا تھا۔ گھوڑے کے قدموں کی آواز سنانے کی واحد آواز تھی ورنہ چاروں طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی رات آہستہ آہستہ گزرتی رہی پھر اس نے کہا۔ ”ہکم کرو، دیوی جی تو رک جا میں؟“

”تھک گئے ہو؟“

”ناتانی سکی بات نا کہو۔ ہم تو اس گھوڑے کو کندھے پر لا کر سری رات چل سکتے ہیں دکھائیں ایسا کر کے؟“

”نہیں مجھے تمہاری ضرورت ہے۔“ سوہیا نے ہنستے ہوئے کہا۔

”وہ گھوڑے کی بھی دیوی جی؟“

”ہاں یقیناً!“ سوہیا نے ہرستور ہنستے ہوئے کہا، پھر بے داری کی باتوں نے دہن پر چھایا ہو ہو بوجھ کسی قدر ہلکا کر دیا تھا۔ ”پھر رکن کیوں چاہتے ہو، اس نے کہا۔“

”وہ جگہ جہاں آپ کو جانا ہے دیوی جی، وہ اتنی زیادہ دور نہیں ہے کہ ہم ہفتوں چلتے رہیں، وہ تو سیدھا راستہ نہیں مل سکا تھا ورنہ ہم منزل پر پہنچ بھی گئے ہوتے، یہاں رک کر صبح کی روشنی میں راستوں کا اندازہ لگائیں گے، پھر آپ کو آپ کی منزل پر پہنچا دیں گے!“

”اُوہ ہاں ٹھیک کہتے ہو تم، یہ بات تم نے پہلے نہیں بتائی واقعی بغیر جانے راستے پر ہم اگر چلتے رہیں تو نوجی نے کہاں سے کہاں نکل جائیں گے رک چار فوراً رک جاؤ۔“ سوہیا نے کہا اور پھر بے دارا دھرا دھر گردن کھینچ کر کوئی ایسی جگہ تلاش کرنے لگا، جہاں وہ گھوڑے سمیت پناہ لے سکے۔ پھر باتیں سمت انہیں گھوڑا حاصل ملے کر ناپڑا ایک وسیع دھریض میں نظر آ رہا تھا اور یقینی طور پر وہ ان کے لئے بہتر پناہ گاہ بن سکتا تھا، کچھ دیر کے بعد وہ ٹیلے کے پاس پہنچ گئے درمیان انہیں ایک ایسی پناہ گاہ مل گئی جہاں گھوڑے کو بھی چھپایا جاسکے، نیسے کا بھی حصہ کسی قدر کھوکھلا تھا اور اس کے آس پاس تین چار ٹیلے اور ٹکڑے ہوئے تھے ان کے درمیان نہیں، اچھی پناہ گاہ مل سکتی تھی پتا تو چھپ رہے دار گھوڑے سے اتر گیا، سوہیا بھی گھوڑے سے نیچے کود آئی۔

پھرے دار نے پتھر وغیرہ تلاش کئے اور گھوڑے کی لگام پتھروں سے باندھ دی۔ اس کے بعد وہ نیلے کی ہڈی پر چڑھ کر قرب و جوار کا جائزہ لیے لگا۔ سوچا اس دوران ایک صاف ستھری جگہ آ بیٹھی تھی اور ٹھکے ٹھکے انداز میں گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔ پھرے دار اس سے کچھ فاصلے پر آ کر بیٹھ گیا۔ اس کے بیٹھے کے بعد سونیا بولی۔

”تم نے مجھے اپنا نام نہیں بتایا دوست؟“

”واہ جی وہ دیوی جی آپ نے دنیا جہاں کے سارے ناموں سے اچھا نام تو خود ہی رکھ دیا ہمارا آپ کسی اور نام کی کیا ضرورت؟“

”میں نے کون سا نام رکھ دیا تمہارا؟“ سونیا بولی۔

”دوست کہا ہے نا آپ نے ہم کو؟“

”دوست تو تم میرے ہو۔ بلکہ اب تو میں یہ کہہ سکتی ہوں کہ اس دنیا میں تم میرے سب سے بہترین دوست ہو، درحقیقت تم نے میری جودہ کی ہے وہ

معمولی بات نہیں ہے، میں تمہارے دل سے تمہاری منتوں ہوں۔“ پھرے دار نے کوئی جواب نہیں دیا، سونیا اسے دیکھتی رہی، پھر اس نے کہا۔ ”ایک بات

بتاؤ تمہارے دل میں میرے سنے یہ جذبہ کیوں پیدا ہوا؟“

”فساں ہیں دیوی جی اور پھر وہ آدمی آپ کے ساتھ بدتمیزی کر رہا تھا، یہ بات ہمیں پسند نہیں آئی۔“

”تم میرے بارے میں کیا جانتے ہو؟“

”نہیں جی یہ جانتے ہیں کہ ٹھن کر جی آپ کو زبردستی ٹھالائے ہیں۔“ پھرے دار نے جواب دیا۔

”ہاں اس میں کوئی شک نہیں اور وہ کہیں آدمی اس سلسلے میں اس کا معاون تھا۔ میرا مطلب ہے وہی آدمی، جس کے ساتھ تم نے میرے ہاتھوں

بہترین سلوک کرایا ہے، یاد کرے گا زندگی بھر اور اب میں تمہارے بارے میں غور کرتی ہوں تو حیرت من رہ جاتی ہوں، کبھی تم بہت زیادہ سادہ مزاج

آدمی نظر آتے ہو اور کبھی تمہاری ذہین، جیسا کہ تم نے اس شخص کی زندگی کا مشورہ دیا مجھے، واقعی اس کا رنڈہ رہنا بہت ضروری تھا، خود پر بہت مظلور

تھا، بہت نار کرتا تھا، اب ساری زندگی کسی کو عندکھانے کے قابل نہیں رہے گا، یاد کرے گا کہ سرکس کی ایک لڑکی سے واسطہ پڑا تھا۔ مگر دوست اس

میں کوئی شک نہیں ہے کہ میں نے جو کچھ کیا تمہاری مدد سے کیا ہے۔“

”رے دیوی جی تقابذ الزام نہ لگاؤ ہم پر۔“ پھرے دار نے کہا۔

”کیا مطلب؟“

”ہمارا مطلب تو یہی ہے کہ آپ ہمارے ساتھ تو یہاں نہیں آئی تھیں؟“
 ”اوہ میں خود ہی کب تھی یہاں، دھوکے سے لایا تھا وہ کم بخت مجھے۔“ سونیا بولی۔
 ”وہ کون دیوی جی۔“

”میں نہیں پوری کہانی سناؤں گی، مگر تم نے مجھے اپنا نام کیوں نہیں بتایا؟“
 ”آپ نے ہمیں جس نام سے مخاطب کیا ہے دیوی جی، وہ نام ہمیں اتنا پسند آیا کہ اب کوئی دوسرا نام بتانا ہمیں چھ نہیں لگتا۔“
 ”عجب بات ہے، خیر چھوڑو، ناموں میں کیا رکھا ہے، دراصل میرا تعلق ایک سرکس سے ہے، تم سب سے کسی قدر وقیفیت کا اظہار کر بھی چکے ہو۔“
 ”ہاں دیوی جی دوسروں کی باتیں تو ہم سنتے ہی رہے ہیں اور ہمیں معلوم ہے کہ آپ سرکس والی ہیں۔“
 ”سونیا ہے میرا نام۔“

”جی یہ بھی معلوم ہے۔ وہ آپ کا نام لے رہا تھا۔“
 ”سرکس کا، لک غلام شاد میرا چچا ہے، بڑی عجیب و غریب شخصیت ہے اس کی۔“
 ”جی۔“ پھر بے دار نے آہستہ سے کہا۔

”یہ شخص کنور جیت میں نیا مگر آتے ہوئے راستے میں مل گیا تھا ایک فلم کمپنی میں کام کرتا ہے اور فلموں میں ہیر کی حیثیت سے آتا ہے، پہلے اس کم بخت نے اس طرح گفتگو کی کہ مجھے یہ ایک شریف آدمی معلوم ہو، لیکن بعد میں یہ کھل گیا، اس نے، اس نے۔“ سونیا ایک لمحے کے لئے خاموش ہو گئی، شارل کا نام زبان پر آنے لگا تھا، لیکن پھر اس نے اس بات کو دل ہی میں رہنے دیا اور بولی۔ ”اس نے میرے بڑے نقصانات کر کے ہیں، خواہ مخواہ میرے راستے میں اس نے رکاوٹوں کے پہ ڈکھڑے کر دیئے، اپنی دانست میں، یہ سمجھتا تھا کہ دنیا کی ہر لڑکی اس کی قربت حاصل کرنے کی خواہش مند رہتی ہے، مجھ سے بھی س نے اس کی توقع کی تھی، لیکن میں نے اسے جوئے کی نوک پر مار دیا اور اس کے بعد یہ میرے خلاف سازشوں میں مصروف ہو گیا۔ بہت ہی کمبیہ مضمت انسان ہے اور اتنا نقصان پہنچا دے گا اس نے مجھے کہ تمہیں بتا نہیں سکتی۔“ سونیا خاموش ہو گئی۔

پھر بے دار بھی خاموشی سے اس کی کہانی سن رہا تھا، پھر اس نے کہا۔ ”تب تو اس کے ساتھ جو کچھ ہوا، دیوی جی، وہ بہت اچھا ہوا، اسے صحیح سزا مل گئی۔“
 ”ہاں اور یہ تمہاری وجہ سے ممکن ہو سکا، میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر میں بھول سکوں گی دوست۔“

”س جی آپ نے دوست کہہ دیا اب بھلا ہمارا کیا احسان رہ جاتا ہے آپ پر، ویسے آپ نے اپنے بچا کا کیا نام بتایا تھا جی؟“

”قلام شاہ۔“

”ہاں جی یہ غلام شاہ عجیب و غریب کیوں ہے۔“

پھر بے دار نے سوال کیا اور سوچا کسی سوچ میں گم ہو گئی۔

پھر اس نے کہا۔ ”اس کی کہانی میں قصہ سنائیں تو تم حیران رہ جاؤ گے۔“

”تو پھر آپ ہمیں حیران کر دیں نا جی۔“ پھر بے دار اپنے مخصوص انداز میں بولا۔

”اس نے ہمیں بچپن سے پالا ہے۔ ہمارے ماں باپ بچپن ہی میں ہلاک ہو گئے تھے دوران کے ساتھ بڑا برا حادثہ پیش آیا تھا۔“

”کیا حادثہ تھا جی۔“ پھر بے دار نے پوچھا۔

”میں یہ ایک معصوم سے سادہ سے قہیلے کے لوگ تھے اور یہ قہیلہ نٹوں کا قہیلہ کہن تھا، ہم لوگ ہانسوں پر اور رسوں پر باری گری دکھاتے تھے، میری

مراؤ میرے باپ اور میرے چچا قہیلے کے دوسرے افراد سے ہے، ہانسوں اور رس کی بازی گری سے ہمیں جو کچھ بھی حاصل ہوتا وہی ہماری روزی

کا اڑیہ ہوتا تھا، پھر ایک سرکس آیا ہم لوگوں کا قہیلہ بھی وہیں چلا گیا اور اپنے کھلی تماشے دکھا کر معمول کے مطابق روزی کما رہا تھا، خانہ بدوشوں کی

زندگی ہوتی تھی ہماری، قہیلہ ساتھ ہی ساتھ رہتا تھا، سرکس کا، لک کوئی، ناچی نامی آدمی تھا اور اس کے سرکس میں کچھ انگریز بھی کام کرتے تھے۔“

”کیا نام بتا دیں جی آپ نے سرکس کے، لک کا؟“

”ناچی ایک پارسی سیٹھ تھا۔“

”اوہو اچھا پھر۔“ پھر بے دار نے چوٹے ہوئے لہجے میں کہا، لیکن سوچا نے اس کے لہجے پر غور نہیں کیا تھا۔

”ناچی نے میرے چچا اور باپ کے کرتب دیکھے اور انہیں سرکس میں شامل کرنے کے بارے میں سوچا لیکن سرکس کے دو مگر بڑا ملازم جن میں سے

ایک کا نام پیڑ رو تھا اور دوسرے کا نام کاسٹر، میرے باپ اور چچی کی سرکس میں شمولیت نہیں چاہتے تھے، چنانچہ انہوں نے ایک وحشیانہ اقدام کیا،

ہمارے قہیلے میں میرے چچا اور باپ کی جھونپڑی کو آگ لگا دی گئی، اور انہوں نے میرے چچا کو ہلاک کرنے کے لئے اس کے دونوں پاؤں کھڑی

سے کاٹ دیئے آگ میں جل کر میرے باپ کا انتقال ہو گیا، کچھ عرصے کے بعد میری ماں بھی مر گئی اور میرا چچا ہمارا واحد کفیل رہ گیا۔ حالانکہ اس

کے دونوں پاؤں کٹے ہوئے تھے، قہیلے والوں نے اس کے ہاتھ میں بھیک کا پیالہ دے دیا، تاکہ وہ بھیک مانگ کر ہماری گز رہا کر سامان کر سکے، لیکن

فیور غلام شاہ نے بھیک کے اس پیالے کو کھینچ کر پھینک دیا اور اپنے پاؤں کٹے ہوئے کے باوجود اپنے آپ کو اس قابل بنایا کہ ہماری صحیح طور پر کفالت

کر سکے، کچھ لوگوں نے غلام شاہ کے عزم کو دیکھ کر اس کا ساتھ دیا اور قبیلے میں غلام شاہ نے یہ سرکس بنایا۔ پھر غلام شاہ اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے دن رات سرگرداں رہا اس کی زندگی کا صرف ایک ہی مقصد ہے، پیڑ روئے انتقام لینا۔ جس نے اس کے بھائی کو قتل کر دیا ہے، باہر کے لوگوں سے وہ سخت متنفر ہے۔ درمکی کو وہ اپنے درمیاں جگہ دینا نہیں چاہتا، کیونکہ اسے خدشہ ہے کہ کوئی دوسرا اس کے قبیلے کو نقصان نہ پہنچا دے قبیلے کے افراد بھی اس سرکس میں شامل ہیں اور غلام شاہ کے لئے کام کرتے ہیں۔ یہ ہے غلام شاہ کی تفصیل، بہر طور یوں سمجھ لو کہ میرا بچا ایک بے مثال انسان ہے، پافو سا کہنے ہونے کے باوجود اس میں اتنی پراسرار قوتیں پوشیدہ ہیں کہ شاید کوئی بھی اس کے بارے میں تفصیل سے نہ بتا سکے کہ وہ کیسی کیسی قوتوں کا مالک ہے، وہ عام انسانوں سے کہیں زیادہ طاقتور اور ذہین ہے، بہر طور کاش اس کی زندگی کا یہ مقصد مل ہو جائے۔“

”آپ نے مجھ کو کئی سنائی ہے دیوی جی۔ ویسے کیا آپ یہ بات بتا سکتی ہیں کہ آپ کے قبیلے کے سارے افراد آپ ہی کے ساتھ ہیں۔“

”نہیں دوست، ایسی کوئی بات نہیں ہے، بہت سے لوگ ایسے تھے جنہوں نے غلام شاہ کی تربیت قبول نہیں کی اور بدستور قبیلے میں رہے جبکہ غلام شاہ تو سرکس لے کر باہر نکل گیا تھا اور ان سے الگ ہو کر اپنا کام کرتا تھا، جن لوگوں نے اس کے ساتھ شامل ہونا چاہا وہ اس کے ساتھ شامل ہو گئے، باقی لوگ کہاں ہیں، یہ اب ہمیں نہیں معلوم۔ مگر تم نے یہ سوال کیوں کیا؟“

”یہی دیوی جی۔ بڑی عجیب کہانی سنائی ہے آپ نے، ہم تو بڑے متاثر ہوئے ہیں اس کہانی کو سن کر۔“

”ہاں یہ میرے خیور بچا کی کہانی ہے۔“

”آپ کو ایک بات پر حیرت تو ہوگی دیوی جی، مگر ہم آپ کو بتائے بغیر نہیں رہ سکتے۔“

”کیا؟“

”ہماری عمر کا ایک بڑا حصہ بھی ایک سرکس میں گزرا ہے۔ بہت عرصے کے بعد ہمیرا کے ساتھ شامل ہوئے، پہلے ہم اس کے ساتھ نہیں تھے۔“

”کیا مطلب؟“

”جس سرکس کی آپ نے بات کہی، کیا وہ انگلش سرکس نہیں تھا۔“ پیڑ روئے دار نے کہا اور سویا چونک کر اسے دیکھے گی۔

”جنہیں کیسے معلوم؟“

”سنتی رہو جی اس کے، لگ کا نام، فوجی تھا؟“

”ہاں!“

”جو کچھ تم نے کہا وہ سچ ہے دوست“؟

”جھوٹ بولنے کی کوئی وجہ ہو سکتی ہے کیا“؟

”نہیں۔ میرا مطلب ہے کہ کہہ دو۔۔۔ اوہ تم نہیں جانتے کہ تمہارا یہ انکشاف کتنا سسنی خیر ہے۔ کیا تم سب بھی پتا نام نہیں بتاؤ گے۔“
”اگر ہمارا انکشاف سسنی خیر ہے تو نام بتانا ضروری ہو جاتا ہے کیا“؟ پھر بے دار نے پوچھا۔

”غلام شاہ اس انکشاف پر اسنے الحامات دے گا کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔ اچھا یہ بتاؤ کہ تم سنے وہ سرکس کب چھوڑا تھا“؟
”جب حکیم جی کو مارا گیا تھا۔“

”کتنا عرصہ گزرا“؟

”آٹھ سال ہو گئے ہوں گے۔“

”سرکس کہاں تھا“؟

”ایران میں۔“

”سوئی نے اسے کب چھوڑا“؟

”چھ مہینے کے بعد۔“

”پھر تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ سرکس کا نام ڈریم بینڈ رکھ دیا گیا ہے۔“

”سب کچھ ہمارے سامنے ہی ہوا تھا۔“

”اس کے بعد تم اس سرکس سے چلے آئے۔“؟

”ہاں دیوی جی کیونکہ ہمیں معلوم تھا کہ حکیم جی کو پیڑرو نے مارا ہے۔ وہ ہمارے مالک کا بیٹا تھا“؟

”تم نے سوئی کو نہیں بتایا تھا۔“؟

”وہی تو بد نکلا۔ بزدل اور بےوقوف۔ بری صحبتوں کا آدمی تھا۔ ہم نے سوچا کہ ہم اپنے سرمسیت کیوں مول لیں بہت سمجھا یا سے پرندہ مانا۔ بس ہم نے بھی سب کچھ چھوڑ دیا۔“

”پھر تم یا نگر آ گئے“؟

”ہاں!“

”کیا تم نہیں کے رہنے والے تھے؟“

”رے ماں ری ماں۔ تم نے تو ہمارا دماغ خالی کر کے رکھ دیا دیوی جی، ارے سانس تو لو پوچھے ہی جا رہی ہو ایک کے بعد ایک بات، ایک کے بعد ایک بات۔“ پھرے وار نے کہا۔

”معافی چاہتی ہوں، تم نہیں سمجھتے کہ یہ سب کچھ میرے لئے کتنا حیرت انگیز ہے۔ شیخا یہ سنے گا تو خوشی سے پاگل ہو جائے گا۔ اسے انگلش سرکس کی تلاش ساری زندگی رہی ہے۔“

”سرکس پھر کبھی یہاں آئے گا بھی تو نہیں، یورپ ہی میں گھومتا رہا۔“

”تم بھی یورپ میں رہے؟“

”ہاں جی!“

”اس کے باوجود اب یہ زندگی گزار رہے ہو اتنا معمولی کام کر رہے ہو۔“

”زندگی تو یہ بھی بری نہیں ہے دیوی جی، ہم تو یورپ میں بھی یہی معمولی کام کر رہے تھے۔“

”میری عقل ساجھ نہیں دیتی۔ ویسے تمہاری گفتگو تمہارا لہجہ مجھے پہلے ہی شک میں مبتلا کر رہا تھا اور اور یہ میری خوش قسمتی ہے کہ تم وہاں موجود تھے جہاں مجھے قید کیا گیا تھا کسی ور میں یہ نیک نفس نہیں پیدا ہو سکتی تھی کوئی معمولی آدمی یہ ہمت بھی نہ کر سکتا تھا جو کچھ تم نے مجھ سے لئے کیا یہ تم جیسا آدمی ہی کر سکتا تھا ایک بات پوچھو برا تو نہ مانو گے۔“

”بھی شک حتمی باتیں پوچھی ہیں آپ نے، ان کا برا نہ مانو۔“

”تمہاری یہ آنکھ کیسے ضائع ہوئی؟“

”کسی سے لگا بیٹھے تھے دیوی جی۔“ چونکیدار نے شرماتے ہوئے کہا۔

”کیا کچھ بیٹھے تھے؟“

”آکھ؟“

”اوہ! ایک آنکھ لگا بیٹھے تھے۔“ سوچا ہنس پڑی۔

”لگایا تو دس تھا مگر چوٹ آکھ پر پڑی اور ایک ہارار بند ہو گیا۔“ پھر رے دار نے کہا دوسو تیا پھر ہنس پڑی۔

”جوب جوب کھلتے جا رہے، عجیب ہوتے جا رہے ہو۔ چھ لکھے آدنی معلوم ہوتے ہو ویسے تم لے مجھے مال دیا۔“
”کہاں، پیوی جی۔“

”آکھ پر چوٹ کیسے لگی۔“

”ہی جی کیوں عزت خراب کر رہی ہیں۔ مجھ پر کا جو تا پڑا تھا آکھ پر۔“ پھر رے دار نے شرما کر کہا اور سوتیا بری طرح ہنستی رہی۔ پھر یولی۔ ”تم میرے محسن ہی نہیں بہت اچھے انسان بھی ہو شفا سے کہوں گی کہ وہ تمہیں ہمیشہ ساتھ رکھے اور تم خود دیکھ لینا اسے تمہارے بارے میں معلوم ہوگا تو وہ خود تمہیں نہیں چھوڑے گا۔ وہ تو حیران رہ جائے گا تمہارے انکشافات سن کر، ساری زندگی اس نے پیڑ روکی تلاش میں بسر کر دی، اب جب اسے یہ سب معلوم ہوگا تو جہم دیکھ لینا تم سے بڑا دوست اور کوئی نہ ہوگا اس کا۔“

رات آہستہ آہستہ گزر گئی۔ صبح کو دونوں آگے سفر کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ ان اطراف میں کوئی نہیں نظر آ رہا تھا۔ پھر رے دار نے ایک بلند ٹیلے پر چڑھ کر دو دور تک لگا دوڑائی پھر ایک سمت متعین کر کے پیچھے اتر آیا اور اس کے بعد دونوں گھوڑے پر بیٹھ کر چل پڑے۔
”بھوک لگ رہی ہوگی، پیوی جی۔“

”ہاں لگ تو رہی ہے۔“

”یہاں ہماری دوستی آپ کے کچھ کام نہیں آئی۔ کھانے پینے کا کچھ بندہ دست نہیں کر سکے ہم آپ کے لئے۔“

”اس میں تمہارا کیا قصور ہے۔ تم خود بھی تو بھوکے ہو صرف میری وجہ سے تم نے ٹیبلر اسے دشمنی سوس لی ہے۔“

”ہم کسی کی دشمنی کی پروا نہیں کرتے، پیوی جی۔ ہاں دوستی ہمیں بڑی ہوتی ہے۔“ وہ بولا اور پھر چونک پڑا۔ ”اوہ کچھ کام بن رہا ہے۔“
”کیا ہو۔“

”یہ جگہ مجھ میں آ رہی ہے۔ بالکل آ رہی ہے ارے واہ۔ بالکل سمجھ آ رہی ہے، پیوی جی۔ وہ دو ٹیلے دیکھ رہی ہیں۔“
”ہاں۔“

”پچھاتی نہیں ہیں، پیوی جی۔“

”نہیں۔“ سونیا نے کہا اور پھر چونک پڑی۔

”وہ۔۔۔ ہاں بکھڑا نہیں آ رہا ہے اور میرے خدائے اس کے دوسری طرف ڈھلان ہیں اور۔۔۔ اور۔۔۔“

”اس کے بعد محنت کنگھ کا علاقہ ہے۔“

”علاقہ ہی نہیں۔۔۔ وہیں ہمارا سرکس ہے۔“ سونیا کا سانس پھوٹے لگا۔ ”جلدی کرو ذرا رفتار تیز کر دو۔“

”جی دیوی جی۔۔۔ بڑی جلدی آگئی یہ جگہ۔“

”وہ میلے کا میدان ہے وہیں میلہ لگا ہے اور۔۔۔ اور آہ کیا حال ہو گا شینا کا بدی حالت ہوگی اس کی تو۔۔۔ اور تم آخر پنا نام کیوں نہیں بتاتے مجھے کتنی الجھن ہو رہی ہے۔ شینا کے لئے تم کتنے اہم انسان ہو گے۔ تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ وہ ذرا تیز رفتاری رکرو گھوڑا دوڑاتے ڈر کیوں رہے ہو۔“ پھر یہاں نے گھوڑے کی رفتاری کچھ اور تیز کر دی۔ سونیا کا دل خوشی کے مارے پھن چلا ہوا تھا کتور جیت کی سادش ناکام ہو گئی تھی اور وہ محفوظ رہی تھی۔ اس جگہ کو وہ بخوبی پہچان گئی تھی سرکس یہاں سے بالکل سامنے تھا اور۔۔۔ اور۔۔۔ بالآخر وہ جگہ آگئی اور بلندی سے سرکس نظر آنے لگا۔ میلے کے نئے دکانیں وغیرہ بنانے والے بدستور کام کر رہے تھے۔ سرکس میں خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

”آپ کا سرکس آگیا دیوی جی؟“

”ہاں رک کیوں گئے۔ جلدی چلو۔“

”آپ کو تھوڑی سی تکلیف کرنی ہوگی۔“

”کیا؟“

”گھوڑا ہم لے جا رہے ہیں اس کی ضرورت ہے۔“

”ارے۔۔۔ اچانک تمہیں کیا ہو گیا، شینا کے پاس نہیں چلو گے۔“ سونیا کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

”نہیں دیوی جی۔“ وہ اداسی سے بولا۔

”کیوں۔۔۔ آخر کیوں۔۔۔ تم میرے ساتھ چلو، رچل کر تو دیکھو شینا تم سے مل کر کس قدر خوش ہو گا۔“

”کچھ اور کام بھی کرنے ہیں دیوی جی۔ بہت ضروری کام ہیں۔ موقع ملتا تو پھر بھی میں گے۔ آپ بروکر جلدی نیچے اتر جائیے۔ ہمیں دیر ہو رہی ہے۔“
”بلیئر کو تمہارے بارے میں معلوم ہو چکا ہے وہ خوشخبرہ آدی تمہیں رندہ نہیں چھوڑے گا کیوں اپنی زندگی خطرے میں ڈال رہے ہو۔ عجیب آدمی ہو اس سے پہلے تو تم نے ایک پارکسنگ واپسی کے لئے نہیں کہا تھا۔ شینا کو تمہاری ضرورت ہے وہ تم سے بہت کچھ معلوم کرے گا۔“

”جو کچھ ہم نے آپ کو بتایا ہے ہم اتنا ہی جانتے ہیں۔ آپ ہماری مجبوری کو سمجھ لیں میں اب ہماری واپسی ضروری ہے۔“ اس نے کہا سو نیا گھوڑے سے اتر گئی تھی اس نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

”تم نے مجھے داس کر دیا آخر ایسی کیا مجبوری ہے تمہاری۔ وہ سمجھ گئی اور تمہارے رشتے ناتے دار بھی تو ہوں گے۔ مگر اب میں تمہاری طرف سے ٹھکر مندر ہوں گی۔ اب بھی اپنا نام نہیں بتاؤ گے تم۔“

”آپ نے دوست کہا ہے دیوی جی۔ سنسا میں اس سے اچھا نام اور کوئی نہیں ہوتا لوگ کسی کو دشمن تو یک سنے میں بھی سمجھ بیٹے ہیں دوست بنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ اچھا دیوی جی چلتے ہیں۔“ اس نے اچانک گھوڑے کا رخ موڑ کر اسے ایڑ لگا دی اور سو نیا کے حلق سے ایک سسکی کی نکل گئی۔ اسے زندہ سلامت سرکس تک پہنچ جانے کی خوشی تھی لیکن اس پر اسرار انسا نے سے ابھا دیا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ نظروں سے واصل ہو گیا۔ سو نیا نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور سرکس کی طرف چل پڑی۔



پونم سنگھ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ جو کچھ ہو تھا اس کا تصور خواب میں بھی نہ کیا جاسکتا تھا اس نے۔ شکست سنگھ ان دنوں خون کے آنسو رو رہا تھا اور راون پیتل سنگھ کے علاقے کے رہنے والوں کی حالت زار پر اسے شدید دکھ تھا مگر وہ کسی حد تک مجبور تھا پونم سنگھ چونکہ اس کا خاص مشیر تھا اس سنے اس نے پونم سنگھ سے دل کی کوئی بات نہیں چھپائی تھی اور کہا تھا۔ ”میں نے اس لوگوں کے ساتھ غلط کیا ہے پونم سنگھ مجھے بڑا درد نہیں کرنا چاہیے تھا کچھ بھی ہو جاتا۔“

”آپ ان سے بات کریں مہاراج۔“

”کس سے، پیتل سنگھ اور راون سے۔ اس کا سایہ بھی مجھے نظر نہ آنے کا جو کچھ انہوں نے کیا ہے اس کے بعد بھی تم سمجھتے ہو کہ وہ میرے سامنے آئیں گے۔ یہ بھول گئے تم کہ وہ ہم سے جنگ کرنے کے لئے اسلحہ کٹھا کر رہے ہیں۔“

”آپ انہیں بد بیٹے تو مہاراج۔“

”ناگھی کی بات کر رہے ہو پونم۔ دو صرف فوجیں لے کر آئیں گے جنگ کریں گے ہم سے اور مرنے والے کون ہوں گے، وہ جو سب ہمارے ہیں۔ بھگوان کی سوگند اگر وہ دونوں ہمیں مل جائیں تو ہم اپنے ہاتھوں سے ان کے گلے کر دیں جو کچھ انہوں نے کیا ہے اس کے بعد ہمارے دل میں ان کے لئے نفرت کے سوا کچھ نہیں ہے۔ کسے کسے مار دیا انہوں نے وہ پنڈت دھاپے رام جی کرن اور نہ جانے کون۔ ہم جنگ ہی تو نہیں چاہتے

وہ تو دیکھنے والے ہیں بیٹکڑوں مردادیں گے کسی طرح وہ رہے ہاتھ آ جائیں تو سب ٹھیک کر میں ہم مگر یہ ناممکن کام ہے۔ دوسروں کے چنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ وہ رہے ہاتھ لگ جائیں پھر کسی کی مجال نہ ہوگی کہ مقابلے پر آئے اور ہو گا ہی کون۔ آویہ نہ ہو سکے گا۔ اگر ایسا ہو جاتا تو بہت کچھ ہو جاتا۔“ جگت سنگھ دایس تھا اور اس بات کو ناقابل عمل سمجھتا تھا مگر سرکس کے الوکھے لوگوں نے اس ناممکن کو ممکن بنا دیا تھا۔ راون سنگھ کو اس کی سرحد سے اغوا کر لائے تھے یہ اس کی فوجوں کے بچے سے۔ اور وہ دو منٹے سے کمزور سے انسان جنہوں نے بہترین کارکردگی دکھا کر ایک بار پھر پونم سنگھ کو مستحضر کر دیا تھا۔ اس سے پہلے بھی انہوں نے ایسا ہی کیا۔ ناقابل یقین کا رٹا۔ سرائیجہم دیا تھا۔ سرکس میں سب ہی ان جیسے ہیں۔

”پونم سنگھ جی!“ اکبر شاہ کی آواز نے پونم کو بچہ نکا دیا۔“

”جی مہاراج۔“

”میر خیال ہے چلتے ہیں ممکن ہے ان لوگوں کو کچھ مشکل پیش آ جائے اور وہ ابھی میں دیر ہو جائے آپ اپنے لوگوں کو ہوشیار کر دیجئے اور ہدایت کر دیجئے کہ اگر انہیں یہاں کسی مدد کی ضرورت ہو تو فراہم کی جائے۔ اس کے علاوہ ہوشیار رہا جائے۔“

”ٹھیک ہے مہاراج۔“ پونم سنگھ اکبر شاہ کی ہدایت کے مطابق عمل کرنے لگا۔ راون سنگھ کتنے کی سی کیفیت میں تھا اور اس کی قوت گویا بیسے ختم ہو گئی تھی۔ ساری تیار یوں کے بعد یہ بوگ واپس چل پڑے۔ اکبر شاہ بے پرواہی میں بھی۔ دن سنگھ کو اپنے قبضے میں رکھا تھا۔ پھر وہ راستے عبور کر کے سرکس پہنچ گئے۔ سرکس پر بدستور خاموشی طاری تھی۔ ہر طرف ایک دیرانی اور اداسی چھائی ہوئی تھی۔ یہ سب گھوڑوں سے اتر گئے اور پھر راون سنگھ کو شیخا کے سامنے پیش کیا گیا۔ غلام شاہ وہیل چیئر پر خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے اکبر شاہ کو دیکھ کر بے چینی سے کہا۔

”سوئی کہاں رہے رہے؟“

”وہ نہیں مل سکی شیخا۔“

”اور تے واپس چل آئی رہے۔“ شیخا کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔

”یہ کہتا ہے اسے سوئیہا کے بارے میں نہیں معلوم۔ وہ بلچر اس کے قبضے میں ہے۔“

”ایسی سرکس کون رہے؟“

”یہ راون سنگھ ہے۔ میں سے اس کی سرحد سے نکال دیا ہوں شیخا اب یہ سوئیہا کو یہاں بلائے گا تو اسے رہائی ملے گی ورنہ ہم ہم اسے لپکا سزا نہیں دیں گے کہ یہ مرنے کے بعد بھی نہ بھول سکے گا۔“

”وے اوی رہے حرام کھور۔۔۔ بڑھیلیں ہے رہے تے بھائی۔ اپنا حصہ لے نئی چا چاہے پر کام کچھ نہ کرنا آئے تو سے۔ گریب دگا کو بار بار کر سب کچھ چھین لٹی تے اے ارے ایسے حکومت کریں ہیں۔ کہاں ہے ہمارا سوتی بٹیا“

”میں نہیں جانتا۔۔۔“ راون سنگھ نے کہا۔

”چکر کر رکھ دئی حرام کھور تو کا۔ تو ہار چا چا، تو کا تا بھی سکتا ہارے ہاتھ سے۔“

”بکو اس مت کر دو کوڑی کے سرکس والے۔ تیری ادکات کیا ہے۔ تھوڑی دیر انتظار کر لے میرے ساتھی آتے ہوں گے تیرے سرکس کے ایک ایک کتے کو ہلاک کر دیں گے وہ، بس تھوڑی دیر رک جا۔“ راون سنگھ نے کہا۔ وہ خیمے میں موجود ہر شخص کا چہرہ خون اگلنے لگا مگر غلام شاہ فحش پڑ تھا۔

”ہارے ہا تیرے ساتھی۔“

”شیٹا۔ شیٹا بھیس جائزت دو۔“ ایسا دھرا کر بولا۔

”رے چپ کر دے اجا جنت۔ جاؤ ہار جاؤ۔“

”ارے بھائی پونم۔“

”جی شاہ صاحب۔“

”چا تو جگت کو بنا دے چا کر۔“ منتھجوا کی رسبہ جا بھائی۔ ارے تم لوگ کھڑے ہو رہے ہار چا، ہم بہت رسبہ۔“ غلام شاہ نے اپنے آدمیوں سے کہا۔ وہ جانتا تھا کہ کیا ہو سکتا ہے سرکس کے جو شیلے راون سنگھ کی بوئیاں بوئیاں کر سکتے تھے ان الفاظ پر۔ وہ سب آہستہ آہستہ ہار نکل گئے۔

”پونم سنگھ خود یہ حیرت ناک اطلاع لے کر جلد از جلد جگت سنگھ کے پاس پہنچنا چاہتا تھا چنانچہ جائزت ملتے ہی وہ فوراً ہار نکل آیا اور پھر اس کا گھوڑا زمین سے پیٹ لگا کر دوڑنے لگا۔ وہ ایسی ہی پہچان نیز کیفیت کا شکار تھا۔ اس کے ساتھی پیچھے رہ گئے تھے۔

”جگت سنگھ نے پریشانی سے پونم سنگھ کو دیکھا تھا۔ وہ حقیرانہ لہجے میں بولا۔

”تم دانیس آ گئے پونم۔ بہت بدحواس ہو خیریت تو ہے۔“

”جی مہاراج۔ چھٹا رہ گیا ہے۔ مہاراج معافی چاہتا ہوں۔ میری معاش خراب ہے، ڈراخو کو سنبھال لوں تو تھاکاں۔“

جگت سنگھ نے گردن ہلا کر پونم سنگھ کو بیٹھے کا اشارہ کیا تھا، پونم سنگھ بیٹھ کر گہری گہری سانسیں لیے لگا، تو اس نے کہا۔

”مہاراج ہم لوگ سرحد پار کر کے راون سنگھ جی کے علاقے میں داخل ہوئے، چھ دنوں میں پہرے دار موجود تھے، انہوں نے ہمارا راستہ روک لیا،

میں نے کہا کہ ہم جگت نگلہ جی کے بھیجے ہوئے ہیں اور راون نگلہ جی سے ملنا چاہتے ہیں، تو پھرے داروں نے منع کر دیا اور کہا کہ اندرونی علاقوں میں جانے کی اجازت نہیں ہے، راون نگلہ جی کو اطلاع کر دی جاتی ہے کہ جگت نگلہ کے ہر کارے آئے ہیں، پھر وہ لوگ اطلاع کرنے چلے گئے اور نبھانے مہاراج راون نگلہ کو کیا سوچھی کہ وہ خود بھی ان کے ساتھ سرحد پار چلے آئے اور انہوں نے ہم سے ہماری "مدد کی ہرج چرجی تو ہم نے انہیں اپنا مقصد بتا دیا جس پر راون نگلہ جی نے بہت سی باتیں کیں مہاراج ان کی تفصیل میں آپ کو بعد میں بتا دوں گا، انہوں نے یہ بھی کہا کہ سرکس کی لڑکی ہمارے پاس ہے، وہ اسے واپس کر سکتے ہیں، لیکن کچھ شرطوں کے ساتھ، مہاراج یہ ساری باتیں آپ کے لئے زیادہ دلچسپی کا باعث نہیں ہوں گی چونکہ اس کے بعد جو کچھ ہوا ہے، میں اس کی تفصیل آپ کو بتانا چاہتا ہوں۔"

"بتاؤ پوٹ نگلہ۔" جگت نگلہ نے سر دلچہ میں کہا۔

"یہ ساری باتیں پوری ہو رہی تھیں مہاراج کہ دفعہ بی غلام شاہ کے بھتیجے اکبر شاہ نے راون نگلہ کے گھوڑے پر چھوٹ لگا کی اور اسے قابو میں کر کے وہاں سے بھاگا۔ ہم لوگوں کو بھی بھاگنے کے لئے کہا گیا اس سے پہلے ان دونوں ننھے ننھے بولوں نے چھوڑ لی کے اندرونی حصوں میں نبھانے کس طرح خوفناک دھماکے کئے جس کی وجہ سے راون نگلہ کے آدمیوں میں افراتفری پھیل گئی اور وہ اس طرف دوڑ گئے، اس طرح اکبر شاہ راون نگلہ کو فوجاً کر کے لے آئے، عجیب افراتفری پھیلی ہوئی تھی وہاں اکبر شاہ کی اس حرکت سے ہم سب حیران رہ گئے تھے، وراہ راون نگلہ جی سرکس میں ہیں۔"

"کیا؟" جگت نگلہ کا منہ بھانڑ سا کھل گیا۔

"ہاں مہاراج، راون نگلہ سرکس کے قیدی ہیں۔ میرا مطلب ہے غلام شاہ کے قیدی ہیں۔" جگت نگلہ منظر بانہ انداز میں کھڑا ہو گیا تھا اس کی حالت بھی پوٹم نگلہ سے مختلف نہیں تھی اس نے تحیرانہ انداز میں کہا۔ "تھرا کہنا یہ ہے پوٹم نگلہ، تم بھی کہہ رہے ہو نا کہ راون نگلہ کو اس کی سرحدوں سے ٹھہرا کر لایا جا چکا ہے، اکبر شاہ راون نگلہ کو ہی لے آیا ہے؟"

"ہاں مہاراج وہ سرکس میں ہیں۔"

"ارے نہیں ارے نہیں۔ یہ۔ یہ۔ یہ۔" جگت نگلہ حیران لہجہ میں بولا اور پھر پوٹم نگلہ کے بالکل قریب پہنچ کر کہنے لگا۔ "راون نگلہ اس وقت ہماری سرحد میں ہے۔ غلام شاہ کے پاس۔"

"جی مہاراج، میری حالت آپ سے بھی زیادہ خراب ہوئی ہے، تباہ کام ہوا ہے مہاراج کہ سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا۔"

"اوہ۔ اوہ۔ واقعی یہ بہت بڑا کام ہے۔ مگر غلام شاہ، غلام شاہ۔"

”شاہ جی نے ہدایت کی ہے کہ میں آپ کو اس بارے میں اطلاع دے دوں۔“

”اوہ ہو پونم سنگھ، پونم سنگھ، بہت تیزی سے یہ صورت حال پیش آئی ہے، ہم تو اس کے لئے بندوبست بھی نہ کر سکے، یہ کچھ تو ہماری بھی خواہش تھی، سنو تم بھی اپنے آپ کو سنبھالو، جو کچھ تم نے کہا ہے گروہ سچ ہے تو۔ تو چانک ہی حالات بہ حد خوفناک ہو گئے ہیں۔ اچانک ہی۔ اچانک ہی۔ میں ابھی تیار ہو کر آتا ہوں اور تم سنو سنو تم جاؤ۔ فوری طور پر ساری تیاریاں مکمل کر کے اپنے زیادہ سے زیادہ فوجیوں کو سرحد پر پہنچا دو۔ سرحد پر پوری طرح ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ جاؤ فوری طور پر یہ بندوبست کرو، کھیل ایسا نہ کو کہ ہم بیٹھے رہ جائیں، اور ادھر کچھ ہو جائے۔ حارنگہ راؤن سنگھ کے ہمارے قبضے میں آ جانے کے بعد اس کے امکانات تو نہیں ہیں، لیس نہیں پونم سنگھ ہمیں ہمیں کوئی حماقت نہیں کرنی چاہئے، ہوشیار رہنا ہو گا ہمیں پوری طرح، جو کچھ جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے فوراً اس پر عمل کرو۔“

پونم سنگھ تو جگت سنگھ کی ہدایت پر عمل کر کے چلا گیا اور جگت سنگھ تیار ہو کر باہر نکل آیا۔ اس نے کچھ لوگوں کو ساتھ لیا اور باہر نکل آیا۔ باہر آ کر اسے بھلا کا خیاب آیا اور اس نے بھلا کو بھی ساتھ لیے کا ایصلہ کیا۔ بھلا کی رہائش گاہ پر پہنچ کر اس نے بھلا کو اور اپنے ساتھ چلنے کے لئے کہا۔ اور بھلا بھی ایک گھوڑا لے کر اس کے ساتھ چل پڑا۔

”خبریت تو ہے خدا کر؟ آپ کی حالت کچھ عجیب ہو رہی ہے۔“

”تم لوگ بھی کیا سوچے ہو گے بھلا کیسی مصیبت میں پھنس گئے تمہارا آدمی بھی کجخت بلہہ اکا شکار ہو گیا۔ مگر بھائی تم خود سوچو میری دوش ہے۔“

خدا کر جگت سنگھ نے کہا۔

”کیسی باتیں کرتے ہو خدا کر، تم میرے دوست ہو۔ تمہاری پریشانی میری پریشانی ہے۔ مجھے کوئی پروا نہیں ہے تمہارے حالات ٹھیک ہو جائیں تو مجھے خوشی ہوگی۔“ بھلانے کہا۔ پھر بولا ”اور کوئی خاص بات ہے کیا؟“

”ہاں انوکھی خبر دی ہے پونم سنگھ۔ میں نے اسے غلام شاہ کے آدمیوں کے ساتھ راؤن سنگھ کے علاقے میں سونپا اور کنور کے سسے میں بات کرنے بھیجا تھا۔ غلام شاہ کے آدمی بھی گئے تھے۔ مگر وہ جیلے اس علاقے کے حکمران کو ہی اغواء کر کے آئے۔“

”کیسے؟“ بھلانے حیرت سے پوچھا۔

”راؤن سنگھ کو خدا ہے اکبر شاہ نے۔ اس کی فوجوں کے بیچ ہے۔“

”اوہ ہائی گورڈ“ بھلا کا منہ قہقہے سے کھل گیا۔

”یہ لوگ انسان نہیں تھے بلکہ ناقابل یقین کارنامے انجام دیتے ہیں۔ یہ نگر کی تاریخ بھی بدسجائی کی۔ تاکہ اکام کر دکھایا ہے اکبر شاہ نے کہ میں اپنی فوجوں کے ساتھ بھی ایسا نہ کر سکتا تھا۔ تاکہ غور خرابہ ہوتا اس کوشش میں کہ زمین سرخ ہو جاتی۔“

”سب کیا ہو گا تھا کر۔۔۔“ بھلا نے کہا۔

”یقین کر لوں پہلے۔ اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں راؤں نگہ کو۔ پھر تم سے یہ کہوں گا کہ یہ بہت بڑا کام ہوا ہے۔ سینکڑوں انسانوں کی زندگی بچ گئی ہے۔ غلام شاہ نے اکابر احسان کیا ہے ہم پر کہ کہ نیا نگر کی تاریخ اس کی احسان مند ہے گی۔ اگر راون ہمارے ہاتھ آ گیا تو یوں سمجھو تیل کے بھی پاؤں ٹوٹ گئے۔ اکابر وہ کچھ نہ کر سکتے گا۔ ہمیں یہی خطرہ تھا کہ وہ دونوں مل کر ہی ہمارا مقابلہ کریں گے۔ تیل نگہ پھر بھی کمزور اور سیدھا ہے مگر راون اور بھلا اور۔۔۔“ سرکس سامنے آ گیا تھا۔

جگت نگہ نے غلام شاہ کے خیمے میں راون نگہ کو دیکھا۔ وہ خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ غلام شاہ نے کہا۔ ”آؤ آؤ ٹھاکر بھتیجوا۔“ کی گئی ہے تو ہو۔ مل کر بھتیجوا ہے

راؤں نگہ نے نظر یہ انداز میں جگت نگہ کو دیکھا اور بولا۔ ”تو کرائے کے فوجی بلائے میں تم نے چا چا ٹھاکر اپنے بھتیجوں سے جنگ کرنے کے لئے۔ یہ تمہاری آرمی ہے۔ راون نگہ نے کہا۔“

”ججے اپنا خون کہہ کر شرم آتی ہے راون۔ اس دن کے لئے تم دونوں بڑا راجا ہے ججے اس طرح حکومت کرتی تھی تمہیں۔“

”ہمارے اندرونی معاملات ہمارے ہیں چا چا ٹھاکر۔ اور تمہیں ان میں دخل نہیں دینا چاہئے۔“ راون نے کہا۔

”ارے بھائی تھا کہ تو ہمارا سیاست تو ہار حوئی مال ٹھیک رہے گی۔ اپنے بھتیجوا سے پوچھ لے ہمارے بھائی کہاں ہے۔ ہم نے پوچھنا شروع کر لی رہے تو ہو سکتا ہے سب ری سیاست کھتم ہو جاتی ہے۔“ غلام شاہ نے کہا۔

مگر ابھی اس نے بات پوری بھی نہ کی تھی کہ باہر سے شور و غل کی آوازیں سنائی دیں۔

”سونیا آگئی۔ سونیا آگئی۔“

غلام شاہ جھل پڑا اس سے برق رفتاری سے وکیل چیز آگے بڑھائی اور خیمے سے باہر نکل آیا۔ جگت نگہ اور بھلا بھی بے اختیار باہر لپکے تھے۔ راون نگہ خیمے میں تھا رہ گیا۔ وہ بری طرح تھلا رہا تھا کیونکہ یہاں لا کرا سے ایک کرسی پر بیٹھ دیا گیا تھا اور اس کے ہاتھ پاؤں کس دیئے گئے تھے بہر حال اس خوفناک صورت حال کا اسے احساس تھا۔ ادھر باہر ٹکٹے دانوں نے سونیا کو دیکھا جسے سرکس کے لوگوں نے گھیر رکھا تھا اور اسی طرف لا رہے تھے۔

غلام شاہ بے اختیار ہو گیا اور سونیا کی طرف پٹکا۔ سونیا بھی دوڑ کر اس کے قریب آ گئی تھی۔ غلام شاہ نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑے۔ اس کے چہرے کے نشوونما پتھر اٹھ گئے تھے۔ اور اس کی آنکھیں سونیا کو گھور رہی تھیں۔ سونیا نے آگے بڑھ کر غلام شاہ کی گردن میں ہاتھیں ڈال دیں۔

”سونی... سونی بیٹی...“

”ہاں شیخا... میں تمہاری بیٹی ہوں۔“ سونیا نے جواب دیا اور غلام شاہ کا چہرہ کھل اٹھا اور وہ پر مسرت لہجے میں چینا۔

”اے رہے حرام کھور سے لے رہے پیر الفت ہے تو ہار رہا کر ہونے پر آری بیٹا اندر آ جی ہے۔ ارے اکبر! اکبر! ارے جے بھی آئی جا پیرا گلے لگ جی ہو رہا رہے، ادبھائی ٹھکرا، ہارائی مٹی رہے تو ہار پیرا حرام کھور ہمارا بیٹا ہے۔ ارے ہار گئی رہے سرور!“ غلام شاہ شور مچانے لگا۔ بھلانے ٹھاکر جگت سنگھ کو دیکھا اور بولا۔

”تم نے کچھ محسوس کیا تھا کر...؟“

”ہاں بڑے پراسرار اور انوکھے لوگ ہیں یہ بازگیر غلام شاہ نے اپنی بھتیجی کا چہرہ دیکھ کر کچھ اندازے لگائے اور لڑکی نے کہا۔ میں تمہاری بیٹی ہوں گویا اس نے کہا کہ اس کی ”آبرو محفوظ ہے۔“ کتنا تھپا رہے نہیں ایک دوسرے پر۔“ جگت سنگھ نے کہا۔

”بالکل سچی بات ہے شاہ کر...“

”میں نے پہلے ہی کہا ہے بعد یہ کسی انوکھی دنیا کے لوگ ہیں، ان میں سے چند راویں سنگھ کی سرحدوں سے علاقے کے حکمران کو اغوا کر لائے اور ایک لڑکی بلپور اچھے شیطان کے قبضے سے نکل آئی۔“

”نہ جانے کنور کا کیا ہوا۔“ بھلا صاحب نے کہا۔

”ارے ہاں وہ ساتھ نہیں ہے مظلوم کو اس کے بارے میں۔“

”مظلوم کروں گا بھی مناسب نہیں ہے۔“ غلام شاہ سونیا کے ساتھ اپنے خیمے میں آ گیا۔ اندر راویں سنگھ کو، کچھ کر وہ خیمہ پڑا۔

”ارے ادبھائی ٹھاکر جگت! ای سرور ہار پیرا ہے کھوس کسمت کھوس سلامت رہ گئی مسرری پڑیا پتا تو کھدا کسم ہم سو جی رہے کہ اس کی کھال اتار کر تو کاوے دی ہے۔ ارے ای کا بول رہے ستاتے تے“

”کیا کہہ رہا تھا شاہ جی“

”بولت سرور! کہ دوئی کوڑی کے سرکس والے حیرتی ادکات کا ہے ارے ہم کا دکھائی ہے ای کو اپنا ادکات ساری سیاست ہی کسم ہونی گئی۔ ای

بولت، ہی کے ساتھی آتے ہوئیں گے ارے تھا کرتائی ہم کا چند پہنچادیں ان کا تیرے پاس مردہ۔“
 ”تم فکر مت کرو شاہ جی تمہیں تکلیف نہیں کرتی پڑے گی کسی نے ادھر کا رخ کیا تو زندہ واپس نہیں جائے گا۔“
 ”دھت تیرے کی سر بڑے بود سے نکلے ی تو۔“

”ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں شیخا۔“
 ”جرو پوچھو پھر اکا بات رہے۔“

”کیا میں اسے اپنے ساتھ لے جاسکتا ہوں۔“ جگت سنگھ نے راؤن سنگھ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔
 ”اگلی چاہی سوئی آگلی اب ہم اسی کا کرت رہیں گے لے جا اور کوئی سنگا تا جو تو کا ادھر سے تو کھلو ادنی ہو۔ ہم تم کو لادیں گے سب رہے تھا کر
 تو رے پاس جمع کر دئی ہے۔“

”چا چاٹھ کر بھگلوں کی سوگند یہ سرکس یہاں سے و پس نہیں جاے گا۔“ راؤن سنگھ نے کہا اور غلام شاہ نے تہتہ لگا۔
 ”ناجائی ہے ہوا۔ ناچائی ہے۔ ماں پائی ادھر مل جائے ہے تو ہم کا ہے ہا دیں گے رہے۔ لے جاٹھا کر اس دورے کو سے تا تو ہمارے بند رہی ی
 کا نوچ کر پھینک دئی ہے۔“

”میں اسے لے چا رہا ہوں شاہ صاحب بہت جلد حاضری دوں گا۔ تمہارے پاس، سونیا سے مجھے بھی بہت سی معلومات حاصل کرتی ہیں۔ بھلا
 صاحب آپ آئیں گے۔“ ٹھا کر جگت نے کہا۔

”جی ہاں نہ کر صاحب اگر آپ اجازت دیں تو میں کچھ دیر شاہ صاحب کے پاس رک جاؤں۔“ بھلا صاحب نے کہا اور جگت سنگھ نے گردن ہا ری
 پھر وہ راؤن سنگھ کو اپنے ساتھ لے جانے کی تیاریاں کرنے لگا۔ راؤن سنگھ مسلسل مصلحتات یک رہا تھا اور جگت سنگھ کو دھمکیاں دے رہا تھا۔ جگت سنگھ
 نے اس کی کسی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اپنی بڑی بے عزتی محسوس کر رہا تھا۔ خاص طور سے اس تصور کے ساتھ کہ راؤن سنگھ اس کا بھتیجا بھی تھا۔
 تھوڑی دیر کے بعد راؤن سنگھ قیدی کی حیثیت سے جگت سنگھ کے آدمیوں کی گھرائی میں چل پڑا۔ دھر پونم سنگھ سرحدوں پر اتنا انتظامات میں مصروف تھا
 کہ راؤن سنگھ کے انواء ہو جانے کے بعد کہیں اس کی طرف کے لوگ پورش نہ کریں وہ چاروں طرف تاکہ بندیاں کر رہا تھا اور تمام مسلح فوجیوں کو
 سرحد پر پہنچا دیا گیا تھا۔ اکبر شاہ، ایاز اور دوسرے تمام لوگ غلام شاہ کے نیسے میں موجود تھے۔ بھلا صاحب بھی تھے سونیا بیٹی تھی غلام شاہ نے کہا۔

”سونیا بیٹی تو اسی بتا کا تو تھک گئی رہے آرام کرنا چاہتا تو آرام کرن بعد ماں تو سے بات کر لئی ہے۔“

”نہیں شیخا میں ٹھیک ہوں کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کا نکل ٹھیک ہوں۔“ سونیا نے جواب دیا۔

”تو پھر تے وی بتا بیٹا کہ حرم مہکورد بطیر اتو کا کیسے لے گئی رہے۔“ سونیا نے ادھر دیکھ بھرا آہستہ سے بولی۔

”دراصل اس سلسلے میں بطیر کا ہاتھ تو تھا لیکن نہایت افسوس کے ساتھ میں یہ بات کہنے پر مجبور ہوں کہ اس ساراش میں کنور جیت سب سے آگے رہا ہے۔“ بھلا صاحب بری طرح چھل پڑے تھے۔ وہ بچی بچی نگاہ سے سو یا کود کچر رہے تھے ورکشش کے باوجود ان کے منہ سے ایک لفظ نہیں نکل رہا تھا۔ اکبر شاہ نے ابدت چونک کر غرتے ہوئے بچے میں کہا۔

”کیا مطلب کنور جیت۔“

”اے اکبر بیہا چوری کہانی سنائی پڑے گی آپ کو سب کے سامنے ہی سنا دوں۔“

”وری کا کہانی رہے سنا، عجیب بات کہی تے نے ارے ہاں بھائی بھئی ادو تو ہار کنور جیت نا آئی ہے۔ اری او کہاں ہے وری سنا اور وری کا کہت رہے تو کہ اس نے، اس نے۔“ غلام شاہ بھی متحیر اندہ اندر میں بونا، سونیا کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں اس سے آہستہ سے کہا۔

”ہاں شیخا اس ساری ساراش میں کنور جیت کا ہاتھ پیش پیش رہا ہے۔ میں اس سلسلے میں ایک بات سب سے پہلے کہے دیتی ہوں وہ یہ ہے کہ بھلا صاحب نہایت شریف انفس نسات ہیں اور ان سارے معاملات میں ان کا کوئی قصور نہیں ہے۔ ان کی جانب کوئی میلی نگاہ نہیں اٹھنی چاہئے۔ ہمارے ارد گرد جے شمار لوگ ہوتے ہیں ان کی ذہنیتیں طرح طرح کی ہوتی ہیں اگر ان میں سے کچھ افراد پر سے نظر آئیں تو اس کی ذمہ داری دوسرے افراد پر نہیں ڈالی جاسکتی بھلا صاحب بڑی عجیب و غریب کہانی سنا رہے ہوں میں آپ کو بات دراصل یہ تھی کہ آپ کا بیرو ایک گندی فطرت اور گندی ذہنیت کا مالک تھا۔ بے شک آپ کی فلمی دنیا میں اس کا ایک مقام ہوگا ور لوگ اس کی بے پناہ عزت کرتے ہوں گے لیکن درحقیقت وہ عزت دار نہیں تھا بلکہ بہت ہی کمبخت انسان تھا۔ آپ لوگ ہمیں راستے میں ملے بھلا صاحب ہمیں خوشی ہوئی کہ یہ بھگڑی طرف جاتے ہوئے اٹار رہا تھا آپ لوگوں سے ہو گیا۔ آپ نے سرکس کے کچھ مناظر شوٹ کرنے کے بارے میں خواہش کا ظہر کیا۔ ہم لوگ خوشی سے تپا ہو گئے۔ بہر طور کوئی بھی پیشہ برا نہیں ہوتا۔ آپ کا تعلق بھی شو بزی دنیا سے تھا اور ہم بھی ایک طرح سے آپ سے متعلق ہی تھے۔ کنور جیت ہم لوگوں کے درمیان ناگھل مل گیا اور اس نے اس طرح بچنی چڑی باتیں کہیں کہ ہم نے اسے ایک اچھا انسان تصور کر لیا لیکن یہ کچھ عرصے کے بعد انکشاف ہو، کہ اس کی فطرت گھناؤنی ہے۔ وہ حد سے زیادہ خود پسندی کا شکار ہے اور اس نے اپنی دانست میں میرے کچھ مناظر کا کر مجھے بہت زیادہ ہار عزت بنا دیا تھا۔ اس نے مجھے بہت سی پیشکشیں بھی کی تھیں اور کہا تھا کہ وہ فلمی دنیا میں مجھے متعارف کرا کے بہت بڑا مقام دلادے گا۔ ظاہر ہے بھلا صاحب ہماری

اپنی ایک دنیا ہے اور ہم اس دنیا میں مطمئن ہیں۔ اسنے طرے سے ہمارے ساتھ رہ کر آپ نے یہ مدد دے لگا یا ہوگا کہ ہمارا اپنا ایک مقام ہے اور ہم لوگ وہاں اپنے آپ کو کسی طور کسی سے کم نہیں سمجھتے تاہم کنور کی باتوں کو اس حد تک برداشت کر لیا گیا کہ وہ آپ کا ساتھی تھا۔ پھر اس نے مجھ سے کچھ قسم کی باتیں کیں کہ اس کی گندی شخصیت سامنے آگئی اور میں نے اسے نظر انداز کر دیا۔ اس بات سے دو چڑ گیا۔ اس کے خیال میں اس کا ایک اشارہ دنیا کی ہر لڑکی کو اس کا دیوا بنانے کے لئے کافی ہوتا تھا میں نے اس پر تھوک دیا اور وہ مجھ سے انتقام لینے پر تل گیا۔ اس نے بھی یہ غارتہ ہونے دیا کہ وہ ہمارے لئے دل میں کیا بغض رکھتا ہے اور پھر اس انتقام کی دیو گئی میں اس نے ہر طرح کے مجرمانہ اقدامات شروع کر دیئے۔ بھلا صاحب آپ کے ساتھ جو حسن اور پیغمبر چائے دوسرے افراد کے وہ مجرمانہ کارروائی سرانجام دے رہے تھے جو اسلئے کو یہ گرتیک پہنچانے کے سلسلے میں تھی۔ آپ پر اس راز کا کشاف ہوا اور کنور جیت کو بھی یہ بات معلوم ہوگئی۔ کنور جیت بے شک اس معاملے میں شریک نہیں تھا لیکن اس نے صرف مجھ سے انتقام لینے کی غرض سے جو حسن اور پیغمبر کو اپنے ساتھ ملا دیا اور جب وہ دونوں یہاں پہنچے تو کنور جیت نے انہیں آپ کی قیام گاہ ہی کے ایک حصے میں پوشیدہ کر دیا اور وہ ان کی ضروریات کا خیال رکھنے لگا۔ پھر اس نے نوکیشن دیکھنے کے بہانے ہر نکل کر کسی طرح ڈاکو بھی اسے رابطہ قائم کیا اور اس سے معاہدہ کر لیا کہ وہ اس کے لئے خبری کرے گا اور تمام کام کرے گا اور اس کے نتیجے میں ڈاکو بھی اس کی مدد کرنا ہوگی چنانچہ بھلا صاحب ڈاکو بھی انے یہاں چند افراد کو بھیج دیا جو گھوڑوں کے تاجروں کی حیثیت سے یہاں اپنے لئے جگہ بنانے لگے اور اس شام جب میں شیرا کے ساتھ سیر کرنے گئی تو وہ لوگ اپنا کام کرنے کے لئے تیار تھے کنور جیت نے بھلا ہر یہ غارتہ کیا کہ وہ ان لوگوں کے خلاف ہماری مدد کرنا چاہتا ہے لیکن منصوبے کے تحت اسے بھی اغواء ہو کر میرے ساتھ بلیئر کی قہرل میں پہنچا جاتا تھا تاکہ اپنے ناپاک ارادوں کی تکمیل کر سکے اور وہ اس میں کامیاب رہا۔ مجھے یہ ہوش کر کے اغواء کر لیا گیا تھا۔ بعد میں مجھے ایک غار میں ہوش آیا جہاں کنور جیت بھی میرے ساتھ موجود تھا پہلے اس نے یہ اظہار کیا کہ اسے بھی میری مدد کرتے ہوئے اغواء کر لیا گیا ہے بعد میں میرا دلالت حاصل کرنا چاہا تو میں نے اسے ڈانٹ دیا۔ جس کے نتیجے میں جے پٹا ہو کر وہ کھل گیا اور اس نے اپنی کہانی خود مجھے شادی بھلا صاحب وہ کمینہ مفت انسان دن غاروں میں ہے ہمدرد رکھتا تھا اور ان کی مدد سے مجھ پر برتری حاصل کرنا چاہتا تھا لیکن معاملت ہو گئی اور اس کے نتیجے میں میں نے اسے اس کے دونوں کان اور ناک سے محروم کر دیا اور اب وہ انہی غاروں میں پڑ ہوا ہے اور اس کی ناک کافی کاٹی جا چکی ہے اور دونوں کان کٹ گئے ہیں میں نے اسے اس کے شایان شان سزا دے دی ہے۔“ سونپانے تفصیل بتائی اور ہر شخص سناسنے میں رہ گیا۔ دیر تک گہری خاموشی طاری رہی پھر اچانک غلام شاہ اس پڑا۔

”رے واہ رکی واہ بیٹا ناک کاٹ دی سسر کی، رے واہ رے بھلا تو بارہیر داب نکلا اور کن کتا ہوئی گوی۔“ غلام شاہ قہقہے لگانے لگا ان قہقہوں میں

ایک وحشیانہ غر بہت قبیح تھے بعد کا پورا بدن پسینے میں ڈوب گیا۔ اس کے جسم میں قہر قہری پیدا ہو گئی تھی اور آنکھیں جھک گئی تھیں غلام شاہ نے اس کا چہرہ دیکھا اور آگے بڑھ کر اس کے قریب پہنچ گیا۔

”دیکھ بھائی بھئی ہمارا بیٹا ہم سے پیسہ کہہ چکی ہے کہ اس بات میں حیران کھور ہا رہا ہے اگر تو نے ایسے سگل بنائی تو کھدا قسم ہم کا دکھ ہوئی ہے۔ ارے ارے لوگ جتنے لوگ ہیں سب مل کر جوتی ہے تو کوئی کا کرے۔“ پر بھیجا بہت بد معاش رہے تو ہارے کنور جیت۔“

”شاہ صاحب میری بد قسمتی ہے کہ یہاں آئے کے بعد مجھے دست کے سوا اور کچھ نہیں ملا۔ میری بہت بڑی بد قسمتی ہے میں سب کے سامنے نالیں دھو رہا ہوں اور میرے آدمی ٹھا کر جگت لگھ کے خلاف کارروائی کر کے مجھے اس کی ٹکا ہوں میں ڈیل کر چکے ہیں اور ادھر کیسے کنور جیت نے یہ ساری کارروائی کر ڈالی۔ وہ بہت اچھا ہیر تھا بہت اچھا ہیر تھا بڑی عزت، بڑا مقام تھا اس کا لیکن اس کی ذات شاید جیسی نہیں تھی کوئی کم ذات آدمی تھا وہ بہر حال اس نے اپنا مقام خود دکھو دیا اور اپنے ہی ہاتھوں سزا پالی۔ میں آپ سے بہت شرمندہ ہوں۔ شاہ صاحب اتنا شرمندہ ہوں کہ آپ کے سامنے ٹکا نہیں بھی نہیں اٹھ سکتا۔“

”نا بھلا ہم کہہ دی تو کاتے بڑھیا آدمی رہے کنور سر تھے بے عزت کرے ہے۔ پر تو ہماری نظروں میں اتنا ہی عزت دار ہے رہے بس دل میلانہ کر جو ہوئی گواہ ہوئی کہ ہمارا بیٹا آگئی ہے اس ہم کا کونوں فکر نہ رہے دوسرا اہلہ کی بات رہی تو اس نے ہم کا ای بتائی دی ہے کہ اوئی کھراٹھ کر رہے کھوٹ ہے اس کی جات میں بس چھوڑاں باتس کو جتے ہار دوست رہے بعد گلام ساہا دو تکی بھا نا جانت سہے۔ سو یا تو ہار بیٹا بھی ہے اری اوری سونیا تو ناہیں بولت کا بعد بیچا رہے کا کا قصور ہے اس ماں۔“

”میں نے تو پیسے ہی کہہ دیا ہے شیخا بھلا صاحب سے اور آپ مجھے کوئی افسوس بھی نہیں رہا کیونکہ میں نے کنور جیت کو بہترین سزا دے دی ہے باقی مجھ پر قابو پانا تھا آسان بھی نہیں تھا وہ بہت بچا نشان ہے اس نے ہر طرح سے فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔“

”بس اب تو آرام کر اپنے خیمے میں ہم جڑ اپنے دوست سے بات کرنی ہے۔“ غلام شاہ نے کہا اور سونے کے ساتھ دوسرے تمام لوگ بھی ہر نکل گئے بھلا کا چہرہ، ترا ہوا تھا اس نے افسوس بھرے سچے شہ کہا۔

جوسن اور پیر کیمت جوسن اور بیٹے تو رہے نکلے ہی تھے لیکن کنور جیت کا مجھے بے حد افسوس ہے۔ بہر حال شاہ صاحب میرا یہ کام تو چھوٹا ہی تھا۔ اب بھلا کیا یہ قلم ریلیر ہوگی میں اسے کیسے کھل کروں گا۔ خیر مجھے فکر نہیں ہے یہ نفع نقصان کے سودے تو چلتے ہی رہتے ہیں میں ایک بار آپ سے پھر شرمندگی کا اظہار کرتا ہوں۔“

”رے چھوڑ بھائی کا ہے ہمارا کھوپڑیا گھمات ہے سرمندگی سرمندگی اورے بھی ہم کہہ دئی کہ تو کا، تو کا سرمندہ ہونے کی جدورت رہے بس اب یہ بات چیت کھتم اسے بتا ہمارا کہ بچا رے جگت گنگہ کا کا ہوئی ہے۔“

”جگت گنگہ۔“

”بھتیجیوا بھڑی گیا پ کا کرے گا اور بھتیجیوا کا۔“

”یہ اس کا مسئلہ ہے شاہ صاحب بہر حال اب جو بھی ہوگا دیکھا جائے گا۔“

”جے جہرا معلوم کر دو رہن جگت گنگہ کو ہماری جدورت ہو تو اسے بویہ کہ وہ ہم سے بات کر لے تکلف نہ کرے۔“

”ٹھیک ہے شاہ صاحب ویسے ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔ کتور جیت نے ہی اس پانچوں آدمیوں کو پکڑا یا تھا مگر نہیں ٹھیک ہے میں سمجھ گیا وہ اپنی پوزیشن صاف کرنا چاہتا تھا۔ چھ جیر میں چلے ہوں آپ بھی در او شیا رہئے۔“ بھلا صاحب نے کہا۔

”رے اب نا ہوئی گایا ہم کا کا معلوم رہے کہ ہمیں اس طرح بھی کام کر سکتے اب سب دیکھ لئی ہے تو ہنکرنہ کر بات کری ہے تو کا کچھ دیر بعد غلام شاد نے کہا۔ ہلا خربلا بھی وہاں سے رخصت ہو کر چل پڑا اس کے باہر نکل جانے کے بعد غلام شاہ دیر تک سوچ میں ڈوبا رہا پھر کرسی دھکیلا ہوا باہر نکل گیا۔ سرکس پر چھاپا ہوا سوگ شتم ہو گیا تھا سوٹیا کے ساتھ زندگی لوٹ آئی تھی تمام کام جاری ہو گئے تھے۔ غلام شاہ سوٹیا کے خیمے میں پہنچ گیا، اندرا کبر شاہ بھی موجود تھا۔

”اورے ہم آ جی ہے گا۔“ غلام شاد نے آواز لگائی۔

”آ جاؤ شیخا۔“ اندر سے سوٹیا نے کہا اور غلام شاد اندر داخل ہو گیا دونوں بہن بھائی مسکرا رہے تھے۔

”مولاتم دونوں کا کھس رکھے۔ ہمارا تو کلیجو ہی نکل گئی ہے سوٹیا۔“

”شیخا کبر بھیا را دن گنگہ ہی کو نھلائے۔“ سوٹیا ہنس کر بولی۔

”کا ہے نا اٹھائی ہے سرسڈا کو کو۔ مولد کسم اگر ہم سرکس کو نیا مگر پر چھوڑ دیں تو کا پوسٹ ہو جائے نیا مگر کی اورے کبر ہا رچنگ منک نا آئی ہے بھونک۔“

”آ جا ئیں گے شیخا کسی لیے راستے پر نکل گئے ہوں گے ویسے شیخا یہ نیا مگر کے ہاسی جسے دہیں نہیں ہیں اندازہ لگا چکا ہوں۔“

”بے چارہ جگت گنگہ سر بھرا آ دی ہے، ادھر بھڑی بی مشکل ماں پھنس گیا، تم دونوں کا ہاتھیں کر رہے تھے۔“

”میں بھیا سے راون سنگھ کے بارے میں پوچھ رہی تھی۔“

”ہاں رہے اکبر، تے اب بتائی کا کری ہے۔“

”دل تو چاہتا تھا شیخا کہ نیا گھر میں تباہی مچا دوں تمہارا خوف تھا سب بھی میں چھوڑ دوں گا نہیں ان دنگوں کو جنہوں نے میری بہن پر ہاتھ ڈالا تھا۔“ امگر سے کچھ ہو جاتا تھا۔“

”ارے کیسے ہو جاتا کچھ۔ ساری جہد گانی لٹا دی ہے تم دونی پر اتنا کچھ۔ چھوڑی رہے تم کا کہ کو دوسرا سانی سے قابو پاتی ہے پر تے برا کام کیا بھی کی سرکار اس کے آدمیوں کے سچ سے اٹھائی ہے ارے خطر دا ہو سکتا تھا تے نے ای کرا کیسے۔“ غلام شاہ نے پر مسرت انداز میں پوچھا اور اکبر شاہ قاتلے لگا کہ کس طرح ان لوگوں نے سرحد عبور کر کے راون سنگھ کے آدمیوں سے کہا کہ وہ راون سنگھ سے ملنا چاہتے ہیں اور انہیں اس کی اجازت نہیں دی گئی تب اکبر شاہ نے ہچکو اور منگو کو اپنے منصوبے سے آگاہ کیا اور انہوں نے وہاں حول بیہ کر دیا جس کی بناء پر راون سنگھ کو اٹھ لانے میں آسانی ہو گئی، غلام شاہ سرور انداز میں یہ گفتگو سن رہا تھا پھر اس نے کہا۔

”بڑا بڑھیا کام کر دئی ہے تے نے اکبر اور ہمارا سونا بنوا اور ادنیٰ حرام کھور کر جیت، ہم اکا یہ نہ سمجھت رہے یز کیست رہے وہ تو، پر تے نے ٹھیک کہا، دو سر کو ای سچا (مزا) دے دی کہ ہماری عمر ساری جہد گانی پا ور کھے۔“

”شیخا میں نے آپ کو جو کچھ بتایا وہ بھی غلط نہیں ہے لیکن بھی تک میں آپ کو اس ایک فونکی شخصیت کے بارے میں نہیں بتایا جس نے میری بھر پور مدد کی ہے دراصل تھوڑی سی تفصیل بتانا ہوتی رہ گئی ہے وہ یہ کہ جب مجھے ہوش آیا تو میں نے کنور جیت کو اپنے قریب آتے دیکھا تو نہانے کیوں میرے ذہن میں یہ بات نہیں آئی کہ کنور جیت کے ساتھ بھی وہی سب کچھ ہو جو وہ کہہ رہا ہے پھر شیخا دو آدمی ہمارے لئے کھانا لے کر آئے اور میں نے ان کی ہڈی کر دی جس کی وجہ سے میرے ہاتھ پاؤں پانچ دیئے گئے اور اس وقت کنور جیت نے مجھے بندھ دیکھ کر مجھ سے بدتمیزی کرنے کی کوشش کی، مگر میرے ہاتھ پاؤں کھلے ہوئے شیخا تو کنور جیت اس کی ہمت نہیں کر سکتا تھا تو اس نے تمام تفصیلات اسی وقت بتائی تھیں مجھے اور ہو سکتا ہے شیخا کہ وہ کم بخت میری ہے یہی سے کوئی فائدہ نہ جاتا لیکن ایک آدمی نے میری مدد کی۔ وہ وہاں کا پھرے دار تھا اور بلیر اکائی آدمی تھا۔ بڑی پر اسرار شخصیت کا، لک۔“ سونپانے یہ بات شاید ابھی اکبر شاہ کو نہیں بتائی تھی۔ کیونکہ اکبر شاہ بھی پوری طرح دلچسپی سے سونپا کی طرف متوجہ ہو کر تفصیل سن رہا تھا، غلام شاہ نے پوچھا۔

”کون رہے اری۔“

”شیخا تفصیل بتاؤں گی تو حیران رہ جاؤ گے۔ وہ پہرے درختا جب کنور جیت مجھ سے بدتمیزی کر رہا تھا تو وہ اندر آ گیا اور اسی نے کنور جیت کے خلاف بدتمیزی بھرپور مدد کی۔ بلکہ کنور جیت کی ناک اور کان کاٹنے کا مشورہ اسی نے دیا اور ساتھ ہی ساتھ چاقو بھی مہیا کر دیا۔ پھر اس کے بعد شیخا یہ س کی مدد تھی کہ میں یہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئی، ورنہ یہ راستے بھی تو میرے لئے انجانے تھے ہم نے تین دن تک مسلسل سفر کیا اس دوران ٹیگر ا کے آدمی ہمیں تلاش کرتے رہے اور چونکہ وہ ایک چالاک انسان تھا اور اس نے ہمہ ا کے آدمیوں کو کافی نقصان پہنچا کر ایک گھوڑا بھی حاصل کر لیا تھا اس لئے میں اتنی آسانی سے یہاں تک پہنچ گئی ورنہ مجھ سے کہاں کہاں بھٹکتی رہتی۔“

”رہے واہ بھئی، پھر وہ گیا کدھر“ غلام شاہ نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

”بھی تو اس کے بارے میں میں اور کچھ بھی بتانا چاہتی ہوں شیخا آپ سنیں گے تو حیران رہ جائیں گے۔“

”رہے تو سننا، ایک ایک کر کے سنات رہے کھا گواہ۔“ غلام شاہ نے کہا۔

”شیخا وہ پراسرار آدمی پیڑ روادور کا سر کے بارے میں جانتا ہے۔“

”ہیں“ غلام شاہ کا مسہ کھلے کا کھل رہ گیا۔ اکبر شاہ بھی متحیرانہ انداز میں سونیا کو دیکھ رہا تھا سونیا نے نہایت سنجیدگی سے پہرے دار کے بارے میں بتایا کہ وہ شخص اس کے سرکس میں کام کر چکا ہے، دو راب یہ سرکس ڈرمیم بینڈ سرکس کے نام سے مشہور ہے۔ غلام شاہ کا اضطراب بچپانی شکل، تھپ ر کر چکا تھا۔ اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”پراوئی گوا کہاں۔۔۔؟“

”کون شیخا، پہرے دار۔۔۔!“

”ہاں!“

”عجب آدمی تھی، واپس چلا گیا شیخا، میرے روکنے سے بھی نہ رکا۔“

”ارے مرگئی رہے ہم تو، مرگئی، ایسے آدمی کی تو ہم کا جو دست تھی، ارے، اکبر، کیا کرتی رہے بتاؤ کی تلاش مابول۔“

”حیران ہوں شیخا آخر کون تھا وہ۔ کون تھا۔“ اکبر شاہ نے بھی پریشان بچے میں کہا۔

”مے بھائی ایک اور ہوئی تھی، اب ہمیں کیسے پائی رہے، رہے سونیا بٹو تو کونویں کام نہ کر سکت رہی کہ اوکا روک لیتی۔“

”بہت کوشش کی تھی شیخا بہت کوشش کی تھی لیکن مجھ نے کس قسم کا آدمی تھا نام تک نہیں بتایا مجھے پتا۔“

”وے، اب کیا کریں گے، کیسے اوکا تلاش کریں گے، اوتو بڑے ہی کام کا آدمی تھا، کچھ سوچا کبیرا، ایک ہی ہو گئی۔ ہم ساری زندگی پیڑ روکی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہیں اگر اوہمارے ہاتھ لگ جائی تو اس سے ساری بات کھل سکتی ہے گا کریں بھائی، کچھ سوچا، کبیرا کچھ سوچا۔“

علامہ شاہ پر اضطراب انداز میں پٹی کرسی دھرا دھر تھپینے لگا تھا وہ بہت پریشان نظر آ رہا تھا سو نیا دور اکبر شاہ خاموش لگا ہوں سے اسے دیکھ رہے تھے پھر اکبر شاہ نے کہا۔

”شیخا میرا، ہم انتہائی کوشش کریں گے کہ اس آدمی کو تلاش کریں، وہ پیسے اگر تم چاہو شیخا تو ایک کام ضرور کرو۔“

”کا کرے رہے۔ بول۔“ غلام شاہ نے رک کر کہا۔

”ڈراما بھلا صاحب سے یہ بات معلوم کرو کہ، فحی کے دونوں بیٹوں کے یہی نام تھے؟“

ہاں کری ہے ہن، کری ہے۔“ غلام شاہ نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

دیر تک یہ لوگ اس پہرے دار کے درے میں گفتگو کرتے رہے غلام شاہ نے کئی بار سو نیا کی سٹی ہوئی کہانی پھر سے سنی تھی اور ہر بار اس پر وہی اضطرابی کیفیت طاری ہو گئی تھی پھر ایڈرنے اندر آ کر اطلاع دی کہ چٹکو اور منکو، جس آگئے ہیں اور غلام شاہ کے ساتھ کبیر شاہ اور سو نیا بھی جا رہے ہیں۔

چٹکو اور منکو بالکل صحیح حالت میں تھے۔ وہ کافی طویل سفر طے کر کے یہاں پہنچے تھے۔ غلام شاہ اکبر شاہ اور سو نیانے ان کا استقبال کیا چٹکو اور منکو سو نیا کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے تھے پھر منکو نے کہا۔

”آپ آگئیں سو نیانے شیخا سو نیانے کی واپسی آپ کو مبارک ہو۔“

”ارے سو نیانے بات بعد میں کرنی ہے تم دونوں تو ٹھیک ہو نا۔“

”ہاں شیخا بالکل ٹھیک ہیں۔“

”واہ رے بھائی اکبر، اپنا کام تو ہوئی گوا، اب سر سب چاکیں بند ہیں آؤ تم دونوں ہمارے ساتھ آؤ تم دونوں بھانگت بھانگت بھرت رہو ایسا لگت ہے جیسے نیا گمراہ کریم کا پالنگ لگی ہے پہلے گائب ہوئی ہے تو نیا گمراہی اور اب پھر فوج ہوئی گوی۔“ غلام شاہ نے کہا چٹکو اور منکو غلام شاہ کے ساتھ خیمے میں داخل ہو گئے تھے غلام شاہ نے انہیں بیٹھنے کے لئے کہا کبیر شاہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”جہیں آتی دیر کیسے ہو گئی.....؟“

”بس اکبر بھیا، وہاں جو مدداریاں تم نے ہمارے پیروں کی تھیں ہم نے ان کی پھیل کی اور بڑی خوش اسلوبی سے وہاں ان کے اسلحہ خانے میں دھماکا

کر کے ان کا سارا احمق چاہ کر دیا بعد میں یہ لوگ پہنچ گئے، اور انہوں نے کافی ہوشیاری سے چاروں طرف کی ناکہ بندی کر لی نتیجے میں ہمیں کچھلی سمت
 بھی گناہ پڑا اور کافی دور جا کر ہم نے پناہ حاصل کی۔ اس کے بعد تو بڑی جنگاں آرائی ہوئی اور ہمیں پتہ چل گیا کہ رات نکلنے کو انھوں نے مکر کیا ہے۔ بڑی
 فراتقری جچی ہوئی ہے وہاں ہم تو اس کوشش میں مصروف ہو گئے تھے کہ کسی بھی طرح وہاں سے نکل بھی گئیں بہر طور انہیں شبہ تھا کہ چھاؤنی میں دھماکہ
 کرنے والے وہاں نہیں جاسکتے ہیں۔ اس لئے ہماری تلاش بھی کچھ زیادہ ہی زور و شور سے شروع ہو گئی اور اس وجہ سے ہمیں وہاں اتنا وقت گزارنا
 پڑا۔ پھر چونکہ راستوں کا صحیح اندازہ نہیں تھا اور جس طرف نکل گئے تھے وہاں سے واپسی میں کافی وقت ہوئی اس لئے زیادہ وقت لگ گیا مگر سونپنا
 آگئی بس ہمارا تو کام ہو گیا۔“

اکبر شاہ اور غلام شاہ نے اس دونوں کو کافی شاباش دی تھی پھر منگو نے کہا۔

”ایک بات بتائیں اکبر بھیا۔“

”کیا؟“

”آپ کو شارق کے بارے میں کچھ معلوم ہے۔؟“

منگو کے لفظ پر سب ہی چونک پڑے تھے۔ غلام شاہ نے کہا۔

”مارے بڑا اکا اولیٰ ہے تو کا؟“

”ہاں شیوا، جب ہم واپس آ رہے تھے ہم نے یہاں سے کچھ فاصلے پر شارق کو دیکھا تھا وہ چھوٹے سے جوہڑ کے کنارے ایک گھوڑے سے اترتا تھا ہم

اسے دیکھ کر چھپ گئے، کیونکہ ہم بھی جوہڑ کے کنارے پر ایک درخت کے قریب ہی موجود تھے اور اس وقت شارق کا حلیہ بدلا ہوا تھا۔“

”کا مطلب ہوئی رہے۔“ غلام شاہ نے کہا۔

جاری ہے

”اس نے ہاتھ بولا ہوا تھا عجیب سی شکل بنا رکھی تھی، عجیب سا لباس پہنا ہوا تھا۔ ایک آنکھ پر کالا ٹیپ لگا ہوا تھا، جیسے وہ کانٹا ہو، جو ہڑ کے کنارے بیٹھ کر اس نے اپنا وہ کالا ٹیپ اتار کر پھینک دیا اور علیہ بدل لیا۔ جب ہمیں اندازہ ہوسکا کہ وہ دراصل شارق ہے۔“

سونیا کا چہرہ دھواں ہو کر رہ گیا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھ سینے پر رکھ لئے، ایک آنکھ پر کالا ٹیپ بولا ہوا علیہ، یہ تو سو فیصدی اسی پہرے دار کی نشان دہی کرتا تھا جس نے اسے یہاں تک پہنچایا تھا۔ اکبر شاہ اور غلام شاہ چٹکو درملکو کی طرف متوجہ تھے اس لئے کسی نے سونیا پر توجہ نہیں دی۔ غلام شاہ نے کہا۔

”مٹے بھر کیا ہوئی رہے، تم دونوں مٹے اس سے مٹے؟“

”ہاں شیخا جب ہم نے اسے پیچ لیا تو ہم دونوں درخت سے نیچے نر آئے اور وہ ہمیں دیکھ کر حیران رہ گیا۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ شیخا کے پاس چلے تو اس نے مسکراتے ہوئے مجھ سے کہا کہ اب بعد شیخا کے پاس کیا کام، شیخا کو اس کی روٹیاں بری لگتی ہیں، وہ اس کی بے عرقی کرتا ہے تو اب بعد وہ شیخا کے پاس جا کر کیا کرے گا۔“

”رے آ تو جات اک ویری ہم کا، ابھی بائیک مٹی ہے اس حرام کھور سے، پھر کا ہوا، چلا گیا وہ۔“

”ہاں اس نے کہا کہ شیخا اور سونیا کو سلام کہہ دیں، اور اکبر بھیا کو بھی، اس نے کہا کہ وہ شیخا سے ملاقات کرے گا۔“

”سو ملکو کیا اس نے اپنے خیم پر چڑے کا کوٹ پہنا ہوا تھا اور بیروں پر تختوں تک جوتے؟“

”ہاں سونیا جی، ابھی ہاں پہنا ہوا تھا اس نے۔“

”شیخا، شیخا میں نے ابھی تمہیں جس پہرے دار کے بارے میں بتایا وہ۔۔۔۔۔ شارق ہی تھا۔ اس نے آنکھ پر کالا ٹیپ لگایا ہوا تھا اور وہ۔۔۔۔۔ مجھے یہاں چھوڑ کر گیا تھا۔“

”رے وہی حرام کھور، وہی حرام کھور پھر بھاگ گیا، اوھر نہ آیا رہے۔“ غلام شاہ افسوس سے بولا۔

”اب مجھے اندازہ ہو رہا ہے شیخا کیونکہ کچھ ایسے ہی معاملات تھے ہاں وہ بھٹی طور پر شارق ہی تھا۔ میں شدید غصے کے عالم میں کنور جیت کو قتل کرنے پر حل مٹی تھی اور اس نے اس پر چا تو تانا تھا پھر اس نے پیچھے سے میری کلا کی پکڑ لی اور اس نے اس طرح میری کلا کی پر دباؤ ڈالا کہ چاقو میرے ہاتھ سے نکل گیا اور اس کے بعد اب تک جو کارکردگی ہی ہے، نہیں شیخا وہ شارق ہی تھا۔ وہ شارق ہی تھا۔“

غلام شاہ سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ سونیا پر اضطراب طاری ہو گیا۔ اس کے ہونٹ کپکپانے لگے۔ اندر سے ایک گولا سا، بھر پور تھا اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ پھوٹ پھوٹ کر روئے مگر اس نے ہشکل ضبط کیا تھا۔ غلام شاہ نے کہا۔

”یاد دلا ہے مسر پورے کا پورا اودھ علاقہ کھتر ناک ہے کسو کے ہاتھ چڑھ گیا تو ذرا جائے گا۔ ارے کا کریں ہم وکے لئے۔ ایک ہار سر آ تو چائے ہمارے پاس۔ ایسا بگڑ گئی رہے کہ سگل نادیکھے ہماری۔“

”اس کے جلسے میں ہم سے غلطی ہوئی شیخا۔ واقعی اس کے ساتھ زیادتی ہو گئی وہ ہم پر احسان پر احسان کئے جا رہا ہے۔“

”ارے ہم تو دی سوچے کہ اوانگلکس سرکس کے ہارے میں کیسے جانت رہے۔ ارے بہت برا ہو گئی رہے۔ اوکے سامنے ہم نے کبھی انگلکس سرکس کا جکر بھی تو نا کری رہے۔ ارے تم دوئی مسر دتم دوئی اوکی جان کے پیچھے پر گئی رہے تھے۔ بڑا کام بن جاتا تھا، بڑا کام بن جاتا۔“



سونیا کی پیرات آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ وہ اوندھی پڑی سبک رہی تھی کہ شیر آگئی۔ ”سونیا“ اس نے آواز دی تو سونیا چونک پڑی۔ ”مجھے سب کچھ معلوم ہو چکا ہے سونیا۔“

”اس نے شیر اس نے میری عزت بچائی ورنہ ورنہ میرے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے اور اور اس نے میرے لاکھ پوچھنے پر بھی اپنا نام نہیں بتایا تھا۔ میں نے اسے دوست کہہ کر بکرا تھا۔ اور شیر اس نے جاتے ہوئے کہا تھا کہ لوگ کسی کو دشمن تو ایک سے میں سمجھ لیتے ہیں دوست بننا بہت مشکل ہے۔ سونیا اس نے بہت زیادتی کی ہے میرے ساتھ مجھے اپنے ہارے میں تو بتا دینا تو کیا ہوتا۔“ سونیا سسکتی ہوئی یوں۔

”گروہ تمہیں اپنے ہارے میں بتا دینا تو تم کیا کرتیں۔“

”معافی مانگتی اس سے۔۔۔ اس سے کبھی کہ شارق میں تمہیں چاہتی ہوں تم سے محبت کرتی ہوں۔ میں کبھی شارق میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی مجھے معاف کر دو۔“

”یہ کبئیں تم اس سے؟“ شیرانے کہا۔

”ہاں شیرا میں اس کے ساتھ ہونے والی ہر زیادتی کا کفارہ ادا کرنا چاہتی ہوں، ایک بار، صرف ایک بار وہ مجھے مل جائے۔“

”وہ تمہیں ضرور ملے گا سونیا، تم دیکھو وہ ہم سے دور نہیں ہے۔ وہ ہمارے ارد گرد بھٹک رہا ہے۔ وہ ہمارے ہر مفاد کے لئے کام کر رہا ہے۔ وہ پھر آئے گا سونیا ضرور آئے گا اور اب سب اس کے طلبکار ہیں۔ شیخا بھی، اکبر شاہ بھی۔ وہ ضرور آئے گا سونیا آنسو پونچھ دو۔“ شیرانے پیار سے کہا۔ اور اس کے آنسو پونچھنے لگی۔“



کنور جیت کو زندگی کے سب سے گرہناک دور سے گزرتا پڑ رہا تھا۔ جو ہو چکا تھا وہ اس کے قصور سے باہر تھا۔ اس نے کبھی خراب میں بھی یہ نہ سوچا تھا کہ کبھی ایسا ہو جائے گا۔ نہ جانے کب بھڑ آیا تھا اور آنکھ کھلتے ہی اس کے حلق سے دندور چٹخیں نکلنے لگی تھیں۔ ٹاک اور کاں کی تکلیف نے اس پر لرزہ طاری کر دیا تھا۔ سونپا اور بد بخت چہرہ اور عاتک تھے جو اس کی اس حالت کے ذمہ دار تھے۔ ناقابل برداشت تکلیف سے غصہ صاف ہو کر وہ باہر نکل آیا۔ کوئی نہیں تھا۔ وہ چیخ چیخ کر آوازیں دیتا رہا اور پھر غار سے باہر آ کر بیٹھ گیا۔ دُشمن چھوٹے نہ جا رہے تھے بلکہ بچہ بن چکا تھا۔ نہ جانے چہرہ کیسا ہو گیا ہے۔

کافی وقت گزرنے کے بعد اسے دو گھڑ سوہ نظر آئے اور وہ کھڑا ہو گیا۔ گھڑ سوار اس کے پاس آ گئے تھے۔ وہ متوجہ نظر روں سے انہیں دیکھنے لگا پھر صحیفہ آواز میں بولا۔

”کہاں مر گئے تھے تم لوگ۔ کہاں عاتک ہو گئے تھے آہ دیکھو تمہارے ایک آدمی نے میرا کیا حال کر دیا۔ سونپا بھاگ گئی۔ یہ سب کچھ تمہاری غفلت سے ہوا ہے۔ میں خدا کرطیر سنگھ سے کہہ کر میں خدا کر سے کہہ کر“

”سولی چڑھو اور دو گئے ہمیں یہی نا۔“ ایک گھوڑے سوار نے پیچے ترے ہوئے کہا۔

”کیا یہاں رکنا تمہاری ذمہ داری نہیں تھی؟“

”نہ دونوں کا کیا کرتے نہیں اس پاگل بیٹے نے شدید رنج کر دیا تھا۔ ہم انہیں نے کر سوچ پر مر گئے تھے۔“

”اور یہاں اس خدا کو چھوڑ گئے تھے جس نے میرا یہ حال بنایا۔“

”وہ ہمارا ساتھی نہیں تھا۔“

”پھر کون تھا۔“

”کوئی باہر کا آدمی جس نے یہاں موجود ہمارے آدمی کو رنجی کر کے اس کی جگہ لے لی تھی۔“

”لوہائی گاڑی دیکھو، دیکھو میرا کیا حال ہو گیا۔ میں مر رہا ہوں جھکون کے لئے کچھ کرو، میری مدد کرو۔“

”صرف قلموں کے ہیرا، ہوا صاحب، اپنی حفاظت بھی نہیں کر سکے، کام بہت گڑ گیا ہے سونپا اور وہ دوسرا آدمی بھی تنگ نہیں لے۔ ہمارے آدمی

چاروں طرف بھاگے بھاگے پھر رہے ہیں۔ خدا کر صاحب تمہیں بھی نہیں چھوڑیں گے کیونکہ یہ سب کچھ تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔“

”مم میں میں آہ، میرے لئے کچھ کرو میرے یہ دُشمن مجھے پاگل کرنے دے رہے ہیں۔“ کنور جیت کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے ایک آدمی

دوسرے سے پوچھنے لگا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے تو دوسرے نے کہا۔

”اسے بھی سورج پور پہنچا دو اس کے علاوہ اور کیا کیا جاسکتا ہے۔“

”تو پھر ٹھیک ہے تم اسے لے کر سورج پور پہنچ جاؤ میں دوسروں کی مدد کے لئے جاتا ہوں اب یہاں کیا رکھا ہے۔“ پہلے آدمی نے کہا اور دوسرے نے گردن ہلا دی۔ کنور جیت کو گھوڑے کی پشت پر بٹھایا گیا اور ایک آدمی اس کے ساتھ ہی گھوڑے پر بیٹھ گیا۔ دوسرا گھوڑے کو لے کر چلا گیا تھا، کنور جیت کے بدن پر مسلسل رعشہ طاری تھا۔ اس تو تکلیف دوسرے چہرہ تباہ ہو جانے کا احساس اور تیسرے سونیا کا نکل جانا۔ اگر وہ واپس پہنچ گئی تو ساری صورت حال کھل کر سامنے آ جائے گی اور پھر کیا ہوگا یہاں سے تو نکل بھاگنا بھی مشکل تھا۔ بخشی جگہ تھی اور چاروں طرف موت ہی موت نظر آتی تھی۔ اس کا رل ڈوبتا رہا۔ اصفاء بری طرح غمگین ہو گئے تھے۔ بہت کچھ یاد آ رہا تھا اسے۔ وہ شخص جس نے سونیا کی مدد کی تھی آخر کون تھا کون ہو سکتا ہے وہ۔ بہر حال جو کوئی بھی تھا کنور جیت کی چہرہ رنگ تباہ ہو گئی تھی اور اب جبکہ سونیا نکل چکی ہے اگر وہ سرکس واپس پہنچ گئی تو پھر اس پاؤں کے شخص سے کنور جیت کو کوئی نہیں بچ سکے گا۔ آہ کتنی غلطی ہو گئی۔ کتنی بڑی غلطی ہو گئی۔ وہ ہنسنے لگا۔ پہلے دن سے اس پر سو رہا تھا ہالا خراسا سے ڈوہا سب کچھ تباہ ہو گیا۔ یہ چہرہ ہی تو تھا جس کی بناء پر وہ ہزاروں خواہشوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اور اب اب زندگی ہی کے لالے پڑ گئے تھے۔ اس کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔ دونوں زخموں کی تکلیف ہوش و حواس جیسے لے رہی تھی لیکن کجنت بے ہوشی بھی نہ طاری ہو پا رہی تھی۔ ستر کافی طویل تھا اور چونکہ ایک گھوڑے کی رفتار بھی زیادہ تیز نہیں تھی۔ بہر طور اسے سورج پور پہنچا دیا گیا۔ ایک ٹنی ٹنی آبادی تھی جس میں چاروں طرف مکانات بکھرے ہوئے تھے اور ان مکانات کے درمیان زندہ ریشیں چلتی پھرتی نظر آ رہی تھیں۔ چاروں طرف ایک ویرانی برس رہی تھی۔ بہر طور اسے ایک عمارت میں پہنچا دیا گیا اور اسے لانے والے نے کچھ دھوکوں سے بات کی۔ یہ عمارت غالباً ہسپتال کی عمارت تھی یہاں دو افراد نے اس کے کان اور ناک کے زخموں پر دوا کی وغیرہ لگائیں ناک پر ایک ٹیپ چسکا دیا گیا اور ایسا ہی دوسرا ٹیپ کان کے زخم پر، پھر ایک دوا بخشش بھی دیئے گئے اور اس کے بعد آرام کرنے کے لئے اسے ایک بستر دے دیا گیا۔ کنور جیت غمگین رہا کہ بستر پر پڑ گیا چاروں طرف سے خوف لے رہے گھبرایا تھا کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے، ایک خوفناک مستقبل منہ پھڑے اس کے سامنے کھڑا تھا اور اب موت کے چال سے نکلنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا تھا۔ بلکہ نگہ کو بھد کیا ہنسی ہے کہ وہ اس کی مدد کرے۔ بلکہ نگہ کا مسکند غلام شاہ سے چل رہا تھا اور اس نے صرف اسی بنیاد پر کنور جیت کی مدد کی تھی کہ غلام شاہ کے خلاف کچھ کر سکے، ہو سکتا ہے بلکہ نگہ اسے ہی سونیا کے فر کا مجرم قرار دے دے اور اس طرح موت اس کے زیادہ سے زیادہ قریب آ جائے۔ ایک لمحے کے لئے دس چاکر کا ہسپتال کے بستر سے اٹھ کر خاموشی سے یہاں سے نکل بھاگے۔ دوائیں لگ جانے کی

سے اور کوئی فائدہ نہیں حاصل ہوا مجھے۔“

”اس میں میرا دوش ہے ہمارا ج۔“

”وہ آدمی کون ہو سکتا ہے جو غلام شاہ کی بھتیجی کو نکال لے گیا۔“

”میں بالکل نہیں جانتا کیا سونیا سرکس وانہیں بچائی گئی ہوگی ٹھاکر ؟“

”پتا نہیں۔ مگر وہ ۱۷۰ سے ہاتھ نہیں آئی اب بتاؤ میں تمہارا کیا کروں۔“ میسر، نگلنے لگا۔

”میں نے تو سچے دل سے آپ کے حکم کی تعمیل کی تھی ٹھاکر۔ اگر وہ سرکس بچائی گئی تو میری زندگی مشکل ہے۔“

”آخر اس نے تمہاری یہ گت کیسے بنائی ؟“ میسر نے پوچھا، ”تو کون نے اسے پوری رام کہانی بنا دی۔ میسر کے ہوسٹ سکر گئے تھے۔ اس نے

کہا۔“ اس آدمی کے بارے میں کوئی شائد ہی کرو وہ کون ہے۔ ویسے یہ سرکس والے شیطان کے چسے لگتے ہیں مجھے بن کے نئے کچھ کرنا پڑے گا۔“

”میں کچھ نہیں جانتا ٹھاکر، آہ میں تو مار گیا۔“

”تو اب بتاؤ کیا کروں میں تمہارے لئے ؟“

”میری ایک مدد کروں ٹھاکر، بھگوان کے لئے میری ایک مدد کر دیں۔“ کورجیت نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

”بولو کیا ؟“

”مجھے پانچ گھر سے نکال دیں، انہی طرح ایسا ہندو مت کر دیں کہ میں یہاں سے نکل جاؤں۔“

”یہ تو فو ہونم نہ مگر سے میں نہیں نکل سکتا تمہیں کیا نکال سکتا ہوں۔ حالات بہت خراب ہو گئے ہیں وہ کتے سرکس والے خود راہوں نگلے ہمارا ج ک

ٹھا کر لے گئے۔ تمہارے لئے صرف ایک ہی کام ہو سکتا ہے۔“

”کیا ہمارا ج ؟“

”جسہیں جگت نگلے علاقے میں چھوڑ دیا جائے۔ وہاں سے تم اپنے لوگوں میں پہنچ جاؤ۔ اس کے بعد اپنا ہندو مت خود کر لو۔“

”وہاں تو میرے لئے موت ہی موت ہے ہمارا ج۔ وہ مجھے جیتا نہ چھوڑیں گے۔ اس سے بہتر تو یہ ہے کہ آپ مجھے یہیں مار دیں۔“

”ٹھیک ہے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا۔“ میسر نے ٹھٹھے ہوئے کہا پھر اپنے آدھوں کی طرف رخ کر کے بولا۔ ”اسے باہر لے جاؤ اور

گولی مار دو۔“ یہ کہہ کر وہ دروازے کی طرف چل پڑا۔

سے اور کوئی فائدہ نہیں حاصل ہوا مجھے۔“

”اس میں میرا دوش ہے ہمارا ج۔“

”وہ آدمی کون ہو سکتا ہے جو غلام شاہ کی بھتیجی کو نکال لے گیا۔“

”میں بالکل نہیں جانتا کیا سونیا سرکس وانہیں بچائی گئی ہوگی ٹھاکر ؟“

”پتہ نہیں۔ مگر وہ ۱۷۰۰ سے ہاتھ نہیں آئی اب بتاؤ میں تمہارا کیا کروں۔“ میسر، نگلنے لگا۔

”میں نے تو سچے دل سے آپ کے حکم کی تعمیل کی تھی ٹھاکر۔ اگر وہ سرکس بچائی گئی تو میری زندگی مشکل ہے۔“

”آخر اس نے تمہاری یہ گت کیسے بنائی ؟“ میسر نے پوچھا، ”تو کون نے اسے پوری رام کہانی بنا دی۔ میسر کے ہوسٹ سکر گئے تھے۔ اس نے

کہا۔“ اس آدمی کے بارے میں کوئی شائد ہی کرو وہ کون ہے۔ ویسے یہ سرکس والے شیطان کے چسے لگتے ہیں مجھے بن کے نئے کچھ کرنا پڑے گا۔“

”میں کچھ نہیں جانتا ٹھاکر، آہ میں تو مار گیا۔“

”تو اب بتاؤ کیا کروں میں تمہارے لئے ؟“

”میری ایک مدد کروں ٹھاکر، بھگوان کے لئے میری ایک مدد کر دیں۔“ کورجیت نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

”بولو کیا ؟“

”مجھے یہ مگر سے نکال دیں، کسی طرح ایسا بندوبست کر دیں کہ میں یہاں سے نکل جاؤں۔“

”یہ قوف ہو تم۔ نا مگر سے میں نہیں نکل سکتا تمہیں کیا نکال سکتا ہوں۔ حالات بہت خراب ہو گئے ہیں وہ کتنے سرکس والے خود راہوں نگلے ہمارے ج۔“

ٹھاکر نے گئے۔ تمہارے لئے صرف ایک ہی کام ہو سکتا ہے۔“

”کیا ہمارا ج ؟“

”جسہیں جگت نگلے علاقے میں چھوڑ دیا جائے۔ وہاں سے تم اپنے لوگوں میں بچتی جاؤ۔ اس کے بعد اپنا بندوبست خود کر لو۔“

”وہاں تو میرے لئے موت ہی موت ہے ہمارا ج۔ وہ مجھے جیتا نہ چھوڑیں گے۔ اس سے بہتر تو یہ ہے کہ آپ مجھے یہیں مار دیں۔“

”ٹھیک ہے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا۔“ میسر نے ٹھٹھے ہوئے کہا پھر اپنے آدھوں کی طرف رخ کر کے بولا۔ ”اسے باہر لے جاؤ اور

گولی مار دو۔“ یہ کہہ کر وہ دروازے کی طرف چل پڑا۔

کنور جیت کا بس بند ہو گیا اسے بلبرنگ سے اس بے رحمی کی امید نہیں تھی۔ اس نے تو صرف اسے مٹا کر کرنے کے لئے یہ الفاظ کہے تھے۔ لیکن بلبرنگ سے بڑے اطمینان سے اس کی بات مان لی تھی اور اس کی موت کا پروانہ چاری کر دیا تھا۔ اس کے بعد طہیر اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ کنور جیت کے حلق سے نکلی ہوئی سی آواز نکلی۔

”دیا کریں مہاراج، دیا کریں۔ ہم میں مرنا نہیں چاہتا۔“ بلبرنگ سے کہہ کر اسے دیکھنے لگا۔ بلبرنگ۔

”تو تم کیا چاہتے ہو کنور جیت میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ باہر جانے کے سارے راستے بند ہیں۔ ہمارا اپنی کوئی آوی نہیں چا سکتا۔ تمہیں کیا مگر سے باہر نکالنے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ تمہیں معلوم ہو چکا ہے کہ وہ نوگ راؤننگ مہاراج کو اٹھا لے گئے ہیں۔ اس سے جو صورت حال پیدا ہوئی ہے اس کے بارے میں نہیں کہا جا سکتا کہ کیا شکل اختیار کرے ہماری پٹی زندگیوں کے خطرے میں پڑ گئی ہیں اور ہم اپنا پیؤ کرنے میں مصروف ہیں۔ تم اگر وہاں نہیں جانا چاہتے تو یہاں پڑے رہو جو سب کا حال ہوگا سوتھیا۔“

”وہ، وہ مجھے، مردیں کے مہاراج۔“

”اور میں تمہارے لئے کیا کر سکتا ہوں۔“

”میں آپ کی غلامی کرنا چاہتا ہوں، بہت کام آسکتا ہوں میں آپ کے۔“

”یہ بکواس نہ کرو تو تمہارے حق میں اچھا ہے تم جیسے نکلے درنا کارہ نوگ صرف مصیبت بن سکتے ہیں اور کچھ نہیں کر سکتے ایک لڑکی نہ سنبھال سکتی تم سے۔“

”وہ بڑے عاشق بن رہے تھے۔“

”اگر وہ، اگر وہ اس کی بدولت کرتا تو۔ حالات دوسرے ہوتے مہاراج آپ یقین کریں اس کے حالات دوسرے ہوتے۔“

”وہ میرے لئے بھی مشکل بنا ہو۔ اسے تلاش کرنے کی کوشش نا کام ہو گئی اور سوتھیا کے بارے میں بھی کچھ پتا نہیں چلا۔ سکا۔ تمہاری بے وقوفی اور کمزوری کی وجہ سے وہ لڑکی ہمارے ہاتھ سے نکل گئی ورنہ غلام شاہ کو تاک رہنے پر مجبور کیا جا سکتا تھا۔ اگر تم اس سلسلے میں کچھ کر سکتے کنور تو بڑی محنت دینا میں تمہیں۔ مگر تباہی کافی سمجھو کہ میں نے اس کے باوجود تمہیں رعبہ چھوڑ دیا اور سوتھیا رہ کر بھی تمہارے لئے کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ حالات بہت خراب ہو گئے ہیں۔ یہاں حد بھی ہو سکتا ہے۔ اس وقت کوئی تمہاری مدد نہیں کر سکتا۔ تمہارے حق میں یہی بہتر ہے کہ تم جلت سنگھ کے علاقے میں چلے جاؤ اور جس طرح بھی ہو سکے وہاں معافی وغیرہ مانگ کر اپنا پیؤ کر لو۔“

”جونس اور پلیر کا کیا ہوا مہاراج وہ کہاں گئے؟ اگر میں انہیں گرفتار کر کے لے جاؤں تو شاید میرا جیون بچ جائے۔“

”تم نہیں مرنے جاؤ گے تم۔“ پلیر نگہ ٹھہرا ہوا اس میں ہنس پڑا۔ پھر بولا۔ ”وہ تم سے زیادہ کارآمد ہوگا۔“ کنور جیت، کم از کم اسلحہ خریدنا جانتے ہیں انہیں قبل نگہ مہاراج نے بوالہیا ہے وہ ان سے کچھ کام لینا چاہتے ہیں۔“ کنور جیت کا چہرہ لٹک گیا تھا کوئی راستہ نہیں تھا۔ یہاں اس وحشت زدہ ماحول میں کون پرسان حال ہوگا۔

”ٹھیک ہے مہاراج مجھے وہاں ہی پہنچا دیا جائے۔ لت ایک دیا کی جائے مجھ پر۔“
 ”بولو کیا؟“

”کسی پیسے سے نکال دیا جائے جہاں سے سرکس دانوں کے ہاتھ لگوں بلکہ میرا یونٹ مجھے مل جائے۔“
 ”سرکس میدان میں لگا ہوا ہے تمہیں ایک چوکی سے نکال دیا جاسکتا ہے مگر ساری سرحدوں پر جگت سنگھ کے فوجی نظر آ رہے ہیں۔ تمہیں ان کے ہاتھوں میں پڑنا ہی ہوگا۔ اس کے بعد تم کہاں جاتے ہو یہ تمہارا کام ہے مگر کیا وہاں پہنچ کر تم غلام شاہ سے بچ سکو گے۔“
 ”بھلا صاحب مجھے پتا کتنے ہیں بعد میں جو ہوگا دیکھ جائے گا۔“
 ”تو تم جانے کے لئے تیار ہو؟“

”ہاں مہاراج اور کرم بھی کیا سکتا ہوں۔“ کنور جیت بے چارگی سے بولا۔
 ”غلام شاہ کے لئے تم میرا ایک پیغام سے جاؤ گے۔ میرا ایک خط اسے دے دینا ہو سکتا ہے اس طرح تمہاری جان بچ جائے۔“
 ”دے دوں گا مہاراج۔“

”جب پھر تھوڑا انتظار کرو۔ خط تیار کر کے میں تمہیں پہنچا دوں گا ورنہ میرے آدمی تمہیں چوکی تک چھوڑ آئیں گے۔“ پلیر نے کہا اور پھر اپنے آدمیوں سے بولا۔ ”اسے کوئی تکلیف نہ ہو، اس کے بعد وہ باہر نکل گیا۔ کنور کو اس کمرے میں پہنچا دیا گیا جہاں وہ اس سے پہلے مقیم تھا۔ کوئی پرسان حال نہیں تھا وہ وہاں حال انداز میں اپنے بستر پر گر پڑا۔ پھاٹ پھوٹ کر رونے کوئی چاہ رہا تھا کیا حماقت ہو گئی ایک تھوڑی سی حماقت نے کیا دن دکھائے۔ کبھت سو نیا کے حسن نے کچھ دیا تھا اس پر کہ وہ بالکل ہی بے عقل ہو کر رہ گیا تھا ورنہ زندگی میں کیا کچھ نہیں تھا۔ چاروں طرف حسن و عشق کی چاشنی بکھری ہوئی تھی۔ کہیں بھی قدم نہیں رکھتے تھے جس طرف ایک نگاہ اٹھا دی جائے پڑی ہی پڑی ہوئی تھی۔ آہ یہ سفر ہی میرے لئے خواست بن گیا۔ بھگوان غارت کرے بھلائی کو جنہوں نے اس وحشت کدے کی جانب رخ کیا تھا میں اس کی وجہ سے مار گیا۔ وہ لڑکی حیثیت کیا رکھتی ہے میرے لئے ہے شک خوبصورت ہے جنگلی پھول ہے مگر جنگلی پھول جنگلی پھول ہی رہ سکتا ہے اس میں کبھی خوشبو نہیں پیدا ہو سکتی۔ اب مصیبت

یہ ہے کہ مجبوری کی حالت میں جگت نگہ کے علاقے میں جانا پڑے گا۔ یہاں کا تو ہوا آدمی نہ لایا ہے کوئی کسی کاہن حاس نہیں ہے۔ حکمران خواہ ہو چکا ہے۔ کھانے پینے کی قلت ہے۔ فساد کتوں کی طرح سڑکوں پر مارے مارے پھر رہے ہیں۔ ایسی صورت میں بھلا سمجھ نگہ جیسا ڈاکو میری کیا کفالت کر سکتا ہے۔ بھوک پیاس ہی سے تڑپ تڑپ کر مر جاؤں گا اور پھر یہاں سے نکلے گا کوئی ذریعہ بھی تو نہیں ہے۔ ہے بھگوان کس عذاب میں گرفتار ہو گیا ہوں میں، بدن پینہ چھوڑنا رہا۔ کتنے اطمینان سے ہمیر نگہ نے کہہ دیا تھا کہ، سے ہا جے جا کر گون مارو و بعد کوئی اس کو قدر ہے انسانی زندگی کی۔ کسی بھی لمحے وہ جھنجھلا کر کہہ سکتا ہے کہ ہم کسی کی مہمان نوازی نہیں کر سکتے۔ مہمان سے نجات حاصل کر لی جائے، کنور جیت ہو کھلا کر اٹھ بیٹھا یہاں تو ہر لمحہ موت کا لمحہ ہے۔ اب جو کچھ بھی ہو گا دیکھا جائے گا۔ بھلائی کے قدموں میں سر رکھ دوں گا اور کہوں گا کہ کسی طرح مجھے غلام شاہ سے پیسے۔ بھلائی کی بڑی دوستی ہے غلام شاہ سے، وہ کچھ نہ کچھ کر لیں گے۔ یہاں سے نکل جانا ہی بہتر ہے۔ آہ بھگوان کرے سو نارا ستے ہی میں کہیں مر گئی ہو۔ وہ سرگس نہ پہنچنے پائے۔ اگر ایسا ہو گیا تو صورتوں کچھ سنبھل سکتی ہے۔ کوئی بھی یہاں نہ کر دوں گا کہہ دوں گا کہ مجھے ہمیر نگہ نے، خواہ کر لیا تھا اور اس کے بعد میرے ساتھ یہ سارے سلوک کئے گئے صرف اس لئے میری ناک اور کان کاٹ دیئے گئے کہ ہمیر نگہ غلام شاہ کے قتل پر مجھے آمادہ کرنا چاہتا تھا۔ ہے بھگوان اگر ایسا ہو جائے تو پھر مشکل ہی نہ رہے ناک اور کان کا مسئلہ ہے تو بھگوان انہیں بھی ٹھیک کرا ہی دے گا۔ یورپ نکل جاؤں گا سیدھا۔ پلاسٹک سرجری کروں گا اور اس کے بعد شکل ٹھیک ہو جائے گی۔ بڑا نقصان ہو گیا سارا جیون خاک میں مل گیا۔ پر شرط یہی ہے کہ سو نہ وہاں نہ پہنچی ہو۔ وہ دعا نہیں مانگتا رہا اس کی زندگی میں اُمید کی صرف ایک ہی روشنی رہ گئی تھی وہ یہ کہ سو نہ کسی طرح سرگس نہ پہنچی ہو۔ بڑی آسانی سے بات بن جائے گی اور جان پی نے میں مشکل نہ ہوگی یہ بھی اچھی بات ہے کہ ہمیر نگہ سے اپنا نوکی پیغام دے رہا ہے۔ غلام شاہ کے لئے اپنے آپ کو بالکل بدل لوں گا۔ ایک ہار جان بچ جائے بس ایک بار۔ کنور جیت اس ہی دل میں یہ ساری باتیں سوچتا رہا اور پھر کچھ گھنٹوں کے بعد ہمیر نگہ کا آدمی، اس کے پاس پہنچا اور اس نے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ کنور جیت کے حوالے کر دیا۔

”تھا کرنے کہا ہے کہ یہ کاغذ اسی طرح غلام شاہ تک پہنچا دیا جائے کیا تم تیار ہو سکر کرنے کے لئے؟“

”ہاں بھائی مجھے بھلا کیا بتا رہا ہے کرتی ہیں۔“

”تو باہر جا رہے آدمی موجود ہیں چلو باہر نکل چلو۔“ اس شخص نے کہا اور کنور جیت اسے آپ کو سنبھال کر غلط حال قدموں سے باہر نکل آیا۔ تین گھنٹے سوار وہاں موجود تھے چوتھے گھنٹے کی پشت پر رین کسی ہوئی تھی اور اس پر کوئی موجود نہیں تھا۔ یہ کنور جیت کے لئے تھا۔ کنور جیت گھوڑے پر سوار ہو گیا اور تینوں گھڑ سوار اس کی رہنمائی کرتے ہوئے آگے بڑھنے لگے دن میں سے ایک نے کہا۔

”چوکی سے تمہیں ایک لمبی سرحد ملے کرنی پڑے گی۔ مہاراج یہاں چھوٹے چھوٹے گڑھے بکھرے ہوئے ہیں۔ ہم چوکی پر اس جگہ تک نہیں جا سکتے جہاں جگت سنگھ جی کی سرحدیں ہیں بس دور ہی سے تمہیں چھوڑ دیں گے۔ راستہ تمہیں ہی طے کرنا ہوگا بھی دن کا وقت ہے تم یہ راستہ روشنی میں طے کر سکتے ہو، رات میں یہ سفر خطرناک ہو جائے گا۔“

”تک کیوں؟“ کنور جیت نے خوف زدہ لہجے میں پوچھا۔

”یہ ایک مشکل راستہ ہے ہم اگر دوسرے راستے سے آگے بڑھے جو عام راستہ ہے اور ہمیں اگھر کی چوکی پر دیکھ بڑھ گیا تو فوراً ہی بھون کر رکھ دیا جائے گا۔ وہ لوگ ہمیں چھوڑیں گے نہیں۔“

”جب تو پھر میں۔ کیا کروں گا مگر نہیں نے مجھے وہ رہی سے دیکھ کر گون مار دی تو کیا ہوگا؟“

”کچھ نہیں ہوگا مہاراج آپ کے بدن میں سوراخ ہو جائے گا اس سے خون نکلے گا اور آپ مر جائیں گے۔“ ایک گھوڑ سوار نے پر حراج بے میں کہا اور دوسرے لوگ ہنس پڑے۔ کنور جیت متحوش لگا ہوں سے انہیں دیکھتا رہا وہ مذہبی ازار پہنے تھے۔ س کا۔ گئی بات یہ ہے کہ وہ تعاقب غازی اڑانے کے قابل۔ کیا مصیبت ہندی تھی سونیا سے عشق کرنے کی اور اسے اغواء کرنے کی۔ دماغ ہی خراب ہو گیا تھا، سرا۔ مصیبت ہی گھیرے ہوئے تھی تو وہ کیا کرتا بہر طور گھوڑے دوڑتے رہے۔ ویران علاقے شروع ہو گیا سوار پر کے ہاتھیں سمت سے وہ ایک ڈھلان عبور کر کے کاٹلے طے کرتے ہوئے ایک چھوٹے سے چھدرے سے درختوں کے جنگل میں داخل ہوئے اور جنگل کا انتہام اس علاقے پر ہو، جس کے بارے میں اس لوگوں نے بتا دیا تھا۔ جنگل سے باہر نکلتے ہی ان میں سے ایک نے کہا۔

”بس ہم یہیں تک آپ کو لے سکتے تھے۔ مہاراج یہ سائے کا جو حصہ نظر آ رہا ہے اسے عبور کر کے آپ جگت سنگھ جی کے سرحدی علاقے تک پہنچ سکتے ہیں آگے کام آپ کا ہوگا۔“

کنور جیت نے گردن ہلا دی۔ دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھایا ہو تھا مرنے کا نہ کرتا۔ مجبوراً گھوڑے کو آگے بڑھا دیا۔ ہر سو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ابھی غازی کی آواز آئے گی اور گون اس کی پیسیوں کو تڑاتی ہوئی نکل جائے گی۔ کہیں کوئی چھر گھوڑے کے پاؤں تلے آ کر اچھٹا تو کنور جیت کو وہ غازی کی آواز ہی معلوم ہوتی تھی اور اس کے بدن میں کہیں نہ کہیں تکلیف ہونے لگتی۔ ہوش و حواس رخصت ہوتے جا رہے تھے۔ دور ان خون بے پناہ بڑھ چکا تھا۔ چہرہ انکارے کی طرح سرخ ہو رہا تھا اور آنکھیں خوف سے پھٹی ہوئی تھیں۔ وہ اس وحشت کے عالم میں یہ سفر کرتا رہا۔ ہاں بچانے میں، اس کے بجائے گھوڑے کی کوششوں کا زیادہ دخل تھا جو صحیح راستہ منتخب کر کے آگے بڑھ رہا تھا۔ کنور جیت نے گھوڑے پر

کوئی پابندی بھی عائد نہیں کی تھی کہ اس میں اتنی سکت ہی نہ تھی کہ گھوڑے کو صحیح راستوں پر دوڑا سکا لیکن اس وقت یہ انھیں اس کے لئے سودمند ثابت ہوا۔ خطرناک راستے طے ہو گیا اور اسے کچھ فاصلے پر پہنچا اور نظر آئے جو بغور دیکھ رہے تھے ان کی رائیوں کی ٹالیں جی ہوئی تھیں اور ان کے چہروں پر مستعدی نظر آ رہی تھی۔ مگر کنور جیت نہ ہوتا اور اس کے ساتھ چند افراد اور بھی ہوتے تو شاید اب تک اس کا کیا کرم ہو چکا ہوتا لیکن اسے تنہا پکارا نہیں گئے۔ فوراً ہی فائر کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ کنور جیت نے دہشت کے عالم میں دونوں ہاتھ اٹھ کر چیخا شروع کر دیا۔

”خبردار گولی نہ چلانا میں، میں جگت سنگھ جی کا آدمی ہوں خبردار گولی نہ چلانا، گولی نہ چلانا۔“ وہ قلع پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہا تھا اور اس کی آواز بٹھتی چلی جا رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ سب توڑوں کے درمیان پہنچ گیا اور انہوں نے اسے گھیرے میں لے لیا۔

”گولی نہ چلانا بھائیو، گولی نہ چلانا میں جگت سنگھ جی کا آدمی ہوں ان کے لئے ایک خبر لے کر آیا ہوں مجھے فوراً جگت سنگھ جی کے پاس پہنچاؤ، میں میں ان کے لئے سندھیر لے کر آیا ہوں۔“ وہ بولا اور گھوڑے سے ترے ہی زمین پر گر پڑا لیکن اسے بدن ٹھہرا ہوا تھا، بہر طور اس کی بات سن لی اور سمجھ لی تھی شاید کوئی اس کا مینا سا بھی تھا وہ نوک آپس میں گفتگو کرتے رہے اور کنور جیت کو سنبھال کر اٹھا دیا اور ان میں سے ایک نے کہا۔

”ہم تمہیں ہاتھ پاؤں باندھ کر وہاں لے جائیں گے ہمیں یہی ہدایت ہے۔“

جو تنہا رامن چاہے کر دیری حالت ہے میری۔ مجھے فوراً ہی جگت سنگھ جی کے پاس پہنچا دو۔“ اس کے دونوں ہاتھ پشت پر باندھ دیئے گئے اور اس کے بعد ایک گھڑ سوار نے اسے اپنے آگے بٹھایا یہ اندازہ لگایا جا چکا تھا کہ وہ گھوڑے پر سفر کرنے کے قابل نہیں ہے اس طرح وہ لوگ کنور جیت کو لے کر وہاں سے آگے بڑھ گئے۔ کنور جیت کی آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں ہوش و حواس رخصت ہوئے جا رہے تھے۔ خوف سے اس کی حالت بگڑی ہوئی تھی وہ سوچ رہا تھا کہ اگر وہ سرکس پہنچ جاتا تو تو قہراً دم شاہ اسے نہ چھوڑتا۔ کتوں سے ٹپو دیا جاتا اسے مگر وہ ہو سکتا ہے سوچا وہاں نہ پہنچی ہو آگہ ہو سکتا ہے ابھی اس لوگوں کو صورت حال معلوم ہی نہ ہو۔ یکبارگی اس پر بھر دہشت کا دورہ پڑا۔ اس نے خوفزدہ لگا ہوں سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

”کہاں، کہاں لے جا رہے ہو تم لوگ مجھے۔“

”آپ جگت سنگھ جی کے پاس جانا چاہتے ہیں نا؟“ اس کے ساتھ بیٹھے ہوئے آدمی نے کہا۔

”ہاں مجھے سیدھا جگت سنگھ کے پاس لے چلو، سورج پور سے آیا ہوں ایک خاص خبر دیا ہوں ان کے لئے کنور جیت ہے میرا نام۔“

”ٹھیک ہے بھائیو! میں لے جا رہے ہیں ہم آپ کو۔“ فاصلے طے ہو گئے اور کنور جیت نے وہ عارضی دیکھ لیں جنہیں وہ پہنچتا تھا۔ جگت سنگھ کی حویلی کے سامنے گھوڑے رکے اور کنور جیت کو گھوڑے سے اتار لیا گیا۔ ایک آدمی جگت سنگھ کو اطلاع کرنے ندر چلا گیا تھا کچھ دیر کے بعد وہ وہاں پہنچا۔

آیا اور اسے ساتھ لے کر اندر داخل ہو گیا۔ جگت سنگھ، ایک ہال نما کمرے میں اس کا منتظر تھا۔ اس نے حکم دیا۔

”ہاتھ کھول دو اس کے۔“ کنور جیت کے ہاتھ کھول دیتے گئے اور اسے لانے والے باہر نکل گئے۔ بیٹھو کنور جیت کیوں کہاں سے آ رہے ہو، ویسے تمہارے ساتھ تو بہت بری ہوئی ہے ساری صورت بگڑ گئی تھہری تو۔“

”ہاں مہاراجہ، کیا اُنیاے ہوا ہے مجھ پر۔ آپ مجھے بھلا صاحب کے پاس پہنچا دیں یہی مہربانی ہوگی آپ کی۔“

”ضرور ضرور، مگر تم میرے سنے کوئی سندیر لائے تھے۔“ جگت سنگھ نے طنز پر لہجے میں کہا۔

”وہ مہاراجہ۔ میں نے جاں بچانے کے لیے آپ کے آدمیوں سے یہ کہہ دیا تھا، آپ مجھے بھلا صاحب کے پاس پہنچا دیجئے۔“

”ہوں ٹھیک ہے ایسا بھی ہو جائے گا، میں انتظام کئے دیتا ہوں۔ بھلا میرا دوست ہی نہیں بہت اچھا انسان بھی ہے مجھے لوگوں کو برے ساتھی بھی مل جاتے ہیں۔ اس میں اچھے لوگوں کا کیا دوش، ٹھیک ہے میں انتظام کئے دیتا ہوں۔“

جگت سنگھ اپنی جگہ سے اٹھ کر باہر نکل گیا۔

کنور جیت کا دل ڈوبنے لگا جگت سنگھ کی سرد مہری، اس کے الفاظ ظاہر کر رہے تھے کہ سوتیلی بہن پہنچی گئی ہے اور سارا راز کھل گیا ہے آہ اب کیا ہوگا اب کیا ہوگا۔

جگت سنگھ خود وہاں نہیں آیا تھا چند لوگ کمرے میں داخل ہوئے اور اسے ساتھ لے ہوئے باہر نکل آئے۔ کچھ دیر بعد اسے اس عمارت میں پہنچا دیا گیا جہاں بھلا صاحب کا قیم تھا۔ پرنسٹ کے لوگ کنور کو دیکھ کر ششدر رہ گئے لیکن کنور کے بغیر سیدھا بھلا صاحب کے کمرے میں داخل ہو گیا وہاں وہ راجکمار سے باتیں کر رہے تھے۔

کنور جیت کو دیکھ کر دونوں بری طرح اچھل پڑے کنور جیت انہیں دیکھتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رہ پڑا تھا۔ بھلا صاحب اور راجکمار ہی سکتے کے عالم میں سے دیکھ رہے تھے کنور نے روتے ہوئے کہا۔

”دیکھ لیجئے بھلا صاحب کیا سلوک ہوا میرے ساتھ، دیکھئے بھلا صاحب کیا حالت ہو گئی میری۔“ بھلا صاحب چوٹ کھٹکے اور پھر انہوں نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

”اس کا ذمہ دار کون ہے کنور جیت؟“

”بھلا صاحب میرا کیرئیر برباد ہو گیا۔ میرا مستقبل خراب ہو گیا۔“

”میں نے تم سے سوا کیا تھا کہ اس کا ذمہ دار کون ہے تم اس کا جواب دینے سے گریز کر رہے ہو، بہر حال میرے خیال میں تمہارے ساتھ بھی ہونا چاہئے تھا، جو کچھ ہوا ہے اس کے ذمہ دار تم خود ہو کتور۔ تم نے اپنے ہاتھوں سے اپنے لئے کتواں کھودا اور خود اس میں گر پڑے۔ تمہاری وجہ سے میرا جو نقصان ہوا ہے اسے تو میں صبر کر لوں گا لیکن تم۔“

”بھلا جی، آپ، آپ، آپ بھی!“

”سب سے زیادہ نقصان تو مجھے ہی پہنچا ہے کتور۔ خیر اب اس کا تذکرہ کیا مگر میرے خیال میں تمہیں یہاں نہیں آنا چاہئے تھا۔ میں تمہارے سلسلے میں کوئی ذمہ داری نہیں قبول کرنا چاہتا۔ میں تمہاری زندگی کی ضمانت نہیں دے سکتا کتور۔ سوری ویری سوری۔“

”نہیں بھلا صاحب آپ۔ آپ کو میری مدد کرنی ہوگی۔“

”میں نے تمہاری مدد کی تھی کتور، تمہیں سمجھنا تھا کہ ہوس کے ہاتھوں نہ کھیلو زندگی جتنی شے ہوتی ہے۔ تم نہ نہ نے سمجھنے کے علاوہ اور میں کیا کر سکتا تھا کتور۔“

”جو ہونا تھا ہو چکا ہے بھلا جی۔ مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے بھگوان کے لئے میری مدد کیجئے۔“

”مدد کا وقت گزر چکا ہے کتور۔ تم نے خود موت کو آواز دی ہے۔ تمہاری وجہ سے میری جو بے عزتی ہوئی ہے کاش تم اسے سمجھ سکتے۔“ کتور جیت عجیب سے انداز میں بھلا کو دیکھتا رہا پھر بولا۔

”میری جان بچانے کا کوئی ذریعہ ہے بھلا جی، یہ بتائیے کہ میری جان بچنے کے کچھ امکانات ہیں۔“

”کچھ نہیں کہہ سکتا اس سلسلے میں کتور جیت کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔“

”راجکھاری، راجکھاری میں ایسا تھا نہیں تقدیر سے مجھے یہ سب کچھ دکھا دیا ہے۔ میری مدد کرو براہ کرم تم ہی میری مدد کرو۔“ کتور جیت نے راجکھاری کو دیکھتے ہوئے کہا اور راجکھاری افسوس بھری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی پھر بولی۔

”ہماری دنیا سب سے بری ہے کتور جی۔ لوگ ہمیں پردے پر دیکھتے ہیں۔ ہمارا کھیل پسند کرتے ہیں لیکن ہمیں عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔ ہماری کہانیاں طرح طرح سے گھڑی جاتی ہیں ہماری بدنامی ہی کو پسند کیا جاتا ہے مگر پردے سے ہٹ کر بھی ہماری ایک زندگی ہوتی ہے۔ اس سے پیچھے کی زندگی میں تو ہمیں اتنا برا نہیں ہونا چاہئے۔ وہاں تو ہم بچنے کے لئے جی سکتے ہیں۔“

”بڑی پاک بار بن رہی ہو تم۔ سب فرشتے ہیں میرے علاوہ، کیوں۔ تمہاری کہانیاں بہت پاکیزہ ہیں نا۔“

”کب کہتی ہوں میں، مگر ہر جگہ ایک جیسی نہیں ہوتی۔“

”تم بھی تو شارق کے چکر میں تھیں۔“

”ہاں تھی مگر وہ چلا گیا، میں نے کیا کیا۔“

”تم سب لوگ، تم سب لوگ میرے دشمن ہو گئے ہو۔ سب میری موت چاہتے ہو۔ یہ نہیں مردوں کا میں سمجھے تم لوگ۔ بھلا جی آپ کی فلم کا ہیرو تھا، بہت سرمایہ خرچ کیا ہے آپ نے اس پر۔ مجھے بچا لیجئے آپ کا بھی فائدہ ہوگا۔“

”اے بھلا جی، فقیر دین سے کہہ کر کہانی میں رد و بدل کر لیجئے۔ اب اس کا ہیرو نکلا کسی کٹنا ہونا چاہئے۔ بڑی اور بچل پر فارمنس ہوگی کنور جی کی۔ راجکمار نے کہا۔“

”اے یہاں سے نکال دیں بھلا جی۔ ورنہ ورنہ۔“ کنور جیت غر کر بولا اور راجکمار نے اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔

”مجھ سے خود تمہاری مکر وہ صورت برداشت نہیں ہو رہی سمجھے۔“ وہ اٹھ کر ہار کھل گئی۔

”سمجھا یا تمہیں نے تمہیں کنور، سمجھا یا تمہیں تمہاری دیوگی کا احساس ہو گیا تھا۔ اپنا فرض پورا کیا تھا اس سے زیادہ میں اور کیا کر سکتا ہوں تم نے ڈیرا دیا کنور، جتنا ڈیل میں یا نگر میں آ کر ہوا ہوں، تنہا کبھی نہیں ہوا، دو کوڑی کی حیثیت ہو گئی میری۔ تم نے کنور، تم نے جو کس اور پیڑ کو بھی اپنا آلہ کار بنایا۔ انہوں نے ہی کیا کم کیا تم میرے ساتھ۔“

”میری آپ سے بہت پرانی دوستی ہے بھلا صاحب۔ بہت کام کیا ہے میں نے آپ کے ساتھ اور اب بھی میں متم نہیں ہوا ہوں جو کچھ ہو گیا ہے میرے ساتھ وہ میرے لئے بہت بڑی سزا ہے۔ آپ کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ، کہ سوچا یہاں پہنچ گئی، کیا یہ سچ ہے؟“

”کیا سچ ہے؟“

”سوچا یہاں آ گئی ہے نا!“

”سرکس والوں کو تم نے طویل عرصے سے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کنور جیت، وہ رواجی بھی نہیں ہیں وہ بے حد پر اسرار لوگ ہیں ان کی کارکردگی نہ سمجھ میں آنے والی ہے تمہارا خیال تھا سوچا یہاں نہ پہنچی ہوگی۔“

”آؤ مگر وہ یہاں نہ پہنچی تو، تو۔“ کنور جیت نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

”تمہاری احتیاط نہ سوچ ہے۔ وہ یہاں پہنچ گئی۔ وہ تمہارے کس میں نہیں آ سکتی تھی۔“

”وہ میرے کس میں آ گئی تھی حالات میرے قابو میں تھے مگر یک کجخت آدمی نے ایک پر اسرار آدمی نے سارا انکس بگاڑ دیا۔ نہ جانے وہ کون تھا۔“

”شارق تھو۔۔“ بھلا صاحب نے کہا اور کھور پھل پڑا۔

”کون؟“

”شارق!“ بھلا صاحب سکون سے بولے اور کھور حیرت سے آنکھیں پھاڑے انہیں دیکھا۔

”آپ کو کیسے معلوم!“

”بہت کچھ معلوم ہو چکا ہے کھور، ان باتوں کو جانے دو جو سن اور پڑنے اسلحہ یہاں اسمگل کر کے مجھے جگت نگلہ کی نظروں میں داخل کیا اس صدمے کو دہن سے دور نہ کر سکا تھا کہ تم نے میرے سینے میں کھیں ٹھونک دیں تم جانتے تھے کہ بلیئر غلام شاہ کا دشمن ہے تم نے غلام شاہ کے دشمن کی مدد سے اس کی جتنی کو اغواء کیا۔ کوئی جگہ چھوڑی تم نے اپنے لئے، جو سن اور پڑ جگت نگلہ کے مجرم تھے، اور اگر وہ ہاتھ آجاتے تو جگت نگلہ یقینی طور پر ان کے خلاف کارروائی کرتا یہ اس کے علاقے کے خلاف ایک سازش تھی یہ اس کے آدمیوں کے خلاف ایک سازش تھی۔ اسلحہ یہاں پہنچ جاتا تو نتائج کیا ہوتے یہ نہ تم سمجھ سکتے ہو نہ میں اور ایسا میرے آدمیوں کے ذریعے ہوا، تم جو سن اور پڑ کو یہاں سے نکال لے گئے گو کہ تم بھی جگت نگلہ کے مجرم بن گئے۔ یہ تو ان لوگوں کا حیرت، گھبرانہ دن ہے میرے ساتھ درندہ بات صرف جگت نگلہ ہی کی نہیں بلکہ اس کی مگرمی کے، اور لوگوں کا بھی معاملہ ہے۔ بتاؤ کھور اس کے بعد تم نے غلام شاہ کی عزت پر ہاتھ ڈالا۔ کیا ہو سکتا ہے تمہارے لئے، کیا کیا ہو سکتا ہے۔“

”ب تو جو کچھ بھی کرنا ہے بھلا صاحب، آپ ہی کو کرنا ہے۔ آہ وہ شارق تھا۔ آہ وہ کتا، یقینی طور پر بات اب میری سمجھ میں آ رہی ہے، اچھی طرح میری سمجھ میں آ رہی ہے۔ بھلا صاحب میں دعوے سے کہتا ہوں کہ شارق بھی سونیا کے چکر میں ہے اور اسے اپنے چکر میں لانا چاہتا ہے اس لئے وہ ان لوگوں کے ارد گرد بھڑک رہا ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے بھلا صاحب کیا غلام شاہ شارق کا شکار بن سکتا ہو جائے گا؟“

”کیا ہو جائے گا اور کیا نہیں ہو جائے گا، میں اس کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں کھور، لیکن تم، تم میں جہاں سے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ اب یہ سب کچھ میرے بس سے باہر ہے۔ کیا کروں آخر، کیا کروں، جو سن اور پڑ کے سینے میں بھی، میں نے جگت نگلہ کو اجازت دے دی تھی کہ اس کا جوبل چاہے ان کے ساتھ کرے۔ تمہارے لئے کچھ خوشامد در آمد کر سکتا ہوں اس کی لیکن سونیا پر ہاتھ ڈال کر جو جرم تم نے کیا ہے، میرا خیال ہے اس کے لئے اگر میں غلام شاہ سے معافی کی درخواست بھی کروں تو یہ میری بد نصیبی ہوگی۔ غلام شاہ کیا کوئی بھی تمہیں معاف نہیں کر سکے گا۔“

”بھلا صاحب، جگت نگلہ سے آپ کی دوستی ہے آپ، آپ کسی طرح اس کا سہارا لے لیتے مجھے یہاں سے نکال دیجئے جس طرح بھی ممکن ہو، مجھے یہاں سے نکال دیجئے بھلا صاحب، میں اپنی دنیا میں وہیں چلا جاؤں گا، فوراً ہی میں یہاں سے جا کر یورپ کا سفر کروں گا۔ آپ کا اس قلم میں

راکھوں روپے کا سرمایہ صرف ہو چکا ہے آپ بھی یہ بات پسند نہیں کریں گے بعد صاحب کہ آپ کا یہ سرمایہ ڈوب جائے۔ میں وہیں آ کر آجکی یہ فلم مکمل کراؤں گا اور آپ یقین کریں آپ سے کوئی معاوضہ نہیں لوں گا۔ براہ کرم غلام شاہ کے علم میں لائے بغیر، بچے تعلقات سے کام لے کر مجھے یہاں سے نکال دیجئے میں آپ کا احسان مانوں گا۔“

”سوری کنور۔ یہ ممکن نہیں ہے۔“

”سنگ، کیا مطلب، کیا مطلب ہے اس بات کا۔“

”تم جگت سنگھ کے پاس پہنچے ذرا غور کرو جگت سنگھ نے اس کے باوجود تم سے کچھ نہ کہا۔ حالانکہ بات سب کے علم میں آ چکی ہے جو کچھ تم نے کیا ہے سب چاہنا چکے ہیں۔ جگت سنگھ نے تمہیں میرے پاس پہنچا دیا اور اب اگر میں یہ سارے کرتا ہوں تو پھر میں آخری آدمی ہوں گا جس کے بارے میں یہ سوچا جائے گا کہ پورا قلم یونٹ ساز شیڈوں، ورجرائم پیشہ افراد سے بھرا ہوا ہے۔ تم کیا سمجھتے ہو کیا غلام شاہ کو اس کا علم نہ ہوگا کہ تم یہاں آ گئے ہو اور اس کے بعد غلام شاہ کا سامنا کس طرح کر سکوں گا۔“

”آپ، آپ کیا کریں گے بھلا صاحب، اب آپ کیا کریں گے؟“

”جگت سنگھ نے تمہیں میرے پاس بھیج دیا ہے اور مجھ پر یہ لازم ہو گیا ہے کہ میں تمہیں غلام شاہ کے سامنے پیش کروں۔“

”آہ آہ مجھے ہلک کر دے گا، وہ مجھے نہیں چھوڑے گا بھلا صاحب میں جانتا ہوں وہ کہتے خونخوار لوگ ہیں آپ یقین کریں کہ شارق کے بارے میں سننے کے بعد میرا تین دنوں سنگ، تھا ہے یہی کہتے کا کام تھا اس نے پناہ تو نکال کر سوئی کو دیا تھا اور چاقو سے ماریاں مجھے اس حال میں پہنچایا۔ آہ میرے دل میں نچانے کتنے تنہا جذبہ بھرے ہوئے ہیں۔ مگر، مگر میں صورت حال کو سمجھ رہا ہوں بعد صاحب سب کچھ بھول کر میں یہاں سے نکل جانا چاہتا ہوں، میری مدد کریں، براہ کرم میری مدد کریں۔“

”کنور میں تم سے معافی طلب کر چکا ہوں جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں ہو سکتا۔“

”تو پھر وہی ہوتا، جس کا مجھے عہدہ تھا، ماریں گے مجھے وہ لوگ وہ لوگ مجھے رند نہیں چھوڑیں گے۔“

”اب یہ تمہاری تقدیر ہوگی، سمجھ میں کچھ نہیں کر سکتا، میں ایک قیدی کی حیثیت سے تمہیں غلام شاہ کے سامنے پیش کروں گا۔

بھلا صاحب نے فیصلہ کن سبجے میں کہا کنور جیت خاموشی سے نظریں جھکا کر کچھ سوچنے لگا اس کے عذر شدہ پر ہیجان برپا تھا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ یہاں سے نکل کر وہ بھاگ بھی سکتا تھا لیکن جانتا تھا کہ باہر ہی سے ہلاک کر دیا جائے گا۔ کوئی پھید اس سے کچھ نہیں پوچھے گا۔ پھر ق

پھر۔ ایک آخری کوشش غلام شاہ کے سامنے اور کی جاسکتی ہے۔ اس کے پاس بطور نگہ داری ہوا پرچہ بھی موجود تھا جو اس نے غلام شاہ کے لئے دیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی کام بن جائے۔ بعد کا کہنا کافی حد تک درست ہی تھا۔ وہ اس حیلے میں مدد نہیں کر سکتا تھا۔

بھلا خواجہاں کا شکار ہو گیا تھا کنور جیت کے لئے اس کے دل میں کوئی ہمدردی نہیں تھی اس کا دل تو یہ چادر ہاتھ کہ جس طرح بھی ممکن ہو سکے وہ یا مگر چھوڑ بھی گئے، جو نقصان ہو چکا ہے وہ تو ہو ہی چکا ہے، بعض فیصلے غلط بھی ہو جاتے ہیں، لیکن جو کچھ ہوا تھا وہ بھلا کے لئے بالکل غیر متوقع تھا۔ تاہم ہو چکا تھا وہ اب اس پر افسوس کرنا بیکار تھا۔ اس نے کنور جیت کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”معاف کرنا کنور جیت، جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے میں وہی سب کچھ کرنے کے لئے مجبور ہوں، بہت سوچ رہا ہوں اس بارے میں مگر کوئی ایسا ترکیب سمجھ میں نہیں آتی، جس سے اس مسئلے کا حل نکل آئے۔ بہر طور مجھے افسوس ہے۔ کنور جیت تم جگت سنگھ کے پاس پہنچے اور اس نے بڑے طرف کے ساتھ تمہیں میرے حوالے کر دیا۔ میرے لئے اب اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ میں تمہیں ان لوگوں کے پاس پہنچا دوں۔ جنہیں تم سے قصداً مانجا ہے۔“

”ٹھیک ہے بھلا صاحب، ٹھیک ہے، برے وقت میں کوئی بھی ساتھ نہیں دیتا آپ کا جو جی چاہے کریں، میں تیار ہوں۔“

”بھلا صاحب نے دروازے پر پہنچ کر اپنے دو آدمیوں کو طلب کیا اور اس کے بعد انہیں کچھ تیاریاں کرنے کا حکم دیا۔ باہر بیجاں پھیلا ہوا تھا۔ ٹائٹ کے تمام ہی لوگ اپنے اس ہیر و کو دیکھ چکے تھے جس کی شکل ہی بگڑ گئی تھی۔ وہ اس کے بارے میں جاننے کے لئے تجسس تھے۔۔۔ جگمگاری سے بھی کچھ سوالات کئے گئے تھے اور را بگماری نے ٹھیک مریچ لگا کر کنور جیت کی کہانی انہیں بتا دی تھی۔ بھلا نے کوئی رسک لینا مناسب نہیں سمجھا، کنور جیت کے دونوں ہاتھ ایک ہار پھر اس کی پشت پر باندھ دیئے گئے اور پیروں میں بھی رسد کس دیا گیا۔ بعد کو خطرہ تھا کہ سرکس تنگ لے جاتے ہوئے کھینچ کر کنور جیت کوئی کارروائی نہ کر ڈالے چنانچہ اس نے یہ ہندوستان کیا تھا اور کنور جیت نے بھی اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا جو بے عرقی اس کا مقدر بن چکی تھی اب اسے ناخوش نہیں جاسکتا تھا۔ زندگی بچا جانے تو بہت بڑی بات ہوگی۔ تاکہ اب اسے اس کے مکانات بھی نظر نہیں آ رہے تھے۔ یا مگر سے نکل بھی گنا بھی آسان کام نہیں تھا ورنہ وہ اپنی جدوجہد ترک نہیں کرتا چاہے اس کے لئے اسے دو چار آدمیوں کو قتل ہی کرنا پڑتا لیکن یہ بے قدم قدم پر دشمن ہی دشمن موجود تھے۔ یہ مہذب لوگ تو شاید اس کے ساتھ کوئی رعایت بھی کر دیتے لیکن جگت سنگھ کے آدمی اسے کبھی نہ چھوڑتے، چنانچہ اب تنہا ہر تقدیر ہو جاتی تھی۔

بھلا صاحب اپنی جیب لے کر نکل چلے۔ کنور جیت کو جتنی جیسے میں بٹھار دیا گیا تھا اور دو آدمیوں کو اس کی عمرانی کے لئے مقرر کر دیا گیا تھا۔ سرکس میں

اب زندگی دوزخ کی تھی اور وہاں کے معمولات جاری ہو گئے تھے یوں بھی میلے کا وقت اب قریب سے قریب تر آتا جا رہا تھا لہذا اس خدمت کے پیش لگا بہت سے سپاہیوں کا نظام بھی کر یا گیا تھا ممکن ہے میدان گاہ میں جو لوگ اپنے اپنے اسٹاں لگا رہے تھے اور دکانیں سجا رہے تھے ان میں ہنسنے لگے کے آدمی حراحم نہ ہوں۔

بھلا صاحب کی جیپ جب سرکس پہنچی تو ایک بار پھر وہاں ہنگامہ ہو گیا، تمام سرکس دانوں کو یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ سو یا کو انخواہ کرنے والا کنور جیت ہے اور اس وقت وہ بھلا کے ساتھ کنور جیت کو دیکھ رہے تھے۔ بھلا صاحب نے جیپ روک دی اور اس کے ساتھیوں نے کنور جیت کو نیچے اتار کر اس کے پاؤں کھول دیئے کنور جیت پر سستہ طاری تھا۔ بڑی شان سے اس سرکس میں آتا تھا۔ بڑی عزت کرتے تھے یہ لوگ اس کی مگر اس وقت۔ غلام شاہ وغیرہ کو بھی پتہ چل گیا تھا اور سب وہاں جمع ہو گئے غلام شاہ نے کنور جیت کو دیکھ کر قہقہہ لگایا ارے ای۔ ای۔ ارے وہ ارے نکلتا۔ ہوئی رہے کن کتا۔ ارے بھائی بھلا، می جو کر کائے ہمارے سرکس کے لئے لائی رہے۔ ارے کا گنت ہے رے ارے۔ ارے اوکی سوئی۔ غلام شاہ اپنا عصا اٹا کھینچوں میں چھپ رہا تھا۔

”یہ تمہارا مجرم ہے شاہ صاحب۔ میں اسے تمہارے حوالے کرنے دیا ہوں۔“ بھلا صاحب نے کہا۔
 ”رے کہاں سے پکڑ کے آئے بھائی بھلے۔ آ اندر آ جا۔ آ جا لے آ اکبر اسے۔ اندر لے آؤ۔ ارے ہاتھ کھول دے می سر کے بھگیا دھرے تو سکتے پکڑ لائی ہے می کا۔“ غلام شاہ کے حکم پر کنور جیت کے ہاتھ کھول دیئے گئے۔ اکبر شاہ کی آنکھوں میں خون تر رہا تھا کنور کو دیکھ کر کنور جیت کو غلام شاہ کے خیمے میں لے گیا۔

”بیٹھ بھائی بھلے۔ ہاں اب بتا۔“
 ”یہ سرحد عبور کر کے حکمت سنگھ کے پاس پہنچا ہے اور اس نے اسے میرے پاس پہنچا دیا میں اسے باندھ کر تمہارے پاس لے آیا۔ میں نے اپنا کام کر دیا ہے شاہ صاحب اس کی موت کا بندوبست آپ کریں گے۔“

”شیخا، میرے حوالے کر دو، میں تم سے درخواست کرتا ہوں۔“ اکبر شاہ نے کہا۔
 ”ہیں۔ ارے واہ رے تیری دیکھو سٹ۔ فراہا گل ہے رے تے کا۔ میرے باپ کی جاگیر رہے کہ تیرے حوالے کر دوں گا ہے تیرے حوالے کر دوں کم یوں اکبرا۔ میرے سامنے کم بولا کر۔ تا تو پٹ جائے گا میرے ہاتھوں۔“
 ”میں اسے رعدہ نہیں چھوڑوں گا شیخا۔“ اکبر شاہ نے کہا۔

”کفر بجے ہے حرام کھور، اسے سکت ہے کسی کی جان مولائے کاموں میں دھل دیجے ہے اورے کا ہے تو ہار کھو پڑ یا کھرا ب ہوتے ہے رے ہوں میں نا ہے کا۔ ای ای آئے کو تو رے پاس ہے تیری مریجی آئے کر۔ ای حرام کھور ہماری عجب پر ہاتھ ڈالے رہے ناک کٹ مٹی مسر کی کن کٹا ہوئی گوا بس بات پوری ہوئی گئی۔ اب تے جانے تیرا کام۔“

”اس کا فیصلہ آپ کریں گے شاہ صاحب۔“ بھلانے کہا۔

”نا بھلا۔ تے سر پہ آ دی رہے تیری عجب بہت رہے ہمارے دل ماں تیرا آ دی ہے ای۔ ہم تو کوئی حکم ناویں گے تے اسے، پھر کرنا چاہے تو تو کا نہ روکیں گے۔ ہماری طرف سے ای حرام کھور کو سجال گئی رہے، ہمارا کام کھتم۔“

”شیخا تم اس کے ساتھ کوئی رعایت نہ کرو۔“ بھلا صاحب نے کہا۔

”ارے بات کھتم کر دی رہے، اب کا ہے ہماری کھوپڑیا کھات ہے ہمیں، تجھ سے دوسرے کام رہیں۔ ای کا کام کھتم کر لئی اے۔ پھر ہم سے بات کر بھلا، ہماری تمہاری دوستی پکی رہیں۔ اے حرام کھور تو بیچ ماں آتے ہی روت ہیں، بس بھائی بھلا تو پروا نہ کر اس کا بھیلہ تو ہی کرے۔“

کنور جیت نے یہ موقع مناسب سمجھا، غلام شاہ سے اسے اس رحم کی توقع نہیں تھی۔ اکبر شاہ کی خونی آنکھوں کو دیکھ کر تو اس کا بدن بھی کانپ گیا تھا، دراستہ اپنی موت سامنے ہی نظر آ رہی تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ غلام شاہ اے اس طرح مصائب کر سکتا ہے، اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر غلام شاہ سے کہا۔

”شاہ صاحب پاگل ہو گیا تھا میں، دیو گئی طاری ہو گئی تھی مجھ پر، جو سزا مجھے سونپائی نے دی، وہی ملتی چاہئے تھی میرے خواہ دوست ہو گئے اور جب میں اپنے اس جنون سے ہوش میں آیا تو مجھے احساس ہوا کہ میں نے بہت بڑا جرم کیا ہے میں اگر چاہتا شیخا تو دیں کہیں پیازوں میں روپوش ہو کر اپنی

پگندی عقل چھپا سکتا تھا لیکن میرا ضمیر مجرم تھا میں نے سوچا کہ اگر مجھے موت آئے تو تمہارے ہی ہاتھوں سے آئے۔ بس یہ سوچ کر میں یہاں آ گیا تم مجھے سزا دے دو شاہ صاحب میں سکون سے مر جاؤں گا۔“ نرم دل غلام شاہ نے اسے بغور دیکھا دیکھتا رہا پھر مسک کر بولا۔

”دیکھو بڑا، آ دی بنا پورا چہرہ چھپا سکتا ہے پر ای سر آ نکھیں، ای بڑی چچی ہوتی ہیں۔ تیری آنکھوں میں مکاری رہے رہے تو سوچت رہے کہ غلام سائرم دل ہے جان بچاؤ پگد مولا کرے۔ مسلمان کے گھرانے میں پیدا ہوئی ہے مولا پہ ایمان رکھے ہے چندگی موت کا بھیلہ تو ہمارے کانوں مارا

موسیٰ کہے ہے۔ ”اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ بہت بڑا ہے۔ بس بات کھتم ہوئی گئی اوچالے ادا کا کام۔ اس کی بیماری سونی پچا۔ بی رحم کر، ہم پر۔ ہم تو کا پھر کر دئی۔ چاہا گ۔ چاہا تے جانے اور بھلا۔“

بھلا کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔ غلام شاہ نے اسے دیکھا اور ہمدردی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا ہو بولا۔

”بھلا دراصل تم نے پہنچے اور یہ ساری باتیں بری طرح طاری کر لی ہیں، میں تمہیں جانتا ہوں بھلا، تم اپنی ذات پر جو یہ سارے بوجھ محسوس کر رہے ہو تو یہ تمہاری شرفیت ہے یہاں یہ نگر میں تم دیکھو، میرے نیلے بھتیجیوں نے مجھے کتنا نقصان پہنچایا ہے۔ میرے لوگ ہر جگہ ہوتے ہیں بھلا، اگر تم یہ سوچ رہے ہو کہ ان ساری باتوں کے نتیجے میں، میں بھی کوئی عمل کرنا چاہتا ہوں تو تمہاری یہ سوچ غلط ہے، اسے اپنے دل سے نکال دو، اس کا فیصلہ تم خود کرو گے کہ کیا کرنا ہے۔“

بھلا صاحب نے کہا: ”اسے جو سزا مل چکی ہے فلا کر، میرے خیال میں اس پر اکتفا کی جائے۔ البتہ میری ایک درخواست ہے آپ سے۔“

”ہاں ہاں کہو بھلا، بے تھک کہو۔“ جگت سنگھ نے کہا۔

”میں ایک جیپ اس کے حوالے کئے دیتا ہوں، اسے بیاد لی پار کرادیں تاکہ یہ جہاں دل چاہے چلا جائے، یہ جب تک یہاں رہے گا، میرے ذہن پر بوجھ رہے گا۔“

”کنور جیت، جوئس اور پیٹر کا کیا ہوا، کیا تم ان کے بارے میں بتانا پسند کرو گے۔“ جگت سنگھ نے پوچھا۔

”بلیمبر سنگھ نے انہیں تین سال تک نگہ کے حوالے کر دیا ہے تاکہ اس سے بچنے کے لئے دوبارہ کوشش کی جاسکے۔“ کنور جیت نے بتایا۔

”خوب!“ جگت سنگھ نے گردن ہلائی۔ مگر وہ بھلا سے بولا: ”بھلا صاحب آپ کنور جیت کو بیاد لی پار کرانے کے لئے جیپ وغیرہ کا بندوبست کردیں میں اپنے آدمیوں کو ساتھ کر دوں گا۔“

”بھترے بھٹا کر۔“ بھلا صاحب بولے اور پھر وہ کنور جیت کے ساتھ وہاں سے چلے آئے۔ کنور جیت خاموش تھا۔ اس کے دل کو کچھ سکون ہو تھا، زندگی بچ گئی تھی مگر دل کی گھبراہٹوں میں انتقام کے شدید جذبے چھپے ہوئے تھے۔ البتہ ابھی موقع نہ تھا اس نے دل میں سوچا۔ بھلا تجھے براہ نہ کر دوں گا تو میرا نام کنور جیت نہیں۔ اپنی رہائش گاہ پر آ کر بھلانے کہا۔

”اپنے سب بوجھ لینا چاہو کنور، لے لو۔ مجھے اعتراض نہ ہوگا۔ یہ سب کچھ میری مجبوری تھی اور کچھ نہیں کر سکتا تھا میں تمہارے لئے۔“

”آپ کا یہ احسان میں کبھی نہ بھولوں گا بھلا صاحب۔“ کنور جیت نے کہا اور کچھ دیر کے بعد ٹھاکر کے آدمی وہاں پہنچ گئے۔ بھلا صاحب نے کنور جیت کو ان کے حوالے کر دیا۔ وہ سب حد واس ہو گئے تھے۔ راجنکری ان کے پاس موجود تھی اس نے کہا۔

”آپ کو شدید نقصانات اٹھانے پڑے ہیں بھلا صاحب۔ ایک آئیڈیا ہے میرے ذہن میں۔“

”کیا؟“

فقیر دین کو تھوڑی سی محنت کرنی پڑے گی کہانی پر، ہم ہیر کو چاہتے ہو تو دیکھیں گے اور کہانی کو دوسرا رخ دے دیا جائے گا۔ آدھا شارق نہیں مل جائے بڑا کام بن سکتا ہے ہم یہاں سے وہیں جائیں گے تو کنور جیت کا بہترین نعم البدل لے کر چائیں گے۔“

”بہتم شارق کے حصوں کے لئے دو چار غوا، دو چار قل کر ڈالو۔“ بھلا صاحب نے بلہااتے ہوئے لہجے میں کہا اور تیز تیز قدموں سے اندر چلے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ جیب میں دو بارہ سرکس کی طرف جا رہے تھے۔

سرکس میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔ غلام شاہ قہقہے لگا رہا تھا اس نے بھلا کو دیکھ کر کہا۔

”آؤ بھئی بھئی۔ میدان جنگ میں بلائی ہے ہمارے پارے پارے ہکا۔ ارے اکی کاں ہیری کہاں ہے۔“

”میں سمجھ نہیں شاہ صاحب۔“ بھلا نے کہا۔

”کی کھٹ بھیج رہے ہمارے پاس جا رہا ہے۔“ غلام شاہ نے دو پرچہ بھلا صاحب کے حوالے کر دیا جو کنور جیت نے اسے دیا تھا۔ بھلا صاحب پرچہ کھول کر پڑھنے لگے۔ لکھا تھا۔

”سرکس کے لکڑے غلام شاہ۔“

”میدان کی موت آتی ہے تو وہ شہر کی طرف بھاگتا ہے تیری موت تجھے نہ نگر لے آتی ہے۔ شاہ بہت دیر ہے تو، سنا ہے بات کا دھتی بھی ہے۔ ہیر بھی تھا کہ ہے تجھ میں ہمت ہے کہ بلیر اسے مقابلہ کرے۔ ایک بات سن لے اب یہاں سے زندہ واپسی حیرے نے ممکن نہیں ہے۔ عزت کی موت مرنا چاہتا ہے تو کالی ہیری کے درے میں آ کر مجھ سے مقابلہ کر لے میں اکیلا وہاں آؤں گا تو بھی اگر کسی مرد کی اولاد ہے تو جگت سنگھ یا اپنے آدمیوں کو ساتھ نہ لانا، ایسا نہ کر کے تو پھر جہاں ہے وہیں رہ کر اپنی موت کا انتظار کر۔ خدا کر قول کے پکے ہوئے ہیں تو بتا تیری نسل کیا ہے۔ اگر ہیری لاکار قبول ہو تو اپنے سرکس پر دال جھنڈا لگا دے۔ میں دیکھ لوں گا ورنہ حیرت کی شام سورج ڈوبنے کا کالی ہیری کے میدان میں حیرت لکڑا کر دوں گا۔“

”خدا کر بلیر سنگھ۔“

بھلا صاحب نے ایک گہری سانس لے کر پرچہ تہہ کر دیا اور پھر اسے غلام شاہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”یہ وہی پرچہ ہے جو کنور جیت لایا تھا؟“

”ہاں ابھی لائے رہے۔ پرچی آئے ہے بھائی بھئی ہمارے پاس کا کام ہوئی ہے مولائے ہمارے خدا کے حملہ میں خدا کر سے اٹھا چنگ ہوئی ہے ہے کا بھی رہے اکبرا۔“

”تم نے کیا فیصلہ کیا شاہ صاحب۔۔۔؟“

”ارے بھیلے! کرتا ہے بھائی، ہمارا ہر ہکا بٹائی ہے ہم جی ہے نا تو کا سوچے گا او بے چارہ ارے کہتے ہے ہم مرد کی اولاد میں تو اپنے یا جگت سنگھ کے آدمیوں کو ساتھ لائے ہیں ارے بھی باپ تو ہمارا ایسا مرد ہے کہ یوں بولا تھا، وکا اکیلے ہی تھا پورے کیلے ماں ہی گھروا چوڑی چھٹی والا آئیں گے ارے حرام کھور دکھا گئیں گے تو کا اپنے باپ کی سان۔“ غلام شاہ نے کہا۔

کبیر شاہ اور دوسرے لوگ خاموش تھے بھلا صاحب نے کہا۔ ”نہیں شاہ صاحب یہ سنگاری ہے آپ جانتے ہیں بنیر ایک ڈاکو ہے چور اور ڈاکو کا رہا ہوتا ہے وہ کہتا ہے کہ وہ تو لکھا ہے یہ تو اس کا علاقہ ہے یہاں تو ایک آدھ حسد تو کرتا آپ پر چوروں کی طرح مسہ چھپائے بل میں گھسا ہوا ہے اسے تو راویں سنگھ کا سہارا حاصل تھا پوری فوج تھی اس کے ساتھ اور وہ آپ کے سامنے آنے کی ہمت بھی نہ کر سکا یہی نہیں بلکہ سرکس کے لوگ اس کے علاقے میں جا کر اس کے مسہ پر کا لک ل آئے اور وہ کچھ نہ کر سکا اب جب وہ بے بس ہو گیا تو اس نے یہ چال چلی ہے اس طرح وہ آپ کے جذبات میں دکر آپ کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔“

”ارے نہیں بھائی بھلے ہم جی ہے اوکے بلاوے پر، جگت سنگھ سے بس ایک بات پوچھ لینی ہے دوسرا تو کرا کی نسل سے ہے کہ نا اگر ہے تو ٹھیک ہے ہماری نسل اوکل جی ہے اور اوکی بھی۔“

”کبیر شاہ آپ سمجھا ہے شاہ صاحب کو ایک فریبی کے فریب کا شکار ہو رہے ہیں شاہ صاحب۔“

”ہمارے ملک کے بزرگوں کی یہی شان ہے بھلا صاحب وہ غلط کہیں یا صحیح چھوٹوں پر فرض ہے کہ آنکھیں بند کر کے نا کے سامنے سر جھکا دیں ورنہ نافرمان اور گستاخ قرار پاتے ہیں۔“

اکبر شاہ نے کہا اور غلام شاہ نے پھر ایک گھر گرج قبچہ لگایا۔

”ارے چوٹ مار گئی رہے اکبر ارے بہت ہوئی گئی رہے ہمارا ہمارے دیکھو سر کا کہتے ہے کا ہے رکیں بھائی تو ہمار کہنے سے جے کوئی ہمار بات مانی رہے اوکی سرسارک احسان پر احسان کری ہے ہم پر جوتا مار مار کر منہ لال کر دی ہے ہمارا ہماری جھٹ جی ہے اس نے ہمار بیٹا کو سرکس پہنچی ہے اور اے سارے کے سارے جان کے پیچھے پڑ گئی اوکے۔ ارے بھائی کا لون ہم بٹائی ہے، سرکس ماں ہم پر ہی قانون چلا دیا ارے ان ساروں نے، جی ہے ہم نا بھائی بھلے ہم جرد جی ہے ارے ہاں تے بتا بیڑا کا کر اور حرام کھور کا۔“

”کھور جیت کا؟“

”ہاں!“

”سے ایک جیپ دے کر یہ گھر سے باہر نکالی، یا، کیلا جائے گا، تاکہ اس راستے طے کر کے اس جے یا مرے وہ جانے اور اس کا کام۔“

”تکٹہ سگھ سے بات کر لی تھی۔“

”ہاں شاہ صاحب اس سے پوچھ کر ہی ایسا کیا ہے۔“

”جیل ٹھیک ہے بھائی اچھا ہوا۔“

”آپ نے مجھ سے کوئی بات کرنے کے لئے کہا تھا شاہ صاحب۔“

”ہاں رہے بڑی جروری بات رہے بھلا ارے اوکی اکبر اجر اسونی بٹیا کو تو بلا لائی ہے۔“ غلام شاہ نے کہا۔ اور اکبر شاہ باہر نکلا گیا تھوڑی دیر کے بعد سوئیو نیچے میں آگئی تھی۔ غلام شاہ نے اسے بیٹھے کا اشارہ کیا اور سوئیو نیچے گئی غلام شاہ نے کہا۔

”تے جرد اپنی کھوپڑیا پر جو ردے کر ایک ہات رکھتا کی بھائی بھلے۔“

”ضرور شاہ صاحب۔“

”بڑے بھائی کے بچے، ناچی کے ہوا اس کے نام جانت رہیں؟“

”سرکس والا ناچی؟“

”رہے اور کا بھائی بھول گوا کا۔“

”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا شاہ صاحب میرے بچے اس کا نام ضرور جانتے ہوں گے بلکہ شاید میں بھی جانتا تھا اچھی کی زبان سے تھا۔“

”رے بتا رہے بھائی جراتے اس کا نام۔“ غلام شاہ نے بے مہربانی سے کہا، اور بھلا کسی سوچ میں ڈوب گیا پھر کچھ دیر کے بعد اس نے کہا۔

”ایک کا نام شاید موچی تھا۔“ غلام شاہ کے چہرے کے تاثرات عجیب ہو گئے تھے وہ خاموشی سے بھلا کو دیکھتا رہا بھلانے کہا۔ ”دوسرے کا نام بھی کچھ ایسا ہی تھا یا نہیں آ رہا ہے غلام شاہ، میں نے کبھی غور سے سنا ہی نہیں بس آپ کے کہنے سے وہ بات یاد آگئی تھی مگر آپ اطمینان رکھیں شاہ صاحب آپ کو اس بارے میں پوری تفصیل فراہم کرنے کی ذمہ داری میری ہے۔“

”دوسرے کا نام نکیم جی تھا رہے بھائی بھلے۔“

”سو فیصدی سبکی تھا،“ سب کا کہنا بالکل درست ہے مجھے یاد آ گیا۔“ بھلا نے جلدی سے کہا۔

”کیا ان میں سے ایک مر گیا تھا بھلا صاحب۔“ سوئیو نے پوچھا۔

”یہ تو میں نہیں جانتا۔“

”اور وہ ہے نے انگلس سرکس ہی کھتم کر دیا۔ ارے چوہٹ ہوئی مجھے بھائی بھلے ہم تے اوئی حرام کھور ایسی ناک لگائی رہے کہ ہاتھ ہی نہ آسکت ہے
رے سب حرام کھاؤ رہے۔ جراسی بات ہوئی گئی۔ ارے مردوت، کوئی بیچ رہے بھائی اک بیری آئی جی رہے تو کا ہو جی ہے۔“ غلام شاہ اداس
لہجے میں کہہ رہا تھا اور بھلا حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”کس کی بات کر رہے ہیں شاہ صاحب؟“

”ارے بھائی اوئی سارک رہے۔“

”شارق۔۔؟“

”ہاں بھائی بھلے سونی بیٹا تو ہر س منے ہی بتائی رہے کہ ایک پہریہ ار اوکی مدد کری رہے پھر چنک منک یولی رہے اوس رک تھا۔ سارک نے پہریہ ار
کے بھیس ماں باتیں کرتے ہوئے سونی کو بتائی رہے کہ او انگلس سرکس ماں کام کری رہے ارے ہم سمجھ گئے بھائی کہ ادسر جھولے پر کام کیسے دکھائی
ہے۔ سسر کہت رہا ہکا کہ ادو کیہ کریکھ لئی ہے۔ کوئی جاک ہے بھیا کمر توڑنی پڑے ہے۔ پڑیاں کوٹنی پڑیں ہیں تب جا کر بٹے ہے او سرکس کا آدمی
بھیا۔ ادو سونی کو بتائی ہے کہ حرام کھور پڑوانے مانگی کی موت کے بعد او کے دوسرے بڑا کو مر دا دیا اور پہل چٹا سرکس ادو چھوڑ بھاگا۔ ہم جانت رہیں
او ہر ام کھور پھر اسرکس ہی لے گیا ہوگا۔ اب اس نے نیا نام بتائی ہے وکا کہت رہیں۔ ارے کا کہت رہیں سونی۔“ غلام شاہ نے سونیا سے کہا۔
”ڈریم بینڈ سرکس۔“ سونیا نے سسکی سی لے کر کہا۔

”ہاں بھائی بھیسے اوئی سرکس۔“

”او مائی گاڈ۔ شارق اس سرکس کا آدمی تھا۔۔؟“ بھلانے کہا۔

”بڑا جو ردار تھا بھائی۔ ہم نے ایسا بتایا ہو بدین کھوٹا دیکھا ادو لگور کی طرح پٹ جی ہے۔ کوہ آدمی کے بس کی بات مار ہے۔ ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ جی
ہے۔ چٹ سے مولا کسم۔۔“

”شارق سرکس کا آدمی تھا۔ مگر اس لے سرکس کیوں چھوڑا؟“

”اس نے کہا تھا کہ انگلس سرکس ختم ہوا تو اس نے سرکس چھوڑ دیا۔ وہ پیڑ روکے ساتھ کام نہیں کرنا چاہتا تھا۔“ سونیا نے کہا۔

”رے تے اس کی آواج بھی نا پہچانے رہے بیٹا۔“ غلام شاہ نے گردن میڑھی کر کے کہا۔

”وہ وارہل کر بولتا تھا شیتا۔“ سوہا نے بے مشکل اپنی آوارگی لرزشوں پر قابو پا کر کہا۔

”ہم تو چوچٹ ہوئی گئیں بڑے کام کا تھا اور ہمارے لئے۔ پر بچی بات تو یہ ہے کہ ہم نے بھی بڑی بے چینی کئی تھی اس کی۔ کبھی بھی جو مولا کی مرضی۔ کوئی ٹاکر سکت ہے بس بھائی بھئیے تو ہمارا کام کھتم ہوئی گوا۔ ہم تو کا جو کام کہتے رہے اور تو ہو گیا۔ آگے دیکھیں گے مولا کیا چاہتا ہے۔“

”آپ بد دل نہ ہوں شہ صاحب ایک بات تو آپ بھی جانتے ہیں کہ شادی ایک علاقوں میں موجود ہے کہیں نہ کہیں ہاتھ لگ جائے گا۔ بلکہ میلہ شروع ہوتے ہی وہ میلے میں ضرور آئے گا۔“

”یہ۔۔؟“ غلام شاہ کے چہرے پر ایک دم حوشی کے آثار پھیل گئے۔ اس نے سونیا کو دیکھا اور بولا۔ ”ارے ہاں، ٹھیک تو کہتے رہے ای سوئی ارے تے بڑھیا بات کہی بھائی بھئیے۔ لوہنی سسر اور میلہ نا آئے رہے۔ اور جو رو آئے گا ہم دیکھیں گے کہ کیسے بچت ہے سیکھ کے ہاتھوں سے۔“ غلام شاہ کا سوڈی بدل گیا۔ وہ تھپتھپانے لگا، مگر بھلانے اس کا ساتھ نہیں دیا۔

”تو ہاتھو بڑیا کا ہے نکال گئی بھائی بھئیے۔ کوئی کلتی ہوئی ہم سے۔“

”شاہ صاحب آپ میری بات نہیں مانیں گے۔“ بھلانے کہا۔

”کوئی بات بھائی۔۔؟“

”دیکھئے شاہ صاحب مجھے اس بات کا درد بھی حق نہیں پہنچتا کہ میں آپ کو مشورہ دوں لیکن آپ نے ہر موقع پر مجھے یہ احساس دلا ہے کہ آپ مجھے دوست سمجھتے ہیں اور میری عزت کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ آپ نے اس سنگین ترین جرم کو بھی معاف کر دیا جو کنوڑ جیت نے کیا تھا۔ شاہ صاحب آپ سب حد دلیر و درخشاں انسان ہیں لیکن زندگی میں ہر طرح کے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ فراخ دلی اور دیرینہ کے ساتھ دانشمندی بھی ضروری ہے۔“

”ارے ہاں دیا، ارے تے نے تو جلسہ عام کر ڈالے بھائی بڑی بڑھیا بکری کر کے تے نے پر ہیرا ای ہمارے کھوپڑی جو ہے نا اس ماں گوبر بھری رہے بھیئیں گا، بس صاحبہ بات سمجھ آوے ہے ہکا۔ تے نے جو کہا، او سمجھ ماں نا آئی ہمارے۔“

”آپ کو بھلا، اکی سار ش کا شکرا نہیں ہونا چاہئے۔“ بھلا صاحب نے کہا۔

”رے اوسر کی جاب کہ ہکا سار کر کے۔“

”آپ اس کا پہنچ قول کریں گے۔“

”ہم پہلے ہی کہتے رہیں۔“

”میں اس سے اختلاف رکھتا ہوں اکبر شاہ بھی اس سے ناخوش ہے اور میرا خیال ہے سو نیا بنی بھی اسے پسند نہیں کرے گی۔“

”ہم بات کھتم کر چکے ہیں بھائی بھیسے۔ کہہ چکے ہیں کہ اس بارے میں ہم کسی کی بات نہ مانیں گے۔“

”آپ بات ختم کر چکے ہیں شاہ صاحب ہم نہیں۔ سو نیا کیا تم میرا ساتھ نہیں دو گی۔“

”میں کیا کہوں بھلا صاحب اکبر بھی بہت کچھ کہہ چکے ہیں شیخا سے۔ وہ ناراض بھی ہو گئے ہیں شیخا سے۔“

”ہمارا چنوا ہے او۔ جب سر ملہر کو ہاندھ کاٹی ہے تو کھوس ہو جی ہے او۔“ غلام شاہ نے کہا۔

”یہ سب کچھ تھا آساں نہیں ہوگا۔ وہ شاطر ہے آپ نے دیکھا نہیں اس نے کنور جیت کی پیشکش سے پورا فائدہ اٹھایا اور آپ کو مجبور کرنے کے لئے فوراً اقدام کیا وہ تو سو نیا اس کے بس میں نہ آئی ورنہ آپ کو وہ پریشان کر سکتا تھا۔“ بھلا نے کہا۔

”یوہیا کھی جے نے بھائی بھیسے سو نی ہماری کون ہے بھتیگی مار۔ ہم کون ہیں اوکے۔ او نی سر سرارے کے سارے بھتیگی کونا پکڑ سکے تو چا چا کا کا بگاڑ نہیں گے امیں۔ ارے دیکھاتے نے بھائی بھیسے چنگ منک گئے تو ان کی ناک کاٹ کر لے آئے۔ سو نی پکڑ کی انہوں سے تو دبی و پس آ گئی۔ اکبر حلاس میں گئی سو نی کی او سر راون سنگھ کا پکڑ لائی ارے ہم تو چا چا ہیں دن کے۔ کیسی رہی رہے۔“ غلام شاہ نے قہقہہ لگایا۔

”آد کاٹ، میں آپ کو روک سکتا۔“

”مے ہمارا رہے بھلا۔ ہم خیری محبت سمجھتے ہیں رہے۔ چند گانی بھر ساتھ لٹھکی ہے حیرا۔ مولانا نے چاہی تو پرتے اطمینان رکھ۔ ہم سیدھے سادے ہیں پر بے د کوف تا ہیں۔“

بھلا خاموش ہو گیا۔ وہ چاہتا تھا کہ غلام شاہ ضدی ہے کبھی نہ مانے گا مگر اس مسئلے کو وہ تشویش کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ یہ لوگ ناقابل یقین کارنامے انجام دیتے ہیں مگر یہ علاقہ ٹھکروں کا ہے اور ملہر جی چو نہیں کھانے کے بعد کوشش کرے گا کہ اب اس سے غلطی نہ ہو۔ اسے خود بھی ان لوگوں کی کارکردگی پتہ چل چکی ہے ورنہ چاروں طرف سے محتاط ہوگا۔

تھوڑی دیر کے بعد بھلا صاحب نے دائیں کی جارت مانگ لی تھی۔ یہاں سے وہ سیدھے پہنچے۔ عجیب حالات میں گزارہ ہو رہا تھا۔ پتہ نہیں کیا کیا پروگرام بنائے تھے نیا عمر کے سلسلے میں مگر سب کچھ چو پٹ ہو کر رہ گیا تھا۔ اونٹ کسی کل بیٹھ ہی نہیں رہا تھا۔ آخری کیل کنور جیت نے ضوٹک دی تھی اب اس فلم کے آگے بڑھے کی امید نہیں تھی جس پر اس کا کثیر سرمایہ خرچ ہو چکا تھا۔ بہت افسردہ اور پریشان تھے وہ۔

راجا رامی شرمیلا کے کمرے میں بیٹھی ہوئی تھی اور شرمیلا کے رخسار آنسوؤں سے تر تھے۔ بھلا صاحب نے چوٹک کر کہا۔ ”ارے شرمیلا! ارنگ تمہیں

کیا ہو گیا؟“ شرمیلا نے کوئی جواب نہ دیا اب نہ را بھکاری بولی۔

”شرمیلا جی کا خیال ہے کہ آپ بدد مگے ہیں بھلا صاحب۔ آپ اب ان سے محبت نہیں کرتے ان کے پاس نہیں بیٹھتے۔ میں سے دور دور رہتے ہیں۔“
”تو اور کیا؟“ شرمیلا نے روتے ہوئے کہا۔

”اوہ نہیں شرمیلا یہ صرف تمہارا خیال ہے تم نے ہی تو کہا ہے پہلے میں اپنا کام کروں اس کے بعد تمہارے پاس آیا کروں۔ یہاں آ کر کچھ پریشانوں کا شکار ہو گیا ہوں بس اور کوئی بات نہیں ہے۔ چند دور کی بات ہے ڈارلنگ بس اس کے بعد میں ایک عویل عرصے تک آرام کروں گا۔ میں خود بھی ان مصروفیات سے غلب آ گیا ہوں۔ کیا تم میری ان پریشانیوں کا خیال نہ کرو گی۔ شرمیلا۔“
”شرمیلا کو یک دم جیسے بریک لگ گیا۔ اس نے جلدی سے آنسو خشک کرتے ہوئے کہا۔

”تم پریشان ہو بعد ...؟“

”ہاں شرمیلا بہت پریشان ہوں۔“

”اوہ۔ سوری بھلا۔ سوری، مجھے معلوم نہ تھا۔ آئی ایم دیری سوری۔۔۔ اب تم سے کوئی شکایت نہیں ہے مجھے تم اپنے کام کر لو، تم نے مجھے بتا دیا اب کوئی بات نہیں ہے۔“

”میں جانتا ہوں شرمیلا میرے بارے میں کوئی غلط بات سوچ ہی نہیں سکتی۔“ را بھکاری ٹھکرا کر باہر چلی گئی اور بھلا دیر تک شرمیلا کو تسلیاں دیتا رہا۔ چند گات کے بعد شرمیلا کے ہوناک قہقہے ابھر رہے تھے لیکن ان میں محسوس ہجڑا جیسی قلقلاریاں تھیں۔ اسے بہت کرا بھلا باہر نکل آیا۔ یہاں را بھکاری اس کی تاک میں تھی۔

”ہمیں بھی کچھ وقت ملے گا بھلا صاحب۔؟“ اس نے کہا اور بھلا بس پڑا۔

”ضرور را بھکاری جی۔ ویسے آپ کو خود بھی اس انوکھی صورت حال کا اندازہ ہو گا جس کا ہم شکار ہو گئے ہیں۔“

”مجھے تعجب ہے بعد آپ جیسا تجربے کا رڈائریکٹر اس صورت حال کا اندازہ نہیں کا سکتا تھا جبکہ یا نگر کے بارے میں آپ نے مجھے خود بتایا تھا کہ وہ ایک دلکش لیکن خطرناک علاقہ ہے۔ دونوں باتیں درست ہیں یہ علاقہ دلکش بھی ہے مگر حد سے زیادہ خطرناک ہے یہاں جو کچھ ہو رہا ہے وہ تو ہماری سنسنی خیز فلموں سے بھی زیادہ سنسنی خیز ہے۔“ را بھکاری نے کہا۔

”اس میں میرے تجربے کا قصور نہیں را بھکاری جی بس یوں سمجھ لیجئے کہ حالات کے بارے میں جکڑے گئے ہیں ہم لوگ۔ اب دیکھئے نا دو غلط لوگوں

نے ہمارے ساتھ شمولیت اختیار کر کے کیا قیامت ڈھائی۔ جلت نکلتا مگر میرا دوست نہ ہوتا تو ہم خود بھی اس جرم کے مجرم گرد نہ جاتے اور پھر دوائے کورجیت کو دیکھو، شوہر کی دنیا میں اسے من مانوں کی کیا کمی تھی۔ خود مصیبت مولیٰ اس نے خود تو مرا نہیں بھی، رہ گیا۔ میں نہیں سمجھتا کہ آپ یہ ظلم مکمل ہوگی۔ جتنا سہا یہ اس پر خرچ ہو گیا ہے آپ کو بھی معلوم ہے۔“

”میں جانتی ہوں بھلا صاحب۔ میں خود بھی یہاں سے اکٹھا گئی ہوں اور اب یہاں سے چانا چاہتی ہوں مگر ہم پر نے سناچی ہیں میری شہرت میں آپ کا حصہ بھی ہے۔ چنانچہ میری ذاتی اہم ردیاں آپ کے ساتھ ہیں آپ، اپنی مصروفیتوں کے شکار رہے ہیں مگر ہم اس دوران آپ کے بارے میں سوچتے رہے ہیں۔“

”کیا.....؟“ بھلا صاحب نے پوچھا۔

”میں اور فقیر دین جی کہانی پر مسلسل ڈسکس کرتے رہے ہیں۔ کہانی کو ایک خوبصورت ٹرن دے کر ہیر دگا کر دار ختم کیا جا سکتا ہے اور اس کی جگہ دوسرا آدمی لیا جا سکتا ہے بشرطیکہ شارق ہمارے ہاتھ لگ جائے۔“

”شارق“ بھلا صاحب چونک کر بولے۔

”صرف شارق کسی ڈی ہیر دگا کا حادثہ دیکھ یا جا سکتا ہے اور ہیر دکن کی یادداشت خراب کی جا سکتی ہے اس کے بعد نئے ہیر دگی کہانی شروع ہو جائے گی اور ہیر دکن اس سے شادی کر لے گی۔“

بھلا صاحب کا جی چاہا سر پیٹ لیں۔ راجیکاری سنے چکر میں تھی وہ شارق کو پسند کرنے لگی تھی اور اسے معلوم تھا کہ شارق اس پاس موجود ہے لیکن کاروباری نقطہ نگاہ سے یہ تجویز بری بھی تھی کم از کم اس قلم کو مکمل کیا جا سکتا تھا۔ اب قلم کا جو بھی حشر ہو لیکن سرمائے کی کچھ تو، ایسی ہو سکتی تھی انہوں نے خود پر جبر کر کے راجیکاری کی ذہانت کو سزا دیا اور اس سے کہا کہ بس شارق ہاتھ آ جائے وہ فوراً ہی اس کی تجویز پر عمل شروع کر دیں گے۔ راجیکاری خوش ہو گئی تھی۔ اس نے کہا۔

”خیر چھوڑیے اب اس موضوع کو، شرمیدہ جی مطمئن ہو گئیں؟“

”شرمیدہ“ اس وہ مطمئن ہو گئی۔“ بھلا صاحب نے گہری سانس لے کر کہا۔

”یقین کریں بھلا صاحب، آپ لوگوں کے لئے نہ جانے کیا باتیں پر اسرار ہوں گی لیکن جب میں آپ کے اور شرمیدہ جی کے بارے میں سوچتی ہوں تو میری عقل ساتھ چھوڑ جاتی ہے وہ ایک معصوم عورت ہے اور دنیا کے کسی بھی مرد سے متاثر ہو سکتی ہے۔ اس سے بے پناہ عشق کر سکتی ہے لیکن بھلا صاحب آپ، آپ جو کچھ کر رہے ہیں وہ ناقابل یقین ہے آپ ایک شاندار مرد ہیں، عزت، شہرت اور دولت کے مالک آپ جس حرف رخ کر دیں وہاں آپ کی پائی ہو لیکن آپ؟“

”یار ہا تمہیں اس سوال کا جواب دے چکا ہوں، راجکھاری۔ حسن، لطافت، دلکشی، چہرہ خاتی ہوتی ہے جذبہ جھٹکی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ اس باپ کی بیٹی ہے جس نے مجھے بھلا بنایا اور نہ میں کچھ نہ تھا۔ وہ بچپن سے مجھے چاہتی ہے در زندگی کا کوئی لمحہ ایسا نہ آیا جب اس نے میرے سوا کچھ اور سوچا ہو۔ اس کا بھاری بھر کم وجود میری ہلکی سے بے اعتنائی سے ختم ہو سکتا ہے، اور میں ایسا کبھی نہیں کرنا چاہتا۔ بس اسے اس کی تمام ترکی کے باوجود زندہ رکھنا چاہتا ہوں اور وہ صرف میرے پیار کے سہارے زندہ رہ سکتی ہے۔“

”آپ عظیم ہیں بھلا صاحب۔“ راجکھاری نے متاثر بیچے میں کہا پھر بولی ”کیا حکم ہے بھلا صاحب میں ٹٹھی صاحب کے ساتھ مل کر کہانی پر کام جاری رکھوں ...؟“

”بالکل راجکھاری جی اس طرح میں اس عظیم قصا سے بچا جاؤں گا۔ اب مجھے اجازت دیجئے اور ہاں ایک ذمے داری اور سپرد کرتا چاہتا ہوں آپ کے۔“

”جی فرمائیے۔“

”شرمیل کو اس بات کا یقین دلاتی رہیں کہ میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں سوچتا اور اسے حد سے زیادہ چاہتا ہوں۔“

”آپ اطمینان رکھیں میں خوشی سے یہ کام کروں گی دل کی بات ہوئی ہے تو میرے دس کارڈ بھی آپ کو معلوم ہے۔“

”تمہارے دل کا راز؟“

”شارق ...!“ راجکھاری نے کہا۔

”اوہ ہاں یقیناً بہر حال اس کی تلاش سب کو ہے مل جائے تمہاری خواہش پوری کرنے کے لئے سب کچھ کروں گا۔“ بھلا صاحب نے کہا اور مسکراتے ہوئے وہاں سے ہٹل پڑے۔ اپنی جیب میں جگت نگہ کی عین کی طرف بڑھتے ہوئے وہ سوچ رہے تھے کہ ”بھلا اس بار جس طرح پہننے ہو زندگی میں کبھی ایسے نہ پہننے ہو گئے۔“

جگت نگہ تک پہنچنے میں کوئی وقت نہیں ہوئی تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے بعد کا خیر مقدم کیا اور بولا۔ ”کہو بھلا کیا کرتے پھر رہے ہو ...؟“

”بس تھک کر صاحب، کوئی برا وقت تھا جب میں نے یا نگر کا رخ کیا تھا۔ جو کچھ ہوا وہ میرے خواب میں بھی نہ آیا تھا۔“

”مجھے تمہارے قصا نامت کا حس ہے مجھے بتاؤ دوست تمہارے یہ قصا کیسے پورا کر سکتا ہوں۔“

”مالی قصا کی پروا میں نے زندگی کے کسی حصے میں نہیں کی تھی کہ صاحب چوری زندگی کیا۔ اور بتایا ہے مگر میری جو پوریشن خراب ہوئی ہے اس نے

مجھے ذہنی طور پر بہت نقصان پہنچایا ہے۔“

”تم جیسا حساس انسان ہمیشہ نقصان میں ہی رہتا ہے۔ بھلا صاحب کتنی بار کہوں آپ سے کم از کم مجھے آپ کی ذات سے نقصان نہیں بلکہ فائدہ حاصل ہوئے ہیں۔ وہ کچھ ہو گیا ہے جو کرنا میرے لئے ممکن نہ تھا۔ وہ دو مجرم اگر تمہارے یونٹ میں نہ ہوتے تو کون چاہتا تھا کہ وہ ہاری لگا ہوں میں آئے پناہ آتے یہ تمہارے یونٹ میں ہونے کی وجہ ہی تھی کہ راؤن سنگھ کی سازش سامنے آ گئی اور اسلحہ ہمارے ہاتھ لگ گیا۔ غلام شاہ سے دوست کی بنیاد بھی تم ہو۔ اور یہی بات تو یہ ہے کہ نہ تمہارا آدمی سو نیا کو اغواء کرتا اور نہ راؤن سنگھ ہمارے ہاتھ لگنا کوئی ترکیب نہیں تھی اسے سورج گڑھ سے لانے کی اور نتیجہ ایک بھیاں یک جنگ ہونا جس سے میرے نیا مگر کے ہزاروں ہائی مارے جاتے اب اس کے امکانات صرف دس فیصد رہ گئے ہیں اور یہ اس فیصد کچھ نہیں ہے۔“

”تمہارا شکریہ ادا کر کے تم اس انداز میں سوچ رہے ہو۔ ورنہ میں تو بڑا شرمندہ ہوں۔“

”مگر تمہیں شرمندہ ہونے کا شوق ہے تو ہوتے رہو بھائی شرمندہ۔ میں کیا کر سکتا ہوں جبکہ میں قوانین تہذیبوں سے بے حد خوش ہوں۔ خاص طور سے تمہارے اس غلام شاہ نے تو یہاں آ کر تب تک ہی چھایا ہے وہ سب کچھ کر سکتا ہے وہ جس کے بارے میں دوسرے سوچتی بھی نہیں سکتے۔ اس کی وجہ سے راؤن سنگھ ہمارے ہاتھ آ گیا۔ میں نے قیل سنگھ کو بھی پیغام بھجوا دیا ہے۔“

”کیسا پیغام؟“

”راؤن سنگھ کے ہاتھ آ جانے سے قیل کی کمر لوٹ گئی ہے۔ تمہیں حیرت ہوگی کہ دونوں بھائی ایک دوسرے سے بے حد پیار کرتے ہیں۔ قیل سنگھ کی راتوں کی نیندیں ختم ہو گئی ہوں گی بھائی کی وجہ سے۔ میرے بچتے ہیں میں جانتا ہوں بچپن سے بہت پیار کرتے ہیں ایک دوسرے سے۔ جو کر سکتے تھے وہ ساتھ مل کر کر سکتے تھے کیل قیل سنگھ ہم پر حملے کی جرات بھی نہ کر سکتے گا۔ میں نے اسے مندر بھیجا ہے کہ مجھ سے آ کر ملے ورنہ دوسری شکل میں اس کا نتیجہ راؤن سنگھ کی موت کی شکل میں بھی نکل سکتا ہے۔ اگر وہ آ گیا بعد تو یوں سمجھو جھگڑا ہی ختم ہو گیا۔ اس کے بعد ان کے علاقے پر آسانی پڑے میں لے لوں گا۔“

”بھگوان کرے ایسا ہی ہو۔“ بھلا صاحب نے کہا۔

”اور تم پر بدوچ شرمندگی کا بھوت سوار ہے۔ چھوڑو سناؤ تمہارا غلام شاہ کیا کر رہا ہے۔؟“

”اس نے ایک ٹی اے بھن کھڑی کر دی ہے۔“

”قدم شاہ نے....“ شاہ کرنے حیرت سے پوچھا۔

”ہاں!“

”عجب ہے، کیسے وہ تو بہت نیک انسان ہے بہت صاف اور سچا!“

”اس کا صاف اور سچا ہونا ہی تو انھن بن گیا ہے۔“

”کیا ہوا؟“

”بلیمہ سنگھ نے اسے مقابلے کی چیتا ذنی دی ہے۔“

”بلیمہ سنگھ“ شاہ کر جگت سنگھ کے ہونے بھی گئے۔ وہ بولا ”اس کے خاندان کے ہارے میں ہمارے پرکے ہمیشہ کہتے آئے تھے کہ اس سے

ہوشیار رہنا وہ کھرے شاہ کر نہیں ہیں۔ دعا کریں گے اور بلیمہ سنگھ نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ سچ کہتے تھے۔ کاش میں پہلے اس کا بندوبست کر سکتا۔ غلام

شاہ کیا کہتا ہے؟“

”تیار ہو گیا ہے مقابلے کے لئے۔“

”یہ مت بل کیو ہو گا؟“

”جنگ ۱“ بھلانے کہا۔

”یعنی سرکس والوں کی جنگ بلیمہ کے آدمیوں سے اور وہ بھی یہ عمر میں کیا ہمارا خون اتنا ہی میلا ہو گیا ہے کہ ہم اپنے مہمانوں پر کسی کو حملہ

کرنے دیں گے؟“ جگت سنگھ نے غصے سے کہا۔

”یقین کر دوں گا اگر یہ سرکس والوں کی بلیمہ کے آدمیوں سے جنگ ہوتی تو اس کے نتائج ایسے نکلنے کہ دنیا یقین نہ کرتی۔ ایسی خوشخوار بلا نہیں بچھے

لگائیں کہ بلیمہ امرنے کے بعد بھی یاد کرنا مگر بلیمہ الے صرف غلام شاہ کو لٹکا رہے۔“

”اوہ۔۔۔ وہ کیسے؟“ جگت سنگھ نے پوچھا اور بھلانے بلیمہ کے خط کا متن جگت سنگھ کو بتا دیا۔

”خوب غلام شاہ کیا کہتا ہے؟“

”میں نے یہ چیلنج قبول کر لیا ہے۔“

”گو یادہ اکیلا جنگ کرے گا۔“

”ہاں!“

”یہ بھادری نہیں جانت ہے یہ قونی ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے کیا بھیرا وہاں کیا آئے گا۔ کالی ہیری کا دورہ خطرناک ہے وہاں بہت سے لوگ چھپ سکتے ہیں اور پھر غلام شاہ وہ تو دیکھتے ہی معذور ہے۔“

”وہ کسی کی نہیں متنازعہ کر۔“

”گو یا وہ وہاں چائے گا۔“

”پائل اکیلا!“

”یہ خود کشتی ہے بلیر اور قول کا سچا دوا لگ پائیں۔“

”میں سے کبھا چکا ہوں۔“

”کب چار ہا ہے وہ مقابلہ کرتے؟“

”بڑھکی شام سورج ڈوبے!“ بھلا صاحب نے کہا۔

”کسی طور ٹھیک نہیں ہے بھلا کسی طور ٹھیک نہیں ہے بہت خطرناک بات ہوگی کالی ہیری کا علاقہ ویسے بھی خطرناک جگہ ہے۔ میں خود غلام شاہ کو کبھا ڈس گا۔“

”کوشش کرو خود کر، شاید ان لے۔“ بھلا صاحب نے کہا۔

”ابھی چلیں گے بعد وہ ہمارے لئے بہت قیمتی ہے۔ یہ گھر بچا ہوا ہے اس نے اسے کوئی نقصان پہنچا تو میں خود کو معاف نہیں کروں گا۔“ جگت سنگھ نے کہا بعد کو یک بار پھر جگت سنگھ کے ساتھ سرکس چنانچہ تھا۔ دور ہی سے اس نے سرکس کے تہوؤں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”وہ سرخ جھنڈ دیکھ رہے ہو ٹھیک؟“

”ہاں کیا ہے وہ؟“

”مختوری۔ یہ بھی خط میں لکھا تھا۔“ بھلا تفصیل بتانے لگا۔ غلام شاہ نے ان دونوں کا استہساں کیا تھا۔ ٹھ کر جگت سنگھ نے بھی نئے سرے سے غلام شاہ کے آدمیوں کو جمع کر لیا تھا۔ اس نے بھلا کے حوالے سے بات کی اور غلام شاہ کو ایسا کرنے سے منع کیا تو غلام شاہ چل گیا۔

”بڑی کرو ہو بھائی تم لوگ ہمارے ساتھ، ارے عمر گجاری ہے ہم نے بھی اس دنیا میں۔ کوئی گدھے ہیں ہم بھائی ہمارا جاتی معاملہ ہے منع کرو تو چلے جاتی تمہارے نیا گھر سے ہم کو کوئی کام سے روکیں ہیں گا۔ جو ہم کرنا چاہت ہیں کرتے دو۔ من بھائی بھلا تیری محبت اپنی جگہ رہے۔ پر ایسا نہ کرو

بھائی ہمارے ساتھ۔ مولاسم بھی منڈوا کھڑا دانی دے رہیں تو ہار بھائی پار کریں گے پھر کہیں گے پیسہ اسے کہ آج بھائی کھوشی پوری کر لیں۔
ارے دارے واہ۔“

”آپ نہیں جانتے شاہ صاحب نہ مانیں مگر کالی پوری ہمارے آدمیوں سے بھری ہوگی بدھ کے دن۔“ جگت سنگھ نے کہا۔
”ہماری عجت ہو گئے تھ کر۔ ہم نے تمہارا کچھ بچا زابھائی تہ پوری جمین ہے بھیا اتار لو رے حرام کھورو جھنڈا منڈوا سے۔ ٹھیک ہے تھ کر منہ کالا کر جتی ہے یہاں سے۔ اکبر منڈوا کھولے ہو ہمارے پت ہیں ہم پیسہ اسے ہار گئے رہے ہم اجا جت نال رہی بھائی تھ کر کی بہتی ہے۔ ٹھیک ہے تھ کر جھنڈا اتار لیں ہیں ہم بڑی مہربانی نے ہماری جان بچائی۔“
”آپ غلط سمجھ رہے ہیں شاہ صاحب۔ پیسہ ہمارے وہ ضرور دھوکہ کرے گا۔“
”میں تھ کر بات کھتم ہوئی گئی اب کا بولیں۔“

”میں نے دوستی و راجت میں یہ سب کچھ کہا تھا شاہ صاحب آپ ایسا سمجھ رہے ہیں تو ٹھیک ہے میں آپ کو نہیں روکتا جو آپ کا دل چاہے کریں۔“
”تے کھرا تھ کر ہے جگت سنگھ بھوٹا بولیو پیرا۔ اوہ کا لکھے ہے کہ سرکس کے اور تھ کر کے آدمی کان پوری دل نہ ہوں گے۔ سرکس کا تو ایک بھی آدمی نہ ہو گا دہاں۔ پردھن دے کہ تیر بھی کوئی آدمی نہ ہو گا۔“
”خیں ہو گا تھ کر۔ دھہہ کرنا ہوں۔“

”تو کا ہمارے پھر کی قسم تھ کر ناک ناکو ادیکو ہارے۔ رہے تم جگت ہم بے وکوف رہیں۔“ تھ کر وریہا خاموش ہو گئے اب بات ان کے بس میں نہیں رہی تھی۔ وہ دونوں تو چلے گئے لیکن اکبر شاہ اور سونوارات کو ایرتک نیچے میں کھسر پھسر کرتے رہے تھے۔
”شیقا پدیو گئی طاری ہو گئی ہے سو یا اب بتاؤ کیا کیا جائے۔“ اکبر شاہ نے کہا۔
”کیا بتاؤں میں خود پریشان ہوں۔“

”کچھ بھی ہو، میں ضرور چاؤں گا دہاں، کچھ بھی ہو۔“ اکبر شاہ نے فرماتے ہوئے کہا۔ سونوار پریشانی سے اسے دیکھتی رہی تھی۔



دوسرا دن آ گیا۔ غلام شاہ پر اداں ہنسا بولتا رہا تھا۔ سرکس کے سب سے وپری جگہ پر سرخ جھنڈا لہرا رہا تھا لیکن یہ دن سرکس والوں کے لئے بڑا پر تشویش رہا تھا۔ غلام شاہ سے اب کچھ کہنے کی بہت کسی میں نہیں تھی۔ اس رات غلام شاہ پر اسرار طور پر جاگا رہا تھا اور آدھی رات کے بعد سو یا تھا۔

پھر دوسرے دن اس نے تیاریاں کی تھیں اور ایک جیب تیار کی تھی۔

”اپنے ساتھ کیا لے جاؤ گے شیخا؟“ اکبر شاہ نے پوچھا۔

”بچوں کی دعائیں اور کا۔“

”یہ جنگ کیسے ہوگی؟“

”ای تو اداوی بتائے گا۔“

”رائفل اور پستول ساتھ رکھنا۔“

”رکھ لیں گے۔“

”تم ایک کام کر سکتے ہو شیخا؟“ اکبر شاہ نے کہا۔

”بول بول کر مرے جات ہیں نہ جانے کا سمجھ رکھا ہے مگم سا کو، ایسے ہی ہاں پوس کر جو ن کر دیا مسرا کو ایسے ہی پورا سر کس چلائی دیا ہاں۔“ غلام شاہ بولا۔

”مگر وہ دغا بازی کرے تو تم بھی اس کے ساتھ فریب کرنے کے حقدار ہو گے۔“ اکبر شاہ نے کہا۔

”کرئیں گے پھر یہ۔۔۔ اے حیر پھر یہ۔۔۔ اے کس چپ کر جاؤ بھائی ہاں رکاں نہ کھاؤ ایک بات اس سوکان کھوں کر۔ بڑی جندگانی ہے ہمارے بڑے کا بد۔ لے گیری نائیں گے۔ ہم ای سر ڈکیت ہاں کا پکاڑ لئی ہے چھوڑا نہیں گا۔“ غلام شاہ جھلا کر بولا۔

سورج ڈھلان پر تھا۔ غلام شاہ جیب میں آئینہ اور پھر خود ہی جیب اشارت کر کے چل پڑا۔ کتے ہوئے پاؤں کا استعمال وہ شاز و بادری کرتا تھا۔ اور کسی کو بغیر نہیں آتا تھا کہ گھنٹوں کے پاس سے غیر موجود چیزوں سے اس طرح کام بھی کیا جاسکتا ہے۔ اس نے گھنٹوں کے پاس لکڑی کے دو ٹکڑے کسے تھے اور دن کی مدد سے ہآسانی کٹی بریک اور ایکسٹینڈر استعمال کر رہا تھا۔ بھلا خیرتی سے اسے جانتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ ویسے اس نے یہ بھی کبھی نہ سوچا تھا کہ غلام شاہ اس طرح جیب چد سکتا ہے۔

غلام شاہ دنگا ہوں سے اوجھل ہو رہا تھا کہ ایک گوشے سے اکبر شاہ نے پی جیب اشارت کی اور برقی دھاری سے مہا چکر کاٹ کر چل پڑا۔ وہ اپنا کام کرتا رہا تھا اور اس نے کالی بیری کے راستے کے پارے میں چھٹی طرح مصلوات حاصل کر لی تھیں اور پھر چلا گیا تھا کہ کون سے راستے سے وہاں پہنچا جاسکتا ہے۔

غلام شاہ کا سفر جاری رہا۔ وہ جڑے بھیجے ہوئے جیب چلا رہا تھا۔ فاصلہ بہت تھا اور راستہ بڑھوار لیکن طاقتور جیب ہر رکاوٹ عبور کر رہی تھی۔ سرکس بہت دور ہو گیا اور اب غیر ہائوس راستہ آ گیا۔ مگر غلام شاہ کالی ہیری کے راستے کے بارے میں پوری تفصیل معلوم کر چکا تھا۔ کافی دور نکل آنے کے بعد اچانک وہ چونک پڑا۔ کالی ہیری اب زیادہ دور نہیں رہ گئی تھی کہ اسے ایک احساس ہوا اور اس نے فحش بند کر دیا۔ اس کی جیب کا فحش خاموش ہو گیا لیکن خاموش پہاڑوں میں کسی اور عجائیبی کے انجن کی آواز بھونپی سنی جاسکتی تھی۔ غلام شاہ مناسب روک کر اس آواز کو سننے لگا اس کے حساس کان بھڑک رہے تھے۔ پھر اس کی آنکھوں میں خون بھر آیا اس نے دانت بھیج کر دہارہ انجن اشارت کر دیا۔ جیب کا راستہ بدلا اور طوفانی رفتار سے بدلے ہوئے راستے پر دوڑنے لگی غلام شاہ اسے دیو نہ وار دوڑا رہا تھا پھر اس نے ایک ٹیلے پر چڑھ کر دوسری طرف اتار دیا۔ اکبر شاہ و صاف نظر آ گیا تھا اور اس نے بھی غلام شاہ کو دیکھ لیا تھا اس کے اوسان خطا ہو گئے حالانکہ اس نے غلام شاہ سے بچتے کے لئے سخت محنت اور مہارت سے کام لیا تھا لیکن۔ اس کی جیب کی رفتار خود بخود سست ہو گئی اور پھر اس نے جیب روک دی اور ہونٹوں کی طرح غلام شاہ کو دیکھنے لگا۔ غلام شاہ کرخت لگا ہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ سرد لہجے میں بولا۔

”ہم تو کاٹھن کرت رہیں ہوا۔“

”شیٹا میں، میں۔“ اکبر شاہ کی پھنسی پھنسی آوارہ ابھری۔

”نیچے اتر آ۔“ غلام شاہ اسی لہجے میں بولا اور خود بھی نیچے اتر آیا۔ چروں میں بندھی لکڑیوں کے ذریعے وہ پیروں والے اس ہائوس کی طرح بغیر سہارے کے ٹل رہا تھا۔ اکبر شاہ کا چہرہ فحش پڑ گیا تھا اور وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔

”سب نے ہماری بات مان لی، پر نہ مانی تو تونے۔“

”وہ تمہارا خون نہیں تھے شیٹا۔“ اکبر شاہ نے کہا۔

”بڑے ہیں ہم تیرے۔“

”پاپ ہو میرے تم، ہم تمہارے سہارے جیتے ہیں شیٹا۔ ہم جیم نہیں ہوتا چاہتے۔“ اکبر شاہ کی آوارہ ابھرائی۔

”وہ حرام کھور ذکیت تم کا جیم کر دے گا۔“

”وہ مکار ہے شیٹا۔ تم مجھتے کیوں نہیں۔ یہ اس کا علاقہ ہے۔ تم اکیلے ہو اور اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا۔“ اکبر شاہ نے کہا۔

”اور کون ہے تیرے ساتھ۔“

”اور کوئی نہیں ہے۔“

”گر دور پہنچ آ دی لے آئی ہے تو تے کا کرے گا بھی۔“

”تمہارے ساتھ سر جاکوں گا شیخا۔ اکیلا تو نہ رہ جاؤں گا اس دنیا میں۔“ اکبر شاہ نے کہا۔

”دوسرے ہماری نسل پوچھے ہے اکبر! اپنی نسل بتائی ہے ہم ادکا۔ نا اکبر! نا اگر اد اکیرا نہ آئے گا بڑا تو اد کی نسل کی کھرا پی ہوئی ہے۔“

”تم بہت سادہ لوح ہو شیخا۔ یہ سب اس کی چال ہے۔“

”بہت محبت ہوئی گئی رہے۔ جا بڑا او پس جا کا ہمارے کھوپڑیاں حکومت رہی رہے۔“

”میں وہ پس نہیں جاؤں گا شیخا۔“ اکبر شاہ نے کہا۔

”نا جانے گا؟“

”بالکل نہیں۔“ اکبر شاہ نے کہا اور غلام شاہ گردن ہلانے لگا۔ پھر وہ آہستہ آہستہ سے آگے بڑھ کر جیپ کے قریب پہنچ گیا اکبر شاہ کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا

تھا غلام شاہ زمین پر بیٹھ گیا۔ اس کے بعد کروٹ کے بل جیپ کے نیچے بیٹ گیا اکبر شاہ پریشان تھا کہ وہ کیا کر رہا ہے مگر پھر اس نے جیپ کا ایک حصہ اوپر

اٹھتے ہوئے دیکھا اور اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ غلام شاہ نے پوری قوت سے جیپ اٹھاری اور جیپ اٹھ گئی۔ مگر غلام شاہ نے اس پر بس نہیں کیا تھا۔

اس نے یک بار پھر جیپ پر قوت آزمائی اور اسے اوندھا کر دیا۔ اکبر شاہ پر سخت غاری ہو گیا تھا۔ تب غلام شاہ اپنی جیپ کی طرف بڑھتا ہوا دیکھا۔

”کون اور ہوتا تو ہم سے ہاتھ نہ کرتے۔ پر کا کریں بڑے کی نسائی ہو تم لوگ، سر ہماری نسل کو کالی دلوئی رہو اب جاؤ یہاں سے پیدل سرکس کو۔

یہ ہی سجا ہے تو ہاری۔“ وہ اوجھل کر جیپ میں بیٹھ گیا اور اس کی جیپ پھر اپنی منزل کی طرف چل پڑی۔

”اور تم تسلیم نہیں کرو گے شیخا کہ تم بہت معصوم ہو۔ سادہ لوح ہونا تم نے یہ کیوں سوچا یا کہ تم اکیلے ناں بھری جاؤ گے اور میں سرکس کی طرف چلا جاؤں گا

میں تمہارے ساتھ ہی چلوں گا شیخا۔“ اکبر شاہ جیپ کی طرف بڑھ گیا۔ اس اوندھی جیپ کو سیدھی کرنا تو لگ وہ اسے ہد بھی نہیں سکتا تھا۔ مشکل تمام اس

نے جیپ کے چپے سے راکفل تھیمس نکالی پھر کار تو سوں کی چٹنی کھینچی اور اس کے بعد اسی طرف دوڑنے لگا جدھر غلام شاہ کی جیپ گئی تھی۔

غلام شاہ اتنی دیر میں کالی بھری کے درے کے پاس پہنچ چکا تھا۔ اسے جو جگہ بتائی گئی تھی یہی تھی۔ چاروں طرف اونچی اونچی چٹانیں بکھری ہوئی تھیں

اور راستہ بھی سخت نا ہوا تھا۔ غلام شاہ نے جیپ روک دی۔ چٹانیں خاموش تھیں۔ تب غلام شاہ کی آواز ابھری۔

”رہے کہاں مرگئی اسے حرام کھور۔ کیا مرگئی رہے کا تیری۔ ارے کہاں ہے رہے سو رہا آئی گئے ہم تو کا اپنی نسل بتانے۔“ غلام شاہ کی آواز پچھڑا

کی چٹانوں سے ٹکرائی اور سنگڑوں آواروں میں تبدیل ہو گئی اور دیر تک گونجی رہی۔“

”ہلکھ۔ کہاں مر گئی رہے تھا کرا کے منہ کی کالک!“ جواب میں کچھ فاصلے پر ایک چٹان کے عقب سے ایک گھوڑے کا سرا جھرا اور پھر گھوڑا آہستہ آہستہ نمودر ہو گیا اس کی پشت پر بیٹھ کر نگہ نظر آ رہا تھا۔ چند لمبے گھوڑا اپنی جگہ کھڑا رہا۔ پھر آہستہ آہستہ اس طرف آنے لگا۔ غلام شاہ مسکراتی لگا ہوا ہے اسے دیکھ رہا تھا پھر وہ بولا۔ ”آ جا بوا، آ جا یہاں آ کر بھ کر بن گیا ہے ذکیت حرام کھور۔ ہاؤ لے کتے کی طرح پکڑ دینی دے ہم تو کا۔ دیکھ لے رہے ہماری نسل۔ اکیلے آئے رہے ہم، نہ جگت نگہ کے آ دی آئے ہمارے ساتھ نہ سرکس کے۔“

”لنگڑے کتے، دندہ پکڑوں گا میں تجھے تاکہ تیرے بدے تھا کر راون نگہ کو رہا کراؤں۔ تو یہ نگر کے جگت نگہ کی موت بھی اپنے ساتھ لایا ہے۔ بیوٹی کی سوگند۔ یہ نگر کا انت لایا ہے تو۔“

”ورے آ جا تھا کر جا دے۔ آ جا۔ دیکھ کس کس کی موت لائی ہے ہم اپنے ساتھ۔“ غلام شاہ نے کہا اور جھپ سے نیچے اتر آیا۔ بیٹھ، اب اس کے بالکل سامنے آ گیا تھا۔ اس نے تہہ نگہ کر کہا۔

”تو اتنا بڑا سرکس کیسے چلا رہا تھا لنگڑے۔“

”کا مطلب رہے حیرا۔ ہم سمجھے نا۔“

”یہ میرا علاقہ ہے اور تو جگت بیٹھ کر کیلا آ گیا۔“

”نسل بتائی ہے ہم تو کا اپنی۔“

”سبے تو فوں کی نسل سے ہے تو عدم شاہ۔ تیرے آ ہاؤ احمد دگدھے تھے۔ مگر میں ہے تو ف نسل ہوں۔ اب میں تجھے یک مشورہ دوں۔“ بیٹھ کر نگہ نے جیسے ہوئے کہا۔

”دو پوت بزدل دو۔“ غلام شاہ طنز یہ انداز میں بولا۔

”ٹانگیں تو ہیں نہیں تیری صرف ہاتھ ہیں اس لئے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دے۔“

”کا ہے رہے ہاتھ کا ہے اٹھا دیں۔“

”پنے چاروں طرف دیکھ سے غلام شاہ۔ میں رائفیں تیرے اوپر تھی ہوئی ہیں رعدہ پکڑنا ہے تجھے تاکہ تھا کر راون نگہ کو چھو جائے ور نہ تیرے پورے بدن میں سوراخ ہوتے خود کو گرتا رہی کے لئے پیش کر دے غلام شاہ اس طرح بچ سکتا ہے تو۔“ غلام شاہ نے ورے کی چٹانوں کو دیکھا۔ بہت

کی چٹانوں کے پیچھے انسان فی سر جھانک رہے تھے ان سب کے پاس راتھیں تھیں جن کا رخ غلام شاہ کی طرف تھا۔ غلام شاہ ہر سمت کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر اس نے کہا۔

”تو مقابلہ نہ کرے گا کاہلیہرا؟“

”جسمانی مقابلہ تو مجھے جیسے بے وقوف کرتے ہیں۔ میں تجھ سے ذہنی مقابلہ کر رہا ہوں اور تو ہار چکا ہے غلام شاہ۔“ بلہیر نگہ نے کہا۔

”ہم کا ایک بات بتائی ہے پوتہ، اسے خدا کر اکی نسل میں کیسے آگیا ہے۔ تے کو دہی کہتے رہے کہ ٹھہ کر کی جہاں ایک ہوتی ہے۔ اکی کا مطلب ہوئی ہے کہ تے کسی خدا کر کی اولاد نہ رہے۔“

”انگلزے کہتے۔ رادون سنگھ کے حصوں کے بعد تیری اس بات کا صحیح جواب دوں گا۔“ بلہیر نے غصہ بٹاک ہو کر کہا اور پھر اپنے چہرے ہوئے ساتھیوں کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”اسے رمیوں سے ہانکھو۔“ کوئی حرکت کرے تو اس کے دونوں ہاتھ گولیوں سے چھنی کر دینا خیر دارا سے زندہ رکھنا ہے۔“ چٹانوں کے عقب میں پوشیدہ لوگ باہر نکلنے لگے لیکن اچانک غلام شاہ کے منہ سے سیٹی کی آواز نکل اور سب ٹھٹک گئے حالانکہ بلہیر نگہ اس وقت غلام شاہ کی مگرانی کر رہا تھا جب وہ سرکس سے چلا تھا۔ اسے اطلاع مل چکی تھی کہ غلام شاہ اکیلا ہی آ رہا ہے یہاں کان بیری میں اس نے یکے ایک پتھر پر نکل کر کھینچی اور کسی کو نہ پایا تھا مگر یہ سیٹی۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی کیلئے اشارہ ہو دوسروں کی طرح وہ بھی ٹھٹک گیا تھا۔ پھر اچانک عجیب سی چیخیں سنائی دیں اور خونخوار شکروں کا ایک غول چٹانوں کے پاس کھڑے ہوئے راتھل برداروں پر بھیٹ پڑا۔ تربیت یافتہ شکرے دور دور تک بھگول کر غلام شاہ کی جیب کے ساتھ ساتھ ہوا کرتے یہاں تک آ گئے تھے اور یہاں وہ فضا میں منڈلا رہے تھے غلام شاہ کی سیٹی کی آواز پر انہوں نے غوطے لگائے اور راتھل برداروں کے چہرے پر پٹے گاڑ دیے۔ وحشی بازوں نے اپنی چیز مضبوط نوکدار چوٹیں ان کی آنکھوں میں اتار دیں اور راتھل بردار اپنی راتھیں پھینک کر کریماک انداز میں چبھتے ہوئے ان بلاؤں سے بچھ چھڑانے لگے مگر شکروں نے پیسے ہی جملے میں اپنا کام کر لیا تھا۔ انہوں نے تمام لوگوں کی آنکھیں ان کے حلقوں سے نکال پھینکی تھیں اور اب ڈراڈ کر ان کے جسم کے کھلے حصوں کو داغدار کر رہے تھے انہوں نے ان کے چہرے اور ہیز ڈالے تھے چٹانوں میں، چاروں طرف دردناک چیخیں گونج رہی تھیں یک شکرے نے بلہیر اپر جھپٹا مارا اور وہ دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ کر بچے جھک گیا۔ آنکھیں بچی گئیں مگر ہاتھ اور رخسار خون گھنے لگے وہ ایک زرد راج کے ساتھ گھوڑے سے نیچے گر اتو اس کی ایک ٹانگ لگام میں پھنس گئی۔ گھوڑا شکرے کی خونخوار چیخوں سے گھبرا کر پہلے ہی بھڑک رہا تھا۔ بلہیر نگہ بہ ترتیب ہوا تو وہ گھبرا کر بھاگ کھڑا ہو پھنسی ہوئی ٹانگ کی وجہ سے بلہیر نگہ گھوڑے سے نہ گر سکا دوسری ٹانگ ایک بھری ہوئی چٹان سے ٹکرائی اور چنڈی کی ہڈی چر چر ہو گئی۔ بلہیر نگہ ہلکا کر پوری قوت

سے اوپر اٹھا اور رین اس کے ہاتھ میں آگئی اس طرح اسے سنبھال گیا اور وہ گھوڑے پر اونٹن چاہیے گیا اس نے گھوڑے کی گردن دیوچ کی گئی
 ٹانگ اب بھی لگام میں پھنسی ہوئی تھی اور دوسرے ٹانگ کی تکلیف سے یہ اندازہ ہو رہا تھا جیسے وہ الگ ہو کر پیچھے ہی گر گئی ہو۔ برداشت کی انتہائی
 کوشش کے باوجود اس کے حلق سے "زاد ہونے" کی جھنجھل نہ رک سکے اور وہ حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخنے لگا۔ بلیر سنگھ کے گھوڑے کے بھاگنے ہی غلام شاہ
 نے جیب کی طرف رخ کیا اور جھل کر اس پر چڑھ گیا اس نے فوراً ہی سیف لگا کر جیب اسٹارٹ کی مگر بلیر سنگھ کا گھوڑا دوڑتے ہی سیدھا جانے کے
 بجائے ایک چڑھائی پر چڑھ رہا تھا یہ دیکھ کر غلام شاہ نے رائفل اٹھائی اس سے قبل کہ وہ رائفل سیدھی کرتا گھوڑا بلند کی پرتیج کر دوسری طرف اتر گیا
 تھا۔ غلام شاہ نے رائفل واپس اس کی جگہ رکھ دی اور کچھ سوچ کر سوچ آف کر دیا۔"

غلام شاہ کے چہرے پر فتح مندی کے آثار تھے خوشوار شکرے فضا میں چکراتے بھر رہے تھے یوں لگتا تھا جیسے وہ غلام شاہ کے دوسرے علم کا شکار کر
 رہے ہوں۔ اس کی منھنی منھنی سرخ آنکھوں میں بجلیاں چمک رہی تھیں اور وہ اپنے اپنے شکار کے سر پر پھڑ پھڑاتے ہوئے ڈر رہے تھے۔ غلام شاہ
 نے بلیر سنگھ کے گھوڑے کو گھبراہٹ میں غروب ہوتے ہوئے دیکھا اور پھر ایک گہری سانس لے کر ان چیخنے چلا تے لوگوں کی جانب متوجہ ہو گیا جو
 آنکھوں سے محروم ہو چکے تھے اور ان کی آنکھوں کے گڑھے خون اگل رہے تھے۔ بہت سے ٹھوکریں کھا کھا کر زمیں پر گر پڑے تھے اور وہیں ٹرپ
 رہے تھے۔ غلام شاہ کے حلق سے ایک عجیب سے تر تر کی آواز نکلی اور شکروں کی پرواز نیچی ہو گئی۔ پھر ایک انتہائی حیرت انگیز نظر لگا ہوں کے
 سامنے آیا۔ شکرے غلام شاہ کے شانوں پر اور جسم کے دوسروں حصوں پر آ بیٹھے جنہیں اس کے جسم پر جگہ نہ لی وہ جیب پر بیٹھ گئے تھے۔ پرندوں کے
 انداز میں اپنے، الگ کے لئے بے پناہ محبت پائی جاتی تھی غلام شاہ اپنے ہاتھوں کی زبردستی آنے والے شکروں کے سر انگلیوں سے تھپتھپانے لگا اس
 کے حلق سے بڑبڑاہٹیں نکل رہی تھیں۔

"ہیں بڑا پس کام کھتم ہوئی گواہار۔" پھر اس نے لوگوں کو دیکھ جن میں سے کچھ شاید اپنے رفوں کی تکلیف سے بے ہوش ہو چکے تھے اور ایک
 بار پھر وہ بڑبڑایا۔

ان حرام کھوروں کا کاکرے رہے بھی انہیں ہم، مر جائیں گے سسر یہاں پڑے پڑے رہے تہہ رٹھا کر ہی بے بس لگا رہے، ہمارا قصور مرتو نا جاتی ہے اس حرام کھور کے ہاتھوں سے۔ " غلام شاہ نے گردن لیز می کی، شکر دوں کو اپنے جسم سے ہٹایا اور ایک ہار بھر جیب سے نیچے اترا آیا لکڑی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اس کے پیروں سے بندھے ہوئے تھے لیکن اسے چلتے ہوئے، کچھ کر کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ دو معنوی پیروں سے اس طرح چلا جاسکتا ہے کہ وہ برابر غرض نہ ہو۔ بلاشبہ غلام شاہ نے اپنے جسمانی نقص پر قابو پانے کے لئے جو بے مثال مشق کی تھی، وہ دنیا کے عجائبات میں شمار کی جاسکتی تھی۔ کہیں محسوس ہی نہیں ہوتا تھا کہ ایک ایسا جادوئی ٹکا ہوں کے سامنے ہے۔ دراصل یہ ایک جذبہ تھا جس نے غلام شاہ کو ناقابل تسخیر قوتیں بخش دی تھیں اور جذبہ ہی ایسے ناقابل یقین کارنامے عمل میں لاتے ہیں، جن پر دنیا شکست بدعنوان رو جاتی ہے، اب غلام شاہ کے اندر میں اس کی فطرت ابھرا آئی تھی، اسے ان زخمی ہو جانے والوں کا دکھ تھا، جو آنکھوں سے محروم ہو چکے تھے اور شدید کرب کا شکار تھے۔ وہ پریشان نظر آنے لگا پھر اس نے، اپنے لباس سے ایک پتول لٹاس کر فضا میں فائر کیا، اور چیخ کر یولا۔

"رے کا ہے بھگت جو حرام کھور، ایک بڑول کے ساتھ آئے تھے تم لوگ، یہی ہونا تھا تہہ رہے ساتھ ہم کا کریں، رک جاؤ اپنی جگہ، مہم لوگ ایک جگہ کھڑے ہو جاؤ ہمارے سمجھاں نہ آتا بھائی کہ تہہ روا سٹے کا کری ہے رے!"

وہ لوگ جو رٹھی تھے اور ابھی تک بے ہوش نہیں ہوئے تھے رو رہے تھے، چلا رہے تھے چیخ رہے تھے۔ غور کریں کھا کھا کر گر رہے تھے، غار کی آوار پر سہم کر رک گئے اور غلام شاہ ان میں سے ایک ایک کا ہاتھ پکڑ کر انہیں جمع کرنے لگا پھر اس نے کہا۔

"تہہ رہیہ بھاگ گئی ہے، دیکھو بڑا، وہ ہم سے بولے، تھا کروں کی نسل سے ہے ادنیٰ، انکے آوے گا گلہ سہ سے مقابلہ کرنے، پر ادا کا تھکا ساتھ رہے آئی ہے، چلو چھوڑو، اب ای کر وہ تم ہمارے ساتھ ہماری گاڑی میں آ جاؤ، ہم ادا کا سوچیں گے ناہیں۔ پر تہہ رہا رہے میں بردہ ہی سوچیں گے بڑا، ہم تم کا لے چلی ہے۔ تھا کر بگت لگے تہہ رہے واسطے کو تو بند بست کری ہے بھائی و رہم کا کر سکت، آ جاؤ رہے ہمارے ساتھ۔" وہ ان لوگوں کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جیب کی جانب چل پڑا۔ کافی لوگ تھے اور پھر کچھ وہ تھے جو بے ہوش پڑے ہوئے تھے۔ غلام شاہ نے جو کچھ کر لیا تھا وہ تو کر ہی لیا تھا۔ لیکن اب ان لوگوں کے لئے اس کا دل رو رہا تھا اور وہ سخت پریشان نظر آ رہا تھا چہرہ الٹ گیا تھا ورنہ ادھر ادھر دیکھ رہا تھا جو لوگ اس کا ساتھ دے سکے، انہیں دلا کر اس نے اپنی جیب میں ٹھونس دیا اور پھر ان بے ہوش لوگوں کی جانب دیکھے لگا، جنہیں صرف اٹھا کر ہی لایا جاسکتا تھا وہ خون میں لت پت ہو رہے تھے یہ لوگ بھی رٹھی تھے جنہوں نے اپنے ہوش و حواس قائم رکھے تھے لیکن ان کے ذریعے ان لوگوں کو کھانا مشکل تھا۔ غلام شاہ نے ایک گہری سانس لی اور ایک بے ہوش آدمی کی جانب بڑھ گیا۔ اس بے ہوش آدمی کو کاندھے پر لادنا اور آہستہ آہستہ چلنا ہو، جیب کی جانب بڑھ گیا۔

چانک ہی شکروں کی آوازیں پھر بلند ہوئیں اور وہ چمک کر غاضب دیکھنے لگا پھر اس نے اکبر شاہ کو دیکھا جو اس سمت آ رہا تھا۔ غلام شاہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

”کبر آئی ہے، اے اکبر! ارے جلدی آ ہوا، جلدی آ۔“ اس نے ہاتھ کا اشارہ کر کے اکبر شاہ کو بلایا۔ در اکبر شاہ دوڑنے لگا۔ غلام شاہ نے ایک آدمی کو جیب میں ڈاس دیا تھا تھوڑی دیر کے بعد اکبر شاہ اس کے قریب پہنچ گیا اس کی پٹنی پٹنی آنکھیں ان خون میں ڈوبے ہوئے لوگوں کو دیکھ رہی تھیں اور وہ چاروں طرف نگاہیں دوڑا رہا تھا۔

”ارے بھئی کا ہے اونٹ کی طرح منہ اٹھا کر ادھر ادھر دیکھتے رہے، دن حرام کھوروں کو اٹھا کر جیب میں بھری ہے، اب تو بتا کا کریں ان کا۔“ یہ یہ شینا۔ ”اکبر شاہ نے بمشکل تمام حلق سے آواز نکالی اور پھر گردن اٹھا کر ان شکروں کو دیکھنے لگا۔ صورت حال سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ شکروں کو اس نے پہچان لیا تھا، سرکس ہی کے ہار تھے۔ دوسرے سرکس میں مختلف کرتب دکھاتے تھے، لیکن ان کی یہاں موجودگی اکبر شاہ کا دماغ ساتھ نہیں دے رہا تھا۔ بہر طور اس نے ایک بے ہوش آدمی کو اٹھا کر جیب میں لا دیا، چھوٹی سی جیب ان لوگوں سے بھر گئی تھی تب غلام شاہ نے جیب میں بیٹھتے ہوئے کہا۔“

”چل بھئی چل، ان لوگوں کو جلدی سے جلدی بھگت سنگھ کے پاس پہنچانا ہے، ورنہ مر جائی ہے سسر۔“ اکبر شاہ نے اسٹیرنگ سنبھال لیا اور جیب اشارت کر کے واپس موڑ دی۔ رفتار سست ہی رکھی جاسکتی تھی کیونکہ جیب پر کافی وزن ہو گیا تھا تاہم طاقتور، مچن والی جیب چل رہی تھی دیر تک اکبر شاہ کے منہ سے کوئی آواز نہ نکل سکی پھر اس سے آہستہ سے کہا۔

”یہ سب کچھ، یہ سب کچھ کیا ہے شینا۔“ اکبر شاہ کے سول پر غلام شاہ کے حلق سے ایک بے ہنگم سا قہقہہ نکل گیا وہ ذہنی انتشار کا شکار تھا اور یہ انتشار صرف ان زخمی لوگوں کے لئے اس کے ذہن میں پیدا ہو گیا تھا، کہے لگا۔

”ارے کا بھوت ہوا، وہ حرام کھور، پھر ان سب کو اپنے ساتھ لے آئی ہے، ہتھیاروں سے مسلح کر کے چٹانوں میں چھپا دی ہے ہم کا سر نکلتے رہیں کہ اٹھا کر کوں (قول) کے بچے ہووے ہیں، ارے دیکھ لینی کبر! ادا کا کول، ارے اٹھا کر کو بدنام کرت رہے اے سسر۔ ہم اکیسویں آئی ہے اور اے اپنے ساتھ اپنی فوج لے آئی ہے ارے دیکھو اے اکبر! ادا چل رہی ہے ہماری فوج بھی ہم ساتھ۔“ غلام شاہ نے شکروں کی جانب اشارہ کر کے کہا۔ در اکبر شاہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔

”شینا، شینا، تم، تم، واقعی عظیم ہو۔ ہم لوگ تمہارے ذہن کی گرد کو بھی نہیں پا سکتے۔“

”ناپالو نا پاو، ایسے ہی تم کا پال پوس کر جوت کر دئی ہے پاگل مجھت رہونا سیکھ کو، ارے ہاں، پاگل رہیں ہم، تمہارا بات نہ مانی ہے، تم جو اس لوگس ہو بھئی، بڑی کھوپڑی رکھتے ہو ور ہم ظہرے جاگل، جٹ قہیے کے نٹ، کا کچھ، ارے واو رے واو، ریا د ہوئی گوار، ہرکا المسوس رہیں۔“ اکبر شاہ غلام شاہ کی سہرے ریلو پاؤں سے نتیجہ اخذ کرے کی کوشش کر رہا تھا پھر اس نے کہا۔

”شیخا تم نے اس شکروں کو کب آزاد کیا، مجھے تو پتہ ہی نہ چل سکا۔“

”ارے تم کا پتہ چل جاتی ہے بڑا ستہ تم مانت، ہمارا بات، اوسر ہم کا بولی ہے جگت سنگھ کے اور سرکس کے کسی آدمی کو نہ لانا۔ ہم بے بات مان لی بھائی تاری کی ہے، پر بے وقوف تو نہ رہے ہم، ہمارا فوج بھی ہمارے ساتھ تھی اور آسمان ماں الگ الگ اڑتی ہوئی آئی، خدا کسم ظہر اکیل ہونا تو ہمارا ایک بھی سکرا اوکا نقصانا نہ پہنچائی ہے، ہم کھد اس سے لڑتے بھائی، پر اوسر بہت چالاک بنی ہے، اللہ نے ہمارا بات تو رکھ لی پر اوکا خراب ہوئی گو، اور اپنے ساتھ ہائے رے ہائے، ان سارے عیاروں کو مراد دی، اب کا کرے بھائی، تو کھد بتا کبر، کامر جاتے بھائی ان کے ہاتھوں، دھوکے میں آ جاتے اور سر فیکٹ کے۔“ اکبر شاہ خاموشی سے غلام شاہ کی پائیں ستار ہا، صورت حال پوری طرح اس کی سمجھ میں آ گئی تھی اور وہ حقیقت وہ غلام شاہ کی اس ذہانت سے بے حد متاثر ہوا تھا، ویسے بھی زندگی میں کبھی غلام شاہ سے کوئی چوک نہیں ہوئی تھی، سادہ دل سادہ طبیعت آدمی تھا، مگر اپنے آپ کو ہر طرح سے محفوظ رکھنا جانتا تھا۔ دو تین آدمی اور بے ہوش ہو گئے، جو ہوش میں تھے کرب سے کرا رہے تھے، خود کبر شاہ کو بھی ان کی ن کرناک کراہوں کا دکھ ہو رہا تھا، خدا خد، کر کے یہ قاصد ملے ہوا۔

دوسرے سرکس کے سامنے جم غفیر جمع تھا، سارے کے سارے ہی مضطرب تھے۔ اکبر شاہ نے بے شک غلام شاہ کا شاقب کیا تھا لیکن ظہر سنگھ کے بارے میں کسی کو بھی یہ یقین نہیں تھا کہ وہ دھوکا نہیں کرے گا، جب جگت سنگھ نے ہی یہ بات کہہ دی تھی تو دوسرے بھلا اس پر کیا اعتبار کرتے، پر دور سے انہوں نے اس جیب کو آتے ہوئے دیکھ جس پر پتہ نہیں کیا اعتبار تھا جیب قریب پہنچی تو وہ سب اس کی طرف دوڑ پڑے، غلام شاہ نیچے اتر کر اپنے ساتھیوں کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

”ارے بھائی ان سب کو جرا آرام آرام سے اتار دو اور اندرے چاؤن کے جگمگم (زخم) صاف کر دو اور جو کچھ بھی کر سکت ہو کرو بھیا، ارے واو رے بھائی جگت سنگھ تم بھی موجود رہیں ٹھاکر، آؤ جرا ہرے قریب آ جاتی ہے، ہم تم کا تہرے رے ٹھاکر کا کھیں جاتی ہے۔“

جگت سنگھ اور بھلا صاحب دونوں ہی دوبارہ یہاں آ گئے تھے، دراصل وہ غلام شاہ کے لئے پریشان تھے اور یہاں آ کر انہوں نے غلام شاہ کے بارے میں پوچھ تو پتہ چلا کہ وہ اکیلا ہی گیا ہے۔ صرف اس کا بیٹھا دوسری جیب لے کر اس کے پیچھے روانہ ہوا ہے۔ ٹھاکر جگت سنگھ بھی بہت پریشان

تھا اور اس نے ان لوگوں سے کہا تھا کہ میرے سنگھ بھتا کمینہ انسان ہے اس کے تحت یہ خوف محسوس ہو رہا ہے اس سے کہیں غلام شاہ کو نقصان نہ پہنچ جائے۔ بعد سے ہاتھیں کرتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

غلام شاہ نے انتہا پسندی کا ثبوت دیا ہے یہ اچھا تو نہیں ہوا، کاش وہ ہم سے تعاون کر لیتا۔ جس کے نتیجے میں بھلا مگر ہی سانس لے کر خاموش ہو گیا تھا۔ لیکن اب جو صورت حال سامنے آئی اس نے ان سب کے رو تگنے کھڑے کر دیئے، پتہ نہیں غلام شاہ اسے سارے زخیموں کو کہاں سے بھرا لایا تھا۔

سرکس کے لوگ زخیموں کو اٹھا اٹھا کر اندرے چائے لگے، سب ہی کے چہرے سوالیہ نشان بنے ہوئے تھے، غلام شاہ کی ہدایت پر انہوں نے زخیموں کی مرہم پٹی شروع کر دی۔ اس کے علاوہ اور کیا کیا جاسکتا تھا ان کی آنکھیں صاف کر کے ان پر پیڑا۔ کس دی جائیں، جگت سنگھ بھی دوڑتا ہوا غلام شاہ کے پاس پہنچا تھا، اس نے آہستہ سے کہا۔

”تم خیریت سے تو ہونا غلام شاہ۔“

”رے ہاں بھئی جگت، بس کا بتائیں تو کا اپنی کھیریت، ان لوگوں کو نقصان پہنچا گواہار ہاتھوں۔“ غلام شاہ نے افسوس بھرے لہجے میں کہا اور پھر وہ بھلا اور جگت سنگھ کو بطور اک کی کارستانی بتانے لگا اس نے اس لوگوں کو بتایا کہ بطور اسکے پہنچنے کے مطابق وہ سرکس یا تھا کر جگت سنگھ کے ایک بھی آدمی کو اپنے ساتھ نہیں لے گیا تھا اب اس نے اپنی حفاظت کے لئے شکروں کے اس غول کو آکر دکر دیا تھا یہ غول اس کے ساتھ ساتھ پرواز کرتا ہوا ہاں تک پہنچا تھا اور اس کے بعد جب اسے یہ اندرہ ہوا کہ تھا کر بطور سنگھ نے، اٹھو کا دہی کی سہ تو شکروں کا یہ غول چھپے ہوئے آدمیوں پر لوٹ پڑا اور اس نے ان سب کو اندھا کر دیا بطور سنگھ کے بارے میں بھی غلام شاہ نے پوری تفصیل بتا دی تھی اس نے کہا۔

”کوئی سر بھاگ گیا ہم اوکا گولی کا نشانہ بنائی سکت پر ہمارے کھیل میں ای فرائی نہ ہوئی ہے، پیچھے سے کسی کو گولی مارنا بہاوری نہ رہے، اب سب ہی تو تھا کر بطور اندہ ہوئے ہیں بھیا۔“ جگت سنگھ کے بدن کی کیکپاٹیں نہیں نہ پاں تھیں پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

”غلام شاہ تم میری نگاہوں میں دنیا کے سب سے حیرت ناک انسان ہو پے شک تم اپنے دشمنوں کو زیر کرنا جانتے ہو۔“

”اورے ناں تھا کر بھائی ہم تو کسو سے دیکھی ہی نہ کریں ہیں بلا وجہ دمن بن جتی ہے جے ہم نا کریں، اب تو بھائی تھا کر ان بھاروں کی آنکھوں کا کوئی بندوبست کر دے ہوئے گولے سرے ہمارے دل دکھ رہا ہے پر کا کریں نہ کرتے تو ہم مر جاتے۔“

”ہاں اس کی زندگی تو ختم ہو گئی۔ بہر طور میں فوری طور پر ان کے لئے بندوبست کرتا ہوں۔“ جگت سنگھ نے غلام شاہ سے درخواست کی کہ سرکس کے آدمیوں کے ہاتھوں ان لوگوں کو ہستی میں پہچانے کا بندوبست کر دیا جائے اور غلام شاہ نے اس کے لئے اپنی تمام کاریاں وقف کر دیں۔ زخیموں کے

نے اب بڑی ہمدردی کا اظہار کیا چارہ تھا اور غلام شاہ دن کے لئے بہت دگلی تھا۔ لگتے لگتے ان سب کو لے کر چلا گیا اور غلام شاہ دوسرے لوگوں سے گفتگو کرنے لگا، بھلا صاحب ابھی بیٹیں موجود تھے، سوئیوں نے کبرشاہ سے کہا۔

”بھیا تھاری گاڑی کہاں روگئی؟“ کبرشاہ کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ پھیل گئی اس نے آہستہ سے کہا۔

”یہاں سے کافی فاصلے پر ایک ویرانے میں اٹنی پڑی ہے۔“

”کیا مطلب، کیا ہو گیا تھا؟“ سوئیوں نے سوچا کیا اور کبرشاہ سوئیوں کو پوری کہانی سناتے لگا، عقب میں بھلا صاحب کھڑے ہوئے تھے، کبرشاہ سے کہا۔

”اس کے بعد میں بڑی مشکل سے فاصلہ طے کرنا ہوا آگے بڑھنے لگا، اور پھر مجھے ایک قارکی آواز سائی دی۔ بڑا خوف محسوس ہوا تھا سو نیا مگر وہاں پہنچ کر صورت حال ہی دوسری دیکھی، شیخانے ان سب کو نچا کر رکھا ہو تھا اب جیپ وہاں اٹنی پڑی ہوئی ہے گاڑیاں واپس آ چکیں تو کچھ لوگوں کو لے کر جاؤں گا اور جیپ سیدھی کر کے واپس لے آؤں گا۔“ بھلا صاحب ایک گہری سانس لے کر پیچھے ہٹ گئے تھے۔



بلیر سنگھ پر عیم قشی کی کیفیت طاری تھی لیکن اس کے حلق سے اب بھی کر ہیں نکل رہی تھیں گلا خشک ہو گیا تھا، آواز پھٹ چکی تھی مگر وہ وحشیانہ انداز میں چیخ رہا تھا۔ اس وقت اس وفادار گھوڑے نے اس کا ہراساں کر دیا تھا اور اسے بہ آسانی اپنی پشت پر سنبھالے ہوئے دوڑ رہا تھا۔ بلیر اپنی ٹانگ کی تکلیف سے نیم دیاگی کی سی کیفیت کا شکار تھا۔ ہوش و حواس سب خشک رخصت ہو گئے تھے مگر بدن عجیب سی کیفیات محسوس کر رہا تھا یہاں تک کہ گھوڑا ایک جگہ رک گیا، کوئی جگہ تھی، کہاں لے آیا تھا وہ اسے بلیر کو کچھ معلوم نہیں تھا۔ گھوڑا کچھ اس انداز میں جھکا کہ وہ نیچے گر پڑا شاید اس کی یہ نیم قشی کی کیفیت دور نہ ہوتی مگر نیچے گرنے سے لڑائی ہوئی ٹانگ میں شدید تکلیف ہوئی تھی اور اس تکلیف نے اسے ہوش دلا دیا تھا وہ زمین پر گر کر ٹپنے لگا اور گھوڑا بدک کر اس سے دور ہٹ گیا۔ قریب ہی پانی کا ایک جو بڑ نظر آ رہا تھا، گھوڑا پانی دیکھ کر ہی یہاں رکا تھا اس نے پانی کے ایک حصے میں منہ ڈال دیا اور پانی پینے لگا۔ جو بڑ کا پانی غالباً بارش سے جمع ہو گیا تھا لیکن ٹھہرا ہوا اور گند اپانی تھا۔ بلیر انے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھا تا حد تک چٹانیں بکھری ہوئی تھیں۔ کوئی بھی پرسان حال یہاں موجود نہیں تھا۔ سب تو چیخنے کی قوتیں بھی جواب دے چکی تھیں اور حلق سے آواز نہ نکل پاری تھی۔ اس نے بے بسی کی نگاہوں سے پانی کو دیکھا جو اس سے کچھ فاصلے پر تھا اور اس کی خشک زبان ہونٹوں پر گردش کرنے لگی۔ سوچتے سمجھتے ہی قوتیں تو پہلے ہی ختم ہو چکی تھیں۔ بس عجیب عجیب سے حساسات ذہن میں پیدا ہو رہے تھے کبھی کبھی نگاہوں میں وحشت لائنیں بھی آ جاتی تھیں اور وہ آنکھیں بھیج بھیج کر کھونٹے لگتا تھا، ٹانگ کی تکلیف میں تھوڑی سی کمی ہوئی تو اس نے ہاتھوں کے بل گھٹنا شروع کر دیا اور چند لمحوں کے بعد پانی کے

کنارے پہنچ گیا۔ غصہ بڑھ گیا۔ گندے پانی کے جوہڑ سے اس نے تھوڑا سا پانی ہاتھوں کے چلوؤں میں سے کر لیا اور چپٹ لیٹ گیا۔ اس کے دماغ میں سائنس سائنس ہو رہی تھی پورے بدن پر تشنگی طاری تھا، ہاتھوں کی مضبوطی پہنچ رہی تھی۔ گھوڑے کے سہلوں کی آوازیں اور اس کی ناک سے خارج ہونے والی خرخر نہیں کانوں تک پہنچ رہی تھیں لیکن اس میں اتنی سکت نہیں تھی کہ اب گردن اٹھا کر گھوڑے کی طرف دیکھ ہی سکتا۔ اس کے حواس کچھ دیر تک بیدار رہے اور پھر بے ہوشی طاری ہو گئی وہ ایک بے بس انسان کی طرح زمین پر بے سندھ پڑا ہوا تھا۔ نجانے کب تک یہ کیفیت طاری رہی اور پھر ہوش آ گیا، ہوش آیا تو اسے اپنے وجود میں ایک عجیب سے شائے کا احساس ہوا۔ دماغ میں ہونے والی گونج کو کچھ دیر تک محسوس کرتا رہا۔ پھر اس نے آنکھیں کھولی دیکھ تو اسے دیر تک تو اسے دھیرے کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ شاید آنکھوں کی بیٹائی چلی گئی تھی لیکن رفتہ رفتہ اسے ان دھندلاہٹوں میں کچھ دھبے نظر آنے لگے عجیب و غریب دھبے تھے۔ اس نے حلق سے آوازیں لگانے کی کوشش کی اور بے معنی سی چند آوازیں اس کے ہونٹوں سے خارج ہو گئیں۔ پھر اس کے کانوں نے کچھ آہٹیں سنیں اور ایک ہاتھ اس کے سینے پر آ جھا، بلیر نے دہشت زدہ ہو کر پوری آنکھیں کھول دیں اور اس دھندلے چہرے کو دیکھنے کی کوشش کرنے لگا جو اس پر جھکا ہوا تھا۔ حواس آہستہ آہستہ واپس آئے اور اس کے حلق سے رندھی ہوئی آواز نکل۔

”کون ہے، کون ہو تم....؟“

”داس ہوں آپ کا بھائی راج، پورن سنگھ ہے میرا نام، غلام ہوں آپ کا۔“ جواب ملا، لہجے میں بھردی اور بری تھی، بلیر کے دماغ میں ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہو گئی اس کے بدن میں جنتی ہوئی اور اس نے اپنے اوپر جھکے ہوئے شخص کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”بیو، مجھے، مجھے بیو، بھگوان کے لئے مجھے بیو لو میں مر رہا ہوں۔“

”جس مہاراج آپ ٹھیک ہیں آپ نہیں مریں گے میں آگیا ہوں اب آپ کے پاس۔“

”تم تم مجھے، میں کہاں ہوں، کہاں ہوں میں وہ وہ کھنت لنگڑا دو کہاں مر گیا، وہ ہمارے آس پاس تو موجود نہیں ہے۔“

”کون لنگڑاٹھا کر، کس لنگڑے کی بات کر رہے ہیں آپ۔“

”اے دو تم تم، تم کون ہو۔؟“ بلیر سنگھ نے اپنے حواس پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

”پورن سنگھ ہوں مہاراج، سورج گڑھ کا رہنے والا ہوں آپ کا داس ہوں۔ آپ ایک جوہڑ کے کنارے پڑے ہوئے تھے، آپ کی ٹانگ ٹوٹی ہوئی ہے مہاراج، میں نے اس پر بہت سے کپڑے کس دیئے ہیں مگر مگر مہاراج بات کچھ میری سمجھ میں نہیں آئی۔ میں حلق سے دھڑکا نکلا تھا آپ کو اس طرح پڑے ہوئے دیکھا اور قریب پہنچا تو آپ کو پہچانا۔ یہ سب کیا ہو گیا ہے ٹھیک کر بلیر سنگھ مہاراج، کیسے ہو گیا یہ سب کچھ، کہیں آپ گھوڑے سے

گر پڑے تھے کیا؟“

”آہ یہ کوئی جگہ ہے، یہ کون سی جگہ ہے؟“

”جنگل ہی ہے مہاراج، سورج گڑھ یہاں سے بہت قریب ہے میں انتظار کر رہا تھا کہ آپ کو ہوش آ جائے تو سورج گڑھ لے چوں رات ہو چکی ہے۔“
”مر رہا ہوں، میں مر رہا ہوں۔ لے چلو بھگوان کے لئے چلو۔ کہیں لے چلو مجھے جلدی کرو مجھے جلدی کرو نہیں تو میں مر جاؤں گا۔“
”گر آپ کے اندر ستر کرنے کی ہمت ہے مہاراج تو سورج گڑھ یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔“

”لے چلو جلدی لے چلو بھگوان کے لئے مجھے لے چلو۔“ بلیر سنگھ نے کہا اس کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے اس کی خدمت کرنے والے جوان آدمی نے گردن ہڈی اور پھر مستعدی سے گھوڑے کی جانب بڑھ گیا۔ گھوڑے کو قریب لاکر کھڑا کیا، اور پھر اپنے طاقتور بازوؤں میں بلیر سنگھ کو اٹھا کر اس نے گھوڑے پر بٹھا دیا اور خود بھی اس کے پیچھے بیٹھ گیا۔ گھوڑا سست رفتاری سے آگے بڑھے لگا بلیر سنگھ کی ٹانگ میں تکلیف ہونے لگی تھی اور اس کے حلق سے ہلکی ہلکی کر چیں ٹکٹے لگی تھیں لیکن بہر طور اب وہ خود کو سنبھالے ہوئے تھا۔

اس کا بھروسہ اسے پھر پورسہارا دیے ہوئے تھا چنانچہ کچھ دیر کے بعد وہ سورج گڑھ کی آبادی میں داخل ہو گئے۔ پورن سنگھ اسے سیدھا ہسپتال سے گیا تھا اور اسپتال میں بلیر سنگھ کے پیچھے ہی بھگوان کی جگہ لگی تھی، کیونکہ وہاں کے تمام لوگ بلیر سنگھ کو اچھی طرح جانتے تھے۔ ڈاکٹروں نے فوری طور پر کارروائی شروع کر دی۔ تکلیف سے بچانے کے لئے بلیر سنگھ کو بے ہوش کرنا پڑا تھا۔ پھر اس کی ٹانگ کا چائزہ لیا گیا اور ڈاکٹر پریشان ہو گئے۔ پوری ٹانگ چکنا چور ہو گئی تھی اور ہڈیوں کی ان کرچوں کو جوڑا نہیں جا سکتا تھا۔ اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ ٹانگ کاٹ دی جائے۔ ڈاکٹر اس بات سے خوفزدہ بھی تھے کہ بے ہوشی کے عالم میں یہ عمل کہیں ہوش میں آنے کے بعد بلیر سنگھ کو ناگوار نہ گزرے ڈاکٹروں نے آپس میں مشورے کئے اور پھر ایک مناسب سمجھا کہ بلیر سنگھ کی جان بچائی جائے۔ چنانچہ ٹانگ کاٹنے کا بندوبست کیا گیا، پورن سنگھ، بلیر سنگھ کے ساتھ پوری طرح مصروف تھا اور بڑی اہمردی اور محبت سے اس کی دیکھ بھال کر رہا تھا، چنانچہ بلیر سنگھ کی ٹانگ کھینچنے کے کچھ دیر سے کاٹ دی گئی اور اس کے بعد اسے بے ہوشی ہی کے عالم میں رکھا گیا۔

بے ہوشی کا یہ وقت لمبے نے کتنا طویل تھا۔ بہر طور اس کے بعد بلیر سنگھ کو ہوش آیا۔ اس نے ابھی ہوئی ٹانگوں سے چاروں طرف دیکھا۔ گزرے ہوئے محلات اس کے ذہن سے محو نہیں ہوئے تھے۔ اسپتال کے اس کمرے کو پہچان کر اسے کسی قدر سکون کا احساس ہوا۔ دوسری چیز جو اس کی نگاہوں میں آئی وہ پورن سنگھ کا چہرہ تھا جو یک جگہ خاموش بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا۔ بلیر سنگھ کے ہونٹ ہلے تو پورن سنگھ بھاگ کر اس کے پاس پہنچ گیا اور اس نے

جھٹک کر کہا۔

”کیسی طبیعت ہے مہاراج؟“

”ٹھیک ہوں پورن سنگھ، تم پورن سنگھ ہی ہو نا۔“

”جی ہاں مہاراج۔“

”کیا وقت ہو گیا، ڈاکٹروں سے میری دیکھ بھال کی۔“

”ہاں مہاراج۔“ پورن سنگھ دکھ بھرے لہجے میں بولا اور بلہر سنگھ چونک کر سے دیکھنے لگا پھر اس کی نگاہیں اپنی ٹانگ پر پڑیں اور اس کے حلق سے ایک دغراش چیخ نکل گئی۔

”یہ یہ، یہ کیا ہوا، یہ کیا ہو گیا۔“

”یہ کیا ہو گیا، میری ٹانگ، میری ٹانگ کہاں گئی پورن سنگھ میری ٹانگ کہاں گئی؟“

”ضروری ہو گیا تھا مہاراج آپ کی ٹانگ کی ساری ہڈی پھٹنا چور ہو گئی تھی اگر آپ کی ٹانگ نہ کاٹی جاتی تو سارے بدن میں زہر پھیل جاتا، ڈاکٹروں نے بڑے مشکل سے یہ فیصلہ کیا تھا۔“

آ میری پک ٹانگ، میں لنگڑا ہو گیا ہوں پورن سنگھ میں لنگڑا ہو گیا۔“

”حوصد کریں مہاراج بیون بچانے کے لئے یہ سب کچھ ہے حد ضروری تھا۔“ بلہر سنگھ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اس کی قوت برداشت جواب دے گئی تھی۔ ساری زندگی وحشت و بدبریت میں گزاری تھی لیکن اپنی ذات منفرد چیز ہوتی ہے، وہ دیر تک روتا رہا اور پورن سنگھ گردن جھکائے کھڑ رہا، بالا خر بلہر سنگھ نے کہا۔

”بلہر سنگھ ختم ہو گیا پورن سنگھ، بلہر سنگھ ختم ہو گیا۔“

”نہیں مہاراج ایک ٹانگ کٹ جانے سے پھر سنگھ ختم نہیں ہو سکتا بلہر سنگھ ٹھا کر ہے دیر ہے، بادشاہ ہے وہ، وہ ہند کیسے ختم ہو سکتا ہے۔“

”نہیں پورن سنگھ میں، میں اپنا ج ہو گیا ہوں میں اپنا ج ہو گیا۔“

”آپ پتہ کیوں کرتے ہیں مہاراج آپ کے داس آپ کے ساتھ ہیں وہ آپ کے نام کو ہمیشہ اونچا رکھیں گے۔“

”تم پورن سنگھ، تم بہت ہمدرد ہو کتنا وقت ہو گیا مجھے اس اپنا میں آئے ہوئے؟“

”پانچواں دن ہے مہاراج۔“

”پانچ دن بیت گئے، پورے پانچ دن۔“

”ہاں مہاراج۔“

”اور تم، تم اس وقت سے میرے ساتھ ہو۔“

”میں تو آپ کا داس ہوں مہاراج میرا فرض تھا کہ میں نے تو ڈکڑوں سے یہ بھی کہا تھا کہ اگر میری ٹانگ مہاراج کی ٹانگ میں لگ سکے تو اسے کاٹ کر مہاراج کی ٹانگ سے جوڑ دیا جائے مگر ڈاکڑوں کا کہنا ہے کہ یہ ممکن نہیں ہے۔“

”کون ہو تم پورن سنگھ، کون ہو کہاں کے رہنے والے ہو؟“

”سورج گڑھ ہی کا ہوں مہاراج آپ کے ٹنگ خواروں میں سے ہوں۔“

”تم نے میرے ساتھ جو حسان کیا ہے پورن سنگھ تمہیں اس کا پورا پورا صلہ دیا جائے گا، چن مٹ کرنا۔“

”میرا صلہ تو مجھے مل چکا ہے مہاراج آپ زندہ ہیں سب ٹھیک ہے مجھے اور کچھ نہیں چاہئے۔“ پورن سنگھ خاموشی سے اس کی صورت دیکھتا رہا۔ اس کے ذہن میں بہت سے خیالات آرہے تھے۔ شکست ہوگئی تھی اس کجخت غلام شاہ کے ہاتھوں اسے شکست ہوئی تھی مگر کیا ہی شیطان ہے یہ شخص جس کا نام غلام شاہ ہے دونوں پاؤں سکے ہوئے ہیں۔ بالکل اپاچ ہے وہ لیکن لیکن کتنا خطرناک انسان ہے آہ میں نے یہ انداز نہیں لگایا تھا کہ وہ اتنا خوفناک ہو سکتا ہے۔ ہاں اپنے ساتھ آدمی تو نہیں، یا تھا وہ لیکن اس نے پوراچہرہ بند دوست کی تھوڑے خوشوار شکرے پورن سنگھ کو یاد آئے اور اس کا ہر کانپ کر رہ گیا اس نے پورن سنگھ سے پوچھا۔

”پورن سنگھ کچھ اور بھی معلوم ہے تمہیں۔“

”کیا مہاراج۔“

”تم یہ جانتے ہو کہ میری یہ ٹانگ کیسے ٹوٹی؟“

”آپ نے ہمیں کب بتایا مہاراج ہمیں کسی اور سے کیسے معلوم ہو سکتا تھا۔“

”سورج گڑھ کے حالات کیا ہیں۔“

”بہت برے حالات ہیں مہاراج، راون سنگھ جی کے جانے کے بعد تو سورج گڑھ میں افراتفری مچیل گئی ہے۔ ہر شخص اپنی من مانی کر رہا ہے۔ بہت

سوں کو تو آپ یہ یقین بھی نہیں رہا کہ راون سنگھ جی، اس آئیں گے۔“

”معلوم ہے مجھے معلوم ہے وہ سرکس جو آیا ہوا ہے جگت سنگھ کے علاقے میں اس کے بارے میں تمہیں کچھ معلوم ہے پورن سنگھ۔“

”نہیں مہاراج ہم تو ادھر کے رہنے والے ہیں سرحد پار کی باتیں ہمیں کیا معلوم۔“

”ہوں۔“ بلیر سنگھ گہری سانس لے کر کچھ سوچتا رہا پھر اس نے کہا۔

”یہاں راون سنگھ جی کے علاقے میں کیا ہو رہا ہے۔“

”بچی کچھ چیزوں کو لوٹا جا رہا ہے۔ مہاراج سب کچھ اپنے قبضے میں کر لیا گیا ہے جس کی بین آرہی ہے وہ دوسرے کو لوٹ رہا ہے ابھی خامی افراتفری مچنی ہوئی ہے یہاں۔“

”ہوں یہ ڈاکٹر مہری، اچھی طرح دیکھ رہا ہے کہ وہ ہیں ناں؟“

”ہاں مہاراج، آپ کا خوف سب پر غالب ہے۔“

”جانتے ہیں کہ میں بلیر سنگھ ہوں لیکن اب یہاں کی صورت حال کو کوئی نہیں سنبھال سکتا، راون سنگھ کاٹھ کر جگت سنگھ کے ہاتھوں سے آزاد ہونا ممکن نہیں ہے۔ پورن سنگھ جان بچاؤ چاہے گی ہمیں بھی اپنی جان بچانی پڑے گی نجانے آنے والا وقت کیا ہو، ڈاکٹر کیا کہتے ہیں مجھے کتنے دن میں چلنی دے دی جائے گی؟“

”میں نے پوچھا نہیں مہاراج۔“

”جداؤ، کنڈوں کو بلاؤ۔“ بلیر سنگھ نے کہا اور پورن سنگھ گردن جھکائے ہوئے ہر نکل گیا۔ بلیر سنگھ کے چہرے پر شدید پریشانی، درد، الجھن کے آثار تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد پورن سنگھ دوڑ کنڈوں کے ساتھ وہاں آ گیا۔ ڈاکٹروں کے چہروں سے خوف ٹپک رہا تھا۔

”کوئی اور علاج نہیں ہو سکتا تھا میرا؟“ بلیر سنگھ نے پوچھا۔

”مگر ہو سکتا تھا مہاراج تو ہم وہی کرتے، آپ کا بیون بچانے کے لئے یہ ضروری ہو گیا تھا کہ مہاراج۔“

”کتنا وقت اور لگے گا میرے ٹھیک ہونے میں؟“

”ہماری دن رات کی کوششوں سے زخم بہت جلد چھ ہو گیا ہے پھر بھی ابھی کافی دن لگیں گے۔“

”میں قیل نو اس جانا چاہتا ہوں۔“

”کچھ دن کے بعد جاتے تو چھ تھا تھا کر۔ گھوڑے پر تو سوار ہوئی نہیں سکتا۔“ ڈاکٹر نے کہا۔

”میرا غلطی کوں کر رہا ہے؟“

”ہم سب کر رہے ہیں مہاراج۔ آپ ہمارے لئے کتنے ضروری ہیں یہ ہم جانتے ہیں۔“

”قبیل تو اس جانا ضروری ہے ڈاکٹر۔ اب وہاں جانا بہت ضروری ہو گیا ہے۔ میرے لئے گھوڑا گاڑی کا بندوبست کرنا ہوگا ورنہ لوگ میرے ساتھ چاؤ گئے تمام انتظامات کے ساتھ۔ اگر ایسا نہ ہو سکا تو راون سنگھ کو اور ان کے ملائے کو ہی نامشکل ہو جائے گا۔“

”جو آپ کا حکم مہاراج۔“ دونوں ڈاکٹروں نے کہا۔

”تیار کر دو، میرے علاج کے لئے جو چیزیں درکار ہوں ساتھ رکھ دو۔ قبیل سنگھ مہاراج سے ملنا ضروری ہے۔“

”بہتر ہے مہاراج، ہم آپ کی ہدایت کے مطابق تیاریاں کئے لیتے ہیں۔“ ڈاکٹروں نے کہا۔ پھر پرون سنگھ کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر کے چل پڑے۔ بلیر سنگھ شک ہو نفل پر زبان پھیرتے ہوئے انہیں دیکھتا رہا، حالانکہ خود اسے اپنے جسم میں سچی جان محسوس نہیں ہوتی تھی کہ وہ یہاں سے قبیل تو اس تک کا سفر کر سکے۔ بڑی کمزوری محسوس ہو رہی تھی، لیکن رمدگی بچانے کے لئے اس وقت مورچ نگر سے نکل جانا بہت ضروری تھا۔ اس کے دل میں بار بار ان ساتھیوں کا خیال بھی آ رہا تھا جو غلام شاہ سے مقابلہ کرنے کے لئے پہاڑوں میں گئے تھے اور اس نے اپنی آنکھوں سے اس کا حشر دیکھا تھا۔ شہروں نے ان کی آنکھیں اذیت کر پھینک دی تھیں یعنی طور پر وہ اس کے بعد گرفتار ہو گئے ہوں گے اور جگت سنگھ کے پاس پہنچا دیئے گئے ہوں گے۔ جگت سنگھ ن سے پوچھ گچھ کرے گا اور ہو سکتا ہے اس کے بعد مورچ گڑھ پر چڑھائی ہو جائے۔ ایسی شکل میں بلیر سنگھ بھی جگت سنگھ کے قبضے میں چا سکتا تھا اور جگت سنگھ کے قبضے میں جانے کا مطلب تھا کہ وہ غلام شاہ کے قبضے میں بیچ جائے، غلام شاہ ایک بھوت کی طرح بلیر سنگھ کے اعصاب پر سوار ہو گیا تھا۔ اس لنگڑے، پاچے نے تہہ آ کر بھی وہ کام کر دکھایا تھا جو بلیر سنگھ کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ وہ تو سوچ رہا تھا کہ غلام شاہ جیسے احمق آدمی کو اس طرح جاکر بہ آسانی کتے کی موت مار دے گا، اس نے بچانے کی کیا منصوبے بنائے تھے غلام شاہ کے سلیبے میں، لیکن ساری تدبیریں الٹی ہو گئی تھیں اور وہ خود پاچے ہو کر بیمار اسپتال میں آ پڑا تھا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے سرکس کے بھوتوں کی پاری میم اس کی عمرانی کر رہی ہو اور کوئی بھی لمحہ اس کی موت کا لمحہ بن سکتا ہے۔ اس لئے وہ یہاں سے جلد از جلد نکل جانا چاہتا تھا۔ اس سے پہلے اس نے پیشل سنگھ کے ہارے میں نہیں سوچا تھا، راون سنگھ گرفتار ہوا تھا تو وہ پریشان ضرور ہو تھا لیکن اس کا خیال تھا کہ مگر صورت حال بہت زیادہ خراب ہو گئی تو وہ خاموشی سے اپنے گروہ کے ساتھ کسی نہ کسی طرح سرحد پار کر جائے گا اور باہر کی دنیا میں بھی اس کے لئے سچی جگہ ضرور تھی کہ ڈاکے وغیرہ ڈال کر اپنا کام چلا سکے،

پہلے بھی یہی کرتا تھا، نیا گھر سے اسے بہت زیادہ دلچسپی نہیں تھی سوائے اس کے کہ یہ اس کا اپنا دہلی تھا، اپنا گھر تھا۔

ڈاکٹروں نے تیاریاں مکمل کرنے میں کئی گھنٹے صرف کر دیے تھے، پورن سنگھ تھوڑی دیر کے بعد واپس آ گیا تو ہمیں نے اس سے پوچھا۔
”کیا بات ہے، ڈاکٹر تمہیں کیوں لے گئے تھے۔“

”کوئی خاص بات نہیں ہے بہاراج، بس تیاریوں میں ہاتھ بٹانے کے لئے وہ مجھے اپنے ساتھ لے گئے تھے۔“

”پورن سنگھ بہاراج تم سے یہ بات کہہ کر میں بے وقوفی نہیں کرنا چاہتا تھا کہ تم نے جس طرح میرا ساتھ دیا ہے اس کے بعد تم مجھ سے لگ نہیں ہو بلکہ صبح
محنوں میں میرے دوست ہو، ٹھیک ہو جانے دو، پھر دیکھنا میں تمہارے لئے کیا کرتا ہوں۔“

”آپ کا ٹھیک ہو جانا ہی میرے لئے بہت کچھ بہاراج، آپ کی سیدہ کر کے میں زندگی کا سب سے بڑا سنگھ حاصل کر رہا ہوں۔“ پھر گھوڑا گاڑیاں تیار
ہو گئیں اور ڈاکٹروں نے ایک اسٹریچر پر بلیئر سنگھ کو لے کر گھوڑا گاڑی میں منتقل کر دیا۔ اس کے آرام کا پورا خیال رکھا گیا تھا۔ ڈاکٹر اس کے ساتھ
تھے۔ پورن سنگھ بھی قریب موجود تھا۔ سفر کا آغاز ہو گیا، گو یہ سفر کافی مشکل تھا، بلیئر سنگھ کی حیثیت بھی ایسی ہی تھی کہ ڈاکٹر انکار نہیں کر سکتے تھے۔ یہ
تکلیف دہ سفر جاری رہا اور بلیئر سنگھ پورے سفر کے دوران خوفزدہ رہا۔ اس نے پورن سنگھ کو خفیہ طور پر ہدایات دی تھیں کہ اطراف پر نگاہ رکھے، دور
بازار پورن سنگھ سے خیریت معلوم کرتا جا رہا تھا۔ پھر ہینل نو اس کی عمر میں نظر آنے لگیں اور پورن سنگھ نے خوشی بھرے لہجے میں بلیئر سنگھ کو بتایا۔

”شاید ہم ہینل نو اس پہنچ گئے ہیں بہاراج۔“ بلیئر سنگھ کے چہرے پر بھی خوشی کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ ہینل نو اس کے باہری دروازے پر چند
مسلح سپاہیوں نے ان لوگوں کا سواگت کیا اور یہ جان کر کہ بلیئر سنگھ سورج گڑھ سے آیا ہے، اسے احترام سے لے کر ہینل نو اس پہنچ گئے۔ سورج
گڑھ میں راون سنگھ کی جو رہائش گاہ تھی اس کی نسبت ہینل سنگھ کی یہ رہائش گاہ زیادہ مستحکم اور خوبصورت نظر آتی تھی۔ یہاں کی آبادی کے وہی
حالات محسوس ہوتے تھے جو راون سنگھ کی آبادی کے تھے، لیکن پھر بھی یہاں کچھ آسودگی تھی، بزیروں کے کھیت لہہا رہے تھے دوسرے درخت بھی
اگے ہوئے تھے، گورادون سنگھ کی نسبت ہینل سنگھ کسی قدر بہتر آدمی تھا۔ ہینل نو اس میں خود ہینل سنگھ نے بلیئر سنگھ کا سواگت کیا۔ لمبے قد و قامت کا یہ
جون آدمی کافی بدوہ نظر آتا تھا۔ بلیئر سنگھ کو احتیاط کے ساتھ ایک کمرے میں منتقل کر دیا گیا۔ باقی لوگوں کو رکنے کی ہدایت کی گئی تو بلیئر سنگھ نے کہا۔
”پورن سنگھ کا میرے ساتھ آئے دو۔“ پورن سنگھ کو یہ اعزاز خصوصی طور پر بخشا گیا تھا کیونکہ وہی تھا جس نے بلیئر سنگھ کی جان بچائی تھی درندہ شاہ
دہیں جو بڑکنارے اس کی موت واقع ہو جاتی۔ پورن سنگھ اس کے خاص خادم کی حیثیت سے اس کی رہائش گاہ میں پہنچ گیا، تھوڑی دیر کے بعد ہینل
سنگھ نے بلیئر سنگھ سے ملاقات کی۔ بلیئر سنگھ ایک مضطرب مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

”معافی چاہتا ہوں مہاراج، اٹھ کر آپ کا سواگت نہیں کر سکتا، اپنا ج ہو گیا ہوں۔“

”جہیں اس کیفیت میں، کچھ کر ہمیں بے حد دکھ ہوا بلیر سنگھ لیکن ہم دوسرے کسی کی آمد کے بے چینی سے منتظر تھے۔ عام لوگ تو آتے جاتے ہی رہتے ہیں مگر ہم کسی ایسے سے ملنا چاہتے ہیں جو ہمیں تمام صورت حال بتا سکے۔“

”بد قسمتی سے مہاراج، راؤن سنگھ کے ساتھ جو کچھ ہوا اس کے بعد سے میں مسلسل اس کوششوں میں مصروف تھا کہ کس طرح راؤن سنگھ جی کو بھا کر جگت سنگھ کی قید سے رہا کرایا جائے، اس لئے آپ تک نہیں پہنچ سکا لیکن افسوس میں کامیاب نہ ہو سکا مہاراج بلکہ اس کوشش میں اپنا ج ہو گیا۔“

”وہ، مجھے بہت افسوس ہے بلیر سنگھ، مجھے بہت افسوس ہے۔“ ہنسل سنگھ نے کہا۔

”ادھر جو کچھ ہو رہا ہے مہاراج آپ اس سے پوری طرح واقف ہوں گے، ہم بے بس ہو گئے ہیں، اب کچھ نہیں رہا ہمارے ہاتھوں میں۔“ بلیر سنگھ نے کہا۔

”ہاں بلیر، بھا کر چلا چھا نہیں کر رہے، ان کی نیت بدل گئی ہے۔ میں جانتا ہوں وہ ہم پر الزام لگا کر ہم سے یہ ملاتے چھینا چاہتے ہیں مگر بلیر سنگھ اب یہ اتنا آسان نہیں۔ یہ کون ہے؟“ ہنسل سنگھ نے پھر اپنی طرح اشارہ کر کے کہا۔

”میرا خاص آدمی ہے مہاراج۔ اس کی چٹانہ کریں۔“

”یوں تو مجھے سارے حالات معلوم ہو چکے ہیں بلیر سنگھ مگر تم تفصیل سے بتاؤ ادھر کیا ہو رہا ہے؟“

”بھا کر جگت سنگھ نے یہ ملاتے دھاڑیں آ کر ہمیں دے تو دیئے مگر بعد میں نہیں بہت افسوس ہو اور وہ دن رات اس کوششوں میں مصروف ہو گئے کہ کسی طرح نہیں ہم سے واپس میں وہ کسی ایسے کام کی تلاش میں تھے جس سے ہم پر کوئی الزام لگایا جاسکے اور یہ موقع انہیں مل گیا۔ بھا کر راؤن سنگھ سے اپنی ضرورت کے لئے اسلحہ منگا، تو جگت سنگھ مہاراج نے اسے اپنے قبضے میں لے لیا اور ہمارے بہت سے آدمی پکڑے گئے۔ انہوں نے ہر کی دنیا سے جاسوس منگائے، ہمارے یا مگر دانے تو دونوں بھائیوں کا ساتھ دے سکتے ہیں۔ مگر ہمارے ہاتھ ہوئے کرائے کے لڑاکے، وہی کریں گے جو مہاراج جگت سنگھ کہیں گے۔ سو ہنسل سنگھ مہاراج انہوں نے آ کر گڑبڑ شروع کر دی۔ جیل توڑی گئی اور بہت سے قیدی نکال لئے گئے یہاں تک کہ سرکس والے دھوکے سے سرحد پار کر کے آئے۔ جگت سنگھ کے نام پر بھا کر راؤن سنگھ کو بلایا گیا اور سرکس والے انہیں سے بھاگے۔“

”راؤن سنگھ بتا ہے قوت کیوں بن گیا کہ سرحد پر دوڑ چلا گیا۔“ ہنسل سنگھ نے کہا۔

”آپ جانتے ہیں مہاراج، وہ سیدھے آدمی ہیں۔“

”سادگی سے کام کہاں چلتا ہے۔ چلا بھا کر بے ایمان ہو گئے ہیں، وہ ہم سے ہمارا حق چھیننا چاہتے ہیں مگر ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے۔“ ہنسل سنگھ

نے کہا۔

”یہ ہونا بھی نہیں چاہئے ہمارا راج۔“ بلیر سنگھ بولا۔

”تم سے بڑی امید تھی بلیر سنگھ مگر یہ تمہارے ساتھ کیا ہوا۔“

”جیون وار نے کیا تھا خدا کر راؤن سنگھ پر مگر کامیابی نہ ہو سکی ہمارا راج۔“ بلیر سنگھ مکاری سے بولا۔

”پوری بات بتاؤ۔“

”سرکس کے کتوں سے بات کی تھی۔ کرائے کے ان ٹٹوں سے میں نے کہا تھا کہ وہ دولت چاہتے ہیں ناں۔ راؤن سنگھ کو گروہ میرے حوالے کر دیں

تو میں اس کا ہیٹ دوست سے بھر دوں گا۔ بات چیت کرنے کے لئے کالی بیری کے درے پر بلایا تھا میں نے سرکس کے ہالک غلام شاہ کو۔ مگر اس پاپی

نے دھوکا کیا اور مجھ پر حملہ ہو گیا۔ بس لڑائی ہوئی ہمارا راج۔ اور میں ایک ٹانگ سے ہاتھ دھو بیٹھا۔“

”تم نے بھی لٹنٹری کی بلیر سنگھ۔“ پٹیل سنگھ نے کہا۔

”کیا کرتا ہمارا راج۔ آپ جانتے ہیں کہ راؤن سنگھ جی میرے دوست بھی ہیں، دوست پر کیا بیٹ رہی ہوگی۔ یہ سوچ کر پاگل ہوا جا رہا ہوں۔ میں

اس آگ میں بھسم ہو کر یہ سب کر بیٹھا۔“

”ہمیں تمہاری اس حالت پر بڑا افسوس ہے بلیر سنگھ تم ٹھیک ہو جاؤ ابھی تمہیں ہمارے ساتھ بہت کچھ کرنا ہے۔ چاچا ٹھا کر یہ بات کر چکے ہیں کہ اب

ہمارا ان سے کوئی تعلق نہیں رہا، صرف ہمارے دشمن ہیں، خدا کر دشمنوں سے نمٹنا چھٹی طرح جانتے ہیں۔“

”کیوں نہیں ٹھا کر۔“

”راؤن سنگھ ہمارا چھوٹا بھائی ہے۔ اس کے چاچا ٹھا کر کے قبضے میں چلے جانے کے بعد سے اب تک ہم نے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھا یا۔ دن رات اس

کے لئے پریشان ہیں۔ اسے آزاد کرانا ضروری ہے۔“

”پائلٹ شا کر۔“

”چاہے اس کے لئے پورا دنیا بھسم کرنا پڑے۔ جانتے ہو چاچا ٹھا کرے ہمارے پاس کیا سند میرے پاس ہے؟“

”کوئی سند میرے پاس ہے انہوں نے؟“

”ہاں۔“

”کون لایا ہے یہ سندھیدہ؟“ ہلیر سنگھ نے پوچھا۔

”دوقیدی جو سورج گڑھ کے ہیں۔“

”وہ پوری چالاکي سے کام ہو رہا ہے۔ وہ یہ ساری چالاکي فنی سرکس کے آدمیوں کی سکھائی ہوئی ہے۔ سندھیدہ کیا تھا مہاراج؟“

”چاچا ٹھ کرنے مجھے بلایا ہے۔ کہتے ہیں اگر راؤن کا جیون چاہتا ہوں تو فوراً ان سے آ کر ٹوں ورنہ نتیجے کا امداد خود ہوں گا۔“

”آپ نے کیا جواب دیا؟“

”خاموشی اختیار کی ہے۔ کوئی جواب نہیں دیا۔“

”ارادہ کیا ہے مہاراج؟“

”جنگ صرف جنگ۔ سزا پکھا دوں گا چاچا ٹھ کر کو۔“ جیل سنگھ پر جوش بھجے میں بولا۔

”ناٹھ کرنا۔ تم جانتے ہو حالات بہت خراب ہیں۔ راؤن سنگھ جی کے قید ہونے کے بعد سورج مگر کار راج ختم ہو چکا ہے۔ وہ لوگ ساتھ نہ دے سکیں گے۔ کون ساتھ ہے کون خدار، پتہ نہیں چلے گا، ہمیں نقصان ہو جائے گا مہاراج۔“

”پھر کیا کروں ہلیر، کچھ کچھ میں نہیں آتا۔ میں جانتا ہوں مہاراج جگت سنگھ مجھے بھی گرفتار کریں گے، اور پھر کچھ نہ ہو سکے گا۔“

”میں آ گیا ہوں مہاراج جو کچھ میں تباؤں دے کریں، پھر تہننا دیکھیں۔“ ہلیر سنگھ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”کوئی اور ترکیب ہے تمہارے من میں۔“

”ہے مہاراج کسی ترکیب جس کا کوئی ٹور نہ ہو گا۔ آپ کو معلوم ہے میدہ ہونے والا ہے۔ میدہ ہو گا، رنگ بکھرے گے اور ہم اس میلے کو سرخ رنگ دے دیں گے خون کے سرخ رنگ سے۔“ ہلیر سنگھ شیطانی دھماکے میں ہنس پڑا۔

ہیل سنگھ خاموشی سے ہلیر سنگھ کی صورت دیکھ رہا تھا۔ ہلیر سنگھ کچھ دیر خاموش رہ کر سوچتا رہا پھر اس نے کہا ”جی ہاں یہ ہے مہاراج جیل سنگھ کے

ٹھ کر راؤن سنگھ نے کبھی مجھ سے کام ہی نہ لیا۔ میں نے بہت سی ترکیبیں بتائیں انہیں مگر وہ۔۔۔ وہ یہی سوچتے رہے کہ ٹھ کر جگت سنگھ ان کے چاچا ہیں،

ان کے خلاف کوئی کام نہیں کرنا چاہئے اور اس کا نتیجہ انہوں نے دیکھ لیا، بڑے ٹھ کرے یہ بڑا ارادہ دل سے کیا ہی نہیں تھا۔ وہ تو بس دوسروں کے دپار

سے مجبور ہو گئے تھے اور بڑا ارادہ کرتے ہوئے انہوں نے اس بات کا خیال رکھا تھا کہ دلوں کیجیے حکومت کریں نہ سکیں اور جلد ہی ان کا انت ہو جائے

اور کچھ بچے انہوں نے وہی کر ڈالا جو انہوں نے سوچا تھا۔“

”وہ اتنی آسانی سے ہمارا امت نہ کر سکیں گے بیسہرے۔“ ہینٹل سنگھ نے پر جوش لہجے میں کہا۔

”ایسا ہونا تو نہیں چاہئے ہمارا راج۔“

”یہ نہیں ہوگا بیسہر سنگھ چاچا ٹھاکر نے ہماری نظروں میں اپنی عزت کھودی ہے۔ اب وہ صرف دشمن ہیں۔ رشتے نامے قسم ہو چکے ہیں۔ انہیں اس دشمنی کا حساب دینا ہوگا۔“

”راون سنگھ نقصان اٹھا گیا بیسہر سنگھ، مگر میں چاچا ٹھاکر کو کامیاب نہ ہونے دوں گا۔“

”مگر ہمیں اب ہوشیار رہ کر کام کرنا ہوگا۔“

”جو کچھ کرنا ہے مجھے اس کے بارے میں بتاؤ بیسہر سنگھ، اب تمہاری کیا تجویز ہے۔“ ہینٹل سنگھ نے کہا اور ایک بار پورن سنگھ کی طرف بے چین نظروں سے دیکھا جسے محسوس کر کے بیسہر سنگھ نے کہا۔

”پورن سنگھ کی بالکل چھتاہ کریں مہاراج، یہ میرا سب سے بڑا اوفادار ہے، یوں سمجھ لیں میرا جیون اسی کا بچا ہوا ہے۔ اگر یہ میری مدد نہ کرتا تو میں جی نہ سکتا تھا۔“

”نہیں ٹھیک ہے۔ اب بتاؤ ہمیں کیا کرنا چاہئے؟“

”دشمن کو میدان میں مارنا مشکل ہو جائے گا۔ اسے اس کے گھر بارنا ہوگا۔“

”کیسے؟“ ہینٹل سنگھ نے پوچھا۔

”میدان ہوگا اور اس میں ہی موت کے رنگ بکھریں گے۔“

”مگر کیسے، چاچا ٹھاکر نے سرحدیں تو بند کر دی ہیں۔“

”میسے کے وقت یہ ضرور کھل جائیں گی، صدیوں کی ریت ہے، جگت سنگھ یہ ریت نہیں توڑیں گے۔ اگر اب ہو تو پھر دیکھا جائے گا، کچھ اور سوچیں گے۔ جلد بازی کر کے اب کام بنانا مشکل ہے۔ دشمن کو صرف کھات لگا کر مارنا ہوگا۔ بھگوان کی سوگند، اس وقت ٹھاکر جگت سنگھ کو بہت بڑی طاقت کا سہارا حاصل ہے، ان کی ساری فوجوں سے ہمیں اتنا خطرہ نہیں جتنا سرکس دانوں سے۔“

”یہ سرکس آخر ہے کیا بد؟“

”بدوں کا سرکس ہے ہمارا راج ایسے ایسے گریں ان کے پاس کہ انسان کی سمجھ میں نہ آئیں، مگر مہاراج، بھگوان کی سوگند، سرکس کا ایک بچہ بھی جیتا

”نہیں جانا چاہئے نیا گھر سے۔“

”تمہارا خیال ہے کہ اگر میلہ ہو تو ہم اپنی فوجوں کو خفیہ طور پر وہاں لے جائیں وہ بظاہر میلے میں شریک لوگوں کی طرح ہوں لیکن حقیقت میں نہیں کچھ اور ہی کرنا ہوگا۔ یہی تجویز ہے نا تمہارے دوہڑ میں۔“

”فہمیں مہاراج ۔ بالکل نہیں۔“

”پھر؟“ منتقل سنگھ حیرت سے بولا۔

”تمہارے فوجیوں کا ایک بڑا حصہ عام لوگوں کی حیثیت سے وہاں جائے گا، اسے یہ ہدایت ہوگی کہ وہ کسی خاص واقعہ کے لئے تیار رہے گا، مگر کام کرنے والا حصہ دوسرا ہی ہوگا مہاراج۔“

”کیا مطلب؟“

”آٹھ آدمی کافی ہوں گے، صرف آٹھ آدمی اور انہیں درود کی ٹویں میں بانٹ دیا جائے گا۔ دو آدمی ٹھا کر جگت سنگھ کا کرپا کر میں گے۔ یہ ان کی ذمے داری ہوگی کہ وہ کب اور کہاں ٹھا کر کو موت کے گھاٹ اتاریں گے۔ دوسرے دو آدمی اس لنگڑے کو ماریں گے جس کا نام غلام شاہ ہے۔ دو آدمی ٹھا کر کے ساتھ غلام پونم سنگھ کو ماریں گے اور باقی دو آدمی ہر جگہ کسی بھی ضرورت پر کسی بھی فوج کی مدد کرنے کے ذمہ دار ہوں گے۔ اصل کام یہی آٹھ آدمی کریں گے۔ باقی خاص لوگوں کا حصہ ہر اس کام کے لئے تیار رہے گا جس کی ضرورت وقت پڑنے پر پڑ جائے۔ دراصل ٹھا کر مہاراج جگت سنگھ جی بھی ہے، قوف نہیں ہیں اور کسی بھی خطرے سے نمٹنے کے لئے یقیناً تیار ہوں گے۔ حالات وہ بھی جانتے ہیں، میلے کو ملتے ہی کرنا ان کے اس کی بات نہیں ہے کیونکہ اس طرح خود جگت سنگھ جی کی بے عزتی ہوتی ہے، لوگ ان سے یہی کہیں گے کہ صدیوں پرانی ریت کو شتم کرنے کا مطلب یہی ہے کہ وہ اپنے دشمنوں سے خوفزدہ ہیں اور ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ یہ بات ٹھا کر جگت سنگھ کو بہت پریشان کرے گی اور خود اس کی اپنی آبادیوں میں ان کی مخالفت شروع ہو جائے گی۔ لیکن ان کی ساری فوجیں نگرانی ضرور کریں گی اور اگر ہم بچے فوجیوں کو بچے کر اس طرح میلے میں جائیں گے تو یقیناً ٹھاکوں میں آچائیں گے۔ جو ترکیب میں نے بنائی ہے نا مہاراج، اس وہی کامیاب ہو سکتی ہے۔ ٹھا کر جگت سنگھ پونم سنگھ اور غلام شاہ ہلاک ہو جائیں تو یوں سمجھ لیں کہ ہم نے میدان مار لیا، نام بھی نہ آنے دیں گے ہم اپنا کہ یہ کام ہم نے کیا ہے۔ راوٹ سنگھ تو ٹھا کر کی قید میں ہیں، آپ نے اس مسئلے میں ابھی تک کوئی قدم نہیں اٹھایا ہے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ ٹھا کر جی کی موت کے بعد آپ روتے پٹتے یا گھر پنچیں گے اور اپنے چاچا جی کے اتم سنگھار میں اسی طرح حصہ لیں گے جس طرح ایک بیٹا اپنے چاچا کا اتم سنگھار کرتا ہے۔ آپ رورور کر اپنی آنکھیں سجاویں گے اور لعنت بھیجیں

گئے راج پانٹ پر، پھر بھلا کون ہے جو آپ کے علاوہ نیو گمر کی عکمرانی کا حق دار ہوگا، کام سی طرح ہونا چاہئے مہاراج در اسی طرح ہم اپنی حکومت قائم کر سکیں گے۔ دوسری کوئی ترکیب کامیاب نہیں ہو سکے گی سوائے اس کے کہ بہت سے ادھر کے در بہت سے ادھر کے مارے جائیں۔“ پتیل سنگھ خاموشی سے ہلیر سنگھ کو دیکھ رہا تھا آہستہ آہستہ اس کی آنکھوں میں زندگی کی چمک لوٹنے لگی اور پھر اس نے سر در لہجے میں کہا۔

”بہت، اچھی ترکیب ہے ہلیر بہت اچھی ترکیب ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ اس ترکیب سے ہمیں ساری دنیا گمر کی حکومت مل جائے گی، ٹھیک کر جی کا اور کوئی دلی وارث نہیں ہے سوائے ہمارے۔ ہلیر سنگھ کے ہونٹوں پر بدستور مسکراہٹ چمکی ہوئی تھی اس نے کہا۔

”ور جب آپ کو مہاراج نیا گمر کی حکومت مل جائے تو اپنے داس کو نہ بھولنے گا، باقی رہی بات راون سنگھ جی کی تو، نہیں جو آپ کا من چاہے ویں، ہلیر سنگھ بہر طور آپ کا وفادار ہے۔“

”تم یہ بات کہہ کر ہمیں شرمندہ کر رہے ہو ہلیر سنگھ، اگر تمہاری وجہ سے ہمیں یہ کامیابی حاصل ہوگئی تو تم سے بڑا اور کون ہوگا ہمارے لئے، ویسے بھی ہم تمہاری بہت عزت کرتے ہیں، راون سنگھ نے بچے ہونے کا ثبوت دیا، اسے تمہارے ساتھ تعاون کرنا چاہئے تھا پتہ نہیں کس حال میں ہوگا؟“

”ایک بات ہم جانیے ہیں مہاراج پتیل سنگھ، ٹھیک کر جگت سنگھ، راون سنگھ کے بارے میں کوئی برا فیصلہ مشکل ہی سے کریں گے۔ بہر حال راون سنگھ مہاراج اب کے بھتیجے ہیں اور پھر آپ کا اٹھارہویں ہوگا، زیادہ سے زیادہ ٹھیک کر جگت سنگھ نے یہ سوچا ہوگا کہ آپ بھی اگر ان کے پاس پہنچ جائیں تو آپ کو بھی گرفتار کر لیا جائے اور اس کے بعد پتیل نو اس اور سورج گڑھ، جگت سنگھ کے قبضے میں ہوں گے، میں ایک بات دمجوے سے کہتا ہوں مہاراج، اگر آپ جگت سنگھ جی کی دعوت پر ان کے پاس پہنچ جائیں تو آپ کو وہاں نہیں آنے دیا جائے گا۔ خطرہ ہے جگت سنگھ کو بس یہی کہ آپ اس سلسلے میں مداخلت کر سکتے ہیں۔ دوسری صورت میں جنگ کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں رہ جاتا جگت سنگھ جی کے پاس اور جہاں تک میرا خیال ہے وہ جنگ نہیں کرنا چاہئے، اگر کوئی تشویش ہے مجھے تو صرف اس سرکس والے سے، ہلاکی چیز ہے وہ، مگر آپ کو میری ایک بات دینی پڑے گی۔ پتیل سنگھ مہاراج جیسے ہی نیا گمر کی حکومت آپ کے ہاتھ میں آئے، ہمارے سرکس کے گرد گھیرا ڈال دیا جائے اور اس کی ڈسے داری میرے ہاتھ میں سوئپ دی جائے گی۔“

”یہ وعدہ میں تم سے اسی وقت کرتا ہوں ہلیر سنگھ، وچن دیتا ہوں تمہیں کہ سارا سرکس تمہارے حوالے کر دیا جائے گا اور تمہیں مکمل طور پر تختہ رات دے دیئے جائیں گے کہ ان کے ساتھ جلد چاہے کرو۔“

”اس کے علاوہ میں اور کچھ نہیں چاہتا مہاراج، اب اسے ایک کام اور کرنا ہے ہمیں۔“

”کیا؟“ پیتل سنگھ نے پوچھا۔

”وہ دو آدمی جو ہر رات جگت سنگھ کا سہویرہ لے کر آئے ہیں، آپ کے پاس موجود ہیں؟“

”ہاں پیتل لو اس ہی کے رہنے والے ہیں وہ۔“

”تھا کر جگت نے کیا کہہ کر انہیں یہاں بھیجا تھا؟“

”کوئی خاص بات نہیں بس انہوں نے یہ سند میرا ان کے ہاتھوں بھیجا تھا اور کہا تھا کہ یہ مجھ تک پہنچا دیا جائے ان کی واپسی کی کوئی شرط نہیں لگائی تھی چاہا تھا کرنے۔“

”مگر وہ واپس چائیں گے سند میں کا جواب لے کر۔“ مہیر سنگھ نے کہا۔

”کیا جواب ہوگا؟“ پیتل سنگھ نے پوچھا۔

”آپ کہیں سے ہمارا راج کہ چا چا تھا کر، راوی سنگھ نے جو کچھ کیا ہے وہ آپ چائیں اور راوی سنگھ، وہ میرا بھائی ہے تو آپ میرے چا چا ہیں لیکن میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ مگر میں آپ کے ہاتھ لگ گیا تو آپ میرے ساتھ بھی اچھا سلوک نہیں کریں گے اگر میرا یہ خیال غلط ہے تو پہلے راوی سنگھ کو چھوڑ دیں وہ میرے پاس آ گیا تو پھر ہم دونوں بھائی آپ کے پاس پہنچیں گے اور جو کچھ آپ کہیں گے وہ سنیں گے، دوسری صورت میں، میں آپ کے پاس پیتل لو اس چھوڑ کر نہیں آ سکتا۔ پہلے راوی سنگھ کو چھوڑ کر اس بات کا ثبوت دیں کہ آپ ہمارے سسٹے میں غلط ہیں۔“

”تھا کر جگت سنگھ یہ فیصلہ کر لیں گے کہ پیتل سنگھ کو راوی سنگھ کی پرواہ نہیں ہے، اور راوی سنگھ کے لئے اپنے آپ کو مصیبت میں آگئے پر تیار نہیں ہیں۔ اس طرح تھا کہ میرا راج، تھا کر راوی سنگھ کو بھی آسانیاں حاصل ہو جائیں گی، وہ بے سہارا سمجھے جائیں گے اور تھا کر جگت سنگھ کے دل میں ان کا پریم چمک اٹھے گا اس طرح ان کا جیون بھی بچ سکتا ہے اور آپ بھی تھا کر جگت سنگھ کے چنگل میں جانے سے بچ سکتے ہیں۔ تھا کر جگت یہ سوچ بھی نہ سکیں گے کہ آپ ایسی کسی کارروائی کا ارادہ رکھتے ہوں گے۔“ پیتل سنگھ راوی سنگھ کو کچھ سوچنے لگا پھر اس نے کہا۔

”مگر ایک خطرہ ہے ہمیں، اگر اس سند سے یہ علم ہمارے بھائی راوی سنگھ کو ہو گیا تو اس کے دل میں ہمارے لئے برائی پڑ جائے گی۔“

”عامری طور پر اگر ایسا ہو بھی جائے مہر راج تو ہمیں اس کی چتا نہیں کرنی چاہئے۔ ایک بڑے کام کے لئے چھوٹا کام تو کرنا ہی ہوگا، آپ تھا کر جگت کو یہی جواب بھجوائیں گے کہ اگر راوی سنگھ میرا بھائی ہے تو آپ کا عہد بھی ہے جو من چاہے کریں اس کے ساتھ، کیا سمجھے، بعد میں ہم راوی سنگھ کی کساری صورت میں ہمارا کرنا کا دل صاف کر سکتے ہیں۔“ پیتل سنگھ کا چہرہ خوشی سے چمکے لگا تھا۔ اس نے کہا۔

”تم جو کچھ کہہ رہے ہو بلکہ سنگھ میری سمجھ میں آ رہا ہے واقعی اس سے بھی ترکیب دور کوئی نہیں ہو سکتی تمہاری ٹانگ ٹھیک ہو جائے تو میں اس مسئلے کی ساری ذمے داریاں تمہیں سونپ دوں گا اور اگر چاہو کہ راج ہمیں مل گیا تو ابھی سے یہ بات کہنا مجھے اچھا نہیں لگتا کہ نیا گھر میں تم ہمارے بعد دوسرے آدمی ہو گے جو حکومت کر دو گے۔“

بلکہ سنگھ نے مسکراتے ہوئے گردن خم کر دی تھی۔ خدہ کر پیتل سنگھ چند لمحات خاموش رہ کر کچھ سوچتا رہا پھر اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔
 ”ہمارے درمیان جو بات چیت ہوئی ہے بلکہ سنگھ وہ ہمیشہ ہمیشہ ہم قیوں کے بیچ رہے گی۔ تم جس قدر جلد ممکن ہو سکتے صحت واپ ہوئے کی کوشش کرو، اب ہمیں ہر لمحہ تمہاری ضرورت ہے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ ہم تمہاری ہدایت کے مطابق کام شروع کر دیتے ہیں، ایسے آٹھ آدمیوں کا انتخاب کریں گے جو پوری رازداری سے ہمارا یہ کام کریں۔ تمہیں اس سب سے ملا دیا جائے گا اور وہ سب تمہاری ہدایت میں ہی کام کریں گے۔ اس کے علاوہ وہ حقہ بھی تیار کرتا ہے ہمیں، جو ہمارے ساتھ نیا گھر جائے گا اور میرے میں ہمارے مفادات کی نگرانی کرے گا، تمہاری ہدایت کے مطابق وہ سب سے بھی تیار کئے جاتے ہیں ہم جو چاہا کر کو بھجواتا ہے، ہمارا خیال ہے کہ تم نے ادھر کا راج کر کے بہت اچھا کیا ہے اور ہماری بھی بہت ساری مشکلیں حل کر دی ہیں۔ دن دنوں ہم کتنے پریشان تھے تمہیں بتا نہیں سکتے۔“

”اس جیون وے کر بھی آپ کی پریشانیوں دور کرنا چاہتا ہے مہاراج، ان حالات میں میں آپ ہی کی طرف رخ کرنا مناسب سمجھتا تھا۔“
 ”تمہیں جس چیز کی ضرورت ہو، اسے حاصل کرنے کے لئے تم تکلف نہیں کرو گے، تم اپنے ساتھ سورج گڑھ سے ڈاکٹر لائے ہو، ہمارے پاس بھی ڈاکٹر موجود ہیں، تم چاہو تو ہم نہیں بھی تمہارے معائنہ کے لئے بھیج دیں۔“

”ضرورت نہیں ہے مہاراج، جو لوگ میرے لئے کام کر رہے ہیں، مجھے ان پر اطمینان ہے۔“ پیتل سنگھ اس کے بعد وہاں سے رخصت ہو گیا اور بلکہ سنگھ ستر پر دراز ہو کر آنکھیں بند کر کے کسی سوچ میں ڈوب گیا، ہمارے سنگھ نے چند لمحات کے بعد کمرے کا دروازہ بند کر دیا اور کچھ فاصلے پر خاموش بیٹھ گیا۔ بلکہ سنگھ آنکھیں بند کئے مسکرا رہا تھا، نبھانے اس کے ذہن سے کیسے کیسے خیالات کا گزر رہا تھا، پھر اس نے اچانک آنکھ کھول کر چہرے پر سنگھ کو دیکھا، خاموشی سے دیکھتا رہا اور اس کے بعد اس کی آواز، بھری۔

”پورن سنگھ۔“ پورن سنگھ چونک کر کھڑا ہو گیا تھا طہیر سنگھ نے گرہن کے شمارے سے اسے قریب بلا دیا اور پانچ بیٹھنے کی ہدایت کی۔ پورن سنگھ زمین پر بیٹھنے کا قول طہیر سنگھ نے کیا۔

”نیکس پورن سنگھ ہماری پانچ بیٹھ جاؤ۔“ پورن سنگھ نے اس کی ہدایت پر عمل کیا تھا طہیر سنگھ سستہ دیکھتا رہا اور پور۔ ”سورج گڑھ ہی سکے رہنے والے ہوں؟“

”جی مہاراج۔“ پورن سنگھ نے ادب سے جواب دیا۔

”تہہ را پر پرا؟“

”ب اس میں کوئی چٹا نہیں ہے مہاراج ویسے بھی بہت چھوٹا سا خاندان تھا آخری آدمی ہمارے گھیر سنگھ جی تھے جو کل پے اس سے مہاراج راون سنگھ کی سیوا کر رہا ہوں۔“

”ہمارے لئے تہہ رے من میں یہ بھر دی کیسے جاگی پورن سنگھ۔“

”مہاراج راون سنگھ جی سے بڑی عقیدت تھی مجھے اور آپ ان کے دوست ہیں۔ بہت عزت کرتا ہوں میں آپ کی اور یہ بات اچھی طرح جانتا ہوں کہ آپ بہت بڑے آدمی ہیں بس مہاراج۔ آپ کی سیوا کر کے من کو شائق بنی ہے اور یہ بات بھی ہے میرے من میں کہ اگر آپ کی محبت پالوں تو میرا جیون بھی اچھا گزر جائے گا۔“

”پورن سنگھ یہ بتاؤ زندگی گزارنے کے بارے میں تمہارا کیا نظریہ ہے۔“

”بے پڑھا لکھا آدمی ہوں مہاراج جیون گزارنے کے لئے یہ جو کچھ کر رہا ہوں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتا۔“

”سنو پورن سنگھ ہماری سیوا تمہیں اتنا کچھ دے گی کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے لیکن ایک بات کا خاص خیال رکھنا۔ وفاداری صرف ایک سے کی جاسکتی ہے ایک سو سے نہیں۔ اگر تم راون سنگھ کے وفادار ہو تو پھر ہم سے وفاداری کا اعلان نہ کرو ہمارے وفادار ہو تو کسی اور کی وفاداری کا دم نہ بھرو آج ہم تمہیں نہیں روکتے پورن سنگھ تم جس سے وفاداری کا من چاہے فیصد کرو لیکن اگر تم نے ہم سے وفاداری کی تو ایک بات کا وعدہ ہم کرتے ہیں وہ یہ کہ تمہارا جیون بنادیں گے اتنا بڑا آدمی بنادیں گے تمہیں کہ تم نے کبھی سچوں میں بھی نہ سوچا ہو گا۔“

”میں آپ کے لئے جیون دے سکتا ہوں مہاراج حکم دے کر دیکھیں۔“

”مگر میں تم سے یہ بات پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ جیون ایک ہوتا ہے، اور اسے ایک پر پی دار اچانا چاہئے مگر میں تم سے کہوں کہ تم راون سنگھ کے خلاف کام کرو تو کیا تم تیار ہو جاؤ گے۔“

”پورن سنگھ خاموش ٹکا ہوں سے دیکھتا رہا پھر اس نے ہلیر سنگھ کے اکلوتے پاؤں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔

”تو آپ بھی میری بات پر بھروسہ کر میں مہاراج کہ میں جی جاں سے صرف اور صرف آپ کی سیوا کروں گا۔“

”خوب تم نے ہماری سیوا کر کے ہمارا دل پہلے ہی جیت لیا ہے۔ پورن سنگھ بس یوں سمجھ لو ہمارے من میں ایک خیال ہے اور ہم اس کے مطابق عمل کرنا چاہتے ہیں۔ ابھی جلدی نہیں کریں گے تاہم اس کے قہر میں آرام آرام سے دیکھو پورن سنگھ اس سنسار میں سب سے پہلے اپنے بارے میں سوچنا اور اس کے بعد دوسرے کے بارے میں راویں سنگھ اور پتیل سنگھ اس قابل نہیں ہیں کہ وہ نیا مگر کی حکومت سنبھالیں، بہت دن حکومت کر کے، کچھ بچے ہیں وہ لوگ، صورت ہی بگاڑ دی انہوں نے سورج گڑھ اور پتیل نوٹس کی۔ میرا خیال ہے پورن سنگھ پتیل نوٹس اور سورج گڑھ کے پاسی ان سے بری طرح کٹائے ہوئے ہیں۔ اور مہاراج جگت سنگھ جی ہیں کہ وہ اپنی چالیں چل رہے ہیں جو کچھ منہ سے نکل گیا ہے اسے وہیں حلق میں ڈالنے پر تے ہوئے ہیں سارے جھگڑے ہی کیوں نہ ختم کر دیئے جائیں چاہئے۔ کیوں پورن سنگھ سارے جھگڑے ہی کیوں نہ ختم کر دیئے جائیں نیا مگر ان کے پرکھوں کی حسید ادھی مگر خاندان بدلنے چاہئیں تا حکومت کرنے والوں کے، ہلیر سنگھ کے بھی تو ہاں بچے ہوں گے نیا مگر والوں کو نیا حکمران مل جائے تو کیا ہرج ہے۔ سمجھ رہے ہونا میری بات پورن سنگھ تم میرے وفادار رہن چکے ہوں تمہارا بھی ایک پرچار ہو گا۔ ہاں بچے ہوں گے تمہارے، نیا مگر کی حکومت میں ان سب کا بھی حصہ ہو گا۔ واہ پورن سنگھ واہ دانوں دو گے ہلیر سنگھ کو ہم بھی غصہ کر رہے ہیں ہمارا بھی حق ہے کہ ہماری نسلیں نیا مگر پر حکومت کریں مگر کیا کھیل کھینا ہو گا پورن سنگھ، کھیل بہت سہا ہو گا یا مگر کا سیلہ اس دار نیا راہی ہو گا۔ کیا سمجھے اور تم اس نہیں میں ہمارے ساتھی ہو اور ابھی بہت سے لوگ اس کھیل میں شریک ہوں گے لیکن تمہاری اپنی حیثیت الگ ہو گی پورن سنگھ، تم بے پڑھے لکھے ہونا مگر ہلیر سنگھ میں ایک خوبی ہے ہاروں کا یار ہے وہ اور ہاروں کو کبھی من سے تارتا نہیں ہے۔ سنو پورن سنگھ ہو گا یہ کہ سیلہ ہو گا بڑا پیپ، بڑا نوکھا، اس میسے میں جیسا کہ میرے اور پتیل کے درمیان بات ہوئی ہے کھیل قہر سے بہت دکھائے جائیں گے، لیکن ایک تماشا جو ہو گا نا وہ یہ ہو گا کہ وہاں جس جن کر بہت سے لوگوں کو قتل کیا جائے گا پورن سنگھ اس میسے میں آٹھ آدمی تو وہ ہوں گے جنہیں مہاراج پتیل سنگھ اس کام کے لئے مخصوص کریں گے یہ آٹھ آدمی جگت سنگھ غلام شاہ اور دوسرے ان تمام ضروری لوگوں کو قتل کریں گے جن کے بارے میں بات ہو چکی ہے مگر کچھ لوگ اور بھی ہوں گے اور ان لوگوں کو تمہیں سنبھالنا ہو گا پورن سنگھ جانتے ہو یہ لوگ کیا کریں گے۔ یہ لوگ یہ کریں گے کہ سب سے پہلے قیدی راویں سنگھ کو قتل کریں گے وہ جو چاہا غصہ کر کا قیدی ہے مہاراج پتیل سنگھ کو میں اپنے ساتھ میلے میں سے پاؤں کا بھیس بدل کر تاکہ وہاں کی صورت حال بروقت اپنی آنکھوں کے سامنے رہے۔ ان کی کوئی چٹ نہیں ہے ایک ٹانگ ضرور کٹ گئی ہے ہلیر سنگھ کی مگر دونوں ہاتھ موجود ہیں۔ مہاراج پتیل سنگھ کہ میرے حساب میں لکھ دو اور جب

مہاراج ہینل سنگھ بھی اس سلسلہ سے چلے جائیں گے اور مہاراج راون سنگھ بھی تو پھر کون رہ جائے گا۔ بلیر سنگھ سمجھے پورن سنگھ پھر رہ جائے گا بلیر سنگھ اور بلیر سنگھ یہ بات بھی طرح چاہتا ہے کہ حکومت کیسے کی جاتی ہے اور حکومتوں پر کس طرح قبضہ ہایا جاتا ہے۔ پورن سنگھ خاموش نکاہوں سے بلیر سنگھ کو دیکھ رہا تھا بلیر سنگھ نے ہنستے ہوئے کہا۔

”خوش نہیں ہوئے تم پورن سنگھ خوش نہیں ہوئے۔“

”بہت خوش ہوا ہوں مہاراج لیکن ڈر بھی رہا ہوں یہ سارے کام آسانی سے ہو جائیں گے۔“ پورن سنگھ نے کہا اور بلیر سنگھ کی ہنسی کی آواز خیز ہو گئی۔ ”ہو جائیں گے، ہو جائیں گے پورن سنگھ جس طرح ہم چاہتے ہیں اسی طرح ہو جائیں گے بس ان ڈاکٹروں سے پوچھو کہ کتنے دن میں ہمیں اٹھا کر کھڑا کر دیں گے۔“ پورن سنگھ خاموشی سے گردن جھکا کر کچھ سوچتا رہا تھا۔

ڈاکٹر پٹی کارروائیوں میں کوئی کمی نہیں چھوڑ رہے تھے۔ ہینل سنگھ کی پوری پوری توجہ بھی بلیر سنگھ کو حاصل تھی۔ دوسرے تیسرے دن وہ بلیر سنگھ کی رہائش گاہ پر اس سے ملنے آتا رہتا تھا۔ ڈاکٹروں کی کوششوں اور بلیر سنگھ کی اپنی قوت ارادی کی بنا پر اس کے پاؤں کا رخم بہتر ہو گیا تھا اور سوکھتا ہی چاہتا تھا۔ ہینل سنگھ سے اس کی کارروائیوں کے بارے میں بات چیت ہوتی رہتی تھی ہینل سنگھ نے ایک دن پورن سنگھ کے سامنے ہی بلیر کو بتایا۔

”میں اس آغوش آدمیوں سے تمہیں گل ملا رہا ہوں بلیر سنگھ باقی حصہ بھی تیار کر لیا ہے میں نے، ملنے کا وقت قریب آ گیا ہے اور یقینی طور پر ادھر تمام تیاریاں مکمل ہو گئی ہوں گی۔ وہ سندیرہ بھی میں بھجوا دینا چاہتا ہوں دیکھو میں نے اس کا یہ مضمون تیار کیا ہے۔“ ہینل سنگھ نے ایک کاغذ نکال کر بلیر سنگھ کے حوالے کر دیا اور بلیر سنگھ اسے پڑھنے لگا کاغذ پڑھنے کے بعد اس نے کہا۔

”خمس مہاراج یہ سندیرہ بہت سخت ہے جگت سنگھ جی کے دل میں یہ نفرت جگائے گا کہیں مہاراج میں اس سے قتل نہیں ہوں۔“

”اگر آپ اجازت دیں تو میں لکھ دیتا ہوں سندیرہ آپ آج ہی بھجوا دیں بہت دیر ہو گئی ہے اس کے لئے۔“

”ہاں ہاں، میں تو چاہتا تھا کہ تم اس مسئلے میں میری مدد کرو بس اس لئے کہہ کہ تم خود ہی پیار ہو۔“

”کوئی بات نہیں ہے مہاراج میں ٹھیک ہو گیا ہوں۔“ بلیر سنگھ نے کہا اور پھر اس نے جگت سنگھ کے لئے سندیرہ لکھوایا۔

”چاہا تھا کہ کی خدمت میں ہینل سنگھ کا یہ نام اچھا چاہا کر راون سنگھ آپ کا قیدی بن گیا ہے مجھے معلوم ہے کہ بھڑکانے والوں نے آپ کو ہمارے خلاف بہت کچھ بھڑکا دیا ہے۔ ہمیں موقع ہی نہ دیا گیا اس کا کہ ہم اپنے علاقے پر حکومت کرنے کے لئے آپ کی رہنمائی حاصل کرتے جو کچھ ہماری سمجھ میں آیا

کرتے رہے ہیں۔ اس میں بہت سی برائیاں پیدا ہو گئی ہیں مگر ہم ان برائیوں سے خوش نہیں تھے چاہا تھا کہ بس مجبور تھے اور حادثہ کو سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ راویں سنگھ کے علاقے میں جو کچھ ہو رہا ہے بہت برا ہے۔ اس کی کچھ کیفیت میرے آپے ہاں بھی ہے۔ میں نہیں جانتا کہ راویں سنگھ نے اپنے علاقے کے لوگوں کی بھائی کے لئے کیا سوچا لیکن میں مسلسل ان کوششوں میں مصروف ہوں کہ میرے علاقے کے لوگ خوشحال ہو جائیں۔ فرستی سے ہمیں آپ کا سہارا نہیں حاصل ہو سکا بہر طور ہاگ دودا آپ کے حوالے کر کے یہ نگرے ہا ہر جاؤں گا جہاں تک راویں سنگھ کی قید کا معاملہ ہے تو چاہا تھا کہ وہ میرا بھائی ضرور ہے مگر یہ بات میں جانتا ہوں کہ وہ آپ کا بھتیجا بھی ہے۔ در چاہا بن کر آپ اس کے ساتھ جو کچھ سلوک بھی کریں گے مجھے اس پر کوئی تشویش نہیں ہے کیونکہ خون اتنا سفید نہیں ہو جاتا میں ابھی آپ کے پاس نہیں آؤں گا چاہا تھا کہ میں جانتا ہوں کہ آپ غصے میں ہیں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ جب آپ غصے میں ہوتے ہیں تو نظریں بہت بدل جاتی ہیں۔ جہاں تک راویں سنگھ کا معاملہ ہے وہ آپ جانتے ہیں اور آپ کا کام۔ میں اس مسئلے میں کوئی دخل دینے کا ارادہ نہیں رکھتا آؤں گا آپ کے پاس ضرور آؤں گا۔ چاہا تھا کہ مگر آپ کے چرنا چھونے۔

”آپ کا بھتیجا ہینٹل سنگھ۔“

ہینٹل سنگھ نے یہ مضمون لکھنے کے بعد مسکراتی نگاہوں سے پھر سنگھ کو دیکھا اور بولا۔

”واقعی بہت فرقی ہے میرے لکھے ہوئے خط میں اور تمہارے لکھوائے ہوئے خط میں۔ اس سے چاہا تھا کہ کا دل نرم ہو جائے گا اور وہ سوچ بھی نہ سکیں گے کہ میں ان کے خلاف کوئی سازش کر رہا ہوں۔ تم میرے سچے ساتھی ہو پھر سندیر میں آج ہی سمجھوائے دیتا ہوں۔ کل ان آٹھوں سے مل لیا۔ بلکہ کل کیوں آج ہی تھوڑی دیر کے بعد میں انہیں بلائے دیتا ہوں۔ ان سے بات چیت کر دیتا اور انہیں مشورے دے دیتا۔“ پھر سنگھ نے مضمون انداز میں گردن ہلا دی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہینٹل سنگھ نے خط ان دونوں کے حوالے کر دیا جنہیں بعد سے کرواہیں نیا نگر چاہا تھا اور پھر ان آٹھوں آدمیوں کو طلب کر لیا جنہیں اس کام کے لئے مخصوص کیا گیا تھا۔ پھر سنگھ نے، نہیں دیکھا سارے کے سارے چہروں سے خطرناک معلوم ہوتے تھے۔

پھر سنگھ نے پوچھا۔

”تم لوگ کیا مہاراج ہینٹل سنگھ کے دل سے دعا دار ہو؟“ ان میں سے ایک نے کہا۔

”یہ بات مہاراج ہینٹل سنگھ جانتے ہیں پھر سنگھ جی مہاراج اور انہوں نے ہمیں جو ذمے داری دی ہے کچھ سوچ کر ہی دی ہے۔“

”جی کہا تم نے واقعی مہاراج ہینٹل سنگھ نے غلط فیصلہ نہیں کیا ہوگا بہر طور تمہیں تمام ذمے داریوں کا پورا پورا احساس ہے نا؟“

”ہاں مہاراج ہم چنا کام بڑی ہوشیاری سے کریں گے۔“

”میں تمہیں خاص طور سے سرکس کے اس بد معاش نگڑے کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں وہ دونوں ٹانگوں سے معذور ہے مگر شیطان ہے وہ پورا شیطان۔۔۔ سرکس میں جانور بھی ہیں اور وہ جانور بھی خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں میری ایک رائے ہے مہاراج جنٹل سنگھ اگر آپ اس سے اتفاق کریں گے۔“

”کیا طہیر سنگھ۔“

”ہائیں سنگھ نے پوچھا۔“

”سرکس کے نگڑے غلام شاہ کو گھیر کر جان سے مار دیا جائے یا اگر کسی طرح وہ زندہ بچا جائے تب تو حرجی آجائے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی سرکس سے بچنے کے لئے ہمیں ایک کام بھی کرنا ہوگا۔ میسے میں جس وقت یہ کارروائی شروع ہو اور اس کے پہلے مرحلے پر ہمیں کامیابی حاصل ہو جائے تو سب سے پہلا کام ان دو گلوں کو یہ کرنا ہوگا کہ سرکس میں چاروں طرف سے آگ لگا دیں۔ اس طرح بھسم کر دیں اسے کہ اس میں کسی چوہے کے بچے کی بھی زندہ فکری جانے کی امید نہ رہے سمجھے مہاراج ورنہ سارے کے سارے شیطان بڑی علی کارکردگی کے مالک ہیں اور ہمارے لئے خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں۔“

”ہوں اس کارروائی کے بعد میدان تو درہم رہے ہو ہی جائے گا میر خیل ہے اس کام میں کوئی مشکل نہیں آئے گی۔ اس کے لئے اس آدمیوں کو نہیں بلکہ جتنے کے سردار کو یہ ہدایت کر دوں گا کہ وہ اس سرکس میں چاروں طرف سے آگ لگا دے۔“

”ہاں مہاراج ایسا ہی ہونا چاہئے۔“

”تم سرکس سے بہت ڈرتے ہو طہیر سنگھ؟“

ہینکل سنگھ نے پوچھا اور طہیر سنگھ کے چہرے پر خون ہی خون نظر آنے لگا اس کی آنکھیں دھندلائی گئی تھیں شدت غلام سے اس کا خون کھولنے لگا تھا اس نے آہستہ سے کہا۔

”ڈرتا نہیں ہوں مہاراج بس کچھ ہے جس کے بارے میں آپ کو بتا دوں گا کبھی۔ بہت خطرناک لوگ ہیں وہ بہت ہی خطرناک لوگ ہیں۔“ ہینکل سنگھ خاموش ہو گیا تھا۔



تمام کارروائیاں مکمل ہو گئیں اور میسے کا وقت قریب سے قریب آتا چلا گیا پھر ایک دن طہیر سنگھ کی بغل میں بیساکھی تھادی گئی۔ یہ بیساکھی ہینکل سنگھ نے خاص طور سے طہیر سنگھ کے لئے تیار کرائی تھی۔ طہیر سنگھ کی پہلی درہم بیساکھی کے سہارے اپنی اکلوتی ٹانگ سے کھڑا ہوا اور اس نے چند قدم چل کر دیکھا اس کے چہرے پر بہت دکھ نظر آ رہا تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی اس کے دانت بری طرح بھیجے ہوئے تھے اور جڑے بھرے ہوئے تھے۔ پورنا

”گنگہ اس کے ساتھ ساتھ تھا اور اسے پہل قدمی کرنے میں مدد دے رہا تھا بلکہ گنگہ نے اچانک رک کر کہا۔

”پورن گنگہ میں لنگڑا گیا ہوں۔ اب تو میں لنگڑا ہے جیسے میں غلام شاہ کے برابر آ گیا ہوں ایک ناگہی کا تو فرق ہے مگر یہ فرق ایک ناگہی کا نہیں رہتا چاہئے پورن گنگہ بلکہ اس میں کچھ تبدیلی ہوئی چاہئے کوئی تبدیلی بنا سکتا ہے تو مجھے؟“

”میں میں کیا بنا سکتا ہوں مہاراج ایک کام کر سکتا ہوں میں اگر آپ مجھ پر بھروسہ کریں تو۔“

”کیا پورن گنگہ؟“

”غلام شاہ کو فراموش نہ کرایا جائے سرکس کو آگ لگوادی جائے لیکن غلام شاہ کو زندہ پکڑنے کی کوشش کی جائے اور مہاراج پھر آپ اس کے دونوں ہاتھ کاٹ دیں۔ اس کے دونوں پاؤں کٹے ہوئے ہوں گے ہی۔ دونوں ہاتھ بھی کٹ جائیں گے تو پھر وہ پتی پھرتی کیسے دکھائے گا پھر اس کے بے ہاتھ پاؤں کے جسم کو آپ اپنی قید میں رکھیں اسے اس وقت تک جیسا رکھیں جب تک وہ جی سکے آپ کی تو صرف ایک ہی ناگہی ہے لیکن وہ تو کچھ بھی نہ کر سکے گا ہم اس کی بے بسی کو دیکھیں گے اور آپ کو اس سے جو خوشی ہوگی اس کا کوئی مول نہیں ہوگا۔“

بلکہ گنگہ کے حلق سے ایک بھیا تک قہقہہ آ رہا تھا اس نے دونوں ہاتھ بڑھا کر پورن گنگہ کو اپنے سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔ ”جی خوش کر دیا تو نے مہاراج پورن گنگہ جی جی ہمارا جی جی خوش کر دیا تیرے اوپر بہت سی مدد داریاں ڈالیں گے ہم۔“ جی کہا تو نے یہی ہی ہونا چاہئے پاؤں تو اس کے ہوں گے نہیں ہاتھوں ہی کی مدد سے وہ بیروں کی کسر بھی پورا کر تا ہے نا، ہاتھ بھی نہیں ہوں گے، سنا پورن گنگہ ہاتھ بھی نہیں ہوں گے اس کے وہ کیا مزہ آئے گا۔“ بلکہ گنگہ کے ہنسیاتی قبضے کو بچتے رہے تھے۔



ان تمام ہنگامہ خیز یوں کوئی دن گزر چکے تھے راون گنگہ بدستور جگت گنگہ کا قیدی تھا اور جگت گنگہ نے سرحدوں سے بہترین انتظامات کر دیے تھے حالانکہ خود پونم گنگہ کا بھی خیال تھا کہ راون گنگہ کے قید ہونے کے بعد کم از کم سورج گڑھ داہوں میں کوئی نہیں ہے جو راون گنگہ کی رہائی کے لئے زندگی کی باری لگانے کی کوشش کرے۔ ایک طرح سے سورج گڑھ اس وقت بے سہارا تھا تاہم جگت گنگہ نے جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ سورج گڑھ کے پاسی محصور تھے دور سیدنی دیا سے اس کا کوئی رابطہ نہیں ہو سکتا تھا سوائے اس کے کہ وہاں کے سرکردہ افر و پیش گنگہ کی بناء میں پہنچ جائیں اور پتیل گنگہ ہی کی مدد سے راون گنگہ کی رہائی کا کوئی بندوبست کیا جائے لیکن سرحدوں پر جو بہترین کارروائیاں کی گئی تھیں ان کی بناء پر اس بات کے امکانات نہیں رہے تھے کہ کوئی خطرناک قدم ان لوگوں کی جانب سے اٹھایا جائے اور جگت گنگہ کو اس سے کوئی نقصان پہنچ سکے اور نیا نگر میں آنے

دائے مہلوں نے قیامت ڈھار رکھی تھی۔ ان کے آجانے سے ایک نئی جدوجہد کا آغاز ہو گیا تھا بھلا صاحب بیچارے تو مر نہ جان سرنج آدمی تھے وہ تو یہاں آکر پھنس ہی گئے تھے ایک تو اپنے ہیرو سے ہاتھ دھوئے پڑے تھے انہیں۔ دوسری تجاوت تھی جو غلام شاہ اور جگت سنگھ سے تھی پھر لاکھوں روپے کا سرمایہ اس ظلم کی جھیل میں ڈوب گیا تھا۔ فقیر دین سے مسلسل گفت و شنید ہو رہی تھی اور کہانی میں رو بدل کی یہی کوششیں کی جا رہی تھیں جس سے کنویر جیت کا کردار کہانی میں اچانک شتم کیا جائے، کنویر جیت کا تو اب کوئی تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ یہ بھی نہیں کہا جاسکتا تھا کہ یہ طویل و عریض فاصلے طے کر کے وہ پہل شہری دنیا تک پہنچا یا نہیں راجکھری کی رہاں سے بار بار شارق کا نام نکل رہا تھا اور اب بھلا صاحب کو اس نام سے جھنجھلاہٹ ہونے لگی تھی۔ انہوں نے ایک بار راجکھری سے کہا بھی تھا کہ شارق اس کی ملکیت نہیں کہ اسے ہم جس طرح چاہیں استعمال کر سکیں وہ اگر یہ نگر میں موجود بھی ہے اور ہمیں مل بھی جاتا ہے تو کیا ضروری ہے کہ وہ ہماری خواہش کے مطابق چلا بھی ہو جائے۔ راجکھری اس بات پر خاموش ہو گئی تھی بہر طور یہ نگر میں بڑی ہنگامہ خیزیات تھیں اور تھا کر جگت سنگھ عجیب سے کیفیت کا شکار تھا۔

بھی تھوڑی دیر پہلے دو پونم سنگھ کے ساتھ ان لوگوں کا چارہ لے کر آیا تھا جو غلام شاہ کے شکر دہ کے ہاتھوں زخمی ہوئے تھے وہ زندہ تو تھے لیکن زخم دردناک درگزر تھے سارے کے سارے آنکھوں سے محروم اور شکر دہ کی نوکدار چوٹیوں اور ٹیوں کا شکار ہو چکے تھے۔ ان کی حالت بہت خراب تھی۔ بلیرا کی کہانی ان کی رہائی جگت سنگھ اور پونم سنگھ نے سنی تھی۔ بہر طور اس کا علاج کیا جا رہا تھا تاکہ اس کی زندگی تویج جائے وہاں سے داہلی پر جگت سنگھ نے پونم سنگھ سے کہا۔

”میں جو کیفیت محسوس کر رہا ہوں پونم سنگھ کیا تم بھی اسی کے شکار ہو؟“

”سبھا نہیں مہاراج۔“ پونم سنگھ نے کہا۔

”کچھ دن پہلے پونم سنگھ میں بڑی تشویش کا شکار تھا دماغ ہر وقت سوچوں میں گم رہتا تھا اور اس کے سوا مجھے اور کوئی بات نظر نہیں آتی تھی کہ بہت جلد ہینٹل سنگھ اور راون سنگھ کی فوجوں سے ٹکر ڈھونڈا اور خوب کی غدیاں بہہ جائیں گی نیا نگر کے بے پناہ لوٹ ہلاک ہوں گے جج پوچھو پونم سنگھ تو میں اسے آپ ہی کو اس کا ذمہ دار قرار دیتا تھا میں نے جذباتی ہو کر اپنی نیک نیتی ثابت کرنے کے لئے دونوں بھتیجیوں کو ان کا حصہ دے دیا تھا لیکن اس کے بعد جو کچھ ہو رہا ہو بہت ہی برا ہو مطلب یہ کہ میری سمجھ میں کوئی بات نہیں آتی تھی لیکن ان تھوڑے سے لوگوں کے آجانے سے صورت حال میں جو تبدیلی ہوئی وہ میری بڑی ہمت بڑھاتی ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے کچھ ہو جائے گا، اب بغیر خون ہے کچھ ہو جائے گا۔ تم دیکھو راون سنگھ کس طرح میرے قہر میں آ گیا، اس طرح کم از کم یہ طاقت تو ٹوٹی اب اگر ہینٹل سنگھ حصہ بھی کرتا ہے ہم پر تو اس میں جان نہیں ہوگی اور بے وقوف وہ بھی نہیں ہے کہ

سورج گڑھ کے بغیر آج بڑا قدم اٹھانے۔“ بھی یہ لوگ باتیں کر رہے تھے کہ اطلاع ملی کہ وہ دونوں بندے وہیں آ گئے ہیں جنہیں ہینٹل سنگھ کے پاس بھیجا گیا تھا جگت سنگھ نے فوراً ہی انہیں طلب کر لیا اور پھر ہینٹل سنگھ کا خط اس کے ہاتھوں میں پہنچ گیا۔ یہ خط اس نے باؤں باز بلند پڑھا تھا اور اس کے بعد پونم سنگھ کی جانب دیکھے لگا پونم سنگھ نے رخسار کھاتے ہوئے کہا۔

”مہاراج بڑی گہرائی ہے اس خط میں درخور کریں اس پر کی ہینٹل سنگھ آسانی سے۔ وہ سنگھ کو چھوڑ سکتا ہے۔“

جگت سنگھ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ دونوں بندوں کو واپس کر دیا گیا درجائے سنگھ بہت دیر تک گہری سوچوں میں ڈوبا رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

”ہینٹل سنگھ کا کہنا ایک طرح سے درست ہی ہے تم بتاؤ میں راون سنگھ کا کیا کروں۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتا میں اس کا کہ قیدیوں کی طرح اسے قید خانے میں رہنے دوں۔ موت کی سزا تو نہیں دے سکتا اسے مگر ہینٹل سنگھ کا یہ انحراف سوچ میں ڈالنے والا ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔“ پونم سنگھ دیر تک سوچتا رہا پھر اس نے کہا۔

”ایک بات کہوں مہاراج مناسب تو نہیں مگر مشورے کے طور پر کہہ رہا ہوں۔“

”قلام شاہ بہت سادہ سادہ انسان نظر آتا ہے بعض اوقات تو اسے دیکھ کر یہ لگتا ہے جیسے وہ اتنا عمر رسیدہ ہو لیکن بہت بڑا سرکس منجیے ہوئے ہے اور اب تک اس نے جو کچھ کیا ہے وہ بہت زیادہ ہے۔ مہاراج ویسے بھی جب سے یہ لوگ آئے ہیں ہم نے ان کے لئے کچھ بھی نہیں کیا، کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ ہم سرکس کے خاص خاص آدمیوں کی اور بھلا صاحب کے خاص آدمیوں کی ایک دعوت کریں اور پھر ان سے مشورہ طلب کریں کہ اب اس سسے میں کیا کیا جائے۔ ہو سکتا ہے ان میں سے کوئی بہتر رائے دے سکے، ویسے بھی سرکس والے جو کچھ کرتے ہیں وہ خفیہ خفیہ ہوتے ہیں جس طرح، حال کو کنٹروں کرنا چاہتے ہیں قلام شاہ جس طرح ہمیں ان کو اس کے علاقے میں جا کر قتل دے سکتا ہے اس سے آپ یہ اندازہ لگا لیجئے کہ یہ لوگ کس قدر غلی کارکردگی کے مالک ہیں ہمارے دوست ہیں، یہ اگر ان کی دوستی سے ہم یہ فائدہ اٹھا سکیں تو کیا یہ بہتر نہیں ہوگا۔“ جگت سنگھ پر ٹیپا انداز میں گردن ہلانے لگا پھر بولا۔

”یقیناً ان سے مشورہ ہمارے لئے کارآمد ہوگا اور پھر تم نے میری ایک بڑی غلطی کی نشاندہی کی ہے واقعی اپنے چکروں میں الجھ کر میں نے ان لوگوں کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ وہ ہمارے مہمان ہے مگر اپنے طور گزارہ کر رہے ہیں یہ مناسب نہیں ہوگا ہم انہیں اسی طرح نظر انداز کرتے رہیں اور پھر وہ ہمارے کام بھی آ رہے ہیں۔ شکر یہ پونم سنگھ تم نے اس طرف میری توجہ دلائی فوراً ان لوگوں کی ایک عقیم الشان دعوت کا اہتمام کرو یہ دعوت بھلا صاحب کے بلٹ اور ہمارے سرکس کی ہوگی لیکن باقی لوگوں کا وہیں پر انتظام کر دیا جائے گا اور صرف چند لوگوں کو ہم یہاں اپنی حویلی میں دعوت

دیں گے میرا خیال ہے اس پر کسی کو بھی اعتراض نہیں ہوگا۔“

”بالکل نہیں ہوگا مہاراج میں جانتا ہوں۔“

”تو پھر آؤ پہلے بھلا صاحب سے اس موضوع پر بات کریں۔“

جگت سنگھ نے جیل سنگھ کا خدا اپنے لباس میں رکھ لیا اور اس کے بعد پونم سنگھ کے ساتھ بھلا صاحب کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے بھلا صاحب کو چلی خواہش سے آگاہ کیا اور وہ پھینکی سی مسکراہٹ سے تیار ہو گئے۔ بعد میں عدم شاہ کے پاس پہنچ کر اسے اس سلسلے میں دعوت دی گئی تو اس نے مسکراتے ہوئے گردن ہلا دی۔“

”ٹھیک ہے بھائی ہم کا کہنا ممکن، ہمارا خدا ہر کچھ جانتا ہے ہم کو بل کر کہتی ہے ارے اور کا کریں ٹھیک ہے خدا کبھی حکم کر دے گا ہے ہماری دعوت؟“

”کل شاہ صاحب کل آپ، اکبر شاہ، سونیا اور اپنے خاص خاص آدمیوں کے ساتھ ہماری حویلی میں تشریف لائیں گے باقی لوگوں کا سارا انتظام ہمیں ہو جائے گا۔ یہ میں صرف اس لئے کہہ رہا ہوں کہ آپ سرکس کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتے ورنہ میری حویلی حاضر ہے۔“

”ارے نا بھائی خدا کر کو توں پریشانی نہ رہے رہے جیسا تو کہتا اونی ٹھیک ہے۔“

جگت سنگھ کی حویلی میں بعد صاحب، راجکری، پونٹ کے دو افراد اور ادھر غلام شاہ کے سرکس سے کبیر شاہ، سونیا اور سانوی اور حریہ چند افراد، جگت سنگھ کی حویلی میں ایک بڑے ہال میں پہنچ گئے۔ جگت سنگھ نے بہت ربر دست اہتمام کیا تھا، کھانے پینے سے فراغت حاصل کر کے اس سلسلے میں گفتگو ہونے لگی اور جگت سنگھ نے ساری تفصیلات ان لوگوں کے سامنے پیش کر دیں اس نے کہا۔

”شاہ صاحب میں آپ کی رہنمائی چاہتا ہوں میری خواہش ہے کہ نیا ٹکڑ میں خونریزی نہ ہو لیکن یہاں کے حالات قابو میں آجائیں اب جیل سنگھ بھی حکومت نہیں کرنے دی جاسکتی آپ سے اس سلسلے میں کوئی مشورہ چاہتا ہوں اور بھلا صاحب آپ سے بھی۔“ غلام شاہ نے کہا۔

”ارے بھائی خدا کر ہم کبھی سر حکومت نہ کرتے رہیں ہم اس سلسلے میں کا کہہ سکتے ہیں۔“ غلام شاہ اپنے مخصوص انداز میں بولا۔

”لیکن میرے خیال میں آپ بہت بڑے حکمران ہیں غلام شاہ صاحب انسان تو ان آپ تو جانوروں پر بھی قابو پا لیتے ہیں۔ آپ کی رہنمائی میرے لئے بہت بڑی بات ہوگی۔“ جگت سنگھ نے کہا۔

”رے بھائی خدا کر کی بات ارے ہم کا کہیں رے بھائی بھلے تو ہی بول۔“ غلام شاہ نے کہا۔

”خدا کر صاحب یہ سب کچھ کہنا چاہتے ہیں شاہ صاحب کہ آپ کون کی مدد کرنا ہوگی۔“

”ٹھا کر دوست رہے ہمارا، اوہ کا بتائی دے کہ ہم کا کریں، جو او کہے گا ہم جردور کریں گے۔“

”آپ لوگوں کے آنے سے حالات بہت بہتر ہو گئے ہیں شاہ صاحب۔ چٹکو اور منکو نے اسٹو اسٹکل ہونے کی سازش کو ناکام بنایا ہے انہوں نے کرننگلہ وراس کے ساتھیوں کو آرا دی دلائی ہے۔ اکبر شاہ نے وہ کام کیا ہے جو میری فوجیں بھی نہیں کر سکتی تھیں یہ سب کچھ آپ نے ہی تو کیا ہے ٹھاہ صاحب اور یقین کریں مجھے یوں لگتا ہے جیسے میری مدد کے لئے سرکس کی شکل میں ایک فوج آگئی ہے۔ پہلے میں اس میسے کے سلیٹے میں سوچ رہا تھا کہ اسے ہونے دوں یا نہ ہونے دوں لیکن اب میری ہمت بڑھ گئی ہے۔ میں چاہتا ہوں یہ روایت ختم نہ ہو اور لوگ مجھے بڑے دل نہ سمجھیں۔ میں چاہتا ہوں میدان ہو۔ سرحدیں نکھوں دی جائیں بس دریا ہو شیار رہتا ہو گا مجھے بھی اور آپ کو بھی۔“

”جے پٹھن نہ کرٹھا کر، ہم اپنی جتنی راری کھو، لیت ہیں۔“ غلام شاہ نے کہا۔

”بھلا صاحب آپ اپنی قلم کی شرتنگ کریں اور سارے کام مکمل کر لیں اب میں یہ خطرہ مول لیتے کے لئے تیار ہوں۔ ہم نئے سرے سے ہمت کر رہے ہیں اور شاید اب سب کچھ ہمارے قابو میں آ جائے گا۔“

”پائلٹ ٹھیک تھا کہ صاحب میں آپ سے منتقل ہوں۔“ بھلا صاحب نے کہا۔

”تو آپ لوگ میرے ساتھ ہیں؟“

”سو فیصد۔“ بھلا صاحب نے کہا۔

”ٹھیک ہے پٹھننگلہ۔ میسے کی تاریخ کا اعلان کر دو۔“ نیو نگر میں ایک نئی زندگی کا آغاز کر دو۔“ جگت سنگھ نے کہا اور پٹھننگلہ نے گردن خم کر دی۔

”ای ہوئی ناہات۔“ ہے رہے، کبریا تیار کی کر رہی ہو بنو۔“ بڑھیا بھائی بڑھیا۔“ غلام شاہ نے کہا، اس دعوت کا ختام بہت خوشگوار ہو گا۔

جگت سنگھ کی خوبی میں ہونے والی دعوت اور وہاں کئے گئے فیصلوں کے بعد بے حد خوشگوار نتائج ہوئے تھے اور بہت دن سے یہ نگر میں جو قتل کی سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ وہ ختم ہو گئی تھی۔ غلام شاہ بہت خوش واپس آیا تھا۔ آتے ہی اس نے کہا۔ ”سن لا بھائی سارے کے سارے میدان شروع ہوئی ہے ممکن شروع کرو۔ سب ٹھیک رہے اپنا کام کرو، ہاں کا یاد کریں گے اس نیو نگر واسے اکبر اکبر اور اکبر نگر واسے کبریا کی جگت کا معاملہ ہے۔ ایسے کھیل دکھاؤ کہ ای مسر بھی نہ ہو میں مجام سارے سرکس کو۔“

”ٹھیک ہے شیخا تم کلر مت کرو، مگر میں تم سے کچھ اور بھی کہنا چاہتا ہوں۔ یہ بات میرے ذہن میں وہاں بھی آئی تھی مگر وہاں کہنے کی بات نہیں تھی۔“

”کا اکبر!“ غلام شاہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

”میدہ لگے گا شیخا، سرحدیں کھول دی جائیں گی، درپردے نیا نگر کے لوگ جمع ہو جائیں گے۔ ہمیں یاد ہے کہ سونیا کو غواہ کرنے والے وہ لوگ تھے جو گھوڑوں کے سوداگر کی حیثیت سے یہاں آئے تھے لیکن وہ پلیر اسکے آدمی تھے ہم دھوکہ کھا گئے تھے ہرے خیوں میں شیخا پہلے میں تماشاخوؤں کی حیثیت سے وہ لوگ دوبارہ نہ آئیں گے جو یہاں کچھ اور گز پر بھی کر سکتے ہیں۔ نیا کر جگت سنگھ نے صرف حملے کا خیال رکھا ہے۔ یہ نہیں سوچا کہ حد آؤر تماشاخوؤں کو بھی آسکتے ہیں اور مناسب موقع ملے ہی کارروائی کر سکتے ہیں اس کے لئے ہمارے پاس کیا بندوبست ہوگا۔ تم جانتے ہو شیخا پلیر از عمدہ ہی لکلا ہے اور وہ سکارا آدمی ہے۔“

غلام شاہ گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ اس نے گروں ہلاتے ہوئے کہا۔ ”بڑھیا سوچی بھئی بڑھیا سوچی، کا ہے تا سوچتا پھیرا تو گلام سا کا ہی ہے۔ ہاں پیرا یہاں ہو سکتا پھرتے بتا کا ہو سکتا ہے۔“

”اس کے لئے کوئی مناسب قدم اٹھانا ہوگا شیخا۔“

”ہوں، نفا کر سے بات کرنی ہوگی۔“

”میرا دل کہتا ہے شیخا کچھ ہوگا۔“

”ہاں رے اب تو ہم اوی سوچت ہیں۔ پر پیرا ایک بات بتا لڑائی تو ہتھیار سے موت رہے نا؟“

”میں سمجھ نہیں شیخا۔“ کبیر شاہ نے کہا۔

”جگت سنگھ میدان آنے والوں سے ہتھیار لے لے اور میسے کے میدان مانیوں پر پھوٹی لگا دے۔ ہتھیار نا ہوں گے تو سرسڑیں گے کیسے۔ اوی بات ہم جگت سنگھ سے کہی دے رہیں۔“

”ہاں خیال اچھا ہے اس طرح ایک خطرہ کم ہو جائے گا مگر ہمیں سازشوں کا خیال رکھنا ہوگا۔“

”اوہم کر لینی ہے اوی کی پھکر نہ کر۔“

”کی کر دے شیخا؟“ کبیر شاہ نے کہا اور غلام شاہ ہنس پڑا۔

”بڑا جگتی ہے بھئی، کچھ پیرا انسان انسان سے دھوکا کھا جاتی ہے۔ جتا در کو سمجھ کی دو تو دجیا رہو یا رہے۔ تے نے اوی تا سوچی کہ سرسڑا کو ہم کٹہرہ میں بند نہ کر رہیں ہیں۔ اوا جاد پھرت رہیں کا ہے بھئی؟ او پھرے ار ہیں بھیا او ہم تم کا ٹا سکت کہ کہاں کتنے ہتھیار اور کون کا کرت ہے۔ تے نے اچھا مسورہ دئی ہے ہتھیار سب لے لئے جائیں تو جھگڑا آسان نا ہوئی ہے اور سکرے بھی آ جا۔ ہیں کو تو سرسڑا ہرے کسی آدمی کی طرف آ کھ

ٹھکانے ہے تو ادنیٰ حسرت ہوئی ہے اور اکا جو ان سب لوگوں کا ہوئی رہے کا سمجھا۔ ”اکبر شاہ پھر اس پر۔“

”تو تمہاری فوج ہوشیار ہے شیخ۔“

”ہاں اکبر! سونیا کا دھوکہ کھا گئے ہم پہلے اسی کھیل نا آئے رہے تو ایسا ہو سکتا تھا پھر بھی تے کھود بھی ہو یہ رہتا۔“

”ٹھیک ہے شیخ۔“ اکبر شاہ نے کہا اور وہ جانتا تھا کہ غلام شاہ کا جانوروں سے گہرا رابطہ ہے اور وہ ایک دوسرے کو خوب سمجھتے ہیں۔ چنانچہ وہ کافی حد تک مطمئن ہو گیا تھا۔

سرکس میں مشتاقین جاری ہو گئیں ادھر بھلا صاحب پر جو مایوسی طاری ہو گئی تھی وہ بھی کافی حد تک دور ہو گئی۔ اس فلم پر انہوں نے خرچ ہو چکے تھے۔ یہاں جو کچھ ہو تھا اس سے اندازہ ہو رہا تھا یہ فلم ڈا ب گئی اور اب کچھ نہ ہو سکے گا۔ لیکن جگت سنگھ سے جو گفتگو ہوئی تھی اس نے انہیں بھی حوصلہ بخشا تھا اور اس سلسلے میں انہوں نے چند اہم لوگوں سے مشورہ شروع کر دیا۔ ان میں منشی فقیر دین بھی تھے۔ راجندر کی جی جی بھی تھیں اور ایسے چند لوگ جو فلم کے سلسلے میں زیادہ اہمیت رکھتے تھے۔

بھلا صاحب نے کہا۔ ”آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ یہ فلم میں نے بڑے پیسے کے ساتھ شروع کی تھی اور اسے ایک مثالی فلم بنانا چاہتا تھا۔ اسمتھروں کی زندگی سے متعلق اس فلم کے لئے بہترین مناظر حاصل کرنے کی کوشش میں میں نے نیا نگر کا رخ کیا تھا تاکہ فلم میں حقیقی مناظر دکھائے جاسکیں لیکن بد قسمتی نے ہمارا دلچسپ کیا۔ جوئسن اور پیٹر ہیری آئین کے سانپ نکلے ہم نے اس کہانی کو ایک کہانی کی حد تک ہی رکھنا چاہا مگر ان بد بختوں نے حقیقی سنگدل شروع کر دی۔ وہ تو شکر ہے کہ اسلحہ صل جگہ نہ پہنچ سکا ورنہ شاید جگت سنگھ تو ہمیں معاف کر دیتا لیکن نیا نگر کے رہنے والے یعنی طور پر ہاری سنگھ بوٹی کر ڈالتے۔ اس سلسلے میں غلام شاہ کے سرکس کے لوگوں نے جو تعاون کیا وہ کبھی نہیں بھلایا جاسکتا۔ چکو اور منکو نے بے مثال کارکردگی پیش کر کے ہماری عزت بچائی، مگر ہاری آئین میں صرف چند ہی سانپ نہیں تھے۔ کنو جیت نے جس طرح ہارے اور پرشب خون مارا میں اسے کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ یہ تو اعلیٰ ظرف لوگ ہیں جنہوں نے اس کے باوجود ہمیں معاف کر دیا۔ خاص طور سے میں غلام شاہ کا تذکرہ کروں گا۔ یہ انوکھا انسان! ظرف کا پھڑ ہے ورنہ جس طرح وہ اپنی جتنی سونیا کو چاہتا ہے اس کے تحت اگر وہ ہم سے بگڑ جاتا تو مجھانے کیا ہو جاتا۔ ایک سمت ہمیں آئین کے ان سانپوں سے ڈسا تو دوسری طرف ہمیں اچھے دوستوں نے سنبھالا، میں انہوں روپے کے سرمائے سے شروع کرنے والی اس فلم کو ڈپے میں بند نہیں کرنا چاہتا بلکہ میری خواہش ہے کہ اس کی تکمیل ہو جائے۔ ہم لوگ بھی اپنے اس تھوڑے بہت سرمائے سے جیتے ہیں اس فلم کا جتنا حصہ کمال ہو چکا ہے اس کے بارے میں آپ سب کو علم ہے یوں سمجھا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ یہ ب اپنے آخری مراحل میں تھی۔ آپ لوگوں کے تعاون سے

میں اس کی تکمیل چاہتا ہوں آپ کی کیا رائے ہے؟

”بھلا صاحب ہم آپ کے خادم ہیں جو کچھ ہوا ہے اس سے ہم بھی واقف ہیں ہماری دلی خواہش ہے کہ ہم اس فلم کی تکمیل کریں۔“ بھلا کے ساتھیوں نے جواب دیا۔

دو مٹھی فقیر دین کو اس سلسلے میں کافی محنت کرنی پڑی ہے ان سے جبکہ جبکہ کہانی میں رد و بدل کرٹی گئی ہے۔ یہ میرے خیاب میں ایک ناچار بات ہے۔ تاہم مٹھی صاحب کا تعاون ہمیں نئی زندگی بخشنے کا اور میں جتنی جی سے یہ بھی عرصہ کرنا چاہتا ہوں کہ جتنی محنت انہیں خریدا کرنا ہوگی اس کا میں انہیں بھرپور صلہ دوں گا۔“

”کیسی باتیں کرتے ہیں بھلا صاحب بے شک چیز ایک اہم ضرورت ہوتا ہے اور پھر خاص طور سے ایک ادیب کا مسئلہ ذرا مختلف ہو جاتا ہے۔ میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں کروں گا لیکن اگر اس مجبوری سے میں نے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی تو میرا ضمیر مجھے کبھی معاف نہیں کرے گا۔ اس کہانی میں اگر ہزار بار بھی رد و بدل کرنا پڑی بھلا صاحب تو میں اس کا کوئی معاوضہ نہیں لوں گا۔ آج سے میری تمام تر صلاحیتیں آپ کے لئے حاضر ہیں۔“

”بے حد شکریہ مٹھی صاحب یہی تعاون اور یہی دوستی تو زندگی بخشی ہے۔ میں رہنمائی سے بھی تعاون کی درخواست کرتا ہوں اور اب آپ لوگوں کا مشورہ اس سلسلے میں چاہتا ہوں۔ کہانی آپ سب کے علم میں ہے بے شک یہ مٹھی فقیر دین کا شعبہ ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ ہم سب ہی کی رائے اس میں شامل ہو جائے۔“

”بے شک، بے شک، یہ بہت مناسب رہے گا۔“ مٹھی فقیر دین نے کہا اور اس کے بعد پوری کہانی دہرائی جانے لگی۔ اسٹوریوں کی زندگی سے متعلق اس کہانی میں معمول کے مطابق ہیرو اور ہیروئن بھی تھے اور ہیرو کا کردار اب تک جو رہا تھا وہ ایک ایسے انسان کا کردار تھا، وہ اس کے بعد جب اس فلم میں سرکس کو شامل کرنے کا فیصلہ کیا گیا تو ذرا سی رد و بدل بھی ذہن میں آئی تھی۔ شارق کے کردار کو خاص طور سے اس میں شامل کرنے کی کوشش کی گئی تھی اور سوچا کہ ابھی ایک بہت بڑا حصہ دیا گیا تھا اس سلسلے میں مٹھی فقیر دین نے ان دونوں کے لئے جو گھمانشٹل نکالی تھی وہ ابھی کہانی میں باقی تھی لیکن ہیرو کا کام اپنی جگہ تھا۔ ایک واقعے کے طور پر سرکس کو اس کہانی میں شامل کیا گیا تھا، مشورے ہونے لگے اور مٹھی فقیر دین نے کہا۔

”کنور جیت کا تو اب اس کہانی میں کوئی دخل ہی نہیں رہے گا۔ میرا خیال ہے بھلا صاحب ایک ڈی تیار کی جائے اور اس کے لئے رب نواز بہترین ہے کیونکہ پہلے بھی ہم یہ بات سوچ چکے ہیں کہ رب نواز کو استعمال کیا جائے۔ وہ کنور جیت کی جسامت سے بہت مطابق رکھتا ہے۔ یکسر وہ اس کے عجب میں ہی رہے گا۔ میرا خیال یہ ہے کہ ہیرو کو اسٹوریوں کا ساتھی دکھایا جائے اور اس کے بعد وہ ہیروئن کو دھوکہ دے اور اپنے منہ کے لئے

ہیردکن کی حرکت دیکھ کر لگا دے یہاں سے ہیردکن کے، جن کو ایک شدید جھٹکا لگے اور ہیردکن ایک طرح سے نیم پاگل سی ہو جانے اور پھر ایک نیا کردار اس میں داخل کیا جائے۔ ”راجکمار کی خوشی سے اچھل پڑی اس نے منشی ظفر دین کو داؤد پتے ہوئے کہا۔

”کمال کا سین ہو گا منشی صاحب جب ہیردکن ہیردکن کی جے وفائی سے شدید بد دل ہو کر خود کشی کا فیصلہ کرے گی تو سرکس کا ایک آدمی اسے پھاسے گا اور پھر وہ ہیردکن کی اس طرح تیار دہری کرے گا کہ وہ حیران رہ جائے گی۔ پتہ یہ چلے گا کہ سرکس کا آدمی اس پر عاشق ہو گیا تھا پھر آخر تک ان دونوں کے درمیان محبت اور کچھ دھڑکی کی کشش رہے گی، ہیردکن اپنے محبوب کو نہیں بھول پائے گی و سرکس کا نوجوان ہیردکن کے لئے انار پر انار رکھنے جائے گا۔ یہاں تک کہ ایک دن وہ اس کا ہاتھ پکڑ لے گی اس دوران سرکس کے اور مناظر بھی قلب نے جانتے ہیں۔ فلم میں جان پڑ جائے گی، سرکس کا وحشی ہرن اپنے کارناموں سے ہیردکن کو متحیر کر دے گا اور ہیردکن اسے اپنے ہیرو کے روپ میں دیکھنے لگے گی۔“

”بہت چھانچا یا ہے مجھے بہت پسند آیا ہے میرا خیال ہے پبلک میں تبدیلی کو بہت پسند کرے گی کیونکہ ایک بڑا احمد کنور جیت کا ہے اور اس کے بعد اس کردار کو ختم کر کے، ایک نئے کردار کو سامنے لایا جائے گا بہت بڑا چیلنج آئے گا اور بڑی مہارت سے اسے فلما یا جائے گا لیکن سوا یہ پیدا ہوتا ہے کہ شارق کے گم ہو جانے سے جو خلاء پیدا ہو گیا ہے وہ کیسے پر کیا جائے گا؟“

”میں اس سلیب میں ایک نام پیش کر سکتی ہوں۔“ راجکمار نے کہا اور بھلا صاحب چونک کر اسے دیکھنے لگے۔

”کوئی اور نام ہے تمہارے ذہن میں؟“

”ہاں اکبر شاہ، آپ نے، میں نے بلکہ کسی نے بھی اس پر اسرار انسان پر غور نہیں کیا جو بہترین محنت اور خوبصورت چہرے کا مالک ہے۔ اس کی دلکشی میں کوئی شک نہیں ہے اور پھر وہ بہترین فنکار بھی ہے۔ سرکس میں جو فن وہ دکھائے گا وہ سب مثال ہوں گے اس طرح ہم ایک نئی نظری دے کر فلم کو چار چاند لگا دیں گے۔“ بھلا صاحب کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا تھا۔

”تم نے اس کے لئے ایک بہترین لفظ استعمال کیا سرکس کا وحشی ہرن اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اکبر شاہ بے حد پر وقار اور پرستانت شخصیت کا مالک ہے اور خوبصورت بھی ہے۔ وہ کہاں ہو جائے گا میرا خیال ہے راجکمار کی تم نے زندگی میں پہلی بار اتنا شاندار مشورہ دیا ہے۔“

”مجھ سے مشورے طلب کب کئے گئے بھلا صاحب؟“

”ہاں مجھے افسوس ہے واقعی واقعی۔“

”ہم ہیرو کی نظری، میرا مطلب ہے نئے ہیرو کی نظری اس کی پر اسرار شخصیت سے ہم آہنگ کر کے دیں گے جیسی اسے ساہو کی حرکت میں دکھایا

جائے گا۔ بہت سے سانپ اس کے جسم کے گرد لپٹے ہوں گے اور اس کے بعد وہ آہستہ آہستہ سانپوں کے بل کھولے گا اور اس کا چہرہ نمودار ہوگا۔“
 ایک آدمی نے مشورہ دیا۔

فقیر دین بولے۔ ”ہاں بہترین سین رہے گا ہم اسے کہانی میں لانے سے پہلے اس کا انٹرو ڈکشن کرادیں گے، اور اس کا آغاز اسی طرح ہوگا۔“
 ”آپ لوگ اس کہانی پر کام کیجئے فٹنی صاحب آپ اگر پسند کریں تو ان مشوروں کی روشنی میں ان لوگوں سے گفتگو کر لیں۔“
 ”میں سمجھتی ہوں کہ یہ بہترین بیج ہوگا اور یہاں سے ہمارا مسئلہ بھی حل ہو سکتا ہے۔“ راجکمار نے کہا۔

”بالکل حل ہو سکتا ہے میں تو سمجھتا ہوں کہ میری تقدیر نے ایک پارچہ میرا ساتھ دیا ہے اور اب اس سلسلے میں ہمیں کبر شاہ سے گفتگو کرنا ہوگی اس لئے
 اچھے لوگ ہیں وہ کہ میری اس مشکل کے حل کے لئے یقیناً تیار ہو جائیں گے واہ واہ واہ بہت عمدہ بات بن گئی۔“ راجکمار نے کہنے لگی۔

”بیر دکن جب خودکشی کرنے کی کوشش کرے گی تو بیر داسے اپنے ساتھ لے جانے گا اور پھر اس طرح اسے سہارا دے گا کہ اس کی بے مثال محبت کو
 دیکھ کر بیر دکن تھیں جائے گی، واقعی بھلا صاحب کہانی کو ایک نیا موڑ ملے گا۔ باقی کہانی اپنی شکل میں جاری رہے گی۔“

”یہ آپ لوگ مناسب سمجھ لیجئے اب ضروری نہیں ہے کہ سونیا کو بھی ٹھونک جائے میرا خیال ہے سرکس کی ٹرکی کی حیثیت سے وہ ایک دو بار آ جائے تو
 کوئی ہرج منج نہیں ہے آپ نے اس کے کچھ شارٹ لے لیے ہیں بس انہیں ہی استعمال کیجئے۔“ راجکمار نے ناک چڑھا کر بولی۔

”ٹھیک ہے ظاہر ہے بیر دکن کو بیر دکن ہی رکھیں گے سرکس کی زیادہ سے زیادہ شوٹنگ کی جائے گی، گنڈویری گنڈا اب اس نئے منصوبے کو ذرا غلام شاہ
 صاحب کے سامنے پیش کر دیا جائے اور راجکمار کی میرا خیال ہے ہم غلام شاہ صاحب سے بھی مشورہ کر لیں حالانکہ یہ سب کچھ عجیب لگے گا لیکن

بھائی اپنا مطلب پورا کرنے کے لئے تو سب کچھ کرنا ہی پڑتا ہے ذرا گفتگو میں غلطی ہو جائے۔“ بھلا صاحب نے راجکمار کی مشورہ دیا اور اس کے بعد یہ
 لوگ غلام شاہ کے پاس جانے کی تیاریاں کرنے لگے۔ راجکمار نے اور بھلا صاحب، غلام شاہ کے سرکس پہنچ گئے یہاں کی ہنگامہ آرا پکاس دیکھ کر بھلا

صاحب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھل گئی، غلام شاہ کو ان کی آمد کی اطلاع ملی تو وہ اپنے مخصوص انداز میں دھیل چیترو دھکیلتا ہوا وہاں پہنچ گیا۔
 ”آؤ بھائی بھلے کہو کا ہو رہا ہے تو ہمارا پوسٹ ماں ارے دیکھو ہم نے تو سرکس کا کام شروع کرانی دئی ہے اب دیکھ بھائی بھلے میڈن ہوسٹ ہیں تو ہمارا نام

غلام شاہ ضرور ہے۔“

”میری دعا ہے غلام شاہ صاحب آپ جس قدر مقاصد لے کر یہاں آئے ہیں وہ سارے کے سارے پورے ہوں۔“

”جیتا رہے بھائی بھلے، ارے دوستیں کی دعاؤں سے تو سب کچھ ہو جاتی ہے۔“ غلام شاہ نے کہا۔

دھرتویہ لوٹ اپنے کام میں مصروف تھے اور ادھر سونیا در شیر انس بس کر بے حال ہو گئی تھیں، اکبر شاہ کو بھی صورت حال کا اندازہ نہیں تھا لیکن سونیا نے راجکری کی آنکھوں کی چمک دیکھی تھی اور اس چمک میں اسے کبر شاہ کی تصویر ناچتی نظر آ رہی تھی اس نے اپنی سب سے قریبی اور سب سے رازدار سہیلی شیر اکو بی اس بارے میں بتا دیا تھا اور کہا تھا۔

”کچھ تاثیر، راجکری کی مٹی کا مشق منتقل ہو گیا۔“

”کیا مطلب؟“ شیر نے متحیرہ انداز میں پوچھا۔

”ہمارے اکبر بھیا اب ہیرو بن رہے ہیں۔“

”ارے ہاپ رہے ہاپ یہ اکبر بھی کو کیا ہو گیا۔“

”بھی تک کچھ نہیں ہوا لیکن جو کچھ ہوگا وہ دیکھنے کے قابل ہوگا۔“

”پوری بات تو تمہارے پاسے چارے ہے۔“

”بھلا صاحب آئے تھے پٹی نئی فلم کی تحلیل کے سلسلے میں شیٹا سے بات کرنے، بھلا صاحب سے تو شیر میں بہت متاثر ہوں بہت اچھے آدمی ہیں لیکن ان کے یونٹ میں طرح طرح کے جانور موجود ہیں۔ سچ جی ہمارے سرکس سے کم نہیں ہیں وہاں کے لوگ ایک وہ کتا تھا جس کا نام کنور جیت تھا۔ شیر وہ تو اپنے انجام کو پہنچ گیا دوسری خاتون راجکری ہیں، جو اپنے چکر چلانے میں مصروف ہیں۔“

”راجکری کی چکر چلا رہی ہیں۔“

”اکبر بھی، اکبر بھیا ان کے نئے ہیرو بن گئے ہیں۔“

”وہ کیسے؟“

”بھلا صاحب نے ان سے درخواست کی ہے اور انہوں نے منظور کر لی ہے اب ہمیں راجکری سے مشق کرنا ہوگا۔“

”ارے تو پتہ کبر بھی کیسے تیار ہو گئے۔“ شیر نے سواں کیا۔

”بھلا صاحب کی باتوں پر جذباتی ہو گئے ہیں، اچھا سچ پر غور کئے بغیر ہاں کر ڈی۔“ سونیا نے بے اختیار جھٹکے ہوئے کہا اور شیر بھی ہنسے لگی پھر اس نے کہا۔

”سونیا مطلب آجائے گا، آہ کاش یہ کیمچٹ راجکری پہلے یہ کام کر ڈالتی تو اپنا شارق تو ہاتھ سے نہ چاتا۔“ شارق کے تذکرے پر سونیا سمجیدہ ہو گئی اس کے چہرے کے نقوش بدل گئے اور اس نے مدہم آواز میں کہا۔

”شارق کو کھو کر شیر میں اپنی زندگی کے سب سے بڑے نقصان سے دوچار ہوئی ہوں، شیر اتو جاتی ہے کہ میں بے غیرت اور بے حیا بھی نہیں تھی لیکن اگر اس کائنات میں کسی سے محبت کی جاسکتی تھی وہ شارق ہی تھا۔ انہوں بہت سے لوگوں نے ل کر مجھے اس سے دور کر دیا شیر اتو یقین کر میں نہیں کہہ سکتی کہ اب اگر وہ دوبارہ میرے سامنے آ جائے اور اس کا حصول میرے لئے ممکن ہو جائے تو میں کس کس سے بغاوت کر بیٹھوں۔ آہ کاش اس کے ہاتھ ہونے والی زیادتیوں کا کسی طور کفارہ ادا کیا جاسکے۔“ شیر ابھی اب اس مسئلے پر سنجیدہ ہو گئی تھی اور سونیا کے جذبات کا بھی لہری نہیں، رازقی تھی۔ ہنستے ہنستے وہ دونوں سنجیدہ ہو گئی تھیں، دیر تک شارق کے بارے میں گفتگو ہوتی رہی اور اس کے بعد سونیا سنجیدہ سنجیدہ وہاں سے نکل آئی۔



بھلا صاحب کا پوسٹ برق رقی ری سے میدہ گاہ کے ایک مخصوص حصے میں منتقل ہو گیا کیونکہ میلہ گاہ میں جگہوں کے سلسلے میں کسی پر کوئی پابندی نہیں ہوتی تھی، جسے پئی پسند کی جگہ نظر آئی وہاں فروکش ہو گیا۔ ورا اپنے اپنے انتظامات میں مصروف ہو گیا اس لئے بھلا صاحب کو بہت قریب جگہ نہیں مل سکی تھی تاہم اب اتنا فاصلہ بھی نہیں تھا ان کا سر کس سے کہ وہ پیدل وہاں نہ آ جاسکتے یونٹ کی منتقلی کا کام شروع ہو گیا تھا۔ ورا بھلا صاحب کے ٹرک اور جھپٹیں وغیرہ بھی وہیں دائرہ بنا کر کھڑے ہو گئے تھے۔ خیمے لگتے لگتے تھے دھرمیلہ گاہ کا کام بھی برق رفتاری سے جاری تھا نہ مگر کی طرف سے اعلان ہو چکا تھا کہ میلہ معمول کے مطابق لگے گا اور کسی بھی عداوت کے کسی بھی فرد پر کوئی پابندی نہیں ہوگی۔ سرحدیں فوری طور پر کھول دی گئی تھیں لیکن اچانک ہی پونم سنگھ کی طرف سے وہ کارروائی بھی شروع ہو گئی جو غلام شاہ اور بھلا صاحب کے مشورے سے طے ہوئی تھی۔ پہاڑی نیوں پر مسلح افراد متعین کر دیئے گئے اور میلہ گاہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا۔ پھر فوجیوں کے جتنے ان تمام خیموں کی تلاشی لینے لگے جو یہاں آ کر ٹپک چکے تھے۔ دس بارہ جگہ سے کافی اسلحہ برآمد ہوا تھا ان لوگوں کو تحویل میں لے لیا اور ان سے سوالات کئے گئے کہ بھلا پہلے میں اسلحہ لانے کی کیا ضرورت تھی لیکن ہر ایک نے یک ہی موقف اختیار کیا تھا وہ یہ کہ یہ اسلحہ کا کوئی غلط مقصد نہیں تھا بلکہ صرف اس خیال سے اسے ساتھ لے لیا گیا تھا کہ ہو سکتا ہے کوئی بدامنی پیدا ہو جائے تاہم ان لوگوں کو نگاہوں میں رکھا گیا تھا، وہ بے پونم سنگھ اور جگت سنگھ جب بھی اس سلسلے میں گفتگو کرنے تو جگت سنگھ اس بات کا کھلے دل سے اعتراف کرتا کہ واقعی غلام شاہ کا کہنا بالکل درست تھا یہاں کوئی بھی گڑبڑ اس انداز سے ہو سکتی تھی کہ ان لوگوں کو پتہ نہ چلا اور بعد میں ان کے لئے صورت حال کو سنبھالنا مشکل ہو جاتا۔ یہاں تک کہ میسے کے اوقات بالکل قریب آ گئے بس کچھ دن کے بعد یہاں کی تقاریر کا آغاز ہونے والا تھا۔

دھرم سونیا ورا شیرانے آپس میں جو گفتگو کی تھی وہ ایک پیشگوئی کی حیثیت رکھتی تھی۔ یونٹ یہاں آ چکا تھا اور چونکہ اکبر شاہ کو بھلا صاحب کے کاموں کے لئے قصوص کر دیا گیا تھا اس لئے غلام شاہ کی جہت پر اور پھر اپنے طور بھی اکبر شاہ زیادہ تر بھلا صاحب کے ساتھ ہی مصروف رہتا تھا، میسے میں

لگے ہوئے اسٹاپوں کی شوٹنگ جاری تھی اور پونٹ زیادہ تر راتوں میں کام کرتا تھا۔ سرکس کے لوگوں کی مشقیں جاری تھیں ابھی ہاتھ باندھو ام کے لئے کوئی شو نہیں کیا گیا تھا۔ اور یہ بات طے تھی کہ میلے کے آغاز کے پہلے دن سرکس کا پہلا شو کیا جائے گا۔ بہر طور اکبر شاہ کو چند ہی روز کے بعد صورت حال کا احساس ہوا اور وہ کسی قدر بوکھلے ہٹ کا شکار ہو گیا۔ سب سے پہلا برادری اس پر دھماکا جب ٹی فقیروں نے اسے اپنی کہانی سنانی۔ ٹی فقیروں نے کہا۔ ”اکبر شاہ صاحب آپ کو اس سسٹم میں اپنا سکرپٹ یاد کرنا ہے۔ ڈائلاگ یاد کرنے ہیں، اپنے سین یاد کرنے ہیں میں نے آپ کے آٹھ سین بتائے ہیں، ان آٹھ مناظر کی ریمپرسل بھی کرنا ہوگی آپ کو۔“ اہل صاحب بھی اس وقت موجود تھے کبر شاہ نے بھلا صاحب سے کہا۔

”آپ جانتے ہیں بھلا جی کہ میں اس معاملے میں بالکل کور ہوں مجھے تو جو کچھ بتایا جانے کا ہدف کروں گا۔“

”کیوں نہیں، کیوں نہیں یہ سب اہل صاحب ہیں ہمارے اسسٹنٹ ڈائریکٹر یہ آپ کو تمام سین یاد کرائیں گے اور اس کے بعد یہی آپ کو ریمپرسل بھی کرائیں گے۔“ جس شخص کا نام سبیل احمد بتایا گیا تھا اس سے بھی ان لوگوں کی ملاقات ہو چکی تھی بس کوئی ہاتھ باندھو ساتھ نہیں رہا تھا۔ بہر طور اکبر شاہ اس وقت دن کے لئے تیار ہو گیا اور پھر سبیل احمد، بھکر ری اور اکبر شاہ کو چند افراد کے ساتھ لے کر چل پڑے۔ اکبر شاہ کو پہلا سین بتایا گیا جس میں سے سمجھا گیا کہ راجا کی خودکشی کی کوشش کرے گی اور اکبر شاہ نے اسے کس طرح پتا ہے۔ اکبر شاہ نے غایا بھی اس پر غور نہیں کیا تھا کہ اسے کیسے کیسے مراحل سے گزرنا پڑے گا لیکن جب سبیل نے پہلا سین اسے بتایا تو اس کے اندر بوکھلے ہٹ پیدا ہو گئی اور وہ بے ہوشی کرکے لگا اسسٹنٹ ڈائریکٹر اسے سمجھا رہا تھا کہ ہیردین کو بچانے کا کیا طریقہ اختیار کرنا چاہئے اور اکبر شاہ پینہ پینہ ہو رہا تھا۔ اس کے چہرے پر میک اپ بھی کیا گیا تھا جو اسی کے سین سے بار بار خراب ہو رہا تھا اور میک اپ مین بار بار اس کا میک اپ درست کر رہا تھا۔ سبیل احمد نے کہا۔

”شاہ صاحب آپ اس قدر پریشان کیوں ہو رہے ہیں۔“

”میں ابھی کوئی بات نہیں مگر یہ، یہ سب کچھ کیا ہے۔“

”میک اپ۔“

”مردوں کے لئے اس کی کیا ضرورت ہے۔“

”چہرے کو اسکرین کے مطابق بنانے کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے۔“

”اس وقت کیرہ کہاں کام کر رہا ہے۔“ اکبر شاہ نے کہا۔

”ہاں یہ تو ہے، لیکن میں آپ کے تاثرات حقیقی شکل میں دیکھنا چاہتا ہوں۔“

”اس وقت اسے رہنے دیں کام آگئے بڑھائیں۔“ اکبر شاہ پھولے ہوئے سانس کے ساتھ بولا۔ اس کی حالت کافی خراب نظر آ رہی تھی اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے کاش سرکس کا کوئی ساتھی پاس ہوتا۔ ایک طرف یہ بے ہک لڑکی تھی جس میں نام کی ہلک جھک نہیں تھی اور وہ پہلا سین بڑے اطمینان سے کر رہی تھی دوسری طرف وہ تھا جو لڑکی کو سنبھالتے ہوئے پانی پانی ہوا جا رہا تھا۔

”آپ کی مرضی شاہ صاحب، میک اپ کے بغیر ہی سہی مگر شوٹنگ کے وقت تو آپ کو میک اپ کرنا ہوگا۔“

”اس وقت کر لوں گا دینے مجھے شبہ ہے کہ شاید ہی، میں کامیاب رہوں، آپ یوں کریں یا رکھیں اس کے لئے منتخب کریں میں اس سے بات کروں گا۔“ وہ نہیں شاہ صاحب، یا ز میں آپ بھیی بات کہوں اور پھر ہم تو فلمی دنیا کے لوگ ہیں بڑے بڑے ناکارہ لوگوں سے کام لیتے ہیں آپ فکر نہ کریں کوشش جاری رکھیں۔“ سہیل احمد نے کہا۔

”میرے خیال میں سہیل صاحب، کچھ دیر تک جائیں بلکہ آپ لوگ یہاں سے ہٹ جائیں۔“ راجکری نے کہا۔

”جیسا آپ مناسب سمجھیں کماری جی۔“ سہیل احمد نے دوسروں کو اشارہ کیا اور لوکیشن پر صرف راجکری اور اکبر شاہ رہ گئے۔

”میں نے آپ کو شیر کے کتھرے میں شیر پر نیزے برساتے ہوئے دیکھا ہے شاہ صاحب اس وقت آپ بہت غرہ ہوتے ہیں۔“ راجکری نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”وہ سب کچھ بہت آسان ہے۔“

”یہ، بس سے بھی زیادہ آسان ہے مجھے دیکھنے میں تو بالکل نہیں گھبراہی آپ سے، کسی سے محبت کی ہے؟“

”ہاں، سرکس کے معصوم ہانوروں سے، اپنے ساتھیوں سے۔“

”کسی لڑکی کو محبوبہ نہیں بنایا آپ نے؟“

”نہیں۔“

”مجھے پتا چلے اتنا چاہوں گی آپ کو کہ سوچ بھی نہ سکیں گے۔“ راجکری جذباتی سچے میں بولی اور اکبر شاہ چونک کر سے دیکھے لگا۔ اس فلم کی حد تک، ہاں اگر یہ مصنوعی محبت حقیقت میں بدل جائے تو آپ کو مایوس نہ ہوگی۔“ راجکری جلدی سے بولی۔

”آپ ریپرسل شروع کر اپنے۔“ اکبر شاہ ناخوشگوار سچے میں بولا اور پھر اس نے سہیل احمد، غیرہ کو اشارہ کر دیا یہ نہانی اسے خطرناک محسوس ہوئی تھی۔ وہ لوگ آئے اور اکبر شاہ نے اپنا کام شروع کر دیا آٹھ بار اسے راجکری کو صوبت سے پیٹا پڑا تھا اور آٹھویں بار سہیل احمد نے اس سینی کو

وہ کے کیا تھا۔ پھر اکبر شاہ دہلی سرکس میں آ گیا، اس کا چہرہ دھوئی دھواں ہو رہا تھا سو بیا اور شیر اس کی تاک میں تھیں، غلام شاہ تو پنڈاس میں
 مشقوں کی نگرانی کر رہا تھا اور یہ دونوں اکبر شاہ کی واپسی کا انتظار کر رہی تھیں جو ٹہکی کبر شاہ اپنے خیمے میں داخل ہوا دونوں شرارت سے مسکراتی ہوئی
 اس کے پاس پہنچ گئیں۔ اکبر شاہ ان کے چہرے دیکھ کر چونک پڑا۔

”خیریت!“ اس نے کہا۔

”آپ اپنی خیریت بتائیے بھیا، بڑے تھکے ہوئے ہیں کیا فلم میں کام کرنے میں بہت محنت کرنی ہوتی ہے؟“ شیرا نے کہا۔

”کیو اس مت کرو، میں بری طرح بھنسن گیا ہوں۔“

”رے کیا ہو؟“ شیرا نے کہا اور بے اختیار ہنس پڑی۔

”مجھے کیا معلوم تھا کہ، کہ مجھے اس بد کے ساتھ گزارہ کرنا ہوگا شیتا مردست کرتا ہے تو ایسی کہ دوسروں کی گردن پر رسی کا پھندا، بن جائے مجھے بڑا وجہ مروا
 دیا گیا۔“

”ہو کیا کبر بھیا؟“ شیرا نے پوچھا۔

”تمہارا سر ہو بھاگو یہاں سے۔“ اکبر شاہ جھلا کر بولا۔

”رے واہ تمہاری خوشیوں کا ٹھکانہ نہیں کہ ہمارے اکبر بھیا میری دین گئے اور اکبر بھیا اہل یونانی ڈانٹ رہے ہیں۔“

”دیکھو، میں بہت پریشان ہوں مجھے یہ سب کچھ نہیں معلوم تھا اب کیا کروں کچھ میں نہیں آتا۔ وہ وہ راجا رنی، وہ بہت خراب عورت ہے، عورت
 ہے جس نہیں وہ تو بہت، بہت۔“ اکبر شاہ بولکھلایا ہو تھا سو تپا اور شیرا ہنس ہنس کر دوہری ہوئی چارہی تھیں۔

”ہے تو خوبصورت اکبر بھیا۔“ شیرا نے کہا۔

”میرا مذاق مت اڑا، ہو سکتا ہے تو میری مدد کر، کوئی ترکیب بتا دیجھے۔“

”ترکیب ہے بھی مگر کام ایسا ہے جو بہت مشکل ہے۔“ شیرا نے کہا۔

”میں آگ کے کنویں میں جھانگ لگا سکتا ہوں اس مصیبت سے بچنے کے لئے بتاؤ کیا ترکیب ہے۔“

”آپ کو معلوم ہے کہ یہ کام شارق کے سپرد کیا گیا تھا؟“

”شارق! ابا! شارق۔“

”آج بھی اگر شارق مل جائے تو آپ کی یہ مصیبت ٹل سکتی ہے کسی طرح اسے تلاش کر میں۔ آپ کو نجات مل جائے گی۔“ شیرانے کہا اور اکبر شاہ کے چہرے پر اداسی پھیل گئی۔“

”وہ کہاں ملے گا اس کے لئے تو دس ہر وقت کڑھتا رہتا ہے بہت سوں کی مشکل کا حل تھا وہ۔ اس کے جانے کے بعد اس کی قدر معلوم ہوئی ہے ہمیں۔“ اکبر شاہ نے اداس لہجے میں کہا اور شیخے میں خاموشی چھا گئی۔

شیرانے سونیا کو دیکھا اکبر شاہ کے الفاظ پر سونیا بھی اداس ہو گئی تھی۔ اکبر شاہ نے اس اداسی پر غور نہیں کیا تھا وہ چلی ہی مصیبت کا شکار تھا۔ کچھ دیر کے بعد اس نے کہا۔

”نہیں شیرا، کچھ کرنا پڑے گا، ضرور کچھ کرنا پڑے گا ورنہ کوئی گڑبڑ ہو جائے گی مجھے تو اس عورت کے تصور سے ہی وحشت ہوئے گی ہے خدا کی پناہ یہ سب کچھ اور شیخانے اس کی اجازت بھی دی ہے کمال ہے۔“

”ترکیب بتائی ہے نا اکبر بھیا۔“ شیرابولی۔

”ارے کیا خاک ترکیب بتائی ہے، میں کہاں تلاش کروں شارق کو، وہ خود بھی تو اتنا بے مروت ہے، اتنے دن تو ساتھ دیا تھا۔ ذرا سا خیال ہی کر لیتا ان دنوں کا، ایک پارل ہی بیٹا ہم سے۔“

”ہاں ذلیل ہونے کے لئے آچا تا جہاں سے پاس، یہی کہتے نا تم اس سے بھیا کہ پھر آگیا ننگا بیو کا تہہ رری رہاں کھانے، اس کے علاوہ اور کچھ کہتے تم اس سے، اتنی مروت سے ضرور کرنی چاہئے تھی کہ تہہ رری گالیوں کھائے آچا تا، تہہ رے ہاتھوں مرنے آچا تا، جھوٹے سے گر کر مارنا چاہا تھا تم نے اسے، جھیل میں ڈبوئے کی کوشش بھی کی تھی، بڑ ذلیل تھا دونوں بار نہ مرا، جہہ رری خوشی پا دی نہ ہوئی، اسے کچھ کہنے سے پہلے کچھ تو سوچو بھیا کچھ تو سوچو۔“ سونیا لاوے کی طرح ابل پڑی۔ اس کا چہرہ بری طرح بگڑ گیا تھا آنکھوں سے آنسو ابل پڑے تھے۔ اکبر شاہ شانے میں رہ گیا۔ وہ سب جانا نہ دار میں سونیا کو دیکھ رہا تھا۔ سونیا حمزی سے جیسے سے باہر نکل گئی۔ شیر خود بھی دم بخود رہ گئی تھی پھر وہ سنبھل کر باہر جانے کے راستے پر بڑھی تو اکبر شاہ جلدی سے بولا۔

”روکو شیرا، ایک منٹ رکو۔“

”جی اکبر بھیا۔“

”شیرا ایک بات تاؤ گی مجھے۔“

”کیا کبر بھیا۔“

”وعدہ کرو بیچ بتاؤ گی۔“

”آپ پر مجھے کبر بھیا۔“ شیر نے چور بچے میں کہا۔

”یہ سوتا کو کیا ہو گیا۔ شارق سے خود بخود بھی، اس سے خود بخود بھی۔“

”محبت کرتی ہے۔“ شیر اسے نظروں سے ہٹا کر کے کہا۔

”کیا؟“ اکبر شاہ کا سانس چڑھنے لگا۔

”ہاں بھیا، وہ شارق کو چاہتی ہے۔“

”کیا بھیا اس ہے، دونوں بار، وہ اسے ہلاک کرنے کے منصوبے میں شامل تھی۔“ اکبر شاہ بے چینی سے بولا۔

”پاگل تھی، اپنے اندر کا حال سمجھ نہیں سکی تھی، اس محبت کو وہ نفرت سمجھتی رہی، قصور اس کا نہیں تھا، کبر بھیا وہ ہاؤن اپنے ذہن سے سوچنا تک نہیں جانتی

وہ تو اس کا نکات میں صرف دو اساتذوں کو پتا تھا، شارق ہی ہے عظیم شاہ اور، کبر شاہ۔ وہ غمی کے دماغ سے سوچتی ہے، وہ غمی کی زبان سے بولتی ہے، اپنے

جذبات کو تو اس نے پہلی بار محسوس کیا ہے، شارق کے جانے کے بعد۔ جب تک وہ یہاں تھا وہ بھی اس سے نفرت کر رہی تھی صرف اس لئے کہ اکبر شاہ

اسے ناپسند کرتا تھا۔ بڑی بے چینی سے اس نے مجھے بتایا تھا شارق اسے بہت یاد آتا ہے۔“

”امری، ایرانی، ری بے وقوف۔ کچھ تو بولتی، کچھ تو کہتی، رے یہ کیا ہو گیا میرے بچے کا ایک گوشہ ہے وہ شیر، میری، لیکن کہاں ہے وہ تو میرے

وجود کا ٹکڑا ہے کون تھا اس کے سوا میرا، منجھی سی تھی وہ، اپنے ہاتھ سے دودھ پلاتا تھا اسے۔ اپنے ہاتھ سے منہ دھلاتا تھا اس کا باؤں ہمیشہ میرے سینے

پر سوتی تھی کوئی بات ٹان میں نے اس کی کچھ تو کہتی تھی، کچھ تھپتھپاتی کرتی۔“ اکبر شاہ گلو گھر بچے میں بولا۔

”بس بھیا، بہت معصوم ہے وہ، مگر تم کبھی کیا کہتے تھے۔“

”کیوں نہ کرتا، شیخا کو چاہتا ہوں۔ پاگل نہیں ہے وہ جنونی تھوڑی ہے، قدر کرتا ہے محبت کی۔ یار نے ساتویں کے پیار میں اس کی چان لپے کی کوشش

کی تھی دونوں کی شادی کر دی اس نے۔ ہم ایک دوسرے سے منسلک ہیں شیرا کوئی کسی کا دکھ نہیں برداشت کر سکتا۔ اب بتاؤ شیر، کیا کروں میں۔“

”اب میں کیا کروں؟“

”بھی کچھ نہیں کیا بھیا شارق مل سکتا ہے۔“

”کیسے؟ کہا۔“

”یہ تو تم جانتے ہو کہ وہ نیا مگر میں سوچا کوئل چکا ہے۔ چکو منکو کوئل چکا ہے۔ ایک بات میں دعوے سے کہتی ہوں، میلے میں ضرور ہو گا وہ، اسے تلاش کیا جاسکتا ہے۔“ شیرانے کہا۔

”میں اسے تلاش کروں گا شیرا۔“ تم بھی خیال رکھنا، اور سنو، اسے نہ بتانا کہ میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے۔“

”ٹھیک ہے بھیا، میں اسے نہیں بتاؤں گی۔“

”شیرانے کہا۔“ جاؤ اسے سنبھلو، کوئی بات بتا دینا۔ اس سے کہنا را بگھاری کے پارے میں بات ہو رہی تھی۔“ اکبر شاہ نے کہا اور شیرا گروں ہلا کر ہر گھل گئی۔



مید گاہ بھرتی جا رہی تھی جگت سنگھ کے علاقے کی چھوٹی چھوٹی بستیوں کے لوگ جوتی در جوتی آرہے تھے سرحدوں کے دوسری طرف سے بھی لوگ آرہے تھے۔ پنجم سنگھ نے ساری تیاریاں کر لی تھیں، آنے والے لوگوں کے گروہوں پر اچانک ہی پھپھہارا جاتا اور ان کے پاس سے ہتھیار تلاش کئے جاتے، بہت سے ہتھیار دستیاب ہوئے تھے لیکن ان سے کوئی ہار پرس نہیں کی جاتی تھی۔ بس یہ کہا جاتا تھا کہ تھا کر صاحب کی ہدایت پر میلے میں کسی کے پاس ہتھیار نہیں چھوڑے جاسکتے۔ البتہ جن لوگوں کے پاس خاص ہتھیار برآمد ہوئے انہیں نگاہ میں رکھا جاتا۔ جگت سنگھ خود بھی میلے کے منتظرات کا جائزہ لیتا رہتا تھا اس کی وجہ بھلا کا کیپ اور غلام شاہ کا سرکس بھی تھا جگت سنگھ روز ہی ان سے ملتا رہتا تھا اور مشورے بھی، گفتار ہوتا تھا۔ پھر یک صبح جب سورج بھی نکل نکلا تھا اچانک انسانوں کا ایک طوفان امنڈ پڑا، عورتیں، مرد، بچے بوڑھے اور جوان پھٹے پرانے کپڑوں میں ملیں، فاتحہ زدہ چہرے لئے بھاگے آرہے تھے۔ میدان گاہ میں داخل ہوتے ہی انہوں نے چیخا شروع کر دیا۔

”دہائی ہے نہ کر کی، دہائی ہے جگت سنگھ کی، پیو نہیں تھا کر، پیو ہماری ہائے نہ لو، ہمیں موت سے بچاؤ تھا کر۔“

میلے میں سنسنی پھیل گئی تھی۔ سرکس واسے بہت صبح جا گئے کے عادی تھے دوسرے لوگ بھی اس چیخ و پکار سے جاگ گئے۔ ہزاروں انسان غصے میل گاہ بھرتی جا رہی تھی غلام شاہ بھی جاگ گیا۔

”رے ای کا ہوئی ہے، کا حملہ ہوئی گیا۔ دیکھو رے ای کا رہے۔“ اور بہت سے لوگ گھوڑوں پر سوار ہو کر اس لوگوں کے قریب پہنچ گئے۔ پھر گلاب نے آکر اطلاع دی۔

”یہ دن سنگھ اور قیل سنگھ کے علاقوں کے عوام ہیں شیخا، سرحد میں کھتے ہی دہاں سے بھاگ نکلے ہیں۔ وہ اب تھا کر سے پتا، نگ رہے ہیں۔“

”ارے جا رہے اکبر، اے جا، تھا کر کو کھیر کر رہی ہے۔“ غلام شاہ نے کہا اور اکبر شاہ نے گھوڑا دوڑایا۔ کچھ گھڑ سواری بھی اس طرف لپکتے نظر آئے تھے۔ جگت سنگھ کو خبر ملی، وہ وہ پونم سنگھ کے ساتھ چل پڑا۔ وہ میدان گاہ میں پہنچا تو آٹھ دنوں کے روتے اور گڑبڑانے لگے۔ وہ راون سنگھ اور قیل سنگھ کے مظالم سے بے تھے اور جگت سنگھ کی آنکھوں سے آنسو روہاں ہو گئے تھے۔ اس نے پونم سنگھ سے کہا۔

”پونم بہت سی جیتے جیتے ہیں، نہیں بچائی کی دہائی میں لگوا دو جیتے مکان خالی ہیں انہیں ان میں آباد کرو ان کے لئے خوراک کے ذخیرے خالی کر دو، میں دوسرے انتظامات کرتا ہوں۔“

”سو کھیں ہم دیت ہیں تھا کر، ساتھ ماں کھانے پینے کا سامان بھی۔“ غلام شاہ نے کہا۔ سرکس میں سارے کام بند ہو گئے۔ پونٹ کے سارے آدمی بچائی دادی میں کام کرنے لگے ایک اور میلہ دہاں گت گیا تھا۔ سارا دن آنے والوں کی دلیجوئی کی گئی۔ تھا کر بہت جذباتی ہو گیا تھا۔ اس نے مزید انتظامات شروع کر دیے جیسے چار ہونے لگے۔ تمام آبادیوں سے خوراک منگائی جانے لگی کئی دن کئی راتیں اس نے شدید محنت کرتے ہوئے گزار دیں۔ غلام شاہ وغیرہ اس کے ساتھ تھے اور چند روز کے لئے سارے کام معطل ہو گئے تھے۔

پھر میں افراد کے ایک گروہ نے ٹھکانے کی فرمائش کی اور جگت سنگھ نے اپنی آبادیوں کے ستر تھا کر کو سند میں بھجوائے کہ وہ فوراً اپنے بھائی جاکیں۔ اس نے گروہ کے لوگوں سے کہو دیا تھا کہ نہ کر خود انہیں بلائے گا۔ جب یہ سارے سرکردہ لوگ بلائے پر دہاں پہنچ گئے تو اس نے پہلے انہیں ان بے خانماں لوگوں کے درشن کرائے اس کے بعد میں افراد کے اس گروہ کو طلب کر رہا۔

”ہمارا دوش بتا دو کہ جگت سنگھ، نہیں بس یہ بتا دو کہ ہم نے کیا کیا تھا۔ ہمیں کیوں ان راکشوں کے حوالے کر دیا تم نے جو ہمارا خون پی گئے۔ ہم نے کیا کیا پاپ کیا تھا تھا کر، ہمارا پاپ ہمیں بتا دو۔“

”تھا کر جسوت سنگھ، نہیں جواب دو، ناٹا راڈ جواب دو، انہیں پوچھا کہ حکیم سنگھ، یہ سواں تم سے کر رہے ہیں مجھ سے نہیں۔ بھائیو یہ ہیں ہمارے بڑے۔ یہ ہیں وہ جو کہتے تھے کہ جگت سنگھ نے بھائی کا حق مار لیا۔ یہی سارے جو کہتے تھے کہ اگر تھا کر جگت سنگھ نے راون قیل کو بے دخل کیا تو وہ بھانوت کریں گے اور ان دونوں کا ساتھ دیں گے۔ انہی کے کہنے پر بڑا رہا ہوا تھا انہوں نے ہی سورج گڑبڑ راج قائم کر دیا تھا۔ انہوں نے ہی قیل نو اس کو راج دیا تھا۔ ان سے پوچھو بھائیو یہ بتائیں گے تمہیں کہ انہوں نے ایسا کیوں کر دیا۔“

”ہم پر باد ہو گئے۔ ہم مٹ گئے تھا کر، ہمارے سارے سارے گئے بچے بھوک سے ہلک کر مرے، جو ان سپاہیوں کی گولیوں سے۔ غزلیں نہیں

ٹھا کر اور ہر گھر کی بھونچنی ٹھہ گئی۔ رادون سنگھ کے منہ چڑھوں نے کسی کو بھی عزت دار نہیں رہنے دیا۔ بتاؤ یہ مگر دلوں کا کیا دوش تھا اس میں۔ ہم نے تو نہیں کہا تھا کہ ہمیں رادون سنگھ کے حوالے کروایا جائے جو اب دو ٹوٹ کر رہا۔ یہ رادون کون ہے گا؟

ٹھا کر وہیں جھٹک گئی تھیں وہ اپنے آپ ہی کو قصور وار سمجھ رہے تھے حالانکہ جب رادون سنگھ اور پتیل سنگھ نے اپنے اپنے حصوں کا مطالبہ کیا تھا تو یہ بات جگت سنگھ نے کئی تھی کہ یہ دونوں نا تجربہ کار ہیں اور سرکش بھی حکومتیں سنبھال نہیں پائیں گے اور یہ انیاں پھینکیں گیں تو یہی ٹھا کر دبی، بی زبان میں بولے تھے کہ دراصل جگت سنگھ اپنے بھتیجوں کو کوئی مقام دینا نہیں چاہتا بلکہ ہر چیز پر اپنا ہی قبضہ رکھنا چاہتا ہے۔ جگت سنگھ نے یہ بات سن لی تھیں اور اس کے بعد اس نے خاموشی سے ان لوگوں کی خواہش کے مطابق ہتھوڑا کر دیا تھا لیکن آج یہ سب گردن جھکائے کھڑے تھے جگت سنگھ کے کہا۔

”ٹھا کر جھکی ہوئی گردنیں کبھی کسی مسئلے کا حل نہیں پیش کرتیں۔ گردنیں اٹھاؤ اور ان کا فیصلہ کرو، جگت سنگھ تمہیں علم دیتا ہے کہ کل جس طرح تم نے رادون سنگھ اور پتیل سنگھ کی حمایت کی تھی۔ آج اس لوگوں کے بارے میں بھی اپنی زبان کو جو تمہیں زبان کھونا ہوگی۔“

جب ٹھا کر آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے اور پھر وہ پر جوش لہجے میں بولے۔

”رادون سنگھ اور پتیل سنگھ پر حملہ کرو۔ ہم سب اپنے تن من سے اس جمنے کی قیادت کریں گے۔ رادون سنگھ اور پتیل سنگھ کو معزول کر دیا جائے اور پتیل کو اس اور سورج گڑھ اور اس کی تمام آبادیوں پر قبضہ کر لیا جائے۔ نئے سرے سے ان تمام جگہوں کو نیا مگر کا نام دے دیا جائے گا، اب ہم تمہاری قیادت میں ان لوگوں کی مدد کریں گے، رادون سنگھ اور پتیل سنگھ کو فوراً گرفتار کر لیا جائے حملہ کرو صرف حملہ۔“

”سوچو دھڑا کر کل کہہ گئے بھتیجوں کے حق پر ڈاکو ڈالنے کے لئے جگت سنگھ نے سازش کر ڈالی۔ پتہ لگا لو ان لوگوں سے اس سازش کا تار کھینچو۔ سب اس کہنے کے لئے کچھ نہ رہے۔“

”نہیں ٹھا کر جگت سنگھ بول ہوئی تھی ہم سے، ہم نے تو بس ایک جگہ کی حمایت کی تھی لیکن اگر اس کا نتیجہ یہ نکل رہا ہے تو یہ لوگ ہمارے دشمن نہیں ہیں ہم تم سے وعدہ کرتے ہیں ٹھا کر جگت سنگھ کہ کل جب ہم نے یہ بستیاں بنانے کی بات کی تھی تو آج ایک بار پھر ان بستیوں کو بنانے کی بات کرتے ہیں لیکن اب یہ تمہاری ہی گرائی میں رہیں گی اور اس کے بعد جیوں بھر بھی یہ مطالبہ نہیں دہرایا جائے گا۔ ہمارے پاس جتنے وسائل ہیں، جتنے آدمی ہیں، سب تمہارے ساتھ اس جمنے میں شریک ہوں گے، ٹھا کر حملہ کرو فوراً حملہ کرو۔“ ٹھا کر جگت سنگھ نے گردن ہٹا لی اور بولا۔

”تو پھر میلہ ختم ہو جانے دو۔ میلہ ختم ہو جائے اس کے بعد ان دونوں عداوتوں پر حملہ کر کے ان پر قبضہ کر لیا جائے گا اور اس کے سنے ٹھا کر تمہیں پوری پوری مدد کرنا ہوگی۔“

”ہم ہر طرح سے حاضر ہیں تھا کر جگت نگھ تم ہمیں کبھی پیچھے نہیں پاؤ گے۔“

”لیکن اس سے پہلے ہمیں یہاں سے واپس بھیجنے کی کوشش نہ کی جائے ہم یہیں جان وے دیں گے ٹھاکر، اپنے عداوتوں میں واپس نہیں جائیں گے۔“
مظلوم لوگوں کے وفد کے سربراہ نے کہا اور تھا کر جگت نگھ نے نہیں اطمینان دلاتے ہوئے جواب دیا۔

”نہیں بھائیو! ہم تمہیں موت کے منہ میں نہیں دھکیں گے تم ہر نکل لگتے کرو یہاں آرام سے رہو، تمہیں اس وقت تک تمہاری آبادیوں میں واپس نہیں بھیجا جائے گا جب تک ہم تمہارے لئے وہاں بہترین ماحول نہیں پیدا کر دیں گے۔“ تھا کروں نے پیشکشیں کیں کہ وہ ان لوگوں کے خراجات، ٹھانے کے لئے تیار ہیں اور اس سلسلے میں انہوں نے کچھ توجہ دینا بھی پیش کیں۔ انہوں نے کہا کہ نئے آنے والوں کے لئے جگہ تیار کی جائے وہ اپنا سارا دھن دھن ان کی آباد کاری پر لٹا دیں گے۔ انہیں کوئی تکلیف نہیں ہونے دی جائے۔ جگت نگھ نے اطمینان کا اظہار کیا تھا ورنہ انے داے بھی پر سکون ہو گئے تھے۔ غرضیکہ یہ مسئلہ اس طرح طے ہوا۔ تھا کروں نے، اپنے حصے پانٹ لئے تھے اور بدشاہ انہی ہمدردی کے جذبے ان کے سینوں میں ابھر آئے تھے اور انہوں نے اس لوگوں کے لئے ہر طرح کی آسائشوں کا بندوبست کیا تھا اور بھی بہت سے لوگ میدان گاہ میں آئے۔ بعض وہ تھے جو صرف میہ میں شرکت کے لئے آئے تھے اور بے شمار ایسے تھے جو سرحدیں کھل جانے کے بعد اپنے گھر، رچھوڑا ہوا گئے تھے۔ پھر میہ میں پہلی بار دھنسا ہوا اور اس طرح میہ کا آغاز ہو گیا۔ آتش بازیوں چلائی گئی تھیں اور ساری رات جشن کا سماں رہا تھا۔ یہ میلے کے آغاز کا اعلان ہوتا تھا چنانچہ میہ کی ہنگامہ خیزیاں شروع ہو گئیں۔ کھیل کر جب تماشے دکھانے والوں کی بس تھی۔ ہر طرف ساز و آواز کی ہنگامہ خیزیاں گھنٹیں اور سرکس کے سارے کے حصے پر بنے ہوئے اسٹیج پر سحرے ناچنے لگے۔ سرکس کا چڑاں بھر گیا اور پہنڈ شوٹش کیا گیا۔ اس پہنڈ شوٹش میں سرکس کے وسیع و عریض پنڈال میں گل دھڑے کی جگہ نہیں تھی سرکس کے دنکاروں نے بھی کہاں ہی کر دکھایا تھا۔ ایسے ایسے شائد اہم مظاہرے کئے گئے تھے کہ نہ گھر کے رہنے والے دانتوں میں ٹھکیں و پا کر رہ گئے۔ ہر شخص اپنے اپنے فن کا کمال پیش کر رہا تھا۔ جھولنے پر سانولی اور یار پھر کنی کی طرح بھاگتے پھر رہے تھے اور ہر وہ کھیل پیش کیا گیا تھا جو لوگوں کو حیران کر دے لیکن پورے میہ میں کچھ آنکھیں نہیں جو اداسی میں ڈوبی ہوئی کسی کو تلاش کر رہی تھیں۔ اڈا سوچا جس کی لگا ہیں تمام شاعروں کے جہم میں ایک ایک چہرے کا جائزہ لے رہی تھیں، اکبر شاہ بھی تھا جسے شارق کی تلاش تھی اور حیرے نسر پر شیر خانی جو ان دونوں کی مدد کرنے کے لئے خود بھی شائقین کے جہم میں شارق کو تلاش کر رہی تھی لیکن شارق کا چہرہ نظر نہیں آیا تھا۔ ایک سمت تو سرکس کے ہنگامے جاری تھے۔ دوسری طرف یہ لوگ شارق کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ پھر جب سرکس کا پہنڈ شوٹم ہوا تو سونیا نے اداس لہجے میں شیرا سے کہا۔

”نہیں شیرا وہ نہیں آیا۔“

”وہ آئے گا، ضرور آئے گا سونہا تمہیں اطمینان رکھنا چاہئے۔“

”آہ وہ اگر آیا بھی تو ہمیں اس کا پتہ نہیں چل سکے گا، تہوار کیا خیال ہے کیا اب بھی اس کے ہاتھ میں محبت کے پھول ہوں گے۔“

”سونیا، یوں نہ ہونہا رے دس میں اگر اس کا پیار جاگا ہے تو یقینی طور پر وہ تو تم سے بھی پہلے تم سے پیار کرتا تھا۔“

”ہاں وہ پیار کرتا تھا لیکن اس بد بخت کنور جیت نے، سب کچھ چو پٹ کر دیا۔“

”لیکن تمہیں یہ بات بھی معلوم ہے کہ اس کے سامنے ہی تم نے کنور جیت پر لعنت بھیجی تھی اور اسے بد شکل بنا دیا تھا۔ وہ یہ بات اب بھی طرح جا چکا ہے کہ تم کنور جیت کی جانب متوجہ نہیں تھیں۔ کم ر کم اس طرف سے تو اس کا دس صاف ہو گیا ہوگا۔ سونیا ایک بات کا پورا پورا اطمینان رکھو اب وہ کیفیت نہیں ہے جو اس کے دل میں پیدا ہو گئی تھی وہ آئے گا اور ضرور آئے گا۔“ سونیا کی آنکھوں میں اُمید کے ہر دغ روش ہو گئے تھے۔

یہ مگر کے لوگ بڑے عمدہ دل ثابت ہوئے تھے سرکس نے تو گویا یہ مگر لوٹ ہی لیا تھا۔ اس کے تمام کے تمام شو اس طرح کچھ بھرے ہوتے تھے کہ نوگوں کو مایوسی کا سامنا کرنا پڑتا تھا پھر کسی بھی ایجے آئیم پر وہ دس کھول کر فنکاروں کو دہی نہیں دیا کرتے تھے بلکہ انعامات بھی دے رہے تھے اور سرکس کے تمام فنکار بھی پوری طرح دل لگا کر اپنا فن پیش کر رہے تھے۔ سرکس نے تو یہاں قیامت ڈھا رکھی تھی۔

دوسری طرف بھلا صاحب بھی اب معذرت خواہ۔ انداز ختم کر کے اپنے کام میں مصروف تھے، نئی فقیر دین نے کہانی میں جو نئی رد و بدل کی تھی اس نے کہانی کو اور چار چاند لگا دیے تھے۔ مصیبت کی تھی تو جس اکبر شاہ کی جسے راجکمار کی سے پوری طرح تعاون کرنا پڑ رہا تھا۔ کئی ہار ٹونگ ہو چکی تھی۔ بھلا صاحب سرکس میں بھی شو کے دوران کئی شٹنگ کر چکے تھے اور اس کے علاوہ جو مناظر قلمائے جانے تھے ان کے لئے اکبر شاہ سے بے تکلفی سے فرمائش کر دی جاتی تھی۔ اکبر شاہ اب تن پہ نقدیر ہو گیا تھا، جو مصیبت لگے آپڑی تھی اس سے جان بچانے کا ایک ہی ذریعہ نظر آتا تھا وہ یہ کہ بھلا صاحب سے بھرپور تعاون کرے اور ان کی یہ قلم مکمل کراوے۔ ادھر بھلا صاحب تھے کہ اکبر شاہ پر نار ہوئے جا رہے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ اکبر شاہ میں اس قدر فنکارانہ صلاحیتیں موجود ہیں کہ اسے سرکس کے بجائے فلمی دنیا ہی میں ہونا چاہئے تھا۔ ادھر راجکمار کی اکبر شاہ کی جان کے پیچھے پڑ گئی تھی۔ اس کی تمام تر توجہ اور محبت اکبر شاہ کے لئے وقف ہو گئی تھی اور وقت بہ وقت وہ جب بھی چاہتی، اکبر شاہ کے خیمے میں آگھٹی ایک بار اکبر شاہ نے دہی زبان سے اس سے احتجاج بھی کیا۔

”کمار کی جی آپ کی مصروفیات سبہ پناہ ہیں، میں تو یک سبہ کار سا آدمی ہوں سرکس میں کام کیا اور اس کے بعد آرا دی لیکن آپ میرے اوپر بہت

وقت ضائع کر رہی ہیں۔“

”کیسی باتیں کرتے ہیں شاہ صاحب۔ آپ نے جو کس پیش کیا ہے وہ بے مثال ہے۔ میں تو حیران لگا ہوں سے آپ کو دیکھتی ہوں اور سوچتی ہوں کہ بعض لوگ آپے بخورے کس قدر دودھ ہٹ جاتے ہیں۔ اگر آپ نے اب تک فلمی دنیا کا رخ کر لیا ہوتا تو صاف اڈل کے ہیرو ہوتے۔ آپ یقین کریں میں آپ کی صورت میں مصنفین کا ایک شاندار ہیرو دیکھ رہی ہوں۔ مگر آپ فلمی دنیا کی طرف متوجہ نہ بھی ہوئے تو بس ذرا اس فلم کو ریلیز ہو جانے دیجئے اس کے بعد دیکھئے گا کہ فلم ڈائریکٹر کس طرح آپ کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہیں۔ لیکن شاہ صاحب ایک وعدہ کرنا ہوگا آپ کو۔“

”کیا؟“ کبر شاہ نے بڑا لہجہ میں کہا۔

”آپ جب بھی کسی نئے ڈائریکٹر سے فلم کا معاہدہ کریں گے تو اس میں ہیروئن کے طور پر مجھے کا سٹ کرنے کی فرمائش کریں گے سمجھ بیٹے آپ، اب زندگی ہے جب تک آپ کا پیچھے چھوٹنا ممکن نہیں۔“

”آپ سے۔“ کبر شاہ نے رندھے ہوئے لہجہ میں کہا۔

”جی مجھ سے کچھ رہے ہیں نا آپ۔ میں بھی بہت مستقل مزاج قسم کی عورت ہوں۔ ایک بار جس کو نکاہوں میں جہانوں بس کچھ لیجئے کہ زندگی کے آخری سال تک اس کی مجھ سے جدائی ممکن نہیں ہے۔“

کبر شاہ ٹھنڈی ٹھنڈی سانسیں لے کر رہ جاتا تھا۔ ویسے اس نے دل میں سوچا تھا کہ کیا یہ جی اگر آپ کی وجہ سے سرکس سے ہٹا کر پڑا تو میں اس سے گریز نہیں کروں گا۔



بلیئر ایلیہ میں پہنچ گیا۔ اس نے پنا حلیہ اچھی طرح بدل لیا تھا۔ اب اس کے چہرے پر کل مجھے پہلے ہوئے تھے۔ ایک آنکھ پر کالاشیپ چڑھا ہوا تھا۔ بغل میں بیساکھی دہی ہوئی تھی۔ قبیلہ نگہ نے بھی اپنی حدیہ خوب بدلا تھا۔ وہ آنکھوں آدمی ان کے ساتھ تھے جن کے سپرد اہم ذمے داریاں کی گئی تھیں۔ سرحد عبور کر کے جب وہ جگت نگہ کے علاقے میں داخل ہوئے تو ایک خاص جگہ انہیں روک لیا گیا۔ اچانک ہی سپاہیوں نے ٹیپے کے عقب سے یلغار کی تھی اور انہیں رک جانے کا اشارہ کیا تھا۔ سب رک گئے۔ بلیئر نگہ نے فوراً چاروں طرف نگاہ دوڑائی، اسے ٹیپوں پر مسلح سپاہی مستعد نظر آئے تھے۔

”ہوشیار، بھانک رہا ہے، ہوشیار۔“ قبیلہ نگہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ چار گھڑ سوار ان کے پاس پہنچ گئے۔

”آپ لوگوں کے پاس ہتھیار ہیں؟“

”ہاں ہیں، کیا بات ہے؟“ بلیرنگھ نے پوچھا۔

”آپ یہ ہتھیار ہمارے پاس چھوڑ دیں۔“

”کیوں؟“

”ٹھہ کر جگت نگھ کا حکم ہے۔“

”ہم ٹھہ کر ہیں اور ہتھیار ہمارا زیور ہوتے ہیں، ٹھہ کر جگت نگھ کو ہمارے ہتھیاروں سے کیا ڈر ہے؟“

”گرم میسے میں جانا چاہتے ہو تو ہمارے ہتھیار یہاں چھوڑ دو۔ ورنہ واپس چلے جاؤ۔ یہ زیور لے کر تم میسے میں ڈالنے نہیں چاہ رہے، میلہ دیکھنے آئے ہو جنگ کرنے نہیں۔ فوراً ہمارے ہتھیار ہاتھ دو۔“

بلیرنگھ نے ایک لمحے کے لئے سوچا پھر اپنی رائفل اتار کر سپاہی کے ہاتھ میں دے دی اس کے بعد دوسروں نے اس کی تقلید کی۔ پھر بلیرنگھ نے پوچھا۔

”کیا میسے میں آئے والے سارے لوگوں کے ساتھ بھی سلوک کیا گیا ہے؟“

”میسے میں، اگر کسی کے پاس ایک ہتھول بھی ہو تو اسے گرفتار کر کے سزا دی جائے گی۔“

”میسے کے اعلان میں قویہ نہ کہا گیا تھا۔“

”بہتم آگے جاسکتے ہو۔“ سپاہیوں نے کہا اور بلیرنگھ نے ہونٹ کاٹتے ہوئے گھوڑا آگے بڑھا دیا۔ اس جگہ سے کچھ دور آنے کے بعد وہ اپنا گھوڑا تیل نگھ کے گھوڑے کے برابر میں لے آیا۔

”میں نے آپ سے کہا تھا تاہم راج، سرکس والے بڑے شیطان لوگ ہیں ٹھہ کر جگت نگھ اتنے ہوشیار نہ تھے۔“

”بہتم برا ہو ہے بلیرنگھ، اس کا مطلب ہے کہ ہمارے آگے جانے والے سارے لوگ نہتے کر دیئے گئے ہوں گے اب کیا ہوگا، ہتھیاروں کے بغیر وہ ہماری خاک میں دھر کر رکھیں گے۔ بڑے بیوقوف لوگ تھے مگر ایسی بات بھی تو راستے ہی سے واپس آ کر ہمیں اطلاع تو دیتے ہیں کہ بہتم برا ہو کر رہ گیا۔“ تیل نگھ نے پریشان لہجے میں کہا۔

”کھیل بدلنا پڑے گا مہاراج، پورا کھیل بدلنا پڑے گا۔ اب تو پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ اور کیا کیا ہوا ہے۔ اس لوگوں کو حکم دے دیجئے کہ پرانی ہدایات منسوخ کی جاتی ہیں۔ عام لوگوں کی طرح میسے میں چائیں اور جب تک نیا حکم نہ ملے خاموشی سے میلہ دیکھیں۔“

”اس کے بعد کیا کرو گے؟“

”حالات دیکھ کر قدم اٹھانے پڑیں گے۔“

”واپس ہی کیوں نہ چلیں۔“

”ٹھا کروں گے پاؤں آگے بڑھتے ہیں مہ راج تو پیچھے نہیں ہٹے۔ اپنا کام تو ہم کر کے ہی جائیں گے۔ آپ چتا نہ کریں، بس کھیل نیا کھیتا پڑے گا جو سوچا ہے وہ تو ضرور ہوگا۔“

تیل سنگھ خاموش ہو گیا مگر اس بات سے وہ پریشان ہو گیا تھا۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ جگت سنگھ بے خبر نہیں ہے۔ لیکن اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا کچھ اور کیا جائے تو سپاہیوں کو شہر نہ ہو جائے لینے کے دینے پڑ جائیں گے یہ تو جگت سنگھ کا علاقہ ہے۔ وہ سب میلہ گاہ میں داخل ہو گئے، یہاں ان سب کی پھر سے تلاش ہوئی لیکن کسی کو کوئی اور شہ نہیں ہو سکا تھا۔ انہوں نے اپنے قیام کے لئے ایک جگہ پسند کر لی اور وہاں نیچے لگ گئے۔ تیل سنگھ بلیر ا کے ساتھ میلے کا جائزہ لے رہا تھا۔

”دیکھ رہے ہو بلیر سنگھ۔“ تیل سنگھ نے سرسراہٹ ہوئی آواز میں کہا۔

”دیکھ رہا ہوں مہ راج اور سوچ بھی رہا ہوں۔“

”کیا دیکھا تم نے؟“

”آپ ٹیڈس پر چڑھے ہوئے سپاہیوں کی بات کر رہے ہیں نا۔ ٹھا کرنے میلے کو چاروں طرف سے گھیرا ہوا ہے۔“

”بھی کہہ رہا تھا میں۔“

”ٹھا کر جگت سنگھ نے ان لوگوں کو خاص طور سے بلوایا ہے مہ راج۔ یہ چالاک لوگ ٹھا کر کو بڑے زبردست مشورے دے رہے ہیں۔ مگر کوئی بات نہیں ہم بھی مقابلہ کریں گے۔“

”خاک متا بلہ کرو گے، ہتھیاروں کی جگہ ایک کسل بھی نہیں چھوڑی مٹی جا رہے پاس، کچھ کریں گے تو بے موت رہے جائیں گے میرا خیال ہے کچھ رور خاموشی سے میلے میں گزارو پھر وہاں چلو، اسی میں بچت ہے۔“

”آپ بہت دادر ہے ہیں مہ راج۔“

”تم خود سوچو بلیر سنگھ، ہتھیاروں کے بغیر ہم کیا کر سکتے ہیں۔“

”ہتھیار مل جائیں تو؟“ بلیر سنگھ نے کہا۔

”کیا مطلب؟“

”ٹھا کرنے میں ہمارے آئے والوں کے ہتھیار لئے ہیں مگر اندر تو ہتھیار ہوں گے۔ ٹھا کر کا اپنا سلحہ خانہ تو ہے نا۔ وہ ہتھیار ہمارے پاس آ جائیں گے۔ پتیل نگہ بہاراج۔ ذرا دھیرج رکھیں بہت نہ ہاریں۔“

”وہ کیسے ہمارے پاس آ جائیں گے۔“

”کیوں بہاراج ہمارے ہاتھ پاؤں بھی لئے گئے کیا ٹھا کرنے۔ یہ کھیل بلہر نگہ کا ہے پتیل نگہ بہاراج کھیلنے دیں مجھے، کھیلنے دیں۔“

”ہوشیاری سے کام کرنا بلہر، ہوشیاری ہے۔“ پتیل نگہ نے تشویش بھرے سچے میں کہا اور اپنے خیمے میں چل گیا۔ بلہر نگہ بیباکی کے سہارے چلتا ہوا اپنے خیمے میں آ گیا۔ پورن نگہ یہاں موجود تھا۔

”دھت جیرے ٹھا کر پتیل نگہ کی۔ یہ پتیل تو اس کا حکمران ہے۔ جان نکل رہی ہے سرے کی۔ سنا پورن نگہ جا نکل رہی ہے ٹھا کر پتیل نگہ کی۔“

”بھئی سے نکھنا شروع ہو گئی بہاراج۔“ پورن نگہ نے کہا اور بلہر نگہ ہنس پڑا۔

”ہاں موت نظر آنے لگی ہے اسے۔ موت نے اس پر سایہ کر لیا ہے۔ مگر پورن نگہ ہارت تو ہے، ہتھیار نہیں ہوں گے تو کسی مشکل موقع پر ہم اپنا چار نہیں کر سکیں گے۔ ہتھیار تو ہمارے لئے بھی ضروری ہیں ویسے ان سسروں نے ہندوستان بہت چھانکھا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ٹھا کر حرکت نگہ نے کسی کے مشورے سے ہی سہی کام بہت چوکھا کیا ہے، پورن نگہ باقی لوگوں کا کتھ ہو یا نہ ہو ہمیں اپنے کام کے لئے ہتھیار ضرور چاہئیں اور میرے جو آدمی میلے میں آ گئے ہیں ان کے لئے بھی ہتھیار حاصل کرنا ضروری ہوگا۔ اس سلسلے میں کیا کیا جائے درایہ سوچو۔“ پورن نگہ چند کلمات خاموش رہا۔ پھر مستعدی سے بولا۔

”یہ کام ہم پر چھوڑ دیں بہاراج جب اتنا بڑا کام کرتا ہے تو یہ کام تو بہت چھوٹا ہے۔“

”کیا کرو گے یہ تھاؤ کیا کرو گے؟“

”بہاراج اپنے سے ہتھیار حاصل کرنا اتنا زیادہ مشکل نہیں ہوگا جیسا موجودہ بیوں کے ہتھیار بھی تو چرائے جاسکتے ہیں۔ کم از کم فوری طور پر مجھے اور آپ کو مسخ ہونا چاہئے، اس کے علاوہ میں کوشش کروں گا کہ ٹھا کر حرکت نگہ کے سلحہ خانہ کا پتہ لگاؤں کوئی تو ایسی جگہ ہوگی جہاں بہاراج، سلحہ موجود ہو۔“ بلہر نگہ نے گردن ہلائی اور بولا۔

”ہاں ابھی میرا خیال ہے ہمیں اسلحہ ملنا چاہئے فوراً ملنا چاہئے۔“

”تو پھر مجھے دھارت دیں مہاراج میں اسلحہ تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔“

”ہوشیار رہنا پورن سنگھ اس وقت تم میرے ہاتھ بنے ہوئے ہو، تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچنا چاہیے۔“

”مہاراج بیہر سنگھ کے ہاتھ استے کنز درمیں ہو سکتے کہ کسی طرح نقصان اٹھ جائیں آپ بالکل چھتا نہ کریں یہ میری ذمہ داری ہے اور میں ہوشیار ہوں گا۔“ بلیمبر سنگھ نے پرسرت انداز میں پورن سنگھ کو دیکھا اور بولا۔

”پورن سنگھ اساتھیں ہی کے بل پر بڑی بڑی حکومتیں قائم ہوئی ہیں کھیل صرف اتنا سادہ ہے کہ ہم کوئی بڑا ہنگامہ نہیں کریں گے۔ میں جو تم سے کہہ چکا ہوں وہی کر دکھاؤں گا تہیں سنگھ میرے حساب میں ہے اور نیکت سنگھ تمہارے حساب میں باقی رہ گیا، خد م شاہ تو اس کا تو میں جو حال کروں گا وہ دیکھنے کے قابل نہ ہوگا میرا سا راپر وگرام جو کا توں ہے لیکن بس ہتھیار نہ ہونے کی وجہ سے ہمیں ذرا زیادہ ہوشیاری سے کام کرنا ہوگا۔“

”میری رائے ہے مہاراج کہ ابھی آپ تیل سنگھ مہاراج کو رندہ رہنے دیں اور سرکس والے پر بھی ہاتھ نہ ڈالیں پہلے ایک کام ہو جانا چاہئے اس کے بعد ہم باقی دوسرے کام کریں گے، ٹھا کر نیکت سنگھ کی موت سب سے پہلے ضروری ہے کیونکہ اس کے بعد جو ذرا تقری پھیلے گی اسے سنبھالنے والا کوئی نہیں ہوگا اور یہی ہمارے لئے کام کی بات ہو سکتی ہے۔“

بلیمبر سنگھ نے ایک ہلکا سا ہتھیر لگا دیا اور بولا۔ ”تو بھی بڑا ہی معلوم ہوتا ہے پورن سنگھ حالی سپاہی نہیں ہے تو جس کے پاس دماغ ہو وہ خانی سپاہی نہیں ہوتا اور تو خانی سپاہی ہے کیا دیوان ہے یا نگر کا سمجھا، یا نگر کا دیوان ہے تو ٹھا کر بیہر سنگھ کا خاص آدمی، چاڈ پورن سنگھ، ہوشیاری سے اپنا کام کر و جلد باری کی ضرورت نہیں ہے، ابھی تو میرے کے رنگ بھی دیکھنے ہیں بس اپنے آپ کو ذرا محفوظ رکھنا۔“

”آپ بالکل اطمینان رکھیں مہاراج چورن سنگھ دب و تھاکا کچا بھی نہیں ثابت ہوگا۔“ بلیمبر سنگھ نے گردن ہلا دی تھی۔ مگر پورن سنگھ بیہر سے اپنا زتلے کر چلا گیا ”اور خود بلیمبر سنگھ میرے کا ایک چکر لگانے کی تیاریاں کرنے لگا۔ وہ اپنے آپ کو بھولنے کی کوشش کرتا تھا لیکن جب دیکھا کہ اسے نخل میں لگانا پڑتی تو اس کا دل و دماغ سنگ اٹھتا تھا۔ غلام شاہ کی وجہ سے یہ سب کچھ ہوا تھا غلام شاہ کی وجہ سے وہ اپنے ایک پاؤں سے محروم ہو گیا تھا اور اس بات کو وہ نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ پورن سنگھ تو چلا گیا اور اس کے بعد وہ خود بھی تیار ہو کر باہر نکل آیا۔ میدان گاہ کا ایک چکر لگانے میں اس کی حالت خراب ہو گئی تھی لیکن جو کچھ اس نے معلوم کیا تھا وہ بھی بہت دیر پہلے ہی میں سورج گرہ کے ساتھ اوٹوگ موجود تھے۔ مختلف لوگوں سے ان کے بارے میں بیہر سنگھ کو تمام تفصیلات معلوم ہوئی تھیں بہت دیر تک وہ ادھر ادھر چکر لگاتا رہا اور اس کے بعد واپس تیل سنگھ کے پاس آ گیا، تیل سنگھ پر چھانے کیا مصیبت طاری ہو گئی تھی۔ وہ مسلسل اپنے خیمے میں کھسا ہوا تھا۔ بلیمبر سنگھ کو کچھ کر اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

”کہہ ملیر کیا خبر لائے؟“

”بڑی عجیب خبریں ہیں مہاراج لگتا ہے آپ اپنے خیمے سے باہر ہی نہیں نکلے۔“

”سوچ میں ڈوہو ہوں ملیر سنگھ غور کر رہا ہوں کہ آگے کیا ہونا چاہئے۔“

”کچھ زیادہ ہی پریشانی آپ نے خود پر لا دی ہے مہاراج حارۃً۔“ نگہ اس کی ضرورت نہیں ہے اب تھ کر جگت سنگھ نے جو کچھ کیا ہے آپ کو اس کے بارے میں بالکل نہیں معلوم ہوگا۔ سورج گڑھ اور مہاراج راؤن سنگھ کی ساری حکومت کی آبادیاں سمٹ کر میسے میں آگئی ہیں اور تھ کر جگت سنگھ نے نہیں جگہ جگہ آباد کر دیا ہے۔ نیا نگر کے تھ کر ان کی خبر گیری کر رہے ہیں خوراک، کپڑا اور تمام چیزیں انہیں دے رہے ہیں ذرا مل کر تو دیکھیں مہاراج، میں تو ننگڑ ہونے کے باوجود ساری خبریں لے آیا ہوں۔“

”کیا کہہ رہے ہو ملیر سنگھ؟“

”ہاں مہاراج جو کچھ مجھے معلوم ہوا ہے وہ بڑا اٹوٹھا ہے اور اس مسئلے میں دور تک کی خبریں لا سکتا ہوں تھ کر جگت سنگھ نے جو کچھ کیا ہے مہاراج وہ معمولی کام نہیں ہے۔“ راجہ کے بارے میں یہ بات کہوں گا کہ تھ کر جگت سنگھ اتنا دماغ والا کبھی نہیں تھا یہ سب انہی کتوں کا کھیل ہے جنہیں تھ کر جگت سنگھ نے نیا نگر میں بنایا ہے، میدان نہ ہوتا مہاراج ان حالات میں میدان بھی نہ ہوتا، میں حیرت سے یہ بات کہی بار سوچ چکا ہوں کہ ان حارۃً کو جاننے کے باوجود آخر تھ کر جگت سنگھ نے میدان کیوں نکال دیا لیکن پھر چلتا ہے کہ اس بار یہ میدان جو لگا ہے وہ بہت سی کہانیاں اپنے ساتھ لے کر آیا ہے اور اپنے ساتھ لے جائے گا۔ سرحدیں کھول دی گئی ہیں اور سورج گڑھ اور قبیلہ لو اس کے، دمیوں کو کھل دعوت دے دی گئی ہے کہ وہ نیا نگر میں آجائیں اور یہاں تھ کر جگت سنگھ کو پٹی کہتیاں سنائیں۔ چنانچہ یہی ہو، آجائیں کی آجائیں یہاں آ کر آباد ہو گئی ہیں اور یہ کام آسان ہو گیا ہے مہاراج تھ کر جگت سنگھ، سورج گڑھ میں اپنی فوجیں داخل کر دیں، مہاراج راؤن سنگھ ان کے قبضے میں ہیں اور قبیلہ لو اس سے ابھی مقابلے کے بارے میں سوچا نہیں جاسکتا، ہو سکتا ہے تھ کر جگت سنگھ یہ سوچ رہے ہوں گے کہ پہلے سورج گڑھ پر قابو پالیں اور اس کے بعد قبیلہ لو اس کا رخ کریں۔“

”بھپ، پھر پھر کیا ہوگا، ملیر سنگھ؟“ قبیلہ سنگھ نے خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

”رے کچھ نہیں ہوگا مہاراج سارے کام اسی طرح ہوں گے جس طرح ہم نے چاہے ہیں بس آپ ہمیں سنگھ پر بھروسہ رکھیں، ملیر سنگھ نے کھیل شروع کر دیا ہے۔“ قبیلہ سنگھ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ملیر سنگھ دیر تک اس سے اس موضوع پر گفتگو کرتا رہا اور اس کے بعد خیمے سے باہر نکل آیا۔ قبیلہ سنگھ دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر بیٹھ گیا تھا۔

پورن نگہ کی واہمی ساری رات نہیں ہوئی تھی بلکہ نگہ دیر تک اس کا نظار کرتا رہا اور اس کے بعد آرام کرنے لیٹ گیا تھا۔ پھر وہ نئی تمام باتوں کے بارے میں سوچتے سوچتے سو گیا پورن نگہ دوسری صبح وہیں آیا جب بلکہ نگہ کو یہ پتہ چلا کہ پورن نگہ ساری رات غائب رہا ہے تو وہ پریشان ہو گیا تھا لیکن صبح کو پورن نگہ واپس آیا تو اس نے سکون کا گہرا سانس لیا۔ پورن نگہ اس کے خیمے میں آ گیا تھا۔

”ساری رات کہاں غائب رہے تم؟“ بلکہ نگہ نے پوچھا اور پورن نگہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

”مہاراج نے جو ذمے داری میرے سپرد کی تھی اسے پوری نہ کرتا کیا، مگر تھوڑی سی کسر رہ گئی۔“

”کیا؟“ بلکہ نگہ نے پوچھا اور پورن نگہ نے دو ہستوں نکال کر بلکہ نگہ کے سامنے رکھ دیے۔

”ارے واہ تم اپنا کام کر کے آئے ہو۔“

”ہاں مہاراج لیکن ابھی ادھورا ہے۔“

”کیا مطلب؟“

”ہستوں میں مجھے گویا نہیں ہیں ان میں۔“

”وہ گویا یہ خالی ہیں۔“

”ہاں مہاراج لیکن لیکن جو کچھ کر کے آئے ہوں وہ میں گے تو خوشی سے اچھل پڑیں گے۔“

”کیا کر کے آئے ہو؟“

”مہاراج اسٹیو پر جگت نگہ کے فوجی ڈلے ہوئے ہیں اور میے میں چاروں طرف نگاہیں رکھتے ہیں ان فوجیوں کے پاس اسلحہ موجود ہے اور یہ ہتلول بھی، ایسے ہی دو فوجیوں کے ہیں لیکن میں نے ایک ایسا غارت گشت کیا ہے جہاں اس لوگوں کا اسلحہ بھرا ہوا ہے۔“

”واہ کیا اس اسلحے کا حصول آسان ہوگا۔“

”اب تھا آسان تو نہیں مہاراج لیکن اگر اس میں سے تھوڑا تھوڑا ہم لوگ حاصل کرتے رہے تو خاموشی سے ہمارے پاس کافی اسلحہ جمع ہو جائے گا۔“

”وہ غارت گشت کس طرف ہے۔“

”یہ جو سامنے کے ٹیپے ہیں ہاں مہاراج جو ہمارے ٹیپے کے بالکل سامنے پڑتے ہیں ان کے پیچھے غاروں کا ایک وسیع سلسلہ ہے انہی میں سے ایک

غار میں یہ اسلحہ موجود ہے۔“

”پھرے دار بھی ہوتے ہوں گے وہاں؟“

”کیوں نہیں مہاراج پھرے دار نہ ہوں گے اسلحہ خانے پر۔“

”تو پھر ہم اسے کیسے حاصل کریں گے۔“

”مہاراج کی نگاہیں بہت تیز ہیں، مہاراج صحیح طور پر فیصلہ کر سکیں گے، میرا خیال ہے ایک نگاہ آپ بھی دن غاروں کو دیکھ میں اس کے بعد کوئی فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ ہم وہاں سے اسلحہ کیسے نکالیں، نگاہ رہے وہاں پر حملہ کرنا تو مناسب نہیں ہوگا کیونکہ ہمارے پاس زیادہ آدمی بھی نہیں ہیں اور پھر سارے کے سارے نچتے ہیں۔“

”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا مگر تم مجھے اسلحہ نہ دکھا دو۔“

”یہ کام رات ہی کو ہو سکتا ہے مہاراج۔“

”ہوں بہت بڑا کام بن جائے گا پورن سنگھ اسلحہ نہ ہونے سے میں تو پریشان ہو گیا ہوں کم از کم میرے آدمیوں کے پاس اسلحہ ہونا چاہئے۔“

”میرا خیال ہے مہاراج آج رات کو ہم یہ کام کر لیں گے۔“ پورن سنگھ نے کہا اور پھر سنگھ پر خیر انداز میں گردن ہلانے لگا پھر اس نے کہا۔

”اس کے بارے میں مہاراج قیبل سنگھ کو نہیں بتایا جائے گا، اسلحہ خاموشی سے ہم اپنے آدمیوں کو دے دیں گے۔ وہ بھی اس لئے کہ اگر ہم پر کوئی مشکمل آئے تو وہ اسے استعمال کریں۔ تم رات کو وہ غار مجھے دکھا دو۔ پورن اس کے بعد ہم کوئی صحیح فیصلہ کریں گے۔“

”میں تیار ہوں مہاراج۔“ پورن نے کہا۔

رات کو دونوں تیار ہو گئے۔ پہلے کی رات حردیج پر تھی۔ سرکس کا شو چاری ہو چکا تھا اور دوسرے کھیل تماشے بھی ہو رہے تھے۔ پورن سنگھ کہیں سے ایک فخر چڑھ رہا تھا۔ اس نے بلیمیر سنگھ سے کہا۔

”یہ آپ کے لئے ہے مہاراج۔“

”کیوں، گھوڑے بھی استعمال کئے جاسکتے ہیں۔“

”خاروں کے قریب گھڑسواروں کو دیکھ کر کوئی بھی ٹھہرے گا۔“

”تو جہاں بھی چلے گا، وہاں بھی چلے گا۔“

”مگر ہم بیدل بھی جاسکتے تھے۔“

”مگر فاصلہ ہے ہمارا راج کو یہاں تک کے ساتھ چلے ہوئے تکلیف ہوتی، اس لئے میں نے اس کا بندوبست کیا ہے۔“

بلیر سنگھ ٹھہر کر سوار ہو گیا۔ ایک بار پھر اسے اپنی سبے بے کسی کے خیال نے گھیر لیا تھا۔ پورن سنگھ ٹھہر کر لگا میں تھا، اسے آگے بڑھے لگا۔ بلیر سنگھ سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ بہت سے خیالات تھے اس کے دل میں۔ پھر اس نے پورن سنگھ کے بارے میں سوچا۔ پورن سنگھ کی شکل میں اسے ایک بہترین ساتھی ملا تھا یہ ڈچن بھی تھا اور وفادار بھی۔ اس کے لئے بہت کچھ کرنا ہوگا۔ وہ میدان گاہ سے بہت دور نکل آئے۔ آہادیوں کے سلسلے سے الگ ہٹ کر خاروں، درختوں کا ایک وسیع سلسلہ پھیلا ہوا تھا پورن سنگھ کا رخ سی طرف تھا۔ ہالا خروہ ایک عمارت کے پاس پہنچ کر رک گیا۔

”یہی ہے وہ جگہ؟“

”ہاں ہمارا راج۔“

”مگر یہاں تو فوجی نظر نہیں آ رہے۔“

”وہ ٹھیک کرتے رہتے ہیں۔“

”اسلحہ کہاں ہے؟“

”اس عمارت میں ہمارا راج۔“ پورن سنگھ نے کہا اور سہارا دے کر بلیر سنگھ کو نیچے اتار دیا، روشنی کے لئے موسم بقی ساتھ لے کر گئی تھی۔ بلیر سنگھ بہ آہستگی ہراساں لگا تا ہوا عمارت کے دہانے کی طرف بڑھ گیا۔ اس کی توجہ عمارت کے دہانے کی طرف تھی اس لئے وہ پورن سنگھ کی ایک مشکوک کارروائی کو نہ دیکھ سکا تھا۔ پورن سنگھ نے یہاں ہوشیاری سے پتھر کا ایک بڑا ٹکڑا ہاتھ میں تھا، ہاتھ میں دھڑلے سے دھڑلے ہو گئے۔

”روشنی کرو پورن۔“ بلیر سنگھ نے کہا، پورن نے موسم بقی بلیر سنگھ کے ہاتھ میں تھا، وہی پھر چس جلا کر سے روش کر دیا۔ عمارت میں مدھم مدھم روشنی پھیل گئی تھی۔ بلیر سنگھ میں بلیر سنگھ کے ایک گوشے میں لوہے کا ایک صندوق دیکھا بھی وہ کچھ پوچھنے کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ باہر ایک دروازہ آہٹ ستائی دی اور وہ اٹھل پڑا۔ پورن نے پھرتی سے چھٹا ہار کر موسم بقی بچا، وہی تھی بلیر سنگھ نے سرگوشی میں کہا۔

”یہ آواز؟“

”دیکھتا ہوں مہاراج۔“ پورن نے کہا اور قمار کے دہانے سے باہر نکل گیا حالانکہ آوار پتھر کے اس ٹکڑے کی تھی جو پورن کے ہاتھ میں دیا ہوا تھا اور جسے اس نے بڑی ہوشیاری سے ہا ہر چھل دیا تھا۔ وہ باہر گیا اور پھر اسی پھرتی سے اندر واپس آ گیا۔

”چارپائی ہیں مہاراج جو اسی طرف آ رہے ہیں۔“ اس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

”اوہ! آپ پورن! آپ۔“ بلیمبرنگھ متوجہ لہجے میں بولا۔

”باہر نکلتا خطرناک ہوگا اور پھر آپ تیز بھاگ بھی نہیں سکتے۔ خطرہ سر پر آ گیا ہے کچھ کچھ۔“ پورن رکا اور پھر کسی خیال کے تحت اس صندوق کی طرف پکا جسے وہ روشنی میں دیکھ چکا تھا۔ اندھیرے کی وجہ سے بلیمبرنگھ پورن کی کارروائی نہ دیکھ سکا۔ پھر چند لمحوں کے بعد اسے پورن کی آواز سنائی دی۔

”ادھر مہاراج، ادھر۔“

”جلدی ادھر آ جائیے مہاراج۔“

”مجھے اندھیرے کی وجہ سے اندازہ نہیں جو رہا پورن سنگھ۔“ بلیمبرنگھ کی بھرائی ہوئی آواز ابھری اور پورن سنگھ نے آگے بڑھ کر کہا۔

”یہ صندوق خالی ہے، جلدی مہاراج جلدی، جلدی اور بلیمبرنگھ اس کا سہارا لے کر خالی صندوق میں داخل ہو گیا۔ صندوق کشادہ تھا۔ وہ چہ آسانی اس میں سما گیا اور پورن سنگھ نے اس کا درنی ڈھکن بند کر دیا۔ پھر اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر تالا نکالا اور صندوق کے کنڈے میں ڈال کر اسے بند کر دیا۔ پھر اس نے پرمسرت انداز میں چابی کو چوما اور اسے اطمینان سے جیب میں ڈال لیا۔



صندوق میں بلیمبرنگھ دم سادھے پڑا ہوا تھا۔ اس کے کان آہٹوں پر لگے ہوئے تھے ورنہ اس خوفناک تجربے کا ربا تھا۔ یہاں اس کے ساتھی بھی نہیں ہیں۔ چار پورن سنگھ تھا کیا کرے گا۔ اگر زیادہ لوگ آگئے اور انہیں شبہ ہو گیا تو کیا ہوگا۔ یہ سوچ کر اس کا دم نکل چلا ہوا تھا۔ ویسے اندرونی طور پر وہ ایسی کا شکار ہو گیا تھا۔ وہ نیا نگر کا پرانا ہاسی تھا بچپن ہی سے بدکاریوں کا شکار، راہوں اور پیتل اس کے بچپن کے ساتھی تھے پیتل سنگھ کی نسبت راہوں سے زیادہ دوستی تھی۔ نیا نگر کا حکمران جگت سنگھ بھی اس کے بزرگوں میں تھا اور اس کے ساتھ مہربانی کا سلوک کرتا تھا، نیا نگر کے حالات بدلتے گئے۔ وہ نیا نگر کے کچھ لوگوں کے ساتھ بیرونی دنیا میں نکل گیا اور پھر ڈاکو بن گیا۔ ڈاکے ڈالنا اس کے اس نے کافی دوست کشمی کی اور اسے خوب گواہ کیا۔ پھر سرکس والوں کے ہاتھوں سے اس ہو کر گرفتار ہو گیا۔ نقل و حرکت ختم شد۔ اس نے کہا کہ وہ اس سے انتقام لے گا مگر مہربانی پانے کے بعد اس کے دل میں کسی تلوار نہیں رہی اور وہ نیا نگر واپس آ گیا۔ یہاں راہوں اور پیتل اپنی راج دھانیاں بنا چکے تھے اور راج کر رہے تھے۔ وہ راہوں سنگھ کے پاس پہنچ گیا

اور دوست نے دوست کو خوش آمدید کہا۔ پھر نگلہ کو یہاں بہت مراعات ملیں ورنہ پیش سے ہر کرنے کا بلکہ سورج گڑبھ دانوں کی مصیبت میں اس کی وجہ سے اور اضافہ ہی ہو گیا تھا۔ وہ سنگدہ اور بے رحم انسان تھا۔ راون نگلہ کو اس نے بہت سے خالنامہ مشورے دیئے اور اس کے سارے معاملات میں شریک ہو گیا، پھر اسے سرکس کے نیا نگر آنے کی اطلاع ملی اور اس کے دل میں انتقام کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ مگر غلام شاہ اس کے لئے ٹیڑھی کھیر ثابت ہوا اور اس نے ساری تدبیریں الٹی کر دیں، نہ صرف یہ بلکہ راون نگلہ بھی انہی سرکس دانوں کی وجہ سے جگت نگلہ کا شکار ہو گیا۔ پھر اس نے غلام شاہ کو ہلاک کرنے کا پروگرام بنایا اور نتیجے میں نہ صرف ناکام ہوا بلکہ اپنی ایک ٹانگ سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔ پانچ ہونے کے بعد اس پر بے بسی طاری ہو گئی اور اسی احساس نے اس کے دل میں بہت سے تصورات چٹکا دیئے اس نے خود غرضی سے سوچا کہ راون، ہسپتال اور جگت نگلہ کو رات سے بٹھا کر کیوں نہ نیا نگر کی حکومت پر ہاتھ ڈال دے۔ اس سلسلے میں اس نے بہت سے منصوبے بنائے تھے اور ان پر عمل کر رہا تھا، مگر ہر عمل میں اسے ناکامی کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ اس وقت بھی یہاں آ کر وہ مصیبت کا شکار ہو گیا تھا اور اب کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ صندوق میں ادھری جھے میں دو چھوٹے چھوٹے سوراخ تھے جن سے ہو آ رہی تھی ورنہ دم ہی گھٹ گیا ہوتا یہ سوراخ یہے لگتے تھے جیسے جان بوجھ کر کئے گئے ہوں۔ باہر غار میں خاموشی چھٹی ہوئی تھی۔ پھر اچانک اسے آٹھیں سنائی دیں یوں لگا جیسے کئی آدمی غار میں گھس آئے ہوں پھر ایک آواز ابھری۔

”کوئی نہیں ہے مہاراج۔ آپ کو ضرور دھوکا ہوا ہے۔“

”پھر وہ شجر کس کا ہے؟“ یہ دوسری آواز تھی۔

”ہو سکتا ہے کسی کا چھوٹ کر بھاگ آیا ہو۔“ پہلی آواز نے کہا۔

”ہاں ہو سکتا ہے میں نے ہی کو دیکھا ہو۔ مجھے بھی ایسا ہی شبہ ہو تھا۔ جیسے یہاں کچھ ہو، اس صندوق کو یہاں کیوں ڈال رکھا ہے اسے یہاں سے ہٹاؤ۔“

”خالی پڑا ہے مہاراج۔“

”اسے اسٹو خانے میں رکھوا دو۔“

”جو آ گیا مگر وزنی بہت ہے۔“

”اس ٹیڑھی پر رکھ کر لے جاؤ۔ میں چلتا ہوں۔“

”ٹھیک ہے مہاراج۔“ پھر نگلہ کے اوسان حصار ہو رہے تھے۔ باہر کی ساری گفتگو وہ سن رہا تھا مگر اس کے فرشتے بھی نہ سوچ سکتے تھے کہ یہ ساری کارستانی پورن نگلہ کی ہے اسی نے باہر ایسی آٹھیں پیدا کی تھیں جیسے چند لوگ غار میں داخل ہوئے ہوں اور پھر وہ مختلف آوازیں بھی اسی کے منہ سے

فکلی تھیں۔ حالانکہ دو در در بینک کسی کا وجود نہیں تھا۔ اس گفتگو کے بعد اس نے اطمینان سے صندوق کو گھسیٹنا شروع کر دیا اور غار سے باہر نکال لایا۔ بلبلہ
 نگہ تو زور سے سانس بھی نہیں لے رہا تھا۔ پورن نگہ نے بڑی مشکل سے صندوق فخر کی پشت پر لا دیا اور اسے رسیدوں سے کس کر فخر کی لگام پکڑ کر چلے
 لگا۔ اس کا رخ میدان گاہ کی طرف تھا اور پھر نگہ سوچ رہا تھا کہ لمبی ہی مصیبت آ پڑی ہے۔ اب تو اس کے پاس ہاتھ پاؤں ہلانے کی گنجائش بھی نہیں
 تھی۔ بس ایک اُمید تھی کہ پورن نگہ ان حالات سے ناواقف نہ ہوگا وہ ضرور اس کا پیچھا کر رہا ہوگا۔ پھر اسلحہ خانے کا تذکرہ بھی ہو تھا۔ وہاں جا کر
 کام ضرور بن سکتا ہے۔ اس اُمید پر اس نے خود کو سنبھالے رکھا تھا۔ مگر جوں جوں فخر آگے بڑھ رہا تھا اس کی جان نکلتی جا رہی تھی۔ اسے محسوس ہو رہا
 تھا جیسے فخر کا رخ میلہ گاہ کی طرف ہو وہاں کی آوازیں بے صاف سنائی دے رہی تھیں۔ اس طرف اسلحہ خانہ کہاں سے آیا؟ پھر اچانک اس کی جان
 نکل گئی اسے وہ نیچے یاد آئے جس پر فوجی فردکش تھے۔ اگر اسلحہ خانہ وہاں ہے تو پھر پچھا مشکل ہے۔ پھر تو یہاں سے لکھنا ہی ناممکن ہو جائے گا۔ بہت
 برا وقت آ پڑا تھا۔ بلبلہ نگہ پر۔ آواز لگاں سکتا تھا نہ جنبش کر سکتا تھا۔ مصیبت وقت سے پہلے آ جاتی۔ اسی عالم میں یہ جان لیوا سفر جاری تھا۔ اس کی سیر
 کیفیت تھی مگر پورن نگہ آرام سے فخر کی لگام پکڑے آگے بڑھ رہا تھا۔ وہ میلہ گاہ میں داخل ہو گیا۔ سرکس جاری تھا اور غلام شاہ پنڈلی میں ہی تھا۔
 لیکن سرکس کی نگہداشت میں کوئی کی نہیں تھی۔ فوراً ہی دو مسیح افرو پورن نگہ کے سر پر پھینک دیے۔

”سے کون ہو تم، کہاں سے منہ اٹھائے گھیسے آ رہے ہو؟“ ان میں سے ایک نے کڑھتے لہجے میں کہا۔

”گلام ساسے منہ ہے ہکا۔“ پورن نگہ نے کہا۔

”کون ہو تم؟“

”جناور لگیں ہو تو کا بھائی، مارے آدمی کے بچے رہیں۔“ پورن نگہ بکڑ کر بولا۔

”اس صندوق میں کیا ہے۔“

”نہ دیکھو رہیں تم سب کے لئے، مارے بات پر بات کر رہے جا رہے ہو جا کر گلام سا کو بولو ادا کا بھیج دو آئے رہے۔“ پورن نگہ نے غلام شاہ کی
 زبان پر لٹے ہوئے کہا۔

”صندوق کھول کر دیکھو اس میں کیا ہے۔“

”تاہم بھائی مارمولہ کسم ای تاکری ہے۔ ساراں گلام سا کا ہے ادا کا دئی ہے پچا ہے کچھ ہو جتی ہے۔“ یہی رد و تہج ہو رہی تھی کہ گلاب خان دھڑا نکلا۔

”کیا بات ہے۔ کیا ہو رہا ہے یہ؟“

”رے بھائی، جے جراسیکھ کو بول دے اوکا بھتیو آئی رہے اوکا سامان لائی ہے دودئی منٹ کے لئے ہم سے مل لے۔“

”شیخا کا بھتیو۔“ گلاب خاں حیرت سے پورن سنگھ کو دیکھتا ہو پولا پھر اس نے صندوق کو دیکھا اور اس نے بھی وہی سوال کیا۔ اس پر پورن سنگھ نے ناراض ہو کر کہا۔

”ای سیکھ کا سرکس ناگت کوئی پولیس اڈہ مطوم ہوت ہے، دیکھ بھائی ہم واپس چلے جات رہیں پھر تم لوگ جاتو اور سیکھ۔“

”تم لوگ دسے ہستول کی رد پر رکھو میں شیخا کو اطلاع دیتا ہوں۔ خیال رکھنا۔“ اور پھر گلاب خاں تیزی سے چلا ہوا غلام شاہ کے پاس پہنچ گیا۔ اکبر شاہ اور ایار بھی وہاں موجود تھے، گلاب خاں نے صورت حال بتائی تو اکبر شاہ مہمل پڑا۔

”خبر دے کوئی سازش ہے شیخا، میں دیکھتا ہوں۔“

”رے رک حرم کھور، تے ہی دیکھے گا جس، ہم چل رہے ہیں۔“ غلام شاہ نے ہنر کر کہا۔ اور اکبر شاہ صاف نہیں کر رہ گیا۔ گلاب خاں نے کہا۔

”میں ہوشیار رہتا ہوگا شیخا، صندوق میں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔“

”آؤ دیکھیں گا ہے۔“ غلام شاہ ڈمبل چیز دھکیلتا ہوا باہر نکل آیا۔ اکبر شاہ، گلاب خاں اور ایار اس کے ساتھ تھے، اکبر شاہ نے ہستول نکال لیا تھا۔ دونوں محافظ پورن سنگھ پر دستوب تائے کھڑے تھے۔ پورن سنگھ نے غلام شاہ کو دیکھتے ہی کہا۔

”رے واہ رے سیکھ۔ جے نے سارے ریت رواج بدل دیئے گا، کی سر ہتھیر سنچال کھڑے رہے ہم پر۔“

غلام شاہ کی آنکھیں پھیل گئیں۔ وہ بھئی بھئی آنکھوں سے پورن سنگھ کو دیکھنے لگا۔ پھر اس کے ہونٹوں سے بڑبڑاہٹ نکلی۔

”ارے رے سر وا، ہمارا نکل اتار رہے ہے۔“ پھر اس نے کڑی اور آگے بڑھائی اور بولا۔ ”کون ہے رے تے بھائی؟“

”بھتیو اکہ دے، سیکھ بھائی کہہ دے تو ہمارا پاس آئی ہے جے تیرا من چاہے کہہ دے۔“

”کہاں سے آئی رہے تے بھائی؟“

”بڑا الپا بھر ملے کڑی ہے ای کس ماں تو ہمارا سامان رہے۔“

”گا ہے اس میں؟“

”ستو ہیں جواری کے، گڑکی بھیپاں ہیں، چنے کی گھونگھیاں ہیں اورے بھائی اندر تو بے جلو ہکا۔“

”رے تو ہمارا حرام کھور کی، ارے تے بھائی۔ چلو رے صندوق اتار لو۔“

”سے ہمیں کھوا کر دیکھو شیطان“ اکبر شاہ نے کہا۔

”ناکھولی ہے ادھر دیکھ، سولا کسم ناکھولی ہے دھرتی ہار کام کی چیخ نہ ہو تو کہہ دے اپنے اس نانا ماہوں سے گوئی مار دیں ہمیں اور کا کہت سکتے۔“ پورن سنگھ نے کہا۔

”ارے ہاں کسم، سرہاری جین بڑے ہے، ارے کا بڑھیا لگے ہے رہے۔“ غلام شاہ نے حیرت اور خوشی کے طے چلے انداز میں کہا: ”اکبر شاہ سے بوند۔“ ”جسٹا نارو بھائی۔“ بہر حال تمام لوگوں سے مل کر بکس تار تھا اور پھر اسے غلام شاہ کے خیمے میں لے گئے تھے۔ پورن سنگھ بھی ساتھ تھا۔ بلکہ اکبر شاہ خاص طور سے اس کے عقب میں رہا تھا۔ صندوق غلام شاہ کے خیمے میں رکھ دیا گیا اور پورن سنگھ بولا۔

”اسکیلے ماں کھولو ای کا سیکھا۔“

”کا ہے۔“

”ڈرت رہو کا؟“ پورن سنگھ نے کہا۔

”ہائی بھائی ڈرت رہیں اور بول؟“

”ب کا بولیں تو ہمارے جی۔“ پورن سنگھ نے خندنی سانس لے کر کہا اور چابی غلام شاہ کو پیش کر دی۔

”خیمیں، تم خود اسے کھولو گے۔“ اکبر شاہ غرا کر بولا۔

”ای ہتول کا کھلونا رہے بھائی رے، ارے بھیا بہت سارے رہو تم، اتے کا ہے ڈرو۔“ پورن سنگھ نے کہا۔

”ارے لارے کئی، ہات بتائے رہے نہ دھرو۔“ غلام شاہ کو طرارہ آ گیا اور پھر اس نے بکس کا تار کھول کر ڈھلکا ٹھا دیا، اندر بلیر سنگھ مڑا تڑا پڑا تھا وہ پسینے سے تر تھا اور اس کی آنکھوں میں دہشت جمی تھی۔ چند لمحوں میں غلام شاہ اسے نہ پہچان سکا جب پہچان تو اس کی سانس بند ہونے لگی۔ اکبر شاہ اور دوسرے لوگ بھی پچھلی پچھلی آنکھوں سے بلیر سنگھ کو دیکھ رہے تھے۔

”ٹکاؤ، مجھے س بکس سے ٹکاؤ۔ پورن سنگھ، تمک حرام، کتے بھگوان کی سوگند تھے نہیں چھوڑو گادھو کہہ دیا تو نے مجھے۔ سوگند بھگوان کی، تھے نہیں چھوڑو گا۔“ بلیر سنگھ بکس سے ٹکلی کی کوشش کرنے لگا۔

”دھیرج بلیر ادھیرج۔“ تے بھی لنگڑا جو گواکا۔ ارے رے۔ ای تو برا ہوئی ہے۔“ غلام شاہ تاسف سے بولا۔ پھر اکبر شاہ اور دوسرے لوگوں سے بولا۔ ارے سہا رادو، کبر، لنگڑا ہے بے چارہ۔“ اکبر شاہ اور ایاز نے بلیر سنگھ کی بخلوں میں ہاتھ ڈال کر اسے صندوق سے نکالا اور بلیر انے

پورے ننگہ پر چھپنے کی کوشش کی، پورن ننگہ چھل کر غلام شاہ کے عقب میں آ گیا۔ مگر پلیر خود جھونک میں نیچے گر پڑا تھا۔

”اب پولو سیکھا کام کی بیچ رہے کتنا؟“ غلام شاہ نے کوئی جو ب نہ دیا اس کے چہرے پر عجب سے تاثرات تھے۔ پلیر ننگہ بولا۔

”غلام شاہ، میری جگہ سے دشمنی ہے نا۔ اب میں حیرے قبضے میں آ گیا ہوں، تو یک بہادر دشمن ہے یہ میں اچھی طرح جانتا ہوں، کیا تو اپنے قیدی کی ایک آرزو پورے کر دے گا؟“

”کارے پلیر ہے؟“

”میرے حوالے کر دے۔ اسے قتل کرنے دے مجھے۔ تو میرا دشمن ہے میرے ساتھ جو سلوک چاہے کر، مگر اس نے دوست بن کر مجھے دغا دیا ہے۔ اگر یہ سچ میا تو، تو میری آقا کو بھی شانتی نہیں ملے گی۔“

”نامیرے نا۔ اکی نا ہو سکتا ہے۔ ارے اکی سرکاری کھوپڑیا کھر اب کر دیت ارے اکی ہے کون؟“

”تجھے بھی دھوکا دے رہا ہے تیری زبان بول کر، یہ پورن ننگہ ہے سورج گڑھ کا رہنے والا، راون ننگہ کا ساتھی۔“

”تے بڑا چا، ک رہے رہے۔ تے اس کے پھیر ماں کیسے کی گئے؟“

”میری آرزو پوری کر دے غلام شاہ، میری آرزو پوری کر دے۔“ پلیر اخوتی نظروں سے پورن ننگہ کو دیکھ کر بولا۔

”رےس مس جہان بند کر، بات کرن دے ہمیں اس سے۔“ غلام شاہ بولا۔

”ٹاسکیں، پہلے اس سے بات کر لو، ہم اکبر بھیا کے ساتھ جات رہیں۔ بعد ماں ہکا بدلی لینا۔ آؤ اکبر بھی جوری بات کرنی ہے تم سے۔“ پورن ننگہ نے کہا۔ درختیے کے دروازے کی طرف بڑھا۔ غلام شاہ منہ کھول کر رہ گیا۔ اکبر شاہ اور اپنا زبازد خواستہ باہر نکل آئے تھے۔ اہلہ گھاپ خان غلام شاہ کے پاس رک گیا تھا۔

”سنو دوست، تم نے بے شک پلیر کو ہمارے حوالے کر کے ہم پر احسان کیا ہے مگر یہاں سے بھاگنے کی کوشش نہ کرنا۔“ اکبر شاہ نے کہا۔

”جب میں یہ کوشش کروں گا تو تم لوگ مجھے روک نہ سکو گے اکبر شاہ صاحب، لیکن میں ابھی بھاگنا نہیں چاہتا۔“ پورن ننگہ نے صاف بچے میں کہا اور دونوں چونک کر اسے دیکھنے لگے۔ اکبر شاہ نے کہا۔

”وہو اس کا مقصد یہ ہے کہ پلیر انے جو کچھ کہا ہے وہ بھی درست ہے تم شیجا کی زبان میں اس سے عداوتی میں مبتلا کر رہے تھے، آخر اس سے تمہارا کیا مقصد تھا جبکہ تم سیدھی اور صاف زبان بول سکتے ہو؟“ پورن ننگہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اس نے کہا۔

”باست دراصل یہ ہے شاہ جی کہ میں آپ لوگوں کو ذہن تصور کرتا ہوں اور بڑی عرصت کرتا ہوں آپ لوگوں کی۔ لیکن یہ بچکانہ بات میری سمجھ سے باہر ہے اگر میں جی وند سے شینا کی۔ بات بول رہا ہوں تو اس میں آپ لوگوں کا کیا نقصان ہوتا ہے۔ میں نے آپ کے دشمن بلیر سنگھ کو چا۔ کی سے گرفتار کر کے آپ کے حوالے کیا ہے اور اس کے جواب میں آپ سے کوئی تعاقب نہیں ہنگ رہا۔ پھر اس میں آپ کو دھوکا دینے والی کیا بات ہوئی۔“

پارن سنگھ کے الفاظ نے اکبر شاہ کو سنبھال دیا۔ بات بالکل درست تھی اس نے گردن ہڈائے ہوئے کہا۔

”میں پورن سنگھ معاف کرتا۔ میرا یہ مقصد نہیں تھا اس میں کوئی شک نہیں کہ بلیر کو تم نے اس طرح ہمارے حوالے کر کے ہمیں جبراًں کر دیا ہے لیکن اس کے لئے تم تمہارا شکر یہ ضرور ادا کریں گے۔ کیا یہ نہیں بتاؤ گے پورن سنگھ کہ تم نے بلیر کو کیسے گرفتار کیا؟“

”میں یہ سمجھتی تھی کہ اکبر شاہ صاحب کہ جب بلیر افلام شاہ صاحب سے مقابلہ کرنے کے لئے کالی بیری کے میدان میں آیا اور اس نے غلام شاہ کو دھوکا دینے کی کوشش کی۔ پھر غلام شاہ صاحب کے سامنے سے اسے بھاگنا پڑا اور اس کی نیک ٹانگ چکنا چور ہو گئی تو وہ ایک جمیل کے کنارے جھکے پڑا ملا۔ بے ہوش تھا میں نے اس کی خدمت کی اور اسے یہاں تک لے آیا۔ بعد میں میں نے اسے صندوق میں بند کر کے غلام شاہ کی خدمت میں پیش کرنے کا فیصلہ کیا۔ بہر حال اس سے میرا کوئی لاچ واپستہ نہیں ہے، میں نے ایک برے آدمی کو اس کی برائی کے انجام تک پہنچا دیا ہے۔ اب غلام شاہ صاحب جانیں اور ان کا کام لیکن ایک اور فرض میں پورا کرنا چاہتا ہوں۔ سرکس دانوں کو میں ایک اور برتری دلانا چاہتا ہوں میری خواہش ہے کہ سرکس کے لوگ جب یا مگر سے واپس جائیں تو اسے اعزازات اس کے پاس ہوں کہ وہ ان پر ہمیشہ ہمیشہ فخر کریں۔ اکبر شاہ صاحب میں آپ کو ایک انتہائی اہم بات بتانا چاہتا ہوں۔ اب چونکہ بلیر آپ کے قبضے میں آچکا اور اس کی گمشدگی سے بہت سے نئے مسئلے پیدا ہو سکتے ہیں تو آپ کو ایک نئے کام میں دیر نہیں کرنی چاہئے بلیر کا فیصلہ کرنے میں جلدی نہ کریں بلکہ پہلے یہ دوسرا کام نمٹائیں جس کے بارے میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں۔“ اکبر شاہ اورایا زخمیر اسے لگا ہوں سے پورن سنگھ کو دیکھ رہے تھے، اکبر شاہ نے بے اختیار کہا۔

”دوسرا کام کیا ہے پورن سنگھ، یہی نام ہے تمہارا؟“

”جی نہیں نام ہے میرا۔“ پورن سنگھ نے کہا۔

”دوسرا کام کیا ہے پورن سنگھ؟“

”پہل سنگھ کو جانتے ہیں آپ، اکبر شاہ صاحب۔“

”ہاں شکر جگت سنگھ کا دوسرا بھتیجا۔“

”بلیرنگھ ورنچٹل نگھ ایک منصوبہ بندی کرنے کے بعد یہاں میس میں آئے ہیں۔ ان لوگوں نے طے کیا ہے کہ یہاں چند خاص افراد کو قتل کر دیا جائے۔ ان خاص افراد میں تھا کر جگت نگھ جی ہیں، ہمارا شیٹا ہے، پونم نگھ ہے اور راون نگھ بھی ہے۔ واصل دوہری دوہری چالیں چلی جا رہی تھیں۔ چٹل نگھ، تھا کر جگت نگھ کو قتل کر کے اپنے بھائی کو بے جا نہ آیا تھا، بلیرنگھ نے فیصلہ کیا تھا کہ راون نگھ کو بھی قتل کر دیا جائے اور اس کے بعد خاموشی سے چٹل نگھ کو بھی، یہ منصوبہ بڑی ہوشیاری سے عمل پیرا ہے میں نے اس کے پہلے جیسے کو تو نا کام بنا دیا ہے، اور بلیرنگھ کو گرفتار کر کے غلام شاہ صاحب کے حوالے کر دیا ہے اب آپ فوری کام یہ کریں اکبر شاہ صاحب کہ کسی طرح تھا کر جگت نگھ سے رابطہ قائم کر کے چٹل نگھ اور اس کے آٹھ خاص آدمیوں کو گرفتار کر لیں جس کی نکتہ بندی میں کر سکتا ہوں۔ یہاں چٹل نگھ کی فوجوں کے بہت سے جوان موجود ہیں جو اس کام کے لئے آئے تھے کہ جب چٹل نگھ یہاں تھا کر جگت نگھ اور دوسرے لوگوں کو قتل کر دے تو اس کے بعد وہ نہ مگر چٹل نگھ کو حکومت قائم کرانے میں مدد دیں لیکن پہلے مرحلے پر انہیں یہ ناکامی ہوئی کہ دن سے ہتھیار لےئے گئے اس وقت وہ نہتے ہیں لیکن سازشوں میں مصروف ہیں اور کسی نہ کسی طرح ہتھیار حاصل کر لیں گے اس سے پہلے کہ وہ یہ کام شروع کریں انہیں گرفتار کر لینا زیادہ مناسب ہو گا میں آپ لوگوں کو ان کے خیوں تک پہنچا سکتا ہوں باقی تیاریاں کرنا آپ کا کام ہے اکبر شاہ صاحب۔“

اکبر شاہ کے پورے بدن میں سنسنی دوڑ گئی تھی، ادا کا بھی دم گھٹا جا رہا تھا۔ اس تصور سے کہ ایک اتنی بڑی سازش ان دونوں کے علم میں آ گئی ہے۔ چٹل نگھ کے سینے میں کم از کم اکبر شاہ کو یہ بات معلوم تھی کہ جگت نگھ ہر قیمت پر اسے اپنی تحریک میں لینا چاہتا ہے تاکہ باقی کاموں میں آسانی ہو جائے اور نہ مگر میں خونریزی نہ ہو، اگر چٹل نگھ اس طرح ان کی مدد سے ہاتھ آ جائے تو پھر تو یہ کہنا چاہئے کہ بھگت ہی آ جائے گا۔ سارے کام ہو جائیں گے لیکن اس کے لئے فوری کارروائی ضروری تھی۔ اکبر شاہ صرف یہ سوچ رہا تھا کہ کیا پورن نگھ پر بھروسہ کر لیا جائے۔ بھروسہ نہ کرنے والی کوئی بات نہ تھی کیونکہ بلیرنگھ بہر حال اکبر شاہ کے سامنے ہی غلام شاہ کی تحریک میں دیا گیا تھا۔ مسئلہ واقعی بہت بڑا تھا اور اس کے لئے اکبر شاہ کو فوری طور پر کوئی فیصلہ کرنا تھا۔ بس پورن نگھ کی طرف سے بھی خوف تھا کہ اگر یہ کون ہے اور ان کی مدد کرے پر کیوں آمادہ ہو گیا ہے۔ اکبر شاہ سے نہ رہا گیا تو اس نے یہ سوال کر ہی ڈالا۔

”پورن نگھ تم سورج گڑھ کے رہنے والے ہو۔ لیکن نہ تو تم چٹل نگھ کے ساتھی ہو نہ راون نگھ کے آغوا یا کیوں ہے؟“ پورن نگھ کے ہاتھوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اس نے کہا۔

”صاف سی بات ہے اکبر شاہ صاحب ہم جگت نگھ کے حامی ہیں اور ان کے لئے کام کرنا چاہتے ہیں۔ آپ دیکھ بیٹے جو کچھ ہم نے کیا ہے جگت نگھ جی

کے مفاد میں نہیں ہے؟“

اکبر شاہ نچلا ہونٹ و انتوں میں دھا کر غور کرنے لگا پھر اس نے کہا۔ ”ٹھیک ہے پورن سنگھ اگر تم ہمیں کوئی نقصان پہنچانا چاہتے ہو تو پہنچا دینا لیکن تم نے دوستی کا جو مظاہرہ کیا ہے ہم اس کی قدر و قیمت جانتے ہیں، آؤ میرے ساتھ آؤ، آؤ ایسا تم بھی آؤ۔“ ایک بار پھر وہ غلام شاہ کے غیصے کی جانب بڑھ گئے تھے۔

وہاں غلام شاہ نے طاہر سنگھ کو ہاندرہ رکھا تھا اس کے دونوں ہاتھ پشت پر کس دیئے گئے تھے۔ ناگوں کے کسے کا سول ہی نہیں پیدا ہوتا تھا کیونکہ اس کی ٹانگ کی ہوئی تھی، غلام شاہ نے اکبر شاہ کو دیکھ کر ہنستے ہوئے کہا۔

”بھائی، اکبر ای سرسبوت جیسے ماں آئی ہے پر اب کے سارے کس بل نکل گئے اب تے ی قتا، ای کا کرنا کیا ہے؟“

”شیخا پورن سنگھ نے اور بھی کچھ انکشافات کئے ہیں۔ جنہوں نے مجھے مشہور کر دیا ہے، آپ بھی سن لیں اور فیصلہ کریں کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے۔“ ”ارے ایک سرسرا کھر کون رہے، ارے بھائی تو ہار نام پورن سنگھ ہی رہے ناں۔“

”تے اور کا سیکھا تو ہار گھام رہیں ہم،“ پورن سنگھ نے معمول کے مطابق جواب دیا۔

”ری سرسریا گھراں تو ہار جیاب نا بولی جی ہے تے ہماری نکل کا ہے کرت ہے رے بھائی۔“

”نا سیکھا تو ہار نکل نا کری ہے س تو ہار جیاب ہکا بڑھیا لگے ہے۔“

”تے نہ ہم پر بڑا احسان کری ہے پورن سنگھ بول تجھے کا اہام دئی ہے۔“

”شیخا میں آپ سے جو کچھ کہنا چاہتا ہوں وہ قوسن میں، بہت سستی چیز نکش فالت ہیں۔“

”کا ہے رے بھائی اکبر ابولہ کا ہے نا ہے۔“

”شیخا، جیل سنگھ بھی یہاں موجود ہے اپنے آٹھ آدمیوں کے ساتھ اور یہ لوگ بہت سے خطرناک منصوبے لے کر یہاں آئے ہیں۔ ان کا کام یہ ہے کہ یہ شاہ کر جلت سنگھ کو قتل کر دیں، تمہیں بھی قتل کرنے کا فیصلہ کیا تھا، ان لوگوں نے اور بھی چند افراد سے قتل کا منصوبہ بنایا تھا۔ یہ میسے میں سرش کے تحت آئے تھے اور میں نے تم سے پہلے ہی یہ بات کہی تھی شیخا کہ ایسی کسی سازش کے امکانات ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم تو اس سازش کا پتہ نہیں لگا سکے۔ لیکن پورن سنگھ نے ہماری بھرپور مدد کی ہے۔ آپ پہلے یہ سن لیں کہ ساری صورت حال کیا ہے، جیل سنگھ یہاں ایک غیصے میں موجود ہے، آٹھ آدمی اس کے ساتھ وہ ہیں جو قتل و غارتگری کے اس منصوبے پر عمل کرنے کے لئے تیار کئے گئے ہیں۔ باقی جیل سنگھ کے اور بھی بہت سے فوجی ہیں جو

صرف اس وجہ سے ابھی تک خاموش رہے ہیں کہ اٹھیا ران کے پاس موجود نکلیں ہیں۔ یہ سب کوشش کر رہے ہیں کہ تھپ رہی طرح حاصل کر لیں اور اس کے بعد یہاں ایک انقلاب برپا کیا جائے۔ ”غلام شاہ کا منہ حیرت سے کھل رہا گیا لیکن پھر اس کے منہ سے گائیوں کا طوفان ابل پڑا، وہ پورن نگہ کر گالیاں دے رہا تھا اور اپنی جگہ جھدو جھدو کر رہا تھا کہ کسی طرح اس کے ہاتھ آرا دو چائیں، غلام شاہ نے کپکپاتے ہوئے بچے میں کہا۔

”ارے، اگر ای بات رہے تے تو یہی بڑے کام کی بات ہوئی تھی ارے ادھائی پورنا تو کا تو ہارنگواں کا واسطی تھی دے کا کی سب کچھ رہے۔“

”تے ہار بات پر نیکیں کا ہے نا کہ سے سیکھا۔ دیکھ باہر اتو ہار دسمن تو ہار سامنے رہے ہم یک بات کھل سیکھا ماں لٹی ہے۔“

”کا ہے نہ، نہیں ہوا۔“ غلام شاہ نے کہا۔

”جے پھر ابھی تک کسی اور کا نا تھی ہے۔ تو ہار سرکس چل رہی ہے۔ اس کا کھتم ہو جانے دے اس کے بعد اپنے آدمی جمع کر اور ہار ساتھ چل ہم تو کا پیش نگہ کے کھچے ماں پہنچوئی ہے اور اد کے، ان آٹھ ساتھیوں کے بارے میں بھی بتا دئی ہے جے اس کے ساتھ ہیں یا کی لوگاں کی بھگڑا کروہ کھو دھ بیکار ہو جتی ہے۔“

”تے ٹھیک کہہ رہے بھائی، ارے، کیرد دیکھ جراسرکس کھتم ہونے میں کا دھکت رہ گئی ہے۔ ہار کھیال رہے تے سرکس کا آکھری کام کرادے ادھر ہم تیار یاں کر لے ہیں۔“ غلام شاہ نے کہا اور اکبر شاہ نے گردن ہلا دی۔ پورن نگہ ساتھ ہی تھا، غلام شاہ پورن نگہ کے ساتھ مل کر بہت کام کرنے لگا ساتھ ساتھ وہ اس سے کہتا چار باتھا۔

”بھائی پورنا ہوا سن، کو نو گھٹ بات نا تھی ہاتھ نے ہارے من، ماں بڑی جگہ کر دئی ہے تے نے۔ اگر ای سرکام ہو جتی ہے تو ہار غم، ہکا نا ک اونچی ہو جتی ہے۔ اسے بی کا یاد کریں گے ہکا پر ہٹو تیری بات سمجھ میں نا آت ہے آکھ تو پو غم، ماں کیسے آچھنے؟“

”جے اپنا کام کر لے سیکھا بعد ماں سب بات ہو جتی ہے۔“ پورن نگہ نے کہا اور غلام شاہ ہنسنے لگا پھر بولا۔

”رے بڑی محنت کر رہے تے نے بھائی ہار جباں بولے ماں۔ ای سر ہارے کیلے کے لوگ ہار جباں نا بول سکت رہے پر مجا آئی ہے مولا کھسم چا آئی ہے۔“ غلام شاہ بہت زیادہ خوش نظر آ رہا تھا جو تیاریاں اس نے کی تھیں۔ وہ بہت ہی مضبوط تھیں اور اس کے بعد سرکس کا شو ختم کر دیا گیا۔ میلے میں آخر تک سرکس ہی میں رونق رہا کرتی تھی ورنہ ہاتی کھیل تماشے اور تفریحات ختم ہو جایا کرتی تھیں۔ اس وقت بھی رات کے تقریباً سوا دو بجے تھے جب سرکس کا آخری آنکھم پیش کر کے اسے ختم کر دیا گیا اور اس کے بعد میلے میں سکوت پھیلنا چلا گیا۔ ادھر اکبر شاہ، پورن نگہ اور غلام شاہ کے وہ تمام خاص خاص ساتھی جن میں عورتوں کو بھی شامل کیا گیا تھا، اس آپریشن کی تیاریاں کر رہے تھے جو پیش نگہ کو گرفتار کرنے کے لئے ترتیب دیا

گیا تھا۔ غلام شاہ کی دلی خواہش تھی کہ ہینل سنگھ کو اپنے طور پر گرفتار کرے اور اس کے بعد نئے کے طور پر نیا کر جگت سنگھ کو پیش کرے اور اس مسئلے میں وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ تمام کاررویاں مکمل کر چکا تھا۔ منصوبہ بندی کر دی گئی تھی ابھی ابھی ساتھ لے لئے گئے تھے اور گرفتاری کے لئے وہ تمام انتظامات بھی کئے گئے تھے جن کی ضرورت پیش آنے لگی تھی اور اس کے بعد منصوبے کے تحت یک ایک دو دو افراد پورن سنگھ کے نشان کئے ہوئے ٹیموں کی جانب بڑھنے لگے۔ جہاں ہینل سنگھ موجود تھا۔ پورن سنگھ نے اکبر شاہ سے کہا۔ ”شاہ صاحب مہراجا! یہاں ہے پیسے ہینل سنگھ پر قابو پا رہا ہے۔“ اس کے بعد اس کے آٹھ آدمیوں پر ہاتھ ڈالا جائے دیتے ہینل سنگھ نے اپنا خیمہ ان لوگوں کے خیموں کے درمیان رکھا ہے تاکہ اس کی حفاظت بھی رہے یہ آٹھ آدمی بہت خطرناک تصور کئے جاتے ہیں آپ کو بہت محنت سے کام کرنا ہوگا۔“

”تم فکر مت کرو جن لوگوں کو ہم نے اس کام کے لئے متعین کیا ہے۔ وہ کم از کم ایک ایک آدمی کو پکڑنا بھی طرح جانتے ہیں۔“ اکبر شاہ نے کہا۔ پھر یازدہ پورن سنگھ دور اکبر شاہ، ہینل سنگھ کے خیمے میں داخل ہوئے تھے۔ ہینل سنگھ اپنے خیمے میں بستر پر بیٹھ ہوا تھا جتنا کہ راستہ بہت زیادہ گزر گئی تھی لیکن وہ شہ پر سو رہا نہیں تھا خیمے میں کسی کو داخل ہونے کی کچھ کر وہ چونک کر اٹھ بیٹھ تھا۔ اندر روشنی بھی ہو رہی تھی۔ اس نے پورن سنگھ کو دیکھا تو اسے کسی قدر اطمینان ہوا اور اس کے پیچھے دو اچھی چروں کو دیکھنے لگا پھر اس نے کہا۔

”کیا بات ہے پورن سنگھ اس وقت تم یہاں اور وہاں بٹھرا کہیں ہے وہ اپنے خیمے میں موجود نہیں ہے میں نے اسے بولا تھا۔“

”میں مہاراجا ہوں سمجھ لیجئے کہ ہمارے خیمے آخری محنت میں داخل ہو چکا ہے اب وہ سارے کام ہونے والے ہیں جن کے لئے اب تک تیاریاں کی گئی تھیں۔“

”کیا مطلب؟ ہینل سنگھ نے تعجب سے پوچھا اور پھر اکبر شاہ اور اپنا زکی طرف اشارہ کر کے بولا۔“

”یہ دونوں کون ہیں؟“

”بڑے ہی آدمی ہیں مہاراجا آپ کے پاس بہت ضروری کام سے آئے ہیں۔“

”اسلم کہہ رہا ہے؟“

”وہ اس وقت سرکس میں گئے ہیں مہاراجا اور آپ کو بھی وہاں جتنا ہے۔“

”سرکس میں وہاں وہ کیا کر رہا ہے؟“

”بنا کام کر رہے ہیں مہاراجا جس کام کے لئے انہوں نے بیڑا اٹھایا تھا اب وہ آخری مرحلے میں داخل ہو چکا ہے آپ بھی جلدی چلتے مہاراجا۔“

”مم۔ مگر میں وہاں کیا کروں گا کوئی بات ہی سمجھ میں نہیں آتی جو کچھ تم لوگ کر رہے ہو میں تو اس سے مطمئن نہیں ہوں۔“ ہتھیار ہمارے پاس نہیں ہیں

اور اور وہ تمام منصوبے خاک میں مل چکے ہیں۔ جن کے تحت ہم یہاں آئے تھے میں کہتا ہوں بھیرا "ہٹائی کام کر رہا ہے صرف یا میرے بھی کسی کام آئے گا وہ؟"

"وہ تو سب کائی کام کر چکے ہیں مہاراج آپ نے جلدی کیجئے۔" پورن سنگھ نے حسخندانہ انداز میں کہا۔ اسی وقت باہر سے کچھ آداریں اور بچیں سی سنائی
میں اور پتیل سنگھ چونک کر کھڑ ہو گیا۔

"یہ یہ آداریں کیسی ہیں؟ اس نے کہا اور بچے کے دروازے کی جانب لپکا، مگر اکبر شاہ اور اپار نے اسے دیو بجھا دیا تھا۔ پتیل سنگھ کا منہ حیرت سے کھلے
کا کھلا رہ گیا تھا اور پھر شاید اسے کسی خطرناک صورتوں کا احساس ہو گیا اور اس کا اندازہ درست ہی نکلا، اپار اور اکبر شاہ نے اس کے ہاتھ موڑ کر
پیچھے کر دیئے تھے اور یاز نے پتوں کی نال اس کی کپٹنی سے لگا کر سرو بجھے میں کہا تھا۔

"مہاراج پتیل سنگھ خاموشی سے باہر نکل چلے ورنہ یہ گولی آپ کی کپٹنی کے پار بھی ہو سکتی ہے۔" پتیل سنگھ کے چہرے پر مردنی چھ مگی تھی۔ اس نے
کچھ بولنے کی کوشش کی لیکن آواز نہیں نکل سکی۔ اکبر شاہ اور یاز اسے باہر لے آئے تھے پتیل سنگھ کے وہ آٹھ آدی بھی چوبیس کی طرح بکڑ لئے گئے
تھے۔ سرکس کے لوگوں نے بڑی ہوشیاری سے انہیں قایم میں کر کے رسیدوں سے بکڑ لیا تھا اور ان کے حلق میں کپڑے ٹھونس کر اس کی آداریں بھی بند کر
دی تھیں۔ چونکہ رات بہت گہری ہو گئی تھی اس لئے آس پاس لوگوں کو بھی اس ڈرامے کا پتہ نہیں چل سکا اور انہیں خاموشی سے وہاں سے سرکس تک
لے آیا گیا۔ غلام شاہ ان کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔ ان سب کو دیکھ کر خوش ہو گیا۔

"آؤ آؤ ڈھاکر پتیل سنگھ، آؤ رے سب ٹھیک رہے نا پورن ہوا؟"

"ہاں سیکھا، اتے ان کے لئے اہتمام کرئی ہے نا؟"

"تو سر اور کا کری ہے ہم اتنی دیر سے چاہوئی ہے تو ہار واسطے سوئی بنیا سے چلن اکبر، نے چل نئے مہمان کو۔" غلام شاہ نے کہا اور اکبر شاہ ان سب کو لئے
ہوئے اندر ایک خاص جگہ پہنچ گیا جہاں بلیر سنگھ بھی موجود تھا۔ بلیر سنگھ کا چہرہ بھی تھکا ہوا نظر آ رہا تھا، پتیل سنگھ نے اسے دیکھ کر جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔
"یہ تھا تمہارا منصوبہ بلیر سنگھ، مردہ دیا تم نے سب کو۔" بلیر نے کوئی جواب نہ دیا غلام شاہ انہیں کر پور۔

"ساتھ ہی بڑا بکڑی ہے ہوا تم دوئی ہیرنوں نے ارے ای سرور کیت کا منصوبہ بنی ہے تو ہار واسطے ای حرام کھور تو فی سہد ای رہے ہم سہراں ای کا
بکڑ پونیس کے ہاتھ دے دی ہے تو سر ہم سے دھمکی کر ڈالی اس نے اب ہیرا ہم ٹھہرے ٹٹ جاتی دسمن کو نا چھوڑی ہے بھائی ہم اکیئے مٹا ہند کری ہے
ہم اس سے حرام کھورنگو یا تڑوا کی لے اور اب تو کا بھی بھسور کی دے رہے۔"

”تم سرکس کے مالک ہو؟“ ہینل سنگھ نے کہا۔

”مالک تو مولا کی جات ہے بھائی۔“

”تم نے مجھے کیوں گرفتار کیا ہے۔“

”تھا کر جگت سنگھ کے لئے۔“

”مجھ سے تمہاری کیا دشمنی ہے؟“

”دشمنی تے ہے بھائی تے نے بڑے لوگوں کو پریشان کیا ہے اور پھرتے بھی تو میسر کے ساتھ ہٹکا مارنے آئی ہے۔“

”نہیں یہ کام میسر کا تھا۔“

”دیکھ بلھر اہم تو کاٹھا کر کے حوالے کر دئی ہے اور ہٹکا کام کھتم ہو چکی ہے پھرتے جانے اور تو ہار چکی۔ بس اب تے آرام کر، آؤرے سب آ جاؤ۔ تے بھی آپورں اب تو سے بات ہوئی ہے۔ غلام شاہ ان لوگوں کو لے کر اپنے خیمے میں آ گیا پورن سنگھ بولا۔

”ہٹکا نیند آئے رہے سیکھا، تو ہار مارے کام کر دائی ہے اب ہٹکا جانے دے۔“

”بس تے کہاں جینی ہے میرا، اب تے پھرست ہوئی رے اور پھر اب رات رہی کتنی مٹی ہے رے چاچی، ڈا۔ اب تے اپنے پارے ماں بتا ہٹکا۔“
”تقی دیر میں سو نیا چائے سے آئی اس نے پوری کہانی سن رکھی تھی چائے رکھتے ہوئے اس نے پورن سنگھ کو دیکھا اور دیکھتی رہ گئی۔

”بیٹھ جا سو بھیا، ائی رہے پورن سنگھ، سر ہار جھٹا بولے رہے اور ابھی بالکل ٹھیک ٹھیک ارے بھائی۔“

”بھی آتی ہوں شیٹا۔“ سو نیا نے کہا اور چیزیاں سے خیمے سے باہر نکل آئی اور اس کے بدن پر اچانک کچھ طاری ہو گئی تھی چہرہ عجیب ہو گیا تھا روتی ہوئی شیرا کے خیمے میں داخل ہوئی اور شیرا پر گر پڑی۔ ”شیرا، شیرا جلدی اشو میری بہن۔“ شیرا سرکس ختم کر کے کچھ دیر پہلے ہی لیٹی تھی سو نیا کے وزن سے جڑا کر اٹھ گئی۔ ”شیرا جلدی اٹھ میری بہن اٹھ جا کچھ کر کچھ کر۔“ سو نیا کی کپکپاتی ہوئی آواز بھری۔ ”کیا ہو گیا سو نیا ارے تجھے کیا ہو گیا۔

”رے سوئی۔“ شیرا نے اسے لپٹا لیا اس نے سو نیا کے لرہتے ہوئے بدن کو دیکھا تھا۔

”شیرا وہ۔ شارق ہے شارق ہے خدا کی قسم وہ شارق ہے۔“

”شارق۔“ شیرا بڑبڑائی۔

”ہاں وہ شارق ہی ہے۔“

”کون، کہاں؟“

”شیٹا کے خیمے میں دوہ پر ننگے۔“

”پورے ننگے اوہ۔ ہارن ننگے جس کے پارے میں شیٹا۔“

”موسو فیصدی شارق ہے وہ میں نے پہلے اسے نہیں دیکھا تھا بھی دیکھا ہے اس نے جان کی ہازی گا کر بلیر ننگے نوگرتا کر کرپا شیٹا کے ہاتھ سے نکل گیا تھا وہ، وہ اسے صندوق میں بند کر کے شیٹا کے پاس سے آیا بلیر ایسے خطرناک آدمی کو اس نے پتیل ننگے کو بھی گرفتار کر لیا سب کو بے وقوف بنا کر رکھ دیا اس نے کوئی سے نہیں پچان پایا مگر میں نے اسے پچان لیا۔“

”کیا وہ بھیس بدلے ہوئے ہے؟“

”ہاں، ہاں!“

”وہی چھ کیدار کا بھیس ہے؟“

”نہیں دوسرا!“

”تو نے اسے کیسے پچان لیا؟“

”اس کی آنکھوں سے شیر، اس کی آنکھوں سے جب میں چائے سے کرگئی تو میں نے اسے دیکھا اس نے بھی مجھے دیکھا تھا اور شیر اور۔“

”کیا تھا اس کی آنکھوں میں؟“

”شرقی، شہرارت، زندگی، وہ سب کچھ جو کسی کو نڈھال کر دیتا ہے، مفلوج کر دیتا ہے شیر میری مدد کر شیر اسے روک لے۔“ سونیا کی آواز رندھ گئی۔

”بہت چاہتی ہے تو اسے سونیا؟“

”یہ اس سوال کا وقت ہے شیر، وہ چلا جائے گا وہ پھر چلا جائے گا کوئی ترکیب کر اسے روکنے کی ایک بار صرف ایک بار میں اس سے تنہائی میں ملتا

چاہتی ہوں صرف ایک بار اس سے کہنا چاہتی ہوں کہ مجھ سے جو زیادتی ہوئی ہے اس کے لئے وہ مجھے معاف کر دے، بس شیر! تنکا چاہتی ہوں تو اٹھے

گی نہیں چلا جائے گا وہ تب اٹھے گی۔“ سونیا نے بے چینی سے کہا اور شیر استکرا پڑی۔

”چل رہی ہوں، مگر ایک بات تم سے کہیں سونیا۔“

”کیا؟“

”وہ جائے گا نہیں۔“

”کیا مطلب؟“

”وہ کہیں نہیں جائے گا اسے چاہتا ہوتا تو کبھی کا چلا جاتا وہ حیرے آس پاس بھٹک رہا ہے تجھ سے دور نہیں جانا چاہتا وہ شیٹا پر احسانات کر رہا ہے جس سے متاثر ہو کر شیٹا تیرا ہاتھ اسے دے دے اور سو یا اسے یہ تو معلوم ہوئی چکا ہے کہ تو کنور جیت سے متاثر نہیں تھی اس کا دس تو صاف ہو چکا ہے۔“

”پھر وہ مجھ سے ملا کیوں نہیں اس نے خود کو مجھ پر ظاہر کیوں نہیں کیا وہ میرے خیمے میں آسکتا تھا ہر رات اس کا انتظار کرتی ہوں اسے تو ابھی تک اٹھی نہیں چل تو سبکی میرے ساتھ شیٹا کے خیمے میں وہ وہاں موجود ہے۔ میں شیٹا سے کہہ کر آئی تھی کہ ابھی آتی ہوں۔“

”چل لیکن خود کو سنبھالے رکھنا، ظاہر نہ کرنا کہ تو نے اسے پہچان لیا ہے۔“ شیرا نے کہا۔ ”وہ خود کو سنوار کر سوئی کے ساتھ باہر نکل آئی۔ پھر کچھ دیر کے بعد وہ غلام شاہ کے خیمے میں داخل ہو گئیں۔ وہاں قہقہے گونج رہے تھے۔ غلام شاہ کہہ رہا تھا۔“

”رے واہ رے چورن، تے تو بھائی آ بھست رہے چوری۔“ پھر اس نے سوٹیا اور شیرا کو دیکھ کر کہا۔ ”ارے کہاں چلی گئی تھی تے سوٹیا بیٹا، چا غنڈی ہو گئی تیری، چا پی بیٹا۔ لے ری میرا تے بھی چالے۔ کا دکھت ہوئی گیا کیرا رے۔“

”سوٹیا چٹا چٹا رہے ہیں شیٹا۔“

”کتے بچے چلو گے شہ کر کے پاس؟“

”جب تم کو شیٹا۔“

”بس تھوری دیر، چلی ہے، جیادہ بھیڑ بھاڑنا ہونے پائے تو چھا ہے۔“ غلام شاہ نے کہا۔

”میں انتظام کر لوں۔“ اکبر شاہ اٹھ گیا۔ وہ باہر نکل تو شیرا بھی اس کے ساتھ اٹھ گئی تھی۔ سوٹیا نے اسے دیکھ لیکن خود وہ اٹھنے کی ہمت نہ کر سکی تھی۔ شیرا اکبر شاہ کے ساتھ باہر نکل آئی تھی۔ کچھ دور چا کر اس نے اکبر شاہ کو پکارا اور وہ رک گیا۔ ”ہاں شیرا کیا بات ہے؟“

”اکبر بھیا کچھ بات کرنی ہے تم سے۔“

”یہ چورن شکہ کون ہے؟“

”سورج گڑھ کا تھا کر ہے، ہمار دوست ہے۔“

”نہیں بھیا، سورج گڑھ کے تھا کر اتنے ذہین اتنے شہر، نہیں ہیں کہ سرکس والوں کو بھی بے وقوف بنادیں۔“

”کیا مطلب ہے تمہارا؟“

”وہ شارق ہے، کبیر بھی، وہ شارق ہے۔“ شیرا نے کہا اور، کبیر شاہ جھل پڑا۔

”شارق!“ اس کے منہ سے سرسراتی آواز بھری وروہ سوچ میں ڈوب گیا پھر آہستہ سے بولا۔ ”تمہیں کیسے اندازہ ہوا؟“

”سونیا نے اسے پہچان لیا ہے۔“

”جیسے بدلے ہوئے ہے وہ۔“ اکبر شاہ خود کامی کے سے انداز میں بولا۔ اس کے چہرے پر شدید سسکی پھیل گئی تھی۔ اس نے کہا۔ ”میرا اس خواہشیم

نہیں کرتا تھا، اتنی غیر معمولی صلاحیتیں۔ ادوہ ایقینا شیرا، یقیناً۔ وہ ٹھہ کر کے پاس بھی نہیں جانا چاہتا اور یقیناً یقیناً۔ وہ تو قیامت ڈھائے ہوئے ہے ان

علاقوں میں، ہر جگہ ہمارے لئے کام کر رہا ہے اس نے ہمہراہ کو صرف شیخا کے لئے پکڑا ہے تمہارا کہنا بالکل درست وہ شارق ہی ہو سکتا ہے۔“

وہ پھر چلا جائے گا کبیر بھی، وہ موقع ملتے ہی نکل جائے گا۔“

”اس بار میں اسے نہیں جانے دوں گا۔ وہ واقعی بھاگ جانے کے چکر میں ہے۔ مگر، مگر“ اکبر شاہ کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔ ”چاہے زبردستی کرنی پڑے

اس کے ساتھ، اسے روکنا ضروری ہے بات تو ہے کچھ اس سے۔ میں اسے روک لوں گا شیرا تم فکر مت کرو، چاؤ اطمینان رکھو، وہ نکل کر نہ جاسکے گا

اس بار۔“ اکبر شاہ تھری سے آگے بڑھ گیا۔ شیرا وہاں خیمے میں آگئی، غلام شاہ کہہ رہا تھا۔ ”کا ہے حیرا، تے نے تو اچھا کام کرا ہے احساں کرے

ہے تو جگت سنگھ پر۔“

”بھری کھواہش رہے سیکھا، ساری جگت تجھے ملے ہمارا نام اوند آئے۔“

’جگت ٹھا کر تو کا احساں دئی ہے بوا۔“

”ہمارا احساں ای رہے سیکھا کہ او تیرا سکر یہ ادا کرے۔“ پورن سنگھ نے کہا۔

”ارے جیتا رہے ہوئی تے، کسی بڑے باپ کا بیٹا رہے تے۔ بڑی بات ہے، پر بوا ہم بڑے ہیں تیرے، ہماری بھی کچھ بات ہے۔“

”میں سیکھا ہم جان چاہتے ہیں۔“ پورن سنگھ نے کہا۔

”نا بوا، ای نا ہو سکتا، ٹھہ کر سے مل لے پھر تیری مر جی ہوگی۔“ غلام شاہ نے کہا، سونیا نے شیرا کو دیکھا شیرا نے غیر محسوس انداز میں اسے اشارہ کیا

تھا۔ کچھ دیر کے بعد اکبر شاہ نے اندر بھی نکلا اور کہا۔

”کا ہے اکبر ساہ جی۔“

”آؤ راد کچھ دوس میں نے ان لوگوں کو بے جانے کے تقاضات کئے ہیں۔ آؤ دو منٹ کے لئے۔“ اور پورن نگہ نگہ گیا، اکبر شاہ اسے لے کر سرکس کے چنڈل کی طرف چل پڑا تھا پیچھے پیچھے دوسرے لوگ بھی نکل آئے تھے۔ اکبر شاہ اسے لے کر امیرینا میں داخل ہو گیا امیرینا حالی پڑا ہوا تھا۔

”کیا انتظام کیا ہے شاہ صاحب؟“ پورن نگہ نے پوچھا اور اکبر شاہ ہنس پڑا۔

”دیکھو گے تو حوش ہو جاؤ گے۔“ وہ بور اور اسی وقت رسی کا ایک حلقہ پورن نگہ پر پکا اور وہ حلقے میں جکڑ گیا۔ اس کے منہ سے ایک آواز نکل گئی تھی لیکن دوسرے لئے اس نے دونوں ہاتھ بلند کئے بدن لچکا یا اور حلقہ اس کے بدن سے پھسل گیا۔ وہ حلقے سے آزاد ہو کر چھوٹا دوسرا حلقہ اس کے اگلے ہونے پاؤں میں داخل ہو گیا۔ رسی کہیں سے پھینکی گئی تو پورن نگہ کے پاؤں اکٹڑ گئے مگر اس نے حیرت خاک طریقے سے الٹی قد بازی کھائی اور اس حلقے سے بھی نکل گیا۔ پھر تو اس پر چاروں طرف سے پسندوں کی ہارٹ ہوئی مگر دیکھنے والوں نے یہ بھی دیکھا کہ وہ کسی چکنی مچھلی کی طرح ان حلقوں سے پھسل پھسل کر نکل رہا تھا۔ اور ایک بھی حلقہ اس کے بدن میں پھنسے میں کامیاب نہ ہو سکا تھا۔ سرکس کے مشتاق اسے جکڑنے کے لئے پوری مہارت سے کام کر رہے تھے اور ان کی یہ مہارت بے اثر ہو رہی تھی۔ سامنے ہی غلام شاہ دوسرے لوگوں کے ساتھ منہ پھاڑے کھڑے تھا شہر کچھ رہا تھا۔ پھر اس کے حلقے سے دھاڑ نکل۔

”اکبر، ادنیٰ حرام کھور۔ ادنیٰ سسر احسان پھر اسوس کتو۔ اسی کا بولت ہے۔ ارے کا بولت ہے۔ کی۔ ارے، ارے، ارے ادنیٰ ارے۔“ پھر ایک اور تماشا دیکھا انہوں نے۔ پورن نگہ نے پھل کر ایک رسہ پکڑا اور اس پر چڑھتا چلا گیا۔ اسے سے جھولے پر پہنچا اور پھر وہ لمبے جھکولے سے لے کر تینوں کے اوپر کے سوراخ تک اور دوسرے لئے سوراخ سے باہر۔ اس کے بدن میں جیسے بلیاں بھری ہوئی تھیں اور پٹنوں میں کھڑے لوگوں پر سکتہ طاری تھا۔ خود شیخا کی آنکھیں حلقے سے ہلکی پڑ رہی تھیں۔

اکبر شاہ نے چیخ کر اپنے ساتھیوں سے کہا۔ ”باہر، باہر جاؤ نکلنے نہ پائے۔“ اور وہ خود بھی باہر لپکا تھا۔ غلام شاہ اب بھی منہ پھاڑے کھڑا تھا پھر اس نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

”ارے بھائی ای نکا ماں تو سب ہی سر ہاؤن گج کے ہیں۔“ ادھر اکبر شاہ اور اس کے ساتھی پورا سرکس امیرینا کھنگال چکے تھے مگر پورن نگہ یا متے خیال کے مطابق شارق تو جیسے تینوں کی چھت سے آسمان میں پرواز کر گیا تھا۔ اس کا نشان بھی نہیں ملتا تھا۔ شیراے غلام شاہ کو بتایا۔

”شیخا وہ شارق تھا۔“

”ہیں؟“ غلام شاہ اچھل پڑا۔ وہ شیرا کو گھور رہا تھا، سوچ رہا تھا اور جب یہ نام سامنے آیا تو سب کچھ اس کی سمجھ میں آ گیا اس کے چہرے پر ایک دم

مردنی چھ گئی تھی پھر آہستہ آہستہ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ ”ہاں ادھی سسر رہے بات ہمارے کھوپڑیاں ماں نا آئی تھی مگر امی اکبر کا کرت پھرت رہے۔“ اکبر بھیا اس خیال سے اسے پکڑ رہے تھے کہ وہ بھاگ نہ پائے مگر شیخا بیوں کے پھندے نکالتے ہوئے دیکھا تم نے اسے؟“

”رے بھڑاں جی ہے اور اس کے رسیوں کے پھندے۔ ارے سسر اکبر کی کھوپڑی کا ہے کھراب ہوئی گئی۔ کاجے پکڑت رہے بھائی دکا بندر داک کی طرح۔ ارے کاپڑی ہے، کاجا کبر کو۔ ہلا۔“ غلام شاہ گر جا اور شیرا جلدی سے ہاہر نکل گئی۔ غلام شاہ کا موڈ بہت خراب ہو گیا تھا۔ اکبر شاہ خود اس کوشش میں ناکام ہو کر پنڈل میں آ رہا تھا۔ شیرا سے اس سے کچھ کہنا چاہا مگر غلام شاہ خود ہاہر نکل آیا تھا۔

”نکل گیا وہ شیخا لگتا ہے آسمان میں پروار کر گیا۔“

”رے رے، اور جے ابھی جمن پر رہی ہے۔“ غلام شاہ نے طنزیہ انداز میں کہا۔

”شیخا وہ، وہ شارق تھا۔“ اکبر شاہ بولا۔

”کھرا کسم جی تو چات ہے دس جوتا لگا کئی تو ہار کھوپڑیا پ۔ پرکا کریں بس۔“

”وہ کوئی غلطی ہو گئی مجھ سے شیخا۔ دراصل جب مجھے پتہ چلا کہ وہ شارق ہے تو میں نے سوچا اس ہارا سے نکلے نہیں دوں گا۔“ اکبر شاہ نے بچوں جیسی مصحوبیت سے کہا۔

”کاکرٹا ہے ہمیں ادا کا، اچھا رڈالی ہے سسر کا، چات ہے۔ تو چائے بھڑاں، کاجے گھرے کرے ہے رے بھائی، کون رہے تے ہمارا، کہیے کاش جات کا، پھر ہم کا ہے تو ہار گھرے اٹھائے ہے اتے دن رکھا تو کا، کھڑکی پٹی ہے، جبر دتی تو نا ہے میری، سنو رے اب کو نو کا نام لئی ہمارا سنے اچھا نا ہوئی ہے ہاں۔ بس کھتم۔“

”اکبر شاہ غلام شاہ کی نیت سمجھ رہا تھا اس کے بعد وہ کچھ نہ بولا اور اپنے خیمے کی طرف چل گیا۔ اکبر شاہ نے شیرا سے کہا، ”شیخا اب بری طرح بگڑ گیا اس سے۔“

”ہاں!“ شیرا اٹھڑی سانس لے کر بولی، اس کی نگاہیں سوئیا کی طرف اٹھ گئیں جو خود بھی زیادہ دور نہیں تھی سوئیا کی تیوریاں بھی چڑھی ہوئی تھیں۔ بہر حال پھر سب منتشر ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد، اکبر شاہ جھپٹک ہو غلام شاہ کے خیمے میں داخل ہو گیا۔

”شیخا قیدیوں کے ہارے میں کیا حکم ہے۔“

”ہاک دے سب حرام کھور کا نگریاں ماں، کھبر بھوئی ہے فدا کر کے پاس کہ ادا کا بھتیجو پکڑ لیتی ہے ہم۔“

”مگر شیخا تم تو خود ان لوگوں کو لے کر جانا چاہتے تھے۔“

”بہرہ ہوئی گواہ کارے۔ تا جات ہم کہہ دیا تو کا۔“

”تو پھر بتا دیکر کروں میں؟“ اکبر شاہ نے بے بسی سے پوچھا اور غلام شاہ اسے دیکھے لگا، وہ نرم لہجے میں بولا۔

”تے کھودے جا، ان سب کو دوسرے لوگوں کو بھی ساتھ لے لے۔ جا ہی کام نہ دے۔ بلا وجہ ہمارا کام کھرا سب ہوگا۔ ٹھہر کر کو ساری بات بتا دیجو۔“

کہہ دیجو کہ سارک نے ای کام کرا ہے۔“

”ٹھیک ہے شٹا، بہرہ اکا کیا کروں؟“

”وہ بھی لے جاؤ، ہم کا کریں ادکا، ہم نے تو ناکہ ادکا، ای حساب بھی سارک نے ہی کرا ہے ہمیں ادکی جہدورت نا ہے۔“

”جاؤں شٹا۔“ اکبر شاہ نے کہا۔

”نا بیٹھ جا ہماری کھوپڑیا پر۔ آ جا، آ جا۔“ غلام شاہ پھر ٹھہ گیا اور کبر شاہ ٹھنڈی سانس لے کر اس کے خیمے سے باہر نکل آیا۔ پھر اس نے اس

کارروائی میں دیر نہیں لگائی تھی۔ سرکس کی گاڑیوں قیدیوں کو لے کر چل پڑیں۔ صبح ہونے لگی تھی۔ ٹھہ کر جگت سنگھ کی حویلی کے جانکوں نے سرکس کی

گاڑیوں کو کچھ گرد و دارے کھول دیئے تھے۔ پھرے داروں کے سربراہ سے اکبر شاہ نے کہا۔

”ٹھہ کر کو فوراً ہارے آنے کی خبر دو۔“

”گر وہ سو رہے ہوں تو۔“

”انہیں جگانا ضروری ہے۔“ اکبر شاہ نے کہا اور سربراہ اٹھ کر چلا گیا ٹھہ کرنے آنے میں دیر نہیں لگائی تھی وہ شدید حیران رہ گیا تھا حتی گاڑیاں اس

کے لئے تعجب خیز تھیں۔

”خیریت اکبر شاہ۔“ اس نے اکبر شاہ کے پاس آ کر کہا۔

”غلام شاہ صاحب نے آپ کے کچھ قیدی آپ کے پاس بھیجے ہیں۔“

”قیدی؟“

”جی ہاں ٹھہ کر صاحب، ان میں پتیل سنگھ بھی ہے اور ٹھہ سنگھ بھی۔“ اکبر شاہ نے کہا اور ٹھہ کر سنائے میں رہ گیا۔ اس کے منہ سے چند کلمات آواز ہی

نہ نکل سکی پھر وہ بھرائے ہوئے بچے میں بولا۔

”شیخا نے کہا ہے کہ میں آپ کو ان کے پکڑے جانے کی تفصیل بتا دوں۔“

”تو بتاؤ اکبر شاہ۔ اب کیوں دیر کر رہے ہو۔“

”ہمارے ساتھ ایک اور آدمی بٹنگر آیا تھا۔ صاحب جس کا تعلق نہ ہمارے قبیلے سے تھا نہ سرکس سے مگر وہ ہمارا دوست تھا اور بہت خطرناک تھا۔ اس کا نام شارق تھا، صاحب یہ دعویٰ آدمی تھا جس نے کرن سنگھ اور اس کے ساتھیوں کی مدد کی تھی اور انہیں یہاں تک پہنچایا تھا، پھر اس نے سو یا کو بھیر سنگھ کے قبضے سے نکال کر سرکس پہنچایا اور اب اس نے یہ کارنامہ سرانجام دیا تھا۔“

”کیسے؟“

”رات کو وہ بھیر سنگھ کو ایک صندوق میں رکھ کر سرکس میں لایا تھا۔۔۔ ہمارے حوٹے کر کے اس نے بتایا کہ خود پتیل سنگھ بھی ہمیں بدل کر یہاں آیا ہے اور اپنے آٹھ آدمیوں کے ساتھ اس نے منصوبہ بندی کی ہے کہ ٹھہ کر جگت سنگھ کو قتل کر کے وہ بٹنگر کی حکومت پر قبضہ کر لے اس کے بعد بھیر سنگھ نے دوسرے بہت سے لوگوں کے قتل کے منصوبے بھی بتائے تھے جن میں غلام شاہ کا قتل بھی شامل تھا یہ لوگ اپنے ساتھ بہت سے آدمی لائے تھے جو مسدد دیکھتے والوں میں شامل ہیں، مگر اٹھیا دینے جانے کی وجہ سے یہ ابھی تک، بٹے منصوبے پر عمل نہیں کر سکتے تھے شارق ان کے ساتھ ہمیں بدل کر شامل ہو گیا تھا اور اس نے ان کے منصوبے کا کام بنا دیا اسی کی مدد سے ہم نے پتیل سنگھ اور اس کے ساتھیوں کو رات میں پکڑا ہے اور اب شیخا نے ہمیں آپ کے حوالے کرنے بھیجا ہے۔“

پونم سنگھ ورجت سنگھ اب بھی حواس میں نہ تھے پھر جگت سنگھ نے خود کو سنبھالا اور پتیل سنگھ سے بولا۔ کیوں رے جان سے مارنے آیا تھا چا چا تھا کر کو نیا بٹنگر پر حکومت کرنا چاہتا ہے۔“

”اس؟“

”میں نے سارے ناطے توڑ دیئے ہیں تم سے تھا کر، کوئی چا چا نہیں ہے میرا، دشمن ہو تم ہمارے، کہاں ہے میرا بھائی راؤن سنگھ، مار ڈالا تم نے اسے پھر بھی تم ہمارے چا چا ہو؟“ پتیل سنگھ نے غرائے ہوئے لہجے میں کہا اور ٹھہ کر جگت سنگھ کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی۔

”یقین نہیں آ رہا تھا حیرے پکڑے جانے پر یقین نہیں آ رہا تھا، ان باتوں پر مگر اب سب ٹھیک ہے، لا دوں گا تجھے راؤن سے، حکومتیں دوس کا تمہیں، حکومت کرو، پونم سنگھ یہ غلام شاہ دیوتا ہے ہمارے لئے بھگوان کی سونگند، پوچا ہو گی نیا بٹنگر اس کے سارے دند در دور ہو گئے ان لوگوں کے آنے سے۔ اکبر شاہ عظیم غلام شاہ کو میرا سلام کہنا، کہنا اس دیوتا سے کہ ہم اسے اپنا نجات دہندہ کہتے ہیں۔ اس نے نیا بٹنگر کی کاٹ تھوڑی دھوئی ہے پونم سنگھ،

قید یوں کو قید خانے میں پہنچا دو کوئی رعایت نہ ہوا۔ اس کے ساتھ۔۔۔“ پھر جگت سنگھ نے بلبر سنگھ کو دیکھتے ہوئے کہا۔۔۔“ اور نگڑے تو نے دیکھ لیا دیوتاؤں سے کمرانے کا نتیجہ۔ خدا کروں کے نام پر کا لک ہو تم۔ تم ہو تم پر۔۔۔“

پانچم سنگھ انتظامات کرنے لگی تھا کچھ دیر کے بعد دو صحافتوں کے ایک مسخ دستے کے ساتھ آ گیا اور یہ لوگ اس کی تحویل میں باہر نکل گئے جب جگت سنگھ نے چڑھتی لہجے میں کہا۔

”اے کبر شاہ غلام شاہ سے کہہ دینا بہت جلد آؤں گا میں اس کے پاس کچھ کام کر لوں ہاتی کے در نہ سارے کام تو اس نے کر دیئے ہیں۔۔۔“

”میں چلا ہوں خدا کر۔۔۔“

”ہاں جاؤ بھگوان تمہارا بھلا کرے۔۔۔“ اکبر شاہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ چل پڑا تھا۔



سارے کام خاموشی سے ہو رہے تھے، میدروں پر تھا، خوب خرید و فروخت ہو رہی تھی ٹھیلے تاشے جاری تھے مگر جگہ جگہ سے ٹیموں سے لوگوں کو لے جایا جا رہا تھا سادہ کپڑوں میں سپاہی آتے اور ہتھیاروں کے تل پر ان لوگوں کو لے جاتے یہ سب جیل سنگھ کے ساتھی تھے جو بڑی خاموشی سے پکارے جا رہے تھے۔ مزید کیا ہو رہا تھا یہ کسی کو معلوم نہیں تھا، خود خدا کرو دوں تک اس طرف نہیں آیا تھا، بھلا صاحب کی شوٹنگ بھی علی بیٹا نے پر ہو رہی تھی اکبر شاہ صبر و سکون کے ساتھ سب کچھ کر رہا تھا اور راجگاری جی اب اس پر پورا پورا اختیار حاصل کر چکی تھیں۔ ضرورت کے سارے سین فکسے جا رہے تھے اور بعد کے خیال کے مطابق اکبر شاہ بہترین پر فارمنس دے رہا تھا۔ ابھی تک خود بعد کو اس بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا کہ اکبر شاہ کا اندر سے کیا حال ہے۔

ادھر شیر اسونیا کا جائزہ لیتی رہی تھی اس واقعے کے بعد سے سو بیانے اس بارے میں شیر سے ایک لفظ بھی نہ کہا تھا۔ مگر پھر یک دن شیر انے تنہائی میں سو نیا کو ٹول ہی ڈالا۔

”شیخا شارق کے معاملے میں بری طرح بھنا گیا ہے۔۔۔“

”اس کا موقف درست ہے۔۔۔ سو نیا پھر بے لہجے میں بولی۔۔۔“

”شارق کا؟“

”نہیں شیخا کا۔۔۔“

وہ فرشتہ جتنے کی کوشش کر رہا ہے ہم پر احسانات کئے جا رہا ہے اور ہماری بات سننے کے لئے تیار نہیں ہے مگر یہ اس کا غلط خیال ہے اگر بطور احسان ملے ہے تو شیطان بالآخر کچھ نہ کچھ کر لینا سہرا لے کر کیا بگاڑ لیا شیطان کے خلاف سازش کر کے بلکہ ایک ٹانگہ ہی کو پیشہ باقی معاملہ ٹانگہ کا تھا یہ ہم پر احسان تو نہیں ہوا۔ وہ جانے اور جگت لگے، نہ جانے وہ کیا سمجھ رہا ہے۔“

”سو نیا“ شیراجہت سے ہوں۔

”میں نے غلط تو نہیں کہا شیرا۔“

”مگر تو اسے چاہتی ہے۔“

”ہاں اسے چاہتی ہوں میں، جتنا جگہ ہوں کہ شاید میں اس وقت سے اسے پسند کرنے لگی تھی جب اس نے پہلی بار رنگ میں مجھے پہلا پھول پیش کیا تھا۔ مجھے اس کی بے باکی اس کے الفاظ پر بیزار آ رہا تھا بہت چھٹا تھا وہ مجھے دور بہت سوچا تھا میں نے اس کے بارے میں، وہ بار بار سامنے آتا رہا اور پھر میرے خیمے میں بھی گھس آیا، شیرا میں نے اس کے بارے میں اس وقت سمجھ گئی سے سوچا اور مجھے احساس ہوا کہ مجھ سے کچھ غلط ہو رہی ہے۔ اس نے مجھے سرکس میں شامل ہونے کا پیشہ کیا میں جانتی تھی کہ یہ ممکن نہیں ہے اور وہی ہوا شارق سے پہلی شہر اندہ چاروں سے شیطان تک رسائی حاصل کر لی مگر میں خود اپنا تجزیہ نہ کر پائی تھی بعد میں شیرا مجھے اس سے بچنے کو کہنے لگی اور میں نے دوبار اس کی جان لینے کی کوشش کی وہ قحط گیا تو مجھے خوشی ہوئی آہ اتم میری کیفیت کا اندازہ نہیں لگا سکتیں میں خود ہی کو نہ سمجھ پا رہی تھی مجھے اندازہ ہی نہیں ہو رہا تھا کہ میں کیا چاہتی ہوں۔ میں نے دل کو سمجھا دیا کہ وہ میرا نہیں ہو سکتا اور مجھے اس سے چھٹکارا حاصل کر لینا چاہئے، وہ مجھے چھینتا رہا اور میں چڑتی رہی خود کو اس سے نفرت پر آمادہ کرتی رہی بڑی بے بسی طاری تھی مجھ پر خود سے جنگ کرنا کتنا مشکل ہوتا ہے کاش تم جان سکتیں پھر اسے لگا دیا گیا، مجھے اس کی تھیک پر دکھ ہو تھا مگر میں نے خوشی کا اظہار کیا مگر میری جی چاہا کہ وہ فلم پلٹ میں رہے اور پھر شیرا اکتور جیت کتے نے کچھ ایسی حرکتیں کیں جن میں میرا قصور نہ تھا اس نے دیکھ لیا اور وہ بددس ہو گیا۔ اس نے گلاب کے بہت سے پھول آگ میں جھونک دیئے اور شیرا مجھے لگا جیسے میرا دل جل رہا ہے۔ پھولوں کا ہواں مجھے اپنے دل سے الگ ہوا لگا وہ وہ چلا گیا شیرا اس کے بعد میری نیندیں بے سکون ہو گئیں میں سوچتی تھی کہ اچھا وہ وہ چلا گیا مگر دل اسے یاد کرتا تھا اور اس کے بعد میں دل کو نہ سمجھ سکی، میری آرزو تھی کہ ایک بار صرف ایک بار اس سے کہوں کہ شارق مجھے معاف کر دے مجھ سے منانا ہوا، میں کفارہ ادا کرنا چاہتی ہوں۔ ساری باتیں دل سے زبان تک آنا چاہتی تھیں میں اس سے کہنا چاہتی تھی کہ میں تمہیں چاہتی ہوں لیکن ہم ندی کے دو کنارے ہیں۔ شیرا یہ کہہ دیتا

میں اس سے تو، تو میرا دل ہلکا ہو جاتا پھر کنور نے میرے خلاف سازش کی اور میری عزت پر بین لگئی اس نے میری آبرو بچائی اور مجھے یہاں پہنچا گیا مگر شیر ایسا ہے اس نے میری لٹی شروع کر دی اس نے مجھ سے، انتقام لینا شروع کر دیا۔ بتاؤ اس نے خود دیکھا تھا کہ میں کنور سے کتنی نفرت کرتی تھی۔ وہ اس کا گوشت اس کی غلط فہمی دور ہو جاتی چاہے تھی نہ اس کے بعد تو وہ، وہ، مگر شیر ادھ اپنے بارے میں کچھ بتانے بغیر چل گیا اس نے مجھے اس قاتل سے سمجھا کہ خود کو مجھ پر ظاہر کر دیتا ہے تو زیادتی تھی اس کی۔ اسے اب نہیں کرنا چاہئے تھا مگر میں نے یہ سوچ کر خود کو سمجھا یا کہ وہ بھی ضدی ہے۔ انتظار کرتی رہی اس کا وہ دوبارہ آیا اور ہماری کوشش کے باوجود نہ رکا، چلا گیا وہ اسے نہیں جانتا چاہئے تھا اسے مجھ سے مناجا پہنے تھا کیا ہو گیا ہے اسے نفرت کرنے لگا ہے نا وہ ہم سے تو ٹھیک ہے ہم بھی اس سے نفرت کرتے ہیں اس لئے اب کی ضرورت ہمیں بالکل نہیں ہے۔“ سونیا زارو دھارو نے لگی۔

”ارے نہیں سونی، میری جان، کیا ہے بھئی یہ۔ سونیا، سونیا سنبھا لو خود کو۔“ شیر اسے تسلیاں دیتی رہی لیکن اسے تشویش ہو گئی تھی اور وہ اس کے بعد وہ مسلسل سوچتی رہی تھی کہ اب وہ کیا کرے مگر سونیا اس کے بعد نہیں روئی تھی سرکس میں بھی وہ پوری دلچسپی سے رہی تھی اور حرکت سنگھ پونم سنگھ کے ساتھ مل کر پنا کام کر رہا تھا حالات بہت پرسکون نظر آ رہے تھے یا مگر کے فوجی ٹیوں سے غائب ہو گئے تھے میلہ شباب پر تھا سرکس پر دولت برس رہی تھی اور میلے کے دن ختم ہوتے جا رہے تھے۔

”رے بھائی بھلے تیرا کام کتنا پاک رہے رے؟“ ایک دن غلام شاہ نے پوچھا۔

”بس شاہ صاحب آپ کی دعاؤں سے ختم ہو چکا ہے، یہی قلم بتائی ہے میں نے کہا اس کا جواب نہیں ہوگا۔“

”تے فرست ہو گئی تو کا؟“

”بالکل فرصت ہو گئی اور شاہ صاحب اکبر شاہ نے میری جتنی مدد کی ہے اس کا تو میں شکریہ نہیں ادا کر سکتا۔“

”تے کا بیٹا ماں در در رہے سکر یہ ادا کرنے کا۔“ غلام شاہ نے ہنس کر کہا۔

”لہم ریلیز ہو جانے دیں اور سینکڑوں قلم، سرکس تلاش نہ کرتے پھریں تو میرا نام بعد نہیں۔“

”اے کا مٹیل ہوئی رہے کا ہے خلاص کریں گے سرکس؟“

”ہاں کہ اکبر شاہ صاحب کو اپنی قلم میں کام کرنے کی دعوت دیں۔“

”کتنا چھوڑ دئی کھا کسم کھورا پتیری بات اور رہے نا بھائی بھسے بے جا کام رہے اور بھٹیک رہے بھائی۔“

”خیر وہ آپ کی مرضی ہے مگر میں آپ کو اس کے دل پر منٹ ضرور دکھاؤں گا۔“

”کا دکھائی ہے؟“

”تھوڑی سی فلم، جس میں اکبر شاہ کا کام ہے۔“

”ہاں اوہ ادا کی گئی ہے۔“

”بس ایک آدھ دن میں اس کا انتظام کر لوں گا میں سوچ رہا تھا کہ کھانگت نکھ بھی اپنے کاموں سے فارغ ہو جائے تو میں پرش پرنٹ دکھاؤں۔“

”اوسے ہاں بھائی بھئی ادا کر بڑے دن سے نچر رہا آئی ہے کا کرت رہے ان دنوں او۔“

”آپ نے غلام شاہ صاحب اس کی بہت بڑی آرزو پوری کر دی ہے بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ آپ کی کوششوں سے یہ مگر میں ہے شمار انسانوں کی زندگیوں محفوظ کر دی ہیں ورنہ جو ہوتا اس میں لاتعداد انسانوں کا خون بہتا یہ سب کچھ جنگ و جدل کے بغیر ممکن نہیں تھا جو آپ نے کر دکھایا۔ راون سنگھ اور بیکل سنگھ اب کھانگت کی قید میں ہیں اور شیطانوں کا شیطان بھی اس کا قیدی بن چکا ہے چنانچہ اب اس بات کے امکانات نہیں ہیں کہ یہ مگر میں خود گیری ہو۔ کھانگت نے مجھے تو کچھ نہیں بتایا لیکن ان دنوں وہ مجھ سے بھی نہیں ملا ہے اور شاید یہ مگر میں موجود ہی نہیں ہے۔ ظاہر ہے ان لوگوں کی گرفتاری کے بعد وہ یہ مگر کے دوسرے انتظامات سنبھالنے میں مصروف ہو گا۔“

”بڑا اچھا آدمی رہے کی کھانگت ہائی ہمیں پانچ گرا کر بڑی کھوسی ہوئی ہے بھلا بھائی آئے تو تھے اپنے کام سے پر کھانگت کرنے کی دوستی دی کہ اور کام کرنے کی بھی جی چاہ گیا ہمیں کھوسی ہے کہ ہم اوسے کام آئے رہے۔“

”میرا خیال ہے شاہ صاحب کہ میں آپ کو اپنی فلم کا یہ حصہ دکھانے کا جلدی بند دوست کر لوں کیونکہ اس کے بعد میں اپنا کام پیک کر رہا ہوں لیکن ہماری واپسی ساتھ ساتھ ہوگی۔ ویسے میں نے جو کچھ سنا ہے اس سے مجھے یہ ظلم ہو کہ میں نے کھانگت کے خاتمے کے اب چند ہی دن رہ گئے ہیں۔ اس کا ایک مخصوص وقت ہوتا ہے جب یہ شروع ہوتا ہے اور اپنے ہی وقت پر ختم ہو جاتا ہے۔“

”بھئی تیری مرضی بھائی ویسے ہمارا بھی بڑا پھانگہ ہوا ہے یہاں یہ مگر اس آکر کھانگت کرن بڑے چند دن رہیں۔“ غلام شاہ نے کہا۔

بھلا غلام شاہ سے رخصت ہو گیا اور غلام شاہ معمول کے کاموں میں مصروف ہو گیا بلکہ ہر اب ایسی کوئی خاص بات نہیں تھی جو کسی کے لئے باعث پریشانی ہو سارے کام بحسن و خوبی چل رہے تھے پھر بھلا صاحب نے ان لوگوں کو دعوت دی اور اس کا انتظام وہیں اپنے پرنٹ کے ایک بڑے حصے میں کیا۔ پرو جیکٹر وغیرہ تیار کر کے لگے مہینوں میں خاص خاص لوگوں کو شامل کیا گیا تھا پھر بھی بہت بڑی تعداد تھی اس کی غلام شاہ کے سرکس کے لوگ ایک سمت بیٹھ گئے تھے را بکھائی تھی تو اپنی عادت کے مطابق اکبر شاہ کے قریب رہنے کی کوشش کرتی تھیں جب کہ اکبر شاہ ہمیشہ ان سے بدکھتا تھا

مگر کچھ ایسی طبیعت پائی تھی راجکری نے کہ وہ کسی بات کو خاطر میں نہیں لاتی تھیں۔ اس وقت بھی وہ جگہ بنا راجکری شاہ کے پاس ہی آ بیٹھی تھیں غلام شاہ کچھ فاصلے پر تھا بھلا قریب بیٹھ ہو تھا اور اس کے بعد فلم سکرین پر نمودار ہو گئی اور مناظر آگے بڑھنے لگے سرکس کے مناظر خصوصی طور پر فلمائے گئے تھے اور جگہ جگہ منکوسو نیا سالونی اور ایک دوسرے تمام لوگوں کے کام بہت ہی خوبصورتی سے لہاؤں کے گئے تھے۔ غلام شاہ بچوں کی طرح خوش ہو رہا تھا اور بار بار راتوں پر ہاتھ مار مار کر بھلا کو اس فنکاری کی ٹیکنیک سمجھ رہا تھا اور بتا رہا تھا کہ مجھو لے پر مجھو لے والے صرف چھلانگیں ہی نہیں لگا رہے بلکہ وہ زندگی کا خوف کترین کھیل، کھیل رہے ہیں اور اس میں ان کی ذرا ہی لغزش انہیں کس طرح زندگی سے دور کر سکتی ہے۔ یہ تمام باتیں وہ بعد کو بتا رہا تھا اس کے بعد مناظر میں تبدیلی ہوئی راجکری کو خود کوئی کرتے ہوئے دکھایا گیا اور اکبر شاہ نے سے صحن وقت پر بچاپ تو غلام شاہ خوشی سے الجھل پڑا۔

”ارے واہ ای ہوئی بات سارے جو فوں کو ایسا ہی کرنا چاہتے ارے وہ رے اکبر بڑھیا بھی بڑھیا۔“ تمام لوگ اپنی مسکراہٹیں نہیں روک سکے تھے پھر جب اکبر شاہ نے بے ہوش راجکری کو گھایا تو غلام شاہ پہلو بد لئے لگا اور اس نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔ ”بڑے حرام کھور ہوت ہیں بھیا ی جواں لڑکا کو نو موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتی ہے۔“ بھلا صاحب کا ہتھ باندھ گیا تھا لیکن غلام شاہ بڑی تشویش بھری نگاہوں سے اکبر شاہ کو دیکھ رہا تھا۔ اور خود اکبر شاہ کا چہرہ شرم سے سرخ ہوتا جا رہا تھا پھر دوسرا سین آ یا اور اکبر شاہ کو راجکری کی جانب متوجہ دکھایا گیا گو سے زیادہ ڈانڈا لگ نہیں پڑے پڑ رہے تھے لیکن چہرے کے تاثرات سے اسے یہ اظہار کرنا تھا کہ وہ راجکری پر فدا ہو گیا ہے اور ایسے دوسرے سیل بھی آتے تھے جن میں وہ راجکری کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر اپنی محبت کا اظہار کر دیتا تھا۔ راجکری بار بار اکبر شاہ کا شانہ دہا رہی تھی اور وہ بڑی طرح کسمپاش رہا تھا ایک سین پر غلام شاہ کی دھاڑ ابھری۔

”ارے اوکی حرام کھور دے کا کرت ہے بے سرم، ارے تیری حرام کھور کی ایسی تھی ارے دو بے سرم پیچھے ہٹ، پیچھے ہٹ۔“

لوگوں کے قہقہے روکے نہ رک رہے تھے کبر شاہ جھلائے ہوئے انداز میں اٹھا اور جیزی سے خیمے سے باہر نکل گیا خود سو نیا بے تحاشا جنس رہی تھی سالونی کی ہنسی روکے نہ رک رہی تھی تمام ہی لوگ قہقہے لگا رہے تھے غلام شاہ دودھاڑ کر پڑا۔

”ارے ہم تو اس کو بڑا سر پہ بھٹکتے تھے یہ حرام کھور گیا کدھر ادھر آ رہا ہے پاس اکبر ارے حرکتیں ہیں حیرتی ارے کدھر گیا رہا؟“

”وہ باہر چلے گئے شہنا۔“

”تو ہاتھ نہ لگے گا کاہا رے ہم سے کہت رہے سونگ کرے سونگ کرے ارے ای سونگ کرے تے نے ارے بھائی بھستے تے نے بھی اسے نامتع کری ہے کا، اسے بے سرم کی حرکتیں تو دیکھو ارے ہمارے سامنے کیسا منہ بنائے رہے اور ی سونی، ارے کدھر گیا حیرا یہ بھیانک کر لائی ہمارے

سامنے ارے ای بے سرم نام ڈبوئی دے ہمار بھئی، حسان کریں ہے تو اس لئے کرتی ہے ارے بھاری کو پر یہاں کر کے رکھ دئی ہے ہم تے ایسا نہ سمجھ
 رہے تو کا بھائی ہاتھ نہ لگے گا کا ارے پوچھتی ہے تو کا۔“
 ”شاہ صاحب یہ تو فن ہے آرٹ ہے اس سے جو کہا گیا اس نے ایسا ہی کیا۔“
 ”ارے کون ہے سرم کہے رہے اس سے ای سب سمجھ کرنے کو، ارے تو سوچ بھائی بھئی اولوٹ یا سرکس کی تو تار ہے اور ای بے سرم کو دیکھو اس کے
 پیچھے ہی پڑ گیا ارے ہم سے بات کرتی ہے ہم سے تو کبھی بھی نا کہتے رہے کہ شادی کرے گا بھائی بھئی، اب کا ہوئی گا؟“
 ”کچھ نہیں ہوگا شاہ صاحب آپ برا کرم فلم دیکھئے۔“
 ”ارے کا کھا ک دیکھی ہے سارا ٹیکمیل کھرا ب ہوئی گواہ رہا بتاؤ اب ای ان پکراں ماں پڑ گئی ہے تو سرکس ماں کا کرتی ہے، سرکس کا کا ہوئی ہے
 ارے سولی پٹا جرتے ادھر آ جا رہے پاس۔“ سونیا ہنسی ہوئی اپنی جگہ سے اٹھی، اچھا خاصا تما شاہیں گئی تھ غلام شاہ کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں
 اس نے سرگوشی کے انداز میں سونیا سے کہا۔
 ”اب کا ہوئی گا رہی تے سوچ ی لوٹ ی کیسی رہے؟“
 ”شیخا غاموشی سے فلم دیکھو سب جنس رہے ہیں۔“
 ”ری ای جس رہے ہیں ہم تو در رہے ہیں ماں تے خود سوچ بیٹا کی کیسے ہوئی سکت اور حرام کھور ہمارے تو کان ماں، کھبر تک نہ پڑنے دئی ہے۔“
 ”میر خیاں ہے آپ چلیں یہاں سے شیخا۔“
 ”ارے ناچتے، ناچتے اور حرام کھور کا پکڑ کا ادھر ٹی ہے بات کرتی ہے، دو سے ہم سے کا ہے نا ہے کہتے ای سب سمجھ۔“ بھلا صاحب نے ہاتھ اوپر کیا
 اور پردہ کیلٹر بند کر دیا لوگوں کے قہقہے آسمان سے باتیں کر رہے تھے اور یک اچھا خاصا تقریبی پروگرام ہو گیا تھا بھلا صاحب کی عجیب کیفیت تھی ہنستے
 ہنستے ان کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا اور آنکھوں سے آنسو نکل آئے تھے۔ انہوں نے غلام شاہ سے کہا۔
 ”آپ آئیے میرے خیمے میں آئیے۔“ اور پھر وہ ربر دتی غلام شاہ کو اپنے خیمے میں لے گیا۔ سونیا وغیرہ اپنے آپ پر قابو نہ پا سکتے تھے اور بے تحاشا
 جنس رہے تھے۔ بھلانے غلام شاہ سے کہا۔
 ”قربان ہو جانے کوئی چاہتا ہے آپ کی معصومیت پر غلام شاہ صاحب۔“
 ”رے بے کوئی کہو بے کوئی ہم ان سہروں کو کا سمجھ رہیں اور ای کا اٹھئے۔“

”نہیں غلام شاہ صاحب اکبر شاہ کا اس میں کوئی قصور نہیں ہے۔“

”ہاں بھیا کسور ہمارا ہے ٹھیک کہتے ہو تم ہم ان کی جگہ پر درس ناکر سکتے رہے۔“

”نہیں شاہ صاحب ان فلموں میں یہ مناظر مصنوعی ہوتے ہیں۔ میرا مطلب ہے کہ ان کے مطابق کام کیا جاتا ہے۔ اب اس فلم کا منظر کچھ یہ ہی تھا۔“

”میں یہ سین دکھانے تھے اس کی ہدایت کی گئی تھی اکبر شاہ صاحب کو اور ان بچارے نے وہی سب کچھ کیا جو ان سے کہا گیا تھا۔“

”ارے پرائی سہ سہری نا ہے گا۔ جے کھو دسوچ بھائی بھئے جوان چھو کرا، جو اس چھو کر یا اور ی ساری حرکتیں، نا بھائی نا تو گھٹ فلمی کا سکار ہے بھائی

بھئے یہ جوان چھو کرے چھو کر یاں سب بہوت تیج ہوت رہیں ہم کچھ گئے اچھی طرح سمجھ گئے۔“

”شاہ صاحب آپ بچارے اکبر شاہ سے کچھ نہ کہیں انہوں نے تو بڑی مشکل سے یہ سارے سین ہماری مرضی سے دیئے ہیں۔ آپ سمجھنے کی کوشش

کیوں نہیں کرتے؟“

”ارے کا سمجھ رہیں، بھائی بس ہمارا تو جان تھک کر رہی گئی رہے۔ کھیر مولا کی مرضی کا کر سکتے ہیں پر اب ہوئی گا کا؟“ غلام شاہ کسی طرح بات

سمجھ نہیں پا رہا تھا بہر طور اس کے بعد فلم کو آگے دکھانے کا منصوبہ دھرائی کا دھرا رہ گیا۔

بھلا صاحب نے پردہ جیکڑ ہٹانے کی ہدایت کر دی تھی، اور پھر وہ بہت دیر تک غلام شاہ کو سمجھاتا رہا تھا پھر غلام شاہ اپنے خیمے میں واپس آ گیا۔ عجیب

گہری سوچوں کا شکار تھا وہ یہاں تک کہ اس نے سوئی کو طلب کر لیا۔ سوئی فٹسی ہوئی اس کے پاس پہنچ گئی۔

”ارے سو نہ بڑا دیکھا تو نے ی ساری حرکتیں دیکھیں اپنے بھیہ کی؟“

”شیخا، بھیا کا کوئی قصور نہیں ہے ناں اس میں۔“

”ہاں بھیا کسور ہمارا ہے ہم کا ہے نا ہے سوچتا نا سسران کے پارے میں۔ ارے بھائی سادی وادی کر یو ہماری جگہ کی ماں اور پتہ نہیں کا کا کرتے

پھر وگے تم لوگ۔“ اسی وقت اکبر شاہ فیسے سے پاؤں پٹختا ہوا غلام شاہ کے خیمے میں آ گیا۔

”شیخا تہ ری مروت نے ہمیشہ تجھے مرد دیا ہے۔ میں یہ سب کچھ نہیں کرنا چاہتا تھا تم نے کہ بھلا جی سے تعاون کرو، میں نے بہت منہ کیا بھلا جی کو کہ

میں ایسے سین نہیں کر سکتا مگر انہوں سے درخواست کی مجھ سے اور تم ان کے گھرے دوست ہے ہوئے تھے مجھے مجبوراً یہ سب کچھ کرنا پڑا۔“

”پر ہوا ای تو سوچ وڑ کی ہمارے کہیں کی نا ہے۔“

”تو مجھے کیا اس کا اچار ڈالنا ہے۔“

”یہ جتے تے۔“ غلام شاہ نے جمدادھورا چھوڑ دیا اور کبرشاہ کو گھورنے لگا۔

”ایک بات آپ کو بتائے: جتا ہوں شیخا ورسو نیا تم بھی سنو اب اگر راجک ری میری طرف آئی تو میں اسے گولی مار دوں گا دیکھو شیخا، بھلا سے متح کر دینا کہ رہنکار کی اب میری طرف رخ بھی نہ کرنے پائے ورنہ جو کچھ ہوگا اس کے ذمے دار تم خود ہو گے۔“

”ارے ارے ارے، ارے بھائی ہمارے کھوپڑیا مسر یا نکل ہی کھرا اب ہوت رہے کا، ارے دھڑکا کر رہے تے اور ادھر کا بکے ہے ہماری سمجھ ماں نا آت ہے۔“

”شیخا سب لوگ تو جھپٹیں سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ یہ فن سب کھیل ہے جس طرح ہم لوگ بھوے پر فٹکاری کرتے ہیں اسی طرح لکھوں میں لگا رہوئی بھی کہہ نیوں پر اسی قسم کی لٹکاری کرتے ہیں۔“

”ارے واری تیری پھنکاری، ارے چاہا رکھو پڑیا کھرا اب کر بھائی موجن دے ہم کا، چاؤ تم لوگ باہر چاؤ۔“ غلام شاہ نے دونوں ہاتھ جھٹک کر کہا اور سو نیا کبرشاہ کا ہاتھ دھکڑے ہونے باہر نکل آئی۔ وہ پھر نہس رہی تھی۔

”دیکھو سو نیا میرا داغ خراب ہو جائے گا مجھ پر ہنسے کے مواقع فراہم کئے گئے ہیں میرا تو کوئی قصور نہیں تھا۔“

”بھیا تم شیخا کو جاننے ہو ایک طرف وہ اپنے معاملات میں بہت شاطر بہت تیز ہے تو دوسری طرف اس دنیا سے بالکل ہی ناواقف۔ چھوڑو شو دھنڈو پریشان ہو رہے ہو۔“

”بھلا صاحب سے یہ بھی کہہ دینا کہ اب اس قلم کا کوئی سین سرکس کے کسی آدمی کی ٹکا ہوں میں نہ آئے گا۔“

”ہاں ہاں ٹھیک ہے کہہ دوں گی، کہہ دوں گی۔“ سو نیانے کہا اور پھر بالکل تمام وہ اکبرشاہ کو ٹھنڈا کرانسی تھی۔ وچسپ بات یہ ہوئی کہ مس راجک ری بھی اتفاق سے کچھ دیر کے بعد ادھر نکل آئی تھیں اور اکبرشاہ کو تلاش کرتی پھر رہی تھیں بد قسمتی سے غلام شاہ سے ملاقات ہو گئی اور غلام شاہ چونک کر سے دیکھے لگا۔

”کیونو شاہ صاحب اکبرشاہ صاحب کہاں ہیں؟“

”ہمارا تھا آ۔“ غلام شاہ نے کہا اور راجک ری اس کے پیچھے چل پڑی۔ دور سے سنا تو لی نے اسے دیکھا اور سو نیانے کے خیمے کی طرف دوڑ پڑی۔ پھر شیراسا نو لی اور سو نیانے شاہ کے خیمے کے عقب میں آچھپیں اور اندر ہونے والی باتیں سنے لگیں۔

”تے ای بتا دینا ای پھنکاری کا ہوت ہے؟“

”شاہ صاحب ہم لوگ آرہٹ ہیں۔ سکرین پر ہٹاؤن فٹش کرتے ہیں، جس طرح آپ چٹل میں شو فٹش کرتے ہیں۔“

”اور تو کوئی بات نا ہے بیٹا؟“

”اور کون سی بات شاہ صاحب؟“

”ہمارا مشکل رہے اکبر شاہ اور تو کچھ نا کہے تو سے ارے اور کا جان کھوی رہے ہم تو سے تو ہار ہار ہار ہار ہے گا۔“ غلام شاہ جھل گیا۔

”آپ کی باتیں اول تو میری سمجھ میں مشکل ہی سے آتی ہیں شاہ صاحب نہ جانے آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ میں چلتی ہوں۔“ راجکری حریف کچھ کہے بغیر ہار نکل گئی اور غلام شاہ دروازے کو گھورتا رہا پھر اس کے ہونٹوں سے بڑبڑاہٹ نکلی۔

”ب ٹھیک ہے بیٹا، ہمارا دل تو ہار دے بیٹے ہی دکھ رہا تھا، مگر تو بچی ہے بھائی پوری بچی ہے اب سب ٹھیک ہے۔“

”راجکری ہار نکلے تو شیوں لڑکیوں نے اس کا استقبال کیا۔“ دیورا بھکری جی۔“ شیر اسنے کہا۔

”پھلو اکبر شاہ صاحب کہاں ہیں؟“

”سب کیا کریں گی راجکری جی اب کا، شوٹنگ تو ختم ہو گئی ہے۔“ شیر ابولی۔

”وہ میرے دوست ہیں۔ آپ سب لوگ عجیب ہیں، پتہ نہیں کیسی جا بلاناہاتس کرتے ہیں۔“

”قبائلی ہیں ہم لوگ، ایلنے دماغ کے ہوتے ہیں۔“ بعض اوقات قصص بھی پہنچا دیتے ہیں اس لئے آپ اکبر بھی کوجھلاش نہ کریں۔“

”میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا، اوہ، اوہ اہل بدتمیز۔“ راجکری غصے میں پاؤں پٹختی ہوئی دہاں سے چلی گئی۔ لڑکیاں قہقہے لگا رہی تھیں۔

وقت کچھ اور آگے بڑھ گیا۔ مینے کے خاتمے کی تاریخ کا اعلان ہو گیا تھا اور بہت سے لوگوں نے چٹا سا دن باندھنا شروع کر دیا تھا۔ غلام شاہ کے ڈیرے میں بھی سہا لگ تھی۔

”ہم تو دی واسطے بدلی ہے پیر نو کہ سب منڈوانی مگر سے چلی ہے اب کہ کدھر جاؤ گے؟“

”تم نے نیک ہار کہا تھا شیخا کہ نیا مگر سے وہاں ہی کے بعد کسی بڑے شہر میں سرکس لگاؤ گے۔“ کلاب خان نے کہا۔

”ہاں یاد ہے کدھر رہا، کدھر کھیل ہے اکبرا، ای ہار ہم مانک گڑھ چلی ہے او علا کہ دیکھا او نا رہے ہم نے۔“

”ہاں کل ٹھیک ہے شیخا ہم وہیں چلیں گے۔“ اکبر شاہ نے کہا۔

”پھر پورا کام کر لو کہ مر سے چٹا ہے دی ساری تیاریاں کر لو میلہ کے بعد چندی نکل چلی ہے۔“

”کام فوراً شروع ہو جائے گا شیخا۔“ اکبر شاہ نے کہا اور بعد صاحب کو بھی سرکس کی واپسی کے بارے میں بتا دیا گیا تھا اور وہ بھی تیاریوں میں

مصرف ہو گئے تھے۔ پھر میسے کے خاتمے کا دن آ گیا۔ ایک رات پہلے جگت سنگھ پونم سنگھ کے ساتھ سرکس آیا بہت خوش نظر آ رہا تھا۔
 ”آؤٹھ کر جی کہیں گائے ہوئی گئے بھائی؟“

”آپ نے شاہ صاحب مجھے ہی نہیں پوری نیا نگر کی کو انعام دیا ہے، زندگی سلامتی اور خوشحالی کا انعام، نیا نگر کی تاریخ میں غلام شاہ، اکبر شاہ اور چنگو سنگھ کو بیشہ پاد رکھا جائے گا۔ یہ سرکس کبھی نہ بھلا یا جائے گا۔“

”ارے بھائی کا ہے سرمندہ کرے ہے۔ ہم کا کری ہے یں۔“ غلام شاہ نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔

دوسرے دن میسے کا اختتام کر دیا گیا۔ اس کے لئے خاص پروگرام ترتیب دیئے گئے تھے اور ایک بڑے میدان میں میسے میں شریک تمام لوگوں کو جمع ہونے کی ہدایت کی گئی تھی۔

دو پہر تک میدان انہوں سے کچھا کچھ بھر گیا۔ ٹھاکر میسے کے شرکاؤں سے کچھ کہتا چاہتا تھا۔ غلام شاہ بھلا صاحب اور دوسرے لوگ بھی خاص طور سے مدعو کیے گئے تھے۔ پھر شیخا سے ٹھاکر جگت سنگھ بے شمار انسانوں کے ساتھ میدان آ گیا۔ اس کے ساتھ قیدی بھی تھے جنہیں ایک قطار میں کھڑ کر دیا گیا۔ پھر ٹھاکر نے کہا۔

”نیا نگر کے پاس آج میلہ ختم ہو گیا۔ مجھے خوشی ہے کہ برے جانے کے باوجود میلہ اپنی روایات کے مطابق لگا۔ مجھ میں بہت نہ تھی کہ میں یہ مختصر مصل لے سکتا لیکن بھگوان نے ہمارے درمیان ایک اوتار بھیجا جس نے نیا نگر کی کالی تقدیر پھر سے چمکا دی اور مصیبت میں گھرے ہوئے لوگوں کو مصیبت سے نکال دیا۔ گروہ نہ ہوتا تو شاید نیا نگر کے پناہوں کی چٹائیں صحت سے سرخ ہو جاتیں۔ اسنے انسان مرتے کر آبادیاں خالی ہو جاتیں۔ نیا نگر کے بڑوں نے ٹھاکر جگت سنگھ کو غامب اور بے یمن سمجھا تھا کہ خیال تھا کہ جگت سنگھ ان کا حق مارنا چاہتا ہے میں نے ان کے تجویز کردہ علاقے انہیں دیئے اور وہاں جو کچھ ہوا وہ تم لوگ جانتے ہو مجھ سے کہہ جا رہا تھا کہ میں ان علاقوں کو آزاد کر اؤں فوج کشی کے بغیر یہ ممکن نہ تھا اور میں انسانوں کی ہلاکت نہ چاہتا تھا۔ بڑا پریشان تھا میں، مگر اس اوتار نے اپنے حیرت انگیز ساتھیوں کے ساتھ میری مدد کی یہ اوتار سرکس کا مالک غلام شاہ ہے۔ وہ ہے نیا نگر کے پاس تہا راجہاست دھندہ۔“ جگت سنگھ نے غلام شاہ کی طرف اشارہ کیا اور لوگ گردنیں اٹھ کر غلام شاہ کو دیکھنے لگے۔ غلام شاہ کے منہ سے آہستہ سے نکلا۔

”رے اوہ، تو ہار حرام کھور کی۔“

جگت سنگھ نے گلوگیر لہجے میں کہا۔ ”ایک بھی انسان کا خون بہائے بغیر، پتیل اور راویں سنگھ کو گرفتار کر کے ہمیں پیش کرنے وان غلام شاہ اور آپ میں

نے انہیں ٹھاکروں کے حرم سے کر دیا ہے یہی ان کا فیصلہ کریں گے۔ جنہیں خبر دی جاتی ہے کہ سورج گڑھ اور پتیل نواس کی جون کی راہدہ کی تھے سب ہمارے قبضے میں ہیں، پورے نیو گریپر ہمارا کنٹرول ہے۔ ہر شخص بے فکری سے اپنے گھر کو جا کر آباد کر سکتا ہے۔ تم لوگ میدان لگا رہے تھے اور میں تمہارے گھروں کو آباد کر رہا تھا۔ اب سب ٹھیک ہو جائے گا۔ چاہا ہے گھر جاؤ، اپنی کھیتیاں آباد کرو اب کوئی تم سے کچھ نہیں چھینے گا۔“

پیر گاہ کا ہجوم خوشی کے نعرے لگانے لگا یہ نعرے پورا دن اور آدھی رات تک لگتے رہے تھے ٹھاکر غلام شاہ اور اس کے بہت سے ساتھیوں کو اپنے ساتھ جوڑی لے گیا تھا جہاں سارے محضر ٹھاکر موجود تھے۔

”رے بھائی ٹھاکر، تم نے تو ہمارے کھوپڑیا پر بھی روپ پھول برسا دیئے رے ارے ہم کا کری ہے تو ہمارے سنے بھائی؟“

”عقیدت کے پھول ہیں شاہ صاحب جو ہم نہ کر پائے نیا گھر کے لئے وہ آپ نے کر دیا۔ کیا نہیں کیا آپ نے چکو منکو نے بنانا کی تھی اور اتنا کچھ کیا کہ ان ننھے دوستوں کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ اکبر شاہ نے راون کو حاصل کر کے نیا گھر کی خوش بختی کے دروازے کھولے اور آپ نے پتیل سنگھ کو گرتی دکر کے امن کی تکمیل کر دی۔“

”ارے ہم نے اسی نہ کر، ہوا، سچے ی کرے ہے اوتوا تو سرسراہاروٹھا ہے کہ مٹانے ناسنے۔“ غلام شاہ کے سبچے میں اسی (دوڑ گئی۔“

”ہاں کاش شارق بھی ہمارے ساتھ ہوتا۔“ ٹھاکر جگت نے تپ پھر بولا۔

”بلجہر سنگھ آپ کا مجرم ہے شاہ صاحب، اس کا فیصلہ آپ کریں گے۔“

”میں ہوں۔ اسی سرسرتنگڑوا کا نام کا کری ہے۔ سرسرتنگڑوا کہ ماری ہے ہم پکڑی ہے اور اسی کہتے ہیں یہ گھر کا ٹھاکر ہے تو کا دیکھنی۔ گلام سا۔ ہم آئے گئے بھائی ی کا دیکھ دیں کو احوال کے باجی کرے ہمارے ساتھ پر ہمارے کچھ نہ بگاڑ سکے اسی۔ ارے ہم کا بولتے اور سنگڑے گلام شاہ تیری تو ہمیں سنگھ کے ہاتھ لکھی ہے آج بول بھائی تے بھی سنگڑا ہوئی گیا۔ ارے اسی ہمیں اسر سنگڑے آج تو تو سے بولیں ہیں۔ ٹھاکر اگر توری جاں بکسی کر دیوے تو اجئی ہے جہاں تو ہار جی چاہے تلاش کرئی ہے ہمارے سرکس اور ماروئی ہے اور حرم کھور ہماری موت تیرے ہاتھ سے ناکھی۔ ارے ترے ناما رسکت لکھ لے ہمارے باس۔“ غلام شاہ ہنہاتی ہو گیا۔ پھر اس نے کہا ارے ما پھ کر دیئے بھائی ٹھاکر، اسے زندگی دے ہم اس سرکس کا تیار کریں گے اپنے سرکس ما۔“

سب لوگ سکوت کے عالم میں تھے۔

سرکس اکٹڑ گیا۔ ساماں شرکوں پر بار ہو گیا ادھر بھلا صاحب نے بھی تیاریاں کر لی تھیں۔ میدان گاہ خالی ہو گئی تھی۔ پھر میدان گاہ ہی میں ایک آخری تقریب ہوئی اور اس میں ٹھاکر جگت سنگھ نے نہیں نہائی جیتی تھا کف پیش کیے۔ چٹا منکو کو خصوصی طور پر پوٹم سنگھ نے اپنی طرف سے بھی بہت سے تحفے دیئے

تھے اور کہا تھا۔

”تم دونوں بے ہمارے لئے جو کچھ کیا ہے اسے میں مرتے دم تک نہ بھولی سکوں گا۔ بظاہر تمہارے قد چھوٹے ہیں، لیکن تم بڑے بڑے قد آوروں پر بھاری ہو۔ دنیا کے طاقتور ترین لوگ تمہارا مقابلہ نہیں کر سکتے۔“

چٹکو نے عجیب سی نظروں سے سرکس کی ٹکی سدھیا کو دیکھا تھا اور پھر آہستہ سے بولا تھا۔ سدھیا ان الفاظ پر غور کرتا۔ اس کے بعد وہ بے چارے چل پڑے تھے۔ پیادہ عبور کرتے ہوئے غلام شاہ نے ٹھکڑے سے ہاتھ ملا کر تو جگت نگاہ سے کہا۔

”شاہ صاحب آئندہ سال یہ نگر کے باسی سرکس کا انتظار کریں گے۔“

”بہم جرو آئی ہے ٹھکڑے سے وہ۔ سرکس اور فلم یونٹ پیادہ عبور کر کے دوسری طرف آ گیا اور پھر برق رفتاری سے آگے کا سفر کیا جانے لگا۔ شیرا سو بیا کے ساتھ تھی اور اس کا ہاتھ لیتی رہی تھی۔ جس دن سہلہ ختم ہو تھا اس دن بھی اور اس کے بعد سے آج تک شیرا نے سونپا کی آنکھوں پر نگاہ رکھی تھی۔ یہ آنکھیں انسانوں کے ہجوم میں کوئی چہرہ تلاش کر رہی تھی۔ ان میں عجیب سے دیرانی چھائی رہی تھی۔

سرکس در فلم یونٹ کا پہلا بڑا ٹیک چانی پچانی جگہ ہوا۔ دوسرا بڑا ٹیک اس تحصیل کے کنارے ہو جس میں شارق کوڈ بونے کی کوشش کی گئی تھی شیرا نے سو بیا کو دیکھ کر تحصیل کے کنارے کھڑا ہو کر دیکھا تھا۔ پھر وہ واپس آگئی تھی لیکن اسی وقت چٹکو منکوا کبر شاہ کے خیمے میں گھس آئے۔ وہ بری طرح ہانپ رہے تھے۔

”کبر بھیا، شارق، شارق۔“ چٹکو نے ہاتھ پتے ہوئے کہا اور اکبر شاہ اچھل پڑا۔

”کہاں ہے، کہاں ہے؟“ اس نے پوچھا۔

”ابھی ابھی وہ ایک ٹرک کی ترپال اٹھ کر نیچے ترا ہے اور تحصیل کی طرف گیا ہے۔“ چٹکو نے بتایا۔

کبر شاہ نے بے اختیار خیمے سے باہر نکلنے کے لئے قدم بڑھائے مگر پھر رک گیا پھر اس نے پر خیال انداز میں کہا۔ ”ہمارا ٹرک تھا؟“

”جی اکبر بھیا، منکوا بولا۔“

”تمہیں دھوکا تو نہیں ہوا؟“

”بالکل نہیں۔“

”آؤ شیخا کو بتائیں۔“ اکبر شاہ نے کہا ور خیمے سے باہر نکل آیا، پیسے اس نے سوچا تھا کہ تحصیل کی طرف دوڑ جائے لیکن پھر راوہ ترک کر دیا، سبکی ہار کا تجربہ تھا۔ وہ شارق کو پکڑ نہیں سکا تھا۔ ہار پا کوشش کر کے دور ناکام رہ کر اپنا مذاق نہیں اڑوانا چاہتا تھا۔ سو بیا اور سدھیا غلام شاہ کے خیمے میں موجود

تھیں سو میری ہنس رہی تھی اور لہذا شہنشاہ نے چھوڑے بیٹھا تھا۔ سو نیا نے اکبر شاہ کو دیکھا اور ایک دم قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔

”تمہاری بیڑی کی محسوس ہو رہی تھی اکبر بیٹا، اچھا ہوا تم آگئے، ایک مشکل مرحلہ درپیش ہے۔“ اس نے کہا۔

”شیخا ایک اطلاع دینے آیا ہوں۔“ اکبر شاہ نے سونو کی بات نظر انداز کر کے کہا۔

”دیوبند جاتے بھی اطلاع دیو۔“ غلام شاہ عجیب سے بچے میں بولا۔

”شارق ہمارے ساتھ ہی سفر کر رہا ہے۔“ اکبر شاہ نے کہا۔

”رہے تو ہمارا حرام کھوراکہ، ارے مر گئے ہیں، ہم تو، ارے کا ہوئی ہے آکھر ہمارا سر کھو پڑیا کا ارے کہاں مرے ہے اور حرام کھوراکہ دیا۔“ غلام شاہ نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا۔ سونو کی ہنسی آہستہ آہستہ سکڑ گئی، وہ ہنچیدہ ہونے لگی تھی۔

”چٹکونٹکونٹے اسے ٹوک سے اتر کر جھیل کر طرف جاتے ہوئے دیکھا ہے۔“ اکبر شاہ نے کہا۔

”ڈوب مرن گیا ہوگا حرام کھور۔ ارے مرن دوسر کو بھائی بار بار ہمیں کا ہے اس کی کھبر سناؤ ہو۔“ اکبر شاہ کراہتے ہوئے بولا۔

”ان لوگوں نے آکر مجھے بتایا تو میں جھیل کی طرف جانے کے بجائے تمہارے پاس آگیا شیخا اس کی یہ اداسی میں نہیں آئی مگر وہاں ہی کے لئے ہمارا ہی سہارا چاہتے تھے تو پھر اس آنکھ مچولی کی کیا ضرورت ہے سیدھا سیدھا ہمارے ساتھ سفر کرتا۔“

”ہاڑے رہے تو ہمارا سہارا۔ ارے تو ہمارا سہارے کر رہی تو اس نے یہ عجیب دھڑکی ہے ہمارا تلوار کو پکڑ رکھی ہے۔ بہت بڑ بول بولے لگا ہے رہے تے اکبر! اسے میرا سہارا ہی تو چاہت ہے۔“

”تمہاری باتیں میری سمجھ میں بالکل نہیں آئیں شیخا، یہ بتا دو تم اس سے نفرت کرتے ہو یا محبت؟“ اکبر شاہ جھل کر بولا۔

”ارے کا بتائی ہے پیر، کھو پڑیا پلپلائے تھی ہمارا تو، کیسے ٹھکرت کریں اس سے بچے ہی تو رہے سر، بچپن ماں سرارت تو سب ہی کرت ہیں اسے بھی اسی میں بچا آئے رہے اور کیسے جانے گا دوسرا ہمارے ساتھ آتے ہمارا ساتھ جات۔ پتہ نا کھانی کہاں سے رہے؟“

”کچن سے چوری کرتا ہوگا اور کہاں سے کھانا ہوگا۔“ اکبر شاہ جمل کر بولا۔

غلام شاہ نے کوئی جواب نہیں دیا وہ کسی سوچ میں گم تھا پھر اس نے کہا۔

”چٹکونٹکونٹے دیکھا ہے اسے؟“

”ہاں!“

”اس نے نہیں دیکھا؟“

”مجھے نہیں معلوم۔“ اکبر شاہ نے کہا۔

”ہوں تو بے ادب کروا اکبر، کچھ موس رو جا، اس کی ہم پکڑیں گے اور اسے گلام سا ہے اور نام اب دیکھیں سر کیسے گل جاتی ہے چنگ منگ سے کہہ دے آرام کریں جاہر نہ کریں کہ اسے دیکھ چکے ہیں۔ بس ہاکی کام ہم کھود کر لٹی ہے ہم اور تو دیکھیں اس ہاتھ کو کیسے گل جاتی ہے۔“

”ٹھیک ہے شیخا میں چلا ہوں۔“

”رے ماہو، آ جا بیٹھ جا تو بھی سن لے گا رٹ کی کی رام کہانی۔ اسے سر سب کو بھاگ لگی ہے، بیٹھا جا۔“

”ہا ہر چکو منکو کھڑے ہیں۔“

”رے بھگاترم کھور اکو اور کھو دے اس کا پیچہ نہ کریں۔“ اکبر شاہ چکو منکو کو شیخا کی ہدایت کے مطابق بھجوا کر دے پس آیا اور بیٹھ گیا۔ ”ای تو ہار چکے ہو بے جا تم ہیں بھائی کی حرام کھور چنگ منگ۔“

”اکبر شاہ نے سوتلی کی طرف دیکھا اور سونیا مسکرا دی۔ اب اس کی وہ ہنسی برقرار نہیں رہی تھی جو کچھ دیر پہلے تھی۔“ پھر وہ پورے ”کیا ہو شیخا؟“

”عسک! اس گھبرائی کے چوڑے کو عسک ہو گیا ہے بھائی۔“ غلام شاہ آنکھیں مٹھا کر بولا۔

اکبر شاہ نے پریشان نگاہوں سے پیسے سونیا اور پھر سدھیا کو دیکھا اور پھر غلام شاہ کی طرف رخ کر کے بولا۔

”کسے شیخا، کس سے؟“

”اوہی تو ہار چنگ پودتا کو ورجانت ہے کہ سے عسک ہوئی رہے اور کا؟“

”کس سے شیخا!“

”ای ہنسی ہیں سدھیا بیٹا۔“ غلام شاہ نے سدھیا کی طرف اشارہ کر کے کہا اور سدھیا کا چہرہ نیچے جھک گیا۔ اکبر شاہ کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا۔ غلام شاہ پھر بولا۔

”اور بچے کی بات ای رہے ہوا کہ ای بیٹا بھی اور گا کو لین کو تیار رہیں۔“

”ہیں!“ اکبر شاہ نے کہا اور غلام شاہ منہ بڑھا کر کے دوسری طرف دیکھے لگا۔ اب تو اکبر شاہ کو بھی ہنسی آنے لگی تھی پورا نوکھا تصور تھا۔ چنگ چھوٹے سے، ننھے سے قد کا مالک جبکہ اس کی نسبت سدھیا لمبی ترنگی تھی بہترین جسم کی مالک، سر کس کا کسا ہوا بدن تھا چہرہ بھی خوبصورت ہی تھا لیکن حیرت کی

ہاتھ یہ تھی کہ سدھیا بھی چنگ کوٹوں کرنے کے لئے تیار تھی۔

اس نے غلام شاہ کی طرح رخ کر کے کہا۔

”یہ آپ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں شیخا؟“

”مارے بھائی ہم کا کہتے ہیں ہمارے سر کھوپڑیا تو پرانی ہوئی گویا اب ہم کا کہتے ہیں اور پھر اسے اس کے سوج تو کسی چنگ ڈھانکی لگا اور ای
شیخا اور مجھے کی بات ہے کہ عسک دونوں کو ہوئی رہے۔ ہیں اسے جرات ہے۔“ دفعہ ہی غلام شاہ ہنس پڑا اور پھر اس کی دلی پرانی کیفیت نمودار آئی۔
اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر سدھیا کو دیکھا اور اس نے منہ سے آواز یہ نکلنے لگی۔

”ارے امی، ارے ارے بھائی جرات اسوچ تو، ارے اکبر! جو تانکا اپنے پی سے اور ہمارے کھوپڑیا پر بس مار دے یہی بات ہماری سمجھ میں نہ
آتے، ہماری سدھیا شیخا ارے ارے۔“ غلام شاہ کا تہجد شروع ہوا اس کے بعد وہ پیٹ پکڑ پکڑ کر ہنسنے لگا اس کے حقیقی مسئلہ گویا رہے تھے۔ اکبر شاہ
بھی مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا اور سونپا بھی ہنس رہی تھی۔ سدھیا بدستور گردن جھکائے خاموش بیٹھی تھی اکبر شاہ نے آہستہ سے کہا۔
”کیا تم مذاق کر رہی ہو سدھیا؟“ لیکن سدھیا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ البتہ غلام شاہ یوں پڑا۔

”تاہو! بھاک، تاکرت، رہی امی بیٹا ہم پوچھ لیتی ہے۔ ارے واہ ارے دادا کا بڑھیا سادی ہوئی ہے۔ بات بڑھیا ہے بھائی اکبر شاہ نے پھر لگا دو میلہ
ہمارا کا جات ہے۔ واہ بھئی واہ امی سادی سب سے بڑھیا ہوئی ہے، ٹھیک ہے ہوا، چاری سونپا چا تیار یاں کر دوہا کے سنے سوٹ ہوا ہاں رہی۔“
سونپا ہنستی ہوئی اٹھ گئی اس نے سدھیا کا ہاتھ پکڑا جو بہت شرمندہ اور شرمناک شرمناکی نظر آ رہی تھی۔ تب اس نے کہا۔ ”اچھا ٹھیک ہے میں چلتی ہوں
شیخا آپ کی حیات ہے ناں!“

”ارے ہاں جات ہے جات ہے، جاتے جاتے تیار یاں کر، ٹھیک ہے اکبر جرات بڑھیا سادی بریائی پکوانے بھیا، بھائی کا یاد کری ہے کہ کوٹوں سرکس ملاوا کا
جہاں آٹم، دیکھے اور آٹم آٹم۔“ غلام شاہ کے حقیقی مسئلہ گویا رہے۔ سونپا سدھیا کا ہاتھ پکڑ کر ہاتھ لگ گئی تھی۔ اکبر شاہ ابنتہ وہیں کھڑا رہا۔ دیر تک
غلام شاہ ہنستا رہا پھر اکبر شاہ کی طرف دیکھ کر بولا۔

”ہے رہے اکبر اتوی تہا تو کا تو کا بھی عسک ہوئی ہے۔ اور سرور، بھلا رہی، مگر ہوا ہمارے کھوپڑیا میں امی بات نہ آت رہے کہ ان سارے لوگوں کو
عسک کیسے ہو جات ہے۔“

”چھوڑو شیخا یہ بیکار لوگ ہیں انہیں زندگی میں اور کوئی کام نہیں ہے۔“

”رے نا، بڑا اتے چانت رہے او چنگ کا کہت رہے سروا؟“

”کیا کہہ رہا تھا شیخا؟“

”اوسو نیاستے ہوئے رہے کہ اوکو دکسی کرئی ہے۔ جھولا چھوڑ دئی ہے جھٹ ما۔ چا کے۔ مرنجی ہے سرور، بھیا ہم ای ناچا تے یوے ارمانوس سے پالا نا۔ سب کو ٹھیک ہے اے!، چائیں اوکا کام، ہکا کار ہے، پھر کیرا کی سوچ جز اوویا وولہن کیتی لگی ہے۔“ غلام شاہ پھر بٹس پڑا۔ اکبر شاہ مسکراتا ہوا بولا۔

”چھوڑ دیشیا نا باتوں کو اب یہ بتاؤ شارق کے ہارے میں ہمیں کیا کرنا چاہئے؟“ شیخا ایک دم عجیبہ ہو گیا چند لحظات سوچتا رہا پھر بولا۔

”چھوڑ بڑا ادا، وکی مرتی رہے ہم کا کرت سکت، ای بات بھی کج رہے کہ ہم اوکی بہت بے محی کریں ہیں۔ پر جزا ایک بار سامنے تو آنے ہمارے بات کرے ہم سے جو برا کری ہے وکی مابھی مانگ لئی ہے بس اور کا کرت سکت ہمارے کئیے کا تو ہے نا کہ ہم اوکا سرکس میں رکھئی ہے۔ دیے مہاس کی حیثیت سے جب تک اس کا دل چاہتا رہ سکتا تھا۔“

”خیر شیخا ہم نے اس سے خود ہی معذرت کی تھی۔“

”اب جو بھی بات ہوئی ہے بڑا اور کا جانے دے، کا پھارہ گیر کے ساطے میں اتنا زیادہ سوچے سے، پر ہم کلازی ہے جزو ایک بار اوکا ہمار ساتھ رہے اور ہم سے بھاگ جائے ای نا ہو سکت۔ تے اس کی پروا نہ کر ہم: دے ایک ہار جزو پکڑ لئی ہے تو ہار ہاتھ سے تو بھاگ جتی ہے پر ہار ہاتھ سے بھاگ نہ سکت۔“ غلام شاہ نے کہا۔

”تو پھر میں چاؤں شیخا؟“ اکبر شاہ بولا۔

”ہاں بڑا بس کی دونوں کی سادی کا انجام تے ہی کر لئی ہے پر دس میں ہمارا کاجات ہے۔ یہ چھوکر ادا مانگ کے لائے ہوئی ہیں کہیں جج جج چنگ کوئی نقصان نہ پہنچا لے اپنے آپ کو۔“

”ٹھیک ہے شیخا۔“ اکبر شاہ نے کہا اور باہر نکل آیا۔ بہت دیر تک وہ تاریکی میں کھڑا اس ٹرک کو گھورتا رہا جس کے ہارے میں چنگو نے تپا تھا کہ شارق اس سے اتر کر پھیل کی جانب گیا ہے اور پھر وہ ایک گہری سانس لے کر اپنے خیمے کی جانب چل پڑا تھا۔

”جانے کیوں غلام شاہ شارق کے سبب میں عجیبہ نہیں ہو تھا یا پھر اس کے دہن کی گہرائیوں میں گر کوئی بات ہو تو کم از کم وہ کسی کے سامنے نہیں سکی تھی۔ دوسری صبح اس نے بھلا سے ملاقات کی اور ہنستے ہوئے بولا۔

”بھئی بھئی اب تو ہار کام بھی کھتم ہو جتی ہے، دور ہار کام بھی، پر سرکس کا کام تو ای رہے ہوا کہ کہیں بھی چلا جائے اور اپنا کھیل جو سادہ کھانے کے رو جی

کھائے۔ تیرا بھی کام اے ہی ہے پر اس کے ساتھ تھوڑی بہت ہنسی چاق بھی ہوتا رہے تو کاجرج رہے۔“

”کوئی جرج نہیں ہے غلام شاہ صاحب معاملہ کیا ہے؟“

”رے تو ادنیٰ چنگ دیکھی رہے نا؟“

”چنگو کو؟“ بھلانے پوچھا۔

”ارے ہاں بھائی ادنیٰ ڈھائے فٹے۔“

”کیوں نہیں، کیا ہوا خیریت؟“

”اوکی سادی کرتی ہے بھائی بھلے۔“

”چنگو کی۔“ بھلا صاحب بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔

”ہاں اسدھیو سے عسک کرے ہے وہ۔“

”ساڑھے پانچ فٹ کی رہے او، درجے کی بات دی رہے بھائی بھلے کہ، ابھی چنگو سے عسک کرے ہے، یہاں بھلے جے نے کسی سے عسک کرا رہے۔“

بھلا صاحب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی انہوں نے کہا۔

”کیس تو میرا بھی جی شاہ صاحب۔“

”ے بھائی تیرا بھی کیس رہے؟“ غلام شاہ نے کہا۔

”ہاں! آپ نے شرمیلا کو تو دیکھا ہے۔“

”ارے او جھنی۔“ غلام شاہ نے کہا۔

”جی شاہ صاحب وہ میری کزن ہے یوں سمجھ لیجئے کہ اس کے والد نے مجھے سڑکوں سے ٹھکرا سہان پر بٹھا دیا۔ انہی کی مہربانی تھی کہ آج میں آپ کو

اس قابل نظر آ رہا ہوں ورنہ مجھ نے میری منزل کہاں ہوتی۔ شرمیلا کے والد کا مسئلہ صرف ان کی بیٹی تھی جو جسمانی طور پر چھوٹی سی عمر میں ہی بہت

زیادہ بڑی ہو گئی تھی لیکن اپنی طور پر بالکل مصوم اور بے وقوف تھی۔ مرتے ہوئے نبھوں نے مجھ سے آسو بھری آنکھوں سے ایک ہی بات کہی تھی اور

وہ یہ تھی کہ شرمیلا کو اپنی زندگی میں ہی شامل رکھوں۔ اسے اپنے آپ سے جدا نہ کروں۔ اسے اگر مرنے کے تحت پر بٹھا دیا گیا تو وہ جی نہ سکے گی اور

شاہ صاحب میں نے اس مرتے ہوئے آدمی سے وعدہ کر لیا یوں سمجھ لیجئے کہ شرمیلا کو میں نے زبردستی اپنے ذہن و دل میں جگہ دی ہے اور جیسی طور

پر میں اسے اپنی زندگی میں خود سے جدا کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔“

”ٹھیک ہے بھائی۔ اے کام ایسا رہے بڑا کہ ہم ای کے بارے میں ناچانت رہیں، بڑا امر کیا، بھوجائی تھی ہماری، بچے جلد ہوتی تو ہمارے بارے میں کچھ سوچتی۔ پھر اس سر پر ڈروانے سارا کام کھرب کر لی ہے ہمارے بڑے کو مار دئی ہے اور اسے چھوٹے چھوٹے بچے ہماری گوداں، ڈال دی ہے۔ پھر ہم نے انہی باتوں کے بارے میں سوچا ہی نای بھائی بھیلے چل چھوڑ کا گم کی باتیں کرنے بیٹھ گئے ہم اور بے ہم سوچ رہی ہے کہ آج چنک اور سدھیا کی سادی کر ڈالی جائے۔“

”آج!“

”ہاں رہے بھائی بھیلے اس کے بعد کا راستہ بڑھیا نہ رہے۔ چھیل کتارے موسم بھی بہت بڑھیا ہے پھر ای کام کا ہے نہ کر ڈالے، رکنا پڑے گا ایک دن۔“

”کیا ہرج شادھا حسب ہمیں کون سا وہاں جا کر تیر مارنا ہے۔“

”ٹھیک ہے بھی تو سے مسورہ کر لی ہے اب اکبر کو کہہ دئی ہے کہ تیاریاں کرنے۔“

”اور غلام شونے، اکبر شاہ کو ہدایات جاری کر دیں جس کے نتیجے میں وہی ”ہو جا“ بر پا ہوگئی جو اس لوگوں کی فطرت کے عین مطابق تھی، سدھیا کو تمام سرکس کی اڑکیوں نے گھیر لیا۔ سویا، بن کی انچا رنج تھی اور ادھر اکبر شاہ تیاریاں کرنے لگا جنکو شرابا شرابا ایک سمت پیٹھا ہوا تھا۔ پھر یہ شادی بھی اپنی مثال آپ تھی، چاروں طرف قہقہے ہی قہقہے گونج رہے تھے۔ راجنکاری جی بھی بہت مسرور نظر آ رہی تھیں اور حیرت سے اس دوہا کو دیکھ رہی تھیں جو ساڑھے پانچ لٹ کی دہن کا شوہر تھا۔ دونوں کا نکاح کر دیا گیا۔ دعائیں دی گئیں اور اس کے بعد کھانے پینے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ سارا دن ہنگاموں کی تدر رہا گیا تھا۔ قہقہے لگاتے لگاتے پیٹ دکھ گئے تھے کیونکہ مسئلہ ہی کچھ یہ تھا لیکن چنکو بھی مطمئن تھا اور سدھیا بھی خوش نظر آ رہی تھی۔ غلام شاہ نے منکو سے پوچھا۔

”ہاں رہے بھی اب تو ہار دونوں کے بیچ ماں ایک ستون آئی گوا، تو ہار بنا کیا کھیل رہے منک؟“

”نہیں شیٹا میں بالکل ٹھیک ہوں۔“ منکو نے جواب دیا اور غلام شادھنستار ہا۔

سر شام ہی غلام شاہ کسی تیاری میں مصروف ہو گیا تھا اور پھر جب رات بھیک مچی اور چاروں طرف گہرا سناٹا چھا گیا تو آہستہ آہستہ وکیل چیمبر کے بغیر رینگتا ہوا باہر نکل آیا۔ اس نے باہر آنے کے بعد بندروں کے کٹھروں کی طرف رخ کیا اور تھوڑی دیر کے بعد اس نے دس ہزارہ بندر کھول دیئے۔ بندر باہر نکل آئے تو غلام شاہ ان سے عجیب سی گفتگو کرنے لگا وہ بندروں کو کچھ سمجھا رہا تھا، بندر اس کی بات، تجنی طرح سمجھ رہے تھے چنانچہ چند ہی بات کے بعد وہ چاروں طرف آگے بڑھے اور تارکی میں گم ہو گئے خود غلام شاہ آہستہ آہستہ آگے چلی پڑا تھا۔ اس کا رخ صلیب کی سمت ہی تھا پھر اس نے ایک جگہ پناہ لیکن اس دوران اکبر شاہ بھی غلام شاہ کو دیکھ چکا تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک تو اپنی جگہ کھڑا رہا پھر آہستہ آہستہ آگے بڑھتا ہوا غلام شاہ کے پاس پہنچ گیا غلام شاہ نے چونک کر اسے دیکھا اور اس کا مونڈا کچھ بگڑ سا گیا۔

”رے کاہے رے بھائی تے ہمارے چچے کا ہے کرت رہے؟“

”شیخا کیا کر رہے ہو یہاں؟“

”جنگ مار رہے ہیں بڑا تے اپنی بول۔“

”میں جانتا ہوں آپ شارق کو تلاش کر رہے ہیں شیخا۔“

”تو جرم کرت ہیں ناں بھیا جا بھائی کا ہے ہماری جان کو آت رہے جاتے اپنا کام کر۔“ غلام شاہ نے شدید جھڑپ سے کہا اور اکبر شاہ چند محلات وہاں رکنے کے بعد واپس اپنے خیمے کی جانب پلٹ پڑا۔ غلام شاہ کی دیوانگی کے لئے وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا لیکن سونیا کے خیمے کے سامنے سے گزرتے ہوئے اس نے سونیا کو خیمے کے دروازے پر کھڑے دیکھا اور چونک کر پڑا سونیا نے اسے دیکھ کر وہاں جانے کی کوشش نہیں کی تھی اکبر شاہ آہستہ آہستہ چلا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا۔

”جاگ رہی ہو؟“ اس نے پوچھا۔

”ہاں اکبر بھیا ایسے ہی نید نہیں آ رہی تھی۔“

”نیدیں ایسے ہی نہیں اڑ جاتیں سو یا۔“ اکبر شاہ نے کہا۔

”میں بھی نہیں بھیا۔“

”کیوں جاگ رہی ہو تم؟“

”کہا ناں بس ایسے ہی نید نہیں آ رہی تھی۔“

”تم اس کے لئے پریشان ہو؟“

”کس کے لئے؟“ سو نیا نے مرد لہجے میں سواں کیا۔ لیکن اکبر شاہ کچھ نہ بولا تھا چند لمحات کے بعد اس نے کہا۔

”پتا نہیں شیخا پہ بھی کیا دیو گئی طاری ہوگی ہے؟“

”ہاں شیخا شارق کے سینے میں دیو نہ ہی ہو گیا ہے یہی۔“ سو نیا نے ناحق شگوار لہجے میں کہا۔

”دیوانے تو ہم سب ہی اس کے لئے ہو گئے ہیں سو نیا۔“

”مجھے ان میں شامل نہ کرو یہاں میں بھلا اس کے لئے کیوں دیو نی ہو جاؤں گی؟“ سو نیا نے کہا۔ ”تو پھر یہاں اس خیمے پر یوں کھڑی ہوئی ہو، آرام کی قیند کیوں نہیں سو رہیں؟ کبر شاہ آہستہ سے بولا، سو نیا نے کوئی جواب نہیں دیا چند لمحات تک دونوں خاموش رہے پھر سو نیا بولی۔

”دراصل میں شیخا کے لئے پریشان ہوں وہ بار بار اس سے بیزاری کا ٹھہر کر رہتا ہے لہٰذا اس کے باوجود اس کی تلاش میں راتوں کو جاگتا رہتا ہے۔“

”یہی تو میں بھی کہہ رہا تھا سو نیا بھی جاگ رہا ہوں اور تم بھی جاگ رہی ہو۔“

”جاؤ بھیا اپنے خیمے میں جا کر سو جاؤ بے کاری باتیں ہیں یہ سو جاؤ خدا حافظ شب بخیر۔“ سو نیا نے کہا اور اپنے خیمے کے دروازے سے اندر چلی گئی۔

کبر شاہ آہستہ آہستہ قدموں سے اپنے خیمے کی جانب بڑھ گیا تھا۔

”دھرم بھلا صاحب کے کمپ میں راجکری کے خیمے میں ایک اور تماشا ہو رہا تھا۔ راجکری جی ذرا مطمئن قسم کی خاتون تھیں اور کسی بھی مسئلے کے بارے میں بس وقت پر سوچنا ان کی عادت تھی آرام کے وقت آرام اور کام کے وقت کام، سوچنے کے وقت سوچنا، اسی پر عمل پیرا تھیں اس وقت بھی اپنے خیمے میں آرام کر رہی تھیں خند نہیں آئی تھی۔ کس خیال میں ڈوبی ہوئی تھیں بھانسنے کیا کیا خیالات ذہن میں تھے کہ کچھ آہٹیں محسوس کریں۔ آہٹیں غیر معمولی قسم کی تھیں چنانچہ وہ چونک پڑیں اور پھر کسی اور کو اپنے خیمے میں محسوس کر کے ان کے حلق سے حیرت آوار نکلتے نکلتے رو گئی مدہم روشنی پہیلی ہوئی تھیں دراصل مدہم اتفاق کہ وہ سامنے نظر آنے والے شخص کو پہچان نہ سکتیں تھیں طور پر وہ شارق ہی تھا راجکری جی اپنے کیڑوں کے بسز پر جھل کر بیٹھ گئیں اور پچھلی پہلی آنکھوں سے شارق کو دیکھنے لگیں۔ وہ اطمینان سے ایک اسٹول پر بیٹھ ہوا راجکری کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے معذرت آمیز لہجے میں کہا۔

”معافی چاہتا ہوں راجکری جی میں نے کوشش کی تھی کہ آہستہ نہ ہو لیکن بس ہو گئی۔“

”تتم، تتم، تتم۔“

”جی جی فرمائیے؟“

”تم یہاں کیسے آ گئے؟ میرا مطلب ہے۔“

”مشکل وقت میں انسان چوس ہی کے سہارے تلاش کرتا ہے مجھ پر مشکل پڑی تو میں سیدھا آپ کے خیمے میں آ گیا میں جانتا ہوں کہ صرف آپ ہیں جو حوص دس سے میری مدد کر سکتی ہیں۔ دراصل شیخا مجھے تلاش کر رہا ہے اس کے ساتھ کھوجی بندروں کی پوری فوج ہے میں جانتا ہوں میں کہیں بھی ہوتا وہ منحوس مجھے تلاش کر لیتے۔“

”وہ میرا یہ مطلب نہیں تھا کہ تم میرے خیمے میں کیوں آئے۔ میں تو صرف یہ پوچھ رہی تھی کہ تم اتنے دن سے غائب تھے اور نمودار ہونے تو یہاں۔“
”خیر یہ تو بعد کی باتیں ہیں اطمینان سے بیٹھو کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے؟“

”ہے۔“

”کیا چاہئے۔“

”کھانا؟“ اس نے قیوں کی سی شکل بنا کر کہا۔ ”میں بھی انتھم کرتی ہوں۔“ راجنکاری نے خیمے کے دروازے کی طرف پوچھتے ہوئے کہا اور وہ جلدی سے بڑا۔ ”کسی کو میرے بارے میں بتائیے گا نہیں۔“

”راجنکاری نے مسکرتی نظروں سے اسے دیکھا اور ہر نگل گئی۔ کچھ دیر کے بعد وہ کھانے کی ٹرے سجائے ہوئے اندر آ گئی اور اس نے ہنستے ہوئے کہا۔“
”وہ لوگ اس کے عادی ہیں۔ مجھے کٹروں کو سوتے سوتے بھوک لگ جاتی ہے اور میں شور مچا دیتی ہوں۔“

”آؤ کیا عمدہ عادت ہے، میرے کام آگئی۔“ شارق نے کھانے پر بھجنا دیتے ہوئے کہا۔ پھر اسی کے درمیان بولا۔ ”یہ عدم شاہ بہت چالاک آدمی ہے، اس نے خاص طور سے بندروں کی ڈیوٹی لیکن پرانائی تھی جانتا تھا کہ مجھے کھانے کی ضرورت ہوتی ہوگی۔“

”کچھ دیر کے بعد وہ کھانے سے فارغ ہو گیا۔ راجنکاری اسے عجیب سے نظروں سے اچکھ رہی تھی، پھر اس نے کہا۔

”بہت سی باتیں پوچھنا چاہتی ہوں تم سے۔ یہ بتاؤ کہاں چلے گئے تھے۔“

”کب؟“ شارق نے کہا۔

”جب ہم نیا نگر جا رہے تھے۔ تم نے میرے سارے خواب چکنا چور کر دیئے۔ کیا سوچا تھا میں نے تمہارے بارے میں۔“

”میری ہڈیاں چکنا چور ہو گئی تھیں خود کو گم کیا تھا کچڑ کرے جایا گیا تھا۔“

”کیا مطلب؟“

”اکیلے میں اہمہ ا کے آدمیوں کے ہاتھ لگ گیا تھا، بار بار کر بے ہوش کر دیا انہوں نے اور اسی عالم میں یہاں سے نکلے گئے پھر بے شمار مصیبتوں میں گرفتار ہوا اور نہ جانے کیا کیا حقن کر کے واپسی نصیب ہوئی ہے۔“

”اوہ! تو تم خود نہیں گئے تھے؟“

”دماغ خراب تھا کیا میرا۔“

”تب تو بہت برا ہوا، تمہاری جگہ اکبر شاہ نے لے لی وہ پیر دہل گیا۔“

”میرا مستقبل تاریک ہو گیا۔“ شارق نے افسردہ لہجے میں کہا۔

”نہیں، میں جو ہوں، تم فکر مت کرو، تم خود بے حد باصلاحیت انسان ہو، دیکھ لینا ایک دن میں تمہیں قلمی دنیا کا سب سے درخشاں ستارہ بنا دوں گی۔ مگر غلام شاہ سے کیوں چھپتے پھر رہے ہو، علی الاطلاق بتا کرے ساتھ رہو۔“

”کچھ ایسے معاملات ہیں جس کی وجہ سے پوشیدہ رہنا ضروری ہے۔“

”تب آگے کا سفر کیسے کرو گے۔“

”دن میں کوئی مشکل نہیں بس رات کا معاملہ ہوتا ہے۔“

”رات کو میرے خیامے میں رہا کرو یکلہ کھانا بھی کھا یا کرو۔“ راجکری نے پیشکش کی۔

”تمہارا بے حد شکریہ، تمہیں تکلیف تو ہوگی لیکن۔“

”وہ شارق، تم نے مجھ پر غور ہی نہیں کیا کبھی۔ میں تو تمہارے لئے نہ جانے کیا کیا کر سکتی ہوں۔“

”شارق نے رات راجکری کے خیامے میں گزار دی تھی اور صبح ہونے سے قبل نکل گیا تھا غلام شاہ اپنی کوشش میں ناکام رہا تھا، اور اس کی جھل پٹ بڑھ گئی تھی اکبر شاہ نے اس سے پوچھا۔“

”کیا رہا شیخا؟“

”کہا بس مت کر، ذریعہ انجی یہاں سے دکھت چالنج ہوتا ہے۔“ اکبر شاہ سمجھ گیا کہ غلام شاہ ناکام رہا۔ بہرحال اس کے بعد یہاں سے روانگی ہوئی اور سفر کافی تیزی سے کیا گیا۔ غلام شاہ بدستور منجید تھا اور کسی نے اس سے کچھ پوچھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ابتر راجکری بہت خوش نظر آ رہی تھی، اور

اس کے پیٹ میں گزریز ہو رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ یہ سب لوگ شارق کے لئے سرگرداں ہیں مگر شارق نے صرف اس پر بھروسہ کیا ہے۔ اپنی اس فوقیت کو وہ کسی پر ظاہر کرنا چاہتی تھی۔ لیکن خطرہ تھا کہ شارق کو ناگوار نہ گزرے۔ بمشکل تمام یہ راز ہضم کئے تھے۔ چار ٹکڑے قلم کی شوٹنگ کے دوران اکبر شاہ پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کی تھی اور اپنی دانست میں اپنا کام کر چکی تھی مگر وہ اس حاحاٹے میں چند لکھا اور اس وقت سے تو وہ راجھاری کے سائے سے بھی بھاگنے لگا جب شیٹا نے ریش پرٹ دیکھے اور پریشان ہو گیا تھا۔

دوسری رات کا قیام ہوا اور راجھاری نے شارق کے استقبال کے لئے کافی اہتمام کیا۔ پھر جب سارا ماحول خاموش ہو گیا تو شارق اندر آ گیا، راجھاری اسے دیکھ کر مسرور ہو گئی۔

”یو شارق ڈارلنگ، بڑا انتظار کرایا تم نے۔“

”سوری راج، بس دراز خیال رکھنا پڑتا ہے۔“

”میں دن بھر تجارے لئے پریشان رہی۔“

”کیوں؟ شارق نے پوچھا۔“

”پتہ نہیں، بس آنکھیں تمہیں تلاش کرتی رہیں ہار بار خیال آتا رہا کہ نہ جانے تم کس حال میں ہو۔“

”مجھ سے پیٹ کی تکلیف کے علاوہ اور کوئی تکلیف نہیں ہے۔“ شارق نے کہا۔

”اوہ! خیریت کیا تکلیف ہے پیٹ میں؟“ راجھاری نے اہردلی سے پوچھا۔

”چاہئیں کیا ہو گیا ہے، بس صبح، دو پہر اور رات کو بھوک لگنے لگتی ہے۔“ شارق نے کہا اور راجھاری اس کے لٹھاٹ پر غور کرنے لگی پھر ہنس پڑی۔

”اوہ! بہت شریرو تم، چلو کھا تاہی رہے۔“ وہ کھانے کا اہتمام کرنے لگی اور جب شارق کھانے میں مصروف ہو گیا تو اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

”میں بھی واقعی پیٹ میں کوئی تکلیف ہو گئی ہے۔ ویسے ڈارلنگ تم آخر خیر کیسے کرتے ہو؟“

”جی ساری گاڑیاں ہیں، کہیں نہ کہیں جگہ مل ہی جاتی ہے۔“

”مشکل کام ہے۔“ راجھاری نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ شارق نے کوئی جواب نہ دیا۔ یہ رات بھی بچھلی رات سے مختلف نہ گزری تھی۔ راجھاری

نے راتوں رات شارق کے لئے ایک صمیم منتظر بن کر دیا تھا اور صبح کو حسب معمول شارق کو عاتب پایا تھا۔ لیکن اس دن اس کا ہاتھ ساتھ نہیں

دے سکا۔ ایک وقتہ ایسا ہوا تھا کہ جس نے اس کی زبان نکھوں دی تھی۔ مگر مناسب رفتار سے جاری تھا اور صبح دو پہر کا وقت تھا کہ اچانک غلام شاہ

نے ساری گاڑیاں رکھ دیں۔ بھلا صاحب کے پوسٹ کو بھی روک دیا گیا تھا اور پھر سرکس کے لوگ چاروں طرف پھیل گئے تھے۔ غلام شاہ نیچے تر آیا اور ایک جگہ بیٹھ گیا۔ پھر تلاشی شروع ہو گئی۔ ایک ایک گاڑی کا جائزہ لیا جا رہا تھا۔ بھلا صاحب غلام شاہ کے پاس آ گئے۔

”خیریت شاہ صاحب؟“

”ہاں سب ٹھیک ہے بھائی بھئیے۔“

”یہ کیا ہو رہا ہے۔“

”رہے اوہی چھلاوے کو ڈھونڈتے رہیں بھائی۔“

”شارقی کو؟“

”ہاں!“

”آپ کو یقین ہے کہ وہ ہمارے ساتھ سفر کر رہا ہے۔“

”ہاں بھی چکرا کر رکھ دیت ہے سرور۔ رات گلاب نے اسے پھر دیکھا تھا۔“

”کمال کا آدمی ہے آخر کہاں چھپ جاتا ہے۔“

”حوالا جانے بھائی۔ سرور آدمی ہے بھی کہنا۔“

”غلام شاہ نے کہا، اور چاروں طرف ان لوگوں کو کام کرنے دیکھتا رہا۔ وہ ایک ایک گاڑی کا جائزہ لے رہے تھے۔ ہر اس جگہ کو تلاش کیا جا رہا تھا جہاں کسی کے چھپنے کے امکانات ہو سکتے تھے بھلا صاحب کے پوسٹ کی گاڑیوں کا بھی جائزہ لے لیا گیا تھا مگر دو گھنٹے کی مسلسل جدوجہد کے باوجود کوئی نشان نہیں مل سکا تھا اس کا۔

غلام شاہ خاموشی سے، پٹی گاڑی میں آ بیٹھا تھا اور سفر پھر شروع ہو گیا تھا۔ سہرے کی رات کو قیام کرنا ہی پڑا تھا۔ وراہی اتفاق سے شیراکا سامنا رہ گیا تھا۔ ”بیو بی بی۔ کیا حال ہیں صبر رے سب یہ سفر ختم ہونے والا ہے۔“ شیرا نے غلطاً جواب دیا۔ ورنہ راجکوری کو وہ ریادہ پسند نہیں کرتی تھی۔

”غلام شاہ پر شارقی کا بھوت سوار ہے کیسی انوکھی بات ہے کہ اسے ہر بار دیکھا جاتا ہے مگر وہ نہیں ملتا۔“

”آپ کو شارقی کیسے یاد آ گیا کھاری جی۔“ شیرا نے طنز یہ لہجہ میں کہا اور، بھکاری ٹھہریہ انداز میں مسکرو دی اور پھر ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

”وہ دس سے محو کب ہو ہے، جو یاد آنے لگا، وہ تو ہر لمحہ دل کے ساتھ ہے۔“

”کمال ہے راجک ری بی،، ابھی کچھ دن پہلے تو ہمارے اکبر بھیا آپ کے دل میں آ گئے تھے۔“ شیراز ہاں کی جھنجھکی تھی، ورنہ کسی مسئلے میں تکلف نہیں کرتی تھی راجک ری بی اما سنے کی بھانے اس پڑی۔ پھر یہ۔۔

”شاید تم لٹریں، بہت کم دیکھتی ہو، اور دیکھتی بھی کہاں سے ہوگی بھویوں پر لٹکے لٹکے تہہ ری عمر گزرتی، ہم دنیا لوگ جب اپنے فن کا مظاہرہ کرتے ہیں تو یہ بات کر دیتے ہیں کہ جو کچھ پیش کر رہے ہیں وہ ایک سچی ہے اور تم لوگ ہمارے اس فن سے متاثر ہوتے ہو، اکبر شاہ صاحب اس فلم میں میرے ہیرو ضرور بن گئے تھے، لیکن عملی زندگی میں وہ میرے لئے کچھ بھی نہیں تھے، ہم آرٹسٹ لوگ تو بے شمار لوگوں کے ساتھ کام کرتے ہیں اور دین پر مبنی ظاہر کر دیتے ہیں کہ ہمارا مقابل ہمارے دل کی گہرائیوں میں اتر چکا ہے، یہی ہمارے فن کا کمال ہوتا ہے، لیکن جو لوگ ہمارے دل کی گہرائیوں میں ہوتے ہی ان کا مقام کچھ اور ہوتا ہے۔“

”وہ اس کا مطلب ہے کہ شارق آپ کے دل کی گہرائیوں میں ہے۔“

”حب تو شارق کو تہہ ری رگ جاں میں تلاش کرنا چاہئے۔“ شیراز نے جیسے ہوئے کہا اور راجک ری رور سے اس پڑی۔

”نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے، وہ رگ جاں سے باہر بھی آ جاتا ہے، کیا تم اس کی تصدیق کرنا چاہتی ہو؟“

”مطلب؟“ شیراز نے سے گھورتے ہوئے کہا۔

”تم لوگ شارق کی تلاش کے لئے نہ جانے کیا کیا حق کر رہے ہو۔ اس سے ملنا چاہو تو میرے خیال میں آ جانا۔“ شیراز عجیب سی نگاہوں سے راجک ری کو دیکھنے لگی پھر اس نے کہا۔

”شاید آپ شارق کی محبت میں بہت زیادہ پریشان ہو گئی ہیں راجک ری۔ وہ جو کہتے ہیں نا کہ چشم قصور سے کسی کو دیکھ لیں۔ ہم سرکس کے لوگ فلمی باتیں نہیں جانتے، لیکن مجھے آپ پر واقعی، فسوس ہو رہا ہے۔ میں تو سمجھتی تھی کہ آپ کسی کو بھی دل کے قریب نہیں آنے دیتی ہوں گی، کیا نکلے آپ کا تو یہ دن رات کا کام ہے۔“

”کہنا کیا چاہتی ہو؟“ راجک ری سے پوچھا۔

”آپ نے ابھی کہا تھا کہ شارق کو آپ کے خیال میں تلاش کیا جاسکتا ہے؟“

”نہیں۔ میرے خیال میں اسے تلاش کرنے کی ضرورت نہیں، وہ تو ہوتا ہی میرے پاس ہے۔“

”تصور میں آتا۔“

”جی نہیں مس شیر، حقیقت میں۔“

”اس کا مقصد ہے کہ آپ کا حلق بہت بلندی پر پہنچ گیا ہے۔“

”نہ اُتر آ رہی ہو میرا۔ لیکن جو میں کہہ رہی ہوں چاہوں اس کی تصدیق کر لینا۔ لیکن یہ کرم اندر رکھیں آ نے کی کوشش مت کرنا اور تابی دوسروں کو

اس کے بارے میں اطلاع دینا۔ وہ اپنا تحفظ کرنا چاہتا ہے۔“

”مطلب یہ کہ وہ آپ کے خیمے میں مل جائے گا مجھے؟“

”سو فیصدی مل جائے گا۔ لیکن رات کو بارہ بجے کے قریب آنا، اور میرے خیمے کے عقب میں چھپ جانا تم چاہو تو میری، اور اس کی گفتگو بھی سن سکتی ہو،

چاہو تو یک آدھ جھلک دیکھ بھی لیتا اس کی کوئی ایسی دیکھی گفتگو نہیں ہوتی ہمارے درمیان، بس رات کو میرے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرتا ہے اور جب تک

وہ ایسا نہیں کر لیتا، بے سکون رہتا ہے۔“

راجکمار نے کہا ”شیر اسجید ہو گئی۔ پھر اس نے کسی قدر اندر بدل کر کہا۔

”اس کا مطلب ہے کہ وہ رات کو آپ کے خیمے میں رہتا ہے۔“

”ہاں بھئی۔ ظاہر ہے مجھ سے زیادہ اس کا چناؤ کون ہے اس پر سے گروہ میں۔ لیکن ایک بات کانٹوں کر سن لو، وہ نہیں چاہتا کہ کسی ور کو اپنا موجودگی

کے بارے میں بتائے، چنانچہ اس بات کا خیال رکھنا کہ کوئی اور تمہارے ساتھ نہ ہو۔“ شیر اٹھا موٹی سے راجکمار کی کوریختی رہی، پھر اس نے کہا۔

”واقعی راجکمار جی آپ سے بڑی حیرت انگیز بات بتائی ہے مجھے ہو سکتا ہے اسکی کوئی بات ہو؟“

”ہو سکتا ہے نہیں، بلکہ ہے۔ پچھلی کئی راتیں وہ میرے ساتھ میرے خیمے میں گزار چکا ہے، دن بھر اپنا تحفظ کرتا ہے، ور رات کو میرے پاس آ جاتا

ہے۔ کھانا کھاتا ہے ور پھر آرام سے ہم دونوں بہت دیر تک باتیں کرتے رہتے ہیں۔“ راجکمار نے تو اپنے دل کا بوجھل ہلکا کر لیا تھا، لیکن اب یہ

یوجھ شیر اسکے ذہن پر پڑا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے کیا کہے۔ ویسے اس نے یہ ضرور سوچا تھا کہ راجکمار کی اسنے وثوق سے یہ بات

نہیں کہہ سکتی تھی اس نے تو یک طرح سے شیر کو چیلنج ہی کر دیا تھا اور صبح اندھا دغ ای تھی، بہت غور و غوض کیا، شیر اٹھ اور پھر یہ سوچا کہ اگر واقعی شارق

راجکمار کے خیمے میں رات گزارتا ہے، تو یہ بھی بات تو نہیں ہے، اس کا مطلب ہے کہ وہ اسنے اعلیٰ کردار کا، لگ نہیں ہے، جتنا اسے سمجھا جا رہا

ہے، مگر سونیا کو اس بات کی یہ حقیقت معلوم ہو جائے تو پھر سونیا اسے اپنے دل سے نکال دے گی، اپنی دوست کے بارے میں وہ اچھی طرح جانتی تھی

کہ وہ کس قدر مخلوق حراج ہے، شارق کی بے وفائی شاید وہ پروا نہ کر سکے گی اور اس کے بعد شارق کا راجکری سے ملوث ہونا پتہ ہوتا اس کے لئے کوئی مسئلہ نہ رہ جائے گا اس سبب میں اس نے سونیا کو آگاہ کر دینا ضروری سمجھا اور سونیا سے کہا۔

”راجکری نے ایک عجیب بات کہی ہے مجھ سے۔“

”کیا؟“ سونیا نے پوچھا اور شیرانے اسے تمام تفصیلات بتا دیں سونیا کا چہرہ پتھر اٹھ گیا تھا۔

”تو پھر میں اس سے کیا ہو سکتا ہے ایسی کوئی بات ہو۔“ سونیا نے کہا۔

”میں اس کی تصدیق کرنا چاہتی ہوں سونیا۔“

”کیوں آخر۔ اب تجھے کیا پڑی ہے۔“ سونیا نے جواب دیا۔

”برے پتا تو چل جائے اور پھر، اور پھر دیکھ لوں گی اس شارق کے بچے کو، کو، کتنا چاہتا ہے۔“

”مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور نہ ہی اس کا رروائی کرنا چاہتی ہوں۔“ سونیا نے کہا اور شیرا خاموش ہو گئی۔ سونیا کو تو وہ مجبور نہیں کر سکتی تھی لیکن آدھی رات کے وقت وہ راجکری کے خیمے پر ضرور پہنچ گئی تھی۔ راجکری کو اس نے باہر ہی ٹپکتے پایا۔ وہ بے چین نظر آ رہی تھی۔ اس نے شیرا کو دیکھا اور رک گئی۔ شیرا اس کے پاس پہنچ گئی۔

”بیکوٹاری جی۔“ شیرا نے کہا۔

”پتا نہیں۔ پتا نہیں وہ آج کیوں نہیں آیا۔ بہت پہلے چکا ہوتا ہے مگر نہ جانے کیوں۔“

”اوہ، وہ نہیں آیا۔“

”نہیں۔“ راجکری افسردہ سچے میں یوں اور شیرا ذمت پیسے لگی پھر اس نے کہا۔

”آپ واقعی انتظار میں کہ رہی جی۔ عہدہ داکاری کرتی ہیں لیکن آپ کی دماغی حالت کچھ زیادہ خراب ہو گئی ہے۔ بہتر ہے یہی فرصت میں آپ پناہ علاج کرا لیں۔“ شیرا پوچھ گئی ہوئی بیباں سے چل پڑی۔ راجکری بے بسی سے اسے دیکھتی رہی تھی۔ دوسرا دن معمول کے مطابق تھا یہ سفر کا آخری دن تھا اور اس سفر کا ختم اس شہر پر ہوا تھا جہاں سے یا مگر کے لئے چلے تھے۔ اس رات بھی در غلام شہر کیجئے تھے۔ تمام ہی اہم لوگ موجود تھے بھلانے کہا۔

”آپ یہاں سے مائیک پور روانہ ہو جائیں گے شاہ صاحب۔“

”ہاں بھائی بھئی۔ میرا کیا ارادہ ہے؟“

”بس میں اپنے شہر جاؤں گا۔“

”تیرے ساتھ بڑے عیادکت گھر، بھلا بڑی یادیں رہیں گی اس سیر کی۔“

”ہاں شاہ صاحب میں بھی زندگی بھر آپ کو نہ بھول سکوں گا۔ وہ پیسے ہی آپ سے ملتا رہوں گا۔“

”جرور بھائی جرور۔ اور تمہیں اگر اس حرام کھور پڑو اسکے بارے میں کچھ معلوم ہو جی ہے تو ہمیں جرور بتائی ہے جو۔“

”ضرور شاہ صاحب۔ آپ کو یہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں۔“ بھلا صاحب نے کہا۔ پھر سب ایک دوسرے سے ملے اور اس کے بعد بھلا صاحب اپنے معمولات میں مصروف ہو گئے اور پھر صبح ہی صبح ان کی گاڑیاں وہاں سے روانہ ہو گئیں۔

سرکس کے مہم جو ہمیشہ ہی متحرک رہتے تھے ان کی زندگی ہی ویڈیو فلمی ہر شام موت سے بچے کشتی ان کا دلچسپ مشغلہ تھا نئے شہر نئے نئے لوگ لیکن یہ مگر کا سفر ان کی زندگی کا انوکھا سفر تھا اور یہ کہ فی ان کے محبوب کی کہانیوں سے بہت مختلف تھی۔

ماٹک پور کے بارے میں پوری پوری معلومات حاصل ہو چکی تھیں چند لوگوں کو وہاں روک کر دیا گیا تھا اور اس کے بعد غلام شاہ نے وہاں کا سفر شروع کر دیا یہاں تک کہ وہ نوٹک ماٹک پور پہنچ گئے سرکس لگ گیا جو کروں نے سٹیج سجائے اور سرکس کے شو شروع ہو گئے۔ کاروبار زندگی معمول کے مطابق جاری ہو گیا کمال دکھائے والوں کے کلمات، سونیا کے نئے نئے آئٹم، شیخا کا اٹھینان سب کچھ محبوب کے مطابق تھا لیکن سونیا کی سب سے خصوصی ساتھی اس کی موٹس غمک، شیرا نے سونیا کے اندر اس تبدیلی کو چھی طرح محسوس کیا تھا۔ جس پر شیخا بھی غور نہ کر سکا تھا۔ سونیا شوخیاں بھی کرتی تھی شرارتیں بھی کرتی تھی نئے نئے آئٹم بھی بناتی تھی جھولے پر اس سے کوئی غلطی نہیں ہوتی تھی لیکن اس کی آنکھوں میں غم کی ایک پرچہ ہمیشہ نظر آتی تھی کبھی کبھی اس کی مسکراہٹ میں پھیکا پن آ جاتا تھا۔

ماٹک پور پھر وہاں سے گوپال مگری، گوپال مگری سے فتح آباد اور وہاں سے کہن اور سرکس کی زندگی میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔ ان دنوں سرکس رام پور میں لگا ہوا تھا۔ بھادوں برس رہی تھی اور جل فصل ہو گئے تھے۔ مسلسل بارش کی وجہ سے سرکس کے شو بھی بند تھے اور سب بارش سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ شیرا نے سونیا سے کہا۔

”سونیا، زندگی کیسی لگتی ہے؟“

”بس زندگی لگتی ہے اور کیا۔“

”ہمارے ان معمولات کا کوئی اختتام ہے۔“

”ہاں بوڑھے ہو جائیں گے تو سرکس نشین ہو جائیں گے۔“ سوہانے ہنس کر کہا۔

”وہ لوگ کیسے لگتے ہیں جو گھروں میں رہتے ہیں، یکساں رہتے ہیں۔“

”جیسے لگتے ہیں۔“ سوہانے کہا۔

”جی نہیں چاہتا کہ ہمارا بھی ایک ایسا ہی گھر ہو؟“

”چاہتا ہے مگر اس گھروں میں رہنے والوں سے پوچھوان کا جی ضرور چاہتا ہوں گا کہ اس کا بھی ایسا ہی سرکس ہو۔ انسان ایسی ہی فطرت کا مالک ہے۔“

”سوہانیا، شارق بھی یاد آتا ہے۔“ شیرانے سوہل کی اور سوہانیا تھکے تھکے انداز میں سے دیکھنے لگی۔ پھر چاک سسک پڑی۔

”ہاں شیرا، وہ مجھے یاد آتا ہے، ہمیشہ یاد آتا ہے کہاں بھول سکتی ہوں میں اسے۔ ایک لمحہ بھی اس کی یاد کے بغیر نہیں گزرتا۔ بہت جلد تو وہ شیرا، ہم

نے اس کی ناقدری کی اسے سب کچھ مان کر بھی نہ مانے۔ اب یاد آتا ہے تو احساس ہوتا ہے جب تک ہمارے پاس تھا اس نے یہ تو دن کیا تھا ہم

سے۔ ہم اسے کیا ایسے تھے مگر ہم نے، سے فطرت کا نشانہ بنایا اور جب وہ ہمارے پاس سے گیا تو پھر، تو پھر اس نے کچھ گوارہ نہ کیا۔ کیوں کرتا آخر۔

میری عزت پائی اس نے شیٹا کو چند دنوں کی روٹیوں کے عوض ایک قیمتی ہیرا دیا یا مگر کی تقدیر بدل دی۔ وہ بطور کو پکڑ کر شیٹا کے حوالے کیا۔ اتنا کچھ تو

سرکس میں زندگی گزارنے والوں نے بھی نہیں کیا شیرا۔ وہ مجھے بہت یاد آتا ہے، شیرا میری روح سے تلاش کرتی رہتی ہے۔“ سوہانیا ہلک ہلک کر

رونے لگی۔ شیرا بھی دیر تک اس کے ساتھ روتی رہی تھی۔

غلام شاہ بھی اکثر شارق کی باتیں کرتا تھا اور اس کے پیرے پر افسردگی طاری ہو جاتی تھی پھر ایک دن بھلا صاحب کا ایک آرمی جگہ میں چند سرکس

پہنچ گیا وہ سرکس کے بارے میں معلومات حاصل کرنا ہوا یہاں آیا تھا۔ اطلاع ملنے پر غلام شاہ نے اسے بدایا اور وہ بڑی محبت سے اس سے ملا۔

”بھلا جی نے بھیجا ہے مجھے اور خبر بھوائی ہے کہ بیڑ روکا سرکس ڈریم بینڈ فریڈ پورا آیا ہے۔، بھی تہہ گڑھ رہے ہیں اور پینٹی شرٹس نہیں ہوئی ہے۔ بھلا

صاحب ان دنوں فریڈ پور میں اپنی بی بی اللہ کی شوٹنگ کر رہے ہیں وہ آپ کو دیکھیں گے۔

”پڑ روا۔“ غلام شاہ کے منہ سے سانپ جیسی پھنکار نکلی۔

جگہ میں چند دنوں نے غلام شاہ کو ڈریم بینڈ سرکس کے بارے میں پوری تفصیل بتائی پھر یوں۔

”مجھے اجازت دیجئے غلام شاہ صاحب، بھلا جی نے کہا تھا کہ یہ اطلاع دے کر وہیں آ جاؤں۔“

”ایک بات اور بتائی بھائی جگے کا پڑ روا سسر، بھی سرکس کے ساتھ ہے یا کھالی وکا سرکس آئی ہے۔“

”نہیں شاہ صاحب، شاید یہ بات آپ کو بتانا بھول گیا، بعد صاحب نے خاص طور سے کہا تھا کہ ڈریم بینڈ سرکس کے مالک وہ پانچویں ایکسٹر ہیں ایکسٹر بینڈ روڈ دوسرے مسٹر کا سٹر اور دونوں سرکس کے ساتھ ساتھ یہاں آئے ہیں۔“ جگدیش نے بتایا۔

”ٹھیک ہے بھئی جے نے، مگر جلدی جانا ہے تو تو کا تارو کی ہے ہم۔ بعد کو ہمارا سلام کہی ہے اور کہی ہے کہ او کی بڑی مہربانی رہے۔“ غلام شاہ نے مکر یہ ادا کیا ہے۔“

اکبر شاہ کو کچھ دیر سے بھلا صاحب کے کسی آدمی کے آنے کی خبر ملی تھی وہ غلام شاہ کے پاس پہنچ گیا۔ ”بعد صاحب کا کوئی آدمی تمہارے پاس آیا ہے شیخ؟“ اس نے کہا اور پھر شیخ کا چہرہ دیکھ کر چونک چڑھا غلام شاہ کا چہرہ گہرا سرخ تھا ورنہ انکھیں انکاروں کی طرح دھک رہی تھیں۔ ”کیا بات ہے شیخ؟“ اس نے حیرانی سے کہا اور غلام شاہ ہنس پڑا، مگر اس ہنسی میں بھیڑیوں جیسی فراہٹ تھی وہ بچوں جیسی شوخی جو اس کی ہنسی میں رہتی ہوئی تھی پہلی بار گم ہو گئی تھی۔

”کچھ نا بڑا کھوس کی کھیر بھجوائی ہے ہمارے بار نے۔“

”بھلا صاحب نے؟“

”ہاں!“

”وہی حرام کھور پڑا کا سرکس آئے رہے پھر یہ پور میں۔“

”ڈریم بینڈ سرکس؟“

”ہاں اوکی۔“

”خبر سچ ہے شیخ؟“ اکبر شاہ نے پھوے ہوئے سانس کے ساتھ کہا۔ اس خبر نے اس پر بھی عجیب سا تاثر کیا تھا۔

”دیکھی بات کرت ہے بڑا۔ اور پھر یہ پوراے ہوئی کھیر لے کر یہاں آئے رہے بھلا ہم سے وعدہ کیا رہے کہ جب بھی پڑا کا کے بارے میں کوئی کھیر ملی تو وہ ہم کا علاج دے گا۔ اس نے پنا آدمی ہمارے پاس اسی کام سے بھیجا رہے۔“

”وہ آدمی کہاں ہے شیخ؟“ اکبر شاہ نے پوچھا۔

”جلدی تھی چلا گیا۔“

”آپ اس آدمی کو پیچھنتے ہیں ناں؟“

”کا ہے نا ہے او ہمارے ساتھ یا گھر کا بکھر ماں رہے۔ جگدیش نام رہے دوکا، ہم دیکھیں ہیں اوکا بھن کے ساتھ، تیرا کیا کھیاں رہے اکبر کوئی

گڑبڑ ہو سکتا رہے گا؟“

”جی نہیں شیخا اس کے، مکانات تو نہیں ہیں اور پھر تم بھلا صاحب کے آدمی کو بھی پہچانتے ہو لیکن، قتی جلدی جانے دیا تم نے اسے، ذرا میں بھی تو اس سے کچھ سوالات کرتا۔“

”مارے ہم سارے سوالات کرتی ہے اس سے، ہم پوچھی رہے اس سے کہ وہ کے سرکس کا کا نام رہے، سو او ادنیٰ نام بتائے جو تے نے ابھی لیا ہے اور اسے ہو پوچھے ہم اس سے کہ حرام کھور پڑا رو، ابھی اسے سرکس کے ساتھ رہے کہ ناں، تو دیکھی ہے کہ پیڑ روا اور ادنیٰ کا ستر بھی ساتھ رہے ہیں، ہم اطمینان رکھتے ہیں بڑا، بھلا کا آدمی جھوٹا بولی رہے اور بھلاے جھٹا گلت کھبر نا بھجوتی ہے۔“

”اکبر شاہ کسی سوچ میں ڈوب گیا تھا، پھر اس نے کہا۔“ تو پھر ب آپ کا کیا ارادہ ہے شیخا؟“

”جنگی بھراؤ کا انتخاب کر لی ہے بڑا اور ب جے ہمارا ارادہ پوچھی رہے، مارے کا ہے کوئی کھڑک بھینسی ہے ہم، اس واسطے ناں کہ احرام کھور پڑا روا ایک بار ہمیں جیتا مل جائے تو ہم اس بڑے کا بدر نہ لے لیں، بڑا جس دن ہم اپنا ہی کام کرتی ہے بڑے ہو جی ہے، بڑی مشکل سے ہم نے اپنے آپ کو جو بن رکھا ہے، کھیر ہم تیار کیا کریں ہیں پھر یہ پور جانے کی۔“

”ہم سے تمہارا کیا مراد ہے شیخا؟“

”مارے بڑا کام ہمارا ہے اور پھر سرکس یہاں کام کری ہے سرکس کے کام ایسے ہی چلتے دو۔ تم لوگ اس کا خیال رکھنا ہم اپنا کام کر کے ادھر ہی واپس آ جتی ہے۔“ اکبر شاہ غصیل لگا ہوں سے غلام شاہ کو دیکھنے لگا۔ چند محلات اسی طرح دیکھتا رہا اور اس کے بعد وہاں سے باہر نکل گیا۔ غلام شاہ حیرت سے منہ کھوں کر اکبر شاہ کو دیکھنے لگا تھا اس سے اسے آواز دینے کی کوشش کی تھی لیکن اکبر شاہ غصے سے دور چلا گیا تھا۔ غلام شاہ خاموش ہو کر نیچے کی ایک دیو رکوٹنے لگا اور پھر زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ غصے میں اکبر شاہ، سویا، پیر، گلاب، سائولی اور چند اور بڑے آدمی گھس آئے، اکبر شاہ بھی ان کے ساتھ ہی ساتھ آیا تھا۔ آنے والوں نے غلام شاہ کو دیکھا اور غلام شاہ حیران لگا ہوں سے انہیں دیکھنے لگا۔

”کا ہوئی ہے بھائی، امی پھوج کا ہے حمد کرے رہے؟“

”غلام شاہ کیا ڈریم لینڈ سرکس کے آنے کی اطلاع ملی ہے جہیں؟“ ایک سحر آدمی سے پوچھا۔

”ہاں! کہن چاچا، ادنیٰ حرام کھور پڑا روا پتا سرکس لے کر پھر یہ پورا آئی ہے۔ اد جو کھتہ رہیں چاچا کہ گیدڑ سرسرن کے واسطے سہری کا رخ کرے ہے۔ تو ای حرام کھور پڑا روا بھی اپنا نکست پورا کر کے آ جتی ہے ہمارے سامنے۔“

”اور یہ بات نہیں چھی طرح معلوم ہو چکی ہے غلام شاہ کے ذریعہ لینڈ سرکس کے ساتھ وہ دونوں انگریز بھی موجود ہیں؟“

”ہاں انہیں چا چا ہمارا رہلا نے کھیر بھجوا دی ہے ہر ایک اکبر اتم کا بتا دی ہے۔“

”ہاں اور یہ بھی بتایا ہے اکبر شاہ نے مجھے کہ تم وہاں اکیسے جانے کا ارادہ رکھتے ہو۔“

”اکیسے تو ناں چا چا کو کو ساتھ لے جتی ہے۔“

”نہیں غلام شاہ، تم اکیسے نہیں جاؤ گے۔“

”رے ہم تم سب کی کل دیکھ کر بتی سمجھ جاتی ہے کہ ای حرام کھور کبرا کو کو گڑ بڑ کر کے آئی ہے، کا کہت چاہن ہو بھی کی تم لوگ؟“ غلام شاہ نے خشک لہجے میں کہا۔

”دیکھو غلام شاہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تم اس سرکس کے مالک ہو، اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ تم حد سے زیادہ دین، ہم سے زیادہ چانک اور بہترین محل کرنے والے ہو لیکن ہر معاملے میں تمہاری حد اچھی نہیں ہوتی، ہم اس بات سے بالکل ٹکار نہیں کرتے کہ فرید پور چلا جائے اور پندرہ رواد کا سفر سے بدرجہا جائے لیکن تمہاری یہ بات کبھی نہیں مانی جاسکتی کہ تم اکیسے وہاں جاؤ۔“

”دیکھو کھن چا چا بڑے کامیاب ہے۔ ارے ہمارا بھیا تھا حکیم سا اور کس کے من کو اتنا بھڑکی ہے، ہوتا بھہم جندگی بھرا پتے دل پر اٹھائے پھری ہے، ہم اپنا کام ہمیشہ کھو کر رہیں ہیں، ہنگو پاں کٹ گئیں سوکا ہوا ہم نے کس کو اپنی طرف سے دکھ دیا، ای بات بتاؤ تم لوگ۔“

”بالکل نہیں غلام شاہ، لیکن اس مسئلے میں ہم نہیں کسی قیمت پر تمہا نہیں چھوڑیں گے۔“

”تاہم چا چا کسی کوئی بات نا کہو جو تو ہاری غلام نہ مان سکے، ہمار کہیں ہم اوکھیں گے ور کو نوں اس میں سریک نہ ہوتی سکت۔“ غلام شاہ نے آخری اور حتمی لہجے میں کہا۔

”مجھے کچھ بولنے کی جازت ہے شکار، مجھے تو ہمیشہ گستاخ اور بدتمیز کہا گیا ہے، سو نیا آگے بڑھو شیخا سے بات کرو۔“

”کبر شاہ اے کہ اور سو نیا تمہا ہو چہرہ لے کر غلام شاہ کے سامنے آگئی اس نے عجیب سے آواز میں کہا۔

”تم ہمارے سر کے تاج ہو شیخا باپ ہو ہمارے تم سے بڑا تمہارا بھی تھا، ور ہمارا بھی کچھ نہ کچھ ضرور تھا حالانکہ ہم نہیں جانتے وہ کیا تھا اور اگر وہ زندہ ہوتا تو تم سے زیادہ محبت کر سکتا تھا ہم سے یا نہیں، لیکن ہم نہیں تنہا کسی ایسے کام کے لئے نہیں جانے دیں گے جس میں تمہاری زندگی کو خطرہ ہو۔“

”رے ڈا ہمار جندگی کا مقصد ور کار ہے، تے بتاؤ؟“

”وہ ٹھیک ہے شیخا لیکن اس کام میں تمہارے ساتھ رہنا ہمارا بھی فرض ہے، تم یہ بات کیوں بھول جاتے ہو کہ آخر حکیم شاہ ہمارے باپ تھے تم صرف اپنا حق جانتے ہو ان پر، ہم کیسے نامراد بن جائیں گے کہ اپنے باپ کے قاتل کا سامنا بھی نہیں کر سکیں گے، یہ ہمارا حق ہے شیخا، ہمیں ہمارا حق دو۔“

سونیا نے کہا اور غلام شاہ منہ پھڑکھڑایا اور سونیا کو دیکھنے لگا، سونیا کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے تھے، وہ تڑپ مٹا۔

”مارے تیری حرام کھور کی مارے روئے کاٹے ہے بیٹا، لو دیکھو بھائی کلاب، دیکھو لیکن چاچا کی سر ہٹکا جا لیا مارا ہے جی، مارے نا بھائی رہنا ہوا، مارے مارے کا کرت ہو رہے، چلو حرام کھور دوسارے کے سارے چلو، ہمارا کا چاٹ رہے۔“ غلام شاہ نے ہتھ پڑا لیا دیکھ کر، اکبر شاہ آگے بڑھ کر بیٹا۔

”ہمیں بھی اس نیک کام میں حصہ لینے کا موقع دو شیخا۔ آخر ہم بھی تمہارے بڑے کی اولاد ہیں، ہمارا بھی فرض بنتا ہے اس کی روح کو یہ خوشی پہنچانے کا، شیخا جس کام کا چیز اتم نے اٹھایا ہے وہ کام تم ہی کرو گے۔ ہم لوگ صرف تمہاری نگرانی کریں گے شیخا، اس طرح ہمارا دل بھی رہے گا۔“ غلام شاہ کسی سوچ میں ڈوب گیا تھا، پھر اس نے کہا۔

”بیٹھو، تم سب سوگ بیٹھ جاؤ۔ ہم تو رہنا سو رہ کر رہے، مارے لیکن چاچا جتنی تم اے بناؤ ہٹکا کر ہمارے سر کس پھرید پور پچھتو تو تمہارا کیا کہیل رہے۔ پڑو حرام کھور ہو بیٹا رہنا ہو جی ہے، دستوں کاٹنا کر رہے کہ ی سر کس کس کا رہے، پھر جب اوکا کی معصوم ہوئی ہے کہ ای غلام شاہ کا سر کس رہے ہے حکیم سا کا بھائی رہے، تو او بھاگ جاتی ہے، لیکن چاچا سولا کسم ہم گھٹنا کہے ہیں، ای حرام کھور گوری چڑی وارن کو ہم اچھی طرح جانتے ہیں، سنے تم مارے کے سارے سوچو او ہاتھ آ کے نکل جی سنے تو کا دو ہارہ ہمارا ہاتھ لگی رہے۔“

”وہ ٹھیک ہے لیکن غلام شاہ تم کم از کم اتنا بچو کہ تو اپنے ساتھ رکھو سر کس ساتھ نہ لے جاؤ لیکن جو کام کرو اس میں کچھ ایسے لوگوں کو تو اپنے ساتھ ضرور رکھو جو تمہاری مدد کر سکیں۔“ غلام شاہ پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔ کچھ دیر وہ خاموشی سے سوچتا رہا پھر بولا۔

”جے پھرائی کرت رہیں کہ میز دا تو اٹھا ڈرتی ہے۔ ہم جات ہیں پھرید پور سونیا ورا اکبر اور کچھ دوسرے لوگاب کے ساتھ، ملاقات کرت ہیں اور پھر ہم سولا کے حکم سے پنا کام کریں گے۔ سر کس آہستہ آہستہ پھرید پور چلا رہے مگر کھ موی سے کہو کہ پنا چھٹا چاہئے بس پھر ہم مل جتی ہے۔“

”مناسب فیصلہ ہے۔“ اکبر شاہ نے تاکید کی۔ دوسرے لوگوں نے بھی اختلاف نہیں کیا تھا۔ غلام شاہ بدایات دینے لگا کہ کسے کیا کرنا ہوگا۔ اس کے بعد یہ مجلس مشاورت ختم ہو گئی تھی۔ غلام شاہ نے اکبر شاہ اور سونیا کو اپنے ساتھ روک لیا۔

”ب تو کھوس رہو تم لوگ۔“

”ہاں شیخا۔“

”اکبر، ایاج، سونیا، پاؤ، جھنگارا، سیر اور تم دونوں ہمارے ساتھ جاؤ گے۔“

”شیخا چٹکو مکلو کو بھی ساتھ لے میں۔“ سونیا نے کہا۔

”ناپائیدان کے کد چھوٹے نہیں اور دوسرے لوگ انہیں دیکھتے رہیں، ہم چاہتے ہیں کہ کوئی ہم پر گورنہ کرے۔“

”شیخا ٹھیک کہتے ہیں سونیا۔“ اکبر شاہ نے کہا۔

”میں نے تو ایسے ہی تجویز پیش کی تھی۔“ سونیا بولی۔

”بس جاؤ تم دونی تیاریاں کرو ہمار جھنگی کا اصل میلہ تو اب شروع ہوئی رہے۔“ غلام شاہ نے کہا اور اکبر شاہ اور سونیا ہر نکل گئے۔

غلام شاہ نے دو دن تک تیاریاں کیں بہت سا سامان اکٹھا کیا اور ان کی گھڑیوں ہانڈھ لیں۔ اس دوران سرکس کا سامان بھی بندھتا رہا تھا۔ غلام شاہ نے کچھ لوگوں کو سرکس کا ڈھنڈا دیا تھا اور انہیں اس کے سلسلے میں پریات دے دی تھیں کہ انہیں کیا کرنا ہے۔ اور اکبر شاہ بھی غلام شاہ کی پریات کے تحت تیار ہو گیا تھا۔ ہاتھ خرفید پور چیل پڑے۔ رہتے کے پورے سفر کے دوران غلام شاہ عموماً خاموش ہی رہا تھا۔ اس کی آنکھیں سوچ میں ڈوبی رہتی تھیں۔ یہاں تک کہ وہ فرید پور پہنچ گئے۔

فرید پور کافی بڑا شہر تھا بہت پر رونق تھا اور یہاں بے شمار منجھتیں لگی ہوئی تھیں۔ یہاں آکر انہوں نے وہ جگہ تلاش کی جہاں سرکس لگا ہوا تھا اس میں انہیں زیادہ دقت نہیں ہوئی۔ لوگوں نے انہیں راستہ بتا دیا تھا۔ پھر انہوں نے ڈرامہ لینڈ سرکس دیکھا۔ ایک وسیع و عریض ریلوے کو گھیرا گیا تھا چاروں طرف رنگین جھنگے لگائے گئے تھے۔ ہر چیز شائع رنگی۔ بلاشبہ یہ سرکس غلام شاہ کے سرکس سے بہت بڑا اور اس سے کہیں زیادہ شاندار تھا۔ دھڑلے کے ایک سمت بے شمار ٹرک اور چاروں کے کٹھن بے کھڑے ہوئے تھے۔ ہاتھ ادا لوگ اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ بونے اور بہت زیادہ بے فنکار چاروں کو لے کر احاطے سے باہر چیل قدمی کر رہے تھے اور لوگ انہیں دیکھ رہے تھے۔ یہ بھی چیلنی کا طریقہ تھا۔

غلام شاہ کے منہ سے لکھا۔ ”بڑا حیا۔“ پھر اس نے اکبر شاہ سے کہا۔ ”ارے اکبر! کوئی جگہ ملنی چاہئے تو اجال سے ایک سرکس کو خیریاں رکھا جائے۔“

”شیخا وہ ایک ہوٹل نظر آ رہا ہے۔“ اکبر شاہ نے ایک طرف اشارہ کر کے کہا۔

”ہوٹل؟“

”ہاں شیخا! شہر ہے یہ ہوٹل کی اجازت کے بغیر کہیں ڈیرہ تو ڈال نہیں سکتے اور پھر ہوٹل کس شے سے پاک رہے گا۔ اگر اس ہوٹل میں ہمیں جگہ مل جائے تو چھاپے۔ ہوٹل زیادہ بڑا نہیں تھا لیکن انہیں ان کی ضرورت کے مطابق کمرے حاصل ہو گئے۔ غلام شاہ نے اپنے لئے ٹک کر رکھ رکھا تھا اکبر

شاہ اور سونیا یک کمرے میں تھے باقی کمروں میں دوسرے لوگ فروکش ہو گئے تھے۔ غلام شاہ اپنے کمرے کی بالکنی سے بہت دیر تک سرکس کا جائزہ لیتا رہا تھا۔ اس کے چہرے پر آگ سلگتی نظر آتی تھی۔ شام کو سب کٹھے ہوئے تو غلام شاہ نے کہا۔

”رات میں ہم سب سرکس دیکھے چلیں گے۔ تیار ہو جی ہو۔ پر الگ الگ۔“

”جی شیٹا!“ اور پھر وہ سب غلام شاہ کی ہدایت کے مطابق تیار ہو گئے۔ سونیا اور کبیر شاہ تیاریوں کے بعد جب غلام شاہ کے کمرے میں داخل ہوئے تو انہوں نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ غلام شاہ پورے لباس میں لمبوس ایک صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے دونوں پاؤں زمین پر تھے اور ان میں جوتے بھی نظر آ رہے تھے۔

”تیار ہوئی گئے تم لوگ۔“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ مگر دونوں کے منہ سے آواز نہ نکلی۔ جب غلام شاہ بڑے احتیاط سے اپنے پیروں پر کھڑا ہو گیا اور اسی پر احتیاطاً دنداز میں چلا ہوا ان کے پاس آ گیا۔ اس کے اندر میں کوئی جھول نہیں تھا۔ ”کا ہوئی گوا تم دونوں کو رہے؟“

”شیٹا، یہ۔“

”کلزی کے جین بیٹا، اسی واسطے بنوائے ہیں۔“

”مگر شیٹا تم نے نہیں کبھی استعمال کیوں نہیں کیا؟“

”ہر کام وکھت پر ہوئی ہے بیٹا۔“

”تم نے ان کی مشق کیسے کی شیٹا؟“

”ارے بس کرئی سک۔ عید بکر یہ پر بد حال ہاں پہنچ رہیں بنو! ہماری عید تو اب آئی رہے۔ بڑے سے کیا ہوا وہ وہ پورا ہو جی ہے ہمارا عید ہو جی ہے۔“ غلام شاہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

صرف سونیا یہ کبیر شاہ ہی نہیں باقی لوگوں کی بھی ایسی حاست ہوئی تھی غلام شاہ کو دیکھ کر۔ وہ بالکل نارمل اس لوں کی مانند چلا ہوا ان کے ساتھ باہر آیا تھا اور پھر سب سرکس کی طرف چل پڑے تھے۔ وہ سرگوشیوں میں غلام شاہ کے اس فن پر تبصرہ کر رہے تھے۔ وہ سرکس پہنچ گئے۔ ٹکٹ فروخت ہو رہے تھے۔ انہوں نے ٹکٹ خریدے اور الگ الگ ٹولیوں کی شکل میں پنڈال میں داخل ہو گئے۔ پنڈال بھرنا چاہ رہا تھا۔ ایرینا بھی بڑی خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔ سونیا اور شیرا ساتھ تھے۔ کبیر شاہ غلام شاہ کے ساتھ تھا۔ اسی طرح دوسرے لوگوں نے بھی اپنی ترتیب کی تھی۔ سرکس کا آغاز ہو گیا۔ آرکسٹرانے نقشہ باری شروع کر دی۔ ڈرام پر تھپ دی گئی اور اناڈنسر لڑی نے آج کی انوکھی رات سرکس میں آنے والے مہمانوں کو خوش آہید کہا۔ اس نے کہا۔

”معرزمہاں لوں کو خواہوں کے شیر میں خوش آمدید۔ آج جو کچھ آپ دیکھیں گے اس پر یقین کرنے میں میںوں لگیں گے۔ ہمارے فنکار اپنی مثال آپ ہیں زندگی کو وہ صرف ایک تماشہ سمجھتے ہیں موت سے بچاڑانے داغوں کو کھٹا کیا ہے ہمارے سرکس کے مالک مسٹر پیڈرو اور مسٹر کا سٹرنے دُعا تین و حضرات ملنے مسٹر پیڈرو اینڈ مسٹر کا سٹرنے۔“

”اُرم پر دھماکے ہوئے اور اس کے بعد پردے کے عقب سے پیڈرو اور کا سٹر باہر نکل آئے۔ غلام شاہ کے جڑے بچھگئے تھے اور وہ چنگد ار لگا ہوں سے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ دونوں شاندار قسم کے چمکتے ہوئے ہاموں میں بیٹھ تھے۔ دونوں ہی بوڑھے ہو گئے تھے، پیڈرو نے واڑھی رکھ لی تھی اس کی صحت کالی، چمکی نظر آ رہی تھی، بہت کا سٹر اس کی نسبت کچھ کمزور ہو گیا تھا۔ دونوں نے گردنیں خم کیں اور پھر پیڈرو نے بالکل صاف اردو زبان میں کہا۔

”خواتین و حضرات میں پیڈرو آپ سے مخاطب ہوں یہ سرکس میں نے بڑی محنت سے بنایا ہے اور اس کے سینے میں مجھے سب سے زیادہ خوشی یہ ہے کہ اسے آپ کے وطن کے لوگوں نے اس قائل بنایا ہے۔ میرے سرکس میں آپ کے دلیں کے بہت سے لوگ کام کرتے ہیں اور دیکھ بیٹے میری آپ سے محبت کا یہ عالم ہے کہ آپ کی زبان میں آپ کی طرح بول سکتا ہوں۔ اس سرکس سے میری زندگی وابستہ ہے اور اس میں کام کرنے والا ہر فنکار میرے جسم کا ایک حصہ ہے۔ میرے بدن کے یہ حصے آپ کے لئے ایک خوبصورت رات بچانے آئے ہیں اور اب آپ اس سے لطف اٹھائیں میں آپ کو اپنے سرکس میں خوش آمدید کہتا ہوں۔“

داغوں نے ایک بار پھر گردن خم کی ورواپس چلے گئے۔ اس کے فوراً بعد بے شمار ننھے ننھے بونے بھراہار کر باہر نکل آئے اور عجیب و غریب انداز میں چھلتے کودتے پورے ہڈال میں پھیل گئے۔ ان کی حرکتیں لوگوں کو بیٹنے پر مجبور کر رہی تھیں اور ان کے کرتب بھی اس کے ساتھ ساتھ ہی جاری تھے۔ ایک بونے کے اوپر بونے سوار ہو گئے اور انہی باندی تک پہنچ گئے۔ سب سے اوپر والے بونے نے ایک لگی ہوئی ری کا سر، پکڑا اور اسی وقت ہاتھی بونے گر گئے جب کہ رے کا سرا پکڑنے والا بونارے میں لٹکا رہ گیا تھا۔ وہ بری طرح چیخا پھار رہا تھا۔ غرض یہ مزاحیہ آئٹم پیش کیا گیا اور اس کے بعد گھوڑوں کی باری آئی۔ یکے بعد دیگرے وہی تمام کھیل تماشے پیش کئے جاتے تھے۔ سارے کے سارے دلچسپ لٹکا ہوں سے ان تمام آئٹمز کو دیکھ رہے تھے۔ سونانے شیر اسے کہا۔

”تم نے دیکھ شیر اوہ پیڈرو تھا، اور دوسرا اس کا ساتھی۔ میرا خیال ہے شٹا کی تقدیر اس کا ساتھ دے گی۔ پوری زندگی جہاد کیا ہے اس نے اپنے آپ سے۔“

”ہاں اس میں کوئی شک نہیں ہے وہ یقیناً یہ ہے کہ شٹا اب کیا کرتا ہے۔“

”میں کچھ اور ہی سوچ رہی ہوں۔“

”کیا؟“ شیرا نے سوال کیا۔

”شیخا گراہتی کوششوں میں کامیاب ہو گیا تو اس کے بعد اس کے بچنے کا انداز کیا ہو گا؟“

”ہاں ہمیں اس کے سنے بہت محنت کرنا پڑے گی کیونکہ زندگی کا مقصد اگر ختم ہو جائے تو بات کو آگے بڑھانا مشکل ہو جاتا ہے۔“ شیرا نے کہا اور سونیا پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگی۔

”جھوٹے کے آئینہ پیش کئے گئے جو انتہائی معیاری تھے اور کسی بھی طرح غلام شاہ کے سرکس کے فنکاروں سے کم نہیں تھے۔ پھر ایک آئینہ کے لئے تازہ صنعت ہوا، اناؤنسر نے جو بار بار آکر انیم آئینہ کے بارے میں تنبیہات بتاتی تھی، نے اس بار بھی آکر کہا۔

”اور اب دل تھم کر بیٹھ چائے خواہ تین دھڑکتے آپ کے سامنے آ رہا ہے ہوؤں کا بیٹا، اس کے لئے جو لفظ کہا گیا ہے یہ اس سے بھی آگے ہے آپ تصور نہیں کر سکتے کہ فضاؤں میں پرواز کرنے والا کون ہے، شاید وہ کسی اور سیارے ہی کا باشندہ ہو تو آپ کے سامنے ہوؤں کا بیٹا۔“

اور اس کے بعد ایک خوبصورت نوجوان ایک حسین سوس میں ٹینس اندر داخل ہوا۔ اس کا ہنس جھمکا رہا تھا، لیکن اسے دیکھ کر شیرا اور سونیا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں، سونیا کے دانت مضبوطی سے ایک دوسرے پر جم گئے اور جڑوں کی رگیں ابھر آئیں وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس نوجوان کو دیکھ رہی تھی جو شارق کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ شیرا بھی سشدر تھی۔ اور غلام شاہ اور اکبر شاہ بھی جس قدر حیران ہوئے تھے اس کا غلبہ ان کے چہروں سے ہو رہا تھا۔ کوئی تبصرہ نہیں کیا گیا تھا۔ البتہ شیرا کے بارو پر سونیا کی گرفت انتہائی سخت ہو گئی تھی۔ شیرا نے سونیا کے بارو کو چھپتا کر اسے پرسکون رہنے کے لئے کہا۔ شارق نے اپنے آئینہ پیش کرنا شروع کر دیئے اور اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ غلام شاہ کے سرکس میں اتنا شاندار سدھے ہوئے جسم کا کوئی فنکار نہیں تھا۔

شارق نے ایک بلندی پر پہنچنے کے بعد جھولا پکڑا اور اس پر جھولنے لگا دو تین جھکولے لینے کے بعد اچانک اس نے جھون جھولا دیا اور سر کے بل زمین کی جانب گرنے لگا، دیکھنے والوں کی چیخیں نکل گئی تھیں لیکن انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ زمین پر آدھی بلندی پر پہنچنے کے بعد اچانک شارق نے اپنے ہاتھوں کے بل پر غوطہ کھایا اور ایک بار پھر بلندی کی جانب لپکا۔ یہ دیکھ کر نامہ تھا جو اس نے غلام شاہ کے سرکس میں بھی کیا۔ بار اس وقت پیش کیا تھا جب سونیا نے اسے ختم کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس نے دوبارہ جھولا پکڑ لیا اور پھر جھولنے لگا۔ قہقہوں کی تالیوں کا طوفانی شور بلند ہو تھا اور خود غلام شاہ کے منہ سے بھی نکلے بغیر نہ رہ سکا تھا۔

”رے، می حرام کھور، رے، می حرام کھور اس سرکس ہاں کا کری ہے رے اکبر، رے دیکھ کا می سارک نا ہے کا، کا می سارک نا ہے اکبر؟“

”وہی ہے شیلا۔“

”سرگئے بھائی رے، امی سسر اھر کہاں سے آ مرے اورے بڑا ہی بے گیرت۔ نشان لکلا ای تو، ہمارے دمن کے سرکس ماں کام کرے ہے اور ہم سے کہتے رہے کہ، مگر اکبر اسارق نے کہا تو تھا سوئی بنا سے کہ اوئی اوئی۔“ غلام شاہ جملہ ادھورا چھوڑ کر خاموش ہو گیا۔ اکبر شاہ کا ذہنی توازن بھی بگڑ سا گیا تھا، وہ پٹنی پٹنی لگا ہوں سے شارق کے کرتب دیکھ رہا تھا اور اس وقت اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس لوگوں نے شارق کی حقیقت کو سمجھ ہی نہیں تھا وہ واقعی بہت بڑا فکا تھا اور اس کے مقابلے کا کوئی فکا، غلام شاہ کے سرکس میں موجود نہیں تھا۔ شارق نے ایسے ایسے ناقابل یقین کارنامے دکھائے کہ بگ پانگل ہو گئے کسی کی سمجھ ہی میں نہ آتا تھا کہ وہ واقعی انسانوں کی کون سی قسم سے تعلق رکھتا ہے۔ تماشا نیوں کی بے پناہ تابیوں کے شور میں شارق کا آخری آئٹم بھی ختم ہو گیا۔ اس نے گردن خم کی اور پر ممکنات انداز میں چلتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔ تالیوں کا شور دیر تک گونجتا رہا تھا تماشا نیوں نے اس کے کمالات کو بے حد پسند کیا تھا۔

ادھر غلام شاہ کے سرکس کے ان تمام لوگوں نے اچھی طرح پہچان لیا تھا جو اس وقت سرکس دیکھ رہے تھے۔ پھر دوسرے آئٹم شروع ہو گئے لیکن کوئی بھی نہ جم سکا شارق جو کمالات پیش کر گیا تھا بعد کے کمالات اس کے سامنے بے معنی نظر آ رہے تھے شیر نے سرگوشی سے کہا۔

”سو نیایا یہ شارق کچھ سمجھ میں ہی نہیں آیا، آج تک آخر یہ یہ۔“ سوہی نے کوئی جواب نہیں دیا وہ خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔

یہاں تک کہ سرکس کا آخری آئٹم بھی ختم ہوا اور اس کے بعد سرکس کے خاتمے کا اعلان کیا گیا۔ تماشا نی ہارنگٹنے لگے غلام شاہ بھی ایک ٹھنڈی سانس نے کر کھڑا ہو گیا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد یہ سب ہوٹل میں داخل ہو گئے، شارق کے سلیپے میں سب ہی تجسس تھے چنا چہ غلام شاہ کے کمرے میں ایک بار پھر مجلس مشاورت کا آغاز ہو گیا۔ بیاز نے کہا۔

”شیلا ایک بات تو میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ شارق کی اس سرکس میں اس انداز میں موجودگی ہمارے لئے ناقابل یقین تو ضرور ہے لیکن بے مقصد نہیں۔“ غلام شاہ نے عجیب سی نگاہوں سے بیاز کو دیکھا اور بولا۔

”ہم سمجھتے تھیں نا ہیں بڑا اکا مطہیں رہے تو ہار۔“

”شیخا اس نے ہمیشہ ہمارے ہر مسئلے میں ہماری مدد کی ہے، ہو سکتا ہے اس سرکس میں اس کا داخلہ بھی ایسے ہی کسی مقصد کے تحت ہو۔“

”ارے کیا بات کرتے ہو؟ بڑا ادھر رگڑا رہے ہو؟ اس کی مرضی، نیو گریں اس نے جو کچھ کر لیا، اس کی مرضی ہوگی، ہو سکتا رہے کہ آپ اوہم کا بھوس ہی گیا ہو۔“

”مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے شیخا کہ آخر وہ اس سرکس میں داخل کیسے ہوا اور آپ نے یہ بھی دیکھا کہ وہ سرکس کا سب سے عظیم منار ہے مہری ایک رائے ہے شیخا۔“

”کارے اکبر؟“ غلام شاہ نے کہا۔

”میں اس سے ہوں گا میں اس سے مناجا ہوتا ہوں شیخا مجھے اس کی اجازت دو، ایک بات کا مجھے پھر دوسرے ہے کہ وہ ہم سے انحراف نہیں کرے گا۔“

”کبر، کوئی آپ کام نہ کرنا ہو، جو مہری، چاہت کے بغیر ہوسار کام کھرا ب ہو جی ہے ہکا ناسارک سے کچھ دینا رہے اور تا کو دور سے، تم لوگ میرے حکم کے بغیر ایک قدم آگے نہ بڑھاؤ گے مجھت دو سارے کے سارے۔“

”ہاں شیخا ٹھیک ہے، مگر شارق؟“

”جہنم میں ڈالو، سارک اور سارے لوگوں کو، حرام کھورں کو نہ دیکھ تم لوگوں نے جن کا نام پڑوا اور کا ستر ہے۔“

”ہاں شیخا! ہم نے دیکھا۔“

”بس تو ہی سمجھ لو کہ ہمارا واسطہ ان سے ہے، تم میں سے کوئی جرورت سے آگے بڑھنے کی کوس نہ کرے تو ہم اوکا کچھو معاف نہ کریں گے اے ہمارے چنگی اور موت کا سوال رہے۔“

”نہیں شیخا آپ اطمینان رکھیں ہم آپ کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کریں گے۔“

”اور اکبر، تم نے اور کوئی بھی سارک کے پاس ناحق ہے کو کو ناحق ہے کہ ہم ادھر رہیں، اب جے ہم کہیں، وہ ہوئی ہے کا مجھت رہو تم لوگ۔“

دوسرے دن غلام شاہ یا ز کو سنا تھا سنے کر کہیں چلا گیا لیکن شارق ان سب کی گفتگو کا موضوع بنا ہو تھا۔ اس کے علاوہ ڈرامہ لینڈ سرکس میں جو کھیل تماشے دکھائے گئے تھے ان کے معیار پر بھی گفتگو ہو رہی تھی اور اس بات کا اعتراف کیا گیا تھا کہ وہاں بہت سے آٹم بے حد شادمان تھے اور اس سرکس کی ترتیب بہت ہی خوبصورت تھی۔ کبر شاہ سونیا سے ملا وراس نے کہا۔

”سونیا، شارق کو دیکھ کر میری اپنی کیفیت بہت عجیب ہو گئی ہے ذرا تم مجھے وہ الفاظ بتاؤ جو شارق نے تم سے کہے تھے۔“

”کون سے الفاظ اکبر بھیا۔“

”جب وہ جہیں پہنچا تو اس نے نکال کر لایا تھا اور تم نے اس سے اس سرکس کا تذکرہ کیا تھا تو اس نے بتایا تھا کہ وہ واقعی کے سرکس میں خود بھی رہ چکا ہے۔“

”ہاں بھیا، اس نے کہا تھا کہ وہاں وہ چوکیدار کی حیثیت سے نوکری کرتا تھا۔“

”گو یا اس نے اس سرکس سے واقفیت کا علم رکھا تھا۔“

”ہاں!“

”تمہارا کیا عمر رہے سو نیا، شارق نے اس سرکس میں دوبارہ موجودگی یا اس سرکس میں نظر آنا تمہارے نزدیک کیا حیثیت رکھتا ہے۔“

”ہات دراصل یہ ہے بھیا کہ میں اب اس شخص کے بارے میں سوچنا ہی نہیں چاہتی۔“

”جذبائی نہ ہو بلکہ اس انداز میں سوچو کہ شارق اس بار بھی ہمارے کسی کام آ سکتا ہے۔“

”ہمارے لئے یہ ادب مرنے کا مقام ہو گا اگر بھیا، ہم ہر موقع پر اسی کا سہارا تلاش کریں، میں تو یہ سمجھتی ہوں کہ اگر وہ ہم پر کوئی احسان کرنا بھی

چاہے تو اس کے کسی احسان کو قبول نہ کیا جائے ہماری بچی بھی غیرت ہے، ہم اس قدر بے فیرتی کا مظاہرہ کریں۔“

”یہ شکار اصل ہم لوگوں کو مغلوب کر کے رکھ دیتا ہے اپنے آپ کو ہمیشہ دہین سمجھتا ہے اور ہمیں یہ خوف۔“

”اس کے باوجود بھیا یہ مسئلہ ایسا ہے کہ اگر کوئی کام شیخا کی مرضی کے خلاف ہو گیا تو وہ ہمیں کبھی معاف نہیں کرے گا، اس کا خاص طور پر خیال رکھنا۔“

کیرشہ پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگا تھا۔

”غلام شاہ تیار یاز کر رہا تھا پھر اس نے کہا۔“ بس اکبر! ہوٹل چھوڑ دو، ہم نے دوسری جگہ ڈیرہ لگائی لنی ہے۔ کام شروع کر رہے ہیں اب ہم۔“

”ٹھیک ہے شیخا کہاں چلتا ہے۔“ اکبر شاہ نے پوچھا اور غلام شاہ مسکراتے لگا پھر بولا۔

”تو کا تو ہمارا اصلیت دکھائی ہے بڑا۔“ نے بھی کیا یاد دہانی ہے۔“ غلام شاہ نے بچ کہا تھا جس جگہ وہ اور یازا نہیں لے کر گئے تھے وہ آبادی سے دور

ایک دیہات تھی درختوں کے جھنڈ لگے ہوئے تھے ان سے پرے پتھر اور چٹانی علاقہ شروع ہو جاتا تھا۔ درختوں کے جھنڈ کے پاس پہنچے پرانے بوسیدہ

خیمے لگے ہوئے تھے۔ نئی رہائش گاہ انہیں بہت پسند آئی تھی یہاں بہت سا سامان ادا تھا، لمبے لمبے بانس ڈھول لگائے۔ غلام شاہ نے ہنس کر کہا۔

”چلو بیٹا سو نیا سنو رہا، چولا بدل دیا پاتا۔“ ادکات، ماں آ جاؤ سارا اہتمام کرتی ہے ہم۔“ ان لوگوں گھٹیا مونٹے چھوٹے کپڑوں کے وہ لباس بخوشی پہنے

جو خانہ بدوش قبیلوں کے لباس ہوا کرتے تھے۔ یہ پیچ کتنا دلکش ہے شیر۔“ سو نیا بے کہا اکبر شاہ دابستہ غلام شاہ کی اس کاوشوں پر غور کر رہا تھا۔

دوسرے دن غلام شاہ نے کہا۔

”چلو رے تیار ہو جاؤ دھندے پر جاں کو۔“ اور پھر سب غلام شاہ کے ساتھ چل پڑے۔ غلام شاہ اپنے ایک مصنوعی بیروں پر چل رہا تھا۔ ڈریم بینڈ سرکس سے کچھ فاصلے پر انہیں پڑاؤ ڈالا اور سبچے لیے ہانس ریمن پر کھڑے کر دیئے گئے۔ غلام شاہ ان لوگوں کو ان کا کام سمجھا رہا تھا تھوڑی دیر کے بعد وہ سب اپنا قدیم اور آبائی کام کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ غلام شاہ زمین پر پھسکڑ مار کر بیٹھ گیا تھا۔ کچھ دیر کے بعد باپو اور جھنگار نے ٹکڑوں پر ٹکڑیاں چلائیں اور زور زور سے انہیں بجانے لگے۔ اکبر شاہ اور سونیا لیے لیے ہانسوں پر چڑھ گئے۔ ڈرائی دیر میں ان کے اطراف نوگوں کا جم غفیر لگ گیا تھا۔ غلام شاہ زمین پر بیٹھ غنیمتیں کام کرتے دیکھ رہا تھا اس کی آنکھوں میں آنکھیں چمک چمکی چشم تصور سے وہ نہ جانے کیا دیکھ رہا تھا نہ جانے اسے کیا کیا یاد آ رہا تھا۔ لگاؤ بچتے رہے اور حیران کر دینے والے کھیل جاری رہے پھر سرکس کی طرف سے ایک جیپ آتی نظر آئی اور کچھ دیر کے بعد یہاں آ کر رک گئی۔ جیپ میں بیڑو، کاسٹر اور کچھ دوسرے لوگ موجود تھے۔ انہیں مجمع کے اندر داخل ہونے کا موقع تو نہیں ملتا مگر وہ جیپ میں بیٹھے ہوئے بلندی پر ہونے والے کرتب دیکھ سکتے تھے بیڑو نے کہا۔

”یہ کبوت بہترین مہارت رکھتے ہیں، جنہیں کچھ یاد ہے کاسٹر۔“

”ہاں وہی مجھے یاد آ رہا ہے۔“ کاسٹر نے کہا۔

”یہ قبیلے ہوتے ہیں اور اسی طرح کھیل تماشے دکھا کر پیسے پالتے ہیں۔“

”فقیر شاہ بھی تو ایسے ہی قبیلے کا آدمی ہے۔“

”ہاں بالکل، لاکی تو دیکھو کتنی خوبصورت ہے۔“

”تھاق سے میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔“

”آؤ اگر، انہیں تھوڑی سی تربیت مل جائے تو قیامت ڈھا سکتے ہیں یہ لوگ۔“

”میر خیاں ہے ہمیں کوشش کرنی چاہئے۔“

”میر بھی یہی خیال ہے۔“ بیڑو نے کہا اور اس کے بعد وہ یہ پورا قہر شاد دیکھتے رہے۔ تمنا شافتم ہونے کے بعد غلام شاہ سے ایک برتن اٹھایا اور مجمع کے سامنے گھوم کر پیسے جمع کرنے لگا۔ اس کا بیٹا، ریزہ کاری اور چھوٹے نوٹوں سے بھر گیا تھا۔ پھر وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا جیپ کے پاس آ گیا۔ اس نے پچانہ آگے بڑھایا تو کاسٹر نے نوٹوں کی ایک بڑی گڈی پیالے میں ڈال دی غلام شاہ کے ہاتھ کا پھنسنے لگے۔

”گر یہ سے بچا کر ت ہو گورے باو، بعد میں پالیس سے پڑوائی دو گئے۔“

”جیس دوسرے، تم غریب نہیں، تمہیں شاید غریب رہنے کا شوق ہے۔“ پیڑ روئے کچا اور عمدہ اردو میں رہا تھا۔

”مجھ سے نار ہے تو ہر بات مائی باپ۔“

”تمہارا تعلق کسی قبیلے سے ہے۔“

”مائی باپ نہ رہیں ہم۔“

”تمہارے قبیلے کے کچھ اور لوگ بھی ہمارے پاس کام کرتے ہیں اور عیش سے زندگی گزارتے ہیں تم بھی، مگر چاہو تو ہمارے پاس کام کر سکتے ہو۔“

”مگر سرکار ہم تو، سے ہی کام کر سکتے ہیں جے تم نے دیکھا ہمارا ہاں بچہ بھی رہیں اور کوئی کام نہ آت ہمارا؟“

”میں بھی اسی کام کی بات کر رہا ہوں، یہ جو کہیں دکھا رہے تھے تمہارے بچے ہیں؟“

”ہاں مائی باپ سب ہمارے ہیں۔“

”کہاں رہتے ہو تم؟“

”سب سے باہر ڈیرہ لگائے رہیں با بڑی گریب کھانا بدوس میں ہم۔“

”پتا بتا دو میں اپنا تم سے ملیں گے۔“ پیڑ روئے کچا اور غلام شاہ اسے اپنا پتا سمجھانے لگا۔

”ٹھیک ہے کسی وقت آئیں گے تمہارے پاس۔ بلکہ یوں کرتے ہیں کل شام کو میں گئے ہم تم سے۔ یہ نوٹ رکھو تمہارا نعام ہے۔“ پیڑ روئے کچا اور

جیب آگے بڑھا دی۔ غلام شاہ جھکتی آنکھوں سے اسے جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے پیارے کی رقم اپنی جھولی میں ڈالی اور مسکراتا ہوا چلی

پٹ پڑا۔ مجمع منتشر ہو گیا تھا اور اکبر شاہ دوسروں کے ساتھ ٹھل کر سارا سامان سمیٹ چکا تھا پھر دو وہاں سے واپس چل پڑے اور لمبا سفر طے کر کے

اپنے ڈیرے پر پہنچ گئے۔ درختوں کے جھنڈا خاموش کھڑے تھے چاروں طرف ہو کا عالم طاری تھا ڈیرے کے چراغ روشن ہو گئے تب ان سب نے

ایک جیب دیکھی جو ڈیرے پر آ کر رک گئی تھی۔ جیب سے اترنے والا بھلا تھا۔ اس کے ساتھ ایک آدمی اور تھا غلام شاہ بھلا کو پہچان کر چیز سے اس

کی طرف بڑھا اور سے گلے لگایا۔

”تے کیسے ادھر آ گیا بھی بھئی، ای پتا تو کا کیسے معلوم ہوئی ہے؟“

”آپ نے تو مجھے تلاش بھی نہ کیا تھا دوسرا۔“

”جے انعام تے جھکا دئی رہے ہیرا اس کے مجھے سے کرتیرے پاس آگئے ابھی ہوا کام نا ہوئی رہے۔“

”یہ بات مل جاتا ہوں مگر آپ سے ملنے کو بہت جی چاہ رہا تھا اس لئے خود کو ہار نہ رکھ سکا آج میں نے آپ کی بارگھری کے کمالات سرکس سے باہر دیکھے تھے میں بھی اس مجمع میں موجود تھا شاہ صاحب جو آپ کے کمالات دیکھ رہا تھا۔ میں نے پیڑ رو اور کامز کو آپ سے باتیں کرتے ہوئے بھی دیکھا تھا۔“

”ہارے، احتیاط ماں بڑ کھوس ہو رہا ہوگا۔ ہماری جھنگی بھر کی محنت کام آئی رہے۔“

”اب کیا ارادہ ہے شاہ صاحب۔“

”وانڈل دیا ہے ہیرا بس چڑیا بٹھ جائے تب بات رہے۔“

”جو کچھ کریں احتیاط سے کریں شاہ صاحب، ایک دوست کی حیثیت سے یہ بات میں آپ سے کہہ رہا ہوں۔“

”حیرتی محبت ہے بھائی، بڑا کام کرا ہے تے ہمارے واسطے۔“

”ایک بات آپ کو اور بتانا چاہتا ہوں۔“

”کارے۔“

”کارے۔“

”ڈیریم پیٹرسن سرکس میں، میں نے شائق کو بھی دیکھا ہے۔“

”ہاں بھائی اوئی سر ہمارے دماغ کی چولیس ہڈی دے رہے ہم نے بھی دیکھا رہے ادا کا۔“

”میں جانتا ہوں جھکرا اس سے نہیں ملا۔“ مگر بڑی عزت ہے اس کی سرکس میں، اور بڑے حیرتاک مظاہرے کرتا ہے دو۔“

”ٹھیک ہے بھائی بھلے ہم دوسروں کے معاملے میں ناگفتہ آرا کی ہے۔ بس پتا نام کری ہے، اور بات کھتم۔“

”میں دوبارہ آپ سے ملوں گا شاہ صاحب۔“ مگر ابھی آپ کو پریشان نہیں کروں گا سوائے اس کے کہ گر میرے لائق کوئی خدمت ہو تو ضرور ملے۔“

”ہوئی تے جرور بتائی ہے ہیرا۔“ غلام شاہ نے کہا، اور تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس چلا گیا۔ چاروں طرف گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی دور سے

گیدڑوں کے چیخنے کی آوازیں بھر رہی تھیں ہو کا عالم ظاہری تھا، ایک خیمے میں شیر اور سونیا خاسوشی سے ہٹشی کچھ سوچ رہی تھیں۔ اس طرح کے

خیموں میں رہنا ان کی زندگی کا نیا اور نوکھا تجربہ تھا۔ دونوں اس بارے میں کافی گفتگو کر چکی تھیں۔ بہت دیر کے بعد شیرانے کہا۔

”نہ جانے شیخا اب کیا کرے گا۔“

”تمہیں نیند نہیں آ رہی۔“ سوہا بولی۔

”نہیں۔“

”آؤ پھر باہر بیٹے چلیں۔“

”چلو۔“ شیر اتار ہو گئی۔ دونوں بھبھو سے باہر نکل آئی تھیں۔ شیر نے کہا۔ ”سوہا تم شارق سے نہیں ملو گی۔“

”نہیں شیر! کیا فائدہ اس سے رہنے سے۔ وہ اپنے ذہن میں ہم سے سارے رابطے توڑ چکا ہے۔ یہ نہ ہوتا تو۔ تو چھوڑو شیر! اس کے تذکرے سے میرا ذہن الجھ جاتا ہے اور یہ آوارگی ہے اور روشنی، دیکھو شیر! اور دیکھو کوئی ہے۔ اور وہاں کیا ہو رہا ہے شیر!۔“ شیر نے بھی۔ ہم ہی یہی روشنی دیکھ لی تھی اور اس روشنی کے سائے میں کوئی تحریک تھی۔“

”دیکھنا ضروری ہے۔“ سوہا نے کہا۔

”کسی کو جگانیں۔“ شیر سٹار لہجے میں بولی۔

”کیا ضرورت ہے آؤ ہم خود دیکھیں۔“ سوہا نے خود اعتمادی سے کہا پھر گردن اٹھا اٹھا کر ادھر ادھر کا جائزہ لینے لگی وہ کوئی مناسب راستہ تلاش کر رہی تھی۔ دونوں ہی دلیر تھیں ورنہ اس بھونک ماحول میں عام لڑکیاں تو باہر نکلنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ پھر سوہا ایک طرف اشارہ کر کے آگے بڑھ گئیں۔ درختوں کے ایک حوض میں داخل ہو کر وہ دوسری طرف نکلیں پھر ایک لمبا چکر کاٹ کر اس جگہ پہنچ گئیں جہاں وہ روشنی بالکل قریب سے نظر آ رہی تھی۔ انہوں نے روشنی کے قریب غلام شاہ کو دیکھا تھا جو کہ لی ہاتھ میں لے کر گڑھا کھود رہا تھا۔ وہ پوری قوت سے کدال زمین پر مار رہا تھا۔ اچانک وہ رک گیا اور کسی چوکنے چپتے کی طرح سانس روک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

”اے! اے! ہماری موجودگی کا علم ہو گیا۔“ شیر نے سرگوشی کی اور غلام شاہ نے جیسے یہ سرگوشی سن لی۔ دوسرے لمحے اس نے درختوں سے اس حوض کی طرف زققل لگائی تھی۔

”ہم۔ ہم ہیں شینا، ہم ہیں۔“ سوہا چیخ پڑی۔ غلام شاہ روک گیا پھر اس کی آواز بھری۔

”ری حرام کھور۔ تم کا کر رہی ہو یہاں اسے تو ہمارا کانیں تم کا۔ اور بدل نہ پڑیں تو کدال کھو پڑیاں۔ پھاڑ دیتی تمہاری کا کر دو تم دونوں یہاں۔“

”یہی ٹھیکے لکل آئے تھے شینا۔“

”رے! ٹھیکے کا دھت ہے پاور یو، جاؤ یہاں سے اور بھگتے بھی ہوتے رہیں۔“

”تم کیا کر رہے ہو شہنا۔“ سوئیائے پوچھا۔

”ہم۔ ہم مایہ ذھن و طاقت رہیں بیٹا۔ بہت بڑا کھانا رہے یہاں ادھی نکالت رہیں جاؤ۔ بھگ۔ جاؤ دھارا کام مت کھراپ کرو۔ ارے سنتے نا ہو گا۔“
غلام شاہ نے جھلائے ہوئے بچے میں کہا اور دونوں وہاں سے واپس چل پڑیں۔ انہوں نے پست کر دیکھا تو غلام شاہ اپنے کام میں مصروف ہو چکا تھا۔
”نہ جانے کیا کر رہا ہے شہنا۔“ شیرائے کہا۔

”اس کی کوئی بات سمجھ میں آتی ہے کبھی جواب آئے گی۔“ سوئیائے نے گہرے سانس لے کر کہا پھر دونوں نیچے میں داخل ہو گئی تھیں۔



دوسرا دن غلام شاہ نے اسی ویرانے میں گزارا تھا۔ اکبر شاہ و غیرہ سے اس نے کہا تھا کہ شکار تلاش کریں۔ کوئی زخمی جانور تو نہ مل سکا تھا۔ لہذا پرندے
مل گئے تھے غلام شاہ بہت خوش نظر آ رہا تھا پھر جوں جوں شام ہوتی گئی غلام شاہ کچھ مضطرب نظر آنے لگا اس وقت بھنبٹا سا چھرا ہاتھ جب دور سے
ایک جیپ نظر آئی۔ غلام شاہ کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا تھا۔ اکبر شاہ و غیرہ اس جیپ کو دیکھنے لگے۔ غلام شاہ بولا۔

”دیکھو بیڑا۔ ایک بات کہیں تم سب سے۔۔۔ بے کچھ ہو گا کھا موسیٰ سے دیکھن اور گڑھا کھودے رہیں ہم۔ اگر ان دونوں سردوں کے ہاتھوں مر جائیں ہم تو
اس ماں ہمیں روادینا مگلاں ساتھیوں مٹی کسم دلائے ہے تم لوگوں نے کسی بات کا ہاں دکھل دیے رہے ہم مرنے کے بعد بھی تم کا پھرنہ کریں گے ہاں۔“
وہ سب سسٹنی خیر نظروں سے غلام شاہ کو دیکھنے لگے۔ جیپ اس طرف بڑھ رہی تھی۔

غلام شاہ نے اکبر شاہ سے کہا۔ ”ی سوگ آنے رہیں اکبر سا، تم ان کو جھٹ سے بٹھائی ہے ہم جراتیار ہو کر آئے رہیں۔“ غلام شاہ اپنے خیمے میں
گھس گیا، جیپ بالکل قریب آ گئی تھی۔ اس میں صرف پیڑر دو اور کاسٹر تھے۔ اکبر شاہ نے ان کا استقبال کیا۔

”غلام شاہ صاحب۔“ پیڑر رونے لگا اور اکبر شاہ دگر دہنم کر کے بولا۔

”آپ کا منتظر کر رہے تھے ابھی آتے ہیں آپے تشریف رکھے۔“ اکبر شاہ نے قدیم طرز کے دو اسٹوں رکھے اور پیڑر دو کاسٹر کے ساتھ چھپے اتر
آیا۔ پھر وہ دونوں اسٹوں پر بیٹھ گئے۔ کاسٹر نے کہا۔

”تم غلام شاہ کے بیٹے ہو۔“

”جی صاحب، وہ ہمارا چاچا ہے۔“

”ہمارا سر کس دیکھا تم نے۔“

”نہیں صاحب۔“

”اوہ! ضرور دیکھو، بلکہ آج رات تم سب ہمارا سرکس دیکھو ہمارے ساتھ کھانا کھاؤ وہاں تمہارے جیسے سینکڑوں فنکار ہیں، ایک سے ایک شمار دیکھا کروہ پیش کرتے ہیں دنیا بھر کی میر کرتے ہیں۔ عمدہ لباس پہنتے ہیں۔ اگر وہ تمہیں پسند آئیں تو تم ان جیسی زندگی حاصل کر سکتے ہو۔ میں نے غلام شاہ سے بات کی ہے، میں تم سب کو سرکس میں نوکری دینے کے لئے تیار ہوں۔“

سونیا، سالونی، اپنا زور دوسرے تمام لوگ ان کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ وہ ناکھ کوشش کر رہے تھے کہ ان کے چہرے معطل رہیں لیکن ان کے رنگ دہپے میں سسکی دوڑ رہی تھی۔ وہ جانتے تھے کہ یہ لحاظ بڑے بھان خیز ہیں شیٹا نے پوری زندگی اس وقت کا انتظار کیا ہے۔ یہ وقت بہت اہم ہے۔ پھر غلام شاہ نیچے سے باہر لکھا۔ اس نے قدیم شہنشاہوں کا لباس پہنا ہوا تھا۔ اس کے ہاں سنورے ہوئے تھے اس نے آنکھوں میں کابل لگایا تھا۔ اس کے بدن سے خوشبو کی لپٹیں نکل رہی تھیں۔ لکڑی کے پیروں سے وہ بڑے پروقار چل چل رہا تھا۔ کسی نے بھی اسے اس رنگ میں نہیں دیکھا تھا۔ نہ جانے کب اس نے یہ لباس تیار کرایا تھا۔ نہ جانے کہاں محفوظ کیا تھا اس نے یہ لباس۔ پیڑ روور کا سفر نے اسے مسکراتی نظروں سے دیکھا پھر پیڑ روئے کہا۔

”گند، غلام شاہ، بہت عمدہ لباس پہنا ہے تم نے، یوں لگتا ہے جیسے تم نے خود کو ڈریک لینڈ سرکس کے لئے پہلے سے تیار کر رکھا تھا۔“

”آئی جیے گورے صاحبو۔ ارے کا دیکھت رہو بالکو، مائی باپ آئے رہے چاہتو کچھ کھمت کرو بہت بڑے لوگ رہیں بڑے بھاری کری رہے ہم اتنا کا۔ سوئی ٹیا، بڑھیا سی چاہتا۔ اپنے ہاتھ سے۔“

یہ تلفظ رہنے دو غلام شاہ، میں نے تمہارے ساتھیوں کو سرکس میں رات کے کھانے پر دعوت دی ہے۔“ پیڑ روئے نے کہا۔

”ہم کھیلنے کے لوگ ہیں گور صاحب، کچھ ریت رواج ہو دیں ہیں ہمارے۔ چا جرو رہتی ہوگی تم کا۔“

”ٹھیک ہے، تم ضد کرتے ہو تو چلا دو۔ ابھی ہمارے پاس کافی وقت ہے۔“ پیڑ روئے نے کہا پھر بولا۔ ”غلام شاہ، کل ہم نے تمہیں میرا مطلب ہے تمہارے ان بچوں کو ہانگری کے تماشے دکھاتے ہوئے دیکھا۔ تم سب بہت بڑے فنکار ہو مگر تمہاری قدر نہیں ہے۔ زندگی کی باری لگائے کے باوجود، تمہیں بھیک مانگنا پڑتی ہے۔ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ تم سب کو اپنے سرکس میں نوکری دیں۔ تمہارے ساتھ زیادہ لوگ بھی نہیں ہیں، تم اگر چاہو تو ہمارا ساتھ ہیہ کر لو، ہر آسائش ملے گی تمہیں، بہترین خجواہ اس کے علاوہ، ملک ملک کی سیر بھی ہوگی۔ ہم اسی سب سے بات کرنے آئے ہیں۔“

”چاہو گورے بابو، ساری باتیں بعد ماں ہو جتی ہیں۔ پر تم دوئی آئے رہو اور انا کا ساتھ نہ داتی ہے۔“

”تم سے بات کرنی تھی، اس لئے میں ہم دونوں آ گئے۔“

”چلو ٹھیک رہے، کام بھی دوئی کا رہے۔ اورے سوئی بیٹا چلائی رہے گا؟“

”بھی نہئی شیخا، تیرا ہوئی ہے۔“

”ان دوگوں کے برتن گندے ہوں گے پیڑ رو، کیا تم اس گندے برتنوں میں چائے پی سکو گے؟“ کاسٹر نے مگریزی میں کہا۔

”انہیں خوش کرنا ضروری ہے، برداشت کر لو مگر تم اس کا لباس دیکھ رہے ہو سونے کے تاروں سے بنا ہوا ہے اور اس پر جڑے ہوئے پتھر ہے حد جتنی ہیں۔“ پیڑ رو نے جواب دیا۔

”جی دیر میں سوئی چائے لے آئی اور غلام شاہ نے خود اپنے ہاتھ سے، انہیں چائے پیش کی برتن صاف ستھرے اور چائے بہترین تھی۔ دونوں نے معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

”جہیں جتنی طور پر ہمارے جیسے قدر دانوں کی ضرورت تھی غلام شاہ اب دیکھنا تمہاری زندگی بدل جائے گی ہم تمہیں تمہارا اصل مقام دیں گے۔“
”ہاں گورے صاحب ای سی لگتے رہے ساری جنگ کی تو ہار تجی رکرنے کے علاوہ اور کچھ نہ کری ہے۔“ غلام شاہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ پیڑ رو اور کاسٹر خاموشی سے چائے پیتے رہے پھر کاسٹر نے کہا۔

”تم دوگوں کے قبیلے تو بہت بڑے بڑے ہوتے ہیں غلام شاہ، کیا تمہارے قبیلے کے باقی لوگ کہیں ”ورڈیرے“ لگائے ہوئے ہیں۔“

”پتھر ہے گورے صاحب کون سسر کہاں ڈیرے بنائے رہے برسوں ہو گئے ڈیرے سے پتھرے ہوئے۔ بس اب تو تھوڑے سے بچے ساتھ رہیں۔“
”ان سب سے ہمارا تعارف کراؤ۔“

”جرو کرکائی ہے، ای سنو یار ہے، ای ایج رس ہے اور ای گلاب۔“ غلام شاہ نے سب کے نام بتائے پھر بولا۔ ”اور ای اکبر سا ہے اور ای ہماری بیٹا سوئی۔“
”تمہارے بھتیجے ہیں یہ۔“

”ہاں گورے صاحب، ہمارے بڑے کے بچے ہیں دوئی۔ ہماری کہانی سنو گے گورے صاحب؟“

”جلدی کیا ہے، اب تو تم ہمارے ساتھ ہی رہو گے۔ سن لیں گے تمہاری کہانی میرا تو خیال ہے کہ آج ہی سے ہمارے سرکس میں تھکنا ہو چاؤ، سب کچھ تمہاری مرضی کے مطابق ہو جائے گا۔“

”مولا کا کرم ہے صاحب۔ اس نے سب کچھ ہماری مرضی سے ہی کر دیا۔ پر گورے صاحب ہمارا کہانی جرو رسن ہو۔“ غلام شاہ نے کہا اور دونوں ہنسنے لگے پھر کاسٹر نے کہا۔

”چلو ٹھیک ہے بتاؤ اپنے بارے میں، تم بہت دلچسپ آدمی معلوم ہوتے ہو۔“

سو تو آپ بھی ہو گورے صاحب آپ یہاں کی جہان بڑی بڑھیا بولت رہی جہاں آپ نے کیسی بیگھی رہے۔“

”ہم تھارے وطن میں پہلے بھی آئے ہیں، تمہارے وطن بلکہ جو سمجھو تمہارے ہی جیسے ایک قبیلے کے لوگ ہمارے سرکس میں بھی کام کرتے ہیں اس کے علاوہ چونکہ ہمارا کام ملکوں ملکوں گھومنا ہے اس لئے ہم نے بہت سے ملکوں کی زبانیں بیگھی ہیں۔“

”ٹھیک رہے گورے صاحب، بات ہمار سمجھ میں آگئی۔ ہر ایسا آدمی تو کام کرنے کسی اور ملک کے لوگوں سے محبت بھی کرتی رہے؟“

”کچھ نہیں غلام شاہ۔“ کا سٹر نے کہا۔

”رے کا سمجھات رہے بھائی ٹھہرو جہاں ہیں ہم تو کاہو دیکھو رے بھائی گورے ہم بڑی لمبی جندگی گزار دے رہیں، کچھ کام تھے ہماری جندگی میں۔ بڑی پرانی بات رہے ہمارے لئے پرانی بات ہے۔ ہاں بھائی ہم اپنی دونوں ٹنگو یاں کھوٹی بیٹھے رہیں اس دکھت، ہمارے ہاں انسان کے پنڈے سے کچھ کم ہو جانے تو کاہو یہاں سکت ہے اور پھر ہماری ٹنگو یاں ہی نا ہمار تو دل کا آدھا حصہ بھی کاٹ کر لٹی جات رہیں۔ ادنیٰ سرے ابھی قنات ہیں تم کا۔“ غلام شاہ نے اپنے لباس کو نیچے سے ہٹایا، اور پھر اپنی ٹانگوں میں بندھے ہوئے دو دونوں مصنوعی پاؤں کھولنے لگا جن کے ذریعے وہ اب تک چلتا پھرتا رہا تھا اور جس پر خود اس کے اپنے آدمی بھی حیران تھے کیونکہ جو دیکھا تو اس کی چال میں انہیں ذرا بھر غرض نہیں آئی تھی۔ پیڑ رو اور کا سٹر خود حیران نہ ہو س سے اس کے مصنوعی پاؤں دیکھ رہے تھے اور جب دونوں پاؤں اس کے جسم سے علیحدہ ہو گئے تو ان کی آنکھیں متحیرانہ انداز میں پھیل گئیں۔ پیڑ رو نے بے اختیار کہا۔

”اوہ مائی گاڈ تمہارے دونوں پاؤں مصنوعی ہیں اور تم تم اس طرح چلتے پھرتے رہے ہو کہ ہمیں ذرا ہمار شبہ نہیں ہو سکا۔“

”غلام شاہ جس قبیلے سے تعلق رکھتا ہے، اس میں یہ کوئی نوکھی بات نہیں واقعی غلام شاہ تم نے ہمیں حیران کر کے رکھ دیا۔“ کا سٹر نے کہا۔

”بہت پہلے دوئی حرم کھورہ کا بھی حیران کر کے رکھ دئی رہے۔“ غلام شاہ نے رکھ بھرے لہجے میں کہا۔

”تمہاری ٹانگوں کو کیا حادثہ پیش آیا تھا۔۔۔؟“ کا سٹر نے پوچھا۔

”رے دئی تو قنات ہیں بھائی رے، میلہ لگا تھا ایک جگہ، کیلہ گیا تھا میلے میں روٹی کھائے ہمارے بڑے بھائی حکیم صاحب بھی ہمار ساتھ رہے تھے اور دھرا ایک سرکس آئی رہے پارسی سینہ، مانجی کا، سرکس میں بہت سے لوگ کام کرت رہیں، ہم اور ہمارت بڑ بھی ادھر اپنا پیٹ پالنے کے واسطے کام دکھائی رہے تھ، مانجی نے ہمارا دیکھا اور بولا۔“ ہمارے بھائی گلاموں کا ہمار سرکس میں کام کرتی ہے تھے۔“ تو ہم بولا مائی باپ ہمار پیٹ بھر جانی ہے تو

دور کا چائی ہے ہرکا۔ تے اوئی بولا۔ ”جے ہار سرکس ماں آکے ہار سرکس دیکھو۔“ سو ہم دیکھا۔ بھائی ہمارا بڑا بھائی بھی ہمارا ساتھ رہے پھر ادھر دوئی حرام کھور کتیا کے پنے ہم سے جل گئے ورا نہوں نے جلم ڈھائی دے رہے ہم پر، ہمارا بڑے کو کھتم کر دوئی ہے ہمارا ریو ماں آگ لگا دوئی ہے اور ہمار دوئی پاؤں کاٹ دئی ہے۔ ارے حرام کھور کتیا کے پنے جے ہار دشمن کا ہے بن گئے رہے بھائی۔ کا ہے ہمارا گھربار چاڑ دئی رہے۔ حکیم سامر گیا ہم ہسپتال میں جا پڑی۔ ہے۔ پھر جب وہاں سے آئی ہے تے ہمارا بھو جائی بھی چلی گئی۔ دوئی پچ پھوڑ گئی ہمارا پاس۔ سوئی اور اکبر۔ لوگ ہم سے کہتے تے پیار شاہ لے رہے مگلا مو بھیک مانگتے گھیر تو ان بچوں کو کیسے پالے گا۔ تے ہمارا آنکھوں ماں کھون اتر آئی ہے گورے صاحب، ہم کھی ہم بھیک نہ مانگتے رہیں بھائی، ہم تو بھیک رہیں، ارے اوئی اکبر احرام کھور، لاچھلا چرا۔“ غلام شاہ نے اکبر شاہ کی طرف دیکھ کر کہا اور اکبر شاہ اچھل پڑا۔ سائوئی جلدی سے نیچے میں گئی اور لوہے کے دو بڑے بڑے حلقے ٹھنڈائی جن کے ذریعے کبھی غلام شاہ نے اپنی زندگی کا عظیم ترس کا رٹا منہ دکھایا تھا اور جو سب بھی ساتھ لایا تھا۔ غلام شاہ کے چہرے پر گہری سرخی چھائی ہوئی تھی اور پیڑ رو اور کاشر کی آنکھیں دہشت سے سڑ گئی تھیں۔ بھلا ماش کا وہ ہم واقعہ وہ کبھی بھول سکتے تھے جو کہانی غلام شاہ و انہیں سن رہا تھا وہ ان کی ہی کہانی تھی اور اس کی رگوں میں خون جسے لگا تھا، ریزہ کی ہڈی میں سر و سر د لہریں اٹھ رہی تھیں، غلام شاہ کی غراہٹ بھری۔

”اوئی سر ہرکا بولے رہیں کہ ہم بھیک مانگتے کا ہے بھائی، کا ہے بھیک مانگتے، ارے ہمارے ٹنگو یاں ہی تو کٹ گئیں ناں جت تو ناٹوئی۔ ای تو دیکھو گورے صاحب ہم کا کری ہے ارے اچھا لو چھلا۔“ غلام شاہ نے کہا۔ لوہے کا ایک حلقہ فضا میں بلند ہوا اور غلام شاہ نے اپنے کئے ہوئے پیروں کی مدد سے چھٹنگ لگائی وہ اس حلقے سے پا آسانی نکل گیا تھا اور اسی دوران دوسرا حلقہ دوسرے زاویے سے اچھا لایا گیا تھا۔ غلام شاہ پہلے حلقے سے نکلے، اسے اصولی طور پر زمین پر آنا چاہئے تھا لیکن اس کے بدن نے بٹھ کھائی اور اس کا رخ دوسرے حلقے کی جانب ہو گیا، وہ اس دوسرے حلقے سے گزرا تو تیسرا حلقہ تیسرے زاویے سے اچھا لایا گیا تھا، اور غلام شاہ مسلسل دن حلقوں سے گزرتا رہا وہ فضا میں گویا پروار کر رہا تھا۔ اس کا بھاری، بھرا اور معذور جسم زمین تک آئی نہیں رہا تھا بلکہ فضا ہی میں اچھل، اچھل کر وہ ان حلقوں سے گزرتا رہا تھا۔ اس موقع پر اگر شارق ہوتا جسے اس بات پر ناز تھا کہ وہ ٹنگو کی طرح درمیان ہی سے پٹنے کی علاحیت رکھتا ہے تو غلام شاہ کے اس کارنامے کو دیکھ کر شرمندہ ہو جاتا۔ پیڑ رو اور کاشر چونکہ سرکس سے حلقے تھے اور فن کو جانتے تھے چنانچہ انتہائی دہشت اور خوف کے باوجود وہ اس کارنامے کو دیکھ کر ششدر تھے۔ غلام شاہ ہر شارح حلقوں سے گزرتا رہا اور یہ ناقابل یقین بات تھی کیونکہ کوئی نہ کوئی سپارہینا ضروری ہوتا ہے، صرف جسمانی قوت پر فضا میں روہینے تھیل کر لینا کوئی انسان کی کار نہیں معلوم ہوتا تھا۔ بہت سے حلقوں سے گزرنے کے بعد وہ زمین پر گرا اور مینڈک کی طرح پیروں اور ہاتھوں کے بل جھک گیا، اس نے پھنکار تے ہوئے کہا۔

”دیکھا رے گورے صاحب اب تے مٹا ہم بھیک کا ہے، ناکت رہیں بھائی۔ ہمارے چھوڑ اور بھتیجی کا سوچت جوان ہو کے، کہ چا چائے ان کا بھیک کھائی، ہم نے محنت کی رے گورے صاحب اور ان کا کھوب بڑھیا پروان چڑھائی ہے۔ گورے صاحب جینے کے لئے ہم نے مولا کی کسم کھائی ور بڑے سے کہا کہ بڑے ہم اس لئے جیت رہیں کہ تو ہر چہ کو پروان چڑھتی ہے ورتو ہار موت کا بد لیتی ہے۔ ہاں رے گورے صاحب ہماری جندگی بس اسی لئے تو باقی رہے ور کچھ نا ہے ہماری جندگی اس کا سمجھے تم لوگ۔“ کا سڑ اور پیڑ رو کے حلق سے آوار نہیں نکل پارہی تھی۔ ورتو چہ نکہ بہت پرانا تھا اور وہ اسے بھول چکے تھے، بڑی تہلیل آئی تھیں اس دوران کبھی اس سمت کا رخ ہی نہیں کیا تھا لیکن اب غلام شاہ کو دیکھ کر نہیں سب کچھ یاد آ گیا تھا یہ خود حال انجی نہیں تھے ان کے لئے کچھ مٹے مٹے سے نقوش ان کی آنکھوں میں طے ہوئے تھے وراس وقت ان کا دل وہشت سے کانپ رہا تھا۔ یہ خوف انہیں سہارا تھا کہ کیا غلام شاہ انہیں پہچان چکا ہے۔“ غلام شاہ کی آواز بھری۔

”ی رہے ہمارے کھائی گورے صاحب اب رہے ہمارے جندگی آؤ تم کا دیکھتی ہے کہ ہمارے آگے کا ارادہ کا رہے آؤ رے ہمارے پیچھے پیچھے آئی جاؤ۔“ غلام شاہ ایک سمت بڑھا اور پھر رک کر انہیں دیکھنے لگا۔ اس کی خوش آواز آنکھوں میں ایک عجیب سی معانی سی قوت نظر آ رہی تھی حالانکہ پیڑ رو اور کا سڑ کے قدم من من بھر کے ہو گئے تھے اور ان سے آگے نہیں بڑھا چا رہا تھا لیکن جب غلام شاہ کی غراہٹ ابھری تو ان کے پاؤں خود بخود آگے بڑھے گئے۔ غلام شاہ پھر آگے بڑھ گیا تھا، پیڑ رو اور کا سڑ مشینی انداز میں اس کے پیچھے چلتے ہوئے اس جگہ تک پہنچ گئے جہاں غلام شاہ نے رات بھر محنت کر کے یکے گڑھا کھودا تھا۔ دوسری طرف سو نیا، اکبر شاہ اور وہ تمام لوگ بھی جو اس وقت وہاں موجود تھے آگے بڑھ آئے تھے۔ غلام شاہ نے پھر کا ایک کھڑا تھا یا اور پھر ایک وسیع و عریض دائرہ اس گڑھے کے گرد کھینچ دیا۔ پیڑ رو اور کا سڑ اس دائرے میں تھے جب کہ غلام شاہ نے دوسرے لوگوں کو دس کیر سے باہر کھڑے ہونے کے لئے کہا تھا۔ پھر اس نے پیڑ رو اور کا سڑ سے کہا۔

”ای دیکھو، اسی گڑھا کھودے رہیں ہم ان حرام کھوروں کے لئے حنیوں نے ہمارے کو ہم سے چھین لیا، اور ہمارے شکوے کاٹ دئی رہیں۔“ بمشکل تمام پیڑ رو کے منہ سے نکلا۔

”وہ کون تھے غلام شاہ، کون تھے وہ؟“

”رے حرام کھوروں کے تھے گوری چڑی والے، ارے تم ان کا نام جانت رہو کا حرام کھوروں کا نام، تمہارا علاوہ اور کون رہیں وہ یہ؟ ہمارے تم کا، او جہلم۔ جو تم ہمارے کیلئے والن پر کیا، آگ لگا کی حرام کھوروں نے، ارے نا چھوڑیں گے تم کا مالو کسم نا چھوڑیں گے، جندگی بھر ہم نے کسو کو کسم نہ بھتیجی ہے پر تمہارے لئے، تمہارے لئے ہم نے پناہ دل کاں کر لئی ہے ارے جان کہاں ہو سسرو۔ اس کیر سے نکل بھاگے تو چھوڑ دئی ہے ہم تم کا، ہمارا دل لیتی

ہے اپنی ناجائز سکت قسم اس کلیئر کے دوسری طرف، جندگی بھر ہم نے تمہارے اس کلیئر میں آنے کا انتظار کری ہے۔“ پیڑ رو اور کامر بھاگنے کے لئے پرتول رہے تھے لیکن غلام شاہ اپنی اسی پوزیشن میں آگیا تھا جس پوزیشن میں وہ بے حد خوفناک ہو چکا تھا۔ پیڑ رو نے پلٹ کر بھاگنے کی کوشش کی تو دفعتاً غلام شاہ فصا میں، چھل اور اس کا کٹنا ہوا پاؤں پیڑ رو کی کمر پر پڑا، پیڑ رو زمین سے تین فٹ اونچا چھل کر اوندھے منہ نیچے گر اٹھا۔ تب غلام شاہ نے پلٹ کر کاسٹر کی گردن پکڑی اور اس کا ایک ہاتھ اسے بھی پیڑ رو کے برابر لے آیا تھا۔

”اس کلیئر سے ہر قسمہاری جندگی ہے اور اندر موت، ہم تو لنگڑے ہیں اور تم اب بھی جوان ہو، حرام کھوری کرت رہو، جندگی بھر، ہمارے کے اس گڑھے میں دوپائی دو، ہمارے کوئی آدمی تم کا نہیں روکے گا، ارے سنو ارے تمام سردار، اگر اکی گوری چڑیا وارے ہمارے جان سے مار دیں تو تم تا یوںلو سے تمہیں گلام سہ کی قسم، چلو رہے اب تو تمہاری بھی تسلی ہوئی کوئی ہوگی، چلو، روہکا نا تو پھر مر جاؤ ہماری ہاتھ سے۔“

”سنو غلام شاہ بات سنو شاید تم سچ کہہ رہے ہو، ہم سے غلطی ہوئی تھی ہم نے، ہم نے، وہ سب کچھ، وہ سب کچھ دیوانگی کے عالم میں کر ڈالا تھا، ہم مگر گلام شاہ ہم اس کا کفارہ ادا کرنے کے لئے تیار ہیں۔ ہم ہم ہم تمہیں، ہم تمہیں اپنے سرکس میں براہ کا حصہ دار بنائیں گے۔ ہمیں معاف کر دو، بس ایک بار ہمیں معاف کر دو غلام شاہ، بات بہت پر پی ہوگی غلطی ہوگی غلطی ہوگئی تھی ہم سے۔“ وہ دونوں گڑگڑانے لگے۔

”جرو رہی کی ہم تم کا جروہ معاف کر دی ہے، ہماری تم سے کوئی لڑائی نارے ہیرا، ہمارا براہ کا دھنک دھنک کر رنجو رہی گج جاؤ یہاں سے کا کہت رہیں ایسے؟“

”یہ یہ ممکن نہیں ہو سکتا تھا غلام شاہ، اگر ممکن ہو سکتا تو ہم ایسا بھی کر دیتے۔“ پیڑ رو نے کہا۔

”ایسی ناممکن ہو سکت تو پھر تمہارے بیٹا جروہی ہے گا۔ ہمارا براہ انارہا تو تم بھی نارہو گے حرام کھورو چا، کی سے سارے کام کرت رہو تم چلو اب دکھت مست بر باد کر دو۔ آؤ لڑاؤ ہم سے نا تو پھر کھو دوں گڑھے میں تر جاؤ۔“ غلام شاہ نے کہا اور پیڑ رو، دو کا ستر ایک دوسرے کی صورت دیکھنے لگے، غلام شاہ نے نہیں اس طرح گھبرا ہوا تھا کہ وہ بھاگنے کی جگہ نہیں پار ہے تھے لیکن پھر انہوں نے پوری چالاکي اور مہارت سے دو مختلف سمتوں میں چھل نکلیں لگائیں۔ ان کا حیل تھا کہ غلام شاہ ان میں سے ایک کو روکے گا اور دوسرا یقیناً نکل جانے میں کامیاب ہو جائے گا لیکن بے وقوف تھے۔ یہ بھول گئے تھے کہ لوہے کے حلقوں کو دکھایا جانے والا کھیل بالکل ایسا ہی تھا جیسے وہ سوچ رہے تھے۔ ایک حلقہ ایک سمت آتا تو دوسرا دوسری سمت لیکن غلام شاہ کو دونوں ہی حلقوں سے گزرنا ہوتا تھا۔ چنانچہ جو بھی انہوں نے اپنی اس حرکت پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا، غلام شاہ فصا میں اچھلا اس کی ایک لات ان میں سے ایک کے منہ پر پڑی اور وہیں سے پلٹ کر اس نے دوسرے کی گردن میں اپنے کئے ہوئے پیروں کی قیمتی ڈال لی اور پھر اٹنا زمین پر آیا اور جب

اس کے ہاتھ زمیں پر نکلے تو اس نے اپنے چہرہ کی مدد سے دوسری کو پھیل کر پھر نیچے زمین پر دے مارا مین پر گرنے والا کا شرف تھا۔ اس کے منہ سے دھندوز چیخ نکلی تھی لیکن وہ بچی چوٹ کا خیال کئے بغیر ٹھٹھکھڑ ہوا تھا۔

پیڑ رو اور کا ستر زندگی کی بازی لگا کر اس دائرے سے نکل جانے کی کوشش میں سرگرداں تھے اور غلام شاہ ان کے جسموں پر اپنے کئے ہوئے چہرہ اور ہاتھوں سے ایسی ضربیں لگا رہا تھا کہ ان کے اعضاء ناکارہ ہوتے جا رہے تھے۔ ان کے جسم کے مختلف حصوں سے خون بہنے لگا تھا۔ چہرہ مسخ ہو کر رہ گیا تھا اور غلام شاہ برق بنا ہوا تھا۔ وہ بجلی کی طرح کوئٹہ رہا تھا حالانکہ پیڑ رو اور کا ستر بھی جیسے خاصے خوبصورت تھے لیکن غلام شاہ ان پر اسی طرح چھایا ہوا تھا کہ ان کی ایک نہ چل پاری تھی۔ پھر ایک موقع پر غلام شاہ نے ان دونوں کی گردنوں میں اپنے بازوؤں دے دیے اور اس طرح زمین سے اچھل کر نیچے گر کر دونوں کے چہرے زمین سے ٹکرائے ان کے چہرے لہو لہاں ہو گئے تھے اور ان کے حلق سے دلخراش چیخیں نکل رہی تھیں۔ غلام شاہ نے پھر اپنے آپ کو سنبھالا اور دونوں کے بال پکڑ کر ان کے سر آئیں میں ٹکرا دیئے۔ دونوں ہی پھرا کر رہ گئے تھے۔ ان کے پاؤں بے جان ہو گئے تھے وہ خود کو گرنے سے بچانے کے لئے ایک دوسرے سے چٹ گئے اور غلام شاہ انہیں دیکھتا رہا۔ سوچا کبر شاہ اور دوسرے لوگ ساکت کھڑے ہوئے تھے۔ غلام شاہ اس وقت بہت بے رحم ہو گیا تھا اس کے چہرے پر بھوکے بھیڑیے کی کیفیت نظر آ رہی تھی حالانکہ وہ کسی چوٹے کے نیچے دب جانے سے بھی افسردہ ہو جاتا تھا مگر اس وقت اس کی آنکھوں میں وحشت کے وہ کچھ نہیں تھا۔ پیڑ رو اور کا ستر خون میں ڈوبے ہوئے تھے غلام شاہ نے کہا۔

”کلیڑی اٹھالا اکبر!“ اکبر شاہ مشنئی انداز میں خیمے کی طرف بڑھ گیا تھا مگر اب کا ستر اور پیڑ رو نے رونا شروع کر دیا۔

”ایک بار معاف کرو غلام شاہ ایک بار معاف کر دو۔ ہماری زندگی بخش دو۔“

”ناہیہ! ناہیہ! ہو سکتا ہے، نا کر سکتا ہے، اے اے ہمارے ارمان کھا کر ماں مائی دے تم لوگوں نے ہمارے۔ ماں جیسی بھوجائی مر گئی تو ہماری وجہ سے باپ جیسا بڑا چھوٹا ہوا ہے۔ ہمارے ہاتھ بڑھ گئے ہیں۔ نا کر سکتا ہے، نا کر سکتا ہے۔“ غلام شاہ نے کانپتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”بڑے کے کھون سے گداری نا کر سکتا۔“ اتنی دیر میں اکبر شاہ کلیڑی سے آیا تھا۔ غلام شاہ نے کلیڑی ہاتھ میں ٹھائی اسے تولا اور پھر ایک طرف پھینک دیا۔

”ناہیہ کر دئی ہم تو کا ستر، تو ہارنگلو یاں کا ستر ہے تھے ہم اس لئے کہ ہارنگلو یاں کافی تھیں تم دوئی نے۔ پر ہم اپنا بدلہ نالئی رہے ہو کی اے مرچی رہے۔“

سب چونک پڑے، پیڑ رو اور کا ستر کے چہرہ پر زندگی آ گئی۔ انہوں نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ ”ہم تمہیں اپنے سرس کا پارٹنر بنالیں گے ان سب کے زندگی بنادیں گے۔“

”اے سسر چندہ رہے تو یہ کرو گے نا۔ اپنا بدلہ نا ہے رہے ہم پر بڑے کا کھون تو نا ہا پھ کر رہے۔ مرنا تو تمہیں ہے حرام کھورو۔“ چلو اب مر

جاؤ۔“ غلام شاہ پھر اچھلا اور اس نے ایک بار پھر دونوں کی گردنوں میں ہاتھ ڈال دیئے۔ اس بار اس کا انداز مختلف تھا۔ وہ اپنے کئے ہوئے بیروں کی وجہ سے ان کے جسموں سے لٹک گیا تھا مگر وہ اس کا بوجھ نہ سنبھال سکے اور زمین پر گر پڑے۔ غلام شاہ کی گرفت اتنی شدید تھی کہ ان کی رانیں باہر نکل گئیں۔ آنکھیں مطلقاً سے اٹل پڑیں۔ انہوں نے اپنے کمزور ہاتھوں سے اپنے آپ کو غلام شاہ کی گرفت سے بچانے کی جدوجہد کی لیکن انہیں کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ غلام شاہ ان کے زمین پر آگرنے والے جسموں سے چٹا ہوا تھا۔ اور اس وقت تک وہ ان سے چٹا رہا جب تک ان کے بدن پھڑپھڑا کر ساکت نہ ہو گئے۔ وہ دونوں تڑپ تڑپ کر مر گئے تھے اور ان کے بھی تک چہرے رہا نہ تھا۔ سے اپنی برائیوں کی کہانی سنا رہے تھے۔ منہ قہقہے کا ایک باتواں جو یاں سوں پر کرب دکھا کر پیٹ پالت تھا۔ ان کی وجہ سے ایک وحشی درندہ بنا تھا اور نہ اس کی وجہ سے تو جانوروں تک کو نقصان نہیں پہنچا تھا۔ غلام شاہ اپنے کئے ہوئے بیروں پر کھڑے ہو کر ان کی صورتیں دیکھتا رہا پھر اس کا چہرہ آسمان کی جانب اٹھ گیا، اور اس کے حلق سے بھر دی ہوئی آواز نکلی۔

”کام کھتم ہوئی گواہ بڑے ہم جو کہہ رہے سو کر دکھائے پر میرا بے بھی تیرا بدناما ہوئی رہے ہمارے پاس اگر موت سے بڑے کوئی سزا ہوئی تو اس سرور کو ادھیجا بھی جبرور دیتے۔ کام کھتم ہوئی گواہ بڑے تو ہمارے بڑے ہوئی گئے ہیں۔ ہم سرکس بنا دیتی ہے ان کے واسطے جہنگی بھرا آرام سے گھاریں گے بڑے، ہم تو کاٹا پی سکے پر، پر تو ہار دینوں کو ہم نے کھتم کر دی۔“ غلام شاہ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھیگ گئی اور بھیگی آنکھیں نمناک ہو گئیں اس دوران میں سارے کے سارے خاموش تھا شائی بنے رہے تھے۔ کسی نے غلام شاہ کے حکم سے انحراف نہیں کیا تھا۔ جب غلام شاہ نے اس دونوں کی لاشیں خود تھمشیں اور اس گڑھے میں ڈال دیں، پھر وہ ان لوگوں کی طرف رخ کر کے بولا۔

”چلو بچو! اب تم ہمارے دکرو اس گڑھے کو بند کر دو۔“ تمام کے تمام خاموشی سے وہاں بیٹھے، اور پھر اس کام میں مصروف ہو گئے، دونوں کی لاشیں گڑھے میں دبا دی گئی تھیں۔ غلام شاہ نے اس کی یہ قبر دیکھی اور اس کے چہرے پر خوشی کے آثار پھیل گئے اس کی نگاہیں اکبر شاہ اور سونیا کی جانب گئیں اور اس کے حلق سے آواز نکلی۔

”آؤ میرے بھرا جاؤ، میرے پاس آ جاؤ۔“ سونیا دراکبر شاہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے غلام شاہ کے قریب پہنچے تو اس نے انہیں سینے سے لگا لیا۔

”ہمارا کام کھتم ہوئی گواہ اکبر، ہمارا کام کھتم ہوئی گواہ سونیا، بیٹا مولانا کا بڑا بڑا اسکر ہے۔“ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

یہ لوگ غلام شاہ کی طرف متوجہ تھے اور ادھر اس جیب سے جس میں پیڑ رو اور کاسٹرا نے تھے ایک سر آہستہ آہستہ بھر رہا تھا بھر وہ جیب سے نیچے اتر آیا۔ یہ شارق تھا جس کے ہاتھ میں کوئی چیز دبی ہوئی تھی اس نے وہ چیز کھولی اور اس کی آہٹ محسوس کر لی مٹی شارق کے ہاتھوں میں پھونک کا ایک موٹا سا ہار تھا۔ غلام شاہ، اکبر شاہ، سونیا اور دوسرے تمام لوگوں نے شارق کو دیکھا اور رنگ رہ گئے۔ غلام شاہ کا چہرہ مست گیا تھا۔ شارق موٹا ہار

ہاتھوں میں لئے آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور لہلہ مشہ کے قریب پہنچ گیا۔ سب کے چہروں پر سکوت چھایا ہوا تھا وہ شارق کی اس طرح آمد پر ششدر رہ گئے تھے، ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس پورے واقعے کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں و لا کوئی مجلس موجود ہے، جب شارق نے جھک کر وہ ہار غلام شاہ کی گردن میں ڈال دیا اور بولا۔

”بھری طرف سے وہی مبارک باد شیخا تم نے اپنی زندگی کا سب سے بڑا مقصد پایا۔“ غلام شاہ چونک پڑا اور پھر اس نے ہار پٹی گردن سے اتار کر کہا۔
 ”نا پائیں گے رہے حیرے ہاتھ سے اسی ہار سسر داتے، دتے، گداز رہے، دتے تک حرام ہے۔ ہمارا تیر کوئی رستہ نارستہ کا ہے ہار پہنا ت ہے رہے ہٹکا، ہمارا ہمارا۔“ شارق نے منکراتی نگاہوں سے ان سب کو دیکھ کر پھر آہستہ آہستہ جیب کی جانب واپس پلٹتا ہوا بولا۔

”بھری تمام ٹیک خواہشات تمہارے ساتھ ہیں غلام شاہ تم انہیں تسلیم کر دیا نہ کرو۔“ وہ جیب پر ہٹکا اور غلام شاہ کے طعن سے آوارہ ہو گئی۔
 ”ارے بکڑو حرام کھور کو پھر بھاگ جات ہے ارے ہم کہت رکھ جا چھنا ہوئی ہے ہاں۔“ لیکن جیب اشارت ہو گئی تھی اور پھر وہ اس چیز سے روبرو میں بٹھ گیا کہ وہ تو اس تک نہ پہنچ پائے۔ تھوڑی دور جانے کے بعد اس کا رخ تبدیل ہوا اور وہ نگاہوں سے غائب ہو گئی۔ ساکت لوگ بھی متحرک ہو گئے تھے۔ اکبر شاہ نے کہا۔

”یہ اچھا نہیں ہوا شیخا اس نے تمہاری یہ کارروائی دیکھ لی۔“

”مے تیر مطلب رہے، اکبر۔ بات کرت ہے سوچی جلانے والی۔ حیرا کا کھیل رہے، کا اوچکا بکڑوئی دے رہے، رانا ہونا، عکابرانا رہے۔ اوہیں بکڑو ہوا سا ہٹ ہے۔ کا بو میں نا آت ہے۔ ارے چلو کھانا نہیں کی بات کرو۔ آج ہمارے کندھوں سے سب سے بڑا بوجھ تر گئی ہے۔“ غلام شاہ نے کہا اور خیموں کی جانب واپس پلٹ پڑا، لیکن جو تاڑ تھوڑی دیر پہلے ان سب پر پڑا رو اور کا سنر کی موت سے طاری تھا اس کا اثر شارق کی اس اچانک آمد اور اس کے بعد جانے سے رائل ہو گیا تھا۔ سو بیا کے چہرے پر، وہی پتھر پڑا ہوا تھا۔ اکبر شاہ، یاز اور دوسرے لوگ شارق کے پارے میں ہاتھیں کر رہے تھے مگر غلام شاہ، شارق کی جانب سے بے لگ تھا، وہ رات تقریباً چمٹے ہوئے ہی گزری تھی۔ سب لوگ اپنی اپنی پسند کی باتیں کر رہے تھے۔ غلام شاہ کا یہ بھیا تک روپ زیر بحث رہا اور اس کے بعد شارق کے بارے میں باتیں ہوتی رہیں۔ اکبر شاہ نے کہا۔

”شارق کے بارے میں کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس شخص کا آخر کار کیا ہے، میرا حیاں ہے یہ چھپ کر آیا تھا وہ نہ پڑا رو اور کا سنر کی نہ کسی طرح اس سے مدد ضرور طلب کرتے۔“

”لیکن یہ آ کہاں سے گیا۔۔۔؟“

”کیا میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میں نے سے ڈاریم سینڈ سرکس میں دیکھا ہے اور وہاں اس نے مجھ سے پر جو قیامت ڈھائی تھی وہ دیکھنے کے قابل تھی۔ اس سرکس میں یہ ہوا کا بیٹا کہلاتا ہے۔“

کوئی بھی شارق کے بارے میں صحیح فیصلہ نہیں کر پایا تھا۔ دوسرے دن غلام شاہ نے اکبر شاہ سے کہا۔

”اکبر شاہ! یہاں رہنے کی ضرورت ہمارے جب تک ہمارا سرکس ادھر کی ہے ہوگی ہاں رہنا بڑا ہیاد ہے، اب کا جو درت ہے رہے، بچے کام کرنا تھا سو کریں۔“

”تو پھر کیا حکم ہے شہزاد؟“

”رہے چلو کسی بڑا ہیاد سے ہوگی ہاں رکھیں گے جا کر۔“

وہ لوگ وہاں سے چل پڑے، اور انہوں نے اپنے خلع تبدیل کر لئے، خانہ بدوشوں کا سا جو روپ و حمار تھا اب انہوں نے اس کی ضرورت نہیں محسوس کی تھی۔ چنانچہ اس ہار فرید چر کے، ایک خوبصورت ہوگی کا انتخاب کیا گیا تھا۔ بھلا سے بھی دو ہار ملاقات نہیں ہو سکی تھی، لیکن دو پہر کے بعد غلام شاہ، اکبر شاہ کو لے کر ڈاریم سینڈ سرکس کی جانب چل پڑا، سرکس کے پاس پہنچے تو وہاں کوئی خاص بات محسوس نہیں ہوئی تھی جتنی عموماً پرینے رداور کا سڑک کو تلاش کیا جا رہا ہوگا۔ لیکن یہ بات کسی کے دماغ میں بھی نہ ہوگی کہ اب وہ دونوں اس دنیا میں نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ جیپ کا مسند بھی ڈھن میں تھا جسے شاد رتی بے آہ تھا بہت دیر تک وہ سرکس کے اطراف میں منڈلاتے رہے۔ یہ جانا چاہتے تھے کہ سرکس میں کوئی سی بات تو نہیں ہوئی جس سے ان کی شکایت ہو سکے اس کے بعد وہ وہاں سے واپس پلٹے۔ رداور کو بھی رہے تھے کہ وہ غلام شاہ کو ایک آواز سنائی دی۔

”ارے رکنا بھائی، رکنا ارار رکنا۔“ کسی بوڑھے آدمی کی آواز تھی۔ غلام شاہ نے پٹ کر اسے دیکھا ایک معمر آدمی جس کی صحت کافی اچھی تھی، کمرے دونوں ہاتھ رکھے کھڑا نہیں گھور رہا تھا۔ جیپ رک جانے پر وہ دو قدم آگے بڑھا اور ان کے قریب پہنچ گیا اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے پھر اس نے غلام شاہ کی طرف انگلی اٹھ کر کہا۔

”بھیا صاف کرنا اگر میں غلطی نہیں کر رہا تو تم مجھے غلام شاہ معلوم ہوتے ہونٹ قہقہے کے غلام شاہ۔“ غلام شاہ بھی اس شخص کو دیکھ رہا تھا اور پھر دفعۃً علی اس کے حلق سے آواز نکلی۔

”رہے ہٹکیر سا تو۔ اب تو ہی ہے نا ہٹکیر۔“ اس نے چیخ ہوئی آواز میں کہا اور دوسرے لمبے جیپ سے چھٹنگ لگا دی۔ وہ شخص بھی غلام شاہ سے پٹ گیا تھا، دونوں دیر تک بدل گیر رہے۔ راکبر شاہ اس شخص کو دیکھتا رہا، اس کے بعد غلام شاہ نے کہا۔

”تے ادھر کیسے آگیا بھائی ہٹکیر، تے تے ارے وارے داکتے دلوں کے بعد دیکھا تھے پرویکھ سر دایچان گوے ہم تو کا۔“

”تو میں نے تمہیں نہیں پہچانا غلام شاہ۔“

”ارے وارے واڑھیا بھائی بڑھیا، بہت ملاجے۔ آ آ جا گاڑی ماں آ جا۔ بیٹھ کر باتیں کری ہے۔ ارے اکبر! دیکھ ہمارا ملا ہے ہکا۔ بہت دن کے بعد، آ بھکیرے، اکبر! سارے تیری مدد قات کرائیں۔“ غلام شاہ، فقیر شاہ کو لئے ہوئے جیپ میں آ بیٹھا، اکبر شاہ نے کہا۔

”کون چلتا ہے بیٹا؟“

”ارے ہوٹل ماں لے چل اسے ہو۔ ہمارا لنگو نیار ہے سر میں سال بعد در سے تو کا کون کام تو در سے بھکیرا؟“

”اس سے بڑا کام اور کیا ہو سکتا ہے غلام شاہ تم ملے ہو مجھے۔ قید تو نہ جانے کہاں کھو گیا۔ سب یاد آتے ہیں۔“ فقیر شاہ نے کہا اور اکبر شاہ نے جیپ آگے بڑھا دی تھی۔ راستے میں غلام شاہ نے کہا۔

”پر تے ادھر کہاں حکومت رہے بھائی؟“

”میں ڈریم لینڈ سرکس میں کام کرتا ہوں۔ ہمارے سرکس کے مالک نہ جانے کہاں چلے گئے ہیں اس کی وجہ سے آج شو نہیں ہو گا سب لوگ کل سے انہیں تلاش کر رہے ہیں۔ پتہ نہیں سسرے بغیر بتائے کہاں غائب ہو گئے۔“ اکبر شاہ کے جڑے بھیجے گئے غلام شاہ پر بھی اثر ہو تھا مگر اس نے خود کو سنبھال کر کہا۔

”تے سرکس ماں کام کرے ہے۔ مگر بھائی کی سرکس تو باہر سے آئے رہے۔“

”میں بھی نیو ری لینڈ سے اس کے ساتھ آیا ہوں۔“ فقیر شاہ نے بتایا۔ جیپ ہوٹل پہنچ گئی تھی۔ غلام شاہ اس لئے ہوئے اپنے کمرے میں داخل ہو گیا۔ فقیر شاہ نے پوچھا۔ ”اور کون کون ہے تمہارے ساتھ۔“

”ابھو سب سے ملائے دیت۔“ غلام شاہ نے کہا۔ اور اس کی ہدایت پر اکبر شاہ سب کو بلا لایا۔ غلام شاہ نے ایک ایک کے بارے میں فقیر شاہ کو بتایا۔

”کیر شاہ اور سونیا کو دیکھ کر فقیر شاہ نے کہا۔

”حکیم شاہ کا کسی سے جھگڑا ہو گیا تھا غلام شاہ، قبیلے میں بس اتنا معلوم ہوا تھا کہ ڈیرے پر حملہ ہوا تھا۔ حکیم شاہ کو قتل کر دیا گیا تمہاری ٹانگیں کاٹ دی گئیں۔ اس کے بعد ہم تو انجی سرکس کے ساتھ کل گئے پھر کچھ پتہ ہی نہیں چل سکا۔“

”تے ادھر سے کہاں چلا گیا بھکیرے؟“ غلام شاہ ہات مال گیا۔

”طارق زماں یاد ہے تمہیں؟“

”ہاں یاد ہے ادنی گٹ پیڑ جو سہرہ کر آیا تھا اور سارے کیسے ماں انگریجی بولے بھرت رہے تھے۔“

”ہاں وہی..... سرکس کے پارسی سیٹھ سے اس کی بات ہو گئی تھی۔ ہم آٹھ آدمی سرکس میں نوکر ہو گئے تھے طارق زماں اپنے بیوی بچے کو ساتھ لے گیا تھا۔ اس کے بعد تو غلام شاہ پوری دنیا دیکھ ڈالی ہم نے طارق زماں کا بیٹا شارق زماں تو بڑا ہی کرتب کھاتا دھوم مچا دی اس نے پورے یورپ میں انگریزوں کی انگلیاں دانتوں میں دبادیں مگر پھر باغی مر گیا اس کے اپنے سرکس نہ چلا سکے اور سرکس پیڑ روئے خرید لیا۔ اس دوران طارق زماں کو شیر نے ہلاک کر دیا تھا اس کی بیوی بھی مر گئی تھی۔ شارق نے انگریزوں کے ساتھ کام کرنے سے انکار کر دیا اور سرکس چھوڑ کر کہیں چلا گیا۔ ہم لوگ اسی سرکس میں رہے۔ کچھ دن پہلے شارق زماں نیوزی لینڈ پہنچا سرکس اس کے موجود نہ ہونے سے پھیکا پڑ گیا تھا۔ کام تو ہو رہا تھا پر وہ حرا نہ تھا۔ انگریزوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا اور اس نے شرط لگائی کہ سرکس یہاں آئے گا تو وہ کام کرے گا۔ وہ اتنا بڑا فنکار ہے کہ انگریزوں کو اس کی بات مانتی پڑی اور لمبے عرصے کے بعد ہم لوگ اپنے وطن آئے مگر قبیلہ اب نہ جانے کہاں گیا۔ برسوں تو بیت گئے۔“ فقیر شاہ اپنی داستان سنا رہا تھا اور ان سب کے دماغ جھنجھنا رہے تھے۔ شارق زماں، ہوا کا بیٹا..... وہ..... وہ سرکس کو یہاں لایا ہے غلام شاہ کی زندگی کی سب سے بڑی آرزو اس نے پوری کی ہے۔ وہ غلام شاہ ہی کے قہیلے کا ایک فرد ہے۔ یہ الفاظ ان کے کانوں میں پگھلے ہوئے سیسے کی طرح اتر رہے تھے۔ غلام شاہ کی آنکھوں سے آنسو روکے نہ رک رہے تھے۔ فقیر شاہ نے کہا۔

”تم رو رہے ہو غلام شاہ؟“

”ایں..... ایں رے..... ساری زندگی یاد آگئی۔“ غلام شاہ نے کہا۔ فقیر شاہ نہ جانے کیا کیا باتیں کرتا رہا مگر سب شارق میں الجھے ہوئے تھے ایک ایک لمحہ یاد آ رہا تھا انہیں۔ کافی دیر کے بعد فقیر شاہ وہاں سے رخصت ہوا، غلام شاہ نے اس سے دوسری ملاقات کا وعدہ لے لیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد غلام شاہ لیٹ گیا۔ تمام لوگ اس کے گرد جمع تھے۔ اس نے کراہتے ہوئے کہا۔

”ارے کا کریں رہے ہم، ٹھوکر مروا دی ہے تم سب مل کر ہکا۔ ارے اوئی سرگیر کہاں رہے رہے۔ اپنا کھون تھا اوئی تو، تارک بھال پڑھا کھلا آدمی تھا کیلے کا نٹ تھا سہر چلا گیا تھا پڑھ لکھ کر کیلے ماں آ گیا اور باپ دادا کا کام کرن لاگا۔ ارے سارک ادکا، توار ہے بھائی۔ چاچا کے پاس آئے رہے پرکان پکڑ کر بھگائی دے رہے ہم اس کا۔ ہم کیلے کا ہے بھائی حرام کی روٹیاں توڑے رہے۔ بے گیرت ہم تھے بھائی ادنا رہے، ہیرا دیاروٹیوں کے بدلے ماں ادھکا، ہر جگہ سراونچا کرت رہا ہمارا، اوئی سرسٹیر انگل بھاگا تھا ہمارے ہاتھوں سے اسے..... او پکڑ لائی رہے۔ سو نیا ادکا کھات رہے پڑو احرام کھور کے پارے میں اوان سب کو گھیر لائے رہے۔ ہمار بٹما کی جفت بچائے رہے اور کوٹو کا کر سکت بھائی۔ سنورے سارے کے سارے دیکھو بھائی بڑھے ہو گئے ہم اپنا کام کر لیا ہم نے اب ہماری چھٹی کر دیو بھیا۔ اکبر ارے سنبھال تے اپنا سرکس ناسنبھال سکت بڑا تے بند کروے ادکا ہمار کمر یاد رکھ گئی ہیرا۔ سارے کانوں کھتم ہمارے لئے کانوں مٹا دیں گے۔“

”ایسا کیوں کہتے ہو شہنا؟ ہمیں تمہارا سایہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چاہئے۔ شارق ہمارا بھائی ہے، ہم نے جو کچھ اس کے ساتھ کیا ہے اس کا کفارہ ادا کریں گے۔ معافی مانگیں گے اس سے۔“ اکبر شاہ نے کہا۔

”ساتھ رکھو گے ادا کا؟“

”ہمارے سینوں میں رہے گا وہ۔“

”سرا رتیں برداست کرو گے ادا کی؟“

”وہ اپنا ہے شہنا..... ہم سب کے سر اس کے احسانات کے سامنے جھکے ہوئے ہیں۔“ اکبر شاہ بولا۔

”جی کھوس کر دیا مولا کسم..... اسے ہوئی بات..... اسے اب ای سوچا جات کہ اوجرام کھور کو کیسے گھریں۔ کوئی ترکیب کرو بھائی۔“

”گھومت کرو شہنا یہ کام ہم کریں گے.....؟“ شیرا نے کہا اور غلام شاہ گردن ہلانے لگا۔ تنہائی میں شیرا نے سونپا سے کہا۔

”اور اب یہ کام تو کرے گی سونپا۔“

”میں.....؟ کیا بکواس ہے.....؟“

”دل کا کیا حال ہے ایمان سے بتا۔“ شیرا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”بہت خراب ہے شیرا، یوں لگتا ہے جیسے..... جیسے وہ چچھا نہیں چھوڑے گا ہمارا، بہت کچھ کیا ہے شیرا اس نے ہمارے لئے۔ سوچو قواعد ازہ ہوتا ہے، وہ مسلسل مصروف رہا ہے ہر مشکل آسان کر دی اس نے ہم پر۔ نیا گھر میں یہ سب کچھ کرتا رہا، اور پھر وہاں سے واپسی پر نوزی لینڈ چلا گیا وہاں سے منحوس پیڑرو اور کاسٹر کو دھوکہ دے کر لے آیا۔ بہت چالاک ہے۔ اپنی بات منوانے کی قوت رکھتا ہے وہ۔“

ڈریم لینڈ سرکس بند پڑا تھا۔ پولیس سرکس والوں کے ساتھ مل کر سرکس کے مالکوں کو تلاش کر رہی تھی لیکن کوئی خبر نہیں ملی تھی۔ پھر غلام شاہ کا سرکس یہاں پہنچ گیا۔ اجازت لے کر منڈوا لگا دیا گیا۔ غلام شاہ ہوٹل سے سرکس پہنچ گیا۔ ادھر اکبر شاہ وغیرہ شارق کی تاک میں لگے ہوئے تھے۔ اتفاق سے شارق انہیں نظر ہی نہیں آیا تھا وہ پھر روپوش ہو گیا تھا۔ غلام شاہ نے فقیر شاہ کو طلب کر کے پوچھا کہ اب ڈریم لینڈ سرکس کا مستقبل کیا ہے اور پھر فیروں کے ساتھ کام کرنے سے کیا فائدہ، اپنا سرکس موجود ہے۔ فقیر شاہ خود غلام شاہ کا سرکس دیکھ کر دنگ رہ گیا تھا۔ اس نے خوشی سے اس میں شامل ہونے کا اعلان کر دیا اور تمام لوگوں کے ساتھ آ گیا۔ اپنے دیس کی بات اپنی ہی تھی مگر شارق کے بارے میں اس نے کہا۔

”شارق زماں بیزھی کبیر ہے غلام شاہ..... وہ تیار نہیں ہوتا۔“

”اوسروا کو ایک بار ہلا تو لائی ہے پھنکیر مارتے۔“

”لے آؤں گا اسے میں۔۔۔۔۔ تم خود بات کر لینا۔“ فقیر شاہ نے کہا۔ کسی کو امید نہیں تھی کہ شارق فقیر شاہ کے ساتھ آ جائے گا لیکن شارق اسی وقت فقیر شاہ کے ساتھ سرکس میں آ گیا تھا جب سونیا وغیرہ بھولے پر مشق کر رہی تھی۔ سب حیران رہ گئے تھے۔

”اب تم خود بات کر لو غلام شاہ سے۔“ فقیر شاہ نے کہا۔

”جی شاہ صاحب کیا حکم ہے۔۔۔۔۔؟“ شارق نے پوچھا۔

”ہم جانتے ہیں بڑا اکڑتے تار سرکس ماں کام کر۔“ غلام شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ہوں، شاہ صاحب۔ کیا آپ کے سرکس میں مجھ سے بڑا کوئی فنکار موجود ہے۔۔۔۔۔؟“ شارق نے کہا۔

”نا بڑا، کو نو سسر تو ہار پانگ ادنا رہے۔ تے سب سے بڑا پھنکار ہے بھائی۔“

”مقابلہ کر اکر دیکھ لو شاہ صاحب۔ کوئی مجھ سے بہتر کام کر سکے تو مان جاؤں گا۔“

”بولت ہیں نا بھائی۔ تے سب سے بڑا پھنکار ہے۔“

”ان سب کو میری ماتحتی میں کام کرنا ہوگا۔“

”ہم سب حیرے ماتحت رہیں حیرا۔۔۔۔۔ اور کچھ بول۔“ غلام شاہ بولا۔

”تخو، کیا ملے گی۔۔۔۔۔؟“

”جے تے کہے۔۔۔۔۔ منہ مانگی دیں گے۔“

”ہوں۔۔۔۔۔ تب پھر سوچ کر جواب دوں گا۔“ شارق نے کہا اور غلام شاہ کا چہرہ بگڑ گیا۔

”اب ادسوچے گا بھائی۔“

”ہاں شاہ صاحب غور کر کے جواب دوں گا۔ فیصلہ کرنے میں کچھ وقت لگے گا۔ اچھا اجازت دیجئے۔“

”ارے ارے۔۔۔۔۔ جات کہاں ہے ارے۔“ غلام شاہ بولا۔

”پھر کسی وقت آؤں گا شاہ صاحب۔“

”بیٹھ جاسر ابھٹ سے بہت ہوگئی بس۔۔۔۔۔ حرام کھورادو کے لپٹے کی طرف اٹھتے ہی جات ہے ارے ہم کہتے بیٹھ جا ادھر کدم ادبا ہر نکالی رے تو مولا

کسم مار مار جوتا بھیج نکال باہر پھینک دی ہے۔ ارے ہاں ہم سراسیمہ سے ہاں ہاں کر رہے جاتے اور لائٹ صاحب کا مہاج بھی ٹھکانے آت ہے۔ غلام شاہ کرسی سے نیچے اتر آیا اور مینڈک کی طرح ہاتھوں اور پیروں کے بل بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں اور درحقیقت شارق اگر قدم اٹھاتا تو نقصان میں رہتا۔ خود شارق چونک کر اسے دیکھتا رہا۔ پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور غلام شاہ کے پاس پہنچ گیا پھر گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے اپنا سر غلام شاہ کے سامنے خم کر دیا۔

”تمہارا غلام ہوں شیخا۔ تمہارے قدموں کی خاک ہوں۔“ اس نے آہستہ سے کہا۔ اور غلام شاہ نے اسے سینے سے لگا لیا۔

”ہمکا معا بھ کر دی ہے بٹا۔ بس ان حرام کھور چھو کر داجھو کر یا کے پھر ماں آئے گئے تھے کھلتی ہو گئی تھی ہم سے۔“ اس نے کہا تمام لوگ مسکرا اٹھے تھے۔ غلام شاہ شارق کو ساتھ لے کر منڈوے سے باہر نکل گیا۔ مشقیں خود بخود ختم ہو گئی تھیں۔

پورا دن گزر گیا۔ غلام شاہ شارق کے ساتھ ہی رہا اس سے باتیں کرتا رہا بہت کچھ پوچھتا رہا تھا۔ پھر رات ہو گئی سو نیا اپنے خیمے میں داخل ہو گئی۔ یہ رات سونے کی رات نہیں تھی اس کا سارا وجود گدگد رہا تھا نہ جانے کیا کیا سوچیں تھیں اس کے دماغ میں۔ وہ ان سوچوں پر جھنجھلا رہی تھی، شرمارہی تھی۔ چونک کر ادھر ادھر دیکھنے لگی تھی۔ باہر کا ماحول سنسان ہو گیا۔ اس نے عجیب سی نظروں سے خیمے کے دروازے کو دیکھا۔ اس کے کان کسی آہٹ کے منتظر تھے۔ مگر کوئی آہٹ نہ ہوئی۔ وہ گہری سانس لے کر اپنی جگہ سے اٹھی اور خیمے کے دروازے پر آئی۔ دیر تک باہر تارکیوں میں گھورتی رہی پھر کسی قدر اداس ہو کر واپس چلی اور اچانک اس کا دل اچھل کر مطلق میں آ گیا۔

وہ اس کے خیمہ کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ سو نیا نے دونوں ہاتھ سینے پر رکھ لئے۔ اسے یقین آ رہا تھا، تب اس کی آواز ابھری۔

”تم نے کہا تھا کہ مجھے سرکس کا سب سے بڑا فنکار بننا ہوگا۔ شیخا کہتا ہے کہ میں اس سرکس کا سب سے بڑا فنکار ہوں۔ تمہارا خیال تھا کہ شیخا کسی غیر سرکس میں جگہ نہیں دیتا۔ شیخا نے کہا ہے کہ وہ مجھے یہاں سے نہیں جانے دے گا۔ کیا میں گلاب گلاب سو نیا کو دل کا گلاب پیش کر سکتا ہوں۔“

سو نیا مدھوشی کے عالم میں آگے بڑھی اور اس کے قریب پہنچ گئی۔ پھر اس کے ہونٹوں سے نکلا۔ ”تم کچھ بھی نہ ہوتے۔۔۔۔۔ فنکار نہ ہوتے، شیخا تمہیں قبول نہ کرتا۔۔۔۔۔ تب میں تمہارے لئے سرکس چھوڑ دیجی۔۔۔۔۔ تمہیں اپنا سب کچھ بتا لیتی۔ سب کچھ۔۔۔۔۔ میں، میں تم سے محبت کرتی ہوں شارق۔۔۔۔۔ میں تمہیں اپنی آنکھوں کی بیٹائی سے زیادہ چاہتی ہوں۔ میں تمہیں اپنے دل کی دھڑکن سے زیادہ پیار کرتی ہوں۔“ اس نے اپنا سر شارق کے سینے سے لگا دیا۔